دِل کا دروازہ

رُخ چوہدری

انتساب

الحمد للہ رب العالمین

اپنے دونوں بھائیوں

ارشد چوہدری

اور

ذیشان چوہدری

کے نام جن کی محبت میرا اعتماد بنی

اور جن کا تعاون میری کامیابی بنا

رخ چوہدری

پیش لفظ

الحمد للہ رب العالمین

کہ جو خالق و مالک و رازق ہے کل کائنات کا، جو بادشاہوں کا بادشاہ ہے کہ جس کے قبضہ قدرت میں دونوں جہان ہیں کہ جس کی نعمتوں اور کرم نوازیوں کا ہم شکرانہ ادا نہیں کر سکتے پھر بھی بے حد و بے شمار شکر خدائے بزرگ و برتر کا جس نے مجھ ناچیز کو صاحب [illegible] بخشا ہے۔

''اے اللہ...... ! تیرا شکر ہے اتنی تعداد میں جس قدر تیرا علم ہے۔''

قلم اور لفظ کا ازلی رشتہ ہے۔ قلم اگر شاعر کے ہاتھ میں ہو تو ایک خوبصورت غزل وجود میں آجاتی ہے۔ قلم اگر ادیب کے ہاتھ میں ہو تو اندر باہر کے جذبات کو، معاشرے کی بکھری کہانیوں کو لفظوں میں پرو کر کبھی افسانے میں ڈھال دیتا ہے اور کبھی ناول کی صورت۔ الحمد للہ! اللہ کے فضل و کرم سے میرا ایک اور ناول ''دل کا دروازہ'' کے نام سے آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

قلم سے رشتہ اس عمر سے جڑا جب قلم کے کردار اور لفظ کی حرکت کی اتنی سمجھ نہیں ہوتی اور احساس کو لفظ کے رنگین پیراہن دینے کا اتنا شعور نہیں ہوتا۔ پھر بھی احساس کی کیفیات کی کہانیاں کہنا، ان کو لفظوں میں ڈھالنا بہت اچھا لگتا ہے اور اللہ کی مہربانی اور مدد سے میں نے بھی لکھا اور خوب لکھا۔ پروردگار نے عزت بخشی، آج میں دسویں ناول ''دل کا دروازہ'' کو جو کرن ڈائجسٹ میں 35 اقساط میں چھپا اور الحمد للہ رب العالمین! قارئین کی سو فیصد پسندیدگی کی سند حاصل کی ہے، میرے ہاتھ میں ہے۔

''دل کا دروازہ'' مجھے ذاتی طور پر پسند ہے کیونکہ اس میں جو پختگی اور جو گہرائی ہے وہ شاید میرے نزدیک کسی اور تحریر میں نہیں۔ ہر چند کہ اللہ رب العزت نے میرے ایک ایک لفظ کو عزت بخشی ہے اس لئے اپنا عزیز اور لازوال ناول میں اپنے عزیز از جان بھائیوں کے نام کر رہی ہوں جن کی محبت میرا اعتماد اور جن کا تعاون میری کامیابی بنا ہے۔

تینوں بھائیوں کے لئے بے حد دُعائیں ہیں مگر میرا جو ساتھ ذیشان چوہدری (ناز) نے دیا ہے خاص طور پر اس کا تعاون میری کامیابی کا سنگ میل بنا ہے۔ کسی ادبی تقریب میں جانا ہو یا کسی ٹی وی چینل پر جانا ہو، انجم انصار کی دعوت پر فوری طور پر ماہنامہ ''پاکیزہ'' جانا ہو یا حقیقہ اوڈھو کے آفس جانا ہو، میرے اس بھائی نے کبھی انکار نہیں کیا۔ اپنی مصروفیات کو پس پشت ڈال کر میرا ساتھ دیا۔ اللہ تعالیٰ اسے ہمیشہ خوش رکھے، آمین۔

اور میرے منجھلے بھیا احمر چوہدری (چاند) ہمارے گھر کا دھونسو ''جگا'' چونکہ پانچ بہنوں کے بعد تشریف لایا، والدین، بہنوں، بھائیوں کی محبت کے آسمان پر چاند بن کر چمکا تو اسے اپنی اہمیت کا احساس ہوا اور اللہ زندگی دے [illegible] اپنی اہمیت کو اس نے خوب خوب کیش کرایا ہے، کر رہا ہے اور کرتا رہے گا۔ اپنی بات پر اڑ جانا خواہ غلط ہی کیوں نہ ہو اس کی شخصیت کا خاصا ہے۔ مزاج کا اکھڑ مگر دل کا کھرا ہے۔ اس کی نرم مزاجی کو لوگ استعمال بھی کرتے ہیں۔ جب تک امی تھیں اس کے زندگی سے بھرپور قہقہے بکھرا کرتے تھے۔ امی نے آخری بار مجھ سے کہا تھا کہ اس کے قہقہوں میں میری جان ہے۔ مگر اب امی نہیں جانتیں کہ ان کے جانے کے بعد اس کے قہقہے کتنے کھوکھلے اور بے جان ہو گئے ہیں۔ اس اکھڑ اور لاپرواہ نظر آنے والے بھائی کو اپنے باپ سے، بہنوں اور بھائیوں سے بے پناہ محبت ہے اور ان کی آنکھ نم نہیں دیکھ سکتا۔

بڑے بھائی ارشد، شریف اور سیدھے سادھے بھولے سے انسان ہیں۔ معاملہ فہم ہیں۔ چاہتے ہیں دلائل سے مسائل حل ہو جائیں۔ معصوم نیچر والے بھائی کبھی اس کوشش میں کامیاب ہو جاتے ہیں کبھی نہیں۔

اللہ تعالیٰ میرے بھائیوں کو زندگی، صحت دے، بے حد محبت اور پیار، مان، اعتبار دیا ہے انہوں نے اپنی بہنوں کو کہ یہ ناول تو کیا زندگی ان کے نام کر دوں جو میری کوئی تحریر نہیں پڑھتے مگر میرا نام ہر

ڈائجسٹ کی فہرست میں دیکھنا چاہتے ہیں۔

تو قارئین! یہ تھا چھوٹا سا تعارف میرے بھائیوں کا جن کے نام میں اپنی پسندیدہ تحریر کر رہی ہوں۔ اللہ ان کو خوش و آباد رکھے، آمین۔ قارئین! پیش لفظ میں مجھے جو کہنا تھا میں کہہ چکی، اب آپ "دل کا دروازہ" کھولئے، پڑھئے اور اپنی رائے سے ضرور مطلع کیجئے کہ قارئین کی تعریف اور تنقید رائٹر کی تحریر کو نکھارتی ہے۔ طاہر سنز پبلشرز کے ساتھ یہ میرا پہلا ناول ہے اس سلسلے میں فرحان بھائی اور نگہت عبداللہ نے گمشدہ اقساط کو ڈھونڈنے میں میری مدد کی۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خوش رکھے اور فرحان بھائی کو ترقی و کامیابی دے، آمین! خوش رہیے، آباد رہیے۔

رُخ چوہدری

اپریل 2007ء

کراچی

دِل کا دروازہ

''خدا کے لئے...... !خدا کے لئے ہمیں بچا لیجئے [illegible]''

تاریک گلی سے گزرتے ہوئے کوئی ان دونوں سے ٹکرا کر مدد کے لئے چلایا تو ظفر نے اپنی ٹارچ آن کی۔ ایک لڑکی جس کے بال اُلجھے ہوئے، چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں، ان سے مدد کی درخواست کرتے کرتے وہ رو پڑی۔

''کون ہو بی بی تم......؟ اور اس وقت اس حلیے میں...... کیا حادثہ ہوا ہے تمہارے ساتھ......؟''

ظفر ابھی [illegible] سخت [illegible] تھا [illegible] ایک بار [illegible] کا شکار ہو چکا تھا کہ ایک بار ایک لڑکی اسی طرح روتی دھوتی آئی اور اسے اپنی ساتھیوں سے پٹوا کر والٹ لے کر چلتی بنی تھی۔

''آ...... آ...... آپ جو کوئی بھی ہیں خدا کے لئے میری مدد کیجئے......! میں سچ کہہ رہی ہوں میرے گھر میں دو غنڈے گھس آئے ہیں۔ میرے بوڑھے نانا نانی کو مار رہے ہیں۔ نانا نے مجھے باہر دھکیل دیا ہے تاکہ میری عزت محفوظ رہ سکے۔ پلیز...... میرا اعتبار کیجئے۔ خدا کی قسم...... ! میں بہت مجبور ہوں۔''

لڑکی بری طرح رونے لگی تو وجاہت جو گاڑی لاک کر کے پلٹ رہا تھا اس نے ساری بات سن لی اور سمجھ بھی لی۔

''دیکھو لڑکی......! اگر اس کے علاوہ کوئی اور چکر ہوا تو...... میں......'' ظفر بہت محتاط تھا حالانکہ لڑکی پر ترس آ رہا تھا اور اس کی مدد کرنے پر تیار تھا مگر وہ پھر بھی محتاط تھا۔

''کم آن یار......! اب ایسی بھی کیا احتیاط...... آؤ دیکھتے ہیں کیا معاملہ ہے۔ اگر کوئی گڑبڑ ہوئی تو ہم نے کون سی چوڑیاں پہن رکھی ہیں۔ کم آن......!'' وجاہت نے اس کے شانے پر مضبوطی سے ہاتھ رکھ کر کہا تو ظفر تیار ہو گیا۔

''ہاں......! چلو بی بی......! راستہ بتاؤ......!''

''جی......! آپ لوگوں کا بہت بہت شکریہ......! آیئے......!''

گھبرائی ہوئی لڑکی لڑکھڑائی آواز میں راستہ بتاتی آگے چل رہی تھی۔ وہ دونوں بھی کچھ گھبرائے سے

انجانے راستوں پر اس کے پیچھے چل رہے تھے۔

"مروا تم دے یار...... اس لڑکی نے۔" ظفر کا تجربہ بولا۔

"کم آن یار...... اللہ مالک ہے...... اور جب خدا کے لئے کہہ رہی ہے تو پھر کیا سوچنا اور کیا ڈرنا......؟"

"یہ...... یہ میرا گھر ہے۔" لڑکی کی آواز خوف سے دب گئی۔ چھوٹی سی تنگ سی یہ گلی کافی تاریک تھی۔ چھوٹے سے گھر سے ہلکی سی روشنی باہر آ رہی تھی مگر باہر آنے والی آوازیں کچھ بلند ہی تھیں۔

"بول...... بول بڑھے...... لڑکی کو کہاں چھپایا ہے......؟ بتاتا ہے کہ ابھی تیرے اس زنگ آلود چاقو سے جسمانی پنجرے سے تیری روح کے پرندے کو آزاد کریں۔ بتاتا ہے کہ......"

"نہیں بتاؤں گا...... بھلے میری جان لے لو نہیں بتاؤں گا۔"

"اچھا یہ جان یہ عمر اور...... اور یہ ہڈیاں...... بلے بھئی...... صدقے جائے بندہ تیری دلیری کے۔ یار شوکے...... ذرا اندر جھانکیو تو مار کہیں کسی صندوق میں بند نہ کر دیا ہو۔ اوا ایک تو ان بڈھے بے غیرت مندوں کو عزت لڑکی کی جان سے زیادہ پیاری ہوتی ہے۔ اچھا چل مائی......! تو بتا کہ وہ کہاں ہے جس نے میرے دن کا چین اور راتوں کی نیند حرام کر دی ہے......؟"

"بتا دے مائی...... کیوں اپنا مردہ خراب کرنے پر تلی ہے......؟ بتا شاباش کہاں ہے وہ تیری جل پری......؟"

یہ دوسرے غنڈے کی آواز تھی جس نے جانے بڑھیا کا گلا دبایا تھا کہ بڑھیا کی چیخ سن کر لڑکی بے چین ہو کر اندر کی طرف جانے لگی جب ظفر نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"آپ باہر ٹھہریں ہم دیکھتے ہیں...... آؤ وجاہت......!"

اندر سے آنے والی باتوں کی آواز سے ظفر کو لڑکی کی بات پر یقین ہو گیا تھا۔

"میرے خدا......! تو نے ہی ان دونوں کو میری مدد کا وسیلہ بنایا ہے تو ہی ان لوگوں کی مدد فرمانا۔" وہ باہر بیٹھی خوف سے دھڑ دھڑ کرتے دل کے ساتھ دعائیں کر رہی تھی۔ اندر کا منظر خالصتاً فلمی تھا کہ وہ بدمعاش دو غریب بڈھے اور بڑھیا کو مار پیٹ رہے تھے۔ یہ زیادتی اور غصہ ان دونوں کے دماغ کو چڑھ گیا اور انہوں نے ان دونوں کو اپنے کراٹے کے داؤ پیچ سے بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ وہ جاہل اجڈ کراٹے کے داؤ پیچ کیا جانتے اس لئے انہیں لہٰذا بھاگ جانے ہی میں عافیت جانی۔

"نانا جان......! میری جان...... نانی جان......! کتنا مارا ہے ان خبیث لوگوں نے آپ کو۔ اللہ پوچھے گا ان لوگوں سے۔" لڑکی محبت سے اپنے ضعیف نانا نانی سے لپٹی روئے جا رہی تھی۔ کم واٹ کے بلب میں اس کا نازک سا وجود آنسوؤں میں ڈول رہا تھا۔

"ہمیں کچھ نہیں ہوا بیٹی......! خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہماری عزت محفوظ رکھی اور ان دو نیک فرشتوں نے اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر ہماری مدد کی۔ خدا تمہیں خوش رکھے بیٹا......! تم لوگوں کو چوٹ تو نہیں آئی......؟"

بابا ظفر اور وجاہت کی طرف مڑے جن کو چوٹیں تو ضرور آئی تھیں مگر ایسی نہیں کہ خطرناک ثابت ہوتیں۔

"ارے نہیں بابا......! ہمیں کوئی چوٹ نہیں آئی ویسے یہ غنڈے کون تھے......؟" ظفر نے بابا کو پکڑ کر

چارپائی پر بٹھاتے ہوئے کہا تو وہ افسردہ ہو گئے۔

"یہ وہ لوگ ہوتے ہیں بیٹا......! جن کی کوئی پہچان ہوتی ہے نہ ہی کوئی نام پتا۔ ان کا کام صرف بھونکنا ہوتا ہے۔"

اور پھر بابا ظفر کو اپنی کہانی سنانے لگے۔ وہ ماضی کے جانباز سپاہی تھے ایک ہی بیٹی تھی اس کی شادی کی تو بیٹی اور داماد کسی حادثے میں اللہ کو پیارے ہو گئے اور اپنی تین سالہ بیٹی زینت کو ان کے بڑھاپے کی آزمائش بنا کر چلے گئے۔ اس کو پالنا اس کی پرورش اتنا مشکل کام نہیں تھا لیکن اب اس کو سنبھالنا ہم بڈھے بڈھی کے لئے مشکل ہو گیا ہے۔ شہر سے عزت بچا کر آئے تھے کہ گاؤں میں ریت رواج کے لوگ بستے ہیں مگر یہ نہیں جانتے تھے کہ گلیوں میں بھونکنے والے ہر جگہ پر موجود ہیں۔

جب تک بابا ظفر کو اپنی داستان غم سناتے رہے تھے وجاہت تب تک زینت کے مطالعے میں مصروف رہا وہ جو اپنے نازک خوبصورت حسین سراپے کے ساتھ اپنی نانی کو پیار کر رہی تھی۔

"آپ کو بہت چوٹ آئی ہے نانو...... ہلدی اور تیل کی پٹی باندھ دیتی ہوں۔"

"مجھے چھوڑ زینت بیٹی...... ان لڑکوں کو دیکھو...... یہ دیکھو میرے بیٹے کے ماتھے پر چوٹ لگی ہے۔ جاؤ پہلے اسے صاف کرو اور پھر کچھ کھانے پینے کو لاؤ کرو۔" نانو کے حکم پر زینت اٹھ کر اندر کمرے میں گئی اور گھر یلو فرسٹ ایڈ کا سامان اٹھا لائی۔

"خدا کا شکر ہے کہ زیادہ گہری چوٹ نہیں۔" زینت نے کاٹن سے خون صاف کرتے ہوئے کہا تو ہلکی زردروشنی میں اس کا حسن کسی خواب کی طرح لگا۔

"یہ تو آپ کہہ رہی ہیں ناں کہ زخم زیادہ گہرا نہیں لیکن ہم سے پوچھئے میرا مطلب ہے کہ......" وہ کچھ کہتے کہتے رہ گیا مگر وہ کچھ سنے بغیر اپنا کام کر کے پھر اندر جا چکی تھی۔ وہ جیسے ہی باہر آئی ایک دم بجلی چلی گئی۔ بجلی کے جانے سے کچھ خاص اندھیرا نہیں ہوا کیونکہ پورا چاند روشن تھا جو جہاں بیٹھا تھا وہیں بیٹھا رہا۔

"زینو بیٹی...... لالٹین جلا کر کچھ کھانے پینے کا انتظام کرو بچوں نے اتنی جان ماری ہے ان خبیث نامرادوں کے ساتھ۔ اللہ ان بدبخت لوگوں کو ہدایت دے۔"

"جی نانو......!"

کچھ دیر میں زینو لالٹین جلا کر لے آئی۔

"آں...... نہیں بیٹی اسے یہاں نہ لگاؤ۔ باورچی خانے میں لے جاؤ اور کچھ کرو۔" ظفر جو قدرے فاصلے پر بڑے میاں کے ساتھ باتوں میں مصروف تھا مگر نظریں سامنے کے منظر پر تھیں۔ دھیمی سی روشنی میں خیرہ کر دینے والا حسن اسے بھی نظر آ رہا تھا۔ وہ محض اس خیال سے کھڑا ہو گیا کہ اتنے اندھیرے میں یہ خواب و خیال کی طرح نازک لڑکی کیا کرے گی۔

"نہیں...... ہم لوگ اب چلیں گے۔"

اس کے اس اچانک اعلان پر وجاہت نے ناپسندیدہ نظر اس پر ڈالی مگر بولا کچھ نہیں۔

"ارے نہیں چندا...... تم لوگ تو رحمت کے فرشتے ہو۔ اللہ پاک نے شاید تم لوگوں کو ہماری مدد کے لئے

ہی بھیجا تھا۔ اب بیٹھو اور کھانا کھا کر جاؤ۔ غریب لوگ ہیں کر تو کچھ بھی نہیں سکتے مگر......"

"ارے......! آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں......؟ یہ بات درست ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ لوگوں کی مدد کے لئے یہاں بھیجا تھا۔ اصل میں ہم لوگ یہاں اپنے ملازم کا پتا کرنے آئے تھے جو کافی بیمار ہیں عیادت کے بعد واپس جا رہے تھے کہ......"

"جیتے رہو......! اللہ تم لوگوں کو ہمیشہ خوش رکھے بیٹا......! تم لوگوں نے تو ہم پر وہ احسان کیا ہے کہ......" خاتون تو نثار ہوئی جا رہی تھیں ان دونوں پر۔

"نہیں......! بعض اوقات انسان دوسرے پر نہیں خود اپنے اوپر احسان کر رہا ہوتا ہے۔" وجاہت کی نظروں میں زینت کا حسین سراپا تھا۔ اس کے لہجے کا لوچ الفاظ کی گہرائی کو صرف ظفر ہی سمجھ سکا۔

"یہ تو تمہارا بڑا پن ہے بیٹا......! کسی بہت ہی اچھے خاندان سے تعلق رکھتے ہو۔ ورنہ آج تو وہ وقت ہے کہ برے وقت میں سایہ بھی ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں کہ وقت اور حالات نے انسان کو بہت خود غرض بنا دیا ہے مگر ابھی انسانیت اتنی بھی بے حس نہیں ہوئی۔ آپ بتائیے آپ کو زیادہ چوٹ وغیرہ تو نہیں آئی......؟" ظفر نرمی سے بولتا ہوا خاتون کے قریب چارپائی پر بیٹھ گیا تو وہ جذباتی ہو گئیں۔ اپنے اکیلے پن اور کمزوری آنسوؤں میں ڈھل گئی۔ وجاہت چپکے سے اُٹھ کر باورچی خانے کی طرف آ گیا۔ دھیمی سی روشنی میں چھوٹا سا کچن اس کے وجود سے کتنا خوبصورت لگ رہا تھا۔ وہ اپنے کام میں اتنی محو تھی کہ اس کے آنے کا احساس ہی نہیں ہوا۔

"آپ بلاوجہ تکلف کر رہی ہیں۔"

وجاہت نے آہستگی سے کہا تو وہ چونک کر مڑی۔

"ارے آپ......! آپ یہاں کیوں آ گئے ہیں......؟"

"اس لئے کہ آپ یہاں ہیں۔ وہ میرا مطلب ہے کہ آپ تکلیف کیوں کر رہی ہیں ہم کھانا گھر جا کر کھا لیتے ایسی کیا بات ہے......؟" وجاہت کی گہری نظریں اس کے حسین چہرے پر جمی تھیں۔

"آپ اس کو تکلیف کہہ رہے ہیں اور آپ دونوں نے جو ایک انجان اجنبی لڑکی کی مدد کرنے پر اپنی زندگی داؤ پر لگا دی یہ احسان کیا کم ہے۔" وہ دل و جان سے ان دونوں کی احسان مند ہو رہی تھی۔

"میں نے کہا ناں کچھ احسان انسان خود اپنے اُوپر کرتا ہے لیکن شاید ابھی آپ یہ نہیں سمجھیں گی۔ ابھی کام کیجئے میرے آنے سے آپ ڈسٹرب ہو گئی ہیں کہیں تو چلا جاؤں......؟"

"ارے نہیں......! آپ بیٹھئے......!" اس کے پیش کئے ہوئے موڑھے پر بیٹھ گیا۔ گو کہ زینت کو اس کے بیٹھنے سے مشکل ہو رہی تھی۔ وہ بالکل انجان اجنبی شخص تھا اور دوپٹہ بار بار ڈھلک رہا تھا۔ کام بھی ضروری تھا مگر وہ اسے کچھ نہیں کہہ سکی جبکہ باہر بیٹھا ظفر اس بات کو سمجھ رہا تھا۔

"اچھا جی......! تو اب ہمیں اجازت ہے۔" کھانے کے بعد ظفر جلد ہی اُٹھ کھڑا ہوا تو وجاہت نے اس کا ہاتھ دبا کر اسے مزید رکنے کو کہا۔ مگر ظفر نے اگنور کر دیا۔

"بیٹا......! جو تم دونوں نے ہم پر احسان کیا ہے اس کے لئے شکریہ کا لفظ بہت چھوٹا ہے۔ تمہاری اس نیکی

کا اجر اللہ تعالیٰ ہی دے سکتا ہے۔ خوش رہو بیٹا......!"

"کیوں شرمندہ کرتے ہیں آپ......؟ یہ ہمارا اخلاقی فرض تھا کہ ایک لڑکی ہمیں مدد کے لئے پکار رہی ہے تو ہم اس کی مدد کریں اور اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ جیسے اچھے بزرگوں سے ملاقات کیسے ہوتی......؟"

"تو پھر......! پھر آیا کرو گے ناں......؟" خاتون اپنے بھاری بھرکم وجود کے ساتھ بمشکل کھڑی ہو پائیں تو ظفر اور وجاہت نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"کیوں نہیں......! اگر آپ لوگ اس حادثاتی طور پر جنم لے لینے والے اس تعلق کو برقرار رکھنا چاہیں گے تو ہمیں بہت خوشی ہوگی۔"

"بلکہ ہم تو نئے تعلق بھی...... جوڑنا چاہیں گے۔" وجاہت نے برتن سمیٹتی زینت کے قریب ہو کر آہستگی سے کہا مگر زینت نے نہ تو سنا تھا اور اگر سن بھی لیتی تو شاید سمجھ نہ سکتی۔ البتہ ظفر ضرور اس کے لفظوں میں چھپے مقصد کو سمجھ گیا تھا۔ جس کو سمجھ کے اسے خوشی نہیں ہوئی تھی اور جب ظفر ان لوگوں کو "خدا حافظ" کہہ رہا تھا جھک کر ان کی دعائیں لے رہا تھا وجاہت نے چپکے سے اپنی کلائی سے گھڑی اُتاری اور ذرا سا جھک کر چارپائی کے کونے پر رکھ دی اور چاند کی روشنی میں گھر کی مکین زینت پر نگاہ ڈال کر باہر آ گیا۔

"انسان بھی کتنا بے خبر ہوتا ہے......! گھر سے نکلے تھے تو خبر ہی نہیں تھی کہ اتنا بڑا واقعہ رونما ہو کر ہماری زندگی پر نقش ہو جائے گا۔ کتنے احسان مند اور ممنون ہو رہے تھے دونوں کہ شرم آ رہی تھی۔" گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے ظفر کہہ رہا تھا۔

"[illegible] تم [illegible] کے لئے تیار نہیں تھے میں نے تمہیں مجبور کیا تھا۔"

"[illegible] تو اب تم [illegible] خوش......!"

"ہاں......! اماں ہی مجھے چاہئے ورنہ تم...... خیر یہ بتاؤ آئندہ اس تعلق کے بارے میں کیا خیال ہے جاری رکھو گے کہ......؟" وجاہت نے عجیب سے انداز میں پوچھا تو ظفر کچھ سے رو ڈپر آتے آتے ذرا چپ ہو گیا۔

"نہیں......! یہ ہماری پہلی اور آخری ملاقات تھی ان سے۔" ظفر نے کچھ اس انداز میں قطعی اور حتمی لہجے میں کہا کہ جیسے وہ اس بارے میں بات نہ کرنا چاہ رہا ہو۔

"اوکے......! ہم بھی اسے ایک حادثہ سمجھ کر بھول جائیں گے۔" وجاہت نے گہری سی نظر اس پر ڈالی اور سگریٹ سلگانے لگا۔ ظفر نے اس کی بات کو اہمیت نہیں دی، گاڑی چلاتا رہا۔

• • •

"اس سال خیر سے تم پورے اٹھائیس سال کے ہو جاؤ گے شہباز......! شرم کرو......!" عائشہ آپی نے بیگ ایک طرف رکھا اور اس کے قریب آ کر بیٹھ گئیں تو وہ حیرت سے دیکھنے لگا۔

"ہائیں آپی......! اٹھائیس سال کا ہونا باعث شرم کب سے ہو گیا......؟ اللہ تعالیٰ جس کو زندگی دیتا ہے وہ اٹھائیس تو کیا ایک سو اٹھائیس سال کے بھی ہوتے ہیں۔ ویسے آپی......! جب آپ اٹھائیس سال کی ہوئی تھیں تو کیا آپ......"

وہ دو زانو ہو کر آپی کے قدموں میں بیٹھا شرارت سے ان کو دیکھ رہا تھا۔ وہ آپی کی بات کا مطلب بہت

اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔

"یا تمیں نہ بناؤ۔ میں جب اٹھائیس سال کی تھی تو تین بچوں کی ماں تھی۔"

"آپی جان......! تو کیا اٹھائیس سال کی عمر میں تین بچے ہونا شرط ہے کہ اس سے زیادہ بھی ہو سکتے ہیں۔

اب دیکھئے ناں۔" وہ بہن کو اس طرح ہی بہلا دیا کرتا تھا۔

"شہباز......! شہباز......! اسد مرجاؤ اور شرافت سے شادی کے لئے تیار ہو جاؤ۔"

"بس......! اتنی سی بات نے میری پیاری آپی کو پریشان کر دیا ہے۔ چلئے ابھی چلئے مگر جانا کہاں

ہے......؟" وہ ہر بار شادی کے تقاضے کو مذاق میں ٹال دیتا تھا۔

"میں...... میں بہت سیریس ہوں تمہیں اثر کیوں نہیں ہوتا......؟ غضب خدا کا دنیا بھری پڑی ہے

لڑکیوں سے اور تمہیں ایک لڑکی پسند نہیں آتی شادی کے لئے۔"

"ایک لڑکی ارے آپی......! مجھے تو دس ہزار لڑکیاں پسند ہیں۔"

"مجھے دس ہزار لڑکیوں کا اچار نہیں ڈالنا۔ مجھے صرف ایک لڑکی سے غرض ہے جو تمہاری دلہن بن کر اس گھر

میں آئے اور تمہیں سنبھال لے۔ تم خود سوچو شہباز......! میں تمہاری بڑی بہن بھی ہوں، ماں بھی ہوں، اب میرا

اپنا گھر ہے۔ شوہر، بچے ہیں، میں اپنے گھر پر ہوتی ہوں تو سارا وقت دھیان تمہاری طرف لگا رہتا ہے۔ شادی کر

لو جان......! میں پریشان رہتی ہوں کہ تم نے کھانا کھایا کہ نہیں [illegible] کہاں تک خیال رکھتے ہیں۔ اب سیریس ہو

جاؤ۔"

عائشہ آپی وہی باتیں پھر دہرانے لگیں تو وہ جواب تک [illegible]

تھا۔

"اوکے......! آپ کہتی ہیں تو ٹھیک ہے۔"

"ہیں......؟ تم تیار ہو......؟ ہائے میں صدقے......! دیکھنا میں اپنے چاند کے لئے کیسی چاند سی لڑکی

تلاش کرتی ہوں۔ یا اللہ......! تیرا شکر ہے تو نے اس پتھر کو موم تو کیا۔" عائشہ آپی تو خوشی سے سرشار ہو گئیں۔

"آں...... آں آپی......! مجھے کوئی چاند شاند نہیں چاہئے...... میری ڈیمانڈ دھیان سے سن لیں۔ لڑکی

میرے آئیڈیل کے مطابق ہونی چاہئے۔ نہیں ہوئی تو شادی کی بات ختم۔"

"ہاں ہاں کہو......! میں پوری کوشش کروں گی کہ لڑکی تمہاری پسند کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہو بتاؤ۔"

عائشہ نے تو اس کا اس موضوع پر بات کرنا ہی غنیمت جانا۔

"جی تو پہلی بات یہ ہے کہ لڑکی پڑھی لکھی اور سمجھدار ہو اور اتنی سمجھدار ہو کہ میں اس سے جھوٹ بھی بولوں تو

وہ مجھ سے سچ بولے بڑی روایتی قسم کی شوہر پرست قسم کی لڑکی ہو جس کے دل پر سوچوں پر میرا راج ہو بہت زیادہ

ماڈرن اور آزاد خیال لڑکی قطعی نہیں چلے گی بس سادہ سی لڑکی ہو جو میرے دل اور گھر دونوں کو آباد کرے۔ میرے

گھر کو جنت بنا دے وفا شعار محبت عزت کرنے والی بیوی ہو اور جانثار قسم کی ماں ہو اور اہم بات کہ عمر میں وہ

میرے ہی برابر ہو یعنی کہ بہت کم عمر کی لڑکی ہرگز میری بیوی نہیں بنے گی۔"

اپنی پسند بتا کر وہ سکون سے کھڑا ہو کر بال سنوارنے لگا جبکہ عائشہ حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے اسی کے

[illegible] کا سہارا لے کر کھڑی ہو گئیں اور دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھام کر اس کی پیشانی پر پیار کر لیا۔

"میری جان......! کون کہہ سکتا ہے کہ تم نے اپنی عمر کے بیس سال امریکہ جیسے ترقی یافتہ ملک میں

گزارے ہیں۔ بمشکل آٹھ برس کے تھے جب چچا جان تمہیں امی ابو کے حادثے کے بعد اپنے ساتھ امریکہ لے

گئے تھے۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ مغربی تہذیب نے تم پر اثر نہیں کیا۔"

"میں کیا چیز ہوں آپی......! یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے ورنہ تو......"

"ہاں یہ تو ہے۔ ویسے چلو مان لیا کہ تمہاری ساری ڈیمانڈ قابل قبول ہے مگر یہ ہم عمری والی کیا تُک ہے بھئی

معلوم بھی ہے لڑکیاں شادی کے بعد شوہر سے بڑی لگنے لگتی ہیں۔ مجھ میں اور مبین میں سال سال کا گیپ ہے میں

سات سال چھوٹی ہوں ان سے مگر اکثر لوگ ان کو بھائی اور مجھے آنٹی کہہ جاتے ہیں اور تمہارے لئے لڑکی کم از

[illegible]

"پلیز آپی......! [illegible] میرے لئے تین ایج مت پسند کر لیجئے گا۔ میچور لڑکیاں پختہ سوچ کی مالک ہوتی ہیں

اور دل کی بجائے عقل سے سوچتی ہیں۔"

"ہاں اگر عقل ہو تو میرے بھولے بھالے......! عقل عمر کی پابند نہیں ہوتی۔ لڑکی سمجھدار ہو تو چودہ سولہ سال

کی عمر میں بھی سمجھدار ہو سکتی ہے نہیں تو سو سال کی بھی نہیں اور قسمت کی بات ہے دُعا ہے کہ اللہ بھائی کو بہت اچھی

سمجھدار اور قدر کرنے والی لڑکی دے۔" عائشہ خوش ہو گئی تھیں کہ وہ مانا تو سہی۔

"[illegible] آپی [illegible] مجھے لڑکی [illegible] بھی گوارہ نہیں آپ اس طرح لڑکی کو دیکھیں گی کہ اسے گمان

[illegible] کی وجہ سے ریجیکٹ کر گئی ہیں۔ اپنی ذات کی تضحیک کوئی لڑکی

برداشت نہیں کر سکتی اور یوں بھی کمی کسی لڑکی میں نہیں ہو سکتی دیکھنے والے کے ظرف اور پرکھنے والے کی نظر میں

ہوتی ہے کتنی عجیب بات ہے کہ اصل چیز سیرت ہوتی ہے اس کی خوبی خامی کو کوئی نہیں دیکھتا بس صورت کو دیکھتے

ہیں۔ بس آپ یہ سوچ لیں کہ میں کتنا روایتی آدمی ہوں اور مجھے بیوی بھی ایسی ہی چاہئے جو شوہر گھر اور بچوں پر

اپنا سب کچھ قربان کرنے کا حوصلہ رکھتی ہو۔ مجھے مکمل گھریلو سکون دینے والی لڑکی چاہئے۔ بس اس کے علاوہ مجھے

کچھ نہیں چاہئے [illegible] میں شادی کر کے پچھتاؤں کہ......"

[illegible] کرے شہباز......! ایسی باتیں نہ سوچو۔ انسان کو اچھی اُمیدیں رکھنی چاہئیں۔ تو اچھے پھل ہی ملتے

ہیں اللہ بہتر کرے گا۔"

"بے شک......! اور بیٹے میں نے اگر ہاں کر دی ہے تو ضروری نہیں کہ آپ کل ہی سہرا لے کر آ جائیں۔"

وہ شوخ ہونے لگا تو وہ خفگی سے گھورتی کمرے سے نکل گئیں۔

● ● ●

"ہائے لیلیٰ......! کتنی زبردست لگ رہی ہو یار......! قسم سے ایک تو تم ہو بڑی خوش قسمت۔ اللہ تعالیٰ

نے حسن بخش دیا ہے تمہیں کہ مخالف صنف کے علاوہ ہم جیسے بھی تمہیں دیکھ کر دل تھام لیتے ہیں۔" صبا اس کی

تصویر دیکھتے ہوئے مسلسل تعریفیں کر رہی تھی اور وہ وارڈ روب سے کپڑے نکال کر بیڈ پر ڈھیر کر رہی تھی۔

"چھوڑ یار......! تو کیا لڑکوں کی طرح تعریف ہی میں لگی رہتی ہے۔ یہ بتا کہ ریحان انکل کے گھر دعوت

پر کون سا ڈریس پہن کر جاؤں۔"

"کوئی بھی پہن لو جان من...... ! ہر لباس میں آفت قیامت لگتی ہو۔ ایک ہم ہیں کہ اس سانولے رنگ پر کچھ بھی جچتا ہی نہیں۔" صبا لیلیٰ کے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی ہو کر حسرت سے دیکھنے لگی۔

"صبا ہر وقت ناشکری کی باتیں نہ کیا کرو۔ رنگ سانولا سہی مگر اتنی اٹریکشن ہے ناں تم میں کہ بندہ دیکھتا رہے۔"

"اچھا اب بناؤ مت۔ یہ بتاؤ وہ تم فوٹو سیشن کے لئے کہہ رہی تھیں۔ ہوا اس کی پرمیشن مل گئی......؟"

"پرمیشن کی کیا بات ہے تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ مما پپا مجھے ہر بات کی اجازت دے دیتے ہیں اور تم جانتی ہو ایکٹنگ میرا کتنا جنونی شوق ہے اور یوں بھی شوبز میں اچھی فیملیز کی لڑکیاں آ رہی ہیں اس لئے تو پپا بھی مان گئے ہیں۔"

لیلیٰ بڑے سکون سے پر اعتماد لہجے میں بتا رہی تھی اور صبا ایک حسرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"ہائے تم کتنی لکی ہو لیلیٰ کہ مما پپا ہر بات مان لیتے ہیں تمہیں ہر بات کی آزادی ہے مگر ایک ہم ہیں کہ مما پپا کی طرف سے الگ پابندی بھائیوں کی طرف سے الگ روک ٹوک یہ نہیں کرنا وہ نہیں کرنا ایک تو ہمارے خاندان کی ناک ہی بہت اونچی ہے۔ اچھا خیر یہ بتاؤ اب ہم نے ایف۔ ایس۔ سی تو کر لیا ہے۔ فرض کرو کہ اگر تمہارا میڈیکل میں ایڈمیشن ہو جاتا ہے اور ٹی وی یا فلم کی طرف سے بھی اچھی آفر آ جاتی ہے تو......"

"تو کیا...... ظاہر ہے اپنے شوق کی تکمیل کے لئے [illegible] الحال چھوڑنا پڑے گا......؟"

لیلیٰ نے ہلکا سوڈ کلر کا جوڑا نکالا جو اس کی رنگت پر بہت کھل رہا تھا۔

"زبردست...... ! اسی شیڈ کا میک اپ کرنا۔ دیکھنا کتنے [illegible] گے۔"

"شٹ اپ...... فی الحال مجھے کسی کو نہیں گرانا۔ ابھی میری منزل بہت دور ہے۔ اچھا سنو یہ آئی شیڈ کیسا رہے گا......؟" وہ آئی شیڈ صبا کو دکھا رہی تھی تو وہ غور سے اسے دیکھنے لگی۔ بہت ہلکے براؤن کلر کے بال اور بالوں کی ہم رنگ گہری سوچتی آنکھیں اتنی خوبصورت تھیں کہ صبا تو ہر وقت اس کی تعریف ہی کرتی۔ سنہری رنگت والی لیلیٰ اسے بہت پسند تھی مگر اسے معلوم تھا کہ اگر وہ اپنے کسی بھائی کے لئے اسے پروپوز بھی کرے گی تو اس کے مما پپا اپنی اکلوتی بیٹی کا رشتہ نہیں دیں گے۔ لہٰذا آہ بھر کر رہ جاتی۔

"جب بغیر ہتھیاروں کے تم قتل کر لیتی ہو تو پھر ان کی کیا ضرورت ہے......؟"

"تم تو ہو ہی پاگل۔ ہٹو پیچھے۔" لیلیٰ جھینپ سی جاتی اور صبا اس کے چہرے پر اترتے رنگوں کو دیکھتی رہ جاتی۔

"لیلیٰ ایک بات کہوں......؟"

صبا اس کے آئینے کے درمیان آ کر کھڑی ہو گئی اور بغور اسے دیکھنے لگی۔ لیلیٰ نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا لپ پنسل ایک طرف رکھ دی۔

"تم جب بھی اتنی سیریس ہوتی ہو تو بم پھوڑتی ہو بولو......!"

"لیلیٰ...... تمہیں اندازہ ہی نہیں تم کتنی حسین ہو اور تمہارے حسن میں کتنی پاکیزگی ہے تمہارے حسن کا آئینہ بہت شفاف ہے۔ شوبز میں جاؤ گی تو آنٹی سید کی نظروں سے میلا ہو جائے گا۔ شوبز میں نہ جاؤ لیلیٰ......!"

صبا کے دوستانہ لہجے میں عجیب سی التجا تھی۔ نجانے وہ کیوں نہیں چاہتی تھی کہ لیلیٰ شوبز میں جائے اس کی وجہ شاید شوبز کے لوگوں کے بارے میں چھپنے والے اسکینڈلز تھے یا آنٹی سید کی خبریں تھیں جبکہ شوق کی دھند میں کھڑی لیلیٰ کو کچھ بھی برا نہیں لگتا تھا ایک اعتماد تھا اسے خود پر۔

"تم تو احمق ہو وہ انسان ہی کیا کہ ہر قسم کے ماحول میں ڈھل جائے۔ بندے کو اپنی جگہ پر مضبوط ہونا چاہئے اور وہ میں ہوں الحمدللہ...... اور پھر مجھے اپنے مما پپا کا اعتماد بھی حاصل ہے تم خوفزدہ نہ ہو ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ تم میرے شوق کو جانتی ہو اداکاری میرا کتنا جنونی شوق ہے۔ کتنے اچھے اچھے ڈرامے آتے ہیں ٹی وی پر اور جب کوئی ہیروئن کسی بہت اچھے کردار کی اچھی ایکٹنگ نہیں کرتی تو میں سمجھتی ہوں۔ یہ رائٹر کے ساتھ ڈائریکٹر کے ساتھ سب کے ساتھ زیادتی ہوتی ہے۔"

"اور تم اپنے آپ کو بہت اچھی ایکٹر سمجھتی ہو ہاں بہت اعتماد ہے خود پر۔" صبا کے لہجے میں ہلکا سا طنز تھا۔

لیلیٰ اسے گھورنے لگی۔

"تم میری ہم عمر سترہ سال کی لڑکی ہو مگر باتیں تم بی اماں جیسی کرتی ہو۔ کس نے کہا کہ مجھے خود پر بہت [illegible] ہے۔ بس شوق ہے اب دیکھو آج کل وہ جو سیریل چل رہا ہے رائٹر نے کتنا خوبصورت لکھا ہے اسے مگر [illegible] کی ایکٹنگ [illegible]" لیلیٰ کو چونکہ خود شوق تھا اس لئے وہ ہر اداکار کی ایکٹنگ اسی نظر سے دیکھتی تھی۔

"اچھا چھوڑو...... اداکاری کے جوہر بھی دیکھیں گے کہ فن کے سمندر میں کتنی ڈوبی ہوئی ہو۔"

"دیکھ لینا انشاء اللہ...... ! تم خود کہو گی واہ لیلیٰ...... ! تم نے تو کمال کر دیا۔" یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھیں چمک اٹھیں اور صبا صرف اسے دیکھ کر رہ گئی۔

• • •

"لیلیٰ جانی...... ! تیار ہو گئی ہو تو آ جاؤ تمہارے پپا گاڑی نکال رہے ہیں۔"

"آئی مما...... !" لیلیٰ نے پرفیوم اسپرے کرتے ہوئے کہا۔ اور سنہری ڈوری والا چھوٹا سا بیگ اٹھا کر شانے سے لٹکایا اور نیچے آ گئی۔

زبیر صاحب خاصے سوشل آدمی تھے۔ دونوں میاں بیوی سوشل کاموں میں آگے آگے رہتے۔ یہی وجہ تھی کہ ان کا حلقہ احباب خاصا وسیع تھا۔ جس محفل میں جاتے چھا جاتے۔ اس وقت زبیر صاحب اپنی خوبصورت ویل ڈریس بیوی اور حسین بیٹی کے ہمراہ توجہ کا باعث بنے ہوئے تھے۔

"ہائے فاطمہ...... ! کیسی ہو......؟" مسز جمیل آگے بڑھیں اور فاطمہ کے گلے لگ گئیں۔

"ماشاء اللہ...... ! بھئی فاطمہ...... ! لیلیٰ تو دن بدن حسین تر ہوتی جا رہی ہے کہ نگاہیں نہیں ہٹتیں۔" مسز ریحان نے بے ساختہ لیلیٰ کو ساتھ لگا کر پیار کر لیا تو سہیل شوخی سے آگے بڑھا۔

"دیکھ لیجئے ممی...... ! نگاہیں تو آپ لوگوں کی بھی نہیں ہٹتیں...... ہم یہ بات کہیں تو مجرم ٹھہرائے جاتے ہیں۔"

سہیل کی شوخ نظریں باتوں میں مصروف لیلیٰ پر تھیں۔

”دل پر قابو رکھو میرے بیٹے.....! کلی اور پھول اس وقت تک ہی خوشنما نظر آتے ہیں جب تک ان کو چھوا نہ جائے۔ جانتے ہو لیلیٰ مستقبل کی اداکارہ ہے۔“

”سو واٹ مما.....؟“ بات یہ نہیں تھی کہ سہیل سو جان سے عاشق ہو گیا تھا ہاں یہ ضرور تھا کہ وہ اسے اچھی ضرور لگتی تھی۔

”تم اپنے خاندان کی روایات کو اچھی طرح جانتے ہو۔ ہمارے خاندان میں پردے کی کتنی پابندی کی جاتی ہے۔ وہ تو یوں کہو کہ میں ذرا جدا ہو گئی ہوں ورنہ لڑکیوں کی اس حد تک آزادی کی میں خود بھی قائل نہیں۔ اس لئے دل پر قابو رکھو تو زیادہ بہتر ہوگا اور جاؤ کھانا دیکھو ٹائم اب ہو رہا ہے۔“ مسز ریحان نے سہیل کے گال تھپتھپائے۔

”ہرگز نہیں.....! ابھی بھائی کے فرینڈز نہیں آئے ہیں اور جب تک وہ نہیں آئیں گے تو کھانا کیسے لگ سکتا ہے.....؟“

”یار سہیل.....! میرے فرینڈز کا کھانا الگ لگوانا ہم ایزی ہو کر کھانا چاہتے ہیں۔ یار.....! کہاں رہ گئے ہیں اب تک تو آ جانا چاہئے تھا۔ خیر میں ابھی فون کرتا ہوں۔“

راحیل آگے بڑھا ہی تھا کہ لیلیٰ تیزی سے کیمرہ لے کر اس کی طرف آئی۔

”راحیل بھیا.....! پلیز ذرا میری تصویر اُتار دیجئے پلیز.....؟“

لیلیٰ نے کیمرہ راحیل کے ہاتھ میں تھمایا تو سہیل قریب سے گزرتا ہوا جملہ اُچھال گیا۔

”پھر نظر بھی اُتار لیجئے گا۔“ لیلیٰ کو غصہ آ گیا۔ راحیل ہنس دیا۔

”چھوڑو اسے.....! اچھا ایسا کرو یہاں کھڑی ہو جاؤ اچھی آئے گی تصویر۔“ راحیل نے دروازے کے قریب اسے کھڑا کر دیا اور اس کے قریب ایک چھوٹا ٹیبل لا کر اُوپر گلدان رکھ دیا جس میں کچھ دیر قبل لیلیٰ ہی تازہ پھول لگا کر لائی تھی۔ راحیل نے مختلف پوز میں اس کی تصویریں اُتار دیں۔

”چلو پوز دو۔“ اور ابھی لیلیٰ نیا پوز بنا رہی تھی کہ راحیل نے تصویر اُتار لی اور اسی دروازے سے اندر آتے اپنے دوست شہباز کی طرف بڑھا۔

”ارے شہباز.....! تم اتنی دیر سے کیوں آئے.....؟“ راحیل تیزی سے آگے بڑھا تو لیلیٰ بھی گھبرا کر پلٹی۔ راحیل شہباز سے بغلگیر ہو رہا تھا کہ اس کے پاؤں لگنے سے ٹیبل کو ٹھوکر لگی۔ گلدان سیدھا لیلیٰ کے پاؤں پر گرا۔ وہ تکلیف سے تڑپ اُٹھی۔ راحیل اور شہباز ایک ساتھ جھکے۔ راحیل تو اس کے خوبصورت پاؤں کو دیکھ رہا تھا اور شہباز راحیل کے ہاتھوں پر گرتے اس کے شفاف آنسوؤں کے عکس میں اس کے حسن میں کھو کر رہ گیا۔ اس کا حسین چہرہ تر ہو گیا تھا۔ شہباز ایک ٹک اسے دیکھے گیا۔

”سوری.....! سوری لیلیٰ.....! میں اپنے دوست کو دیکھ کر زیادہ ہی جذباتی ہو گیا تھا۔ اچھا ان سے ملو۔ میرا بہت اچھا دوست شہباز۔“ راحیل نے اس کا چوٹ پر سے دھیان ہٹانے کی غرض سے تعارف کرا دیا۔

”ہیلو.....!“ لیلیٰ نے بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھا تو شہباز اسے دیکھتا چلا گیا۔ اندر کہیں کچھ ہل چل سی ہوئی۔ سینے جیسی دبیز دیوار کی اوٹ میں چھپے دل نے اپنی موجودگی کا اعلان کر دیا۔

”ہیلو.....!“ وہ ایک دم ہی کھڑا ہو گیا اور وہ نہیں جانتا تھا کہ اس بیٹھنے اور اُٹھنے کے درمیان حائل چند لمحے ایک نئی کیفیت نئی واردات کا پیام لے کر اتریں گے۔ اس وقت وہ صرف تماشائی بنا دیکھ رہا تھا۔ اس کے حسین چہرے پر اذیت دُھند بن کر چھا رہی تھی۔ ضبط کے باوجود آنسوؤں کی لڑیاں صبیح رُخساروں پر پھیل رہی تھیں۔ اس کے والدین سب کچھ چھوڑ چھاڑ اس کے پاس آ گئے تھے۔ باقی مہمان بھی جمع ہو گئے تھے پھر میزبان کے کہنے پر کھانے کے کمرے میں چلے گئے۔

شہباز کو اس وقت ایک عجیب سا احساس ہوا تھا۔ اسے لمحے اور پھر لیلیٰ اپنی مما کے ساتھ وہاں سے اُٹھ گئی۔ شہباز کی زندگی میں آنے والی وہ پہلی لڑکی تھی جس کا اس کی نظر نے دُور تک پیچھا کیا تھا اور کیوں کیا تھا وہ خود بھی جان نہ پایا اور پھر لیلیٰ اس کی نظر کے احاطے میں رہی اور بغیر تعارف کے اسے اس کی حیثیت کا اندازہ ہو گیا تھا اور جب وہ راحیل کے شکریہ کا جواب دیتا گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا تو ایک عجیب سی انجان سی کیفیت کا احساس ہمراہ تھا کوئی بھی اسے نام نہیں دے پایا تھا۔ اسے لگ رہا تھا جیسے کچھ کھو سا گیا ہے مگر اس کھو جانے کے احساس میں بھی عجیب سا سرور تھا۔ وہ کھویا کھویا سا رہا۔ حالانکہ کوئی خاص منظر نہیں تھا کہ جو نظر کے آئینے میں ٹھہر جائے اس کا جانا لیلیٰ کا گرنا اور شہباز کا بے ساختہ اس کا ہاتھ تھام لینا اور اس کا پرسوز سا حسن۔ اس کے صبیح رُخساروں پر آنسوؤں کی روانی۔ بار ہا ایسے مناظر گزرے تھے نظروں سے ایک سے ایک حسین چہرہ گزرا تھا نظروں سے مگر کیا بات تھی اس کم عمری لڑکی کے پیکر میں کہ وہ ایک ہی نظر میں کھو کر رہ گیا تھا۔

”کیا مشکل ہے یار شہباز کہ طبیعت میری مائل کبھی ایسی تو نہ تھی۔“

[illegible] نظر ہٹا کر [illegible] طرف دیکھا۔ کس قدر حسین موسم ہو رہا تھا یا اب اسے ہی لگ رہا تھا کیونکہ یہاں تو اکثر موسم ایسا ہی رہتا تھا آج [illegible] عجیب سی بات تھی۔ وہ لان میں ٹہلتا رہا۔ پھر جیسے ذہن میں نقش اُبھرنے لگے اور رنگوں کی صورت کینوس پر اُترتے رہے۔

”یار منور.....! تم نے کبھی گلاب پر پڑی شبنم کو دیکھا ہے.....؟“ وہ اپنے دھیان میں تھا آہٹ پر سمجھا کہ منور ہی ہوگا۔

”جی میں نے بار ہا دیکھا ہے مگر لگتا ہے آپ نے پہلی بار یہ منظر دیکھا ہے۔“

”ارے راحیل.....! تم کب آئے.....؟“ شہباز کلر پلیٹ ایک طرف رکھ کر اس سے بغل گیر ہو گیا۔

”جب آپ نے گلاب تو بنا لیا تھا مگر ابھی شبنم نہیں پڑی تھی تو میں ٹپک پڑا مگر ڈسٹرب اس لئے نہیں کیا کہ کسی بھی تخلیق کار پر آمد کے چند لمحات ہی ہوتے ہیں اور جو چیز ان لمحوں میں ہوتی ہے بہتر ہوتی ہے۔ ویسے یہ گلاب کچھ جانا پہچانا سا لگ رہا ہے۔“ راحیل آگے بڑھا تو شہباز جھینپ سا گیا۔

”ہاتیں بنانا تو کوئی تم سے سیکھے۔ یہ بتاؤ کیسے ہو.....؟“ شہباز نے اس کی توجہ دوسری جانب مبذول کرائی۔

”بالکل ویسا.....! وہی دو ٹانگیں، دو آنکھیں، ایک ناک بہت کوشش کی کہ کوئی تبدیلی آ جائے ان پندرہ دنوں میں مگر کہاں جناب.....؟“

"کیا.....؟ کیا پندرہ دن......؟ تو کیا ہماری ملاقات کو پندرہ دن ہو گئے.....؟" شہباز کو حیرت نے آن گھیرا۔ اسے تو لگ رہا تھا کہ ابھی کل کی بات ہو۔ شاید یہ وجہ تھی کہ ان پندرہ دنوں میں اس منظر کو اس نے اس قدر سوچا تھا کہ اس کے گزرنے کی مدت بھی یاد نہیں رہی تھی۔

"سرکار! خیر تو ہے؟ اتنے دنوں میں نہ ہماری ملاقات ہوئی نہ بات ہوئی اور تم شکوہ کرنے کی بجائے انجان بنے ہوئے ہو۔ میں تو بہانے سوچ کر آیا تھا کہ تم شکوہ کرو گے تو یہ کہوں گا وہ کہوں گا کہ میں اس لئے نہ آ سکا۔ مگر یہاں تو کسی کو پرواہ ہی نہیں چل میاں راحیل۔" راحیل خفا ہو کر باقاعدہ کھڑا ہو گیا تو شہباز پہلے تو چونکا، حواسوں میں آیا پھر اسے گھورنے لگا۔

"اور تمہارا کیا خیال ہے کہ اتنے دنوں کی تمہاری بے خبری پر معاف کر دوں گا۔ کہاں تھے اتنے دن.....؟ میں تو تمہیں معلوم ہے کم ہی نکلتا ہوں۔"

"جی جانتا ہوں کہ آپ تو چودھویں کا چاند ہیں۔ بہرحال اندر چلنا ہے کہ یہیں بیٹھنا ہے۔" [illegible] ہاتھ میں پکڑے لفافے کو دیکھ کر پھر بیٹھ گیا۔

"یہیں بیٹھیں گے اتنا خوبصورت موسم ہو رہا ہے۔"

شہباز نے آسمان پر چھپتے شام کے بادلوں کو دیکھتے ہوئے کہا اور کرسی پر نیم دراز ہو گیا۔ راحیل نے حیرت سے اسے دیکھا اور پھر شوخی سے سیٹی بجاتا ہوا اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"بدلے بدلے سے نظر آتے ہیں سرکار! خیر ہے؟ آج سے قبل تو کبھی رنگ اتنے شوخ ہوئے تھے اور نہ موسم اتنا حسین کہ..... کچھ راز ہے کیا؟" راحیل [illegible] کیا بتاتا کہ ایک انجانا سا احساس جاگ اٹھا ہے جسے وہ کوئی [illegible] جانتا تھا کہ بال کی کھال اتارنے میں وہ ماہر تھا۔

"کیا مطلب ہے یار! میں بھی انسان ہوں۔ اچھا یہ اس لفافے میں کیا ہے؟" شہباز نے اس کی توجہ لفافے کی جانب مبذول کرائی تو راحیل بھی چونک گیا۔

"ارے ہاں..... میں خاص اس کو لے کر تو آیا ہوں۔ بڑی شاہکار چیز ہے یہ دیکھو اور داد دو ہماری فوٹو گرافی کو۔" راحیل نے لفافے میں سے ایک تصویر نکال کر اس کے سامنے کی تو شہباز حیرانی سے تصویر دیکھنے لگا۔ یہ لیلیٰ کی اور اس کی تصویر تھی۔ بہت خوبصورت اور نیچرل انداز کی تصویر تھی۔ یہ اس وقت کی تصویر تھی جب راحیل لیلیٰ کی تصویر اتار رہا تھا اور عین اسی وقت شہباز بھی دروازے میں نمودار ہوا تھا۔ راحیل نے اسی وقت تصویر اتار لی تھی۔

"زبردست!" شہباز اس تصویر کی خوبصورتی کو سراہ کر رہ گیا۔ نجانے کیوں ایک انجانی سی خوشی کی کرنیں پھیل گئی تھیں۔ دل کی اطراف میں کہ اس کی اور لیلیٰ کی تصویر ایک ساتھ تھی جو پہلی نظر میں اندر کہیں جا چھپی تھی۔

"کون.....؟" راحیل نے شوخی سے شہباز کو دیکھا تو وہ جھینپ گیا۔

"یہ تصویر یار! دیکھو نا کتنی نیچرل ہے۔ ویسے تم نے اتاری کب؟" شہباز کی نظریں لیلیٰ کی

حسین مسکراہٹ پر جمی ہوئی تھیں۔

"جیسے ہی میں نے ریڈی کہا عین اس وقت تم نمودار ہو گئے اور یوں اس اتفاق میں قید ہو گئے۔"

"بعض اوقات قید کیسی حسین لگتی ہے۔" شہباز جیسے بڑبڑایا۔

"ذرا دوبارہ ارشاد کیجئے گا بندہ ایسے موقعوں پر بہرہ ہو جاتا ہے۔" راحیل نے شوخی سے شہباز کی نظروں کے زاویے کو پڑھتے ہوئے کہا۔

"ایسے بندے کو زندگی میں کم از کم ایک بار کان صاف کروا لینے چاہئیں۔ ویسے یہ تصویر دینے کا شکریہ۔" شہباز نے تصویر پر اپنی ملکیت جتائی تو راحیل نے تصویر اس کے ہاتھ سے چھین لی۔

"جی نہیں! یہ تصویر جس کی ہے نا، وہ میرا جینا حرام کر دے گی۔ بقول لیلیٰ کے یہ تصویر اس کی زندگی کی سب سے خوبصورت تصویر ہے۔ لہٰذا اس پر کسی کی نظر نہ ڈالی جائے۔"

"یہ تصویر میری بھی تو زندگی کی سب سے خوبصورت ہے۔" شہباز بولا تو وہ چڑ گیا۔

"پھر وہی [illegible] یار! تو پاگل تو نہیں ہو گیا؟"

"اسی لئے کہہ رہا ہوں کہ کان صاف کروا۔ میں تو فقط یہ کہہ رہا ہوں کہ ان محترمہ سے کہنا کسی خوش فہمی میں مت رہیں۔ ان کی یہ تصویر صرف بندہ ناچیز کی وجہ سے خوبصورت آئی ہے ورنہ!" شہباز لیلیٰ کی تصویر کو دیکھ کر شوخ ہو گیا۔

"جی؟ جی یہ کیوں نہیں کہتے کہ تمہاری یہ تصویر زندگی کی سب سے خوبصورت اس لئے ہے کہ اتفاق سے اس میں [illegible] ہو کر تمہاری تصویر لیلیٰ نے مکمل کی ہے۔" راحیل کہہ رہا تھا۔ [illegible]

"چلو! مان لیا کہ میری تصویر ان محترمہ کی وجہ سے خوبصورت اور مکمل ہوئی ہے۔ لہٰذا اب یہ تصویر تو میں رکھوں گا۔ تم اسے نیگٹو سے دوسری دھو لو۔" شہباز کسی صورت بھی یہ تصویر دینا نہیں چاہتا تھا مگر راحیل نے تصویر اچک لی۔

"جی نہیں! یہ تصویر لیلیٰ ہی کو دوں گا تمہیں اس کی دوسری بنوا دوں گا۔"

"وعدہ....." شہباز نے بچوں والے انداز میں یقین دہانی چاہی۔

"یہ بتاؤ آپی کا کیا حال ہے.....؟ اس بار شادی پہ جاتے ہوئے ملی تھیں.....؟"

"یار.....! آپی کی وہی رٹ ہے شادی کرو، شادی کر لو گویا شادی زندگی کا سب سے اہم کام ہو۔" شہباز نے برا سا منہ بنایا۔

"خیر اہم کام تو ہے تم جیسے بدذوق اہمیت نہ دیں تو الگ بات ہے۔ یہاں ہم بے چین بیٹھے ہیں کہ شادی ہو۔ والدہ صاحبہ فرماتی ہیں کہ ذرا جاب سے تو ہو جاؤ، ابھی سے شادی کی پڑ گئی ہے۔ اٹھائیس سال کی عمر میں تو آج کل [illegible] کی شادیاں ہوتی ہیں مردوں کی تو کم از کم پینتیس سال کی عمر میں شادی ہونی چاہئے۔ یہ زریں خیالات ہیں ہماری والدہ محترمہ کے ہماری شادی کے بارے میں۔ خوش قسمت ہو کہ آپی شادی اور ہمارے سر پہ بھی ہاتھ [illegible] دیتا۔"

سکتی۔"

"واصف انجینئرنگ پڑھ رہا ہے، وہ اس کا ارادہ ہے کہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد کینیڈا چلا جائے گا اور تم اس سے دور ہو گی۔"

راحیلہ بیگم کو اگر کوئی تسلی تھی تو اسی بات کی ورنہ تو ان کو بھی بچی کا مستقبل تاریک ہی نظر آ رہا تھا۔

"امی آپ کیسی باتیں کرتی ہیں۔ انسان کہیں بھی چلا جائے مگر اپنی بنیاد سے نہیں کٹ سکتا۔ بس آپ کسی طرح تایا جان کو منع کر دیں میں واصف کے ساتھ شادی نہیں کر سکتی۔ ٹھیک ٹھاک ہونے کے باوجود وہ شخص مجھے شریک حیات کی حیثیت سے پسند نہیں۔ اگر آپ لوگ چاہتے ہیں کہ میں خوش رہوں تو پلیز! پلیز امی آپ کچھ کریں انکار کر دیں ورنہ۔"

وہ ماں کے ساتھ لگ کر شدت سے رو دی تو وہ مزید دکھی ہو گئیں۔

"آمنہ میری جان! تم نے تو بڑی آسانی سے اتنی بڑی ذمہ داری میرے اوپر ڈال دی ہے اور یہ نہیں سوچا کہ میں نے اس سسرال میں کس طرح زندگی گزاری ہے۔ خاندان سے باہر کی، وہ خاص طور پر حسام کی پسند ہونے کی حیثیت سے مجھے کتنا سفر کرنا پڑا ہے۔ میں وہ کڑکڑاتی ہوئی دوپہر کیسے بھول سکتی ہوں جس نے میرے ارمان اور خوشیاں راکھ کر ڈالی تھیں۔ شادی کے دوسرے روز مجھے گھر کے تیس لوگوں کے کھانے کا حکم دے دیا گیا تھا اور۔ اور۔"

راحیلہ کو لگا جیسے وہ اس وقت بھی حویلی کے صحن میں لگے تندور پر روٹیاں لگا رہی ہیں پھر ایک ایک کر کے انہوں نے ماضی کے وہ تمام واقعات وہ تمام تلخیاں جنہوں نے ان کی زندگی کو جہنم کا نمونہ بنا دیا تھا بیٹی کو سنا دیں تو وہ حیرت سے ماں کو دیکھے گئے۔

"پھر بھی امی! پھر بھی آپ مجھے اس جہنم میں دھکیل دینا چاہتی ہیں۔ حیرت ہوئی مجھے یہ جان کر۔ سچ امی.....! بہت تکلیف دہ حیرت ہوئی ہے۔" وہ سسک پڑی۔

"ہاں میں پھر بھی تمہاری شادی واصف سے کرنا چاہتی ہوں اس لئے کہ میں اپنی ان خوشیوں کو آزاد کرنا چاہتی ہوں جن کو اس خاندان نے یرغمال بنا رکھا ہے۔" راحیلہ اپنے ماضی کی دھند میں گم تری بیٹی کے دھواں ہوتے چہرے کو نہ دیکھ سکیں آمنہ کو صدمہ پہنچا تھا ان کی اس بات سے۔

"مجھے نہیں معلوم تھا امی.....! کہ میں آپ کی خوشیوں کا تاوان ہوں۔ ادا کر دیجئے یہ تاوان اور اپنی خوشیوں کو آزاد کرا لیجئے۔"

آمنہ حلق میں پھنسے آنسوؤں کا گولا چھپاتے باہر نکل گئی مگر دھندلی آنکھوں سے سامنے سے آتا واصف نظر ہی نہیں آیا۔ مگر واصف کو بھیگی پلکیں تڑپا گئیں۔ وہ مڑ اس کی طرف بڑھا۔

"آمنہ.....! کیا بات ہے.....؟ کسی نے کچھ کہہ دیا ہے کیا.....؟"

وہ اس کے مقابل کھڑا ان بھیگی پلکوں کا سبب پوچھ رہا تھا۔ آمنہ نے ایک نظر اس خوبرو اور وجیہہ بندے کو دیکھا جس کو اگر وہ جان دینے کے لئے کہتی تو وہ جان اس کی نذر کر دیتا۔

"کچھ نہیں.....!" اس نے آہستگی سے کہا اور آگے بڑھنے لگی۔

"ایک لمحہ بھی میرے پاس رکنا تمہیں گوارا نہیں آمنہ.....؟"

واصف جانتا تھا کہ آمنہ اس رشتے پر اتنی خوش نہیں جتنا کہ وہ تھا مگر وہ اس کو بھی اس کی حیا اس کی ادا سمجھ کر مطمئن تھا۔ اس کی بات پر وہ چونکی۔

"آپ ایک لمحے کی بات کرتے ہیں بزرگوں نے تو میری زندگی آپ کے نام لکھ دی ہے کیا اب بھی آپ خوش نہیں.....؟" وہ دور تک تلخ ہو گئی۔

"میں خوشیوں کو یرغمال بنا کر خوش ہونے کا قائل نہیں آمنہ.....! ادھورے ساتھ کا احساس اس دکھ میں ڈھل جاتا ہے کہ یہ ساتھ پل دو پل کا ہے، اور یوں بھی مانگے کی روشنی کا اُجالا دیرپا نہیں ہوتا اور پھر اپنے گھر میں اُجالا مانگے کی روشنی سے نہیں کرتا۔"

گمبھیر لہجے میں اترے لفظوں کی دھند آمنہ کے اندر تک اتر گئی۔ وہ چپ چاپ اپنے کمرے میں آ گئی۔

● ● ●

حسام الدین اور احتشام الدین دونوں بھائی تھے۔ عام روایتی گھروں جیسا ماحول تھا۔ احتشام الدین فطری طور پر خود غرض اور روایتی انسان تھے۔ سب کچھ خود ہڑپ کر جانا چاہتے تھے۔ اتنی کوئی خاص جائیداد تو تھی نہیں پھر بھی والد کے انتقال کے بعد انہوں نے والد کی وصیت میں خود ہی ترمیمات کر کے جائیداد کا ایک بڑا حصہ اپنے قبضے میں کر لیا اور حسام الدین نے چونکہ اپنی کلاس فیلو راحیلہ سے اپنی پسند کی شادی کر لی تھی اس لئے ان کو سزا کے طور پر حق اور چیز سے محروم کر دیا گیا۔ حتیٰ کہ ماں نے بھی اپنے پیار اور توجہ سے بھی محروم کر دیا۔ دوسری طرف کرنے کو تو جب ہمدرد بن کر سب کچھ دیتے تھے مگر اب ان کو احساس ہو رہا تھا انہوں نے سب کچھ کھو دیا ہے۔ انہوں نے اپنی غلطی سے اور لڑکے کے طور پر اپنی غرض سے از جانے بیوی کو ان کی غلامی میں دے دیا اور خود ملازمت کے سلسلے میں شارجہ چلے گئے۔ ان کی تمام کمائی ان کے بڑے بھائی احتشام الدین کے ہاتھ میں جاتی۔

راحیلہ پڑھی لکھی خاتون تھیں مگر صبر اور ضبط سے مظالم برداشت کرتی رہیں۔ بڑی بھابی حکمران بن کر حکم چلایا کرتیں، اگر راحیلہ کوئی بات کرتیں تو گھٹ گھٹ کے طعنہ ملتا۔

"ہاں ہم تمہیں بتاتے ہیں اور ماں سے بیاہ کر دیتے ہیں ناں جو نخرے دکھاتی ہو۔ یاد رکھو جیسے آئی ہو ناں ویسے ہی چلی جاؤ گی ہو۔"

اور بڑی بھابی کا یہ طعنہ ان کی جان لے لیتا کیونکہ وہ خود پر ہر جبر برداشت کر سکتی تھیں مگر اپنے غریب اور مجبور والدین کو دکھی نہیں کر سکتی تھیں۔ ان کو اپنی چار بہنوں کا مستقبل اپنی زندگی سے زیادہ عزیز تھا۔ اسی لئے وہ ہر ظلم ہر زیادتی برداشت کرتی چلی گئیں حسام دو دو سال بعد آتے تو احتشام صاحب ان کو اپنے ساتھ اتنا مصروف رکھتے کہ راحیلہ ترس کر رہ جاتیں کہ ان سے بات کر سکیں جو مال و اسباب ہوتا اس پر بڑی بھابی کا قبضہ ہوتا۔ ان کی جرأت نہیں ہوتی تھی کہ وہ کسی چیز پر شوہر کی کمائی پر اپنا حق جتا سکیں۔ پانچ سال ہو گئے تھے ان کو حالات کی اس چکی میں پستے ہوئے۔

"میرے خدا! میں اسی طرح محروم تھی۔ ہوں گی نہ کسی خوشی پر میرا حق ہے اور نہ ہی شوہر کی محبت اور توجہ پر اور اولاد سے بھی محروم ہوں۔ پروردگار! مجھے اولاد سے نواز دے۔ بیٹی نواز دے جو میرے دکھوں

''حسام بھائی بچپن میں یوں بچوں کے رشتے اپنی مرضی سے طے کر دینا میرے نزدیک تو حماقت ہے کیا خبر بڑے ہو کر دونوں بچوں کی کیا سوچ ہو کیا خیالات ہوں اور وہ کیا چاہیں اور اگر وہ اپنی سوچ کے مطابق کسی اپنے پسند کے ساتھی کے ساتھ زندگی گزارنا چاہیں تب والدین کا یہ بندھن ان کے لئے حلق کا کانٹا بھی بن سکتا ہے اور ''

''اوہو ! راحیلہ ڈیئر اتم تو بہت دور نکل گئیں ارے بھئی بچے بھی تو ہمارے ہیں ناں۔ انشاءاللہ اس بندھن ہی میں بندھے رہیں گے اور اگر کسی نے دونوں بچوں کی محبت کے اس بندھن کو توڑنے کی کوشش کی تو خیر چھوڑو کیا بدشگونی کی باتیں کر رہی ہو۔ آمنہ میری بیٹی ہے انشاءاللہ ہمارا حکم مانے گی۔''

حسام نے کمبل سر تک کھینچا اور سونے کی کوشش کرنے لگے اور راحیلہ ماضی کے آئینے میں اب اپنی جگہ پر ننھی بچی کو میری کی چگی میں پیتا ہوا دیکھنے لگیں، دور پھر آمنہ کے عقیقے پر تمام رشتے داروں کو جمع کر کے آمنہ اور واصف کے رشتے کا اعلان کر دیا گیا۔ راحیلہ نے آمنہ کو گود میں لیا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگیں تب

''لگتا ہے تمہاری دیورانی کو یہ رشتہ پسند نہیں آیا۔''

بھابی کی نجانے کون سے رگ بول رہی تھی۔

''تو نہ آئے پسند دیورانی کی حیثیت ہی کیا ہے کہ پسند اور ناپسند کرے یہ رشتہ ہم سب کی خوشی اور پسند سے طے ہو رہا ہے خود حسام بھی بہت خوش ہے۔ پھر ہمیں کسی سے کیا ؟'' انتہائی لاپرواہی سے کہے گئے یہ الفاظ کسی کو کتنا بے وقعت کر گئے ہیں اس کا کسی کو پتا نہ تھا اور چاہتا بھی [illegible] یوں آمنہ اور واصف کا رشتہ بچپن ہی میں طے ہو گیا تھا۔ راحیلہ خوش [illegible]

[illegible] سے۔

وقت گزرتا رہا اور گزرتے وقت کا ہر ہر لمحہ واصف کو آمنہ کے قریب لاتا گیا۔ جوانی میں قدم رکھتے ہی اسے آمنہ سے محبت ہو گئی۔ آمنہ سب کو عزیز تھی مگر واصف کے حوالے سے تو وہ سب کو عزیز تر ہو گئی تھی۔ پورا خاندان جانتا تھا کہ واصف احتشام اس کی محبت میں پاگل ہے نہیں جانتی تھی تو آمنہ [illegible] تھی کی بچپن کا وہ معصوم پیار جوانی کی شدید محبت میں بدل چکا ہے۔ شاید اس لئے کہ اس نے جب ہوش سنبھالا تو حسن کو اپنے قریب پایا تھا۔ حسن حسام کی زمینوں کے کسی مزارعے کا بیٹا تھا جو اپنے کسی ماموں کے پاس رہتا تھا وہیں حسام سے ملاقات ہوئی تو پرائے دیس میں چونکہ اپنے ملک کا دشمن بھی اچھا لگتا ہے اور کچھ بہت ذہین اور قابل تھا اور ویسے تو جوان حسام کو بہت پسند آئے تھے حسن اکثر آ جایا کرتا تھا یوں آمنہ بھی چھڑی ہوئی بحث میں شریک ہو جاتی اور یہ اکثر ہو جاتا۔

بعض اوقات حسام نماز کے لئے یا کسی اور کام کے لئے چلے جاتے مگر ان دونوں میں بحث جاری رہتی۔ [illegible] بھی یوں ہی ہوا تھا یوں بحث میں الجھے ہوئے تھے کہ حسام مغرب کی نماز کے لئے اٹھ گئے۔ تو وہ دونوں [illegible] گئے بحث تو نجانے کس طرح ختم ہوئی تھی کہ نہیں البتہ اب دونوں خاموش تھے۔ دونوں کے [illegible] خاموشی نے یہ راز دونوں پر آشکار کر دیا تھا دونوں ایک دوسرے کو کتنا چاہتے ہیں۔

''آمنہ !'' کافی دیر کے بعد حسن نے آہستگی سے اسے پکارا تو وہ جیسے خواب سے چونکی۔

''جی اچھے بتاؤں آپ کے لئے۔'' وہ اس کی نظروں سے کترا رہی تھی جو گاہے بگاہے بہت کچھ کہہ رہی تھیں۔

''نہیں آمنہ اچھے نہیں۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ آپ یوں تو بہت سمجھدار ہیں اور ہر بحث میں بڑے اچھے دلائل دیتی ہیں مگر کچھ باتوں کو آپ یا تو دانستہ طور پر نہیں سمجھیں یا سمجھنا چاہتی نہیں۔''

حسن اس کے سامنے کھڑا اس کی آنکھوں میں دیکھتا کہہ رہا تھا۔

''بہت سی ایسی باتیں ہوتی ہیں حسن اجو نہ تو کہی جا سکتی ہے ورنہ سمجھی جا سکتی ہیں ان کا تعلق محسوسات سے ہوتا ہے صرف محسوس کی جاتی ہیں۔''

''ہوں گڈ ! تو پھر آپ نے کچھ محسوس کیا کہ ایک بیچارا کیا چاہتا ہے۔'' حسن آج سوچ کر آیا تھا کہ اپنا دل کھول کر اس کے سامنے رکھ دے گا چاہے تو آمنہ اپنا لے چاہے تو ٹھکرا دے۔

''محسوس کی جانے والی باتوں کا اعلان نہیں کیا جاتا حسن ابس محسوس کیا جاتا ہے۔'' وہ اس کی نظروں کی حدت سے گھبرا رہی تھی۔

''تو پھر آپ نے یہ بھی محسوس کر لیا ہوگا کہ بیچارا کیا چاہتا ہے اس کے دل ناتواں کی حالت پر ہمدردانہ غور کیا جائے۔''

وہ اس کے سامنے جھکا کہہ رہا تھا [illegible]

[illegible] غور کریں گے۔''

[illegible] کہ وہ بھی پڑا وہ دونوں ایک دوسرے کو شدتوں سے چاہتے تھے ایک دوسرے کو جانتے تھے سمجھتے تھے۔ آمنہ صرف محبت ہی کی قائل ہی نہیں تھی وہ چاہتی تھی شادی پسند سے ہو جو سے سمجھے اسے جانے اور حسن اس معیار پہ اس کی پسند پہ پورا اترتا تھا اور وہ اس سے شادی کرنا چاہتی تھی مگر قیامت تو اس پر اس وقت ٹوٹی جب وہ حسن کی محبت میں ڈوب گئی تو اسے یہ بتایا گیا کہ وہ بچپن ہی سے واصف سے منسوب ہے وہ بری [illegible] گئی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ واصف بھی اچھا ہے اسے چاہتا ہے شدت سے چاہتا ہے مگر وہ اسے سمجھتا نہیں [illegible] تھا۔ وہ ہمیشہ اسے اس کے ناپسندیدہ گفٹ دیا کرتا تھا جو چیزیں اس کو پسند تھیں وہ واصف کو ناپسند تھیں اور جو باتیں جو چیزیں اسے سخت ناپسند تھیں وہ واصف کو پسند تھیں۔ واصف سے اپنی محبت کے پنجرے میں اس طرح بند کر لینا چاہتا تھا کہ کسی دوسرے کی نظر بھی اس پر نہ پڑے اور یہ باتیں آمنہ کو پریشان رکھتیں۔

''جی ! آپ دونوں نے بھی تو اپنی پسند کی شادی کی ہے ناں اگر آپ کی کہیں اور ابو کی کہیں اور ہو جاتی تو کیا آپ لوگ اتنے خوش ہوتے جتنے اب ہیں ؟ آپ نے اپنے سسرال والوں کی تنی زیادتیاں برداشت کیں اس لئے کہ آپ ابو کو چاہتی تھیں ان کی خاطر آپ کو کچھ گوارہ ہوتا ہے۔ جیون ساتھی اگر پسند کا ہو تو دوسرے حالات کتنے ہی سنگین کیوں نہ ہوں عورت خوش رہتی ہے۔''

''آمنہ میری جان ..... ! میری بات کا غلط مطلب نہ لینا۔ تمہاری خوشی کی خاطر میں جان بھی دے سکتی ہوں بیٹا ! مگر تمہیں شاید اندازہ نہیں کہ تمہارے انکار سے قیامت آ جائے گی اور تو اور تمہارے ابو بھی اس بات

کو نہیں مانیں گے اور پھر واصف میں کوئی برائی یا خرابی ہو تو بندہ کچھ کہے بھی۔"

"او کے جی... آپ کچھ نہ بولیں کچھ نہ کریں۔ واصف کتنا بلند حوصلہ اور سمجھدار ہے۔ اس کا امتحان میں خود ہی لے لوں گی۔ لیکن یہ تو طے ہے کہ میں اس کے ساتھ شادی نہیں کروں گی بس۔" اس نے تیز آواز میں کہا اور واش روم میں گھس گئی۔

● ● ●

"کیا بکواس کر رہی ہو تم...... ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔"

"قسم ناں جی... میں نے اپنے کنوں (کانوں) سے سنا ہے بی بی کہ آمنہ غصے میں کہہ رہی تھیں اور چھوٹی بیگم صاحبہ اسے کہہ رہی تھیں ایسا نہ کرنا قیامت آ جائے گی۔"

گھر کی ملازمہ سکینہ نے حق نمک یوں ادا کیا کہ جو سنا تھا آ کر بڑی بیگم کو بتا دیا۔

"اگر یہ سچ ہوا تو قیامت تو ضرور آئے گی سکینہ... ! کوئی ہماری بات کو ٹالے اور میرے شہزادے واصف کا دل توڑے یہ تو بات ہی معقول نہیں ہو سکتی ناں... اور سن یہ بات یہیں دبی رہنی چاہئے کسی اور کو پتا نہ چلے ورنہ... خاص طور پر عارف کو وہ تو ہنگامہ کر دے گا۔ وہ واصف کو بہت چاہتا ہے۔"

"اتنی بڑی بات تم چھپانے والی نہیں ہو تمہیں ای... اگر ایسا ہوا ہے تو... تو میں آمنہ کو نہیں بخشوں گا۔ اگر اسے میرا بھائی پسند نہیں تو نہ سہی پھر اسے میری غدم بن کر رہنا پڑے گا اور اگر اس نے کسی اور کے خواب دیکھ رکھے ہیں تو... ای کے خون سے اس کو نہ رنگ دیا تو کہنا۔"

● ● ●

اس دفعہ کوئی روز گزر چکے تھے۔ دونوں دوستوں میں پھر زینت زیر بحث آ گئی تھی مگر دونوں سوچ ای کے بارے میں رہے تھے۔ ظفر کو زینت اور اس کے نانا نانی پر ترس آ رہا تھا اور دوسری حقیقت کو بھی وہ نظر انداز نہیں کر سکا تھا کہ اسے زینت سے پہلی نظر کی محبت ہو گئی تھی۔ ایک عجیب سی پریشانی تھی جس کا سبب وہ نہیں جانتا تھا۔ اس وقت بھی وہ کھڑکی میں کھڑا کتنی دیر سے پہاڑوں کی اوٹ سے اٹھتے بادلوں کو دیکھ رہا تھا کہ شانے پر دباؤ محسوس ہوا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو وجاہت اسے سگریٹ پیش کر رہا تھا۔ اس نے آج انکار نہیں کیا سگریٹ ہونٹ سے لے کر سلگانے لگا۔

"سرپرائز آج تم نے سگریٹ لینے سے انکار کیا ہے ورنہ ہی اس کے پینے کے نقصانات گنوائے ہیں۔"

"ہاں شاید آج ٹھنڈ زیادہ ہے اس لئے...... ویسے موسم کس قدر حسین ہو رہا ہے۔"

محبت کے نئے احساس نے ہر چیز، ہر موسم کو نیا پن دے دیا تھا۔ ظفر کھویا کھویا سا یوں بولا تو وجاہت نے ڈھیر سارا دھواں اس کے چہرے پر انڈیل دیا اور بغور اسے دیکھنے لگا۔

"کوئی خاص بات ہے کیا...؟" وہ اسے جانچتی نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"میری...... ہاں...... نہیں تو خاص کیا ہو گی......؟" وہ نظر چرا گیا۔

"ہوں... تو چلو پھر دل کا حسین موسم اور حسن انجوائے کرنے نکلتے ہیں۔" وجاہت نے اپنے انداز میں آنکھ دبا کر کہا تو ظفر کترا گیا۔

"نہیں... نہیں یار وجاہت... آج امی کی رپورٹس لے کر آنی ہیں۔ میں تو ہاسپٹل جا رہا ہوں تم چاہو تو جاتے ہو... ہاں کہو تو گاڑی چھوڑ جاؤں۔" وجاہت ظفر کا مہمان تھا اس لئے بولا۔

"ہاں گاڑی چھوڑ جانا پلیز... کیونکہ آج بے ایمان موسم کے ساتھ دل بھی بے ایمان ہو رہا ہے اور یہ بے ایمان دل نجانے کہاں کہاں لے جائے۔"

وجاہت نے بہکے بہکے انداز میں کہا تو ظفر باہر نکل گیا اور اپنی بائیک لے کر نکل گیا۔ وجاہت نے ونڈو سے اسے جاتے ہوئے دیکھا پھر تیار ہونے کے لئے اندر چلا گیا۔

"بابا... میں اپنے دوست سے ملنے جا رہا ہوں ظفر کو بتا دیجئے گا خدا حافظ۔"

خوب تیار ہو کر وجاہت نے گاڑی کی چابی سنبھالی اور بابا کو بتایا اور گیٹ سے نکل گیا۔ مری کے خوبصورت رستوں سے گزرتا ہوا موسم انجوائے کرتا ہوا وہ وہاں پہنچ گیا جہاں ایک حادثے نے ان کو پہنچا دیا تھا۔ جنت کے دروازے تک آیا تو حیرت سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"ظفر یہاں... آیا تھا...؟"

● ● ●

ایک عجیب طرح کا احساس تھا۔ شاید ظفر کی غلط بیانی کا افسوس یا شاید اس کے یہاں آنے کا احساس کچھ بھی تھا اسے افسوس ہوا تھا۔ وہ گلی کے نکڑ پر کھڑا عجیب سے احساس میں گھرا کھڑا سوچ رہا تھا۔

"ہم سے بے وفائی ظفر صاحب کسی کو راس آئی نہیں تمہیں کیسے آئے گی۔ اچھا ہوتا کہ تم وجاہت ملک کے مقابل نہ آتے۔ اب آ ہی گئے ہو تو پھر دیکھ لینا۔"

وجاہت کو یک دم ہی شدید غصہ آیا ظفر پر۔ اس نے گاڑی کہیں اور موڑ لی اور چلتا ہوا آ گیا اور وادی میں اترتے شام کے دھندلکوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ ایک گلی کی اوٹ میں کھڑا ہو گیا جہاں سے وہ ظفر کو جاتے ہوئے دیکھ سکتا۔

دوست کے ساتھ اس بے وفائی یا غلط بیانی کی دو بڑی وجوہات تھیں بڑی یہ کہ وہ وجاہت ملک کی بہت اچھی طرح جانتا تھا اور دوسری یہ کہ زینت نجانے کس لمحے کی اوٹ میں چھپ کر آئی اور اس کے دل کی زینت بن گئی جہاں آج تک کسی کا گزر نہیں ہوا تھا۔

"اب میں چلتا ہوں انکل۔" ظفر کھڑا ہو گیا۔ ہلکی روشنی میں کسی حسین سراپے کی طرح چلتی ہوئی زینت کو دیکھ کر ظفر کھڑا ہو گیا تو اسی لمحے زینت نے پلٹ کر اسے دیکھا تو ظفر کو لگا جیسے وقت تھم سا گیا ہو۔

"نہیں بیٹا...... کھانا کھا کر جانا۔" انہوں نے کہا تو وہ ان کے قریب بیٹھ گیا۔

"نہیں انکل... وہ دراصل میں یہاں کسی کام سے آیا تھا تو سوچا آپ کو سلام کرتا ہوا جاؤں۔"

اب وہ کیا بتاتا کہ وہ جو سیدھا سادہ آدمی تھا عشق کے داؤ پیچ نہیں جانتا تھا۔ اچانک دل میں ہونے والی واردات پر کچھ گھبرا سا گیا اور اس بات کو نامناسب سمجھتے ہوئے بھی آ گیا۔

"بیٹا...... اپنی والدہ کو لے کر آؤ ناں کسی روز۔ ہم تو نکل بھی نہیں سکتے۔"

"میری والدہ... جی اگر وہ چلنے پھرنے کے قابل ہوتیں تو ضرور لاتا۔ وہ بہت بیمار رہتی ہیں اس لئے کہیں جا نہیں سکتیں۔"

وہ آنٹی کے قریب بیٹھا ان کو اپنی والدہ کی بیماری کے بارے میں بتاتا رہا اور کبھی کبھی کن انکھیوں سے کچن

میں کام کرتی زینت کو بھی دیکھتا۔ وہ واقعی کسی شاعر کا حسین نازک خیال تھی کہ ظفر جیسا مضبوط اعصاب کا مالک بھی ہار سا گیا تھا۔

"چائے ...!"

وہ اسی کے حسین تصور میں محو تھا کہ وہ اس کے تصور میں ڈھلی اس کے سامنے کھڑی تھی گرم چائے سے اٹھتی بھاپ اس کے حسین چہرے پر چھا رہی تھی اس نے جلدی سے ہاتھ بڑھایا۔

"شکریہ آپ نے بلاوجہ تکلیف کی۔"

"آپ چائے کو تکلیف سمجھ رہے ہیں ہم تو محسنوں کے لئے جان دینے والوں میں سے ہیں۔"

"اور اگر محسنوں کو آپ کی جان نہیں آپ کی ... میرا مطلب ہے بار بار احسان جتا کر محسنوں کو شرمندہ نہیں کرنا چاہئے۔"

"احسان جتانا چاہئے۔ خیر چھوڑیئے وہ آپ کے دوست نہیں آئے۔ اس روز تو انہوں نے بے دریغ اپنی جان ہتھیلی پر رکھ دی تھی۔"

زینت نے اپنا کپ نیچے رکھتے ہوئے پوچھا تو شام کے دھندلکے کا سارا اندھیرا ظفر کے چہرے پر اتر آیا۔

"کیوں آپ منتظر تھیں ...؟"

نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا لہجہ تلخ ہو گیا۔ زینت نے اسے حیران ہو کر دیکھا۔ وہ کچھ نادم ہو کر بیٹھ گیا۔

"منتظر تو میں آپ کی بھی نہیں تھی آپ بھی تو آ گئے ہیں۔" زینت سادہ سے لہجے میں بولی تو ظفر کھڑا ہو گیا۔ جس سے زینت کو اتنا تو اندازہ ہو گیا کہ اس نے اس کی بات کو مائنڈ کیا ہے۔

"آپ کھڑے کیوں ہو گئے ... بیٹھئے ناں ...!"

"جی نہیں ... بتایا تھا ناں والدہ بیمار ہیں تو زیادہ دیر باہر رہنا افورڈ نہیں کر سکتا۔"

"بیٹا... وہ نہیں آ سکتیں تو ہمیں اپنی والدہ کے پاس لے جاؤ ہم ان سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"جی چاہتا تو میں بھی یہی تھا۔ میرا مطلب ہے کسی روز ضرور لے چلوں گا۔ یہ میرا کارڈ ہے۔ فون نمبر ایڈریس سب کچھ ہے۔ خدانخواستہ اگر کبھی ضرورت پڑ جائے تو ضرور یاد کیجئے گا۔ چلتا ہوں اندھیرا گہرا ہو گیا ہے۔"

ظفر نے جھک کر تپائی پر پڑی چابی اٹھائی اور ایک نظر زینت پر ڈالی اور دروازے کی طرف بڑھا۔

"ظفر صاحب ...!"

زینت نے آہستگی سے کہا تو وہ پلٹ کر اسے دیکھنے لگا۔

"جی فرمایئے ...!" ظفر کے لہجے میں واقعی خفگی کی جھلک تھی یا زینت کو محسوس ہوئی تھی۔

"آپ خفا تو نہیں ...؟"

"اچھا فرض کریں میں خفا ہوں تو آپ کیا کریں گی۔"

لڑکی رغبت نہیں ہوتی تھی۔ سوائے منزہ احسان کے وہ بڑی اچھی فیملی کی سنجیدہ سی لڑکی تھی۔ وجاہت کے لئے اس کی فیلنگ کا صرف ظفر کو پتا تھا اور ظفر بھی یہ چاہتا تھا کہ یہ بگڑا ہوا بندہ کسی اچھے ٹھکانے لگے تب ہی اس نے منزہ کا ذکر کیا تو وجاہت بڑے تمسخرانہ انداز میں ہنسا تھا۔

"اچھا تو اس لئے تمہاری مدارات کر رہی تھی تمہارا کیا خیال ہے۔ منزہ میری لائف پارٹنر بننے کے قابل ہے۔ نو ... نیور!"

وجاہت نے انتہائی حقارت سے کہا تو منزہ کی تذلیل پر ظفر بھڑک اٹھا۔

"شٹ اَپ یو وجاہت ... تم کسی اچھی لڑکی کے قابل ہو ہی نہیں۔ میں خود بھی یہی چاہتا تھا کہ کوئی منزہ جیسی لڑکی تمہیں سنبھال لے، گمراہی کی دلدل میں گرنے سے بچا لے لیکن جب تم خود ہی برائی کے جنگل میں بھٹکنا چاہتے ہو تو...... بھاڑ میں جاؤ۔"

ظفر کو بہت غصہ آیا خود پر بھی اور اس پر بھی کہ ناحق وجاہت جیسے بدتمیز شخص کے سامنے منزہ احسان جیسی معزز لڑکی کا بھرم گنوایا۔

"ڈیئر ... تم نہیں چلو گے بھاڑ میں۔" اس نے مسکرا کے پوچھا تو ظفر چڑ گیا۔

"نہیں ... تمہیں مبارک ہو اور خبردار جو منزہ کو بتایا ہو کہ میں نے تم سے اس کے بارے میں بات کی تھی۔"

ظفر نے خبردار کیا تو وہ اپنے مخصوص انداز میں آنکھ دبا کر ہنس دیا جس کا مطلب ہوتا تھا وہ ہر وہ کام کرتا ہے جس سے اسے منع کیا گیا ہے، اور یہی ہوا اس نے منزہ [illegible] عزت سے اپنی جان اور محبت سے زیادہ پیاری تھی، وجاہت کی بات چھپائی ہوتی۔

"منزہ احسان مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم مجھ پر مرتی ہو۔ ہاں اگر تم ظفر کی بجائے خود کہتیں تو میں شاید تمہاری خواہش پوری کرنے پر غور کرتا اور ..."

وجاہت نے اس کی لٹ کو چھوا تو وہ سلگ کر پیچھے ہٹی۔

"شٹ اَپ وجاہت ملک ... خبردار جو تم نے ایک لفظ مزید کہا ہو تو۔ کیا سمجھتے ہو تم خود کو۔ میری نظر میں تم ایک ایسے انسان ہو جسے اپنی منزل کی خبر نہیں۔ جو انجانی راہوں کی دھول بن کر زندہ ہو [illegible] در بدر گمراہی کی قبر میں دفن ہو جاتے ہیں۔ تم جیسے ناکام اور بدنصیب آدمی کو کوئی لڑکی چاہنا یا پسند کرنا گوارا نہ کرے گی۔ تم بھٹکے ہوئے آدمی ہو جس کی اپنی کوئی منزل نہیں۔ کوئی بھی اچھی باشعور لڑکی تمہیں اپنی منزل کس طرح بنا سکتی ہے۔

میری بات غور سے سنو۔ وجاہت ملک تم منزہ احسان کی وہ غلطی ہو جس پر وہ ہمیشہ نادم رہے گی اور اللہ سے توبہ کرتی رہے گی۔ خدا حافظ۔"

منزہ نے ٹھوکر سے اس کی ٹانگ کو پیچھے ہٹایا جو اس نے بدتمیزی سے اس کے سامنے کر رکھی تھی اور چلی گئی۔

وہ ظفر سے بھی بہت خفا تھی۔

"میری بات کا یقین کرو منزہ میں نے تمہارے جذبوں کو پامال نہیں کیا بلکہ میں تو خود یہ چاہتا تھا کہ وہ

ختم ہو تو سب تم جیسی اچھی اور سلجھی لڑکی ... اپنی دے تم میری طرف سے دل میلا نہ کرو۔"

"بہرحال جو ہوا اچھا نہیں ہوا تم جیسے اچھے آدمی کو وجاہت جیسے آدمی کے ساتھ نہیں ہونا چاہیے تھا۔"

"مس منزہ کبھی کبھی وقت اور حالات دو مختلف لوگوں کو اس طرح باندھ دیتے ہیں کہ بہرحال تم نے اپنے ان کے ساتھ شادی کا فیصلہ کر کے بہت اچھا کیا ہے۔ کیونکہ بندے کو اس سے شادی کرنی چاہیے جو اسے چاہتا ہو اس سے ہرگز نہیں جس کو وہ خود چاہتا ہو۔ ساری عمر نخرے اٹھاتے ہی گزر جاتی ہے۔ بیسٹ آف لک۔"

• • •

"کس نے کی ہے یہ بکواس۔ کس میں اتنی جرأت در آئی کہ اتنی بڑی بات کہہ گیا اور ... اور تم نے سن بھی لی۔"

احتشام الدین نے غصے میں حقے کی نالی ایک طرف پھینکی اور کھڑے ہو گئے تو کچھ دیر کے لیے خود کلثوم بیگم بھی خوفزدہ ہو گئیں کیونکہ احتشام صاحب ثبوت مانگا کرتے تھے نوکروں کی باتوں کو تو وہ کسی قابل نہیں سمجھتے تھے۔ بقول ان کے یہ نوکر گھر والوں کی نظر میں خود کو اچھا ثابت کر کے مالی فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں اس لئے ان کی باتوں میں آنا ہی نہیں چاہیے مگر اب یہ حقیقت چھپ بھی کیسے سکتی تھیں۔ کچھ دیر بہانے تراشتی رہیں پھر بتانے کا فیصلہ کر کے بول پڑیں۔

"احتشام وہ ... اپنی سکینہ ہے ناں۔ وہی بتا رہی تھی۔"

"کیا ... [illegible] اس کی جرأت کیسے ہوئی کہ اس نے اتنی بڑی بات کہہ دی [illegible]"

احتشام صاحب غصے میں کلثوم کے انتہائی قریب آ گئے تو وہ ڈر کر پیچھے ہٹ گئی۔

"آپ تو ایک دم خفا ہو جاتے ہیں۔ کیا پہلے آپ نے کانوں سے سنا ہے۔"

"اچھی حیرت ہے اپنے کانوں سے سنتا ہے۔ حالانکہ اسے میرے یا تمہارے کانوں سے سننا چاہیے تھا۔ کلثوم ان نوکروں کی باتوں پہ دھیان مت دیا کرو۔ کتنی بار سمجھایا ہے تمہیں۔ خبردار یہ بات حسام یا راحیلہ کے کانوں تک نہ پہنچے۔ حسام [illegible] پر جتنا خوش ہے اللہ جانتا ہے اور راحیلہ کو بھی اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں۔ اس [illegible] نے خود دونوں کی شادی کی بات چھیڑی تھی پھر ..."

"میں جانتی ہوں راحیلہ یا حسام کو اعتراض نہیں۔ اعتراض آپ کو ہے۔"

"اس سکینہ کی یہ جرأت کہ اس نے ہماری بیٹی کا نام لیا۔ فوراً نکال باہر کرو اس سکینہ کی بچی کو۔ آمنہ ہماری بیٹی ہے اور اس خاندان کی بیٹیاں اس خاندان کی روایات پر خود کو قربان کر دیا کرتی ہیں مگر اف نہیں کرتیں اور پھر ... بیٹے میں کمی کیا ہے کہ آمنہ انکار کرے گی۔"

"خدا کا شکر ہے کہ ہمارے بیٹے میں کوئی کمی نہیں اسی لئے تو ..."

"چھوڑو ادھر ادھر کی باتیں اور ایسی کوئی بات نہ ہو جو ہم دونوں بھائیوں کے دل کو میلا کر جائے۔"

"آپ تو اندھا اعتماد اور اندھی محبت کرتے ہیں حسام سے۔" کلثوم بیگم نے منہ بنا کر کہا تو احتشام نے ایک تیز نگاہ بیگم پر ڈالی اور واپس صوفے پر بیٹھ کر حقے کی نالی کو ہونٹوں سے لگایا۔

"کیوں نہ کروں؟ حسام میرا مان ہے، کوئی بیٹا بھی، اتنا مخلص، وفرمانبردار نہیں ہو سکتا جتنا میرا بھائی ہے، باپ کا درجہ دیا ہے اس نے مجھے، بہت مان ہے اس پر مجھے، اس کے بارے میں میں کوئی بات نہ سن سکتا ہوں نہ برداشت کر سکتا ہوں۔ رحیمہ بھی سچی عورت ہے اس کے صبر ضبط، وفرمانبرداری کو تو تم آزما ہی چکی ہو۔ لہٰذا ایسی ویسی کوئی بات نہ ہو جس سے وہ لوگ دکھی ہوں یا پریشان ہوں۔"

احتشام صاحب نے بات پھر ہونٹوں سے لگائی۔ تو کلثوم خاموشی سے اُٹھ کر باہر آ گئیں۔ سامنے ہی طویل کوریڈور سے جالے اُتارتی سکینہ پر اس کی نظر پڑی۔

"ذرا میری بات تو سنو سکینہ خاتون...!"

"ہائے میں مر گئی۔" سکینہ گھبرا کر پلٹی۔

"تو باتوں کی رسیا تو تھی ہی اب تیرے کان بھی بدمعاشیاں کرنے لگے ہیں۔"

"ہائے وڈی بی بی! میرے معصوم کنوں پر بدمعاشی کا الزام بڑی ظلم کی بات ہے۔ وڈی بی بی قسم تاں بڑی۔"

"بکواس بند کر اور اندر آ میرے کمرے میں۔"

"میں نہیں آتی برانڈے (برآمدے) میں میرے کنّوں کو بدمعاش بنایا کمرے میں جا کر میرے ہتھ پیر تو فر ہو جائیں گے۔"

"پھر بکواس کی تو نے۔"

کلثوم بیگم نے پلٹ کر غصے سے سکینہ کو دیکھا تو وہ سر کھجانے لگی۔

"ہاں! اب بتا ناں ذرا۔"

"کیا بتاؤں جی! اتنی جوئیں ہیں کہ کیا بتاؤں اور لیکھوں کا تو حساب ہی نہیں۔"

"الو کی پٹھی! میں نے تجھے یہاں جوؤں کا شجرہ نسب جاننے کے لئے نہیں بلایا اور یہاں کپڑوں کو بھی دھو بھی لیا کر۔ پیچھے ہٹ کر مرے میرے اوپر ہی جوئیں جھاڑ رہی ہے۔"

کلثوم بیگم نے اسے پرے دھکیلا جو عین ان کے سر پر کھڑی دونوں ہاتھوں سے سر کھجا رہی تھی۔

"وڈی بی بی... استاہے آج کل جوئیں مرے کے بڑے شیمپو آ گئے ہیں...؟"

"اپنی جوؤں کو ہی روتی رہے گی کہ میری بات بھی سنے گی؟"

"میں یہ کون سی نئی گل (بات) ہے سنا ئیں...!"

وہ سکینہ ہی تھی بچپن سے اس گھر میں پلی بڑھی تھی۔ وہ اس گھر کی خاطر جان بھی دے سکتی تھی۔ گھر کے تمام معاملات میں بہت اتوالو ہو جاتی تھی۔ واصف اور آمنہ کی جوڑی اسے بھی بہت پسند تھی اسی لئے اس روز آمنہ کے منہ سے واصف کے لئے انکار سن کر اسے دکھ ہوا تھا اور اس نے کلثوم کو آ کر بتا دیا تھا۔

"وہ اس روز جو تو نے بکواس کی تھی سچی تھی یا تیرے کانوں کی میل کا کمال تھا؟ ذرا دیکھ سکینہ! سچ بولیں نہیں تو بڑا پواڑہ پڑ جائے گا۔"

"ہائے... وڈی بی بی! میں نے کبھی جھوٹ بولا ہے۔ میں نے ان اپنے ذاتی کنوں سے سنا تھا

آمنہ بی بی..."

قریب تھا کہ سکینہ اپنے ذاتی کانوں کو پکڑ کے اس واقعے کی سچائی بتاتی اسی وقت راحیلہ آ گئیں اور بات ادھوری رہ گئی۔

● ● ●

"تو... ہووے... اپنے... یہ کیا بات ہوئی کہ زندگی آپ کی ہو اور اس کو کس طرح گزارنا ہے کس کے ساتھ گزرنا ہے اس کا فیصلہ دوسرے کرتے پھریں وہ بھی اس کی مرضی کے خلاف۔ نہیں میں اپنی زندگی کی ڈور اور کسی کے ہاتھ میں نہیں دے سکتی۔ واصف اگر اچھا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں اپنی پسند اور مرضی کے بغیر اس کے ساتھ شادی کر لوں۔ تو... مجھے...!"

آمنہ پر جب سے یہ حقیقت آشکار ہوئی تھی اس کی تو راتوں کی نیندیں، دن کا سکون برباد ہو گیا تھا۔ اسے معلوم تھا اس کے انکار سے کوئی معمولی قیامت نہیں آئے گی بہت بڑی قیامت آنے کی طوفان اُٹھے گا جس میں سب کچھ بہہ جائے گا۔ مگر پھر بھی وہ واصف کے ساتھ شادی کے لئے تیار نہیں ہو سکتی تھی۔ سب لوگ کتنے خوش کتنے انجان تھے اس کے اندر ہونے والی توڑ پھوڑ سے وہ مسلسل کمرے میں بے چینی سے ٹہل رہی تھی۔

"کیا سمجھتے ہیں یہ سب خود کو تمام عمر اپنی کا غلام بنائے رکھا اور اب میری باری ہے۔ لیکن میں اپنی زندگی اپنی خوشیاں، اپنی محبت بھاڑ میں نہیں جھونک سکتی چاہے ابو سے بھی کہہ دوں گی مجھے واصف سے شادی نہیں کرنی، انکار... بے شک ... " اس کی عجیب سی حالت ہو رہی تھی۔ اب اس کا کمرے میں دم گھٹنے لگا۔ وہ باہر لان میں آ گئی... سورج کی روشنی ... کائنات کو عجیب حسن بخش رہا تھا۔ ہوا بھی خاصی تیز تھی۔ وہ بے چینی سے ٹہل رہی تھی سے کسی پل قرار نہیں تھا۔ حسن کے ساتھ بیتا ہوا ایک ایک پل خوشبو کی طرح اس میں بسا تھا اور اب اس کے بغیر زندگی گزارنے کا تصور بھی وہ نہیں کر سکتی تھی۔

"نہیں حسن! میں تمہارے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ تمہارے لئے میں اس خاندان اور اس کی روایات سے بھی ٹکرا جاؤں گی لیکن اس کی نوبت نہیں آئے گی۔ ابو مجھے چاہتے ہیں وہ میری خوشی کو اذیت دیں گے۔" ناامیدی کے گھپ اندھیرے میں ایک ننھی سی کرن نے ڈرتے ڈرتے سر ابھارا تو وہ کسی حد تک مطمئن ہو گئی۔

"یہ کیا حرکت ہے...؟" واصف نے گھور کر عارف کو دیکھا جس نے اندر آ کر پیچھے واصف کو دیکھ جو کھڑکی میں کھڑا لان میں ٹہلتی ہوئی آمنہ کو دیکھ رہا تھا۔ عارف نے شرارت سے کھڑکی بند کر دی تو وہ غصے میں پلٹا۔

"باہر کیا دیکھ رہے تھے؟" عارف کھڑکی کے پٹ بند کر کے سامنے کھڑا پوچھ رہا تھا۔

"تمہارا سر!" واصف نے غصے سے کہا۔

"میرا سر تو یہاں ہے۔ ارے بھائی! نظارہ ہی کرنا ہے تو کوئی حسین سا خوبصورت سا کریں یہ کیا کہ..." وہ اسے چھیڑ رہا تھا۔ واصف اس کی بات پر مسکرا دیا۔

"اب بچو گے مجھ سے۔ تم اچھی طرح جانتے ہو میری زندگی میں اس سے بڑھ کر حسین اور خوبصورت نظارہ کوئی نہیں۔"

"حالانکہ ہونا چاہئے۔ اوکے اوکے یہ بتائیں کہ آپ کو آمنہ باجی میں نظر کیا آیا؟ میرا مطلب ہے یونہی سی ہیں عام سی شکل و صورت اور کوئی بھی..."

عارف نے اسے چھیڑنے کی غرض سے کہا۔ واصف نے مسکرا کر اسے پیچھے ہٹایا اور کھڑکی کے پٹ کھول دیے۔

"تم ذرا میری نظر سے دیکھو بھلا کوئی نظارہ اس نظارے سے حسین ہو سکتا ہے؟"

"سوچ لیں بھائی ...! خود ہی اپنی نظر سے دیکھنے کو کہہ رہے ہیں۔ اگر میں نے آپ کی نظر سے ان کو دیکھ لیا تو آپ ہی کو اعتراض ہوگا۔ رقیب سمجھنے لگیں گے۔" عارف نے شوخی سے کہا تو واصف اس کی بات سمجھ کر ہنس پڑا۔

"بدمعاش ...! شرم نہیں آتی۔ تمہاری بڑی بہن بھی ہے اور....." واصف اور کے بعد چپ ہو گیا تو عارف کا شوخ قہقہہ کمرے میں گونج گیا۔

"اور.....اور کیا ہیں وہ میری...؟" وہ اسے چھیڑ گیا مگر واصف اسے نظر انداز کرتے آمنہ کے دھانی آنچل اور چوٹی کے بل بل میں اُلجھتا چلا گیا۔

وہ جو اس سے ناواقف تھی اس کی محبت سے بے خبر تھی اس کی دیوانگی سے بے نیاز تھی۔

"ویسے بھائی ...! ایک بات بتائیں۔" عارف سنجیدہ ہو کر اس کے مقابل آن کھڑا ہوا تو وہ بھی اس کی کسی نئی شرارت کے لئے جوابی حملہ سوچنے لگا۔

"فرمایئے ...!"

"یہ بتائیں کہ آپ آمنہ باجی کو کتنا چاہتے ہیں ...؟"

"ہائیں؟ چاہتے ہیں بھئی یہ تم سے کس نے کہا؟"

واصف نے شرارت سے کہا تو عارف اس کو دیکھنے لگا۔

"چھا جی ...! ویسے ہی خاندان بھر میں آپ کی دیوانگی کے قصے مشہور ہیں بلکہ آپ کی محبت اور دیوانگی کی تو مثالیں دینے لگے ہیں خاندان بھر کے لڑکے۔"

"پاگل... ! بھی محبتوں کی پیمائش کے بھی پیمانے ہوا کرتے ہیں۔ میں تو بس اتنا جانتا ہوں عارف ...! کہ اگر یہ لڑکی میری نہ ہوئی تو ... تو ... نہیں اس سے آگے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔"

واصف بولتے بولتے چپ ہو گیا۔ عارف نے غور سے بھائی کو دیکھا تو اس کے کانوں میں سکینہ کی آواز گونج گئی۔

"سوچنے کا بھی نہیں بھائی ...! آمنہ پیدا ہی آپ کے لئے ہوئی ہے آمنہ کے ساتھ واصف ہی لکھا جائے گا کوئی اور نام۔ ہونہہ سکینہ بکواس کرتی ہے۔"

عارف نے پرسوچ انداز میں کہا تو واصف جو اس کہانی سے ناواقف تھا بھائی کو دیکھنے لگا۔

"سکینہ یہ سکینہ کہاں سے آ گئی؟" واصف حیراں سا تھا۔

"سکینہ اوہاں بھائی..... ! آپ جانتے ہیں سکینہ چھلاوا ہے۔ خیر چھوڑیں آپ نے کبھی اس انجان حسینہ کو بھی بتایا ہے کہ آپ اس پر کتنا مرتے ہیں؟"

"احمق ...! محبت کوئی مجسم چیز تو ہے نہیں کہ کسی کے ہاتھ تھما دی جائے تو سے بتایا جائے۔ یہ تو خوشبو ہے، احساس ہے جسے صرف محسوس ہی کیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ محبت کی پیچیدگیاں تم نہیں سمجھو گے۔"

"ارے واہ ...! کیوں نہیں سمجھوں گا؟ یونیورسٹی جاتا ہوں دن میں کئی محبتیں کرتا ہوں۔ ویسے بھی آپ نے کہا کہ محبت احساس ہے تو کیا آپ نے محسوس کیا کہ آمنہ بھی آپ کو چاہتی ہے یا وہ بھی آپ سے محبت کرتی ہے۔ وہ بھی آپ کے لئے اتنی ہی پاگل ہے وہ بھی آپ کے بغیر جینے کا تصور نہیں کر سکتی۔"

"اسٹاپ اٹ عارف ...! نہیں محسوس کیا میں نے ایسا کچھ بھی۔"

عارف بولے گیا تو وہ جو اسی محرومی کا شکار تھا بلبلا اٹھا اس احساس نے اسے احساس کمتری اور احساس محرومی کا درد دیا تھا۔ یہی تو وہ حقیقت تھی جس سے وہ نظریں چراتا رہتا تھا کیونکہ آمنہ نے کبھی ایسا کوئی اشارہ نہیں دیا تھا کہ جو اسے بھی معتبر کر جاتا۔ وہ تو بس ترستا تھا اس احساس کو کہ کبھی تو آمنہ اس کی طرف دیکھے پلٹے مگر وہ تو اجنبی سی کتاب لئے بیٹھی رہتی اسے محبت کے سمندر میں غوطہ زن ہوتے دیکھتی رہتی۔ اس کی تو حسرتیں ارمان اس کے ضبط سے پٹ کر رہ جاتے رہتے مگر واصف کبھی حرف شکایت زبان پر نہیں لایا تھا۔ اس کے لئے یہ احساس کیا کم تھا کہ وہ اس سے منسوب تھی اس کی شریک سفر بننے والی تھی لیکن اس دل بیقرار کا کیا کرتا جو یہ چاہتا کہ وہ بھی اسے چاہے۔ اس سے ملنے کی تمنا کرے اور جب وہ اسے دیکھے تو وہ سرخ ہو جائے مگر اس کے دل کے سمندر میں اٹھنے والے طوفان میں اتنی شدت ہی نہیں تھی شاید کہ اس کے دل کے کنارے بھگو سکتا۔

"کیا سوچ رہے ہیں بھائی ...! اگر نہیں محسوس کیا تو اس میں ہماری آمنہ بھابی کا قصور تو نہیں۔ سارا قصور آپ کا ہے آپ نے احساس کرایا؟" واصف کے چہرے پر اس کے دل کی حالت درج تھی۔ عارف سمجھ گیا وہ واصف نے سے محبت کرتا تھا۔ وہ سمجھ گیا مگر بات کو مزاح میں ٹال گیا۔

"ہاں شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ محبت کرنے والے کچھ زیادہ ہی حساس ہو جاتے ہیں۔"

"آپ کس قسم کے عاشق ہیں کیا کبھی آپ نے آمنہ باجی سے خود سے بات کرنے کی کوشش کی ہے یا ملے ہیں۔ ان باتوں سے بہت فرق پڑتا ہے۔ لڑکیاں ایسی باتوں کو بہت فیل کرتی ہیں۔ آپ ان کے پاس جایا کریں۔ دائیں بائیں کی باتیں کرتے کرتے ایک آدھ گہرا معنی خیز جملہ اچھال دیں، ان کی تعریف کریں، ان کے پہننے اوڑھنے پہ کوئی نہ کوئی کمنٹ دے دیا کریں۔ قسم سے آپ میں تو عاشقوں والی کوئی بات ہی نہیں۔"

"تجربہ بول رہا ہے۔" واصف نے پیارے بھائی کو دیکھا۔

"ذرہ نوازی ہے آپ کی۔ ذرا ہمارے تجربے کو آزما کر دیکھئے محبوب آپ کے قدموں میں ہوگا۔"

"لیکن محبوب کی جگہ قدموں میں نہیں دل میں ہوتی ہے۔"

"یار بھائی ...! قسم سے آپ تو بالکل ہی گاؤدی ہیں۔ دیکھئے وہ اس وقت اکیلی ہے ان کے پاس جایئے کسی نہ کسی ٹاپک پر بات کریں۔ کچھ وہ بڑھیں گی کچھ آپ بیدار ہو جانے گا جایئے شاباش ...!" اور پھر واقعی عارف اسے زبردستی نیچے لے آیا۔ اسے ان کی طرف دھکیل کر خود اندر کی طرف بھاگ گیا۔

"نالائق کہاں پھنسا گیا ہے۔" پھر وہ آہستہ آہستہ چلتا اس کی طرف بڑھا۔ جھلملاتی سیاہی میں اپنے سفید لباس میں وہ نمایاں ہو رہی تھی۔ اس نے گلا صاف کر کے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

"آپ......!"

آمنہ چونک کر پلٹی۔ چشمِ تصور میں وہ حسن کو دیکھ رہی تھی۔ حقیقت میں واصف کو دیکھ کر وہ کچھ برہم سی ہو گئی۔

"ہاں... !وہ اندھیرا بڑھ گیا ہے اور خنکی بھی زیادہ ہو رہی ہے۔" واصف کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہے۔

"اچھا تو آپ مجھے یہ اطلاع دینے آئے ہیں کہ اندھیرا ہو گیا ہے اور..." آمنہ خاصے روڈ لہجے میں بولی تو کچھ دیر کے لئے واصف سناٹے میں آ گیا۔ پھر واپس پلٹنے لگا کیونکہ اتنا تو اسے یقین تھا کہ اس کے جذبے ابھی تک یکطرفہ ہیں مگر وہ اس سے چڑتی ہے اس انکشاف پر وہ بالکل اندر ہی اندر ڈھے سا گیا۔

"اندھیرا یا خنکی تم سے چھپے ہوئے نہیں تھے۔ لیکن کبھی کبھی چونکہ کلام کو کسی عنوان کی ضرورت ہوتی ہے تو..."

اس کے گمبھیر لہجے میں ناراضگی تھی اور دل میں احساس کمتری سا تھا کہ وہ جو ہر پل اس کا ساتھ چاہتا ہے اسے سوچتا ہے وہ اس سے یوں کترا رہی ہے۔

آمنہ کو بھی جلد ہی احساس ہو گیا کہ واصف کیا چیز ہے اس کی اس گھر میں کیا حیثیت ہے۔ گھر کے بڑے کیا چھوٹے سب اس پر جان دیتے تھے اور وہ جو اس پر جان دیتا تھا اس سے یوں غیر اہم لوگوں کی طرح کھردرے لہجے میں بات کرنا کتنا نامناسب ہے۔

"واصف...!" آمنہ کی آواز میں نہ جانے کیا تھا کہ اس کے قدم جم سے گئے۔ وہ رُک ضرور گیا مگر پلٹا نہیں۔ تب ہی آمنہ خود چل کر اس کے مقابل آن کھڑی ہوئی۔ خوبرو سا یہ بندہ اسے ناپسند نہیں تھا بس وہ اس سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ یہ زندگی وہ صرف، وہ صرف حسن کے ساتھ جینا چاہتی تھی۔

"سوری واصف میں... میں نجانے کس سوچ میں تھی کہ [illegible]" وہ [illegible] رہی تھی۔ اس کے اس انداز سے اندرونی حالت کی غمازی ہو رہی تھی۔ واصف نے اندھیرے میں اس کے چہرے کو دیکھا بہت ہلکی سی روشنی میں اس کا چہرہ نظر آ رہا تھا۔ کانچ کا پیکر رکھنے والی یہ حسین لڑکی کتنی پیاری کتنی عزیز تھی اسے اور وہ اس سے اتنی بیزار اور انجان کہ ایک عجیب سا احساس اس کے اندر تک اُتر کر اسے سرد کر گیا۔

"میرے ہر خیال میری ہر سوچ تم پر شروع ہو کر تم پر ختم ہوتی ہے آمنہ۔ بھلا اور تم ایسے کس خیال میں کھوئی تھیں کہ میرے مخل ہونے پر تم اتنی برہم ہو گئیں......؟"

واصف کے گمبھیر لہجے میں نمایاں خفگی تھی جو آمنہ کو مزید شرمندہ کر گئی۔

"سوری......ویری سوری واصف......!" وہ ڈھنگ سے معذرت بھی نہیں کر پا رہی تھی۔

"ہوں......یہ بات تو طے ہے کہ تم مجھے نہیں سوچ رہی تھیں کیونکہ انسان جسے سوچ رہا ہو اور وہ آ جائے تو اسے سوچنا اور دیکھنا بہت اچھا لگتا ہے۔"

"میں آپ کی بات سمجھی نہیں۔"

"ہاں! معلوم ہے مجھے تم نہیں سمجھیں۔ سمجھاؤں گا میں بھی نہیں۔ بس اتنا ضرور کہوں گا کہ کبھی جب میں کسی گہری سوچ میں غرق ہوں تو تم میرے پاس آنا میری سوچ اور میرے درمیان مخل ہونا، اور جواباً تمہیں دیکھ کر میرے چہرے پر جو روشنی پھیلے گی اس میں اپنا عکس دیکھ کر سب سمجھ جاؤ گی۔"

وہ کچھ دیر کھڑا اسے دیکھتا رہا اور وہ اس کی بات کے معنی تلاش کرتی رہ گئی۔ وہ اس کے انتہائی قریب سے

گزر گیا۔ وہ ابھی ابھی اپنے کمرے میں آ گئی۔

• • •

"بھائی جان......! آپ کس سوچ میں پڑ گئے ہیں...؟ آمنہ آپ کی ہی بہو ہے۔ یاد نہیں آپ کو اس کی پیدائش سے کچھ دن پہلے ہی آپ نے کہا تھا کہ بیٹی ہوئی تو میری بہو بنے گی اور اللہ نے آپ کی خواہش پوری بھی کر دی تو آپ اب ایسی باتیں کیوں کر رہے ہیں......؟"

"بس یوں ہی خیال آیا تھا کہ زندگی تو بچوں نے گزارنی ہوتی ہے ان سے پوچھنا ان کی آئندہ زندگی کو خوشگوار بنانے میں مدد دے سکتا ہے۔" احتشام مدین نے حقہ اپنی طرف گھسیٹ کر کہا تو حسام ان کو دیکھنے لگے۔ ان کو احساس ہو رہا تھا کہ جیسے کوئی بات ہوئی ہے۔

"بھائی جان! آپ نے ایسی بات کبھی نہیں کی۔ کہیں رحیمہ یا آمنہ نے کچھ کہا ہے؟"

"ارے نہیں بھئی! ہرگز نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ بس یوں ایک خیال سا آ گیا تھا کہ واصف تو آمنہ کو پسند کرتا ہے۔ پھر بھی ہم آمنہ سے بھی پوچھ لیتے۔"

"ارے نہیں بھائی جان... آمنہ کی طرف سے آپ پریشان نہ ہوں۔ آمنہ آپ کی ہماری بیٹی ہے۔ بڑوں کے فیصلے سے اسے اختلاف ہو نہیں سکتا۔ پھر بھی اگر آپ کو کوئی وہم ستا رہا ہے تو ہم واصف اور آمنہ کا فی الحال نکاح کر دیتے ہیں پھر واصف کی تعلیم مکمل ہونے پر شادی کر دیں گے۔ کیا خیال ہے آپ کا...؟"

حسام کا بس [illegible] تو کس طرح اپنے بھائی کے سامنے اپنی وفاداری بچھا دیں۔ نکاح کا انہوں نے بھی یونہی کہہ دیا تھا۔ لیکن ان کو اس بات سے غرض بھی کیا تھی کہ بیوی ناخوش ہے یا بیٹی اس رشتے پر تیار نہیں۔ وہ اپنی غلطی کا ازالہ کرنا چاہتے تھے اور اب نکاح کا فیصلہ بھی یکطرفہ کر لیا تھا۔

"حسام! تمہاری خوشی ہے تو ٹھیک ہے نکاح کر لیتے ہیں ویسے تو گھر کی بات تھی۔ خیر اب نکاح کا فیصلہ ہو چکا ہے تو آج رات کھانے پر ہم اس کا اعلان کر دیتے ہیں۔"

"جیسے آپ کی خوشی بھائی جان!"

"اور ہاں حسام! گاؤں سے کرم داد آیا تھا۔ بتا رہا تھا کہ اس کا بیٹا حسن جس کی باہر ملک میں تم سے ملاقات بھی ہوتی رہتی تھی، دو روز سے آیا ہوا ہے اور کرم داد اپنی بیٹی کی منگنی کر رہا ہے ہم سب کو بلاوا دے گیا ہے۔"

"اچھا! حسن آ گیا ہے۔ ویسے بھائی جان یہ لڑکا حسن بڑا ہی اچھا ہونہار اور قابل ہے۔ وہ جو کہتے ہیں ناں کہ بیٹا ایک ہو نیک ہو تو پشتیں سنوار دیتا ہے۔ حسن کے بارے میں ایسا ہی کہا جا سکتا ہے۔"

"ہوں! اچھی بات ہے۔ اسی لئے تو کرم داد نے اب ہماری زمینوں پر کام کرنا چھوڑ دیا ہے۔"

"بھائی جان...! منگنی پر تو ہم پھر جائیں گے مجھے گاؤں میں ذرا کام ہے آج ہی جا رہا ہوں شام تک لوٹ آؤں گا۔"

"کیا؟ حسن آ گیا ہے...؟ یا اللہ تیرا شکر ہے!" وہاں سے گزرتی آمنہ نے حسن کے آنے کی خوشخبری سن لی تھی۔ اس نے شکر ادا کیا۔

• • •

شہباز آج کل سخت بوریت کا شکار تھا۔ راحیل بھی سی۔ ایس۔ ایس کی تیاری میں اتنا بزی تھا کہ نہ آتا اور نہ فون کرتا اور وہ خود بھی اسی خیال سے نہیں جا رہا تھا۔ مگر آج تو گویا بوریت کی انتہا ہو گئی تھی۔ وہ خود غرض بن کر اٹھا۔ جیسے ہی وہ واش روم سے باہر آیا تو راحیل کے گھر جانے کے خیال کے ساتھ ہی لیلیٰ کا حسین سراپا نگاہوں میں گھوم گیا۔

"یار...... کوئے جاناں جانے کے لئے بندہ کو ذرا تیار شیار ہونا چاہئے۔ اوہ شٹ۔ ۔ ۔! شہباز یار ۔ ۔ ۔ ! کم آن...... کیا ہو گیا ہے۔ اس عمر میں ایک سترہ سالہ لڑکی کے لئے یہ بیقراری یہ سب...... تو...... تو...... تم پر قطعی سوٹ نہیں کر رہا۔ اس دل کو کیا سوجھی ہے کہ......"

شہباز آئینے کے سامنے کھڑا خود کلامی کر کے مسکرا دیا اور سفید شلوار سوٹ پر پرفیوم اسپرے کرتا لیلیٰ سے ملنے کی دعا کر کے آ گیا۔ وہ راحیل کے گھر پہنچا تو وہ لوگ کہیں جانے کو تیار کھڑے تھے۔

"السلام علیکم آنٹی...... ! آپ لوگ کہیں جا رہے ہیں غالباً۔"

وہ راحیل کی امی کی طرف بڑھا۔

"ہاں بیٹا...... وہ مسز زبیر کے ہاں پارٹی ہے ان کو تو بہت ہی شوق ہے لوگوں کو جمع کرنے کا۔" نجمہ بیگم نے وضاحت کی۔

"اوہ اچھا۔ ۔ ۔ !" مسز زبیر کا نام سن کر عجیب سا احساس ہوا تھا شہباز کو۔

"رہنے بھی دیجئے امی...... ! یہ پارٹیاں۔ میں سب جانتا ہوں۔ بات پتا ہے کیا ہے شہباز ۔ ۔ ۔ ! یہ جو ہمارے ہاں کی خواتین ہوتی ہیں ناں ان کو چغلیاں کھانے کا بہت شوق ہوتا ہے تو یہ جو یوں کرتی ہیں کہ ہر ہفتے پارٹی کا اہتمام کرتی ہیں اور مردوں کو کھلاتی ہیں کھانے اور خود کھاتی ہیں چغلیاں۔"

راحیل نے شرارت سے نجمہ بیگم کی طرف دیکھا تو وہ پیار بھری خفگی سے اسے گھورنے لگیں۔

"تم اور تمہارا باپ تو یہی کہتے ہیں۔"

"امی ۔ ۔ ! میں بھی تو کہتا ہوں۔" اسی وقت سہیل ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتا ہوا بولا تو سب اس کے جملے پر مسکرا دیے۔

"اوکے...... ! آپ لوگ جائیں اصل میں میں تمہیں سرپرائز دینا چاہتا تھا مگر معلوم نہیں تھا کہ تم لوگوں کو کہیں جانا ہے۔ اٹس او کے میں چلتا ہوں پھر ملاقات کہاں ہو گی ؟ میں آ جاؤں یا تم آؤ گے ۔ ۔ ؟" شہباز چابی گھماتا اپنی گاڑی کی طرف بڑھا تو راحیل نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"کہاں بھئی...... ؟ اتنی مشکل سے تو آئے ہو۔"

"مشکل سے نہیں بھئی...... ! بڑی آسانی سے اپنی گاڑی میں آیا ہوں۔" شہباز مسکرایا۔

"اچھا تو اس گاڑی کو آپ باہر پارک کر کے آ جائیے ہم دونوں گھر پر رہیں گے۔ یہ لوگ جا رہے ہیں ہم ذرا آج گپ شپ لگائیں گے۔ آؤ ۔ ۔ ۔ !"

راحیل کا تو موڈ یوں بھی وہاں جانے کا نہیں تھا ماں کے اصرار پر جا رہا تھا۔ شہباز کے آنے سے اسے بھی نہ جانے کا بہانہ مل گیا۔

"ارے نہیں یار...... ! تو پرابلم تم جاؤ میں فارغ ہوں پھر آ جاؤں گا۔"

شہباز جھجک رہا تھا۔ ایک تو اسے اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا کہ اسے فون کر کے آنا چاہئے تھا سرپرائز دینے کے شوق میں بلا اطلاع آنا بھی اچھا نہیں ہوتا۔ یہ اسے اب احساس ہو رہا تھا۔

"جی ہاں ہم جانتے ہیں آپ ٹھہرے رئیس آدمی نہ پڑھنے کی فکر نہ کمانے کی مگر جناب ہم جیسوں کو بھی تو کچھ تفریح چاہئے کہ نہیں۔ تم کہیں نہیں جا رہے چلو آؤ۔"

"میں بھی تو یہی چاہ رہا ہوں کہ تم جو ہر وقت کتابوں میں گھسے رہتے ہو ذرا تفریح کرو جاؤ پارٹی اٹینڈ کرو۔"

"اوکے ۔ ۔ ۔ ! ایسا ہے تو یہ پارٹی ہم دونوں اٹینڈ کریں گے دونوں انجوائے کریں گے۔ چلو تیار تو ٹھیک ٹھاک ہو اور ویسے بھی شہزادوں جیسی تو تمہاری پرسنلٹی ہے۔ یوں بھی جس جگہ جاتے ہو چھا جاتے ہو۔"

"کم آن راحیل ۔ ۔ ۔ ! کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ میں کہیں بن بلائے جانا پسند نہیں کرتا۔ آپ لوگ جائیں میں پھر آ جاؤں گا یار ۔ ۔ ۔ ! اس میں ایسی کیا بات ہے ؟"

وہ پھر گاڑی کی طرف پلٹا۔ راحیل پھر درمیان میں آ گیا۔

"عجیب گاؤدی ہو یار ۔ ۔ ۔ ! انکل زبیر اور آنٹی کوئی غیر نہیں۔ سمجھو وہ ہمارا دوسرا گھر ہے۔ وہاں جانے کے لئے ہمیں کسی دعوت نامے کی ضرورت نہیں۔"

"ٹھیک ہے یار...... ! مگر میں تو غیر ہوں میرے لئے تو ان کے گھر بلا دعوت جانا مناسب نہیں۔" گو کہ شہباز کا دل کر رہا تھا کہ وہ ان کے ساتھ چلا جائے۔ وہ تیار بھی تھا کہ چلو دعوت کے بغیر ہی چلا جائے مگر وہ اپنے دل کا اتنا بھی تابع نہیں تھا۔

نجمہ بیگم جو اتنی دیر سے چپ تھیں آگے بڑھیں اور شہباز کو ساتھ لگا لیا اور شہباز کو بھی طرح یاد تھا جب اس کی ممی امی کا انتقال ہوا تھا نجمہ بیگم نے اسے اپنا تیسرا بیٹا کہا تھا بہت محبت دی تھی اسے۔

"مجھے دکھ ہوا ہے بیٹا ۔ ۔ ۔ ! یہ کیا کہ تم اپنے آپ کو غیر کہہ رہے ہو۔"

"آنٹی ۔ ۔ ۔ ! آپ خفا نہ ہوں آپ کا تو بیٹا ہوں مگر ان لوگوں کے لئے تو غیر ہوں ناں۔ نجانے اس طرح میرے جانے پر وہ لوگ......"

"بہت خوش ہوں گے بیٹا ۔ ۔ ۔ ! تم نہیں جانتے بھابی اور بھائی صاحب کتنے اچھے انسان ہیں۔" آنٹی نے بات کاٹ کر کہا۔

"یہ سب تو ٹھیک ہے آنٹی ۔ ۔ ۔ ! مگر ۔ ۔ ۔" وہ چاہتے ہوئے بھی نہیں جانا چاہتا تھا۔ اس ہچکچاہٹ کو وہ کوئی نام نہ دے سکا۔

"میں کوئی انکار نہیں سنوں گی بس چلو۔" اور پھر وہ نہ نہ ہی کرتا رہ گیا۔ راحیل اور سہیل نے سے گاڑی میں دھکیلا اور لے اڑے۔ وہ بھی لیلیٰ سے ملاقات کے اس اتفاق پر بس مسکرا کر رہ گیا۔

● ● ●

"ہو سکتا ہے بیٹا ۔ ۔ ۔ ! وقار صاحب کو انویٹیشن کارڈ ملا ہی نہ ہو۔" وقار صاحب صاحب حیثیت آدمی تھے

ور پرائیویٹ پروڈکشن میں بڑی کامیابی کے ساتھ آئے تھے۔ ان کی کوشش ہوتی کہ ہر سیریل میں نیا چہرہ متعارف کروائیں اور اس کوشش میں وہ ہر بار کامیاب رہتے تھے اور لیلیٰ تو ان کی بہترین دریافت تھی وہ اس پر خصوصی توجہ دے رہے تھے۔

"وقار صاحب ضرور آئیں گے۔ کارڈ تو ان کو میں خود دے کر آیا تھا اور دوبارہ فون بھی کر چکا ہوں۔"

"پھر وہ ابھی تک آئے کیوں نہیں ....؟" فاطمی لیلیٰ کو بلاوجہ کی بے چینی ہو رہی تھی۔

"آ جائیں گے لیلیٰ! اور یہ تم اپنے شوق کو شوق کی حد تک ہی رہنے دو جنون نہ بناؤ تو زیادہ اچھا ہے۔"

فاطمہ بیگم دیکھ رہی تھیں لیلیٰ نے اپنی ایکٹنگ کے شوق کو خود پر بہت بری طرح حاوی کر لیا ہے۔

"السلام علیکم!" اس آواز پر زبیر صاحب مڑے تو وقار صاحب کھڑے تھے۔

"وقار صاحب!" آگے بڑھ کر زبیر صاحب نے وقار کو ساتھ لگا لیا۔

"ہیلو... ! آپ نے بہت دیر کر دی سر...!" لیلیٰ گرم جوشی سے آگے بڑھی۔ اپنے اتنے والہانہ استقبال پر چالیس سالہ وقار بھی ذرا اترا گئے۔

"ہاں بھئی...! آپ تو جانتی ہیں میرے پاس ہر وقت ایک ہنگامی سی صورت حال رہتی ہے۔ یہ چند لمحے بھی میں صرف تمہاری خاطر چرا لایا ہوں۔"

"سو نائس آف یو سر......!" لیلیٰ تو گویا اس پروڈیوسر کے سامنے بچھی جا رہی تھی اور بھی مہمان تھے مگر وہ ان ہی کے گرد گھوم رہی تھی۔ ملازم کی بجائے اس نے خود کولڈ ڈرنک وقار کو دی تو وہ مزید اترا گئے گو کہ شوق کے سمندر میں ڈوبے لڑکے لڑکیوں سے نخرے اٹھوانا ان کی پرانی عادت تھی مگر لیلیٰ کچھ خاص بات تھی کہ وہ بھی لیلیٰ ان کے گرد ہی گھومتی رہی۔

"اور وقار میاں! آپ کی سیریل کب آ رہی ہے؟ ان کا اسکرپٹ لکھوا لیا ابھی۔" زبیر صاحب لیلیٰ کے حوالے اس فیلڈ میں دلچسپی لینے لگے تھے۔

"جی اسکرپٹ پر کام ہو رہا ہے۔ بہت اچھی کہانی ہے اور لیلیٰ تو اس کردار میں جان ڈال دے گی کیونکہ اسے کام کرنے کا شوق ہے اور وہ اداکار ہی کردار میں جان ڈال سکتے ہیں جن کو جنون کی حد تک شوق ہو وہ کردار کو خود پر طاری کر کے اس میں ڈھل جائیں۔ ویسے زبیر صاحب! میں آپ سے بہت متاثر ہوا ہوں کہ آپ نے اتنے کھلے دل سے بیٹی کو اس فیلڈ میں آنے کی نہ صرف اجازت دی بلکہ ہر قدم پر اس کا ساتھ دے رہے ہیں ورنہ تو بچوں کو بعض اوقات اپنے شوق کی تکمیل کے لئے ناجائز ذرائع بھی...." وقار نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

"ہاں وقار... میں اپنی بیٹی کے شوق کی حد تک پہنچ گیا تھا اور میں نہیں چاہتا تھا کہ ہماری طرف سے کسی قسم کی رکاوٹ ہماری بیٹی کو ناجائز ذرائع استعمال کرنے پر آمادہ کرے۔ چنانچہ ہم نے کھلے دل و دماغ سے اسے نہ صرف اجازت دی بلکہ ہر جگہ میں خود اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ بیٹی بھی خوش اور ہم بھی مطمئن۔ ایکٹنگ اس کا شوق ہے ایک آدھ سیریل کر کے خود ہی اکتا جائے گی اور یوں بھی کوئی بھی فیلڈ ہو اسے انسانوں کے رویے اور سوچ ہی خراب کرتی ہے ناں ہمیں پوزیٹو اپروچ رکھنی چاہئے۔ میں آزاد خیال ضرور ہوں مگر ایک حد تک اور خدا کا شکر ہے کہ ہماری بیٹی اس حد پر یقین رکھتی ہے۔"

زبیر صاحب نے پیار سے لیلیٰ کو ساتھ لگا کر کہا تو وہ مسکرا دی۔

"بہت اچھی بات ہے زبیر صاحب... والدین کو ایسا دل و دماغ رکھنے والا ہونا چاہئے ورنہ پھر یہ تو فیلڈ ہی ایسی ہے!"

"ارے سہیل...!" لیلیٰ سہیل اور آنٹی کو دیکھ کر اس کی طرف بڑھی۔

"السلام علیکم آنٹی...!" وہ سہیل کو وہاں دکھ کر آنٹی سے لپٹ گئی تو ان کے پیچھے آتے راحیل اور شہباز دیکھ کر وہ ٹھہری گئی۔ اس خوبرو سے شخص کو کہاں دیکھا ہے یاد ہی نہیں آ رہا تھا۔

"اوہ...!" اور پھر اپنے ساتھ اس کی تصویر کا خیال کر کے وہ مسکرا دی۔

"لڑکی ....! چھوڑو میری ماں کو۔ چپک ہی گئی ہو۔" سہیل نہیں جانتا تھا کہ وہ کیا سوچ رہی ہے۔

"ہاں! چپک گئی ہوں تم جلو... ہیلو راحیل بھیا!" سہیل سے نمٹ کر وہ راحیل کی طرف بڑھی۔ اسے بالکل چھوٹی بہنوں کی طرح چاہتا تھا۔ کالے رنگ کے پاس اور میک اپ میں وہ نظروں میں اتری تھی۔ شہباز بس دیکھ کر رہ گیا۔ کتنے عجیب اور خوبصورت اتفاقات ہو رہے تھے کہ جن کے بارے میں اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔

"ہیلو! کیسی ہو لیلیٰ! ان کو پہچانا تم نے؟" راحیل نے شہباز کی طرف دیکھا تو لیلیٰ کی خوبصورت گہری آنکھیں شہباز پر ٹھہر گئیں۔

"یہ وہی ہے ناں جو اتفاق سے میری تصویر میں آ گئے تھے؟"

"اتفاق ہے... کاش ایسا حسین اتفاق ہم سے بھی ہو جائے۔"

لیلیٰ کی ایک شوخ سی دوست شہباز کو دیکھ کر شوخی سے بولی تو شہباز جھینپ گیا۔ لیلیٰ دوست کو گھورنے لگی۔

"معاف کیجئے گا دوست لیلیٰ... حسن اتفاق بھی حسن والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اب آپ جیسوں کے ساتھ تو ہونے سے رہا۔" سہیل کو شتی بہت بری لگ رہی تھی۔ بلاوجہ ہی ہر کسی سے لفٹ لینے کی کوشش کر رہی تھی اور یہ بات ہی لڑکی کی اہمیت ختم کر دیتی ہے۔

"سہیل! بری بات ہے یوں نہیں کہتے۔ ایسی وے شہباز......! یہ ہماری پیاری سی بہن لیلیٰ ہے اور لیلیٰ یہ شہباز حسن ہیں۔ دوستی تو ہم دونوں کی خاصی قدیم ہے مگر چونکہ یہ ملک میں کم کم ہی رہتے ہیں اس لئے تم نے اس سے پہلے نہیں دیکھا۔"

راحیل نے باقاعدہ تعارف کرایا تو لیلیٰ نے راحیل کے ساتھ کھڑے شہباز حسن کو دیکھا جس کی نظریں پہلے ہی اس کے حسین چہرے کے گرد حصار بنائے ہوئے تھیں۔ وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔

"اچھا... بیٹھئے ناں پلیز!" لیلیٰ شہباز کی گہری نظروں سے تھوڑا سا نروس ہو گئی۔ وہ حسین تھی اور جانتی تھی کہ ہر کوئی اسے ایسے ہی توجہ اور غور سے دیکھتا ہے مگر کسی کی نظر کا اس پر کبھی اثر نہیں ہوا تھا مگر اس نظر نے جانے کیا تھا کہ وہ تھوڑی دیر کے لئے گڑبڑا سی گئی تھی۔ پھر سارا وقت وہ جان محفل بنی سب کی توجہ اور تعریف سمیٹتی رہی۔ شہباز کی نظریں بھی اسی کے تعاقب میں رہیں مگر وہ سب کچھ بھلائے وقار عثمانی کی مدارت میں لگی ہوئی تھی۔ خود اپنے ہاتھوں سے سرو کر رہی تھی اور یہی بات ایک نئی عجیب سی کیفیت، جسے شاید حسد کہا

جاتا تھا شہباز کے اندر اتر رہی تھی۔

"یار ..... یہ موصوف کون ہیں جن کی خدمت لیلیٰ صاحبہ خود کر رہی ہیں۔"

آخر جب شہباز سے نہ رہا گیا تو اس نے راحیل سے پوچھ ہی لیا۔ تو وہ چونک کر مڑا۔

"چھوڑو یار! اتنی رنگین محفل میں تم کسی صاحب کے بارے میں پوچھنے کی بجائے صاحب کا پوچھ رہے ہو۔ ویسے یہ بندہ میں نے بھی پہلی بار دیکھا ہے۔ معلوم نہیں کون ہے۔ ہو سکتا ہے لیلیٰ کے سر وغیرہ ہوں اور سنو ایسے موقعوں پر صاحبوں کی بجائے صاحبات پر نظر رکھا کرو۔ اور کوئی پسند کر کے بیچاری آپی کی مشکل آسان کر دو یار!"

"کر لی" راحیل کی بات پر شہباز نے قریب سے گزرتی ہوئی لیلیٰ کو دیکھ کر زیر لب کہی تو وہ چونک کر مڑا۔

"کیا...؟ کہاں کر لی؟ کون ہے؟ بتاؤ جلدی کرو مجھے بتاؤ بھی نہیں۔" راحیل سب کچھ چھوڑ کر اس کے سر ہو گیا تو شہباز پچھتانے لگا۔

"کم آن یار کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ پہلے تو یہ بتاؤ کہ اس تصویر کا کیا ہوا۔" شہباز نے اس کی توجہ ہٹانے کے لئے بات کا رخ موڑ دیا۔

"میری بات کو نا ٹو مت اور بتاؤ، ابھی موقع ہے کون سی پسند آئی ہے۔ میں ابھی معلومات لے لوں گا لیلیٰ سے۔" راحیل تو خوش ہو گیا تھا کہ اچھا ہوگا اگر شہباز کو کوئی لڑکی پسند آ جائے گی۔

"لیلیٰ سے؟" شہباز نے اپنی کسی دوست سے [illegible] دیا۔

"ہاں! لیلیٰ سے بھی نیہ رنگ برنگی تتلیاں لیلیٰ ہی کی فرینڈز ہیں ناں۔ تم اشارہ کرو ہم کھوج لگا لیں گے یوں بھی لیلیٰ کو اپنے مما پاپا کی طرح سوشل کام کر کے بہت خوشی ہوتی ہے۔" راحیل جب اس بات کے پیچھے پڑ گیا تو شہباز چڑ گیا۔

"لیکن اس وقت اگر آپ اپنی چونچ کے ذریعے گائیڈ کر کے اچھے مشورے اپنے پاس رکھیں تو میں بہت خوش ہوں گا بچے۔"

شہباز نے اسے گھورا تو راحیل تو بس اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"عجیب ہو یار! میں تو بھلا کر رہا ہوں اور تم ہو کہ گھور رہے ہو۔"

"بھلا ہی کرنا ہے تو اس تصویر کے بارے میں بتاؤ۔" وہ اشاروں میں جو کہنا چاہ رہا تھا شاید راحیل کی سمجھ بھی وہاں پہنچ نہیں پا رہی تھی۔

"وہ تصویر وہ تو اب تمہیں کبھی نہیں دوں گا۔ ارے رکھا کیا ہے اس تصویر میں؟"

راحیل چڑ کر بولا تو شہباز کی متلاشی نظر لیلیٰ پر جا ٹکی جو صبا کی کسی بات پر بے نیازی سے ہنستی سیدھی اس کے دل میں اتر گئی۔ اس نے اس کے حسین سراپے کو پلکوں کی اوٹ میں چھپا لیا اور زیر لب بڑبڑایا۔

"اسی تصویر میں تو سب کچھ ہے راحیل... تم نہیں جانتے۔"

"ہوں، کیا کہا؟" راحیل اس بڑبڑاہٹ کو کچھ سمجھا اور کچھ نہیں سمجھا۔ البتہ چونک ضرور گیا۔ وہ

اس طرف پلٹنا ہی تھا کہ اسی وقت زبیر صاحب اس کے قریب آ گئے۔

"ارے راحیل میاں! اپنے دوست سے ہمارا تعارف بھی کراؤ گے کیا؟"

"سوری انکل! آپ اپنے دوستوں میں اتنے مصروف تھے کہ میں نے سوچا آپ فارغ ہو جائیں تو [illegible] یہ شہباز ہے میرا بہترین دوست اور انکل زبیر کا تو تمہیں معلوم ہی ہے شہباز......!"

"السلام علیکم انکل! راحیل سے آپ کا اتنا ذکر سنا ہے کہ میں بغیر تعارف کے آپ کو پہچان گیا تھا۔"

شہباز نے تعظیماً تھوڑا سا جھک کر ان سے ہاتھ ملایا تو زبیر اسے دیکھ کر رہ گئے۔ کچھ خاص بات ضرور تھی اس نوجوان میں۔ وہ اسے دیکھتے رہے۔

"وعلیکم سلام میاں...! ہم کیا اور ہمارا ذکر کیا..... قابل تو تم ہو۔ راحیل کو تمہارا ذکر کرنا چاہئے تھا اس لئے تمہیں پہچان... تم سے مل کر سچ میں واقعتاً خوشی ہوئی۔"

پھر کچھ دیر زبیر شہباز سے باتیں کرتے رہے۔ پھر فاطمہ کے اشارے پر کھڑے ہو گئے۔

"اچھا میاں! تم بیٹا انجوائے کرو اور جانا نہیں میں ذرا فارغ ہو جاؤں پھر فرصت سے بات کرتے ہیں۔" زبیر کو شہباز اچھا لگا تھا۔ وہ اٹھ کر چلے گئے شہباز کی نظریں لیلیٰ پر تھیں جو بہت خوش تھی مگر وقار کے پاس بار بار جانا اور بات کرنا اسے قطعی اچھا نہیں لگ رہا تھا فطرتاً وہ کسی حد تک دقیانوسی خیالات کا مالک تھا۔ اس کا اپنا خیال تھا کہ عورت کو بہت محتاط اور ریزرو رہنا چاہئے بلا ضرورت مرد سے بات تک نہیں کرنی چاہئے مگر یہ [illegible] جو خود تو لیلیٰ پر [illegible] اور باقی لڑکیاں اس کی توجہ حاصل کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

[illegible] اندر رہتا ہو رہے۔" شہباز سے نہ رہا گیا تو پوچھ لیا۔

"معلوم نہیں یار! میں نے خود اس کے [illegible] کو پہلی بار دیکھا ہے۔ لیکن ہے کوئی چیز ورنہ یہ لڑکیاں اس کے گرد منڈلاتی رہتی ہوتیں بظاہر تو ایک بات تمہیں [illegible] معلوم کروں گا لیلیٰ سے۔"

اس کے بعد وہ ان لوگوں کے قریب نکل آئی۔ شہباز جانے کن خیالوں میں تھا کہ ایک دم ہی لیلیٰ کی آواز ابھری۔ وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ وہ کیمرہ ہاتھ میں لئے راحیل کے قریب کھڑی کہہ رہی تھی۔

"راحیل بھیا پلیز اس تصویر جیسی میری ایک اور تصویر بنا دیجئے۔"

"اچھا تو پھر آؤ بیٹھ جاؤ شہباز کے ساتھ۔" راحیل کیمرہ اس کے ہاتھ سے لے کر کھڑا ہو گیا اور لیلیٰ کو شہباز کے ساتھ بیٹھنے کو کہا تو شہباز کے دل کے شہر میں جگنو رقصاں ہو گئے۔ جانے کیوں اسے لگا جیسے راحیل جان بوجھ کر ایسا کر رہا ہے۔

"ان کے ساتھ؟" لیلیٰ سراپا سوال بن گئی۔

"ہاں! خود ہی تو کہا ہے اس تصویر سی اچھی تصویر اتار دوں۔ تو اچھی تصویر تو میرے شہزادے دوست کے ساتھ ہی آ سکتی ہے تمہاری۔"

کچھ نہ جانتے ہوئے بھی راحیل نے یوں ہی شوخی سے شہباز کو دیکھا تو اس کا دل دھڑک سا گیا کہ کہیں دل کو کچھ پتا تو نہیں چل گیا۔ وہ تو اس احساس کو اس خبر کو خود سے بھی چھپانا چاہتا تھا۔

"راحیل بھیا! پلیز بس جلدی کریں ناں۔" لیلیٰ ٹھنکنے لگی۔

"بابا...! میں کہہ تو رہا ہوں بیٹھو۔" راحیل بھی اسے تنگ کیے جا رہا تھا۔

"کم آن راحیل...! کیوں تنگ کر رہے ہو ان کو۔ چلو تصویر بنا دو۔ وہ تو محض اتفاق تھا۔" شہباز کو بھی اچھا نہیں لگا کہ مذاق ہی سہی کوئی لیلیٰ کے ساتھ اس طرح فری ہو۔

"ہاں...! تھا تو اتفاق مگر بہت خوب اتفاق تھا اور اس قسم کے نیچرل اتفاقات کبھی کبھی کیمرے کی گرفت میں آتے ہیں۔ آؤ لیلیٰ...!" اور پھر لیلیٰ راحیل کو جب وقار عثمانی کے سامنے لائی تو وہ مسکرا کر رہ گیا۔

"یہ انکل لنگور کے ساتھ تصویر اتروانے کا تمہیں کیا شوق ہوا ہے بھئی...؟" راحیل نے اسے گھورا تو وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

"ارے راحیل بھیا...! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں...؟ آپ ان کو نہیں جانتے۔"

"ہاں...! جانتا ہوں۔ جانتا کیوں نہیں۔ کل ہی کے اخبار میں تو خبر چھپی تھی کہ ہمارے [illegible] ہیں دماغ کے پیچ ڈھیلے ہونے کے باعث سارا بھوسا اڑ گیا ہے اور..."

"آہستہ بولئے بھیا...! یہ مشہور پروڈیوسر و ڈائریکٹر وقار عثمانی ہیں۔"

"اوہ اچھا...! اچھا ذرا خبر لوں ان کی۔" راحیل آستین چڑھا کر آگے بڑھا۔ لیلیٰ کی روح فنا ہو گئی۔

"ہیلو...! کیسے ہیں آپ...؟" راحیل نے جب آگے بڑھ کر بڑے پرجوش انداز میں اس سے ہاتھ ملایا تو لیلیٰ کی سانس بحال ہوئی۔ دور سے شہباز بغیر آواز کے یہ سارا ڈرامہ دیکھ رہا تھا۔

"سر...! یہ میرے بھیا ہیں راحیل۔ اور یہ آپ کو جانتے بھی ہیں اور زبردست فین ہیں آپ کے..."

"ہیں...! میں نے کب کہا...؟" راحیل [illegible] سے دیکھتی اور جب وقار دیکھتا تو مسکرانے لگتی۔

"راحیل بھیا بہت جولی ہیں۔ اصل میں یہ چاہ رہے ہیں کہ اسی بہانے آپ ان کا آڈیشن لے لیں کیونکہ ان کو کامیڈی کرنے کا بہت شوق ہے۔"

لیلیٰ نے بمشکل بات بنائی تو وقار عثمانی جس کی سمجھ میں نہ تو راحیل کی باتیں آئی تھیں ورنہ ہی لیلیٰ کی بات کو سمجھ پایا تھا۔ اس وقت وہ صرف لیلیٰ کو دیکھ رہا تھا اور اس شہرت اور فائدے کو دیکھ رہا تھا جو لیلیٰ کے ذریعے اسے حاصل ہونے والا تھا۔

"ہوں ہاں کیوں نہیں بھئی...! تمہارے بھائی ہیں تو ضرور ان کو کام مل جائے گا۔ آپ آیا کیجئے گا ہمارے ہاں ٹیلنٹ کی کمی نہیں۔ خدا کے فضل و کرم سے اچھا لکھنے والے بھی ہیں اور اچھی پرفارم کرنے والوں کی بھی کمی نہیں۔ آپ میرے آفس چکر لگایا کریں کوئی کامیڈی کردار آیا تو آپ کو ضرور موقع دیا جائے گا۔"

"جی جی...! سو تھینکس آف یو سر...! میں ضرور چکر لگایا کروں گا۔ مجھے اور زندگی میں کرنا کیا ہے سوائے آپ کے آفس کے چکر لگانے کے۔" راحیل نے گھور کر لیلیٰ کو دیکھا اس نے منت بھری نگاہ ڈالی۔

"چلو بیٹھو اب تصویر اتروا لو۔" راحیل نے غصے سے اسے کہا تو وہ چپ چاپ وقار عثمانی کے قریب بیٹھ گئی تو اپنی جگہ پر شہباز پہلو بدل کر رہ گیا۔ ایک ناگوار سا احساس اندر اتر گیا۔ وہ جو کافی حد تک روایتی سوچ کا مالک تھا۔ اسے تو یوں بھی عورت کی بیجا آزادی اور حقوق کا نعرہ لگانے والی خواتین ناپسند تھیں اور وہ لڑکی جو اس کی

معیار پر سو فیصد پوری اتری ہو جو یک نظر میں صدیوں کے فاصلے طے کر گئی ہو وہ یوں کسی غیر آدمی کے ساتھ شوق سے تصویریں اتروائے۔ وہ ایک دم ہی کھڑا ہو گیا۔ اسے کھڑا دیکھ کر راحیل آ گیا۔

"کیوں...؟ کیا ہوا کھڑے ہو گئے...؟"

"ہاں یار...! چلو اب... وہ آپی کا فون آئے گا۔ گھر پر نہیں ہوں گا تو گھبرا جائیں گی۔"

"کم آن...! فضول بہانہ نہ بناؤ۔ موبائل تمہارے پاس ہے۔"

"نہیں راحیل...! میں بور ہو رہا ہوں۔ تم جانتے ہو اس قسم کی گیدرنگ مجھے کبھی پسند نہیں رہیں۔ آئی [illegible] لئے پر آ گیا تھا۔ تم بیٹھ انجوائے کرو۔" وہ واقعی خاصا بددل سا ہو گیا تھا اور جانا چاہتا تھا

"اچھا رکو...! میں انکل آنٹی اور اپی کو بتا آتا ہوں پھر گھر چلتے ہیں وہاں بیٹھیں گے۔" اور جب شہباز کے جانے کا پتا چلا تو زبیر صاحب بھی چلے آئے۔

"کیوں شہباز میاں...! ایسی کیا بات ہے۔ بیٹھے جانا۔ مہمان چلے جائیں پھر بیٹھیں گے گپ شپ لگائیں گے۔" زبیر صاحب کو شہباز بہت اچھا لگا تھا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ جائے۔

"بہت شکریہ انکل...! پھر کبھی آ جاؤں گا۔ آج تو یوں بھی میں بن بلایا مہمان تھا۔"

"جی انکل...! اس کو یہ بات کھل رہی ہے کہ یہ بن بلایا مہمان ہے۔" راحیل نے بھی اس کی تائید کی تو صاحب نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"ایسی بات ہے تو بیٹے...! ہم [illegible] آپ کو تو انویٹیشن کارڈ بھیجا کریں گے۔"

"ضرور انکل...! وقت اجازت چاہتا ہوں۔" اور پھر وہ ان سے اجازت لے کر جب راحیل کے ساتھ باہر نکل رہا تو جانے کس خواہش کے تحت اس نے پلٹ کر دیکھا تو کچھ دیر کے لئے خوشی کی ایک چھوٹی سی کرن دور تک اجالا بکھیر گئی۔ لیلیٰ اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ایک لطیف سا احساس ہمراہ لئے وہ گاڑی میں آن بیٹھا۔

• • •

لیلیٰ کو ایک ساتھ کئی ایڈز میں کام کرنے کی آفر ہوئی تھی مگر وقار عثمانی نے سختی سے منع کر دیا۔

"کیوں سر...! میرے مما پاپا نے تو اعتراض نہیں کیا مگر آپ کیوں منع کر رہے ہیں...؟" وقار کے اعتراض پر لیلیٰ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"کم آن بے بی...! تم ابھی بہت چھوٹی ہو۔ ان باتوں کو نہیں سمجھتیں۔ دیکھو تم سیریل سے پہلے کسی ایڈ میں آ گئیں ناں تو تم ماڈل گرل ہی پاپولر ہو جاؤ گی۔ جبکہ میں چاہتا ہوں کہ تم بطور ہیروئن آؤ۔ اسی حوالے سے شہرت حاصل کرو۔ ہاں سیریل کے بعد تم ایڈز وغیرہ جو چاہو کرنا مگر سیریل سے پہلے میں تمہیں ہرگز اجازت نہیں دوں گا۔"

وقار عثمانی تو طیش میں آ گئے تھے کہ محنت وہ کر رہا ہے اور اشتہارات والے لیلیٰ کے حسن اور صلاحیتوں کو کیش کروا رہے تھے اور لیلیٰ بھی وقار کو ناراض کرنا نہیں چاہتی تھی اس لئے ان کے حکم کے مطابق چل رہی تھی۔

"اوکے سر...! میں ان لوگوں کو منع کر دوں گی۔" لیلیٰ سعادت مندی سے بولی۔

"ہاں۔ تمہیں کرنا بھی یہی چاہیے اور ہاں یاد آ گیا کہ کل بوتیک جانا ہے جلدی آ جانا اور سیریل کے لئے نئے ڈریسز پسند کر آنا۔"

"رائٹ سر! میں آ جاؤں گی۔ اب میں چلوں۔ مما کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس بھی جانا ہے۔" لیلیٰ اپنا بیگ اور گاڑی کی چابی اُٹھا کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ ساتھ ہی وقار عثمانی بھی کھڑے ہو گئے۔

"چلو! میں تمہیں گاڑی تک چھوڑ آؤں۔"

وقار عثمانی نے لیلیٰ کو آفر کی تو وہاں موجود لڑکے اور لڑکیاں لیلیٰ کو رشک اور کچھ حسد کی نظر سے دیکھ کر رہ گئے کہ وقار عثمانی ان کو لفٹ نہیں کراتے تھے اسے خود گاڑی تک چھوڑنے کی آفر کر رہے تھے۔

"نو نو تھینک یو سر! آپ یہاں بیٹھئے میں چلی جاؤں گی۔ او کے خدا حافظ!" لیلیٰ چابی گھماتی آ گئی۔

"وہ تو! نجانے کون ہیں؟ کس کی گاڑی ہے؟ نجانے کیوں لوگ ایسی حرکتیں کرتے ہیں۔ بدتمیز قسم کے لوگ۔ اب موصوف نجانے کب آئیں اور کب میں جاؤں گی۔ بدتمیز! میری ہی گاڑی کے پیچھے گاڑی کھڑی کرنی تھی۔ اُف کتنی دیر ہو رہی ہے۔ مما پریشان ہو رہی ہوں گی۔ نجانے کون بدتمیز ہے۔؟" وہ اپنی گاڑی کے پیچھے کھڑی سفید شیر ڈ کو گھور کر رہ گئی اور اسی کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔

"ایکسکیوزمی؟" اس آواز پر لیلیٰ چونک کر پلٹی۔ گاڑی کے مالک کو کھری کھری سنانے کا ارادہ کیا تھا کہ سامنے راحیل کے دوست شہباز کو دیکھ کر وہ چپ ہو گئی۔

"وہ آپ؟" شہباز کے دل کی کلی تو اسے دیکھ کر کھل اُٹھی کہ اس کی آنکھوں میں پہچان کی پرچھائیاں دیکھ کر ایک عجیب سی خوشی کا احساس ہوا۔

"جی میں! آپ یہاں کسی کا انتظار کر رہی ہیں کیا...؟"

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟" وہ گاڑی کی طرف دیکھ کر بولی تو وہ شوخ ہو گیا۔

"بدتمیزی ہرگز نہیں۔ مجھے تو یہ اچھی خاصی گاڑی نظر آ رہی ہے۔ ہو سکتا ہے میری اور آپ کی نظر میں فرق ہو جو میں دیکھ رہا ہوں وہ آپ کو نظر نہ آ رہا ہو اور جو..." شہباز کو ہمیشہ سے اس طرح بات بڑھانا پسند تھا اور اکثر دوستوں کو ٹوک بھی دیا کرتا تھا۔ یہ بھی نہیں تھا کہ وہ لڑکیوں سے بات نہیں کرتا تھا۔ اس کی اچھی خاصی دوستی ہوتی تھی مگر یوں بلا وجہ لڑکیوں سے بات کرنے کے بہانے ڈھونڈنا یا بات ہو جائے تو بلا مقصد بڑھانا پسند نہیں تھا مگر جس معاملے میں دل کا ہو تو ہر بات جائز اور مناسب لگتی ہے۔ لیلیٰ کو دیکھ کر وہ بھی نجانے کیوں لڑکا بن گیا تھا۔

"آپ میری بات نہیں سمجھے شہباز صاحب! میں جانتی ہوں یہ گاڑی ہے مگر گاڑی کھڑی کرنے والے کی بدتمیزی دیکھئے کہ......" وہ زچ ہو گئی غصے کو ضبط کرتے ہوئے۔

"اچھا! اگر گاڑی والا بندہ آپ کو مل جائے تو کیا کہیں گی اسے؟" شہباز شوخ اور گہری نظروں سے لیلیٰ کو دیکھ کر پوچھ رہا تھا۔ وہ اسے دیکھنے لگی۔

"کہنا کیا ہے؟ کھری کھری سناؤں گی..."

"آں.....آں.....یہ مت کیجئے گا۔ بندہ جان سے جائے گا.....بیچارہ۔"

شہباز نے اسے ہٹا کر جیب سے چابی نکالی اور گاڑی نکالنے لگا۔

"واٹ؟ یہ گاڑی آپ کی ہے؟" حیرت سے پھیلی آنکھیں اور بھی خوبصورت لگ رہی تھیں۔

"جی! بالکل میری ہے مگر جب میں نے گاڑی یہاں پارک کی تھی تو مجھے قطعی اندازہ نہیں تھا کہ یہ آپ کی گاڑی ہے اور اس وقت یہاں اتنی گاڑیاں تھیں کہ بیچاری میری گاڑی کے لئے جگہ نہیں مل رہی تھی۔ ویسے میں آپ سے سو فیصدی متفق ہوں کہ گاڑی پارک کرنے سے پہلے بندے کو یہ ضرور سوچنا چاہئے کہ ہو سکتا ہے آگے گاڑی والے کو کوئی بہت ضروری کام ہو جیسے آپ کو۔" شہباز کی بات سے لیلیٰ کو معلوم ہو گیا کہ اس نے اس کی ساری بات سن لی ہے۔ وہ کچھ شرمندہ سی ہو گئی۔

"دیکھئے ناں یہ ہے تو غلط بات۔ میں نے کچھ غلط تو نہیں کہا ناں۔" وہ اس وقت انتہائی معصوم لگی۔ شہباز دیکھ کر رہ گیا۔

"قطعی نہیں! آپ نے بالکل ٹھیک کہا ہے۔ ویسے آپ یہاں کہاں آ گئیں؟ وہ بھی اکیلی۔ ڈرائیور کے ساتھ آنا چاہئے تھا۔"

"جی میں یہاں وقار عثمانی سے ملنے آئی تھی۔ میٹنگ تھی ان کے ساتھ۔"

"ایکسکیوزمی! یہ وقار عثمانی کون ہیں؟" شہباز نے جلن کی چبھن کو دباتے ہوئے اسے دیکھا۔

"ارے...! آپ نہیں جانتے۔ وقار عثمانی بہت اچھے پاپولر ڈائریکٹر اور پروڈیوسر ہیں۔ بہت اچھے خوبصورت سیریل بنا ان کے کریڈٹ پر۔ میں تو ان کی زبردست فین ہوں۔"

وقار عثمانی کا ذکر کرتے ہوئے وہ اتنی پرجوش ہو گئی تھی کہ وہ راکھ ہو کر رہ گیا۔

"سوری! مجھے شوبز اور اس سے متعلقہ لوگوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔" نفرت کی جلن اس کے لہجے میں رس گئی تو وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

"جی! میں ذرا الگ حیرت انگیز قسم کی شخصیت کا مالک ہوں۔ میں گاڑی ہٹا رہا ہوں آپ اپنی گاڑی یہاں سے نکال لیجئے۔" وہ ایک دم سے وقار عثمانی کی تعریف سن کر بے مزہ ہو گیا تھا۔ وہ بھی کچھ نہ سمجھتے اپنی گاڑی کی طرف بڑھی۔ گاڑی اسٹارٹ کرنے لگی مگر جانے کیا گڑبڑ ہو گئی تھی کہ اسٹارٹ ہی نہیں ہوئی۔ وہ گھبرا گئی اور شہباز نجانے کس خیال کے تحت کن انکھیوں سے اس کی معصوم صورت پر گھبراہٹ کو طاری دیکھنے لگا۔ اسے یقین تھا کہ وہ اسے ضرور پکارے گی۔

"سنیئے...!"

"جی بتایئے...!" شہباز بھی اسی انداز میں بولا تو وہ کچھ گڑبڑا سی گئی۔

"آپ! آپ گاڑی دیکھ سکتے ہیں؟"

"جی! دیکھ رہا ہوں۔ بہت اچھی گاڑی ہے۔" شہباز زیرِ لب ہنسی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھتا ہوا جس کے خوبصورت کرلی بال اس کے حسین چہرے پر آ رہے تھے۔ لیلیٰ نے ہاتھ سے بال پیچھے کئے۔

"جی میرا مطلب ہے اس کے انجن میں کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے۔ آپ ذرا دیکھ لیں ہو سکتا ہے آپ کو سمجھ آ جائے۔"

"یقین جانیے میں قطعی خوش فہم نہیں ہوں ورنہ ہی میرا کوئی یہ مطلب تھا۔" اس کے سادہ سے الفاظ شفاف لہجے میں ڈھلے تو کچھ دیر کے لئے شہباز خود کو کوس کر رہ گیا۔ وہ ایسا ہرگز نہیں تھا مگر آج وہ تمام باتیں اور حرکتیں مرزد ہو رہی تھیں جن کو وہ مناسب نہیں سمجھتا تھا۔

"اوہ چھوڑیں اسے۔" شہباز نے معذرتی انداز میں خود کو ملامت کی اور گاڑی چلانے لگا۔

"بیجئے آگیا آپ کا گھر!" اس کے گیٹ کے سامنے گاڑی روک کر وہ اسے دیکھنے لگا تو لیلیٰ کو جانے کیوں خوشگوار سی حیرت ہوئی۔

لیلیٰ نے دانستہ جملہ اُدھورا چھوڑ دیا مگر اس کا جملہ خاصا کاٹ دار تھا سیدھا شہباز کی نا پر جا کر لگا۔ وہ یوں چونکا جیسے رنگے ہاتھوں چوری کرتے پکڑا گیا ہو۔

"کیا مطلب ہے آپ کا.....؟" بریک چرچرائے اور گاڑی جھٹکے سے رُک گئی۔ گو کہ بات سچی تھی مگر ناگوار بہت گزری تھی۔ اس کی تیوری پر بل آگئے۔

"ایکسکیوز می! میں وقار عثمانی نہیں ہوں کہ بلا وجہ لڑکیوں سے مفت لفٹ لیتا پھروں۔ میں نے یہ محض اخلاقی طور پر کہا کہ میں راحیل ہی کی طرف جا رہا ہوں تو" وہ شاید اس سے زیادہ خود کو سنبھال کر رکھ پاتا تھا۔ لیلیٰ کچھ شرمندہ سی ہوگئی کہ اسے ایسی بات نہیں کرنا چاہئے تھی۔

"او کے! ایسا ہی ہوگا۔ آپ خفا کیوں ہو رہے ہیں؟ رہا سوال وقار عثمانی کا تو وہ لڑکیوں سے لفٹ نہیں لیتے لڑکیاں ان سے لفٹ لیتی ہیں۔" ساتھ ہی اس نے وقار عثمانی کا دفاع کرنا بھی اپنا فرض جانا ظاہر ہے جب وقار عثمانی اسے اتنے لوگوں پر اہمیت دے رہا تھا تو وہ کیوں نہ اس کو اہمیت دیتی اور شہباز اس کے دفاع پر مزید سلگ اُٹھا۔ اس نے ایک تیز نظر اس پر ڈالی۔

"ویسے یہ مرض آپ کو پیدائشی ہے یا....." اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"کون سا مرض؟" وہ پہلے کی ہوئی بات بھول چکی تھی۔

"خوش فہمی کا مرض۔" شہباز کو اچھی طرح یاد تھا۔ وہ معصومیت سے آنکھیں پھیلائے اس کو گھورنے لگی۔

"ارے.... آپ تو ہمارے گھر ایک ہی بار آئے تھے گھر کیسے یاد رہا آپ کو؟" اس کے سوال پر کافی چاہا اس کا مرمریں ہاتھ تھام کر کہہ دے کہ میرے ہر سفر کی منزل ہی یہی ہے تو میں تمہارے گھر کو کیسے نہیں پہچان سکتا تھا۔

"بس دیکھ لیجئے اسے کہتے ہیں ذہانت۔ او کے بائے میں چلتا ہوں۔" وہ مسکراتا ہوا بولا اور گاڑی کی طرف مڑا۔

"ارے یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟ یوں گیٹ تک آکر چائے کافی کے بغیر چلے جائیں گے تو راحیل بھیا مجھ سے بہت خفا ہوں گے۔ آئیے ناں!" وہ بڑے خلوص سے دعوت دے رہی تھی اور دل تو اس پر مچل گیا۔

"تھینکس! راحیل آپ کو کچھ نہیں کہے گا اس لئے کہ میں اسے نہیں بتاؤں گا کہ میں نے آپ کو آپ کے گھر چھوڑا۔" وہ تو خود اس خیال سے خوفزدہ ہو گیا تھا کہ اگر راحیل کو پتا چلے گا تو وہ کیا سوچے گا کہ اس کے اس آنے کا مطلب یوں لیلیٰ کو ڈراپ کرنے کی آفر تھی۔

"ارے واہ! آپ نہیں بتائیں گے میں تو بتاؤں گی ناں!"

چلئے اس آفر کو پھر کبھی پر اُٹھا رکھئے ابھی میں راحیل کی طرف جا رہا ہوں اس کے ساتھ پی لوں گا، خدا حافظ!" شہباز نہ چاہتے ہوئے بھی اسے خدا حافظ کہہ کر گاڑی میں بیٹھ گیا۔

"او کے خدا حافظ!" لیلیٰ نے شانے اُچکائے اور خدا حافظ کہتی تیزی سے چلی گئی۔

وہ تھوڑی دیر تک وہیں کھڑا رہا پھر وہاں سے نکل گیا اور کچھ ہی دیر بعد وہ راحیل کے سامنے کھڑا تھا۔

"ارے تم! وقت اسے سر پر اُٹھا یار! آنے سے پہلے فون کر دیتے۔ تھوڑی دیر ہو جاتی تو میں نکل چکا تھا۔" راحیل اسے اچانک دیکھ کر خوشی سے اس سے بغلگیر ہو گیا۔

"ہاں بس وہ" شہباز کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ لیلیٰ کو ڈراپ کرنے کا چھپائے یا بتائے مگر یہ سوچ کر کہ لیلیٰ ذکر ضرور کرے گی، اس نے بتا دیا۔

"اچھا! اچھا ہوا کہ تم اتفاقاً اسے مل گئے ورنہ تو اس کو مشکل ہو جاتی۔"

راحیل چونکہ اندر کی بات نہیں جانتا تھا اس لئے اس کے لئے یوں لیلیٰ کا مل جانا اور ڈراپ کر دینا کوئی خاص بات نہیں تھی اس نے انتہائی نارمل انداز میں کہا تو شہباز جو چور سا بنا بیٹھا تھا ریلیکس ہو گیا۔

"یار! یہ وقار عثمانی ہے کون؟" وہ چونکہ زیادہ تر ملک سے باہر رہا تھا اور کچھ اسے شوبز سے قطعی کوئی دلچسپی نہیں تھی اس لئے اس فیلڈ کے لوگوں کے بارے میں اس کی معلومات صفر تھیں۔

"یار! انتہا تو تھا کہ ڈائریکٹر ہیں اور بڑے اچھے معیاری سیریلز ان کے کریڈٹ پر ہیں۔ رائٹرز اداکاروں کی تو خواہش ہوتی ہے ان کے ساتھ کام کریں، کیونکہ جو ان کے ساتھ کام کرتا ہے خواہ اداکار ہو یا رائٹر، مشہور ہو جاتا ہے۔"

راحیل نے وقار عثمانی کا تعارف بڑی تفصیل سے کرایا۔ شہباز اُلجھ سا گیا۔

"وہ تو سب ٹھیک ہے مگر لیلیٰ کا ان سے کیا تعلق ہے؟ اس کی فین ہے؟" شہباز کو وقار عثمانی

نہیں اس تعلق سے دلچسپی تھی جو لیلیٰ اور اس کے درمیان تھا۔

"ارے ! ایسی ویسی فین ؟ وہ تو دیوانی ہے وقار عثمانی کی۔ چونکہ اسے ایکٹنگ کا کریز ہے اس لئے ان کے ساتھ لگی رہتی ہے۔ انہوں نے اسے ایک بڑی خوبصورت سیریل کے لئے بطور ہیروئن بک بھی کر لیا ہے۔"

"لیلیٰ کو اس حد تک شوق ہے ایکٹنگ کا ؟" اس اطلاع پر اس کے اندر کچھ ٹوٹ سا گیا تھا کیونکہ اسے یہ سب پسند نہیں تھا۔

"شوق ؟ ارے ! اسے تو جنون کی حد تک شوق ہے اداکاری کا اور اسی جنون کو دیکھتے ہوئے انکل آنٹی نے اسے خود ہی اجازت دے دی کہ وہ بغاوت نہ کر بیٹھے۔"

"کیا اس حد تک جنون ہے کہ اگر اسے اجازت نہ ملتی تو وہ بغاوت پر اتر آتی......؟" راحیل نہیں جانتا تھا کہ اس کا پیارا دوست یہ معلومات کیوں لے رہا ہے ورنہ وہ ضرور کوئی ڈنڈی مار جاتا اور وہ یہ بھی نہیں جان رہا تھا کہ ان اطلاعات پر شہباز کے دل پر کیا گزر رہی ہے۔

"ارے نہیں بھئی ! بغاوت سے میری مراد لیلیٰ کے شوق جنون کی وضاحت کرنا ہے ورنہ ایسی کوئی بات نہیں۔ وقار عثمانی نے چونکہ اسے اپنی سیریل کے لئے بک کیا ہے اس لئے۔ خیر چھوڑو تم کس ٹاپک کو لے بیٹھے ؟ کسی اور موضوع پر بات کرتے ہیں۔"

راحیل نے اس موضوع ہی کو ختم کر دیا مگر وہ کیا جانے کہ جسے اس نے فضول موضوع جان کر ختم کر دیا ہے شہباز کی زندگی کا آغاز وہیں سے ہوتا ہے، اس کی سوچ کی رو بھی وہیں اٹکی ہوئی تھی پھر بہ ظاہر دلی سے راحیل ہی کے شروع کیے ہوئے کسی ٹاپک پر بات کرتا رہا مگر ذہن میں لیلیٰ اور اس کا شوق محو گردش تھا۔

"یار ! یہ زبیر صاحب لگتے تو بڑے پروقار ہیں پھر انہوں نے بیٹی کو سمجھایا نہیں کہ یہ بات درست نہیں ، اسے سمجھانے کی بجائے ایکٹنگ کی اجازت دے دی یہ بات کچھ ہضم نہیں ہوتی۔"

شہباز واقعی آج کافی اپ سیٹ ہو گیا تھا۔ لیلیٰ کے شوق اور والدین کی آزاد خیالی کا سوچ کر یوں فی زمانہ ایسی بات بھی نہیں تھی شوبز میں اچھے لوگ اور فیملیز آ رہی تھیں مگر وہ کچھ روایتی یا یوں کہا جا سکتا تھا کہ کسی حد تک تنگ نظر آدمی تھا اسے یہ سب پسند ہی نہیں تھا۔

"یہ تم تنے سنجیدہ کیوں ہو رہے ہو ؟ ان کا معاملہ ہے، ان کی بیٹی ہے، اجازت دیں نہ دیں ، ہمیں تمہیں کیا......؟" راحیل نے کچھ نہ جانتے ہوئے شانے اچکائے تو شہباز کو غصہ آ گیا۔

"کیوں ؟ کیوں نہیں ہمیں تمہیں ؟ میرا مطلب ہے راحیل ! لیلیٰ بہت کم عمر ہے اور شوبز میں طرح طرح کے اسکینڈلز پڑھنے کو ملتے ہیں۔ میرے خیال میں تو "

شہباز جذباتی ہو کر بول تو رہا تھا مگر راحیل کو چونکتے دیکھ کر نظر چرا کر رہ گیا۔

"پہلی بات تو یہ کہ انکل آنٹی قطعی اس بات کے حق میں نہیں تھے مگر بیٹی کا شوق دیکھتے ہوئے انہوں نے اسے صرف ایک سیریل کی اجازت دی ہے۔ اس کے بعد وہ اپنی تعلیم مکمل کرے گی آنٹی تو بہت خائف ہیں مگر

بیٹی کی خواہش پر چپ ہو گئی ہیں۔ دوسری بات یہ کہ تم اس قصے میں اتنے انوالو کیوں ہو رہے ہو ؟ بھئی ! ان کا ذاتی معاملہ ہے۔"

راحیل کا انداز سادہ سا تھا نہ تو کھوج تھی اور نہ ہی شوخ مگر چونکہ چور شہباز کے دل میں تھا وہ نظریں چرائے لمحہ بھر کو شرمندہ ہو گیا۔

"او کے یار ! جو کسی کے جی میں آئے کرے ہمیں انوالو ہونے کا کوئی شوق نہیں، چھوڑو سب۔ میں چلتا ہوں تم چکر لگانا فارغ ہو کر۔" شہباز اُلجھا ہوا اُٹھ کر آ گیا۔ تمام راستہ انجانی سی کوفت بے چین کرتی رہی۔ لیلیٰ کیا نظر آئی تھی وہ سمجھ بیٹھا تھا منزل مل گئی مگر اس کا شوق سماج کی دیوار بن کر درمیان میں آ گیا تھا۔ وہ بھی اُلجھا سا ذہن لے کر کے لیٹ گیا۔

● ● ●

"ہرگز نہیں ! ہماری اپنی معصوم بچی کو غیر لوگوں کے ساتھ بیرون ملک نہیں بھیج سکتی۔ سوری ! " وقار عثمانی جو سیریل بنا رہا تھا بہت خوبصورت کاسٹ پر مشتمل تھی اور بہت پیسہ لگا رہا تھا اور لیلیٰ ظاہر ہے اس سیریل کی ہیروئن تھی، ساری کہانی اسی کے گرد گھومتی تھی وہ شروع سے سیریل کے پہلے اور آخری سین تک موجود رہنا تھا اور کہانی کچھ یوں تھی کہ اس کا ایک حصہ تو ملک میں فلمایا جانا تھا جبکہ دوسرا کینیڈا وغیرہ میں اور فاطمہ بیگم کو یہ قطعی گوارہ نہیں تھا کہ لیلیٰ ٹیم کے ساتھ باہر جائے۔

"مما ! آپ تو ایسی باتیں کر رہی ہیں جیسے میں کوئی بچی ہوں ؟ یہ سب ہمارے اچھے ہیں، سب سینئر ہیں، میرا بہت خیال رکھتے ہیں، اور اس کے علاوہ وقار انکل صاحب بہت خیال رکھتے ہیں۔"

"بچی ہی ہو میں تمہیں اکیلے غیر لوگوں کے ساتھ جانے کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتی۔"

فاطمہ بیگم نے اٹل لہجے میں کہا تو لیلیٰ بے بسی سے چپ بیٹھے پاپا کو دیکھنے لگی۔ ان کے پیش نظر بھی وہی خدشات تھے جو فاطمہ بیگم نے عیاں کر دیئے تھے مگر ایک طرف تو بیٹی کا جنونی شوق تھا، دوسری طرف کمٹمنٹ تھی جو انہوں نے وقار عثمانی سے کی تھی کہ ان کی بیٹی اس کی یہ سیریل ضرور کرے گی اور پھر میڈیا تک یہ بات مشہور ہو چکی تھی، لیلیٰ کے ٹریلر ٹیلی کاسٹ ہو چکے تھے، وقار عثمانی نے جگہ جگہ اس کا تعارف کروا دیا تھا۔ اب یہ وقار کی عزت کا معاملہ بن گیا تھا وہ کچھ دیر سوچتے رہے۔

"او کے ! ڈونٹ وری ! میں دیکھتا ہوں۔" زبیر صاحب سوچتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔

"پاپا ! میں یہ سیریل ضرور کروں گی۔" ان کا ہاتھ تھام کر لیلیٰ نے کچھ اس انداز میں کہا کہ ماں اور باپ دونوں چونک گئے۔ بغاوت کے اسی طوفان سے بچنے کے لئے انہوں نے خود اجازت دے دی تھی۔ غصہ تو زبیر صاحب کو آیا مگر وہ پی گئے۔ اب اس مقام پر جبکہ لیلیٰ میڈیا کی نظر میں آ گئی تھی اور ذرا سی بات اسکینڈل بن سکتی تھی وہ اس سیریل تک چپ رہنا چاہتے تھے۔

"او کے !" انہوں نے ایک گہرا سانس فضا میں چھوڑا اور باہر نکل گئے اور وقار عثمانی کی طرف آ گئے۔

"ارے نہیں نہیں زبیر صاحب ! لیلیٰ کو اس سیریل سے الگ کرنا ناممکن ہے۔ آپ جانتے نہیں کہ لیلیٰ اس سیریل کی جان ہے وہ اس کردار میں نگینے کی طرح فٹ ہو گئی ہے اور اب تو ایک دو روز میں شوٹنگ شروع ہو

جائے گی اور پھر آپ نے خود کمٹمنٹ کیا تھا۔" وقار عثمانی تو غصے سے اُٹھ گیا تھا زبیر صاحب کی بات سن کر۔

"چلئے ٹھیک ہے۔۔۔ اوہ یہ سیریل کرے مگر اتنا تو آپ کر سکتے ہیں کہ ساری سیریل ملک ہی میں شوٹ ہو باہر نہ جانا پڑے۔"

زبیر صاحب کی بات پر وقار نے قدرے گھورتی نظر ان پر ڈالی اور اُٹھ کر کھڑکی کھولنے لگے۔ پھر ان کی طرف پلٹ کر انہیں کافی پیش کی۔

"زبیر صاحب۔۔۔ ! میں تو حیرت زدہ ہوں کہ اچانک آپ کو کیا ہو گیا ہے ؟ کل تک تو آپ بہت ماڈرن اور کھلے دل کے آدمی تھے، اچانک ایک دقیانوسی باپ کہاں سے آ گیا......؟"

"دیکھئے وقار صاحب ! میں دقیانوسی آدمی نہیں ہوں مگر حدود کا قائل ہوں اور یوں بھی آپ نے پہلے تو نہیں بتایا تھا کہ سیریل کے سلسلے میں ملک سے باہر جانا پڑے گا۔"

"جی ! درست کہا آپ نے۔ دراصل میں نے لیلیٰ کو بک کیا تھا تو آدھی سیریل لکھی گئی تھی۔ آگے چل کر کہانی کیا موڑ اختیار کرتی ہے، کبھی کبھی رائٹر کو بھی علم نہیں ہوتا۔ بعض اوقات تو کہانی بناتے ہوئے پلاٹ کے بالکل برعکس لکھی جاتی ہے تو جناب ہمارے رائٹر کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا ہے ملک سے باہر جانے کا موڑ جو اچانک آیا ہے اس سے کہانی مزید خوبصورت ہو گئی ہے اور چونکہ ٹیم باہر جا کر شوٹ کرنا افورڈ کر سکتا تھا اس لئے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ لہٰذا اب ساری ٹیم آدھی سیریل ملک میں کرے گی اور آدھی کینیڈا میں۔"

وقار عثمانی میں ایک خوبی تھی کہ وہ اپنے انداز تخاطب سے مخاطب کو قائل کر لیتا تھا۔ اور زبیر صاحب بھی قائل ہو گئے۔

"مگر میاں ! تم خود سوچو لیلیٰ ابھی بہت چھوٹی ہے، تنہا میں کیسے اسے جانے دوں۔۔۔؟"

"لیلیٰ اکیلی ہے یہ صرف آپ کی سوچ ہے ورنہ وہ اکیلی نہیں پوری ٹیم ہے، بہت اچھے سینئر فنکار جا رہے ہیں مگر پھر بھی آپ کو ہم لوگوں پر اعتماد نہیں تو میری طرف سے آپ کو اور آنٹی کو آفر ہے آپ دونوں جا سکتے ہیں ہمارے ساتھ۔"

اس آفر پر زبیر صاحب چپ سے ہو گئے۔ یوں تو ان کو وقار صاحب پر اعتماد تھا مگر پھر بھی بہت سے خدشات تھے جو تنگ کرتے رہتے تھے۔ محض بیٹی کے شوق کی خاطر وہ ہر بات پر کمپرومائز کرتے چلے گئے۔

"ٹھیک ہے وقار میاں ! میں اپنی بیگم سے بات کر کے تمہیں بتاؤں گا۔ ویسے ہمارا جانا تو کسی حد تک ناممکن ہی ہے تاہم بیٹی کے شوق کی خاطر کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا۔" زبیر کھڑے ہو گئے۔

"زبیر صاحب ! ایک ریکوسٹ ہے آپ سے کہ لیلیٰ کو کسی قسم کا ذہنی دباؤ نہیں ہونا چاہئے وہ جتنا ریلیکس رہے گی اتنی اچھی طرح پرفارم کر پائے گی۔ آپ کو تو خوش ہونا چاہئے کہ آپ کی بیٹی میں اتنا ٹیلنٹ ہے کہ پہلی بار ہی ایک بڑی سیریل میں کام کر رہی ہے۔"

"ہوں، ہاں......! اچھا ہوں، خدا حافظ !" زبیر صاحب سوچتے ہوئے اُٹھ گئے۔

● ● ●

زبیر صاحب کے جانے کے بعد لیلیٰ اور فاطمہ بیگم سہیل کی طرف آ گئے۔ لیلیٰ کا موڈ اسی وقت سے آف تھا

سے باہر جانے سے منع کیا گیا تھا اور سہیل کو اس خبر پر بہت خوشی ہوئی تھی۔

"بہت اچھا ہوا بلکہ بہت زیادہ اچھا ہوا۔ اُف اللہ ! کیا ٹھاٹ تھی۔ میں کینیڈا جاؤں گی، شوٹنگ ہو گی، یہ ہو گا، وہ ہو گا۔ ہا ہا ! آہ ! کچھ نہ ہوا دل کے ارمان آنسوؤں میں بہہ گئے۔"

سہیل اسے مستقل چھیڑ رہا تھا جبکہ وہ بہت چڑ رہی تھی۔ سہیل اس کا ہم عمر تھا مگر بہت اچھا دوست تھا اس کا۔

"تم ! تم سڑیل چھچھوندر......! دیکھ لینا میں جا کر رہوں گی۔ پپا اور مما کو میری بات ماننا پڑے گی۔"

"لیلیٰ ! تم اتنی بھی بچی نہیں ہو کہ سمجھ نہ سکو۔ ارے بھئی ! تم لیلیٰ ! کیسے جاؤ گی ؟"

سہیل نے متانت سے اسے سمجھانے کی کوشش کی کیونکہ بچپن ہی سے ایسا ہوتا آیا تھا کہ جب بھی سہیل اسے سمجھاتا وہ سمجھ جایا کرتی تھی مگر اب تو معاملہ اور تھا۔

سہیل کی بات پر وہ مرجھا سی گئی تھی اسی وقت زبیر صاحب کیک لئے اندر داخل ہوئے۔

"نہیں سہیل میاں ! اب لیلیٰ ضرور جائے گی۔" زبیر صاحب وقار عثمانی سے بات کر کے مطمئن ہو گئے تھے تو آتے ہوئے کیک لیتے آ گئے۔

"سچ۔۔۔ !" لیلیٰ ان سے لپٹ گئی تھی۔

"بالکل سچ !"

"یہ ہوئی نا بات ! کیوں جل گئے......! سنا تم نے میں کینیڈا جا رہی ہوں۔ سنا تم نے......؟"

لیلیٰ نے سہیل کو چھیڑا تو وہ خوش تھا کہ چلو اس کے جانے کا معاملہ حل ہو گیا اندر سے کچھ بجھ سا گیا۔

"ہاں سن لیا ہے بی مینڈکی !" سہیل کیک کی کریم تھوڑی سی لیلیٰ کے منہ پر لگاتا ہوا بھاگ گیا۔

"یو چیٹر ! نہیں چھوڑوں گی تمہیں۔" لیلیٰ نے بھی کریم ہاتھ میں بھری اور بھاگ گئی۔ زبیر ہنستے رہ گئے۔

لیلیٰ راحیل کے کمرے کی طرف بھاگی۔ دروازہ آسانی سے کھل گیا۔

"ہوں ! تو موصوف یہاں بے خبر ہیں گویا مجھے تو راستہ ہی معلوم نہیں، راحیل بھیا کے کمرے کا۔" وہ کھڑکی کے سامنے کھڑے سہیل کی طرف آہستگی سے بڑھی۔

"کیوں ! تم کیا سمجھتے ہو میں تمہیں چھوڑ دوں گی ؟ لو نیور !" لیلیٰ نے بڑبڑاتے ہوئے دشمن پر بھرپور حملہ کیا مگر دشمن خاصا الرٹ تھا اس نے اس کی کلائی مضبوطی سے پکڑ لی۔

"ارے آپ !" وہ جسے سہیل سمجھی تھی وہ شہباز تھا جو کچھ دیر قبل ہی راحیل کے کمرے میں آیا تھا۔ راحیل واش روم میں تھا تو وہ اُٹھ کر کھڑکی میں کھڑا ہو کر خوبصورت موسم کا نظارہ کرنے لگا۔

"جی میں !" شہباز کے دل کی ساری کلیاں مسکرا دیں۔ اس کی نازک کلائی ابھی تک اس کی مضبوط گرفت میں تھی۔

"آئی ! آئی ایم سوری......! میں اراداتاً آپ کی طرف نہیں بڑھی، میں آپ کو سہیل سمجھی تھی۔" لیلیٰ

شرمندہ سی ہو گئی کہ نجانے وہ اس کے بارے میں کیا سوچے۔

"کوئی بات نہیں۔ میں انتظار کر سکتا ہوں۔ جب آپ ارادتاً میری طرف بڑھیں اور سہیل سمجھ کر نہیں شہباز سمجھ کر۔" اس کے دل کی خواہش گمبھیر لہجے میں ڈھلی تو لیلیٰ چونک سی گئی۔ خوبرو سا یہ شخص ہر ملاقات میں اسے چونکا سا جاتا تھا۔

"جی۔ ! میں سمجھی نہیں۔" اس کی خوبصورت آنکھیں پھیل گئیں تو شہباز کا دل مچل گیا کہ دل کھول کر اس کے سامنے رکھ دے مگر وہ دل کا حال ابھی علام نہیں تھا کہ جو اس نے کہہ دیا اس نے مان لیا۔

"آپ واقعی نا سمجھ ہیں۔ یہ۔ یہ کیا حلیہ بنایا ہوا ہے۔ ؟ غالباً آپ نے اپنا چہرہ دیکھا نہیں ؟" شہباز نے اس کے چہرے پر کریم اور پھر اپنے ہاتھ میں اس کے بھرے ہوئے ہاتھ کو دیکھا تو وہ شرمندہ سی ہو گئی۔

"ابھی تک میں آئینے کے سامنے ہی کھڑی تھی۔"

"آئینہ سامنے تو ہے، دیکھ لیجئے۔" شہباز کی گہری آنکھیں اس پر ٹھہر گئیں۔ اس کے لہجے کی گمبھیرتا میں چھپے وہ دل پر دستک دیتی ہوئی نجانے کہاں غائب ہو گئی۔

"میرا مطلب ہے جا کر اپنا حلیہ دیکھئے، اور سہیل کی خبر لیجئے، جا کر۔" شہباز اس لمحے کے سحر میں ایسا کھویا کہ جو نہ کہنا تھا سو کہہ گیا۔

"آپ میرا ہاتھ تو چھوڑیئے !" لیلیٰ نے اپنا ہاتھ کھینچا تو شہباز کو بھی احساس ہوا کہ وہ تو اس کا ہاتھ پکڑے کھڑا ہے۔

"نہ چھوڑوں تو......؟ میرا مطلب ہے آپ کا ہاتھ ... کریم ... کا رنگوں کو چھپا نہ سکا۔ مسکراتی لیلیٰ کو بھی شرارت سوجھی۔

"اس میلے ہاتھ کو صاف کر دوں گی ایسے !" لیلیٰ نے کریم سے بھرا ہاتھ اس کے منہ پر لگا دیا اور وہ کچھ بھی نہ کر سکا۔ وہ ہنستی ہوئی باہر نکل گئی اور وہ ابھی اس کے قرب کے سحر سے نکلا بھی نہیں تھا کہ تولیے سے بال خشک کرتا راحیل باہر آ گیا۔

"یار ... ! بہت گرمی ہے۔ میرا تو مشورہ ہے تم بھی نہا لو فریش ہو جاؤ گے ... ارے یہ تمہیں کیا ہوا... ؟" تولیہ اسٹینڈ پر رکھ کر وہ اس کی طرف گھوما تو اس کے چہرے پر کریم دیکھ کر چونکا اب وہ اسے اس گزر جانے والے لمحے کی عنایتوں کی داستاں کیسے سناتا جو اسے مسرور کر گیا تھا۔

"ہوں، ہاں ! وہ آئی تھیں تمہاری لیلیٰ صاحبہ۔ غصے میں تھیں، سہیل کے دھوکے میں مجھ پر پٹ گیا۔" وہ ابھی تک اپنے ہاتھ میں اس کی کلائی اور چہرے پر اس کے ہاتھ کا لمس محسوس کر رہا تھا۔

"عجیب ہیں یہ دونوں بھی، بچپن سے ان کی دوستی بھی بہت ہے اور لڑتے بھی رہتے ہیں اور تم، اب جو شریف دھوڑا لو یا ایسے ہی رہنا ہے..... ؟" اس کے کہنے پر وہ کھویا کھویا سا اٹھ گیا۔

گھر آ کر بھی وہ کھویا کھویا سا رہا۔ اس پر عجیب سی پُر کیف کیفیت طاری تھی اس کے ہاتھ کا لمس سحر انگیز تھا۔ اس نے تو کبھی ایسا نہیں سوچا تھا کہ اسے یوں کسی سے افلاطونی قسم کا عشق ہو جائے گا اور وہ شدت سے اس کی طلب کرنے لگے گا۔ شہباز کی تو آئیڈیالوجی ہی بدل کر رہ گئی تھی کہاں اس نے سوچ رکھا تھا کہ سادہ سی اپنی ہم عمر

کسی بھی لڑکی سے شادی کرے گا اور پرسکون، ہموار سی زندگی گزارے گا مگر لیلیٰ کی زندگی میں آمد کیا ہوئی تھی اس کی سوچ ہی بدل گئی تھی اسے یاد تھا جب اس کے دوست جاوید کو کسی حسینہ سے محبت ہو گئی تھی تو وہ ہر وقت اسے کا چرچا کرتا اسی کی باتیں کیا کرتا تب وہ اس کا مذاق اڑاتا تو جاوید کہتا کہ میاں جب تم مبتلائے عشق ہو گے تو پوچھوں گا اور آج وہ اس کی عدم موجودگی میں اعتراف کر رہا تھا کہ واقعی عشق انسان کی زندگی بدل کر رکھ دیتا ہے۔

"یا اللہ ! میں اس لڑکی کے بغیر جی نہیں سکتا۔ اسے میرے نصیب میں لکھ دے پروردگار...... ! میں اسے چاہتا ہوں، وہ مجھ کو ملے۔" تمام رات تو یوں ہی سوچتے لیلیٰ کے ہمراہ خوابوں کا جہاں آباد کرتے کرتے گزر گئی۔ اسی دوران اذانِ فجر ہوئی تو وہ پہلی آواز پر ہی اٹھ کر نماز کے لئے کھڑا ہو گیا۔ اپنے والدین کی وفات کے بعد آج اس نے شدت سے جو دعا مانگی وہ لیلیٰ کا زندگی بھر کا ساتھ تھا۔

"اب تمہی نے کب تم سے ملاقات ہو گی لیلیٰ ؟ نجانے میرے مجنوں بن جانے کی تمہیں خبر ہے کہ نہیں ... ؟ لیکن کبھی تمہیں نہیں بتاؤں گا میں تمہیں کتنا چاہتا ہوں۔ اگر میرے جذبوں میں تمہاری سچائی اور صداقت ہو گی تو تمہیں خود بخود خبر ہو جائے گی اور جب تمہیں خبر ہو گی تو آپ کو بتاؤں گا اور " وہ سی کے خوش کن خیالوں میں کھویا نجانے کب سو گیا۔

• • •

"بیگم صاحبہ ! آپ بہت سوچتی ہیں اور یہ سوچ آپ کے دماغ پر دباؤ ڈالتی ہے، یہ دباؤ آپ کے لئے خطرناک ہے۔ وجاہت کہاں ہیں ؟ میں ان سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

ڈاکٹر صاحب نے ... پوچھا تو ظفر چپ سا ہو گیا وہ وجاہت کی والدہ ثریا بیگم کے سامنے بتانا نہیں چاہتا تھا۔

"میں۔ میں ہوں نا ان کا بیٹا ڈاکٹر صاحب ... ! آپ مجھے بتایئے۔"

"آؤ ... !" ڈاکٹر اسے باہر لے گئے تو ثریا بیگم نقاہت سے دروازے کو دیکھتی رہیں۔ وجاہت سے ان کو بہت شکایت تھی اس نے دوست اور اکلوتے پن سے بھرپور فائدہ اٹھایا تھا۔

"کیا کہہ رہے تھے ڈاکٹر صاحب !" ظفر اندر آیا تو ثریا بیگم نحیف آواز میں بولیں تو کچھ دیر کے لئے وہ چپ ہو گیا وہ بیگم کی طرف تیزی سے بڑھ رہی تھیں۔

"کوئی ایسی بات نہیں آنٹی ! تکلیف تو آپ کو معلوم ہے جو ہے سو ہے بس ڈاکٹر کا خیال ہے کہ آپ ایک بار امریکہ سے چیک اپ کرا لیں۔"

"ہونہہ ! امریکہ والے کیا میری زندگی میں اضافہ کر دیں گے۔ نہیں بیٹا ... ! اب میں اپنا ملک، اپنا گھر چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔ اللہ نے جتنی زندگی لکھ دی ہے یہیں گزاروں گی۔ یہ میرا بیٹا، اللہ اسے ہدایت دے۔ بیٹا ! تم اسے شادی کے لئے کہو، شادی کر لے شاید آنے والی اچھی قسمت والی ہو کہ یہ بھی بندہ بن جائے۔ ہے کوئی لڑکی تمہاری نظر میں ؟"

وہ نحیف آواز میں بولتی چپ ہو گئیں تو وہ سوچ کر رہ گیا کہ کیا بتائے عنزا جیسی لڑکی کی اس نے انسلٹ کر کے رکھ دی تو وہ کسی اور کے بارے میں کیا بتاتا۔

وجاہت نے ظفر کو دھکا دے کر باہر نکالا اور خود آتش دان کے قریب کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ شعلوں پر نظریں جمائے وہ کچھ دیر بیٹھا رہا پھر قریبی میز پر پڑے اخبار اٹھانے لگا جس پر وہی ڈائری رکھی تھی جو ظفر لکھتے لکھتے اٹھ گیا تھا۔

"واہ واہ.....! تو موصوف ڈائری لکھنے کا شوق بھی رکھتے ہیں، دیکھیں تو سہی۔" وہ اخلاقیات کا لحاظ کیے بغیر ڈائری اٹھا کر الٹ پلٹ کرنے لگا کسی صفحے پر کوئی اقتباس تھا کسی صفحے پر شعر تھا۔

"فضول ایک دم بور ہے یہ بندہ، کسی حسینہ کا تذکرہ نہ ہو تو وہ ڈائری کیا ہے......؟"

صفحات الٹتے الٹتے وہ وہاں تک آ گیا جہاں سیاہی کی موجودگی گواہی دے رہی تھی۔ لکھنے والا ابھی اٹھ کر گیا ہے۔

"زینت.....!" اس کی عقابی نظر سب سے پہلے زینت کے نام پر پڑی تو پھر حرف اول سے حرف آخر تک کی کہانی مختلف گلیوں سے ہوتی اس کی نفرت حقارت کے موڑ پر آ کر ٹھہر گئی اس کا پورا وجود گویا شعلوں میں سلگنے لگا۔

"یو ایڈیٹ.....! میرے ٹکڑوں پر پلنے والا میرا ہی دشمن۔ تم زینت کو چاہتے ہو اور اگر وہ مجھے چاہے تو..... تم میرا کردار اس کے سامنے کھول کر رکھ دو گے، اسے بتا دو گے کہ میں ایک لوز کردار کا آدمی ہوں، دھوکے باز ہوں..... او کے! او کے ظفر محمود! اس کا مطلب ہے تم باقاعدہ میرے مقابلے میں آ گئے ہو۔ اب میں تمہیں بتاؤں گا کہ میں کیا ہوں۔ کتنا برا آدمی ہوں۔ شٹ شٹ.....!"

وجاہت کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ظفر ایسی حرکت بھی کر سکتا ہے یہ الفاظ نہیں انگارے تھے جنہوں نے اسے جلا کر راکھ کر دیا تھا۔ اس کے اندر آگ [illegible] بھرا ہوا جگ آتش دان کے بھڑکتے شعلوں پر ڈال دیا اور اپنا کوٹ سویٹر سب اتار کر ایک طرف رکھ دیا۔ کھڑکی کھول کر لمبے لمبے سانس لینے لگا۔ اس کا بس چلتا تو سب کچھ تہس نہس کر کے رکھ دیتا۔ اس نے زندگی میں اتنا صبر اور برداشت نہیں کیا تھا جتنا اس نے آج کیا تھا اور ظفر نہیں جانتا تھا کہ اس نے کیا کر دیا ہے اور جب یہ آتش فشاں پھٹے گا تو کیا ہوگا۔

"I will see you ظفر صاحب.....!"

وجاہت نے زور سے مکا مارا تو کھڑکی کا شیشہ چور ہو کر باہر گر گیا۔ اس نے خود کو نارمل کیا۔ وہ ظفر پر کچھ ظاہر کرنا نہیں چاہتا تھا اس لئے وہ کافی حد تک نارمل ہو چکا تھا۔

"ارے..... یہ کیا سین ہے بھئی......! کہاں تو تمہیں اتنی شدید سردی لگ رہی تھی اور اب تم صرف ایک شرٹ میں آگ بجھا کر کھڑکی کے سامنے کھڑے ہو۔ بند کرو کھڑکی کتنی سرد ہوا آ رہی ہے۔ چلو آؤ دیکھو اپنے ہاتھوں سے تمہارے لئے گرما گرم پکوڑے بھی بنا کر لایا ہوں۔"

ظفر اس کے اندر اٹھتے طوفان سے بے خبر ہوتے ہوئے بولا۔ میز پر ٹرے رکھی۔ وجاہت اسے دیکھتا رہا۔ جی میں تو آیا کہ ابھی اس کو شوٹ کر دے مگر وہ ظفر کو ابھی مارنا نہیں چاہتا تھا۔

"ارے واہ زبردست.....! کتنا خیال ہے تمہیں میری پسند کا۔ واہ زبردست یار ظفری.....! جیتے رہو تم اچھے

...... اگر تم لڑکی ہوتے تو میں تم سے ہی شادی کرتا۔"

وجاہت خود پر قابو پا چکا تھا اور اب وہ بالکل نارمل انداز میں بات کر رہا تھا۔

"اور جیسے میں تو کر ہی لیتا۔ ناک رگڑ رگڑ کر چیختے بھی ہو جاتے تب بھی نہیں کرتا۔"

"اچھا.....! اب اپنی اچھائیوں پر اتراؤ مت۔ پکوڑے بڑے زبردست بناتے ہیں۔ اپنی بیگم کو بنا بنا کر کھلانا۔ ویسے تم نے لڑکی پسند کی یا نہیں۔ یار.....! شادی کرو آنٹی کو بھی ضرورت ہے۔ کہو تو میں لڑکی تلاش کر دوں۔"

ایک کے بعد ایک پکوڑا منہ میں رکھتے ہوئے وہ مسلسل بولے گیا تو ظفر نے کیتلی اٹھاتے ہوئے اسے دیکھا۔ وہ بالکل نارمل تھا، اسے کوئی [illegible] نہ مل سکا۔

"یہ آج اچانک تمہیں شادی کا خیال کہاں سے آ گیا.....؟"

"بس.....! اب تمہیں شادی کر لینی چاہئے۔ آنٹی کی طبیعت خراب رہتی ہے۔"

"یہ سارے حالات تو تمہارے ساتھ بھی ہیں، تم شادی کیوں نہیں کرتے.....؟" چائے کپ میں ڈال کر وہ آتش دان کی طرف بڑھا تو اس کی بات کے جواب میں وہ یک بیک قہقہہ لگا کر رہ گیا۔

"وجاہت ملک اور شادی.....؟ کم آن.....! ابھی ایسے بھی حالات برے نہیں ہوئے کہ....."

"بڑی فضول طبیعت پائی ہے تم نے۔ اب بھلا آگ پر پانی ڈال کر کیا ملا ہے.....؟ یہ سارے کوئلے [illegible] پڑیں گے۔ ویسے تم نے کوئلوں پر پانی کیوں ڈالا.....؟" کوئلے لگاتے ہوئے ظفر کو شدید تاؤ آ رہا تھا۔

وجاہت پر [illegible]

"[illegible] سامنے اس کی کوئی حیثیت نہیں تھی اور تم تو جانتے ہو میں حیثیت کو کتنی اہمیت دیتا ہوں۔"

"کیا.....؟" اس کی بات کے جواب میں اس نے بغور وجاہت کو دیکھا۔ ایک عجیب اجنبی پن تھا اس کے چہرے پر وہ نہ سمجھتے ہوئے اپنا کام کرتا رہا۔ کوئلے بھر کر آتش دان روشن کیا اور اٹھ کر کھڑکی بند کر کے واپس میز پر آ گیا اور اپنی ٹھنڈی ہوتی چائے پینے لگا۔ وجاہت چائے کی بھاپ کی اوٹ سے ظفر کو دیکھتا رہا، ایک ایک لفظ [illegible] کے گرد گھوم رہا تھا۔

"ویسے یار ظفری.....! تم دوبارہ زینت کے ہاں نہیں گئے.....؟"

اس اچانک سوال پر ظفری چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ اب وہ کیسے بتاتا کہ وہ کئی بار جا چکا ہے۔ مگر وہ وجاہت کو اس معاملے سے بے خبر رکھنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

"کک..... کون زینت.....؟" جھوٹ بولتے ہوئے زبان خاصی لڑکھڑا گئی۔

"ہوں گڈ جوک.....! کون زینت.....؟ ہا ہا.....!" ایک فلک شگاف قہقہہ کمرے میں گونج گیا۔ کیا نہیں تھا اس ہنسی میں۔ ظفر کچھ شرمندہ، کچھ پریشان کن نظروں سے اسے دیکھنے لگا جو ہنسے جا رہا تھا مگر سادہ طبع ظفر یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وجاہت اس کی ڈائری پڑھ چکا ہے۔

"کم آن یار ظفری.....! اتنا بھلکڑ تو تو کبھی بھی نہیں رہا۔ ارے وہی اندھیری رات، فلمی سین، ایک

پریشاں حسینہ، ٹھنڈے، فائنٹ اور ...؟"

وہ مسخرانہ انداز میں بولتا ہوا اس کے قریب آ گیا۔ اس کا کپ لے کر ایک سپ لیا اور کپ اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ ظفری بھی کوئی بات سوچ ہی رہا تھا کہ وہ پھر بولا۔

"کیوں آ گیا یار ...؟" وجاہت کا انداز بہت سارے معنی لئے ہوئے تھا جن کو ظفری جیسا سادہ آدمی سمجھنے سے قاصر تھا۔

"ہاں ! اچھا وہ ؟ نہیں یار ... ! زندگی اتنی مصروف ہے کہ دائیں بائیں کا خیال ہی نہیں آتا اور پھر ہمارا وہاں جانا کہاں ہوتا ہے......؟"

وہ ظفری چڑ گیا تو طیش سے وجاہت نے گرم چائے کا بڑا سا گھونٹ حلق میں اتارا۔

"ہوں ! پھر تو تم بھی ٹھیک رہے ہو لیکن وہ میری گھڑی تھی ناں وہ اس روز فائنٹ میں وہیں گر گئی۔ چلو آؤ لے آئیں۔"

"کیا ؟ نہیں ... ! ضروری تو نہیں کہ وہیں گری ہو ؟" ظفری ایک دم کچھ گھبرا سا گیا وہ وجاہت کا سایہ بھی ان پر پڑنے دینا نہیں چاہتا تھا۔

"مجھے یقین ہے کہ گھڑی وہیں ہے۔ اچھا چلو ایسے کرتے ہیں کہ مجھے تو اتنی فرصت نہیں ہوتی تم کسی روز ان کے ہاں جا کر گھڑی کا معلوم کر آنا۔ گھر کا راستہ یاد ہے کہ بھول گئے ہو ....؟"

وجاہت نے مکاری سے سگریٹ سلگا کر گہرا کش لگا کر فضا کو آلودہ کر دیا تو ظفری نے اسی آفر کو غنیمت جانا کہ وہ خود نہیں جائے گا۔

"ہاں ! کچھ ایسا یاد تو نہیں لیکن ڈھونڈ لوں گا۔"

"گڈ ! دیکھو یہ کام تمہاری ڈیوٹی کا حصہ ہے۔ دوستی میں ٹال نہ جانا۔ اوکے .... ! ویسے تو یہ کام ہے کہ امی جان نے تمہیں بلوایا ہے۔"

لمحے لمحے وہ پینترے بدل رہا تھا اور ظفر اپنے خلاف بچھے جانے والے جال سے قطعی بے خبر تھا۔

"کیوں ؟ کوئی خاص بات ہے جو آنٹی نے بلایا ہے ؟"

"خاص ہو یا عام جانتے تو ہو کہ وہ مجھ سے زیادہ تم پر اعتماد کرتی ہیں حالانکہ ... خیر ... ہو گیا ہے تم نکلنے کی کرو کہیں موسم کے تیور پھر نہ بدل جائیں۔"

وجاہت نے باقاعدہ آگے بڑھ کر کھڑکی کھول کر دیکھا ایک سرد ہوا کا جھونکا ظفر کو سرد کر گیا وہ جو اس وقت صرف زینت کو دیکھنا چاہتا تھا۔ دوستی، وفاداری، اور نوکری کی زنجیروں میں جکڑا ظفر اپنی خواہش دبا کر اسلام آباد جانے کی تیاری کرنے لگا، اور وجاہت ہونٹوں پر ایک مکار مسکراہٹ لئے آتش دان میں بھڑکتے کوئلوں کو دیکھتا رہا۔

"گڈ ! تمہاری یہ انفیشلسی ہی تو مجھے بہت پسند ہے۔ دوست ہو تو بہترین، ملازم ہو تو ایکٹو اور خیر، اب امی کی طرف جاؤ مجھے ذرا کچھ کام ہے بتا دینا دیر سے آؤں گا، کام تو تم سمجھتے ہو ناں۔"

وجاہت نے آنکھ دبائی تو ظفر بس گہرا سانس لے کر رہ گیا۔

"بتانا، مجھ کو وجاہت ! تمہیں کوئی سلجھا نہ سکے۔"

"یار ... ! قسم سے جب تم دوست سے نانی ماں بنتے ہو ناں تو زہر لگتے ہو۔ چلو آنٹی سے خود ور جاؤ میں آرام کروں گا پھر۔" وجاہت ادھوری چھوڑ کر مسکرا کے پن سے بس تو ظفر بے مزہ ہو کر چابی اٹھائی۔

"ابھی امی سو رہی ہیں تم کب تک نکلو گے ؟"

"ڈونٹ وری یار ! تم بے فکر ہو کر جاؤ میں ان کے جاگنے کا انتظار کروں گا پھر ان کو میڈیسن دے کر ہی جاؤں گا۔ رات تک تم واپس آ جاؤ گے۔ اوکے جاؤ۔ خدا حافظ"

"خدا حافظ !" نہ چاہتے ہوئے بھی ظفر کو جانا پڑا۔

"خدا حافظ ! مائی ڈیئر فرینڈ !"

وجاہت نے دانت پیس کر مائی ڈیئر فرینڈ کہا اور اندر آ گیا۔ کچھ دیر وہ بیٹھا رہا پھر ملازم بابا کو خالدہ بیگم کے بارے میں ہدایت دے کر نکل گیا۔ بابا اس کو دیکھ کر رہ گیا۔

● ● ●

"یار ! سخت بور ہو رہا ہوں۔ پڑھ پڑھ کر دماغ خراب ہو گیا ہے۔"

"کم آن یار ... ! کیوں پڑھائی کو الزام دے رہے ہو ؟" شہباز نے شرارت سے راحیل کو دیکھا جو حال ہی میں سی۔ ایس۔ ایس کے امتحانات سے فارغ ہوا تھا اور اب کہیں باہر جا کر ریلیکس ہونا چاہتا تھا۔

"اور نہیں تو کیا یار ... ! میں نے تو سوچ رکھا تھا کہ ایگزیمز ختم ہوتے ہی تمہارے ساتھ ناردرن ایریا گھومنے کا پروگرام بناؤں گا ... مگر اس چڑیل کی وجہ سے ارادہ ملتوی کرنا پڑا۔"

"کس چڑیل کی وجہ سے ...؟" شہباز کچھ نہ سمجھ پایا۔

"لیلیٰ اور کون ؟" راحیل نے تو بے دھیانی میں کہہ دیا مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کے دوست کا دل کس انداز میں دھڑک اٹھا ہے وہ لیلیٰ کے تصور میں کھو سا گیا۔

"کیا چڑیلیں ایسی ہوتی ہیں ؟" شہباز زیر لب بولا۔

"کیا مطلب کیسی ہوتی ہیں ؟" راحیل نے یونہی چونک کر دیکھا۔

"میرا مطلب ... ایسی ہی خوفناک سی۔" شہباز جھینپ گیا۔

"واٹ ! اتنی خوبصورت لڑکی کو خوفناک کہہ رہے ہو ؟ سر پھرے ذوق ہو تم !"

"اس لئے کہ میں اسے خوبصورت نہیں کہہ سکتا۔ اچھا خیر اس کی خوبصورتی یا خوفناکی کو چھوڑو یہ بتاؤ اس کی وجہ سے تم نے اپنا پروگرام کیوں ملتوی کیا ہے.....؟"

شہباز کو لیلیٰ کے بارے میں بات کرنا اچھا لگ رہا تھا بلکہ لیلیٰ تو اس کے ہر موضوع کا عنوان بن گئی تھی۔

"ارے بھئی ! اس کی سیریل کا پریس شو ہو رہا ہے اور اس کا اصرار ہے کہ میں اس میں شرکت ضرور کروں۔"

"اور تم نہیں کرنا چاہتے شرکت ؟" شہباز سیدھا ہو بیٹھا۔

"ایسا کوئی خاص شوق تو ہے نہیں مگر میں اس کا دل بھی نہیں توڑ سکتا۔ بالکل بہنوں کی طرح چاہتی ہے

مجھے اور میں اس کا مان نہیں توڑ سکتا۔"

"ہوں! تو یہ بات ہے مگر شو ہے کب؟" شہباز نے دلچسپی سے پوچھا۔

"شاید اتوار کو ہے اور ہاں تم بھی چلنا ناں ذرا ہم بھی دیکھیں یہ شوبز والے کرتے کیا ہیں۔ اچھا ہے انجوائے منٹ رہے گی۔" راحیل کی دعوت پر دل تو جھٹ تیار ہو گیا۔

"کیا.... ؟ ہر گز نہیں.... پہلے بھی آنٹی اور تمہارے کہنے پر بن بلائے مہمان بن گیا تھا اب ہر گز نہیں ہوں گا ور مجھے اس قسم کی انجوائے منٹ سے دلچسپی نہیں۔"

دل تو کہہ رہا تھا کہ اس دعوت میں جانے کو تیار ہو گیا مگر انا اور خودداری نے کھٹ سے دروازہ بند کر لیا کہ جب تک دعوت نامہ نہ ملے گا اب اس ستم گر سے بے خبر سے نہیں ملنا۔

"بہت بور آدمی ہو تم...... اور تمہیں کسی بھی انویٹیشن کی ضرورت کیا ہے......؟"

"ہاں.... انویٹیشن کی ضرورت نہیں تمہارے گھر میں کسی اور کے گھر میں نہیں اب کی بار تو میں ہر گز بن بلایا مہمان نہیں بنوں گا۔" اس نے جیسے دل بے قرار کو اپنا حتمی فیصلہ سنایا تو وہ ملاقات کا چانس مس ہو جانے پر بسورنے لگا۔

"عجیب ہو تم.... ! مجھے ایسا چانس ملتا تو بن بلایا مہمان کیا بن جاتا۔"

"تم تم ہو۔ میں میں ہوں۔"

"اب چلو بھی اس شو کے چکر میں آج کی ہماری شام بور ہو جائے گی۔" ناچار شہباز کھڑا ہو گیا۔

"اور راحیل بیٹے.... ! تمہارے دوست شہباز کا کیا حال ہے؟" "بہت ہی اچھا اور قابل نوجوان ہے۔ ایک آدھ بار ہی ملاقات ہوئی ہے بہت سلجھا ہوا اچھی سوچ کا حامل نوجوان ہے۔ لانا اس کو۔ بیا کروائے شو میں لے آنا۔" راحیل آج اس طرف آیا ہوا تھا کہ زبیر صاحب سے بھی ملاقات ہو گئی۔

"لے تو میں آتا مگر وہ کہہ رہا تھا اب میں بن بلایا مہمان نہیں بن سکتا اگر انوائیٹ کیا گیا تو ضرور آئے گا۔ کیوں لیلیٰ! ہے کوئی کارڈ شہباز کے لئے؟" راحیل نے لیلیٰ کی طرف دیکھا تو وہ چونک کر رہ گئی۔

"شہباز کے لئے....!" ایک خوشگوار سا چونکا دینے والا احساس اس کے دل کے دروازے سے بے دھڑک ہو کر گزر گیا تو وہ الجھی گئی۔

"میں دیکھتی ہوں شاید ہو کوئی کارڈ؟" وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ زبیر صاحب بھی کسی کام سے اٹھ گئے۔ راحیل لیلیٰ کے انتظار میں کارڈ دیکھنے لگا۔ اسی وقت فون کی گھنٹی بجی، ایک دو بیلیں ہوئیں، راحیل اگنور کر گیا کہ گھر کا کوئی بندہ ہی ریسیو کرے مگر چوتھی بیل پر جب کوئی نہ آیا تو اسے اٹھنا پڑا۔

"شہباز کا نمبر ہے یہ تو.... مگر اس نے یہاں کیوں فون کیا ہے؟ ہاں میرے لئے گھر کیا ہو گا تو پتا چلا ہو گا کہ میں یہاں ہوں، نمبر لے کر یہاں کر دیا۔" سی ایل آئی پر شہباز کا نمبر دیکھ کر پہلے تو اسے شدید قسم کی حیرت نے آن گھیرا مگر جلدی ہی یہ حیرت اپنے سوال کا خود ہی جواب بن گئی تو اس نے ریسیور اٹھا کر ہیلو کہا۔

"ہیلو...... ہیلو شہباز...... میں ہوں راحیل۔ میں یہاں آیا ہوں۔ ہیلو! بات کرو یار! کیا میری

آواز نہیں آ رہی؟ ہیلو! ہیلو....." راحیل تو یہی سمجھ رہا تھا کہ شہباز کو اس کی آواز نہیں جا رہی۔ وہ زور دار آواز میں بولا مگر شہباز ایک دم خوفزدہ ہو گیا۔ جیسے رنگے ہاتھوں راحیل نے اس کو پکڑ لیا ہو۔ اس نے جھٹ ریسیور رکھ دیا۔

"معلوم نہیں کیا وجہ ہے کہ آواز ہی نہیں آ رہی۔ لیلیٰ فون میں کوئی گڑبڑ تو نہیں؟" راحیل نے اندر آتی لیلیٰ سے پوچھا تو وہ فون کے قریب آ گئی۔

"بالکل بھی نہیں...... کیوں؟"

"ارے بھئی! ابھی شہباز نے میرے لئے فون کیا تھا مگر میں ہیلو ہیلو ہی کرتا رہا مگر اس تک میری آواز ہی نہیں جا رہی تھی۔"

"یہ شہباز کا نمبر ہے؟" لیلیٰ نے جھک کر سی۔ ایل۔ آئی پر نمبر دیکھ کر تصدیق کرنے والے انداز میں پوچھا۔

"ہاں! شہباز کا نمبر ہے۔ کیوں؟" دونوں ہی کے چہروں پر حیرت زدہ سوال تھے۔

"یہ نمبر تو دو تین بار پہلے بھی سی ایل آئی پر آ چکا ہے۔ جب ہم ریسیو کرتے ہیں تو کوئی بولتا نہیں۔ ایک دفعہ میں نے پلٹ کر فون کیا بھی مگر کوئی بولا نہیں۔" لیلیٰ نے حیرت زدہ نظروں سے راحیل کو دیکھا جو چونک گیا تھا اس کی بات پر۔

"اچھا! حیرت ہے مگر وہ یہاں کیوں کرتا ہے فون؟ کہیں انکل سے بات تو نہیں کرنا چاہتا.... یہ بات.... بھی؟"

"نہیں.... دو بار تو پاپا نے ہی ریسیو کیا تھا انہوں نے کوئی رسپانس ہی نہیں دیا۔ اگر بات نہیں کرنی ہوتی تو فون کیوں کرتے ہیں؟" لیلیٰ کا لہجہ بھی مدھم سوچ میں ڈوبا ہوا تھا اور راحیل بھی کھوج میں نکل کھڑا ہوا تھا کیونکہ وہ شہباز کو بہت اچھی طرح جانتا تھا وہ اس قسم کی حرکتوں کو قطعی پسند نہیں کرتا تھا کہ خود کرے۔

"ہوں..... کیوں کرتا ہے یہاں فون؟ بات سوچنے والی ہے خیر یہ بتاؤ کارڈ ملا.....؟"

بات تو راحیل ایسے ہی گزر رہا تھا مگر وہ جس منزل پر پہنچ چکا تھا جلد ہی شہباز سے اس کی تصدیق چاہتا تھا۔

"نہیں بھیا! کارڈ تو نہیں ملا۔"

"چلو کوئی بات نہیں میں اپنا والا کارڈ دے دوں گا مجھے اس کی کیا ضرورت ہے۔"

"اوہو بھائی! شہباز کو بلانا یہ کیا ضروری ہے کہ آپ اپنا کارڈ ان محترم کو دیں۔ یوں بھی وہ بہت خشک سے لگتے ہیں، ان کی شوبز سے کوئی دلچسپی نہیں لگتی۔"

نجانے کیا بات تھی کہ لیلیٰ کو پہلے تو شہباز کا خیال آیا نہیں تھا اب اس کا ذکر نکل آیا تو اس کے آنے کی خواہش دل کے کسی گوشے سے ابھری مگر وہ اسے دبانے کی وجہ بھی نہ جان پائی۔

"ہاں! اسے شوبز سے دلچسپی تو کیا کسی حد تک چڑ ہے مگر میں چاہتا ہوں وہ بھی چلے میرا ساتھ رہے گا۔"

"چلیں ٹھیک ہے یہ ہی کریں۔" وہ ابھی بات کر رہی تھی کہ وقار عثمانی کا فون آ گیا۔ وہ ادھر لگ گئی مگر

راحیل سوچ رہا تھا کہ شہباز نے یہ ساری باتیں کیوں کیا اور اس سے قبل بھی کرتا رہا اس جیسے خشک بندے سے اس قسم کی حرکت کی توقع کرنا اسے بے حسب ہضم نہیں ہو رہا تھا وہ معاملے کی تہہ تک جانا چاہتا تھا۔

"یار راحیل! مجھے یہ تصویر ہر حال میں چاہئے۔" راحیل کے کھوج نے ریورس ٹرن لیا تو شہباز کا جملہ پکڑ لیا۔ اسے یاد آ گیا کہ حادثاتی طور پر بن جانے والی اس تصویر کے لئے شہباز نے کتنا اصرار کیا تھا اور پھر بہانے بہانے سے لیلیٰ کا ذکر اس کے شوہر جتانے پر بڑا ہی یہ سب بے معنی نہیں تھا۔

"ہوں! تو یہ بات ہے۔" اس کی کھوج منزل تک پہنچ گئی تو وہ خوش ہو گیا اب وہ اس کو کنفرم کرنا چاہتا تھا۔

"ہو گئیں فارغ؟" لیلیٰ ریسیور رکھ کر پلٹی تو راحیل اسے دیکھنے لگا۔

"جی! کیوں...؟"

"تو پھر چلو شہباز کو کارڈ دے آتے ہیں۔ دیکھو میں اسے جانتا ہوں میں کارڈ دے کر چلوں گا تو وہ نہیں آئے گا کہ ان میں سے کوئی کیوں نہیں آیا اور ہماری دعوت رائیگاں جائے گی۔"

"اچھا...!" وہ سوچ میں پڑ گئی پھر اپنے لباس کو دیکھا کالے اور سفید پرنٹڈ سوٹ میں بغیر میک اپ کے بہت معصوم اور پیاری لگ رہی تھی۔

"ایسی بات ہے تو چلئے میں سر کو بتا کر آتی ہوں۔" وہ کچھ عجیب سے احساس کے ساتھ اندر چلی گئی۔

• • •

"جی آپ!" وہ گہری نظروں کے ساتھ بڑے اشتیاق سے ... کے مراحل طے کر رہی تھی۔

"سنا ہے اس وادی کے لوگ محسنوں کو فراموش نہیں کیا کرتے احسان جتانا سراسر گھٹیا پن ہے مگر اپنی پہچان کے لئے میرے پاس اور کوئی راستہ بھی نہیں ورنہ تو ہم مشتاق آپ کی دہلیز پر بوڑھے مر جائیں گے اور آپ پہچان نہیں پائیں گی ہم تو ویسے ان خشندوں کے احسان مند ہیں کہ..."

وجاہت کی نظریں اس کے حسین روپ پر ٹھہری گئیں۔ بارش کے بعد کی سنہری دھوپ میں وہ بالکل کسی شاعر کا حسین خیال لگی۔ اس شخص کو اس نے اس ہنگامے میں بجلی کی روشنی میں دیکھا تھا اس وقت پہچان نہ سکی تو وجاہت کو وہ واقعہ یاد دلانا پڑا۔

"او......! اچھا اچھا......! سوری جی......! میں پہچان نہیں سکی۔ آئیے ناں......! آئیے پلیز!" وہ ممنون لہجے میں بولی۔ یک دم اسے راستہ دیتی ہوئی بولی تو وہ ذرا سا جھک کر اندر آ گیا کیونکہ دروازہ قد میں اس سے چھوٹا تھا۔

"بابا! یہ... یہ ہی وجاہت صاحب ہیں جنہوں نے اس روز......"

"ارے! بس بس میں نے تو محض اپنی پہچان کے لئے وہ واقعہ یاد دلایا تھا آپ تو باقاعدہ اس کو میری پہچان بنا رہی ہیں۔ السلام علیکم بابا......؟"

وہ بڑے ادب سے جھکا بابا سے مصافحہ کر رہا تھا۔ نانو بھی اندر سے آ گئیں تو وہ ان کی طرف بڑھا، جھک کر

سلام کیا۔ انہوں نے روایتی انداز میں اس کے سر پر ہاتھ پھیرا، ماتھا چوما۔

"بیٹا! یہ ہماری روایت ہے اس طرح پیار کرنا بچوں کو۔" بابا اس کی حیثیت کا خیال کر کے بولے تو وہ ان کے قریب بیٹھ گیا۔

"کیسی باتیں کرتے ہیں بابا! یہ ہم سب کی روایات ہیں اور یہ روایات تو بہت پیاری اور میٹھی ہوتی ہیں۔ یہ وہ تحفہ ہے جو چھوٹے اپنے بزرگوں سے چاہتے ہیں۔ خیر آپ لوگ کیسے رہے......؟ پھر تو کوئی مسئلہ نہیں ہوا...؟ بس ہم دونوں تو اپنی کاروباری مصروفیات میں اتنے بزی ہو گئے کہ آپ لوگوں کا خیال تو آیا مگر بعض اوقات چاہتے ہوئے بھی نہیں آ سکے یوں کچھ مناسب نہیں لگتا کہ بار بار آئیں۔ حالانکہ دل تو بہت چاہتا تھا۔"

بہت خوبصورت اور دلفریب انداز میں بولتے ہوئے اس کی گہری نگاہیں چند قدم دور کھڑی زینت پر جمی تھیں۔ گہرے پیلے رنگ کے لباس میں وہ بہت حسین لگ رہی تھی۔

"ارے بیٹا! یہ تو آپ کا اور ظفر میاں کا احسان..."

وہ قطع کلامی کی معذرت چاہتے ہوئے بولا۔ "اگر آپ لوگوں نے دوبارہ اس واقعہ کو یاد کیا اور ہمیں محسن کہا تو میں خفا ہو کر چلا جاؤں گا ورنہ میں جانتا ہوں کہ اس وادی کے لوگ مہمانوں کو ہرگز ناراض نہیں کیا کرتے۔"

وجاہت کا انداز بہت پر خلوص اور لہجہ بہت متاثر ہونے والا تھا۔ بابا اور نانو تو اس پر فدا ہو گئے۔

"ارے! آپ کہاں چلیں بیٹھئے ناں!"

زینت فوراً کرسی... ساتھ ... ہو گئی۔

"آپ یہیں بیٹھئے اس وادی کے لوگ بیٹھے مہمان نواز ہوتے ہیں؟ اور کچھ نہیں تو چائے تو ... پیش کرتے ہیں۔ آپ بیٹھئے"

زینت نے بھی اس کے انداز میں جو پہلو پایا تو وہ دور تک سے دیکھتا رہا پھر جب تک ان دونوں بزرگوں کے پاس بیٹھا رہا اپنے خیال و انداز بیان سے ان کو متاثر کرتا چلا گیا۔ نانو تو چشم تصور میں کچھ دور ہی دیکھ کر مسکرانے لگیں۔ باتوں باتوں میں ظفر کا ذکر آیا تو وجاہت نے چونکنے کی بھرپور ایکٹنگ کی۔

"اچھا تو کیا ظفر بھی آتا رہتا ہے یہاں؟" اس نے بڑی حیرت کا اظہار کیا۔

"ہاں ہاں! اکثر آتا رہتا ہے۔ اس نے تو زینت کو کتابیں لا کر دی ہیں کہ بی۔ اے پرائیویٹ کرے اور ہماری بچی آج کل خوب تیاری کر رہی ہے۔ ایم۔ اے کرنا زینت کا خواب ہے جو اب اللہ ضرور پورا کرے گا تب ہی تو ظفر میاں کو وسیلہ بنا دیا ہے اللہ تعالیٰ اس بچے کو کامیاب کرے بہت اچھا لڑکا ہے اتنا خیال رکھتا ہے کہ ہم تو اس کے احسان تلے دب کر رہ گئے ہیں۔"

بابا بتا رہے تھے اور وہ نہیں جانتے تھے کہ ایک ایک لفظ بارود بن رہا ہے ظفر کے اوپر پھٹنے کے لئے۔

"اوہو! تو یہ کہانی اسٹارٹ کر چکے ہو تم ظفر! ویل ڈن!"

"جی ہاں بابا! ظفر بہت اچھا نوجوان ہے بہت اچھے خاندان سے ہے۔ بہت وفادار اور ایماندار والد تھے اس کے جو میرے والد کے دوست بھی تھے اور ملازم بھی اور اب وہ میرا دوست بھی ہے اور بہت اچھا وفادار ایماندار نوجوان ہے۔"

اس نے ظفر کی تی تعریف کی کہ اس کی تعریف کے آئینے میں خود اس کی شخصیت اور کردار بہت اچھا نظر آنے لگا۔ دونوں بزرگ ان نوجوانوں کی سوچ پر بہت خوش تھے۔ نانو کو تو وجاہت اتنا پسند تھا وہ اللہ سے کچھ اور دعائیں کرنے لگیں۔

"ارے اتنے ڈھیر سارے لوازمات آپ تو کہہ رہی تھیں صرف چائے ہوگی۔"

وہ بھری ہوئی ٹرے دیکھ کر بولا تو ایک خوبصورت سی مسکراہٹ زینت کے ہونٹوں پر پھیل گئی۔

"تو آپ صرف چائے پی لیجئے۔" زینت نے کپ اس کی طرف بڑھایا تو وجاہت کی نظریں اس کے سراپے پر جمی رہیں۔ مگر زینت کسی بات سے متاثر ہوئے بغیر اپنا کام کرتی رہی البتہ دونوں بزرگ اس پر فدا ہوئے جا رہے تھے اور پھر بابا نماز کے لئے چلے گئے۔ نانو بھی نماز کے لئے اٹھیں تو وجاہت کو زینت سے بات کرنے کا موقع مل گیا۔ سامان سمیٹ کر زینت گھڑی اٹھا دی۔

"وجاہت صاحب! ذرا دیکھئے تو کہیں یہ آپ کی گھڑی تو نہیں؟"

"ارے ہاں! یہ میری ہی گھڑی ہے مگر یہاں کیسے آگئی؟"

اس نے دانستہ طور پر ایسے ہی کسی موقع کے لئے یہ گھڑی تار کھ دی تھی اب انجان بنا پوچھ رہا تھا۔

"جی! یوں تو آپ آئے نہیں یقیناً اس روز جھگڑے کے دوران گر گئی ہوگی۔"

"ہوں! تو زور کس پر ہوا۔ یوں تو آئے نہیں۔ جی کہ ڈھکا چھپا شکوہ ہے نہ آنے کا تو؟"

وجاہت نے گہری سی نگاہ اس پر ڈالی وہ جس پرستش کا مالک تھا اور جس طرح لڑکیوں کا منظور نظر تھا اس لحاظ سے وہ پر اعتماد تھا کہ زینت بھی مرمٹی ہوگی

"جی.....! میں ڈھکی چھپی باتیں نہ تو پسند کرتی ہوں اور نہ خیر بہت اچھا ہوا۔ چیز اصل مالک کے پاس پہنچ گئی۔ اتنی قیمتی گھڑی ہے۔"

زینت ذرا سخت لہجے میں بولی پھر خود ہی احساس ہونے پر دھیمی ہوگئی۔

"کچھ چیزیں بظاہر بہت قیمتی ہوتی ہیں مگر ان کا ملنا یا کھونا اتنا اہم نہیں ہوتا مگر ایک چیز ایسی قیمتی ہے کہ اگر کھو جائے تو سکھ چین سب کھو جاتا ہے۔"

وہ نہایت گمبیر ور پرفسوں انداز میں بات کر رہا تھا کوئی اور لڑکی ہوتی تو نثار ہو جاتی مگر زینت کو جانے کیوں یہ سب اچھا نہیں لگا۔

اور پھر وجاہت بڑی کامیابی سے اس گھر میں داخل ہوا اور چھا گیا۔ ظفر اور وجاہت اپنے اپنے طور پر آتے رہے۔ دونوں کی الگ الگ حیثیت تھی ان کی نظر میں اور جب ظفر کو یہ پتا چلا کہ وجاہت آیا تھا گھڑی لے گیا تو اس نے وجاہت کو پکڑ لیا۔

"تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں کہ تم وہاں سے گھڑی لے آئے ہو؟ کیوں چھپایا؟" ظفر کو اس کا وہاں جانا قطعی پسند نہیں آیا تھا تب ہی تو وہ ڈھکے چھپے انداز میں زینت اور نانو کو اس کے بارے میں بتاتا رہتا تھا

"اچھا! میں نے تو تم سے صرف یہی چھپایا ہے تم نے تو مجھ سے بہت کچھ چھپایا ہے۔" وجاہت نے

بڑے اس انداز میں کہا کہ ظفر سن سا ہو گیا۔

"کک.....کیا چھپایا ہے میں نے تم سے.....؟"

زبان ذرا لڑکھڑا گئی تو وجاہت اسے بغور دیکھنے لگا۔ ظفر نے نظریں چرا لیں، وجاہت کے جی میں آیا خوب ذلیل کرے مگر ابھی اس کا وقت نہیں آیا تھا اس لئے وہ قہقہہ مار کر ہنس دیا۔

"کم آن! تم کن چکروں میں پڑ گئے۔ یوں مذاق کر رہا تھا۔" وجاہت نے اپنے انداز سے کسی طور ظاہر نہیں ہونے دیا کہ اسے کچھ پتا چل گیا ہے۔

وجاہت کا ان لوگوں کے گھر آنا جانا بہت ہو گیا تھا وہ دونوں بزرگوں کو شیشے میں اتار چکا تھا مگر زینت کا رویہ سے کھل جاتا وہ اس کا یوں روز آنا اور ڈھیروں چیزیں تحائف نانا زینت کو پسند نہیں تھا بابا بھی منع کرتے مگر وجاہت ایسی دلیل دیتا کہ وہ چپ ہو جاتے مگر زینت محلے والوں کی معنی خیز نظروں اور چہ میگوئیوں کا مطلب اچھی طرح سمجھتی تھی۔ وہ کسی افسانے کو جنم دینا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے نانا نانی کو تو صاف الفاظ میں منع کیا اور وجاہت کو بھی ٹوک دیا تھا۔

"ارے! تو آپ لوگوں کی باتوں کو اہمیت کیوں دیتی ہیں؟"

وہ اس کی خوبصورت آنکھوں میں بے باکی سے دیکھتا ہوا بولا تو وہ چڑ گئی۔

"آپ ایسا کر سکتے ہیں مگر ہم نہیں۔ بس پلیز! آپ یہ سب دیکھ کے اچھا نہیں لگتا۔ آئندہ وہی ہوگا جو آپ چاہیں گی ہمیں تو آپ کی طرح آپ کی خوشی عزیز ہے۔"

وہ ہر رنگ سے کہہ کر اسے متاثر کرنے کی ناکام کوشش کرتا مگر وہ چڑ جاتی، وہ تنگ آگئی تھی وجاہت کی ان مہربانیوں سے تب ہی اس نے ظفر سے شکایت کر دی۔

"اچھا! چیزیں تو میں بھی لاتا ہوں وہ تمہیں بری نہیں لگتیں؟"

ظفر ذرا خوش ہو گیا تھا۔

"آپ صرف کتابیں لاتے ہیں جو کہ علم کی روشنی ہے اور روشنی میں سب کچھ صاف نظر آتا ہے اور یہ سب اچھا لگتا ہے۔"

زینت کی پلکیں اس کے رخساروں پر سایہ کرنے لگیں تو ظفر کے گرد جگنو سے ناچنے لگے۔

"ہوں! تو بتائیں کیا کچھ اچھا لگتا ہے۔ میں.....میرا مطلب ہے کتنی تیاری ہوگی؟ بی۔ اے کی ٹریشن بھی کروانی ہے۔"

وہ اس سے ہمکلام ہوتی تو دل چاہتا کہ وقت ٹھہر جائے اس وقت بھی کتاب ہاتھوں میں الٹ پلٹ کرتی بہت حسین لگ رہی تھی۔ ظفر اسے دیکھے گیا اور یہ اس کی نگاہوں کی حدت تھی کہ زینت کو اپنے رخسار تپتے سے محسوس ہوئے۔

"تیاری تو خیر ہو ہی رہی ہے مگر کہیں کہیں ٹیچر کی بہت ضرورت محسوس ہوتی ہے۔"

"ٹیچر آپ کے سامنے موجود تو ہے۔"

ظفر نے شوخی سے کہا تو زینت نے ایک نظر اسے دیکھا۔ سانولی سی رنگت رکھنے والا باوقار سا نوجوان یوں تو وجاہت کے مقابل میں کچھ بھی نہیں تھا مگر اس نے اپنے کردار رکھ رکھاؤ اور سوچ سے زینت کے دل میں جگہ بنالی تھی وہ سے چپکے چپکے چاہنے لگی تھی مگر یہ بات تو اس نے خود سے بھی چھپائی تھی تو اسے کیسے بتا دیتی۔

"ایسے ٹیچر کا کیا فائدہ جو کبھی کبھی شکل دکھائے۔"

"اب ٹیچر اتنا ہینڈسم اور خوش شکل بھی نہیں کہ ہر روز دیدار کرانے چلا آئے۔"

"لیکن کتابوں کو ٹیچر کی شکل وصورت سے کوئی غرض نہیں ہوتی صرف اس محبت کی نظر کی ضرورت ہوتی ہے جس سے وہ اسے پڑھے اور سمجھے۔"

"اچھا تو گویا آپ بھی ایک کتاب ہوئیں۔ میرا مطلب ہے ایک آئیڈیا ہے کہ ... کہ ... !" وہ پہلے تو گہری بات کہہ گیا پھر اس بات کے اثر کو زائل کرنے کے لئے وہ کھڑا ہو گیا تو وہ بھی متجسس سی کھڑی ہو گئی۔

"کہ میں آنے اور جانے کا سلسلہ ہی ختم کرتا ہوں ابھی جا کر نانو سے بات کرتا ہوں۔" وہ گہری نظروں سے دیکھتا اندر کی طرف بڑھا۔

"ارے بھئی ! کچھ بتائیے تو کیا بات کریں گے ؟" وہ اس کی طرف پلٹا۔ وہ کچھ الجھن میں تھی۔

ظفر دھیرے سے ہنسا۔

"ابھی نہیں ! بچوں کو ایسی باتیں نہیں بتائی جاتیں۔"

وہ شوخ سی نظر اس پر ڈالتا آگے بڑھ گیا تو اک لطیف سی لہر اندر تک دوڑ گئی۔ اپنی چاہت کے دو طرفہ ہونے کا خیال کرن بن گیا۔ سوچا اور چاہا تو زینت نے [illegible] بہت تھا۔ ظفر کے گھر میں اس کے قریب رہنے کا احساس [illegible] تھا، وہ بجوم [illegible] کی کہ وہ اپنے نانا نانی کے ساتھ ظفر کے گھر میں رہے گی۔ ظفر نے ان دونوں کو بہت مشکل سے منایا تھا۔

"بابا ! اگر آپ نے مجھے بیٹا کہا ہے اگر آپ کے مسائل میرے ہیں تو میرے مسائل آپ کے نہیں۔ میری والدہ کو کسی کی بہت ضرورت ہے اس طرح آپ لوگ میرے گھر میں ہوں گے ایک تو برکت ہوگی، دوسرا میں سکون سے بزنس کر سکوں گا۔" اس کے اصرار میں اتنا خلوص تھا کہ دونوں کو ہاں کرنی ہی پڑی۔

♦ ♦ ♦

"تت ... تت ... تم یہاں کیسے زینت ؟"

زینت کو وجاہت کی والدہ کے کمرے میں دیکھ کر ظفر پر حیرت اور پریشانی کا گویا پہاڑ آن گرا۔ اس کو علم نہیں ہو رہا تھا کہ ایک دور دور کی غیر متوقع سے جو اتنا بڑا انقلاب بھی آ سکتا ہے۔

"تم بولتی کیوں نہیں ہو ؟ چپ کیوں ہو ؟ تم یہاں کیسے اور کیوں آئیں ؟" جو کچھ ہو چکا تھا وہ آنسوؤں کا گولا بن کر الفاظ کی رکاوٹ بن گیا تھا۔ بھیگے کناروں میں اتری ظفر کی تصویر بہنے لگی تھی۔

"یہ سوال زینت سے نہیں مجھ سے پوچھئے ظفر !"

وجاہت ہونٹوں پر عجیب سا تحقیر آمیز مسکراہٹ لیے زینت کے عقب سے برآمد ہوا تو ظفر کا خون کھول اٹھا۔ کیونکہ وہ زینت کے گھر والوں کو اپنے گھر رہنے کا پروگرام بنا چکا تھا اور امی کتنی خوش ہوئی تھیں زینت کے آنے کے خیال سے... زینت وجاہت کی آواز سن کر گونگے لفظوں کی گھٹی گھٹی سی سسکیاں کھینچتی پیچھے ہٹ گئی۔ وجاہت ظفر کے اجڑے چہرے کو دیکھتا ہوا سگریٹ کا گہرا کش لے کر دھواں فضا میں چھوڑ کر سینے پر ہاتھ رکھ کر ذرا سا جھکا۔

"اندر تو آئیے جناب ... ! یہاں دہلیز پر کھڑے ہو آپ کو ڈیٹیل نہیں مل سکتی ناں۔ آئیے تشریف لائیے۔"

وجاہت کا انداز بہت عجیب اور مختلف تھا دل جلانے والا۔ ظفر چپ چاپ اندر آ گیا۔ ثریا بیگم سو رہی تھیں۔ زینت ان کے پاؤں دبا رہی تھی۔ ظفر نے جھکی جھکی نظروں سے دیکھا خاموش آنسو بظاہر پاؤں دباتے ہاتھوں پر گر رہے تھے مگر سوراخ ظفر کے دل میں ہو رہے تھے۔ وجاہت بغور اس کا مطالعہ کر رہا تھا۔ وہ ظفر کی اس وقت کی دلی کیفیت سمجھ رہا تھا کیونکہ اسے پتا چل گیا تھا کہ ظفر زینت کو اپنے گھر لانا چاہتا ہے۔ وہ اس سے پہلے ہی لے آیا تھا اور اب اس کے دکھ اور اذیت سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

"ہاں تو تم حیران ہو کہ یہ لوگ یہاں کیسے آ گئے ... ؟ بھئی قصہ کچھ ہوا کہ کچھ لوگ ان لوگوں کو پریشان کرنے لگے تھے۔ بابا اور نانو بہت پریشان ہو گئے تو میں لے آیا وہ انیکسی جو ہے ناں وہیں پر رہتے ہیں۔ بابا اور

اس کے لہجے میں اتنا یقین اور اعتماد تھا کہ وجاہت مزید کچھ کہہ نہ سکا اور دور تک اسے جاتا دیکھتا رہا۔

• • •

وہی گھر تھا۔ سب کچھ وہی تھا مگر آج ظفر کو اپنا گھر زہر لگ رہا تھا۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ سب کچھ توڑ پھوڑ ڈالے۔ یہ گھر جو وجاہت کے احسانات میں سے ایک احسان تھا جس کے بوجھ تلے اس کے والدین نے زندگی گزاری تھی اور اب وہ زندگی گزار رہا تھا جس طرح انہوں نے ان احسان کے بدلے میں خود کو مار دیا۔ اب اس کی باری تھی اور وہ ہر قربانی دے سکتا تھا مگر اپنی محبت کی نہیں۔

"نہیں نہیں..... کسی قیمت پر بھی نہیں۔ وجاہت ملک! تم میری محبت مجھ سے نہیں چھین سکتے۔ حیدر آدمی..... میرے آنگن میں اُترنے والے چاند کو اپنے آنگن میں لے گیا اور اس کا مطلب ہے اس مکار انسان نے زینت کو اپنے گھر میں رہنے کے لئے مجھے منظر سے آؤٹ کیا تھا۔ نہیں وجاہت..... میں تمہیں ان معصوم لوگوں کے ساتھ کھیلنے نہیں دوں گا۔ خواہ جان بھی کیوں نہ دینی پڑے۔"

ظفر کو اتنا غصہ کبھی نہیں آیا تھا اور نہ ہی کبھی اپنی کمزوری اور وجاہت کے احسانات کا اتنا احساس ہوا تھا۔ اس نے اپنے کمرے کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا اور اب بیڈ پر بیٹھا لمبے لمبے سانس لے رہا تھا اور نجانے کتنی ہی دیر وہ یونہی لیٹا رہا۔ ہزاروں سوال تھے زینت سے کرنے کے لئے مگر جواب تو زینت کے خاموش آنسوؤں نے دے دیا تھا۔

"وجاہت.....! وجاہت! تم تو دوست کیا دشمن کہلانے کے بھی حقدار نہیں۔ یہ جنگ ہے میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔"

ظفر نے گلاس اُٹھا کر دیوار سے مارا تو وہ چکنا چور ہو گیا۔ وہ تو اتنا غصے والا نہیں تھا۔ کیا بات تھی جو اس کیفیت میں ڈھلی اس پر طاری تھی۔ اس نے کیا کیا سوچا تھا کیا کیا خواب دیکھے تھے کہ زینت آجائے گی تو یہ مکان گھر بن جائے گا۔ وہ بابا، اماں کی خدمت کرے گا۔ گھر اور دل کے سناٹے ختم ہو جائیں گے مگر بہت کچھ راکھ ہو گیا تھا۔ بے بسی تو یہ تھی کہ وہ وجاہت کو کچھ کہہ بھی نہیں سکتا۔ کوئی باز پرس نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اس کی والدہ بستر مرگ پر تھیں اور ان کا بہت مہنگا علاج ہو رہا تھا جو وجاہت کروا رہا تھا۔ اگر وہ یہ سب چھوڑ دیتا تو اسے ماں کی زندگی کی قربانی دینی پڑتی..... سب کچھ چھوڑنا پڑتا اگر وہ اکیلا ہوتا تو ایک ٹکے کا احسان نہ لیتا مگر اب امی کی خاطر وہ سب کچھ برداشت کرنے کو تیار تھا۔

"اُف میرے خدا.....! میں کس مشکل میں پھنس گیا ہوں۔ مجھے ہمت عطا فرما۔" وہ جانے کب تک خود سے لڑتا رہتا کہ دروازے پر دستک ہوئی اور ساتھ ہی وجاہت آ گیا۔ یک لخت تو ظفر کا جی چاہا کہ اسے شوٹ کر دے مگر وہ ایسا کچھ کر نہیں سکتا تھا خود پر جبر کر کے رہ گیا۔

"ارے.....! یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے تم نے کمرے کا؟ لگتا ہے کوئی بھوت ہنگامہ کر کے گیا ہے۔" وجاہت نے سگریٹ کا گہرا کش لیا اور بغور اسے دیکھا۔ کتنا کمزور اور ویران لگ رہا تھا ظفر۔

"بھوت کا کوئی نام نہیں ہوتا بس جاتی اس کی پہچان ہوتی ہے۔" ظفر کا لہجہ روہانسا ہو گیا تو وجاہت کا فلک

شگاف قہقہہ فضا میں گونج گیا۔

"اچھا یہ جوک تھا یا کوئی سیریس میٹر۔"

وہ کمرے میں سے ٹہلتے گیا تو اک زخمی سی مسکراہٹ ظفر کے ہونٹوں پر آ گئی۔

"تمہارا کیا ہے کچھ بھی سمجھو تم تو زندگی کو بھی جوک ہی سمجھتے ہو۔"

ظفر خود سے لڑ لڑ کر اس قدر نڈھال ہو چکا تھا کہ دشمن سے بات بھی کرنے کی طاقت نہیں تھی۔ اس کی بات کا مطلب وجاہت بہت اچھی طرح سمجھ رہا تھا مگر جو آگ اس کے اندر لگی ہوئی تھی اس نے اس کے ہر احساس کو راکھ کر ڈالا تھا۔

"ہاں! سمجھتا ہوں زندگی کو جوک مگر صرف اپنی زندگی کو دوسروں کی زندگی کو نہیں اسی لئے اتنی رات کو تمہیں یہ کہنے آیا ہوں کہ ڈاکٹر عالم نے آنٹی کو یہ ٹیسٹ لکھ کر دیے ہیں جو جلد از جلد ہو جانے چاہئیں ورنہ مشکل ہو جائے گی یہ چیک رکھو اور ٹیسٹ کروا دو آنٹی کے۔"

وجاہت پہلے ذرا طیش میں آ کر اونچی آواز میں بولا پھر آہستگی سے بولتا ہوا مڑ اور میز پر رکھی فائل اس کی طرف بڑھا دی چیک سمیت ظفر کو یہ بات لگتا ہوا چلے تھے اب وہ چیل دیکھ رہا تھا۔

"یہ چیک آنٹی کے لئے نہیں بلکہ تمہارے اخراجات کے لئے دن رات جو خدمت کرتے ہو جاب کرتے ہو میرے ملازم کی حیثیت سے اس کا معاوضہ ہے تنخواہ ہے۔"

"نوکری ہے..... بہت شکریہ..... مجھے حاکم ہونے اور میرے محکوم ہونے کی یاد دہانی کا۔" ظفر کہتا آہستہ سے اس طرح چپ چاپ کے بولنے سے ایسی باتیں وجاہت اکثر کرتا تھا۔ مگر رشتے کی نزاکت میں اس نے وہ مائنڈ نہیں کرتا تھا مگر آج تو وجاہت نجانے کیا جتا کر اسے اس کی حیثیت یاد دلا رہا تھا..... وہ ہل گیا۔

"اتنے تلخ کیوں ہو رہے ہو یار!" وجاہت نے اس کی تھوڑی چھوئی مگر ظفر نے نفرت سے چہرہ پھیر لیا۔

"زندگی میں تلخی کے علاوہ بچا ہی کیا؟"

"خاصا مزاج بگڑا ہے تمہارا یہ رویہ میرے لئے.....!"

وجاہت دوبارہ کر اس کے زخموں پر نمک چھڑک رہا تھا۔

"اب عادی ہو جاؤ گے اس رویے کے۔"

ظفر نے اُٹھ کر کھڑکی کھول دی۔ اندر کی تپش نے باہر کی خنکی کی اہمیت کو ختم کر دیا تھا۔

"کیوں؟ آخر تمہیں ہو کیا گیا ہے؟ کراچی جانے سے قبل تو ایسے نہیں تھے۔ وہاں کوئی کارنامہ کر کے آئے ہو کیا؟"

"کیا مطلب ہے تمہارا کارنامے سے..... ؟ ہاں کیا مطلب ہے اس بات سے؟" وجاہت نے عجیب انداز میں مسکرا کر کہا تو ظفر سلگ اُٹھا۔ اس نے اس کے شانے پر مکا مار کر کہا تو وجاہت نے تحمل سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

کتنی عجیب بات تھی۔ وہ خوشی جس دو فریقین کی وجہ سے تھی وہ دونوں اپنے اپنے کمرے میں بند تھے واصف کو یقین ہو گیا تھا کہ یہ خوشی کتنی ادھوری اور بے رنگ ہے۔ آمنہ کی رضامندی کے بغیر جبکہ رشتے کے بھائی اور بہنیں اسے چھیڑنے پہنچ گئے۔

"ارے واہ نوشہ میاں۔۔۔! خوب یعنی کہ بہت خوب خاندان کی سب سے اچھی لڑکی کے میاں جی بن رہے ہو۔" زاہد آگے بڑھ کر اس سے بغلگیر ہو گیا تو وہ چاہ کر بھی نہ سکا کہ ایک دکھی سانس اس کے سینے میں جذب ہو چکی تھی مگر وہ اپنی محبت کی ناکامی کا اشتہار لگانا نہیں چاہتا تھا اس لئے کھل کھلا کر ہنس دیا۔

"کیوں جی۔۔۔۔ اور اگر خاندان کی سب سے اچھی لڑکی ہے تو کیا ہم کسی سے کم ہیں۔ لاؤ کھڑا کرو ارے ساتھ اس لڑکی کو۔ جیت ہماری ہوگی۔" وہ پھیکی سی ہنسی کے ساتھ بولا تو سموں اور رضیہ بول پڑی۔

"اور نہیں تو کیا۔ ہمارے بھیا میں کیا کمی ہے۔۔۔۔؟ ماشاء اللہ چاند سورج کی جوڑی ہے۔" لیکن بات پر اک ٹیس سی واصف کے دل میں اٹھی جو زخمی مسکراہٹ بن کر ہونٹوں پر نمودار ہوئی اور غائب ہو گئی۔ سب طرح طرح کی باتیں اور مذاق کر رہے تھے۔

"ارے بھئی۔۔۔۔ اب اس چاند سورج کی جوڑی کو یکجا بھی تو کر دو۔ نجو۔۔۔ ! تم اور فیاض جا کر آمنہ کو لے آؤ۔ کچھ چھیڑ چھاڑ ان سے بھی ہو جائے۔ محترمہ تو ابھی سے دلہن بیٹھ گئی ہیں۔ جاؤ لے کر آؤ اسے بھی۔"

"بس لیجئے ہم ابھی محبت کی عدالت کا دوسرا مجرم حاضر کرتے ہیں۔" نجو اور فیاض آگے بڑھے تو واصف ان دونوں کے سامنے آ گیا۔

"ارے نہیں بھئی۔۔۔! آپ آمنہ کو لینے کیوں جا رہے ہیں۔"

"کیوں۔۔۔؟" سب یک ساتھ بولے۔

"ارے بھئی۔۔۔ ! وہ ہماری ہونے والی دلہن ہیں اس کے لئے ہمیں ہی جانا چاہئے ناں۔۔۔؟" آمنہ کو اپنی دلہن کہتے ہوئے ایک لمحے کے لئے دھنک کے سارے رنگ واصف کے چہرے پر پھیل گئے تو کچھ دیر کے لئے وہ بھی آمنہ کے رویے اور اجتناب کو بھول گیا۔

"اتنی خوبصورت رنگین محفل چھوڑ کر آپ کہاں جا رہے ہیں بھائی۔۔۔۔؟" اندر آتے ہوئے عارف نے نجو کو گہری نظروں سے دیکھا تو وہ خواہ مخواہ ہی شرما گئی۔

"بھائی کے لئے ان رنگوں میں سے کوئی رنگ اہمیت نہیں رکھتا۔ وہ اپنی دلہن لینے جا رہے ہیں۔"

"اچھا۔۔۔ او اچھی بھائی۔۔۔!" کچھ عجیب سے انداز میں بولتا عارف واصف کی طرف بڑھا کیونکہ وہ دوبارہ آمنہ کے کمرے کے سامنے سے ہو کر آیا تھا۔ جس لڑکی کے نکاح کی تاریخ مقرر ہو گئی ہو مہمانوں سے گھرا بھرا ہوا ہو وہ لڑکی شرماتے جانے اور لڑکیوں کی چھیڑ چھاڑ میں بیٹھنے کی بجائے کمرے کی لائٹ آف کئے اندر سے لاک لگائے بیٹھی تھی تو اس کا کیا مطلب ہو سکتا تھا اور عارف جو اپنے بھائی کی دیوانگی جانتا تھا۔ اسی لئے تو وہ آمنہ کے انداز اور رویے پر نظر رکھتا تھا اور اس وقت بھی وہ آمنہ کے کمرے کے سامنے سے گزر کر آ رہا تھا۔

"جائیں بھائی۔۔۔ ! اور اپنی دلہن کو اپنی محبت کی ڈولی میں بٹھا لائیں۔" پھر کسی کزن نے کہا۔

"احمق ہو تم سب۔ ارے بھئی۔۔۔ ! نکاح ہوا نہیں اور دلہن دلہن لگا رکھی ہے۔ جب تک نکاح نہیں ہو

جاتا کوئی اسے میری دلہن نہیں کہے گا۔ سمجھے تم لوگ۔ ورنہ ہی میں۔۔۔ سے لینے جا رہا ہوں۔"

آمنہ کی بے اعتنائی نے اس کی ساری ہمتیں توڑ ڈالیں تو وہ دھونس دینے والے انداز میں بیٹھ گیا۔ عارف چپ ہو گیا مگر باقی سب اس کے سر ہو گئے۔

"ارے واہ بھئی۔۔۔ ! یہ کیا بات ہوئی۔۔۔؟ جاؤ اسے لے کر آؤ۔ چلو تم رہنے دو۔ لڑکیو۔۔۔ ! تم جاؤ اور دلہن بنا کر لے آؤ۔ آج تو نکاح سے پہلے جشن ہو گا رت جگا ہو گا جاؤ۔"

شکیل نے لڑکیوں کو دھکیلا تو واصف پھر کھڑا ہو گیا۔ وہ محبت کو رسوا نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"اوکے۔۔۔ ! اوکے۔۔۔ ! جاتا ہوں۔ بہت ہی کمینے ہو تم سب۔ یار۔۔۔ ! لڑکی ہے شرمائے گی۔"

"اوہو۔۔۔ ! کتنا خیال ہے ابھی سے۔ تو رہنے دیجئے ہم خود لے آتے ہیں۔"

اس سے پہلے کہ وہ سب اس دھمکی پر عمل کرتے آمنہ کے پاس جاتے وہ نجانے کس انداز میں پیش آتی اور محبت کا بھرم پاش پاش ہو جاتا وہ مردہ قدموں سے چلتا ہوا کمرے کے دروازے پر کھڑا تھا۔ کتنی ہی دیر ہو گئی دستک دینے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی اور آمنہ جس کو اس کی ماں نے بتا اور باپ کا حتمی فیصلہ سنا دیا تھا کہ اب نکاح کی ڈیٹ رکھی جا چکی ہے۔ لہٰذا انکار کی کوئی گنجائش نہیں تب سے اندر بند تھی صبح سے کچھ کھایا بھی نہیں تھا۔ وہ حسن کے بغیر زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ حسن آیا ہوا تھا اور وہ اس سے مل بھی نہیں سکی تھی۔ وہ پڑھی لکھی لڑکی تھی۔ مذہب اور خاندان کی عزت کے دائرے میں رہ کر اپنی بات منوانا چاہتی تھی مگر کوئی اس کی خوشی اور رائے کو اہمیت دینے کے لئے تیار ہی نہیں تھا۔ اس نے حسن کے ساتھ زندگی گزارنے کے کتنے خواب دیکھے تھے اور تعبیر کتنی مختلف تھی۔ جب جانتی ہو کہ۔۔۔ سوال تنا ہی خوبصورت کیوں نہ ہو زندگی بے مزہ رہتی ہے گو کہ اسے واصف سے کوئی شکایت تھی اور نہ ہی وہ اسے ناپسند کرتی تھی بس شادی اس کے ساتھ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ شادی وہ صرف حسن کے ساتھ ہی کرنا چاہتی تھی۔

"سکینہ۔۔۔ ! کہہ جو دیا نہیں کھانا مجھے کھانا۔ لے جاؤ اور اپنی مرضی اپنی خوشی کو اہمیت دینے والوں سے کہہ دو کہ ساری رات رت جگا منائیں اور جشن منائیں میری خوشیوں کی قبر پر۔"

واصف کی دستک پر آمنہ بھی کہ سکینہ ہے جو بار بار کچھ نہ کچھ کھانے کے لئے لا رہی تھی اب بھی وہی ہو گی۔ ۔۔۔ چلائی تو واصف کو اپنے ہر سوال کا جواب مل گیا۔ یکلخت اپنی توہین کا احساس غبار بن کر دماغ کو چڑھ گیا تو اس کا جی چاہا دروازہ توڑتا ہوا اندر جائے اور پوچھے کہ اس کی کیا خطا تھی محبت کرنے کی سے اتنی سزا کیوں دی گئی۔ آج اسے اپنے تمام سوالوں اور اس کی بے اعتنائی کی وجہ معلوم ہو گئی تھی۔ وہ ڈھے سا گیا۔ اب تو اس میں اس کا سامنا کرنے کی ہمت بھی نہیں رہی تھی مگر اس نے بھی فیصلہ کر لیا تھا۔ آج ہی بات ہو جائے تاکہ سب کو اس جشن سے روکا جا سکے اور بزرگوں کو اس نکاح سے روکا جائے کہ شادی کا مطلب ہے خوشی اور خوشی اس وقت مکمل ہوتی ہے جب دونوں فریقین خوش اور مطمئن ہوں۔ وہ ادھوری خوشی ادھورے ساتھی کے ساتھ زندگی کا سفر کرنا نہیں چاہتا تھا۔

جذبوں نے سرکشی سے سر اٹھایا اور زبردستی آمنہ پر اپنا حق جتایا مگر واصف بہت متحمل مزاج ضبط برداشت والا نوجوان تھا اور وہ اس بات پر یقین رکھتا تھا کہ وہ خوشی کیا جو دوسروں کو دکھ دے کر حاصل کی جائے۔

وہ خود کو اس قدر اکیلا اور تنہا نڈھال محسوس کر رہا تھا جیسے صدیوں سے وہ چل رہا ہو۔ بے مقصد کسی گمشدہ منزل کی تلاش میں۔

"سکینہ ! لگتا ہے تم ایسے باز نہیں آؤ گی۔" اس دستک پر بھی وہ سکینہ ہی کو سمجھی تھی کیونکہ واصف پہلی بار اس کے دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ اب بدقسمتی سے اس کی دستک آمنہ کی دھڑکن سے تو نہیں بندھی تھی کہ وہ جھٹ پہچان لیتی کہ بار بار دستک دینے والا واصف ہے سکینہ نہیں۔ اس نے غصے سے دروازہ کھولا تو سامنے واصف تھا۔

"اوہ آپ !"

وہ اس وقت واصف کے آنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ وہ نجانے کب سے رو رہی تھی۔ اپنے حسین روپ کے ساتھ واصف کے دل میں اُتری جا رہی تھی۔ شدت کرب سے واصف نے آنکھیں بند کر کے اس کے روپ کو نظروں میں جذب کر لیا۔ بہت ہمت کر کے وہ آگے بڑھا۔ وہ اس پر ظاہر کر کے شرمندگی کا سایہ بھی اس کے چہرے پر دیکھنا نہیں چاہتا تھا کہ اس نے سب کچھ سن لیا ہے۔

"ہاں آمنہ ! میں تمہیں بتانے آیا تھا کہ "

"یہی کہ آپ کے اور میرے نکاح کی ڈیٹ رکھ دی گئی ہے اور پورے گھر میں جشن کا سا سماں ہے۔ لیکن ایک بات بتا دوں واصف ! آپ کو کہ کاغذی پھول صرف آرائش کے لئے ہوتے ہیں۔ ان میں زندگی نہیں ہوتی اور نہ ہی خوشبو کہ فقط خوبصورت بنا کر ماحول کو مہکا سکیں۔ اور میں بھی آپ کی زندگی کے گلدان میں ایک ایسا ہی کاغذی پھول بنا کر سجا دی جاؤں گی اور......"

وہ پھٹ پڑی اور دل میں واصف کے لئے نرم گوشہ اور بہت زیادہ عزت رکھنے کے باوجود کچھ دیر کے لئے تلخ اور خودغرض ہو گئی کہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ واصف اسے کتنا چاہتا ہے۔ بے لحاظی سے اس کے زخموں پر نمک پاشی کرتی رہی۔

واصف نے ماتھے پر آئے پسینے کو صاف کیا اور اسے دیکھنے لگا۔ آمنہ کی عجیب حالت تھی۔ غصہ شرمندگی لحاظ اپنی بے زبانی کا احساس نجانے کون کون سے احساس اس کی خوبصورت شخصیت کا احاطہ کئے ہوئے تھے۔ وہ واصف سے نظریں نہیں ملا پا رہی تھی۔ وہ چاہتے ہوئے بھی کبھی واصف سے اپنی بدتمیزی کا تصور نہیں کر سکتی تھی مگر آج سرزد ہو گئی تو عجیب احساس سے من گھبرا اٹھا۔ وہ گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔ واصف کتنی ہی دیر اس لڑکی کو دیکھتا رہا جس کی چاہت اس کے ساتھ پل کر جوان ہوئی تھی۔ کتنے ارمان تھے کہ وہ بھی اسے چاہے۔ وہ اسے دیکھے تو شرما جائے۔ دھنک کے رنگ اس کو دیکھتے ہی آمنہ کے چہرے پر اُتر آئیں۔ وہ ہاتھ پکڑنا چاہے تو پیار سے خفا ہو جائے۔ وہ اسے منائے مگر روٹھنے منانے کے ارمان تو اس کے دفن ہو گئے تھے۔ اور اب وہ فیصلہ کر چکا تھا آمنہ کو اپنی محبت کی قید سے آزاد کر دے گا کیونکہ وہ محبت میں زبردستی کا قائل نہیں تھا۔

"آمنہ ! پلیز ! تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میں کتنا حقیقت پسند ہوں۔ پھر تم نے کیسے کہہ دیا کہ میں اپنی زندگی کے خالی گلدان میں کاغذ کا پھول سجاؤں گا۔ اتنا کمزور نہیں ہوں میں۔ میں اپنی زندگی کے گلدان کو خالی تو پسند کروں گا مگر کاغذی پھول نہیں سجاؤں گا۔ تم بس مجھے یہ بتا دو کہ تم کیا چاہتی ہو۔ زبردستی میں قطعی پسند نہیں

اور تمہارے ساتھ کوئی زبردستی نہیں ہونے دوں گا۔ مجھے بتاؤ اگر میں نہیں تو پھر کون ہے تمہاری زندگی میں۔ اگر تم یہ بھی نہیں بتانا چاہتیں تو کوئی حرج نہیں۔ میں سب کو منع کر دوں گا اور اس طرح کہ تم پر کوئی الزام نہیں آئے گا۔"

وہ اس کے سامنے کھڑا پوچھ رہا تھا فیصلے کے سارے اختیار اسے دے رہا تھا تو وہ ہمت ہارنے لگی۔ کچھ بھی ہو وہ اسے چاہتا تھا اس کے سامنے وہ حسن کا نام کس طرح لے سکتی تھی۔

"بس ..... بس .....! آپ فی الحال اس نکاح کو روک دیں۔"

وہ جو بہت کچھ کہنا چاہتی تھی صرف یہی کہہ پائی۔ حسن کا نام بھی نہ لے سکی۔

"فی الحال کیوں ؟ میں ہمیشہ کے لئے اس نکاح کو روک دوں گا۔ خود انکار کر کے۔ ڈونٹ وری۔"

واصف کے گمبھیر لہجے میں تمنائیں سسک پڑیں۔

"تھینکس واصف ! آپ ..... آپ بہت اچھے ہیں۔"

آمنہ الجھ کے رہ گئی۔ واصف کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہے۔ ایک طرح سے تو واصف نے کہانی ختم کر دی تھی اور اسے واصف پر اندھا اعتماد تھا کہ وہ یقیناً ایسا کچھ کرے گا کہ آمنہ پر الزام بھی نہیں آئے گا اور یہ رشتہ بھی ختم ہو جائے گا۔ کیا تھا جو اس کے اندر ہو رہا تھا۔ واصف کو دکھ دینے کا جوش یا حسن کو پا لینے کی خوشی۔ وہ پریشان ہو گئی۔ اس کی بات پر ایک زخمی سی مسکراہٹ آ گئی۔

"ڈیئر آمنہ ! مجھے اپنی بھلائی کا سرٹیفکیٹ نہیں چاہئے۔ رشتے آسمانوں پر بنتے ہیں۔ شاید ہمارا جوڑ نہیں لکھا تھا۔ یہ سب آج ہوا ہے۔ نکاح کی ڈیٹ رکھی گئی ہے۔ ہم ایسی باتیں کرنے کی بجائے ایک دوسرے کو چھیڑتے ہوتے اور مارتے ہوتے۔ خیر اب جبکہ ایسا نہیں تو میں تم سے ایک درخواست کروں گا۔ اگر مناسب سمجھو تو !"

واصف نجانے کیا کہتا رہا۔ وہ ممنون نظروں سے اس اچھے انسان کو دیکھنے لگی۔

"آپ کہیں تو !"

"ہم دونوں کے درمیان نیا رشتہ نہ سہی پرانا تو ہے۔ میرا مطلب ہے ہم کزن بھی ہیں اور آج ایک نیا رشتہ استوار ہوا ہے دوستی کا۔ ٹھیک ہے ناں۔ تو ان باقی دو رشتوں کی خاطر تم میرے ساتھ چلو وہاں سب ہمارا انتظار کر رہے ہیں گو کہ میں بناوٹ کا قائل نہیں مگر بعض اوقات ہمیں ماحول کو خراب نہ ہونے سے بچانے کے لئے جھوٹ اور بناوٹ کو اپنانا چاہئے۔ سارے کزنز ہمیں ایک ساتھ دیکھنا چاہتے ہیں اگر تم مناسب سمجھو تو۔"

آمنہ اسے دیکھنے لگی جس نے اس کی خوشی کی خاطر اپنی خوشیاں اور محبت قربان کر دی تھی تو کیا اس کے لئے وہ اتنا نہیں کر سکتی کہ اس کی عزت رہ جائے۔

"چلئے !"

وہ فوراً ہی اس کے برابر آ کر کھڑی ہو گئی تو ایک خوبصورت سا خیال کرب بن کر دل میں تڑپا۔ کاش یہ لمحے امر ہو جاتے مگر ایسا کب ہوا تھا جواب ملتا۔

"کیا مطلب ہے ایسے ؟ ارے ایسا چہرہ لے کر جاؤ گی تو کہانی بن کے لوگوں کی زبان پر آ جائے گی۔

میں انتظار کرتا ہوں تم ذرا فریش ہو کر آ جاؤ۔ ذرا شوخ سے رنگ کا لباس پہن لو اور ذرا میک اپ بھی کر لینا۔ اب تو مجھ سے کوئی خطرہ نہیں ناں.....!" واصف نے مدھم سی آواز میں کہا۔

"مجھے آپ سے خطرہ کبھی نہیں رہا۔ خیر آپ ذرا انتظار کریں میں ابھی آئی۔" اور کچھ دیر بعد ہی سب اس موقع کی مناسبت سے وہ گہرے رنگ کے باس اور میک اپ میں باہر آئی تو واصف دل تھام کر رہ گیا۔ کیا ستم تھا کہ وہ اپنے ہاتھوں سب کچھ گنوا بیٹھا تھا مگر یہ دکھ اس خوشی سے کہیں زیادہ اچھا تھا جو اسے آمنہ کی طرف سے بھیک کی صورت ملتی اور ساری زندگی دونوں گھٹی گھٹی زندگی بسر کرتے رہتے۔

"چلیں.....!" واصف نے ایک زخمی سی نظر آمنہ پر ڈالی اور دونوں جب ساتھ ساتھ چلتے آئے تو آمنہ کو خوشگوار انداز میں واصف کے ساتھ دیکھ کر عارف کو بے حد خوشی ہوئی۔

"گوری کے سر پہ سج کر سہرے کے پھول کھلیں گے تم ملے پیار ملا ہے۔"

عارف شوخی سے دونوں کو ساتھ دیکھ کر گنگنایا۔

● ● ●

شہباز اس وقت لان میں بیٹھا موسم میں گم تھا۔ آسمان گہرے بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ لگتا تھا ابھی زوردار بارش ہوگی۔ اس موسم کے حسین آئینے میں لیلیٰ کی حسین شبیہ ابھری تو وہ زیر لب دھیرے سے پکار اٹھا۔

"لیلیٰ.....!" وہ بہت آہستگی سے گویا ہوا تھا مگر شاید لیلیٰ کی سماعتیں بہت حساس تھیں۔ اس نے صاف سن لیا۔ ایک ہلکی سی سرگوشی نے قریب کھڑی لیلیٰ کے دل پر جیسے دستک دی وہ اپنے آپ میں سمٹ سی گئی۔ اسی وقت راحیل جو دو قدم کے فاصلے پر کھڑا شہباز کے چہرے پر ابھرتے تاثرات دیکھ رہا تھا، آگے بڑھا اور اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ تو وہ ایک دم چونک کر کھڑا ہو گیا اور جیسے وہ چشم تصور میں دیکھ رہا تھا۔ اسے اپنے سامنے اپنے قریب دیکھ کر جو چہرے پر رنگ اترے ان کے عکس میں لیلیٰ مسکرا رہی تھی راحیل مسکرا دیا۔

"ارے آپ.....! تم.....! یہاں یوں اچانک.....؟" وہ بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔

"میں..... تم..... یا آپ..... اور ہمیں یوں اچانک دیکھ کر تم اتنے حیران کیوں ہو.....؟"

راحیل نے شوخی سے اسے اور لیلیٰ کو دیکھا وہ ذرا سا ہٹ کر کھڑی دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

"ہاں..... او تم..... آپ اور یہ..... اور یہ تو آپ ہی ہیں..... اور حیرت اس لئے کہ تمہارا نزول ہونا کوئی خاص بات نہیں مگر ان کا....."

شہباز کے اندر اس اچانک رونما ہو جانے والی ملاقات کی رنگین روشنی سی اتر رہی تھی۔

"بتاؤ بھئی..... ! ہم یہاں نازل کیوں ہوئے ہیں.....؟ ورنہ یہ خشک اور سرد بندہ نہ تو بیٹھنے کو کہے گا اور نہ ہی کوئی چائے پانی کا پوچھے گا۔"

راحیل نے شہباز کو دیکھتے ہوئے لیلیٰ سے کہا تو اس نے آہستگی سے سنہری کارڈ شہباز کی طرف بڑھایا۔

یک لخت شہباز کو یوں لگا جیسے سب کچھ گھوم گیا ہو۔ وہ اسے لیلیٰ کی شادی کا کارڈ سمجھا۔

"یہ..... یہ کارڈ.....؟" اس کے انداز و آواز میں جانے کیا تھا کہ راحیل کا شک یقین میں بدل گیا۔ اس نے لیلیٰ کے ہاتھ سے کارڈ لے کر خود شہباز کی طرف بڑھایا۔

"یہ شادی کا کارڈ نہیں ہے..... مروت بلکہ....."

راحیل نے کچھ اس انداز میں کہا کہ شہباز اطمینان کا گہرا سانس لے کر اسے دیکھنے لگا۔

"جیسا کہ تمہیں معلوم ہے کہ لیلیٰ وقار رحمانی کے ساتھ سیریل کر رہی ہے اور اب اس سیریل کا پریس شو ہو رہا ہے اور یہ کارڈ اسی شو کا ہے۔ ارے بھئی.....! تم بھی کچھ بولو گی کہ میں ہی اپنی زبان گھساتا رہوں۔" بولتے بولتے راحیل نے لیلیٰ کو دیکھا تو وہ مسکرانے لگی۔

"آپ تو نان اسٹاپ بولے جا رہے ہیں راحیل بھائی کسی اور کو موقع تو دیں۔"

"دے دیا بولو۔ دیکھو اُلو کتنا معصوم لگ رہا ہے۔ آنکھیں پٹ پٹا کر کبھی تمہیں اور کبھی مجھے دیکھ رہا ہے۔"

راحیل بہت شوخ ہو رہا تھا۔

"وہ شہباز صاحب.....! بات یہ ہے کہ....."

"ہاں ہاں کہو.....! کہو ناں کہ آپ اس بزم میں شرکت ضرور فرمایئے گا ورنہ محفل پھیکی رہے گی۔ یہی کہنا چاہتی تھی ناں تم۔" اس کا جملہ راحیل نے شوخی میں پورا کیا تو لیلیٰ اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"ہرگز نہیں.....! میں یہ کہنے والی تھی کہ دعوت تو میں نے کر دی ہے اگر آپ کو فرصت ہو تو آ جایئے گا۔"

لیلیٰ نے بے نیازانہ انداز میں کہا۔ ایک لمحے کے لئے شہباز اپنی اتنی ناقدری پر سن سا ہو گیا۔

"آپ شاید نہیں جانتیں ایک تو مجھے شوبز سے کوئی دلچسپی نہیں اور نہ ہی فرصت کہ اس قسم کے فضول پروگراموں میں شرکت کرتا پھروں۔ معذرت کہ آپ کارڈ دے کر آئیں لیکن میں نہیں آ سکوں گا۔" وہ بھی اترا گیا دل تو ہو رہا تھا کہ بے اختیار کہہ دے... یہ محبت بھی کوئی چیز ہے۔ راحیل دونوں کو بغور دیکھ رہا تھا تو اسے لیلیٰ کی بات اچھی نہیں لگی تھی اور نہ ہی شہباز کی بات بھائی تھی مگر یہ ضرور ہوا تھا اسے اندازہ ہو گیا تھا محبت کی ایک نئی کہانی شروع ہو چکی ہے اور وہ بھی دونوں طرف دونوں کا انداز ہی چور تھا۔

"کارڈ یہ نہیں میں لے کر آیا ہوں اور میری دعوت پر تو تم اپنی شادی بھی چھوڑ کر آ سکتے ہو۔ کیوں سچ کہہ رہا ہوں ناں۔" راحیل نے دونوں کو دیکھتے ہوئے تنبیہی انداز میں ہاتھ اٹھائے۔

"یار.....! کسی کی کمزوری سے فائدہ اٹھانا اچھی خاصی کمینگی ہوتی ہے۔" شہباز نے شکایتی نظروں سے راحیل کو گھورا تو وہ بے نیازی سے شانے اچکا کر بولا۔

"تو.....؟" راحیل کا انداز ایسا تھا جیسے کہہ رہا ہو۔ ہوتی ہے تو ہو تمہیں تو آنا ہے۔

"تو یہ کہ آنا پڑے گا تیرے جیسا کمینہ دوست جو ٹھہرا۔"

"ہوں.....! یہ ہوئی ناں دوستی۔ اب چلو اندر اور اچھی سی چائے پلواؤ اپنی مہمان کو میری تو خیر ہے۔"

راحیل سب کچھ سمجھ چکا تھا اور اب شہباز کو مزید پرکھنا چاہتا تھا وہ اندر کی طرف بڑھا۔

"نہیں راحیل بھائی.....! آپ کو معلوم ہے کہ مجھے کتنے کام ہیں۔ آپ کے اصرار پر آ گئی تھی۔" لیلیٰ جانے شہباز کو کیا جتانا چاہ رہی تھی۔

"چلئے مان لیا کہ آپ راحیل کے اصرار پر آئی ہیں مگر ہمیں بھی میزبانی کے فرائض ادا کرنے دیں۔"

"نو تھینکس.....! ہم اب چلیں گے۔" لیلیٰ ٹھہرنے کو تیار نہ تھی۔

"اوکے...... جیسے آپ کی مرضی۔" شہباز نے شانے اُچکا کر اس کے جانے کو غیر اہم قرار دے دیا تو راحیل دونوں کو دیکھتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

"اللہ تم دونوں پر رحم کرے۔ چلو.....!" راحیل مسکرا کر لیلیٰ کے ہمراہ باہر نکل گیا۔

● ● ●

"مما......! دیکھئے تو کون آیا ہے۔ بھیا آپ......! آپ آ گئے۔ کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہی۔ مما......! باہر تو آیئے۔" لیلیٰ وقار ختانی کے پاس جانے کو نکل رہی تھی کہ سامنے سے آتے خرم کو دیکھ کر وہ دیوانہ وار اس کی طرف بھاگی جو ٹیکسی سے سامان اُتار کر اندر کی طرف آ رہا تھا۔ خرم زبیر صاحب کا بڑا بیٹا تھا جو تعلیم کی غرض سے یو۔کے گیا ہوا تھا۔ اب تعلیم ختم کر کے آ رہا تھا۔

"خرم......! میرا بیٹا......! میرا چاند......!" لیلیٰ کا شور فاطمہ بیگم کو بھی باہر لے آیا۔ اب وہ خرم کو پیار کر رہی تھیں۔ لیلیٰ الگ لپٹی ہوئی تھی۔

"کیسی ہیں مما آپ...... طبیعت کیسی ہے آپ کی......؟" خرم ماں کو ساتھ لگائے اندر لے آیا تو سامنے زبیر صاحب بانہیں پھیلائے کھڑے تھے۔

"السلام علیکم پپا......!"

"جیتے رہو......! بیٹا...... اچھے رہو......! آنا تو تمہیں تھا ہی مگر یہ سرپرائز ہے۔"

"ارے پپا...... اتنا تو یہ جنگلی بلی یاں تو بچ ذاتی ہاں نے مجھے کارڈ بھی بھیجا تھا اور آپ لوگوں سے چوری روز فون کرتی تھی کہ آپ میری سیریل کے پریس شو پر ضرور آیئے۔" لیلیٰ کو ساتھ لگائے اس کا ہاتھ پکڑے پیار سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اچھا تو یہ چکر تھا۔ بہن بھائی میں اور ہمیں ہوا تک لگنے نہیں دی۔ خیر بہت اچھا کیا جو آ گئے ورنہ یہ لڑکی ہنگامہ کر دیتی۔" زبیر صاحب نے پیار سے بیٹی اور بیٹے کو دیکھا۔

"کیسے نہ آتا پپا...... میری پیاری سی گڑیا کی زندگی کی پہلی خوشی تھی۔" خرم نے پیار سے لیلیٰ کو ساتھ لگایا تو فاطمہ اسے خشمگیں نگاہوں سے دیکھنے لگیں۔

"چھوڑو بیٹے...... اسے نجانے کیا شوق چرایا ہے اداکاری کا۔ حالانکہ میں چاہتی تھی کہ وہ ڈاکٹر بنتی۔ یہ کتنی خواہش تھی میری۔ میں تو بالکل بھی خوش نہیں ہوں۔" فاطمہ نے برملا اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کر دیا تو لیلیٰ بسورنے لگی۔

"دیکھا بھائی......! مما میرا دل ایسے خراب کرتی رہتی ہیں اور سب لوگ میری اتنی تعریف کرتے ہیں۔ معلوم ہے آپ کو کر لڑکیاں کتنی کوشش کرتی ہیں تب بھی ان کا سلیکشن نہیں ہوتا اور میں تو......"

"کم آن لیلیٰ...... اور مما بھی اپنی جگہ درست ہیں۔ ان کی خواہش پوری نہیں ہوئی وہ ہرٹ ہوئی ہیں۔ تم بتاؤ سیریل میں تمہارا کردار ہے کیا......؟ کہیں اس ملازمہ کا تو نہیں جس کی اس روز چھٹی ہوتی ہے۔" خرم نے اس کی بات کاٹ کر اسے چھیڑا۔

"جی نہیں...... میں ہیروئن ہوں۔" وہ اترائی۔

"اچھا...... تو حیرت ہے ملنا پڑے گا۔ اس ڈائریکٹر سے جس نے تمہیں ہیروئن بنایا۔"

"ارے بھئی...... تم تو ہماری پیاری بیٹی کو بڑا ہی ستار ہے ہو ہماری بیٹی سیریل کی ہیروئن ہے اور بہت اچھی اداکاری کر رہی ہے۔" زبیر صاحب نے اس کی طرفداری کی تو وہ خوش ہو گئی۔

"اچھا...... اچھا دیکھیں گے۔" خرم نے اس کی پونی کھینچی۔

"دیکھ لیجئے گا۔ سپرہٹ ہو گی میری پہلی سیریل انشاء اللہ اور پھر لائن لگ جائے گی کام کی۔"

"ہرگز نہیں...... اس کے بعد تم کوئی ڈرامہ کوئی سیریل نہیں کرو گی۔ اس کے بعد تم سنجیدگی سے اپنی تعلیم مکمل کرو گی۔ نہیں کرو گی تو تمہاری شادی کر دوں گی۔ بس۔"

فاطمہ نے اپنا فیصلہ قطعی انداز میں سنایا اور اُٹھ کر کچن کی طرف چلی گئیں اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتی خرم نے اپنا بیگ کھول کر اسے تحائف میں مصروف کر دیا تھا۔

● ● ●

خرم کے آ جانے سے گھر میں بہار سی آ گئی تھی۔ لیلیٰ بہت خوش تھی۔ اس روز خرم اور لیلیٰ راحیل سے ملنے آئے تو شہباز سے جو پہلے سے موجود تھا ملاقات ہو گئی۔

"اب تو واپسی کا ارادہ نہیں۔" راحیل پوچھ رہا تھا۔

"نہیں یار...... اللہ نہ کرے کہ پھر جانا پڑے وہ تو مجبوری تھی پڑھنے کے لئے جانا تھا۔ ورنہ جو اپنائیت جو سکون اپنے وطن میں ہے وہ باہر کہاں۔ دوسرے درجے کے شہری بن کر بجانے کون لوگ زندگی گزار دیتے ہیں۔ ہر لمحہ ہر سانس پر خوف کی تلوار لٹکی رہتی ہے کہ کوئی سوال ہی نہ ہو جائے۔ کہیں یہ نہ ہو جائے ویسا نہ ہو جائے۔ یہاں تو وطن کی مٹی ہے۔ سب کچھ اپنا اور مرضی بھی اپنی ویسے جاب کی آفر ہے مجھے مگر جاؤں گا نہیں۔"

"خرم آپ کی سوچ خاصی متاثر کن ہے مگر کسی طور پر بھی ایسا ہی ہونا چاہئے۔" شہباز جو خود خرم کی سوچ کا تھا خاموش بیٹھا اس کی باتیں سنتا رہا پھر چائے کا کپ ایک طرف رکھ کر بولا تو خرم مسکرانے لگا۔

"مجھے قول و فعل کا تضاد قطعی پسند نہیں۔" خرم مضبوط لہجے میں بولا۔

"اس کا مطلب ہے کہ اس طرح آپ سے دوستی ہو سکتی ہے۔"

شہباز کھڑا ہو گیا اور خرم کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ وہ بھی گرمجوشی سے ہاتھ ملاتا کھڑا ہو گیا۔

"شہباز بالکل درست کہہ رہا ہے خرم...... یہ بھی تمہاری ہی سوچ کی نسل سے تعلق رکھتا ہے۔"

"تو پھر دوستی پکی۔" دونوں گرمجوشی سے بغلگیر ہو گئے۔ راحیل ایک طرف کھڑا مسکرا کر ان کو دیکھ رہا تھا۔

"چلو مبارک ہو...... دوستی تو پکی ہو گئی اب۔" راحیل نے قدرے تیز انداز میں شہباز کا شانہ دبایا تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا تو وہ مسکرانے لگا۔

"اوکے پھر خرم...... راحیل کے ساتھ لگانا چکر۔" شہباز خوش تھا خرم سے ملاقات کر کے یہ کہہ کر وہ واپسی کے لئے تیار ہو گیا۔

● ● ●

"بیگم صاحبہ...... وہ حمیدہ آئی ہے۔ آپ سے ملنا چاہتی ہے۔" عبدل کی اطلاع پر فاطمہ کے ماتھے پر

تیوریاں آ گئیں۔ اس وقت وہ اپنے بیٹے کے ساتھ بیٹھی تھیں اور کسی سے ملنا نہیں چاہتی تھیں، ورنہ حمیدہ سے یوں بھی ان کو چڑ سی ہو گئی تھی۔

"کہہ دو اسے پھر آ جائے۔ ایک تو اس کے مسائل ختم ہونے کو آتے ہی نہیں۔ زیور نے تی مدد کی ہے اور لوگوں سے بھی کہہ سن کر دو بیٹیوں کی شادیاں کرا دیں، اب بھی... کہہ دو پھر آئے۔"

"وہ بہت دُور سے آتی ہے بیگم صاحبہ... اور کرایہ بھی بہت لگتا ہے۔ میرا ماموں وہیں ہوتا ہے۔ میں کئی بار وہاں جا چکا ہوں۔" "ایک بھوکا ہی بھوکے کی بھوک کو سمجھ سکتا ہے۔ اسی طرح عبدل بھی اپنی کلاس سے تعلق رکھتی حمیدہ کی مجبوری کو سمجھتے ہوئے اس کی حمایت کر بیٹھا تو فاطمہ بیگم غصے میں آ گئیں۔

"تم اپنی ہمدردی اپنے پاس رکھو۔ اس وقت میرا موڈ نہیں۔ تمہیں معلوم ہے کہ خرم کتنے عرصے کے بعد گھر آیا ہے۔ میں ابھی نہیں مل سکتی۔"

"مما... یہ سب کیا ہے...؟ ابھی کچھ دیر پہلے تو آپ کہہ رہی تھیں کہ ہمیں اپنی مصروف زندگی میں سے کچھ وقت بے سہارا اور غریب لوگوں کے لئے نکالنا چاہئے۔"

خرم جو کافی دیر سے ماں کی باتیں سن رہا تھا بول پڑا تو وہ چڑ گئیں۔

"ہاں ٹھیک ہے بیٹا... مگر ہماری اپنی بھی کوئی زندگی ہے۔ یہ لوگ تو نہ وقت دیکھتے ہیں اور موقع محل بس منہ اٹھا کر چلے آتے ہیں۔"

"مما... پلیز آپ تو ایسی باتیں نہ کریں۔ آپ تو اس آرگنائزیشن کی صدر ہیں جس میں غریب بے سہارا لوگوں کی مدد کی جاتی ہے۔ آپ اور پاپا تو بڑھ چڑھ کر [illegible] تھی۔" قول و فعل میں تضاد کو ناپسند کرنے والا خرم اُلجھ سا گیا۔

"کم آن بیٹا... ہمارے سارے کام ویسے ہی ہیں مگر کچھ وقت تو ہمیں اپنے ساتھ گزارنے کا حق ہے ناں۔"

"سوری ٹو سے مما... میں جب سے آیا ہوں آپ لوگوں کو پہلے ہی جیسا دیکھ رہا ہوں یہ کس قسم کا سوشل ورک کر رہے ہیں آپ لوگ۔ جائیے پلیز... آپ اس خاتون کی بات سن لیجئے میں تو اب سیٹ ہوں پلیز۔" بیٹے کے کہنے پر چلی تو گئیں مگر اس وقت حمیدہ ان کو ایک آنکھ نہیں بھا رہی تھی۔

"السلام علیکم بیگم صاحبہ!" ان کو دیکھتے ہی حمیدہ اور اس کی بیٹی جسے اُٹھنے میں ذرا وقت ہوئی تھی، کھڑی ہو گئیں۔ فاطمہ نے ایک خائف سی نگاہ دونوں پر ڈالی۔

وعلیکم السلام... کہو حمیدہ... اب کیا مسئلہ ہے...؟" فاطمہ کے تیور بدلے دیکھ کر حمیدہ کی ہمت جواب دے گئی اب وہ بیٹی کی ذمہ داری کس طرح ان پر ڈال سکتی تھی۔

"جی... وہ بیگم صاحبہ! اللہ آپ کا بھلا کرے اور آپ کی نیکیوں کو قبول فرمائے۔ میں یہ کہنے آئی تھی کہ جہاں آپ نے مجھ بے سہارا پر اتنے احسانات کئے ہیں وہاں ایک احسان اور کر دیجئے۔ اس بدنصیب کے سر پر ہاتھ رکھ دیجئے تو میں سکون سے مر تو سکوں گی۔"

حمیدہ نے گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے اپنی بیٹی مومنہ کو دیکھا جو ماں کو بھیگی نظروں سے دیکھ رہی تھی

[illegible] رہی تھی کہ ایک غریب انسان کی کیا زندگی کہ نہ تو علاج کر سکتا ہے نہ اپنی مرضی سے جی سکتا ہے اور نہ مر [illegible]

"دیکھو حمیدہ! میں جانتی ہوں کہ تمہاری حالت ٹھیک نہیں مگر تم یہ بتاؤ میں اس جیسی جوان لڑکی کو کس طرح رکھ سکتی ہوں۔ کسی اور جگہ کے ہاں چھوڑ دو آخر بڑی بیگمیں ہیں اس کا خیال رکھیں گی۔ میں بھی [illegible] کر کے اس کا کسی اچھی جگہ رشتہ کرا دوں گی۔" فاطمہ نے ایک خائف سی نظر مومنہ پر ڈالی۔ کافی خوبصورت معصوم سی تھی۔

"خدا آپ کے دونوں بچوں کو زندگی دے۔ ہمیشہ خوشیوں سے کھیلیں۔ بیوی بھی تو کتنی ہی بڑی کیوں [illegible] ماں وہ بیٹی کو چھوڑ سکتی ہے مگر بھوکی کے پاس نہیں۔ میں اپنی بیٹی کو بھی جانتی ہوں اور ماحول کو بھی۔ اس [illegible] میں اسے آپ کے پاس لے آئی ہوں تا کہ نہ اس کے کردار پر حرف آئے ورنہ میری دوسری [illegible] برباد ہوں۔ خدا کے لئے بیگم صاحبہ! خدا کے لئے اس بدنصیب کو اپنا سایہ دے دیجئے۔ یہ بی اے [illegible] ہے بیگم صاحبہ! مگر یہ معاشرہ غریبوں سے ہمدردی کے دعوے کرنے والے یہ اس کی قابلیت کو سراہتے [illegible] کوئی نوکری دیتے ہیں اور نہ ہی اس کو کسی طالبِ بیوی بنانا پسند کیا کیونکہ اس کے پاؤں میں پیدائشی نقص ہے تو [illegible] آپ ہی بتائیے بیگم صاحبہ! کہ ان لوگوں کو اس بات کی سزا کیوں دی جاتی ہے جس میں ان کا قصور ہی نہیں [illegible] سب اللہ جانتا ہے بیگم صاحبہ! اور وہ بہتر جانے والا کرنے والا ہے۔ آپ اس کو اپنی ہمدردی اور شفقت [illegible]

حمیدہ [illegible] کی حالت بہت بگڑ رہی تھی۔ فاطمہ پریشان ہو رہی تھیں۔ کیونکہ حمیدہ خود تو بہت بیمار تھی اور بیٹی کی ذمہ داری ان پر ڈال رہی تھی۔

"حمیدہ! دیکھو تم سمجھ نہیں رہی ہو جوان لڑکی کی ذمہ داری بہت بڑی ہوتی ہے۔ تم"

"خدا کے لئے! خدا کے لئے بیگم صاحبہ... میں آپ کے پاؤں پڑتی ہوں۔ اس بدنصیب کو سہارا دے دیجئے۔ میری اس غربت اور بیوگی نے ہمیشہ مجھے لوگوں کے سامنے دامن پھیلائے رکھنے پر مجبور کیا ہے تو جو شرافت میں نے آپ لوگوں میں دیکھی ہے وہ کہیں نہیں۔ خدا کے لئے اسے گھر کی ملازمہ بنا کر رکھ [illegible] اللہ نے میری بیٹی کو بہت سی خوبیوں سے نوازا ہے۔ مگر بیگم صاحبہ ہزاروں خوبیوں کے پیچھے چھپی ایک چھوٹی سی خامی اس کی سزا بنا دی گئی ہے بیگم صاحبہ! اسے خادم بنا کر رکھئے مگر اپنے پاس رکھئے۔ اللہ لاشریک ہی آپ کو... جزا دے گا... میں... میں..." حمیدہ کی اُکھڑی سانسیں رُک رُک کر آنے لگیں۔

"اماں... اماں جان! جان کیا ہو رہا ہے آپ کو...؟ اماں جان... آنکھیں کھولیں... اماں!" مومنہ فرش پر تڑپتی ماں کو سنبھالنے لگی۔ فاطمہ بری طرح گھبرا گئیں۔

"عبدل... عبدل! جلدی کرو۔ صفدر سے کہو گاڑی نکالے۔ حمیدہ کو ہسپتال لے کر جانا ہے۔ حمیدہ! حمیدہ! حوصلہ کرو... اُف میرے خدا... عبدل! صفدر!" فاطمہ روتی بلکتی مومنہ کو ساتھ لئے حمیدہ کو ہاسپٹل لے گئیں مگر مومنہ کی گود میں حمیدہ آخری بار کلمہ پڑھ گئی تھی اس کی گردن ڈھلک گئی تو وہ بے ہوش ہو گئی۔

رکھ تھا البتہ شہباز نے فون پٹخ دیا۔

"ہونہہ ... وقار عثمانی ... زہر لگتا ہے یہ شخص مجھے۔" رقابت کی تلخی شہباز کو اندر تک کڑوا کر گئی۔ وہ غصے سے میز پر مکا مار کر کھڑا ہو گیا۔

"ہونہہ ! عشق کا سفر شروع نہیں ہوا، کہ رکاوٹیں آنے لگیں۔ نجانے کیوں اس لڑکی کو ایکٹنگ کا [شوق] ہے۔ کاش ! کاش لیلیٰ ! تم اس فیلڈ میں نہ جاتیں کاش۔" شہباز کو شوبز سے کوئی لگاؤ نہیں تھا بلکہ کسی حد تک ناپسند کرتا تھا۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ زندگی کی شاہراہ پر چلتے چلتے یوں دل لیلیٰ کی آنکھوں میں ڈوب جائے گا اور شدت سے اس کا تمنائی ہو جائے گا کہ اس کے بغیر زندگی بے کار ہو جائے گی مگر وہ پسند اس سوچ کے دوسرے کنارے پر تھی۔ وہ اُلجھ سا گیا۔ اسی الجھن میں اس نے اس کے پریس شو میں جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ مگر اسی عرصے میں خرم سے کچھ ایسی ذہنی ہم آہنگی ہوئی کہ شو والے روز خرم اور راحیل زبردستی لے گئے۔

"ہائیں!..... تم شو پر نہیں چل رہے ہو۔ عجیب ..." راحیل کا انداز بے حد شوخ تھا۔

"نہیں ! تم جانتے ہو مجھے ان سب چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں بلکہ کسی حد تک چڑ ہے۔" لیلیٰ کی وجہ سے وہ سوجان سے جانا چاہتا تھا مگر وقار عثمانی اس کے دل کا کانٹا بن گیا تھا۔ وہ اپنے علاوہ کسی کو لیلیٰ کی طرف متوجہ نہیں دیکھ سکتا تھا وہ بھی اتنے والہانہ انداز میں۔

"آئی نو ڈیئر ... ! پھر بھی تمہیں چلنا چاہیے۔ ورنہ کسی کی خاطر نہیں اپنے دل بیقرار کی خاطر۔" خرم [illegible] بچا کر راحیل نے آہستگی سے کہا تو شہباز کچھ نہ سمجھتے ہوئے [illegible]

"کم آن یار !! ایسے موقعے قسمت سے ملتے ہیں۔ اچھا ہے ناں لیلیٰ کی وجہ سے ہم اپنے سپر اسٹار کو بھی قریب سے دیکھ لیں گے۔ اسکرین پر تو دیکھتے ہیں اب اصل میں بھی لیں گے۔ چلو اٹھو تیار ہو جاؤ ورنہ اس کا پتا ہے ناں۔"

اور یوں نہ چاہتے ہوئے بھی اس شو میں شرکت کرنا پڑی۔ فنکشن شہر کے فائیو اسٹار ہوٹل میں تھا۔ مہمانوں کی ایک بڑی تعداد انوائیٹڈ تھی۔ لیلیٰ روایتی ہیروئنوں کی طرح فل بلیک میکسی اور کھلے بالوں میں حسین لگ رہی تھی۔ اس نے شہباز، راحیل اور خرم کو آتے دیکھا تو ان کی طرف آنے لگی مگر اس وقت وقار نے اس کا ہاتھ بے تکلفی سے پکڑا اور دوسری طرف لے گیا اور شہباز غصے میں راحیل کا ہاتھ زور سے دبا کر رہ گیا۔ وہ اسے ذومعنی انداز میں دیکھ کر مسکرایا تو شہباز نے اس وقت اسے سب کچھ بتانے کا فیصلہ کر لیا کیونکہ اب وہ اکیلے یہ سب برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اپنی کیفیت اس سے شیئر کرنا چاہتا تھا۔ آس پاس اسٹیج پر کیا ہو رہا تھا اسے اس میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس کی نظریں صرف وقار پر تھیں جو لیلیٰ کا ہاتھ پکڑے سب سے مل رہا تھا پھر بڑی سی اسکرین پر سیریل کے کلپس دکھائے جا رہے تھے۔

"نادیہ ... ! تم نے کبھی اپنی آنکھوں کو دیکھا ہے۔ کس قدر خوبصورت ہیں کسی سمندر کی طرح گہری کہ بندہ ایک بار ڈوب جائے۔ تو ... تم ... تم نادیہ ! تمہیں اندازہ ہی نہیں کہ تم کتنی حسین ہو اور میں تمہیں کس قدر چاہتا ہوں اور تم ہو کہ ..."

محبت کے یقین کے لئے اس کا اظہار ضروری نہیں ہوتا نادان ! محبت تو ایک لطیف احساس ہے جو خاموشی سے دوسرے کے دل میں اتر جاتا ہے۔"

لوگ رومینٹک سین میں سب کھوئے ہوئے تھے مگر شہباز کو اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوا۔ اس نے دونوں ہاتھ بھینچ لئے۔ وہ بھلا کہاں برداشت کر سکتا تھا کہ جسے وہ شدت سے چاہتا ہو وہ ڈرامے میں ہی سہی کسی اور کے قریب کھڑی اظہار محبت سن رہی ہو اور کر رہی ہو۔ اس کا جی چاہا اٹھ کر بھاگ جائے مگر یہ بھی اپنی انا کے خلاف تھا۔ جلن پر صبر کا مرہم رکھ کر بیٹھا رہا۔ راحیل کن انکھیوں سے اسے ہی دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ لیلیٰ کو کتنا چاہتا ہے۔ بامشکل پروگرام ختم ہوا۔ وقار عثمانی تمام وقت لیلیٰ کے ارد گرد رہے۔ جس کے شہباز کا برا حال تھا اور حیرت غصہ میں بدل رہی تھی کہ آخر اس کے باپ بھائی کو غصہ کیوں نہیں آ رہا

"خواتین و حضرات ! میں آپ سب کا مشکور ہوں کہ آپ لوگوں نے اس شو کو دلچسپ بنایا اور آج جو آپ لوگوں نے دیکھا یہ سیریل میں زیادہ تر نئے چہرے ہیں۔ خاص طور پر لیلیٰ میری آج تک کی متعارف کرائی گئی ہیروئنز میں سب سے زیادہ اچھی ایکٹرز اور پرفارمر اور حسین ہیروئن جسے حسن اللہ تعالیٰ نے اس قدر عطا کر رکھا ہے، وہاں اسے ٹیلنٹ بھی عطا کیا ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ یہ ایک عرصے تک اسکرین اور دلوں پر راج کریں گی۔ آپ سب کے تعاون کا شکریہ۔ اب آپ لوگ لیلیٰ سے کچھ باتیں کریں۔" بے تکلف انداز میں وقار نے لیلیٰ کو پکڑ کر اسٹیج کے سامنے کھڑا کیا اور جب تک وہ بولتی رہی ان ہی کی تعریف کرتی رہی اور [illegible] وہ سخت بور ہو رہا تھا۔ خدا خدا کر کے بقول وقار کے اس یادگار تقریب کا اختتام ہوا تو سب سے پہلے باہر آنے والوں میں وہی تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کی پشت پر اس کی منظور نظر کی نگاہ ہے۔ راحیل اور خرم کسی دوست کے پاس رک گئے۔ شہباز پارکنگ کی طرف

"سنئے ... !" اس آواز پر وہ پلٹا تو ایک جہاں کی نگاہوں کا مرکز لیلیٰ اس کی طرف آ رہی تھی۔ کچھ دیر کے لئے ایک لطیف سا احساس رگ و پے میں سرایت کر گیا مگر وہ خفا رہا۔

"جی فرمائیے ... !" وہ ویسے ہی خفگی دکھا رہا تھا جیسے بڑے مان والے تعلقات ہوں۔

"آپ کے آنے کا بہت شکریہ ... !" اس کے دھیمے لہجے میں ڈھلا یہ چھوٹا سا جملہ شہباز کو اندھیرے میں چمکتا ہوا جگنو لگا۔ کتنی انہونی سی بات ہو گئی تھی۔ وہ تو سمجھ رہا تھا کہ اسے پرواہ ہی نہیں اس کے آنے نہ آنے کی اور یہاں وہ سب کو چھوڑ کر اسے آنے کا شکریہ کہنے چلی آئی تھی۔ وہ آہستگی سے چلتا ہوا اس کے قریب آ گیا۔

"اور اگر میں نہ آتا تو ... ؟" اپنی اہمیت کا احساس ہونٹوں تک آ گیا تو اس کی بات کے جواب میں لیلیٰ نے ایک خاموش سی نظر اس پر ڈالی۔ یہ شخص اسے صرف اچھا نہیں بہت اچھا لگنے لگا تھا۔ وہ اس جذبے کو کوئی نام تو نہیں دے پائی تھی مگر اتنا ضرور تھا کہ وہ اتنا اہم تھا کہ اگر وہ نہ آتا تو اس کی محفل سونی اور بے رنگ رہتی اور اپنی اس اہمیت کو اس نے لفظوں میں پرو دیا۔

"اگر آپ نہ آتے تو میری یہ محفل بہت بور بہت سونی اور بے رنگ رہتی۔" لرزتی پلکوں کے ساتھ اس

نے اپنے دل میں اس کی اہمیت کو سادگی سے کہہ ڈالا تو شہباز کو لگا جیسے ہر طرف رنگ ہی رنگ بکھر گئے ہوں۔ اس کا جی چاہا جھوم جھوم جائے۔ خواہش کے اس سفر میں یہ اچانک آجانے والا موڑ کتنا خوبصورت تھا کہ اسے اپنی سماعتوں پر اعتبار نہیں ہو رہا تھا۔ وہ تو سمجھ رہا تھا کہ اسے نجانے کیا کچھ کرنا پڑے گا۔ اس کی توجہ حاصل کرنے کے لئے کتنا انتظار کرنا پڑے گا۔

"واقعی...؟" شہباز نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ پارکنگ کی ڈم لائٹس میں وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی کسی شاعر کے حسین تصور کی طرح۔

"اور نہیں تو کیا...؟"

"ارے لیلیٰ...! کم آن تم یہاں کیا کر رہی ہو......؟ میں تمہیں وہاں تلاش کر رہا تھا۔ کم آن...... میرا ایک بہت اچھا دوست تو ابھی آیا ہے۔ آؤ ملواؤں۔"

شہباز اور لیلیٰ ابھی جس احساس کے طلسم میں تھے وہاں سے وقار عثمانی نے آ کر باہر نکالا۔ وہ لیلیٰ [illegible] کہہ کر ان کے ساتھ چلی گئی اور شہباز کھول کر رہ گیا۔ اس نے اسی وقت فیصلہ کر لیا کہ لیلیٰ سے جلد ہی شادی کرے گا اور اس وقار عثمانی کا تو سایہ بھی اس پر نہیں پڑنے دے گا۔

"خبیث آدمی...!" اس نے کھول کر کہا۔ سامنے سے [illegible] کو آتا دیکھ کر وہ گاڑی میں بیٹھ کر کیسٹس دیکھنے لگا۔

◆◆◆

"خدایا...! زندگی کی راہوں کا یہ کون سا موڑ ہے جہاں سے کوئی راستہ میری منزل کی طرف نہیں جاتا۔ پھر... پھر میں کیوں سرپٹ بھاگ رہا ہوں......؟ اتنی تیزی سے کہ میری سانس بھی اکھڑنے لگی ہے۔ یہ وجاہت مجھے مار دے گا۔ یہ سب کیا ہو گیا...؟ وہ... وہ زینت کو میری زندگی سے چھین لے گا تو باقی کیا رہ جائے گا...؟"

"چھین لے گا... میں... سب... بتا بھی [illegible] زینت کو تمہارے حوالے کر دوں۔ میں چھین لوں گا زینت تم سے [illegible] ہر بار تمہارا مقدر رہی ہو۔ زینت میری محبت ہے پہلی اور آخری اور میں اسے حاصل کر کے رہوں گا کسی کی محبت پر۔ وجاہت...! میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں...! تعلق نہیں...؟"

یہ محبت کی طاقت تھی کہ ظفر جیسا نرم دل بندہ بھی مرنے مارنے پر تل گیا تھا۔ اس نے ایک فیصلہ کر لیا تھا اور مطمئن ہو گیا۔ مگر اس کی ہمتیں اس وقت پھر بھربھری ریت بن کر ڈھے گئی تھیں جب زینت کے نانا نانی کا رویہ اس سے انتہائی روکھا پھیکا ہو گیا۔

"[illegible] فائنل ہے۔ یہ طے ہوا تھا کہ آپ لوگ میرے گھر رہیں گے۔ میں نے تو اپنی والدہ سے کہہ دیا تھا اور وہ کئی بار پوچھ چکی ہیں۔ اب آپ لوگ میرے گھر رہیں گے۔ چلئے میں آپ لوگوں کو لینے آیا ہوں۔"

وہ بڑے مان بھرے انداز میں کہہ رہا تھا۔ نانا تو چپ رہے البتہ نانو نے خاصا برا منہ بنایا کیونکہ وجاہت ان کو شروع ہی سے پسند تھا اور جب سے ان لوگوں کو فرش سے عرش تک پہنچا دیا تھا وہ تو وجاہت کے علاوہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتی تھیں اور ظفر تو ان کو اپنی تمام نیکیوں کے باوجود بس ٹھیک ہی لگتا تھا۔

"نہیں بیٹا...... ہم کوئی خانہ بدوش تو ہیں نہیں کہ آئے دن خیمے اور جگہ بدلتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اتنی عزت والا ٹھکانہ دے دیا ہے اب تو جنازے بھی یہیں سے اٹھیں گے ہمارے۔"

"ارے نانو... اللہ نہ کرے۔ آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں اور آپ اتنی افسردہ کیوں ہو رہی ہیں...؟"

چلیے اُٹھیے ڈرائیور گاڑی لے کر آپ کے گیٹ پر کھڑا ہے۔ آپ کی شوگر ٹیسٹ ہوگی اور بابا ... ارے آپ ... سینے میں تکلیف تھی میں نے ہارٹ اسپیشلسٹ سے وقت لیا ہے۔ آپ کا چیک اپ ہوگا۔ اُٹھیے شاباش ... میرے شانے پر سارا بوجھ ڈال دیجیے۔"

وجاہت آندھی طوفان کی طرح اندر آیا۔ ایک نظر میں اس نے حالات کا جائزہ لیا۔ ظفر کو قطعی اگنور کر کے وہ چاپلوسی سے نانا اور نانو کی طرف بڑھا۔ نانا تو فوراً کھڑے ہو گئے۔ وجاہت نے نانو کے بھاری بھر کم وجود کو سہارا دیتے ہوئے بسم اللہ پڑھی اور ان کو اُٹھانے لگا۔ زینت جو ابھی ثریا کو دوا دے کر آئی تھی یہ منظر دیکھ کر ساکت کھڑی ظفر کو دیکھنے لگی جو بت بنا تماشا دیکھ رہا تھا۔

"ظفری ... ! یہ کیا تم تماشا دیکھ رہے ہو۔ جلدی سے نانو کے جوتے سیدھے کرو۔" وجاہت نے پلٹ کر ظفر کو حکم دیا تو قبل اس کے کہ وہ ان کی بزرگی کا لحاظ کرتے ہوئے جوتے سیدھے کرتا زینت جھکی اور جوتے نکالنے لگی۔ وجاہت غصے سے بولا۔

"زینت ... یہ کام آپ کا نہیں ظفری کا ہے۔ ملازم کس لئے ہوتے ہیں۔ ظفری ... ! تم نے سنا نہیں ... ؟"

وجاہت نے مالکانہ انداز میں کہا تو ان لوگوں کے سامنے ظفری اپنی تذلیل محسوس کر کے سن سا ہو گیا۔ وجاہت کمینگی کی حد تک گھٹیا ہے یہ تو اسے معلوم تھا ہی مگر وہ ان لوگوں کے سامنے ایسا کیوں کر رہا ہے یہ سمجھ میں نہیں آیا۔ تاہم اس نے نانو کے جوتے ان کے قریب کر دیے۔ شدت ضبط سے اس کا چہرہ سرخ پڑ گیا تھا۔ زینت نے کن انکھیوں سے ظفر کو دیکھا۔ ایک ٹیس سی دل میں ... [illegible] ... سے تو لگ رہا تھا کہ وہ ایک سنہری جال میں جکڑ لیے گئے ہیں جہاں سے اب رہائی ممکن نہیں۔ وجاہت ان دونوں کو گاڑی میں بٹھا چکا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ زینت بھی ساتھ آ رہی ہوگی مگر وہ کمرے ہی میں تھی جہاں ظفر عجیب سی کیفیت میں کھڑا کوئی راستہ تلاش کر رہا تھا۔ وہ زینت سے بہت کچھ کہنا چاہتا تھا، پوچھنا چاہتا تھا۔ ایک شکوہ بار بار لبوں پر آ کر دم توڑ دیتا تھا۔ مگر بابا نانو کے سرد رویے نے اس کے جذبوں کو منجمد کر دیا تھا۔ دونوں کچھ کہنے کی کیفیت میں کتنی دیر سناٹے کا شور سنتے رہے۔ زینت مردہ قدموں سے دروازے کی طرف بڑھی۔

"زینت ... ! مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔"

چند الفاظ پر مشتمل یہ چھوٹا سا جملہ بڑی مشکل سے ہونٹوں کی سرحد پار کر پایا تھا۔ زینت اس کی طرف سے پہل کی منتظر تھی چونک کر مڑی۔

"تو کب کہیں گے ... ؟ کب ... ؟ جب سفینہ ڈوب جائے گا اور کنارے ریت ہو جائیں گے اور لہریں ریت پر اُدھوری داستان چھوڑ کر کہیں کھو جائیں گی اور خالی سیپیاں اِدھر اُدھر بکھر جائیں گی۔"

"کہہ ڈالیے ظفر ... ! اس لئے کہ حیات بخش دوا کی اہمیت زندگی میں ہوتی ہے زندگی کے ساحل ڈوب جائیں تو پھر ... "

دھیمے لہجے کی سسکیاں خاموش فضا کو چیر گئیں تو ظفر کو لگا جیسے اسے منزل کا نشان مل گیا ہو۔ وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔ زینت کی پلکوں سے تارے ٹوٹ ٹوٹ کر اس کے آنچل میں جذب ہوتے رہے۔

ایسا ہے تو زینت ... ! آؤ اور ہم دونوں مل کر سفینہ بچا لیں۔ لہروں کو داستان مکمل کرنے دیں اور خالی سیپیوں میں اپنی محبت کے موتی بھر دیں۔ پلیز زینت ... ! کچھ کرو پلیز ... اگر کچھ دیر ہو گئی تو ہم ... کنارے ہی پر کھڑے رہ جائیں گے اور ہمارے ان کہے جذبوں کا سفینہ ڈوب جائے گا اور ہم کچھ بھی نہیں پائیں گے۔ پلیز ... ! اس بے بسی سے مجھے بچا لو۔ زینت ... ! قدرت نے ہمیں حادثاتی طور پر ملایا تھا مگر ... مجھے اندازہ نہیں تھا میں تمہیں ... نہیں زینت ... ! یہاں نہیں مجھ سے ملو کہیں بھی چلو۔ مجھے بہت کہنا ہے۔ ورنہ اگر ہم اب نہ کہہ سکے تو بے بسی کے قفل ہمارے ہونٹوں پر پڑ جائیں گے۔"

جلدی جلدی ظفر نے اپنا مدعا بیان کر دیا تو زینت کے آنسوؤں میں روشنی آ گئی۔ اب وہ اسے کیسے بتاتی ... سادہ مگر پروقار شخصیت نے پہلی نظر میں ... سحر میں ایسے جکڑ لیا تھا کہ شہزادوں کی سی آن بان ... وجاہت بھی اس سحر کو توڑ نہ سکا اور وہ ظفر کے ساتھ خوابوں کی دنیا میں اتنی دور نکل گئی کہ یہ خیال تک نہ ... کر واپس آنا پڑا تو وہ بیتے ... بھی مل پائیں گے یا نہیں۔

"زینت ... ! ہمارے پاس وقت بہت کم ہے بتاؤ ... "

ظفر کو یوں لگ رہا تھا کہ جیسے وجاہت کی آنکھیں ان کو گھور رہی ہیں۔ اس کی سانس پھولنے لگی۔

"وقت تو ہم لوگوں کے ہاتھ سے نکل چکا ہے ظفر ... !"

"نہیں زینت ... ! ابھی وقت نہیں نکلا لیکن اگر ہم نے ہاتھ پاؤں نہ مارے تو ... تو سمندر میں ڈوب ... اور بس تم مجھے فون اور وقت بتاؤ کہ میں کب فون کر سکتا ہوں۔ ہمارے پاس وقت ہے مگر ... "

"میں کیا بتاؤں ظفر ... ! وجاہت تو ایک لمحے کے لئے بھی گھر سے نہیں جاتا اور اس نے نانا نانو پر تو نہ جانے کیسا جادو کر دیا ہے کہ اس کو اتنا پسند کرتے اور چاہتے ہیں۔"

"اور ... اور تم زینت ... ! پلیز ... مجھے تمہاری رائے سننی ہے۔"

ظفر کو وجاہت کے آ جانے کا خوف بھی تھا ورنہ وہ اس سے معلوم بھی کرنا چاہتا تھا۔ وہ چپ چاپ انگلیاں مروڑتی رہی۔

"پلیز زینت ... ! میری اور اپنی زندگی کو اس چپ میں نہ گنواؤ۔ تم مجھے چاہتی ہو، اپناؤ نہ اپناؤ مگر پلیز ... ! وجاہت کے جال میں نہ پھنس جانا۔ یہ سنہری جال ہے۔ اس کی چکا چوند روشنی میں نانا نانو کی آنکھوں میں دیکھ چکا ہوں۔"

"اور میری آنکھوں میں کیا نظر آ رہا ہے آپ کو ...؟"

زینت نے بھیگی گھنیری پلکیں اُٹھا کر ظفر کو دیکھا تو ظفر کو لگا جیسے وقت وہیں تھم گیا ہو۔

"اگر کچھ کہنے کی اجازت دو تو کہہ دوں زینت ... ! ان خوبصورت آنکھوں میں مجھے اپنا عکس نظر آ رہا ہے۔ یہ کنول تو مجھے سپنے نام لگتے ہیں۔"

"تو ... تو پھر آپ کو کن لفظوں کی گواہی کی ضرورت ہے ؟ ظفر ... ! کچھ کرنے کے لئے مجھے پانے کے لئے کس اجازت کی ضرورت ہے ...؟ کیا ابھی بھی آپ ساحل پر کھڑے ہو کر کسی ایسی لہر کا انتظار کریں گے

جو آ کر میری محبت کی گواہی دے ...؟" دبے لہجے میں ڈھلا ایک ایک لفظ ظفر کو روشنی کی طرف لے گیا۔ اس وقت وہ خود کو دُنیا کا معتبر ترین شخص سمجھنے لگا۔ وہ جو وجاہت کی پرستائی اس کی دولت کے سامنے خود کو بہت حقیر سمجھتا تھا آج زینت نے اپنی زینت نے اپنی محبت اس کے نام کر کے خوبصورت ترین آدمی بنا دیا تھا۔

"تھینک یو زینت ... تم نے تو مجھے وہ دولت دی ہے کہ اب میں خود کو وجاہت سے زیادہ دولت مند محسوس کرنے لگا ہوں۔ زینت ... تم سوچ بھی نہیں سکتیں تمہاری محبت تمہاری رضامندی پا کر میں کس قدر خوش ہوں۔ اب اگر خدا نے چاہا تو تم صرف میری ہو۔ میں نانا ابو کو منا لوں گا۔ ابھی وہ وجاہت کی اصلیت نہیں جانتے جس دن جان جائیں گے پھر دیکھنا۔"

ظفر خوشی سے دیوانہ سا ہو رہا تھا۔ اسے زندگی کی سب سے بڑی خوشی ملی تھی۔ وہ جھوم اُٹھا۔

"ظفر...... آپ کو جو کرنا ہے جلدی کر لیں۔ میں اس سونے کے پنجرے میں زیادہ دن نہیں رہ سکتی۔"

زینت وجاہت کی ہر وقت کی نظروں سے گھبرا چکی تھی۔ اتنی آسائشوں میں اسے اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ البتہ نانا ابو تو اپنے طور پر اس کا رشتہ وجاہت سے طے کر چکے تھے۔

"بس اب انشاء اللہ ... میں بہت جلد نانا ابو کو اپنے گھر لے کر جاؤں گا۔ امی سے ملواؤں گا۔ معلوم ہے میں نے تمہارے بارے میں امی کو سب کچھ بتایا تھا کہ وہ تمہاری بے حد منتظر ہیں۔ میں نے تو ان سے کہا تھا کہ تم ہمیشہ کے لئے ان کے پاس آنے والی ہو۔"

"آپ ہمیں بے جانے کا کہہ کر کراچی کیوں چلے گئے تھے ......؟" زینت کو ظفر سے ایک بڑا شکوہ یہ تھا کہ ان سے کہہ کر خود غائب ہو گیا۔

"زینت ... یہ بھی وجاہت کی سازش تھی کہ اس نے عین وقت مجھے کراچی بھیج دیا جبکہ کوئی خاص کام بھی نہیں تھا۔ میرے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ واپس آؤں گا تو تم لوگ اس عیار شخص کے جال میں پھنس چکے ہو گے کہ میں کچھ کر بھی نہیں سکوں گا۔"

"میں نے تو نانا ابو کو بہت روکا تھا مگر وہ اس کی باتوں میں اس طرح آ گئے کہ میری کسی بات پر اس کو یقین نہیں آتا تھا اور میں تو آپ پر حیران تھی کہ آپ نے آ کر بھی کوئی قدم نہیں اُٹھایا۔"

اتنے دنوں سے جو زینت کو شکوہ تھا وہ لبوں پر آ ہی گیا تو ظفر خوش ہو گیا۔

"اس لئے زینت ... کہ مجھے تمہاری محبت کا اعتماد حاصل نہیں تھا۔ اب دیکھنا کیا کرتا ہوں میں۔ سچ میں اس قدر خوش ہوں اور اللہ کا شکر گزار کہ اتنی بڑی خوشی مجھے عطا کی ہے۔" فرطِ جذبات سے مغلوب ہو کر ظفر نے اس کے ہاتھ تھام لئے تو وہ کسمسا کر رہ گئی۔

"اوہ ... آئی ایم سوری زینت ...!"

ظفر نے شرمندہ ہو کر اس کے ہاتھ چھوڑ دیئے۔ اپنی خوشی کی کلیاں چنتے دو دیوانوں کو علم ہی نہیں تھا کہ دشمن نقب لگائے بیٹھا ہے ان کی خوشیوں پر۔ وجاہت دروازے کی اوٹ سے سب کچھ سن رہا تھا اور وہ جو خود کو اپنی سلطنت کا شہزادہ سمجھتا تھا۔ لڑکیاں اس کے گرد منڈلاتی تھیں۔ اس کے قریب کو اپنا اعزاز سمجھتی تھیں۔ ... زینت نے جن پر اس کے اتنے احسانات تھے اس نے ٹھکرا دیا تھا اس سے نفرت کرتی تھی اس کے محل کو سنہری

حال بنی تھی دوسرے سے پیر تک سلگ اُٹھا۔

"اوکے ... اوکے ... زینت سونے کے اس پنجرے کی قید کو تمہارا مقدر نہ بنا دیا تو کہنا اور ظفر کی ... میرا کیا تم نے دوستی کو دشمنی میں بدل کر تمہاری پارسائی کے لبادے کو تار تار نہ کر دوں تو نام بدل دینا۔"

پھر اس نے اپنے کھولتے خون پر اپنی عیاری کو پھوڑ دی اور اندر آ گیا۔ دونوں اس بری طرح چونکے کہ ... گرتے گرتے بچی۔

"ارے زینت ... آپ یہیں کھڑی ہیں اور وہاں نانو آپ کا انتظار کر رہی ہیں اور ہاں نانا جان کی فائل کہاں رکھی ہے ... ان کے سارے پرنے بی سی جی اس میں موجود ہیں۔"

وہ ظفر کو یکسر اگنور کئے بے تکلفی سے بات کرتا ہوا الماری کھول کر فائل تلاش کرنے لگا تو زینت اور ظفر نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ زینت نے ظفر کو اشارے سے جانے کے لئے کہا مگر ظفر اسے وجاہت کے ساتھ تنہا نہیں چھوڑ سکتا تھا اس لئے کھڑا رہا۔

"ارے بھئی زینت ... فائل کہاں رکھی ہے ...؟" زینت نے آگے بڑھ کر الماری بند کر دی اور اعتماد کے ساتھ ... دیکھنے لگی۔

"فائل نانو کے ہاتھ میں تھی وہ لے گئی ہیں ..."

"اوہ اچھا ... تو انہوں نے بتایا نہیں۔ بھول گئی ہوں گی۔ بڑھاپا بھی تو ہے۔ خیر آپ چلیے وہ دونوں گاڑی میں بیٹھ چکے ہیں اور ظفر یار ... تم یہیں ہو ...؟"

زینت ... وہ ... ظفر کی طرف مڑا جس کے قدم اب زمین پر جم چکے تھے۔ زینت کی محبت نے اسے معتبر کر دیا تھا۔ وہ اس کی بات پر چپ رہا۔

"اوہ کم آن ... تو خفا ہو ... ارے میرے یار ... میرے دوست ... میرے بھائی ... تم اب تک میری عادت نہیں سمجھے۔ کبھی غصے میں پریشانی میں کچھ کہہ دیتا ہوں تو تم مائنڈ نہ کیا کرو۔ یار ... کیا ہو گیا ہے تمہیں ...؟ تم نے تو کبھی مائنڈ نہیں کیا تھا ...؟"

"ہاں ... میں نے تمہاری بکواس کو کبھی مائنڈ نہیں کیا تھا اس لئے کہ مجھے معلوم ہوتا تھا کہ تم نشے میں ہو اور نشے کی حالت میں کی جانے والی حرکتیں اور باتیں اگنور کی جا سکتی ہیں اس لئے نشے میں انسان کی مت ماری جاتی ہے اور وہ بے خود ہوتا ہے۔ لیکن اب تم بغیر نشے کے ہی بکواس کرنے لگے ہو۔"

زینت کھڑی سن رہی تھی اور یہ بات سن کر وجاہت کو طیش آ گیا تاہم اس نے صبر سے کام لیا اور ظفر کا شانہ سہلانے لگا۔

"اوکے ڈیئر ... جو تمہارے جی میں آئے کہو اس وقت تم خاصے برہم ہو بعد میں بات کریں گے۔ اس وقت تو میں جلدی میں ہوں۔ زینت بھی میرے انتظار میں کھڑی ہیں آئیے زینت ..."

وجاہت نے مکاری سے ظفر کو دیکھا آگے بڑھا اور زینت کو شانوں سے پکڑ کر باہر لے جانے لگا۔ زینت سر سے پیر تک سلگ اُٹھی۔ ظفر کو بھی شدید تاؤ آ گیا۔ زینت نے غصے سے پرے دھکیلا مگر وہ سن سی رہ گئی کیونکہ اس کے شانوں پر وجاہت کی آہنی گرفت تھی کہ وہ ... سے ہل تک نہ سکی۔ ایک خبیث شخص کی اتنی قربت کہ اس

کے دل کی دھڑکن وہ اپنے بازو پر محسوس کر رہی تھی۔ وہ نفرت اور حیا کے پسینے میں نہا گئی۔ وہ اپنی گرفت میں قدم بقدم ساتھ لئے جا رہا تھا۔

"یہ بدتمیزی میری غلامی کا حصہ ہے۔ مجبوری ہے... یا..."

وہ غصہ کی شدت سے دانت پیس کر اتنا ہی کہہ پائی تو اس نے ڈھٹائی سے گرفت مزید سخت کی۔

"جانِ من اسے تم بدتمیزی کہو، غلامی کہو یا میری دیوانگی بلکہ دیوانگی ہی زیادہ بہتر موزوں لفظ ہے۔ میری محبت کے لئے۔"

ظفر خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ ظفر کے لئے اپنا غصہ ضبط کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ اس کے بس میں ہوتا تو واقعی اس گری ہوئی حرکت پر وجاہت کا خون کر دیتا مگر اس کی مجبوریوں کی زنجیر اس کے پاؤں کو جکڑے ہوئے تھی۔

• • •

وقار عثمانی کی اس سیریل کو میڈیا بہت کوریج دے رہا تھا جس کا آدھا حصہ شوٹ ہو چکا تھا جبکہ کینیڈا والا حصہ ابھی باقی تھا۔ اس عرصے میں وقار عثمانی نے لیلیٰ کی خوب پبلسٹی کی تھی کہ اس کے پاس کام کی لائن لگ گئی تھی مگر وہ پہلی سیریل کو دیکھنے کے بعد دوسری سائن کرنا چاہتی تھی اور پھر اس کے ڈے نائٹ کسی وقت بھی شوٹنگ نے اس کی صحت کو متاثر کیا تھا جس سے فاطمہ بہت پریشان تھیں اور انہوں نے سختی سے منع کر دیا تھا مزید کام لینے سے۔ حالات کی اس چلتی گاڑی سے جب وہ تھک کر آنکھیں موند لیتی تو شہباز اپنی تمام تر وجاہت کے ساتھ سامنے آجاتا۔ ساتھ ہی ایک لطیف سا احساس مسکرانے لگتا...

• • •

شہباز کی برتھ ڈے آ رہی تھی اور آپی کو ہر حال میں آنا تھا مگر یٰسین بھائی کی طبیعت خراب ہو جانے کی وجہ سے وہ نہیں آ رہی تھیں۔

"یہ... یہ فاؤل ہے آپی! آپ کو اپنے سر کا تاج بہت عزیز ہے اور یہاں کا جایا نہیں۔" وہ جس نے بہت کچھ سوچ رکھا تھا کتنے خواب دیکھے تھے اب بہت بور ہو گیا تھا۔

"میری جان! عورت بیچاری کیا کرے؟ اسے سر کا تاج بھی عزیز ہوتا ہے اور کوکھ جایا بھی مگر جان... تمہارے یٰسین بھائی کو اچانک ٹائیفائیڈ ہوا ہے گو کہ، مَیں ساتھ مگر پھر بھی... اس لئے نہیں آ رہی۔"

"آپ نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟ اب کیسے ہیں یٰسین بھیا؟ ٹھیک تو ہیں ناں؟" وہ ایک دم ہی پریشان ہو گیا۔

"ہاں جانی... اب تو اللہ کی مہربانی سے بالکل ٹھیک ہیں بلکہ کہہ رہے ہیں کہ اب پاکستان آئیں گے تو خود اپنی پسند کی لڑکی سے تمہاری شادی کر دیں گے۔"

"ارے... اگر میری پسند کا کیا ہوگا؟"

وہ بتانا تو نہیں چاہتا تھا یونہی زبان سے پھسل گیا تو آپی خوش ہو گئیں۔

"سنو...! اپنی برتھ ڈے دھوم دھام سے منانا اور سب دوستوں کو بلانا اور..." آپی ہدایت دے رہی

تھیں اور وہ مسکرائے جا رہا تھا۔

برتھ ڈے تو اس نے کیا منانی تھی اسے تو ان باتوں ہی سے چڑ تھی مگر اسے معلوم نہیں تھا کہ ان حساس دلوں کی بہت سی چھوٹی باتیں جن کو انسان کبھی ناپسند کرتا ہے مگر اچھی لگتی ہیں۔ خرم، لیلیٰ اور باقی سب کو انوائٹ کرنے کے پاس کوئی بہانہ نہیں تھا اس نے ساری ذمہ داری راحیل پر ڈال دی۔

"ٹھیک ہے میں سارے انتظام کروں گا مگر خرم وغیرہ کو انوائٹ تم خود کرو گے" راحیل سب کچھ جانتے ہوئے بولا تو وہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟ اب میں ان کے گھر جا کر ان سے کہوں کہ میری برتھ ڈے ہے؟"

شہباز نے منہ بنا کر کہا کہ راحیل کو ہنسی آ گئی۔

"اوکے... میں ہی انوائٹ کر دوں گا مگر یہ تو بتاؤ سب کو انوائٹ کرنا ہے یا صرف... "

راحیل بار بار یہ جملے ادھورا چھوڑ کر وہ کچھ کہنے لگے۔

"نہیں! سب کو تو کرنا ہے کیوں کرنا ہے؟ بس خرم ہی آ جائے۔" وہ اس کی نظروں سے بچنے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔

• • •

آج شہباز کی برتھ ڈے تھی۔ وہ بے چینی سے اپنے مہمانوں کا منتظر تھا اور بار بار گھڑی دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظریں بار بار دروازے پر...

"انتظار ختم ہوا خرم کی گاڑی کی آواز آ رہی ہے۔" راحیل نے چہکتے ہوئے کہا تو وہ بے قراری سے آگے بڑھا۔ اسی وقت خرم اپنے ایک دوست کے ساتھ اندر آ رہا تھا۔ اسے یوں اکیلا دیکھ کر شہباز بجھ سا گیا۔

"تم خرم... یوں اکیلے؟" وہ اپنی کیفیت پر قابو پاتا ہوا بولا۔

"اکیلا کہاں ہوں شہباز... اپنا دوست لایا ہے ناں؟"

"نہیں... میرا مطلب ہے انکل، آنٹی نہیں آئے؟" اس کے انتظار کے دیے بجھ گئے تو دھواں اس کی وجیہہ چہرے پر پھیل گیا۔

"ہاں... میں نے کہا تھا کہ چلیں مگر کہنے لگے تم تو جوانوں کی محفل میں ہم لوگوں کا کیا کام؟ تم لوگ انجوائے کرنا۔" خرم بیچارا کیا جانے کہ شہباز کس کا منتظر تھا اور کس کے نہ آنے سے سارے چراغ بجھ گئے ہیں۔ وہ بے دل سا ہو گیا۔ محض اس کج ادا کی خاطر اس نے یہ بچگانہ سی محفل سجائی تھی۔

"سب لوگ آ چکے ہیں۔ آؤ اب کیک تو کاٹ دو میرے منے...!"

راحیل نے آگے بڑھ کر اس کے شانے پر تھپکی دی مگر وہ کچھ نہ پایا۔

"ہاں... ٹھیک ہے تم سب کو بٹھاؤ میں ابھی آتا ہوں۔"

وہ تیزی سے اپنے کمرے میں آ گیا۔ اسے لیلیٰ پر شدید غصہ آ رہا تھا۔ نجانے کیوں اسے یقین تھا کہ وہ جان بوجھ کر نہیں آئی۔ بیل جا رہی تھی۔

"ہیلو...!" دوسری جانب لیلیٰ کی خوبصورت آواز ابھری تھی۔ وہ چپ رہا۔

"اپنی اہمیت کو جتانا کیش کرانا تو اچھی بات نہیں مس لیلیٰ ......!" وہ اچھا خاصا خفا تھا۔

"کون ...؟ اوہ اچھا ... ! آپ شہباز صاحب ... ! لیکن آپ کیا کہہ رہے ہیں میں کچھ سمجھی نہیں۔" وہ اس کی خفگی کی وجہ اچھی طرح سمجھ رہی تھی۔

"جانتا ہوں آپ کو۔ سمجھ کر بھی نا سمجھی کا ڈرامہ کرنا تو آپ لوگوں کی ادائے خاص ہے۔"

"تو بہ ہے ! آپ الزام کیوں جوڑ رہے ہیں ؟ ہوا کیا ہے ؟" نجانے کیوں اس کا خفا ہونا، اس پر اپنا حق جتانا لیلیٰ کو بہت اچھا لگ رہا تھا۔

"اس لیے محترمہ ! کہ آج آپ کو میرے گھر آنا تھا بابا۔"

"آپ نے انوائیٹ کیا تھا مجھے ؟" لیلیٰ کے لہجے میں شکوہ اتر آیا۔

"جی ہاں ! راحیل نے نہیں کیا تھا ؟"

"بر تھ ڈے آپ کی، گھر آپ کا، اور انوائیٹ راحیل بھائی کریں۔ میں تو خود انوائیٹ کرنے گئی تھی آپ کو آپ کے گھر۔"

"اوہ ...... تو یہ بات تھی۔ دیکھو لیلیٰ ! میں آؤں گا ... تمہیں دینے نہیں لینے آؤں گا اور تم انکار نہیں کروگی۔ او کے !"

آج اس نے ایک ہی جملے میں سب کچھ کہہ ڈالا جو وہ کہنا چاہتا تھا اور اس کا یہ جملہ لیلیٰ کے دل کے تار تار کو شہر آباد کر گیا۔ دل عجیب سے انداز میں دھڑک اٹھا۔ چہرہ ... جیسے دنیا ... اس نے سن لیا ہے۔

"ہیلو ! ہیلو ! آواز نہیں آرہی۔" وہ جان کر خاموش ہوئی تو وہ ہنس دیا۔ اس کی یہ ادا بھی بہت بھائی تھی اسے۔

"ارے ! یہ ... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ؟ آپ ہر گز بھی مت آئیے۔ بھائی نے اتنا اصرار کیا تو میں نہیں گئی۔ اب آپ کے ساتھ ... نہیں ہرگز نہیں۔ اور یوں بھی میرے نہ آنے سے آپ کو کیا فرق پڑے گا ؟"

"کوئی خاص نہیں بس اتنا سا فرق پڑے گا کہ آپ کے نہ آنے سے میری یہ محفل جو کہ صرف اور صرف آپ کی خاطر سجائی تھی بہت بور، سونی اور بے رنگ رہے گی۔" اس نے کھٹ سے خدا حافظ کہے بغیر فون بند کر دیا تو لیلیٰ کا دل مچل گیا۔ شہباز کی محبت کا احساس اس کے قریب ہی مہکنے لگا۔ وہ لطیف احساس کی ان کھلتی کلیوں کو چننے لگی۔

محفل تو لیلیٰ کے نہ آنے سے سونی اور بے رنگ ہو ہی چکی تھی پھر بھی اس کے سب دوستوں نے بہت انجوائے کیا تھا۔ سب جا چکے تھے۔ اب راحیل اور خرم رہ گئے تھے۔ راحیل اس کے گفٹ کھول کر اسے دکھا رہا تھا اور بے دلی سے پکڑ کر مسکرا کر رکھ دیتا۔ خرم نے اس کی پسند کا پرفیوم دیا تھا۔

"تھینکس یار ! خوشبو سے اچھا تحفہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔"

"یہ تم نے کیا دیا ہے ؟ ہم بھی تو دیکھیں۔" خرم نے بڑے سے گفٹ کی طرف ہاتھ بڑھایا جو راحیل

... تھا۔ شہباز نے اٹھا کر اس کے سامنے رکھ دیا۔

"خود ہی کھول کر دیکھ لو !"

"اں آں ! کیوں بدنام ہوتے ہو اور کرتے ہو۔ میرا مطلب ہے یہ ایک گفٹ ہے جس کو ہم کافی بعد میں انجوائے کریں گے۔ آؤ پہلے کافی بنائیں اور پھر چکھیں۔" راحیل جلدی سے روڈا اور بنا دیا ہوا گفٹ الماری پر رکھ دیا۔

"معلوم ہے اس بڑے سے ڈبے میں ضرور کوئی کھلونا ہوگا۔"

"ہوں ! پردے میں رہنے دو پردہ نہ اٹھاؤ۔ پردہ جو اٹھ گیا تو بھید کھل جائے گا۔"

راحیل نے شوخی سے شہباز کو دیکھا اور آگے بڑھ گیا اور کافی دیر تینوں باتیں کرتے رہے۔ رات گئے خرم ... نے اجازت طلب کی۔ شہباز نے راحیل کو اپنے پاس روک لیا تھا۔

"او کے یار ! تم لوگ تو رت جگا مناؤ گے۔ میں چلتا ہوں۔ مما میرے انتظار میں جاگ رہی ہوں گی۔"

"خدا حافظ !" دونوں اسے گیٹ تک چھوڑ کر آئے۔ خرم کے جانے کے بعد دونوں لیٹ گئے۔

"لاؤ ! اب بحری جہاز جتنے بڑے گفٹ پر سے پردہ ہٹاؤ۔"

"وہ ہاں ! ... آیا ... جگر دل تھام کر رکھو۔"

راحیل نے شوخی سے کہا ... کر کھولنے لگا۔

... ! ... وقت ... ہوں

"راحیل ! اگر پچھلی دفعہ کی طرح مین کا بندر ... ہوا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔"

"نہیں ! اس بار مین کا بندر نہیں بلکہ ... ہوگی۔"

اور جب راحیل نے پردہ چاک کیا تو وہی پہلے روز والی تصویر سامنے آگئی۔ شہباز کا دل ایک دم دھڑک اٹھا۔ چہرہ خوشی سے روشن ہو گیا۔ خوشی کے مارے رنگ اس کے چہرے پر آگئے۔ تصویر انلارج ہو کر اور خوبصورت لگ رہی تھی ... لگ رہا تھا جیسے واقعی دونوں ساتھ کھڑے ہوں۔

"زبردست ......!" شہباز بے ساختہ بولا۔

"کون ...؟" راحیل نے شرارت سے اس کے تمتماتے چہرے پر سے خوشی کی تحریر پڑھتے ہوئے پوچھا۔

"تم بتاؤ ... !" شہباز جذبات میں راحیل کی باتوں اور نظروں کی شرارت کو بھی سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

"بھئی ... مجھے تو دونوں ہی زبردست لگ رہے ہیں۔ تم بتاؤ تمہیں کون زبردست لگ رہا ہے۔ لیلیٰ یا ... ؟"

"ہوں !" راحیل نے کچھ ایسے انداز میں کہا کہ شہباز چونک گیا اور اسے دیکھنے لگا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں شوخ چمک تھی۔

"تو ... تو !" وہ جھینپ سا گیا۔

"احمق ہیں آپ! آپ کا کیا خیال ہے آپ میری دوستی کی ناک تلے عشق فرمائیں گے اور ہمیں خبر نہ ہوگی۔ ہمیں بہت عرصے پہلے علم ہو گیا تھا اور لعنت ہے آپ پر کہ بتانے کی زحمت تک گوارا نہیں کی۔۔۔ داد دو میری ذہانت کو۔ ویسے لیلیٰ بہت اچھی لڑکی ہے۔" راحیل نے اسے ساتھ لگایا تو وہ واقعی شرمندہ ہو گیا۔

"یار! تجھے میں نے بتانا چاہا مگر پھر یہ خیال آتا کہ میں کس قسم کا فلسفہ تمہارے سامنے جھاڑ چکا ہوں کس قسم کی آئیڈیل کی تلاش میں ہوں مگر جب لیلیٰ کو پہلی بار اس تصویر کے قریب دیکھا تو وہ لمحہ میرے سارے فلسفے اور آئیڈیل کو بہا کر لے گیا۔ میں تو خود پریشان ہو گیا کہ تمہیں کیسے بتاؤں۔ آپی کو کیسے بتاؤں۔ اس کو تو میں نے بھنک بھی نہیں پڑنے دی۔ وہ تو آئیں گی اور سیدھی اس کے ہاں چلی جائیں گی۔ میں تو پریشان ہو کر رہ گیا ہوں یار!"

"کم آن یار۔۔۔! میں جانتا ہوں تمہارا فلسفہ کیا تھا اور آئیڈیل کیا تھا مگر یار! جب محبت کی ہوا چلتی ہے تو سب کچھ اُڑا لے جاتی ہے۔ چلو آپی کی دعا تو پوری ہوئی کہ لڑکی کم از کم دس بارہ سال چھوٹی ہونا چاہئے اور چاند کا ٹکڑا بھی ہونا چاہئے۔۔۔ واہ یار۔۔۔! کبھی کبھی دعائیں ایسے بھی قبول ہوتی ہیں۔"

"یہ تو محض اتفاق ہے یار۔۔۔ اور نہ میری تو یہ سوچ ہی نہیں تھی۔ لیکن بس میں تو پہلی نظر کا شکار ہوں۔ میں اتنا کمزور بھی ہو سکتا ہوں سوچا نہیں تھا۔"

"اس میں کمزوری کی کیا بات ہے؟ محبت کب، کہاں اور کسی سے بھی ہو سکتی ہے۔ چاہے پہلی نظر میں ہو یا۔"

"بس مجھے اس کا شوبز میں جانا قطعی پسند نہیں۔ یہ جو چھوٹا ہوا وقار [illegible] لگتا ہے اسے تو قتل ہی کرنا پڑے گا۔"

شہباز کو وقار بے حد برا لگتا تھا۔ اس نے دانت کچکچائے۔ راحیل کو ہنسی آ گئی۔

"یار! وقار بے ضرر سا آدمی ہے بس نئے چہرے متعارف کرانے کا شوق ہے اور لیلیٰ تو اس کی بہترین دریافت ہے۔ ورا یکٹنگ لیلیٰ کا جنون ہے۔"

"بس! اس کی شخصیت کی یہی بات مجھے ناگوار گزرتی ہے۔"

"جانے دو یار۔۔۔! مجنوں کو تو لیلیٰ کے ساتھ سگ لیلیٰ بھی عزیز تھا اور تم لیلیٰ کے ایکٹنگ کے شوق کو برداشت نہیں کر رہے ہو۔"

"ویسے راحیل! تمہارا کیا خیال ہے میں اگر اسے پرپوز کروں تو اس کے گھر والوں کا کیا رسپانس ہوگا؟"

گو کہ شہباز نے اس گھر میں اپنی حیثیت کو پہچان لیا تھا مگر پھر بھی ایک خوف سا تھا۔

"گھر والوں کو چھوڑ و لیلیٰ کے دل میں جھانک کر دیکھا ہے یا نہیں؟"

"اس کی ضرورت نہیں راحیل۔۔۔! اس لئے کہ میں نے اپنا عکس اس کی آنکھوں میں دیکھ لیا ہے اور شہباز نے نظریں ملائے بغیر اسے لیلیٰ کے بارے میں بتا دیا۔"

"تو میاں! مبارک ہو! اکڑی منڈ راصی تے کی کرے گا قاضی۔ سچ خوش تو میں ہوں ہی مگر

زیادہ ہوں۔ اس لئے کہ لیلیٰ بہت اچھی لڑکی ہے اور کسی حد تک تم بھی۔ خیر یہ تو عمر کے ساتھ ٹھیک ہو جائے گی لیکن تمہارے جیسا ہی چاہئے اور حفاظت کرنے والا ہونا چاہئے۔ اللہ سے دعا کرو کہ اس کی نگہبانی آپ دے۔"

آمین۔۔۔ ثم آمین یار! جب سے وہ ملی ہے میری تو ہر وقت کی خدا سے دعا گو ہے۔ وہ ایسی لڑکی مجھے تو دے ورنہ کے بعد تمام راستے بند ہو جاتے ہیں یار! دعا کرنا وہ اور اس کے گھر والے مان جائیں۔" اک انجان سا خدشہ دامن گیر تھا شہباز کو۔

"انشاء اللہ۔۔۔! مان جائیں گے۔ ارے۔۔۔! اللہ کی مہربانی سے میرے یار میں کیا کمی ہے؟ ہاں عقل کی کمی ہے تو بڑی خامی مگر اب کیا کیا جائے؟" راحیل نے چھیڑا تو شہباز نے اس کے شانے پر زور دار مکا رسید کیا اور دونوں کھلکھلا کر ہنس دیئے۔

● ● ●

"ارے مسز خالد! یہ تو بڑا ہی ثواب کا کام ہے۔ وہ یتیم اور بے سہارا لڑکی ہے۔ تعلیم یافتہ ہے آپ اسے بہو بنا لیجئے۔ بہت ثواب کا کام ہے۔ ایک بے سہارا لڑکی کو آسرا مل جائے گا اور آگے بھی آپ کو صلہ ملے گا۔ اللہ تعالیٰ ایسے کاموں کو بہت پسند فرماتا ہے۔ میری مانئے تو نکاح کر دیجئے اپنے بیٹے سے۔ دیکھئے ناں انسان قول و فعل میں تضاد اللہ کو پسند نہیں۔ ورنہ ہی تضاد ہونا چاہئے اور پھر نیکی کی ابتداء انسان کو اپنے گھر سے کرنی چاہئے۔ آپ جیسا ہم کو بیچنے کی ہم لوگ صرف باتیں ہی نہیں بناتے عمل بھی کرتے ہیں۔"

اللہ رکھے آپ مولوی کی باتوں میں آنے کی ضرورت نہیں۔ سوسائٹی ہم ہی لوگ بناتے اور چلاتے ہیں ناں۔ ہمیں ہی اچھی روایات قائم کرنی ہیں۔ آپ لوگوں کو چھوڑئیے اور اچھے طریقے سے اس بچی کو بہو بنا لیجئے تو اللہ اور رسول خوش دوسری طرف آپ کو ایک اچھی بہو مل جائے گی۔ او کے مسز خالد! پھر بات ہوگی۔ خدا حافظ!"

خرم جو کافی دیر سے اپنے قریب بیٹھا بظاہر رسالہ دیکھ رہا تھا مگر دھیان ماں کی باتوں کی طرف تھا۔

"تم کب آئے بیٹا۔۔۔!" فاطمہ کو اپنے دونوں بچوں سے عشق تھا۔ خرم کو دیکھ کر یوں کھلیں جیسے کافی عرصے کے بعد دیکھا ہو۔

"کافی دیر ہو گئی ہے مما! آپ وہاں تھیں چچا کے پاس سے آپ کے پاس آیا تو آپ کسی بے سہارا لڑکی کی وکالت کر رہی تھیں۔ ریلی مما! مجھے بہت خوشی ہوئی ہے کہ آپ دکھی انسانیت کی خدمت کر رہی ہیں۔ صرف باتیں ہی نہیں بناتیں بلکہ عمل بھی کرتی ہیں۔ ویسے آپ کا کیا خیال ہے آنٹی سجاد کے ساتھ اس لڑکی کا رشتہ کریں گی جو بے سہارا ہے کوئی آگے نہ پیچھے اور جہاں تک میں نے سنا ہے وہ لڑکی معذور بھی ہے شاید لنگڑی ہے۔"

"ہاں بیٹا! لیکن اس کی معذوری میں اس کا کیا قصور ہے۔ سب تو اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ اگر انسان میں ایک کمی ہوتی ہے تو دس خوبیاں بھی ہوتی ہیں اور وہ لڑکی بہت خوبیوں والی ہے اور جب لڑکا بھی تیار ہے تو ان کو اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔ جھٹ شادی کر دینی چاہئے۔ ایک بے اماں کو اماں مل جائے تو کتنی اچھی

بات ہے۔

''بہت اچھی بات ہے مما! لیکن ایک بات کہوں۔ اگر چہ ٹ کر آنٹی یہ کہہ دیتیں کہ آپ اس کو اپنی بنالیں تو؟'' وہ ماں کے ہاتھ تھامے شوخی سے بولی تو وہ خفا ہو کر کھڑی ہو گئیں۔

''خدا نہ کرے خرم! کس قسم کی باتیں تم منہ سے نکال دیتے ہو؟''

''کیوں مما! کیوں؟ ابھی جو کچھ آپ نے آنٹی سے کہا وہ سب کیا تھا؟ اسی کو تو قول و فعل کا تضاد کہتے ہیں۔''

''میں ایسی کوئی بات سننا پسند نہیں کرتی او کے! آئندہ مت کرنا۔'' وہ اٹھ کر بڑی سے اندر چلی گئیں اور وہ دکھ سے سر ہلا کر رہ گیا۔

● ● ●

چمکتی چیز کو سونا سمجھنے والوں اور دکھی انسانیت کی خاطر بظاہر اپنا وقت اور دولت لٹانے والوں کی سوسائٹی میں جب ایک مطلقہ بے سہارا لڑکی ایک ماڈرن اور رئیس گھرانے میں بیاہی گئی تو حیرت سے اس سوسائٹی کی آنکھیں پھٹی رہ گئیں۔ کسی نے ان کے اس نیک عمل کو شہرت حاصل کرنے کی کوشش قرار دیا کسی نے ناگواری سے ناک بھوں چڑھائیں تو کسی نے کہا۔

''ہوں! چند روز کا ڈرامہ ہے۔''

تو کسی نے ان کی نیک نیتی کو سراہا۔

''واہ! بڑی اچھی روایت قائم کی ہے خاندان نے۔''

مگر سب سے گم سم فاطمہ بیگم تھیں جنہوں نے مسز خالد کو نیکی کے راستے پر ڈال دیا اور اب پریشان تھیں شاید خرم کا جملہ دل پر اثر کر گیا تھا یا وہ اس وقت سے خوفزدہ تھیں کہ واقعی اگر ان کے ساتھ ایسا ہوا تو وہ کیا کریں گی۔

''توبہ! اللہ نہ کرے!'' انہوں نے اس سوچ کے آتے ہی جھرجھری لی اور دھیان دوسری باتوں کی طرف لگا دیا۔

● ● ●

''بیگم صاحبہ! موسیٰ میری چھوٹی بہن ہے۔ اس کی دو وقت کی روٹی مجھ پر بھاری نہیں۔ میری تو جان بھی اس کے لئے حاضر ہے مگر کیا کروں بدقسمتی سے میری شادی ایسے بندے سے ہوئی ہے جس کی نہ تو نظر اچھی ہے اور نہ نیت صاف اور میری بہن بہت نیک، بہت اچھی ہے۔ میں اس کے کردار کی چادر پر دھبہ نہیں لگتے دیکھ سکتی اور آپ دیکھ رہی ہیں کہ میری بہن مجھ سے کس قدر خوبصورت ہے۔ ماں کے چالیسویں تک تو جس طرح میں نے اسے رکھا ہے میں جانتی ہوں مگر اب اللہ کے واسطے آپ اسے اپنے قدموں میں جگہ دے دیجئے۔ اس نے بی اے کر رکھا ہے مگر یہ آپ کے تمام گھر کا کام جو آپ چاہیں گی کرے گی۔ بس اسے اپنی شفقت کے سائے تلے جگہ دے دیں۔ خدا کے لئے!''

پروین بھی اپنی ماں کی طرح گڑگڑا رہی تھی۔ فاطمہ تو پریشان ہو گئیں۔ وہ پہلے تو شاید رکھ لیتیں مگر مسز خالد

والے واقعے کے بعد وہ بہت خوفزدہ ہو گئی تھیں۔

''ٹھیک ہے پروین! تم سے نہیں رہ سکتیں مگر یہ بتاؤ کہ میں ایک جوان لڑکی کی ذمہ داری کیسے لے لوں؟'' سخت الجھن کا شکار ہو گئی تھیں وہ۔

''انکار مت کریں بیگم صاحبہ! میری ماں بھی یہی منت کرتی ہوئی مر گئی۔''

پروین بری طرح پھوٹ پھوٹ کر رو دے گی۔ موسیٰ کو اس وقت اپنا وجود ایک ایسا ناگوار بوجھ محسوس ہو رہا تھا جسے کوئی بھی اپنے سر لینے کو تیار نہیں تھا۔ بہنوں کے گھر وہ دیکھ چکی تھی۔ اسے بہنوئیوں سے بچنے کے لئے سارا دن کمرے میں اور سلگتی دوپہریں کچن میں گزارنا پڑتی تھیں۔ بڑی کے ہاں جاتی تو بڑے دولہا بھائی بہن کے دشمن ہو جاتے۔ بڑی تو یوں بھی تنگ مزاج تھی۔ پروین کے ہاں بھی یہی مسائل تھے اس لئے اب اسے لگتا تھا کہ یہاں اسے کسی طرح بھی غلام بن کر بھی زندہ رہنا پڑا تو وہ رہ لے گی۔ مگر یہاں فاطمہ بیگم تیار نظر نہیں آتی تھیں۔ وہ خشک ہونٹوں پر کچھ شدت سے روپڑی تو دیر جو کافی دیر سے چپ چاپ سن رہے تھے ان کی توجہ اس طرف گئی۔ انہوں نے دیکھا آنسو اس کے رخساروں کو بھگوتے ہوئے اس کے پیروں پر گر رہے تھے۔ پتہ نہیں کیوں ایسے ان کو لگا یہ دل ہے۔ وہ تڑپ اٹھے۔ وہ دل کا ایک آنسو بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ یہ گویا ان کی بیٹی تھی۔ وہ کرسی سے اٹھے اور اس کے قریب جا کر اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

''بیٹی کے آنسو بہت قیمتی ہوتے ہیں۔ بیٹی ان آنسوؤں کو قدموں میں نہیں رولنا چاہئے! اپنے آنسو صاف کرو۔ تم ہمارے پاس رہو گی۔ پروین تم بے فکر ہو کر چلی جاؤ بیٹی! یہ اب ہماری بیٹی ہے۔''

فاطمہ بیگم شاید ان کے خوف سے ہوش رہ گئیں تک چپ ہو گئیں کہ موسیٰ کی بھی حری خواہش ہی یہی تھی کہ وہ ان کے پاس رہے اور دوسرا ایک اس خیال نے ڈھارس دی کہ جلد ہی کسی بھی اچھے سے اس کی شادی کر کے وہ چھٹکارا حاصل کر لیں گی۔ یہی خیال ان کو مطمئن کر کے ان کے موڈ کے بگڑنے سے پہلے درست کر گیا تو انہوں نے بھی موسیٰ کے سر پر شفقت بھرا ہاتھ رکھ دیا۔

''ہاں پروین! تم بے فکر ہو کر جاؤ۔ موسیٰ اب ہماری ذمہ داری ہے۔ موسیٰ بیٹا! ایسے روتے نہیں۔ چلو شاباش! کچن میں جاؤ اور عبدل کے ساتھ ابھی سے کام شروع کر دو۔''

وہ بمشکل اپنے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر اٹھی۔ ساتھ ہی پروین بھی مطمئن سی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''دیکھ موسیٰ! بیگم صاحبہ کو کوئی شکایت نہیں ہونی چاہئے۔ یہ گھر ہی تیری پناہ گاہ ہے اور ان اگر دولہا بھائی تجھے ملنے آئیں یا لینے آئیں تو ہرگز مت جانا۔ ٹھیک ہے ناں۔''

''کیسی باتیں کرتی ہو آپا! گندی نیت اور میلی نظروں کی تپش میں آنا میں کبھی بھی گوارہ نہیں کروں گی اور موت کو ہی گلے کیوں نہ لگانا پڑے۔ تم اطمینان سے جاؤ۔ مجھے اپنی یہ پناہ گاہ بہت عزیز ہے۔ تم لوگوں کو کوئی شکایت نہیں ملے گی۔ یہاں مجھے عبدل کے ساتھ تو کیا عبدل کے کوارٹر کا کام بھی کرنا پڑا تو کروں گی۔''

یہ کہتے ہوئے بچپن سے اب تک کے سارے خواب ساری خواہشیں آنسوؤں میں مل کر اس کی نرم ہتھیلی پر شاں ہو کر مٹ گئیں۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی کچن میں چلی آئی۔

"ارے ! آپ جی ..... آپ باہر بیٹھیں۔ آپ کو کچھ چاہیے تو حکم کریں میں کس لئے ہوں۔"

"عبدل بھائی ...! میں حکم کرنے والی قوم سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ حکم بجالانے والی یعنی تمہاری برادری سے تعلق رکھتی ہوں۔ لاؤ بتاؤ کیا کرنا ہے بس ایک بار بتادو پھر میں خود ہی ...! اچھا میں برتن دھودیتی ہوں جب تک تم کھانا بنالو۔"

حلق میں اٹکتے آنسوؤں کے گولے کے ساتھ لفظ ٹوٹ کر گرتے رہے ور پھر اس نے برتن دھونے بھی شروع کردیئے تو عبدل کا دل بھر آیا۔ کتنی خوبصورت کتنی نازک سی لڑکی وقت اور حالات کے شکنجے میں کس بری طرح پھنس گئی۔

"آپ دل چھوٹا کیوں کرتی ہیں جی ......! آپ تو بالکل شہزادی لگتی ہیں۔"

"ہاں ! معزول شہزادی جو بے بس کردی جاتی ہے۔ جس پر پہرے بٹھا دیئے جاتے ہیں۔ جس کے پیروں میں زنجیریں پہنادی جاتی ہیں وہی شہزادی ہوں میں۔"

اپنی کم مائیگی بے بسی کا احساس آنکھوں میں نمی بن کر اتر آیا۔

"ارے عبدل......! تم نے موبی کو ابھی سے کام پر لگالیا۔ بھئی ! آج کا دن تو مہمان سمجھ لیتے۔" اسی وقت فاطمہ اندر آگئیں تو موبی احتراماً کھڑی ہوگئی۔

"میں نے تو منع کیا تھا بیگم صاحبہ ! مگر یہ زبردستی برتن دھونے لگیں۔"

"خیر تم کھانا وغیرہ کھا کر عبدل کے کوارٹر میں چلی جانا۔ فی الحال بعد میں تمہارا کوئی بندوبست کردوں گی اور عبدل ! تب تک تم چوکیدار کے ساتھ رہ جانا۔" وہ ان دونوں کے [illegible] محسوس کئے بغیر بولے گئیں۔

"جی بہتر ۔ !" موبی نے ان کے حکم نامے پر اپنی سعادت مندی کی مہر ثبت کردی۔

"موبی ......! تم کھانا کھا کر میرے کمرے میں آجانا تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔"

"جی بہتر !" موبی چپ چاپ ان کو جاتا ہوا دیکھنے لگی۔

"آپ گھبرائیں مت۔ دل کی بری نہیں بیگم صاحبہ۔ کتنا بھی مالی نقصان ہوجائے کچھ نہیں کہتیں۔ بس ذرا اپنے بچوں کے معاملے میں بہت زیادہ حساس ہیں۔ خیر آپ بیٹھ جائیں میں آپ کو کھانا دیتا ہوں۔ کیونکہ آپ ان کی بات سن میں پھر وہ دوا لے کر لیٹ گئیں تو کوئی اندر جا تک بھی نہیں سکتا۔" عبدل بڑے اچھے انداز میں اپنے مالکوں کے بارے میں اسے بتارہا تھا اور وہ آنسو پیتی سنتی رہی اور پھر فارغ ہوکر وہ عبدل کے ساتھ فاطمہ کے کمرے تک آگئی۔

"ہاں ... ! آؤ موبی ! بیٹھ جاؤ اور ہوسکے تو میرے پاؤں پر مساج کردو بہت درد ہورہا ہے۔"

فاطمہ نے اسے بیڈ پر بیٹھنے کی اجازت دے کر پاؤں اس کے آگے کردیئے۔ وہ تو بزرگوں کا یوں بھی بہت احترام کرتی اور وہ تو اس کی مالکن تھیں، محسنہ تھیں۔ اس نے اپنے نرم ہاتھوں سے مساج شروع کردیا۔ ان کو اتنا سکون ملا کہ دل چاہا وہ ساری رات کرتی رہے اور وہ سو جائیں۔

"ارے واہ ! تمہارے ہاتھوں میں کیسا جادو ہے کہ آج مجھے دوا کے بغیر ہی نیند آرہی ہے۔"

"تو آپ سو جائیے بیگم صاحبہ ! مجھے کون سا چکی چلانی ہے رات بھر۔"

"ارے نہیں بھئی ! تم سے کچھ باتیں بھی تو کرنی ہیں۔ پہلے یہ کڑوی گولی اور دوا دے دو، وہ کھالوں پھر بات کرتی ہوں۔"

اور جب تک وہ مساج کرتی رہی وہ اپنا مدعا اس تک پہنچانے کے لئے مناسب الفاظ تلاش کرتی رہیں۔

"ہاں موبی ! بات یہ ہے کہ دیکھو تم پڑھی لکھی لڑکی ہو اور اچھی طرح جانتی ہو کہ ایک پرائے گھر میں جوان لڑکی کا رہنا جتنا اس کے لئے خطرناک ہے، آزمائش ہے اسی طرح رکھنے والوں کے لئے بھی مشکل ہے۔ ٹھیک ہے یتیم اور بے سہارا لڑکیوں کے لئے ہم کام کرتے ہیں۔ ان کی فلاح و بہبود کے لئے ہم نے باقاعدہ این جی او بنائی ہوئی ہے مگر ہم کسی جوان لڑکی کو اپنے گھر میں نہیں رکھتے۔ تمہارا معاملہ اور ہے تمہاری ماں کی وجہ سے میں نے تمہیں اپنے ہاں رکھ تو لیا ہے مگر اب یہ نہ صرف تمہاری آزمائش ہے بلکہ تم اپنے جیسی تمام بے سہارا لڑکیوں کا اعتبار و اعتماد بھی ہو کیونکہ اگر تم نے کوئی گڑبڑ کردی تو سب کا اعتماد اٹھ جائے گا اور پھر کوئی ایسی لڑکیوں کو پناہ نہیں دے گا۔ تمہیں اپنے کردار کی ایسی مضبوط دیوار بنانی ہوگی جس کی اوٹ میں تم جیسی لڑکیاں پناہ لے سکیں سمجھ رہی ہو ناں میری بات۔"

یوں تو فاطمہ نے سب کچھ سمجھا دیا تھا لطیف طور پر مگر کچھ یقین نہیں ہورہا تھا۔ دکھوں کے پالنے میں پرورش پانے والی موبی سمجھ تو رہی تھی مگر فاطمہ کا اصل مقصد کیا ہے وہ اسے اپنے اکلوتے بیٹے سے چھپانا چاہتی تھیں ان کا کیا مقصد ہے وہ مزید کچھ نہیں سمجھ پائی۔

"[illegible] ! آپ کو [illegible] شکایت کا موقع نہیں ملے گا آپ کا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔" اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا کہے اس نے جو سمجھا وہ کہہ دیا۔

"دیکھو موبی نقصان نقصان میں بہت فرق ہوتا ہے۔ مالی نقصان جتنا بھی ہو پورا ہو جاتا ہے۔ مگر کچھ نقصان ایسے ہوتے ہیں کہ جان دے کر بھی وہ نقصان پورا نہیں ہوتا اور وہ نقصان ہوتا ہے عزت کا آبرو کا اعتماد اٹھ جانے کا۔ یہ وہ نقصان ہوتا ہے موبی جو کسی قیمت پر پورا نہیں ہوسکتا اس لئے بچی ہوسکے تو اس نقصان سے بچنا اس گھر میں تمہاری ہی آزمائش نہیں بلکہ سب بے سہارا لڑکیوں کی آزمائش ہے۔"

فاطمہ کی شاید خود بھی سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ اس کو کس طرح سمجھائیں جبکہ ان نصیحتوں کے الجھے راستوں کو سلجھتی موبی گم سم سی بیٹھی مستقل ان کے پاؤں دبا رہی تھی۔

"بیگم صاحبہ ! ہم چھوٹے لوگ ہیں۔ میں بڑے بول تو نہیں بول سکتی لیکن انشاءاللہ پوری کوشش کروں گی کہ اس گھر کی عزت آبرو کی خاطر آپ کے اعتماد کو قائم رکھوں۔ اگر کبھی اس گھر کی عزت کی خاطر جان دینے کا وقت بھی آیا تو اسے میں اپنی خوش قسمتی سمجھوں گی۔" خوفزدہ لہجے میں ڈھلے یہ الفاظ نجانے کیوں فاطمہ کو کچھ خاص مطمئن نہ کرسکے نجانے کون کون سے خدشے ان کو پریشان کررہے تھے۔

"ہاں ٹھیک ہے ایک، اچھی لڑکی کو ایسا ہی سوچنا چاہئے۔ دیکھو مجھے اپنے ساتھ ساتھ تمہاری عزت بھی عزیز ہے۔ اس لئے بتارہی ہوں کہ بہت احتیاط سے قدم اٹھانا اس گھر میں جوان ملازم بھی ہے اور میرا جوان بیٹا بھی۔"

"لیکن کیا......؟" وہ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"لیکن یہ کہ زینت ! وجاہت کو چھوڑنے کا مطلب ہے کہ میں فٹ پاتھ پر آ جاؤں تو سوچ لو کہ یہ فٹ پاتھیے کے ساتھ رہ لوگی ؟"

"محبت کے رستے میں سوچ کا کوئی موڑ نہیں آتا ظفر ..! آپ کو جو کرنا ہے جلدی کریں میں اس بدکردار شخص کے گھر میں ایک پل ٹھہرنا نہیں چاہتی۔"

"ٹھیک ہے زینت ! میں چلتا ہوں کہیں وہ آ نہ جائے۔"

ظفر تیزی سے کمرے سے نکل گیا اور کچھ ہی دیر بعد وجاہت آ گیا۔ تیز پرفیوم میں نہایا وہ اس کے انتہائی قریب کھڑا تھا اور قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ وہ ایک دم پیچھے ہٹ گئی۔ وہ پھر ماں کی طرف دیکھنے لگا۔

"امی سو گئیں ؟ دوا وغیرہ دے دی آپ نے ؟"

"جی ہاں ! دوا لے کر سوئی ہیں۔ آج ان کی طبیعت خاصی خراب ہے۔ اس لیے میں نے ان کو نیند کی ٹیبلٹ بھی دے دی ہے۔"

اس نے جلدی جلدی ڈینیل دی اور دروازے کی جانب بڑھی تبھی وقت لڑکھڑاتے قدموں سے بڑھ کر اس نے زینت کا نازک ہاتھ پکڑ لیا تو وہ نفرت سے پیچھے ہٹ گئی مگر وجاہت نے اس کا ہاتھ نہیں چھوڑا۔

"آپ کو شرم آنی چاہیے۔ اپنی ماں کے کمرے میں نشے کی حالت میں آئے ہیں۔" وہ جھٹکے سے اس سے اپنا ہاتھ چھڑایا۔

"وجاہت صاحب ! آج کے بعد آپ نے ... آپ کا ... ہوگا۔"

شدت ضبط سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ تیزی سے باہر نکل گئی اور اب وہ مسلسل نانو کی گود میں سر رکھے روئے جا رہی تھی۔ اس نے من وعن ساری بات ان کو بتا دی تھی مگر وہ تو وجاہت کی پارسائی پر ایمان کی حد تک یقین رکھتی تھیں۔

"میری جان .... ! میری گڑیا ! تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہوگی۔ وجاہت بیٹا اس قدر اچھا سمجھا ہوا تعلیم یافتہ انسان ہے وہ اتنی گری ہوئی حرکت کر ہی نہیں سکتا۔ اس کے بارے میں ایسی بات ... تمہیں اس کے احسانات کے بارے میں سوچنا چاہیے تھا۔ ہم کیا تھے تنگ دستی کی خوف زدہ زندگی گزار رہے تھے۔ کہاں وہ ہمیں جھونپڑے سے محل میں اٹھا لایا۔ نوکر چاکر، عیش وعشرت، گاڑی اور کیا چاہیے ؟" نانو نے اتنا سا پاچوڑا لیکچر دیا کہ وہ چپ سی رہ گئی۔

"اس نے میرے ساتھ بدتمیزی کی۔ میرا ہاتھ پکڑا اور ..."

چلو ! تو خیر ہے۔ کل کو تم نے اسی کے نکاح میں آنا ہے۔" نانو اٹھتے ہوئے سے چھیڑنے لگیں تو وہ جھٹکے سے کھڑی ہو گئی۔

"پلیز نانو ! ایسا کوئی خواب مت دیکھئے۔ اس لیے کہ مجھے ایک باعزت شریف شوہر چاہیے اور میں وجاہت سے نہیں ظفر سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔" زینت کا تنا کہنا تھا کہ نانو بھتے سے اکڑ گئیں۔

"یا کہا تم نے ... ؟ تم ہم سے بالاتر ہو کر کوئی فیصلہ کرو گی ؟ کیا ہے اس کے پاس اور کیا نہیں ... کے پاس ؟"

"شرافت ! شرافت کی کمی ہے اس شخص میں۔ مجھے یہ محل یہ سلطنت ہرگز نہیں چاہیے نانو ! عزت کے ساتھ میں جھونپڑی میں روکھی سوکھی کھا لوں گی مگر گستاخی معاف نانو ! ظفر ایک بہت شریف آدمی ہے۔ میں اگر شادی کروں گی تو ظفر سے وجاہت سے مر کر بھی نہیں کروں گی۔" وہ معصوم لہجے میں بولتی باہر نکل ... اور نانو سر تھام کر رہ گئیں۔

"دماغ خراب ہو گیا ہے اس لڑکی کا ناداں سمجھتی نہیں۔ خواب اور حقیقت میں فرق نہیں جانتی۔ آپ اسے سمجھائیے۔ ظفر اسے زندگی کی وہ خوشیاں اور آسائشیں نہیں دے سکتا جو وجاہت دے گا۔ وجاہت کے ساتھ ... سے انکار کر رہی ہے۔"

نانو نانا سے مسلسل بات کر رہی تھیں۔ زینت کی شکایت کر رہی تھیں اور وہ بڑے تحمل سے اخبار دیکھ رہے تھے ... ان کی آخری بات پر ان کی طرف پلٹے۔

"بھئی بیگم ! آپ کا تو دماغ چل گیا ہے کہ گاؤں بسا نہیں اور چور آ گئے۔ ارے بھلے لوگ ..... ! ٹھیک ہے وجاہت نے ہمارے لیے بہت کچھ کیا ہے مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ وہ ہماری بیٹی کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے۔ آج تک اس نے اشارہ بھی نہیں کیا کہ وہ ایسی کوئی خواہش رکھتا ہے اور یوں بھی اس کا اپنا ایک اسٹینڈرڈ ... ہائی کلاس چھوڑ کر ہم جیسے گئے گزرے لوگوں سے جو اس کے ٹکڑوں پر پل رہے ہوں۔ نہیں بیگم ..... ! ایسا ... ہمیں تو ظفر ... اس کے بارے میں ضرور سوچا جا سکتا ہے بلکہ ظفر ہی ... بیٹی کے لیے موزوں ہے اور ظفر وجاہت ... اسی بات نہیں کی تو میں اس سے ظفر کے بارے میں ... کروں گا کیونکہ وہ بہت نیک شریف لڑکا ہے اور ایماندار اس قدر ہے کہ وجاہت کا کروڑوں کا بزنس چل رہا ہے مجال ہے ایک پیسے کا ہیر پھیر ہو۔"

"ہونہہ ! نانا تو اسی کی ایک ... سوچ ہے۔ خیر آپ وجاہت کا عندیہ لینے کے لیے ظفر ہی کا ذکر چھیڑنا ... خود ہی اس کی مرضی معلوم ہو جائے گی۔"

"چلو دیکھتے ہیں اللہ کی کیا رضا ہے۔ اللہ بہتر کرنے والا ہے۔"

نانا نماز کے لیے اٹھ گئے تو نانو کے ہاتھ بھی دعا کے لیے اٹھ گئے۔

● ● ●

"زینت ! میں وجاہت کا بزنس اس کا دیا ہوا گھر حتیٰ کہ اس کا دیا ہوا ہر تحفہ تک لوٹا رہا ہوں۔ میں اس غلامی کی زنجیریں توڑ ڈالنا چاہتا ہوں جس نے میرا ایک ایک سانس عذاب بنا دیا ہے میرے لیے۔ پھر میں ... رہا ہوں گا۔ زینت ! پھر سکون سے زندگی گزاریں گے۔ میں تمہیں نانا نانو سے مانگ لوں گا اور پھر ان شاء اللہ ہم ایک خوبصورت زندگی کا آغاز کریں گے۔"

ظفر کئی دنوں سے اس بارے میں سوچ رہا تھا اور اس ... نے کی ... جب سے لیے اپلائی بھی کر ... دیا تھا اور امریکہ میں اپنے ایک دور کے رشتے دار سے بھی ... کے علاج کی بات بھی کر لی تھی۔

"ہوں! قائل ہوں، قائل ہوں آپی! میں اپنے خیالات نظریات کو واپس لیتا ہوں۔ آپ خود ہی سوچئے بھلا محبت جیسے پاکیزہ جذبے سے انکار کون کر سکتا ہے۔" اس نے جاذبت سے کان کھجاتے مگر آپی بھی چن چن کر اس سے اس ہی کی باتوں کے بدلے لے رہی تھیں۔

"بجلی کے چھوٹے چھوٹے بال ہیں۔ تمہیں تو لڑکیوں کی پیدور ز سانپ کی طرح لہراتی بل کھاتی چٹیا پسند ہے ناں۔"

"اوہو! آپی! ہاں آج چھوٹے ہیں کل بڑے ہو کر سانپ بن جائیں گے۔"

"میں سب جانتی ہوں۔ تمہیں تو بڑی عمر کی اپنی ہم عمر سو بری لڑکیاں پسند ہیں ناں۔ وہ بجلی تو تم سے کم از کم بھی دس بارہ سال چھوٹی ہوگی۔"

"کہا ناں آپی! میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔ آپ ٹھیک کہتی تھیں کہ لڑکی کو کم از کم اتنا ہی چھوٹا ہونا چاہئے کیونکہ لڑکیاں شادی کے بعد عمر سے زیادہ بڑی لگنے لگتی ہیں۔"

"ہوں..... ! تو اس کا مطلب ہے کہ عشق کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ ہوں؟" عائشہ نے اسے پر بھری نظروں سے دیکھا تو وہ اٹھ کر ان کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

"آپی! اب سوچ کیا رہی ہیں چٹ منگنی بلکہ منگنی کی بھی کیا ضرورت ہے پٹ بیاہ کروا دیجئے۔" وہ جوش اور خوشی میں چیخ کر بولا تو سبھی بھی کھڑے ہو گئے۔

"ہاں بھئی! نیک کام میں دیر کیوں؟ جب ہمارے صاحب اس حد تک آگے بڑھ چکے ہیں۔"

"ارے بڑے بھائی! آپ سب سن رہے تھے۔" شہباز شرمندہ سا ہو گیا۔ اپنے جنون میں واقعی ان کی موجودگی بھول چکا تھا۔

● ● ●

"اوکے! اوکے سر! میں پہنچ جاؤں گی۔ او کے خدا حافظ۔"

"مما! مما! مجھے ابھی جانا ہے ذرا! اوہ اب کون ہے؟"

وقار سے بات کر کے وہ مما کو اطلاع دینے جا رہی تھی کہ پھر فون کی بیل ہوئی۔ وہ بیل بھی تو شہباز کو نمبر دل کے تاروں کو چھیڑتا ہوا ہونٹوں پر مسکرانے لگا۔ اس نے جھک کر ریسیور اٹھایا۔

"ہیلو.....!" آواز میں دھڑکنوں کی جلترنگ گونج رہی تھی۔

"ہیلو! میں شہباز بات کر رہا ہوں۔" شہباز نے بھی آج براہ راست سب کچھ کہہ دینے کا فیصلہ کر لیا تھا اس لئے اس کا دل بھی انجانے خدشوں سے دھڑک رہا تھا۔ وہ لا ابالی سی لڑکی جسے ماڈلنگ کا جنون ہے کیا خبر اس کے خوابوں میں اپنے اقرار کے رنگ بھر دے یا نقوش مٹا ڈالے۔

"اوہ! تو آپ ہیں۔ اچھا ٹھہریے میں بھائی کو بلاتی ہوں۔ ان سے ہی بات کرنی ہے ناں آپ کو.....؟"

"ہرگز نہیں! خرم سے رات میری بات ہو چکی ہے۔ اس وقت میں نے آپ سے بات کرنی ہے۔"

آپ کو ہر فیصلے کے لئے تیار کر چکا تھا سی لئے بھی میں اعتماد تھا۔

"مجھ سے کیا بات؟ میرا مطلب ہے ابھی میرے پاس وقت نہیں ہے۔"

بجلی کا دل بڑے زور سے دھڑکا کہ نجانے کیا کہہ دے۔ وہ چونکہ خود چپ چاپ ہی اس کی طرف اتنی بڑھ چکی تھی۔ چاہتی تھی کہ وہ کچھ کہے گو کہ اپنی تعریف کروانے کی اسے کوئی حسرت نہیں تھی۔ نجانے کون کون اسے سراہتا مگر اس کے لئے یہ شخص اور اس کی رائے اہم تھی۔

"دیکھئے محترمہ! میں آپ کا فین نہیں ہوں جس کو آپ وقت کی زنجیر پہنا رہی ہیں۔" اس کے اندر کی بات پر وہ سلگ ہی اٹھا۔

"تو؟" وہ اس کے غصے سے محظوظ ہوتے ہوئے بولی۔

"تو پھر کہ مجھے زیادہ باتیں بنانی نہیں آتیں۔ آپ کو پسند کرتا ہوں اور آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں بس اتنا.....!" وہ غصے میں پھر سے اندر میں وہ سب کچھ کہہ گیا جو کہنے کے لئے اس نے کتنی بار سوچا تھا۔ مگر پھر کہہ نہیں پایا تھا آج اتنی جلدی کہہ گیا کہ خود بھی حیران رہ گیا اور بجلی کو لگا جیسے سارے رنگ روشنی کے سب وہ میں اس اطراف میں رقصاں ہو گئے ہوں۔ اسے لگا جیسے وہ صدیوں سے اس اکھڑ شخص کو چاہتی چلی آ رہی ہو۔ مگر وہ اپنے جذبوں کی صداقت کا یقین تھا دل تھامے اس کے جواب کا منتظر تھا۔ اسے یکدم شرارت سوجھی۔

"اور اگر میں کہوں کہ میں آپ سے شادی نہیں کرنا چاہتی تو.....؟"

اس جملے کی شوخی سے بے خبر جیسے شہباز کے اندر بم کی طرح پھٹ پڑا۔ ایک تو اس کے انکار کا صدمہ اوپر سے بات کہنے کا دکھ وہ سلگ کر بھڑک اٹھا۔

"تو کر دیں انکار۔ نہ کریں شادی۔ یہاں کون مرا جا رہا ہے؟ آپ کا کیا خیال ہے کہ آپ کے انکار پر میں خودکشی کر لوں گا یا گریبان چاک کر کے جنگلوں میں نکل جاؤں گا تو محترمہ۔ ایسا ہرگز نہیں ہوگا بلکہ یہ محبت کا جنون اور آپ سے شادی کے خیال کو وقتی خلل سمجھ کر بھول جاؤں گا۔ آپ کیا سمجھتی ہیں خود کو۔ خدا حافظ!" وہ جو ہرگز بھی بدتمیز نہیں تھا اسے تو اپنے جذبات و اظہار پر کنٹرول تھا اپنے ضبط پر خوشی تھی۔ آج اس کے تمام دعوے پانی کی طرح بہہ گئے۔ اس نے زور سے ریسیور پٹخ دیا تو بجلی کو لگا جیسے وہ اور ہی دنیا میں ہو۔ وہ شخص اسے بھی اتنا ہی چاہتا تھا جس کو ایک نظر دیکھنے کے بعد وہ چاہنے لگی تھی۔ یہ الگ بات کہ اس حقیقت کو وہ خود سے بھی چھپاتی رہی تھی۔

"میں! میں سب جانتا ہوں۔ اس نے اس بڈھے منحوس صورت والے وقار عثمانی کی وجہ سے انکار کیا ہے اور یاد رکھو راحیل! اگر اس نے وقار کی وجہ سے مجھے ٹھکرایا تو تو قتل کر دوں گا اس شخص کو۔" غصے میں مسلسل کبھی دیوار پر میز پر ہاتھ کے مکے مار مار کر اپنا غصہ نکالتے شہباز کو معلوم ہی نہیں تھا کہ محض اس کی وجہ سے بجلی نے وقار عثمانی کے ساتھ ماڈلنگ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

"بدشکل جسم کا یہ چمگادڑ خود کو سمجھتا کیا ہے۔" وہ دھاڑا تو راحیل جو اس کی موجودہ کیفیت اور گزشتہ نظریات اور بڑے بڑے دعوؤں کا سوچ کر مسکرا رہا تھا، بولا۔

"تم تو کہتے تھے کہ....." ابھی راحیل نے اس کی بات جتانے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ وہ غصے سے

پلٹنا۔

"جھوٹ کہا تھا بکواس کی تھی یار ! جب تک بندہ ڈوبتا نہیں گہرائی کا اندازہ نہیں ہوتا۔"

"تم تو لیلیٰ پر اعتماد کرتے تھے پھر یہ وقار صاحب کو درمیان میں کیوں لے آئے ہو ....؟"

"مجھے اس کا اب بھی اعتماد ہے وہ ... وہ محض اپنے شوق کی خاطر اس جھنجٹ کو پسند کرتی ہے۔"

اسے معلوم تھا کہ لیلیٰ بہت اچھی مضبوط لڑکی ہے اور اس اعتبار سے وہ سمجھتا تھا کہ وقار بھی لیلیٰ میں کوئی خاص دلچسپی نہیں رکھتا مگر پھر بھی اسے جب شوبز ہی پسند نہیں تھا وقار تو لیلیٰ کو اس فیلڈ میں رہنے کا مجرم تھا اور اسی لئے اسے اس سے سخت چڑ تھی اور اب بھی لیلیٰ کے انکار کا مجرم بھی وہ اسے ہی قرار دے رہا تھا۔

"یقین اور اعتماد محبت کی یا کسی بھی رشتے کی بنیاد ہوتے ہیں اس لئے ! اگر تمہیں اپنی محبت پر یقین اور لیلیٰ پر اعتماد ہے تو تمہاری یہ جھنجھلاہٹ بے معنی ہے اور اگر اس نے انکار کر دیا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں"

"انکار، انکار ہوتا ہے راحیل ! اس کا کوئی بھی مطلب ہو مگر مجھے بھی کوئی پروا نہیں ہے۔ وہ خود کو سمجھتی ہے کہ میں اس قدر دیوانہ ہوں کہ اس کے انکار سے نجانے کیا کر بیٹھوں گا۔ کہہ دینا جا کے مجھے بھی کوئی پرواہ نہیں۔ کیا سمجھتی ہے وہ خود کو۔"

وہ مسلسل بولے جا رہا تھا اور نجانے کس کو مطمئن کر رہا تھا۔ راحیل مسکرا کر اسے دیکھ رہا تھا۔

"یہ کسے تسلی دے رہے ہو ....؟ کسے سنا رہے ہو ....؟ اور کیا واقعی تمہیں اس کے انکار کی پرواہ نہیں ۔ ؟" راحیل اس کے مقابل کھڑا ہو چکا تھا تو وہ بے بس سا صوفے پر گر گیا۔

"پہلی بار ہی تو احساس ہوا ہے کہ پرواہ کیا چیز ہے۔ پہلی بار ہی تو کسی کے ٹھکرائے جانے کے احساس سے آشنا بھی تو ہوا ہوں اور یہ درد کتنا سخت ہوتا ہے کہ جسے آپ چاہ رہے ہوں اور وہ آپ کو ٹھکرا دے تو ....تو "

وہ جذباتی سا ہو گیا۔ راحیل کتنی ہی دیر اسے سمجھاتا رہا مگر ایک عجیب طرح کا احساس ٹھکرائے جانے کا درد سارے جسم میں پھیل گیا۔ وہ بستر پر کروٹیں بدلتے ہوئے آدھے چاند کی زرد روشنی کو دیکھتا رہا۔ خنکی فضا میں عجیب اداسی اور ویرانی تھی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی ہر سوچ اسی کے دائرے تک جا کر ختم ہو رہی تھی جس کو اس نے ٹوٹ کر چاہا تھا آج اسی نے دل راکھ کر دیا۔ نیند بھی نہیں آ رہی تھی۔ وہ اُٹھ کر کھڑکی میں آن کھڑا ہوا۔ عجیب سی کیفیت ہو رہی تھی۔ نظروں میں اس ستم گر کا حسین چہرہ تھا۔ وہ لمحہ جب اس نے اسے پہلی بار دیکھا تو یوں لگا تھا کہ اس کی تلاش اس کی جستجو کی منزل مل گئی ہو۔ ابھی وہ اسی کے خیالوں میں گم تھا کہ فون کی بیل ہوئی۔ وہ بہت جھنجھلایا ہوا اور اپ سیٹ سا تھا۔ اس وقت کسی سے بات کرنا نہیں چاہتا تھا تاہم اس خیال سے کہ راحیل نہ ہو، بیٹھ گیا۔

"ہیلو.... !" آواز کی گمبھیرتا میں مزاج کی تلخی تھی۔

"ہیلو... !" دوسری طرف لیلیٰ تھی۔ آواز کی جلترنگ شوخ سی تھی۔ وہ ایک دم اُچھل سا پڑا۔ اس نے فون کیا تھا تو یقیناً کوئی اچھی بات تھی۔

"جی فرمایئے !"

"اُف لگتا ہے ابھی بھی انگارے بھرے ہوئے ہیں منہ میں۔" وہ شوخ ہونے لگی تو وہ سلگ اُٹھا۔

"میں منہ میں انگارے بھروں یا برف آپ سے مطلب آپ کو نہیں بھگتنا نا ساری عمر ؟ ...برف اُگلنے والے بندے سے شادی کیجئے۔" وہ بدستور روٹھا تھا۔

"یہ تو آپ ٹھیک رہے ہیں۔ اچھا بتایئے اس وقت آپ کے چہرے پر نہیں آپ کی گھڑی پر کیا بجا ہے" وہ اسے تنگ کرنے کے فل موڈ میں تھی اور اس کی اس بات پر تو وہ بھڑک اُٹھا۔

"...رات کے بارہ بجے آپ نے وقت پوچھنے کے لئے فون کیا ہے ؟ اور وہ بھی میری گھڑی کا۔" وہ

"نہیں ! وقت پوچھنے کے لئے نہیں بلکہ میں نے اس وقت فون آپ کو یہ بتانے کے لئے کیا ہے کہ ...برف اُگلنے والا بندہ پسند نہیں بلکہ میں بھی انگارے چبانے والے بندے کو پسند کرتی ہوں اور اسی سے ...شادی کروں گی۔"

اس کے شوخ لہجے میں اقرار کی جلترنگ گونجی تو شہیر کو اپنی سماعتوں پر شبہ ہونے لگا۔ چاروں طرف ...روشنی بکھر گئی۔

"تو اس کا مطلب تم مجھے .... ہیلو ... ہیلو ... !" وہ خوشی سے لڑکھڑاتی آواز میں ہیلو ہیلو ہی کرتا رہ گیا ...اور ریسیور رکھ چکی تھی۔

"بدتمیز لڑکی نے جان ہی نکال دی تھی۔" وہ جھوم جھوم گیا۔

"ارے بھئی بیگم صاحبہ! چھری تلے دم تو لیجئے۔ شہباز کس کو ناپسند ہے؟ مجھے بھی بہت پسند ہے اور میں خوش بھی بہت ہوں مگر لیلیٰ کی طرف سے خطرہ ہے انکار نہ کر دے اور یوں بھی سیریل کی وجہ سے بہت بزی ہے۔ اس کو کینیڈا بھی جانا ہے۔"

"لیلیٰ کی طرف سے آپ فکرمند نہ ہوں میں بات کر لوں گی۔ بس آپ تیاری کریں۔"

"ارے۔۔۔۔۔! آپ تو ہتھیلی پر سرسوں جمانے کا پروگرام لئے کھڑی ہیں۔"

"بس! ابھی سمجھ لیجئے۔ میں بیٹی کا خوبصورت مستقبل دیکھ رہی ہوں۔ ذرا غور کیجئے شہباز کا تعلق اچھی فیملی سے ہے۔ خوبرو اسمارٹ ہے اور والدین کو کیا چاہئے۔۔۔۔۔؟"

"اوکے بابا! اوکے! جیسے آپ کہیں۔ انشاء اللہ سب ٹھیک ہوگا اور موتی کا کیا حال ہے کہیں نظر نہیں آئی۔" زبیر صاحب کا دھیان اچانک ہی موتی کی طرف گیا تو اس وقت جبکہ فاطمہ اپنی بیٹی کی شادی کی باتیں کر رہی تھیں موتی کا ذکر کڑوا بادام لگا۔

"آپ کو اس وقت موتی کہاں سے یاد آ گئی؟ ٹھیک ٹھاک ہے۔"

"بھئی! وہ بے آسرا بچی ہے اس کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہونی چاہئے اور سوتی کہاں ہے؟"

"عبدل چوکیدار کے پاس سوتا ہے اور وہ عبدل کے کوارٹر میں پڑ جاتی ہے۔"

"کیا کہا؟ تمہیں کچھ خیال ہونا چاہئے۔ وہ ایک مظلوم مگر یتیم بے سہارا لڑکی ہے۔ ٹھیک ہے قسمت میں اگر اسی خواری لکھی ہے تو ہمیں تو خیال رکھنا چاہئے ناں۔"

"اور کیسے خیال رکھا جاتا ہے۔ اچھا کھا پی رہی ہے ۔۔۔۔۔ دیتی ہوں اور اسے کیا چاہئے۔"

دکھی انسانیت پر سیمینار میں بڑے بڑے لیکچر دینے والی بڑی بڑی فلسفہ بولنے والی دوسرے لوگوں کو دکھی اور مجبور لوگوں خاص کر بے سہارا لڑکیوں کی مدد پر اکسانے والی بیگم زبیر پر جب یہ ذمہ داری آن پڑی تو وہ ایک ہمدرد دل رکھنے والی خاتون کی بجائے صرف خرم کی ماں بن گئیں جن کو موتی سے بہت سے خطرات ہو گئے تھے۔ وہ اس کے حسن، اس کی شخصیت سے خائف تھیں انجانے خدشے ان کو پریشان کرتے رہتے تھے تو وہ موتی پر احتیاط کے دائرے تنگ کر دیتیں۔ یہی وجہ تھی کہ موتی کو چھ ماہ گزر گئے تھے مگر نہ تو خرم کو اس کے گھر میں ہونے کا علم تھا نہ ہی موتی نے آج تک خرم کو دیکھا تھا۔ سوائے اس گروپ فوٹو کے جو فاطمہ کے کمرے میں لگا تھا جس میں خرم اپنی ماں کی گردن میں بازو ڈالے کھڑا تھا۔

"دیکھو فاطمہ! موتی بہت اچھی مختلف قسم کی لڑکی ہے۔ وقت اور حالات نے اگر اسے پابند سلاسل کر دیا ہے تو ہمیں اس کی نا خودداری کا خیال رکھنا ہوگا کوشش کرنا کبھی وہ ہرٹ نہ ہو۔ وہ مظلوم ہے اور مظلوم کی آہ بڑی پراثر ہوتی ہے اور کوئی اچھا سا رشتہ دیکھو اس کے لئے۔"

زبیر ہمدرد آدمی تھے۔ موتی پر ان کو نجانے کیوں بہت ترس آتا تھا۔ اتنی اچھی ہونے کے باوجود کہاں کہاں خوار ہو رہی تھی۔ بہنیں اپنے شوہروں کی وجہ سے بھی کبھار ایک آدھ گھنٹے کے لئے آتیں اور مل کر چلی جاتیں۔ کوئی اسے ایک آدھ دن کے لئے بھی اپنے ساتھ رکھنے کو تیار نہ تھی۔ تو یہی صورت میں سے یہ پناہ گاہ اچھی جاں

۔۔ تھی۔ وہ فاطمہ کو ہر ناگوار گزرنے والی بات امرت سمجھ کر حلق سے اتار کر لبوں پر مسکراہٹ سجا لیتی۔ آج ۔۔ ان کی طرف سے ایسی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ جب ہی تو وہ مطمئن تھیں مگر ذرا جو کوئی اس کی طرف توجہ دیتا ۔۔۔ کی گھنٹیاں ان کے اطراف میں گونجنے لگتیں۔

"پہلے میں اپنی بیٹی کے سہاگ کی کلیاں تو چن لوں پھر دیکھا جائے گا موتی کو بھی اور سنیے جی جب میں بچی ۔۔ بات کر رہی ہوتی ہوں تو موتی کا ذکر مت کیا کریں۔ سارا موڈ غارت ہو کر رہ جاتا ہے۔ اتنے پروگرام بھی ۔۔ کر۔"

مسز زبیر شوہر سے خفا خفا سی منہ کر چلی گئیں اور زبیر کو دیر تک ہلتے ہوئے پردے کی غیر متوازن ہر دل عزیز بیگم کی شخصیت ڈھلتی نظر آ رہی تھی۔ کتنا تضاد تھا ان کے جذبوں میں سوچ میں عمل میں۔ وہ افسردہ سے ۔۔ پڑھنے لگے۔

• • •

"دیکھئے لیلیٰ بی بی آپ کی الماری سیٹ ہو گئی ہے۔ ٹھیک ہے ناں۔ یا کوئی تبدیلی کرنی ہے؟"

موتی جس کو لیلیٰ نے اپنا کمرہ سیٹ کرنے کو کہا اب الماری کے دونوں پٹ کھولے اس کی رائے سے رہی تھی جو باہوں میں لگائے ہوئے رول اتار کر ایک طرف رکھ رہی تھی۔

"زبردست بھئی! آپ نے تو میرے کمرے کا حلیہ ہی بدل کر رکھ دیا ہے۔ مجھے تو فرصت ہی نہیں کہ کمرے کو ٹھیک کر سکوں۔ زبردست! آپ کو تو فیشن ڈیزائنر ہونا چاہئے۔ لگتا ہے آپ نے کوئی کورس وغیرہ کر رکھا ہے۔ مجھے اپنے کمرے کی تبدیلی بہت پسند آئی ہے۔"

"شکریہ لیلیٰ بی بی! میں نے کہاں سے کورس وغیرہ کرنا ہے بس اللہ کی مہربانی ہے۔" وہ بیڈ شیٹ درست کرتے ہوئے سادگی سے بولی۔

"گڈ! لیکن یہ کیا آپ مجھے لیلیٰ بی بی کہتی رہتی ہیں۔ چھوٹی ہوں آپ سے صرف میرا نام لیا کریں اور تم کہہ کر بات کیا کریں۔"

"نہیں بی بی! بڑا فرق ہے سو ہے اور پھر آپ مالک ہیں اور میں ملازمہ۔"

"کم آن موتی! یہ کیا سو سال پرانی بات کی ہے۔ پتا ہے دادا جان کہا کرتے تھے کہ خالق و مالک صرف ایک ہے۔ ہم سب کا مالک صرف ایک اللہ ہے ہم سب اس کے بندے ہیں برابری کے رشتے میں جڑے ہوئے ایک جیسے بندے۔"

"دادا جان نے بھی کہتے تب بھی یہی ایک حقیقت ہے کہ ہم سب کا مالک صرف ایک اللہ ہے اور ہم اس کے محکوم بندے۔" موتی تکیہ کا غلاف بدل رہی تھی۔

"تو پھر آج سے میں آپ نہیں تم ہوں، بی بی نہیں صرف لیلیٰ ہوں۔ بلکہ آج سے ہم دونوں دوست ہیں۔ میں بھی تمہیں تم ہی کہا کروں گی۔ دوستی میں عمر کا فرق حائل نہیں ہوتا۔ کیوں کرو گی ناں مجھ سے دوستی؟" لیلیٰ کا خوبصورت ہاتھ اس کے طرف بڑھا ہوا کھڑی تھی۔ موتی نے اس پیاری سی لڑکی کو دیکھا اور مسکرا کر اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیا۔

اتفاقی حادثہ تھا۔ اس کے لئے بھائی نے سوری بھی کر لی ہے۔ اچھا چلو اب ہم بہن بھائی کے لئے اچھی سی چائے بنا دو۔" لیلیٰ نے کہا تو موی تیزی سے مڑی مگر پاؤں کی وجہ سے وہ ذرا لڑکھڑا گئی تو خرم حسن کی نظریں جو ابھی تک اس کے حسین سراپے پر تھیں اس کے ذرا سے مڑے ہوئے پاؤں پر پڑیں تو ایک انجانا سا افسوس ہونے لگا۔ وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے بہن کی طرف مڑا۔

"یہ موی ہے موسیٰ..... ایک بہت اچھی تعلیم یافتہ مگر مظلوم لڑکی۔"

مختصر الفاظ میں لیلیٰ نے موی کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تو خرم کو نجانے کیوں افسوس ہونے لگا کہ وہ جو اتنی خوبصورت تھی تعلیم یافتہ تھی مگر جہاں اسے ہونا تھا وہاں نہیں تھی اور جہاں نہیں ہونا چاہئے تھا وہاں تھی۔

"اور سنئے بھائی..... آپ کو موی سے بہت زیادہ پرہیز ہے ورنہ بیچاری کی چھٹی ہو جائے گی۔"

"کیا مطلب ہے بھئی!" خرم واقعی نہیں سمجھ پایا تھا۔ حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

"مطلب یہ کہ اگر آپ نے بھی موی سے بات کر لی یا اسے پسندیدہ نظر سے دیکھ لیا تو ممی آپ کو تو کچھ نہیں کہیں گی بس موی بیچاری کا فیوچر تباہ ہو جائے گا۔ نکل ہمارے گھر میں جو ہوا اسی کی وجہ سے آپ کو معلوم ہے کہ ممی کتنی خوفزدہ ہیں اور اتفاق سے اتنی اچھی خوبصورت لڑکی ہمارے گھر میں بھی آ گئی ہے تو انہیں خوف ہے کہ کہیں آپ تو متوجہ ہو جائیں۔"

لیلیٰ کی ساری بات سن کر وہ مسکرا دیا اور موی کا حسین سجا ہوا چہرہ نظر میں گھوم گیا۔

"میری بھولی بہن یہ نہیں جانتی کہ خوشبو اور ہوا کو قید نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی یہ سرحدیں قبول کرتے ہیں۔ ایسے ویسے ممی کی اس قسم کی باتیں مجھے دکھ دیتی ہیں وہ جو کچھ [illegible] کیوں ہیں۔ سخت اختلاف ہے مجھے ممی سے۔"

"اختلاف تو بھائی مجھے بھی ہے کیونکہ ممی مجھے بھی موی سے کھل مل کر بات کرنے سے منع کرتی ہیں۔ اس کے سامنے کہہ دیتی ہیں کہ مالک اور ملازم میں فرق رکھو حالانکہ وہ بہت اچھی لڑکی ہے اور حساس بھی بہت ہے۔ ممی تو اسے کچن سے باہر دیکھنا ہی پسند نہیں کرتیں۔ وہ تو میں نے کہہ کہہ کر اسے اپنے کمرے میں آنے کی اجازت مانگی ہے ورنہ آپ کا کمرہ تو اس کے لئے ممنوعہ علاقہ ہے۔"

"یہ زیادتی ہے لیلیٰ! ایک اتنی پڑھی لکھی لڑکی کو گھر کی ملازمہ کی حیثیت سے رکھا جائے مجھے تو [illegible] ٹھیس بھی پہنچائی جائے۔ وہ مظلوم لڑکی ہے۔"

"خدا کے لئے! خدا کے لئے بھائی! ہمدردی اور انسانیت کے یہ الفاظ میرے کانوں تک ہی محدود رہیں اگر کبھی جو خدانخواستہ ممی نے سن لیا تو بیچاری در بدر ہو جائے گی کیونکہ اس کی سگی بھی اپنے شوہروں کی وجہ سے اس کو نہیں رکھ سکتیں اور موی کو ممی نے صرف ایک شرط پر رکھا ہے۔ کوئی فساد نہیں ہے گا۔ ممی کی عقابی نظریں ہر وقت موی کے تعاقب میں رہتی ہیں۔ اب کوئی گڑبڑ مت کر دیجئے گا۔ ممی تو جھٹ اسے نکال باہر کریں گی اور اس وقت آپ کی انسانیت سے دوستی رحم دلی سارا فلسفہ کہیں دور جا پڑے گا۔"

"ڈونٹ وری! میں ایسا کچھ نہیں ہونے دوں گا کہ اس کی عزت پر حرف آئے۔" خرم سب کچھ سمجھ گیا تھا ابھی اس کی بات مکمل بھی نہیں ہوئی تھی بیگم زبیر کو ابھی راستے میں موی ملی تھی گھبرائی ہوئی آ گئیں۔

"... وہ موی کب یہاں سے گئی ہے؟"

"ان موی! اچھا وہ ملازمہ... کمال کرتی ہیں ممی... آپ ملازم رکھتے ہوئے بس صرف ہمدردی کا ہی استعمال کرتی ہیں وہ ملازم لگتی ہے؟ میرا مطلب ہے اگر ملازمہ رکھنی تھی تو کوئی اچھی ڈیل ڈول والی رکھتیں۔ سوری ممی! آپ کی یہ ملازمہ مجھے بالکل پسند نہیں آئی۔ اسے صرف کچن تک ہی رکھا کریں۔ میں پسند کروں گا کہ وہ سارے گھر میں پھرتی نظر آئے۔" وہ بے قاعدہ چہرے اور لہجے میں نفرت لئے یوں کہہ رہا تھا کہ کچھ دیر کے لئے لیلیٰ بھی حیران رہ گئی۔ مسز زبیر تو کھل اٹھیں۔ آج کتنے عرصے بعد انہیں سکون ملا تھا کہ خرم ایسا بھی سوچ سکتا ہے۔ وہ موی کے خلاف کیا بولا ان کو خطرے کے بادل چھٹتے نظر آنے لگے۔

"تو تمہیں موی پسند نہیں آئی..... میرا مطلب تمہیں پسند نہیں کہ وہ سارے گھر میں نظر آئے.....؟" اس کے دونوں بچے ... لکل ... پڑھ رہے تھے ... ہوں میں گھری خوفزدہ ماں نظر آ رہی تھیں۔

"ارے ممی! آپ بھی کمال کرتی ہیں میں تو یہ چاہتا ہوں اسے پہلی فرصت میں نکال باہر کیجئے۔ مجھے وہ ... پسند نہیں آئی۔"

"میں کیا کروں بیٹا! اس کی ماں مرتے وقت اس کی ذمہ داری سونپ گئی ہے۔ خیر تم فکر نہ کرو میں اس کا بندوبست کر دوں گی وہ تمہارے سامنے نہیں آئے گی اور کے ... تم دونوں بہن بھائی باتیں کرو میں جوس لاتی ہوں۔" مسز زبیر مطمئن ہو کر چلی گئیں۔

"بھائی ... یہ سب کیا ..."

"صرف ایکٹنگ! ..." وہ بیڈ پر ہاتھوں کا تکیہ بنا کر نیم دراز ہو گیا۔

"کہو ... ماننا ہوتا ہے ... کیسی ایکٹنگ تھی۔ ... بقول تمہارے وہ بیچاری اور مظلوم لڑکی ہے ... اور قبول کرنے کو تیار نہیں تو ہم قبول کر بیٹھے ہیں۔ میرا مطلب ہے میں اگر اس کی ذرا سی بھی حمایت کر دیتا تو ... اسے کھڑے کھڑے نکال دیتیں۔ میں ایسا تو نہیں ہوں کہ کسی کو بے گھر کر دوں۔"

• • •

شہباز کو تو ملاقات کی جلدی تھی ہی عائشہ آپی اور ... بھائی کو اس سے زیادہ جلدی تھی اس لئے آج شام بھی وہ آ گئے۔ لیلیٰ اسی وقت تیار ہو کر باہر جا رہی تھی۔

"کہیں جا رہی ہو لیلیٰ؟" آپی نے پیار سے اسے ساتھ لگایا تو اس نے ان کی اوٹ میں کھڑے شہباز کو دیکھا جو بظاہر تو بڑا لاپرواہ بنا ہوا تھا مگر ساری توجہ اس پر تھی جو بہت حسین لگ رہی تھی۔

"جی آپی! وہ وقار صاحب نے بلایا ہے۔ کینیڈا جانے سے پہلے انہوں نے پوری ٹیم کی میٹنگ بلوائی ہے۔" تفصیل تو وہ اور بھی بتاتی مگر اس کی نظروں نے دیکھا کہ وقار کے نام پر شہباز کی مٹھیاں زور سے بھینچ گئیں، ... چہرے پر تلخی آ گئی تاہم لب خاموش رہے۔

"ارے بیٹا! اب ان چکروں کو چھوڑو اور ہمارے سالے صاحب کو نکیل ڈال دو۔" یہ بھی وہاں ... گیا تو ... "مبین صاحب لیلیٰ کو بیٹی ہی کہتے تھے۔ ان کی اپنی بیٹی لیلیٰ کے برابر تھی۔

"تو کیوں نہیں...... کچھ دیر پہلے میں نے زینت کو کہا تھا کہ سب لوگ تیار ہو جائیں ہم آج گھومیں پھریں گے اور ڈنر بھی باہر کریں گے۔"

وہ کمال ڈھٹائی سے جھوٹ بولتا ہوا زینت کی طرف دیکھ رہا تھا جو چائے کا کپ لئے ابھی اندر آئی تھی اور اب غصے اور حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"نہیں تو بیٹا! زینت نے ہمیں کچھ نہیں بتایا۔ کیوں زینت...! اگر ایسی بات تھی تو ہمیں بتایا ہوتا۔"

"اوہو بھئی زینت...! ابھی باہر لان میں آپ نے اور میں نے کتنی باتیں کی ہیں اور پھر آپ ہی کی فرمائش پر میں نے یہ پروگرام بنایا ہے کہ آج ذرا گھومنے پھرنے کے لئے نکلیں اور سب نانو کے سامنے"

"آپ کے سامنے یہ بہت شرما جاتی ہے۔ کیوں زینت...!"

وہ بدتمیزی سے اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا جھوٹ بولے گیا۔ ہونٹوں پر عجیب چڑانے والی مسکراہٹ تھی۔ زینت کھول کر رہ گئی۔ اس کا شدت سے دل چاہا یہ کھولتی چائے اس کے وجیہہ مگر خبیث چہرے پر انڈیل دے۔

"وجاہت...! کسی کی مجبوری سے اس طرح فائدہ اٹھانا اخلاقی اعتبار سے گرا ہوا عمل ہے۔ میں تنی چیپ نہیں ہوں کہ آپ کے ساتھ بیٹھ کر گپ بازی کروں اور کھانے کھاتی پھروں۔" وہ دانت پیس کر بمشکل بات کر پائی۔ آنکھیں جل رہی تھیں۔

"گپ بازی تو آپ خوب کرنا جانتی ہیں ہم سے نہ سہی کسی اور سے... خیر چھوڑیں... دیکھیں نانو! آپ نے یہ لڑکی میرے ساتھ کتنا لڑتی ہے۔ باہر اچھے خاصے موڈ میں باتیں کر کے آئی ہے اور اب... چھوڑیں نانو! اسے تو میں نے بتا دیا ناں..... تیار ہو جائیے میں بھی تیار ہو کر آتا ہوں [illegible] تھیں۔"

"وجاہت صاحب...!" وہ اتنے زور سے چلائی کہ دوسرے کمرے سے نانا تیزی سے اندر آئے۔ اندر کے سین سے لگا تو نہیں کہ کوئی چیخنے والی بات ہوئی ہوگی وہ گھبرا سے گئے۔

"خیریت تھی...؟ کون چیخا تھا بھئی؟ آؤ زنو میری گڑیا کی تھی۔"

وہ زینت کی طرف بڑھے جس کا اضطراب جواب دے رہا تھا۔ وجاہت کی باتوں نے اسے اس کی نظروں میں گرا دیا تھا۔

"کیا ہوا زینت بیٹی! کسی نے کچھ کہہ دیا ہے کیا...؟"

نانا اس کے آنسو دیکھ کر تڑپ اٹھے جبکہ نانو ناک بھوں چڑھانے لگیں۔

"نہیں بابا! جسے قسمت نے مار دیا ہو، اسے کوئی اور کیا کہہ سکتا ہے؟" وہ بمشکل اپنی چیخیں دباتی باہر نکل گئی۔

"اس کو کیا ہوا بیگم...! کسی نے کچھ کہہ دیا تھا کیا...؟"

زینت کے چلے جانے سے وجاہت سوچ میں پڑ گیا تھا۔ اس کا پلان فیل بھی ہو سکتا تھا۔ فی الحال وہ خاموش ہو گیا۔

"ارے... ہونا کیا ہے؟ مت ماری گئی ہے آپ کی بیٹی کی... باہر کہیں اس کو کہہ آئی ہے کہ گھومنے چلتے ہیں اس نے مجھے تیار ہونے کو کہا تو اسی پر خفا ہونے لگی اور پھر روتی چلی گئی۔"

"نہیں...! اس کے ناراض ہونے اور رونے کی وجہ یہ نہیں ہے۔ وجہ کوئی اور ہے۔"

وجاہت نے ان بڑے میاں بیوی کو دیکھا۔ چہرے پر معصومیت طاری کی اور دروازے کی طرف بڑھتے بڑھتے پھر واپس پلٹا۔

"ٹھیک ہے نانو... آج کا پروگرام ملتوی بلکہ ختم سمجھیں۔ زینت تو مجھ سے شدید نفرت کرتی ہیں اور میں ہوں کہ آپ سب کی محبت میں جانے کیا کچھ کرنا چاہتا ہوں۔ یقین جانیے نانو...! آپ لوگوں کے آجانے سے میری زندگی میں بہار آ گئی ہے۔ میری ماں تو ہونے کے باوجود نہیں ہیں، باپ ہے نہیں، جنہیں اپنے کہہ سکوں وہ نہیں ہیں۔ میں... کیں [illegible] سوچا تھا آپ لوگوں کے ساتھ زندگی اچھی گزر جائے گی مگر زینت بھی مجھے اگر پسند نہیں کرتی تو میں آپ لوگوں کو تکلیف کیوں دوں...؟"

وہ ایک ایسا شخص جو آپ پر اتنا مہربان ہو، جس نے غربت کی تاریکی سے نکال کر خوشحالی کی چکاچوند میں لا کھڑا کیا ہو، زندگی کو پر آسائش اور پر لطف بنا دیا ہو، اگر وہی شخص آپ کی کسی بات یا حرکت سے دکھی ہو جائے تو کون ایسا ہوگا جو اس کی پروا نہیں کرے گا۔ اور یہی حال نانا اور نانو کا تھا۔ دونوں ہی اس کی بھرپور ایکٹنگ کے چکر میں آ گئے تھے۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا پھر وجاہت کو دیکھا۔ وہ سر جھکائے کھڑا تھا اور کسی جذباتی سین [illegible] نانا آگے بڑھے۔ دونوں نے یک ساتھ اسے گلے سے لگا لیا۔

"وجاہت بیٹے...! یہ تم نے کیسے کہہ دیا بیٹے.....! تم تو ہمیں زینت کی طرح عزیز ہو۔ تم خود کو اکیلے سمجھ رہے ہو ہم ہیں ناں تمہارے اپنے... زینت ابھی بچی ہے سمجھتی نہیں لیکن بیٹا.....! ہم تمہارے بزرگ ہیں جتنا زینت کا ہم پر حق ہے اتنا ہی تمہارا ہے۔ ہم تو تمہارے اتنے احسان مند ہیں کہ....."

"پلیز نانو...! ایسی باتیں نہ کریں۔ میں نے کیا کیا ہے آپ لوگوں کی خاطر جو کچھ کیا ہے اپنے لئے کیا ہے۔ خود غرض ہوں میں۔ آپ کو یہاں لانے میں میری غرض تھی کہ میری زندگی کی تنہائی دور ہو جائے۔ کوئی تو ہو جو مجھے بیٹا کہے، کوئی تو ہو جو میری ماں کی دیکھ بھال کرے۔ میری اپنی غرض تھی نانو...! آپ زینت سے کہہ دیجئے کہ آج کے بعد میں آپ لوگوں کو کہیں لے جانے کی ضد نہیں کروں گا۔ آج میرا دل بہت اداس ہو رہا تھا اسی کی وجہ سے... سوچا آپ لوگوں کو ساتھ لے جاؤں گا کچھ گھوم پھر کر باہر کھانا وغیرہ کھا آئیں گے تو ذرا ذہن کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا لیکن اب میری قسمت ہی میں خوشیاں نہیں تو قسمت سے لڑ تو نہیں سکتا۔ ٹھیک ہے آپ لوگ آرام کیجئے آئندہ میں کہیں جانے کا یوں کہہ کے خوش نہیں ہوا کروں گا کہ میری وجہ سے اتنے سارے لوگ ماں کر زینت افسردہ ہوں۔"

وہ جذباتی لہجے میں تقریر کرتا ہوا دروازے کی جانب بڑھا تو دونوں بزرگ تڑپ اٹھے۔

"نہیں بیٹا! ایسا نہ کہو۔ ہم ضرور جائیں گے۔ جاؤ بیگم! تیار ہو جاؤ اور زینت سے کہو فوراً تیار ہو جائے۔" بابا نے وجاہت کو ساتھ لگا کر کہا تو وہ مکاری سے مسکرا دیا۔

"سوری ! مجھے یہ سب نہ چاہتے ہوئے بھی کرنا پڑا کیونکہ یہ سب جس طرح میرے لئے تکلیف دہ تھا۔ اسی طرح تمہارے لئے تھا اس لئے میں نے سوچا اسی طرح جایا جا سکتا ہے ورنہ تو وہ ہمیں ہرگز نہ چھوڑتے ... مائنڈ تو نہیں کیا ...؟" وہ اس مہربان آشنا شخص کو دیکھ کر رہ گئی جو اس کو اتنا جانتا تھا۔

"نہیں ! اس میں مائنڈ کرنے والی کیا بات ہے۔ میں تو ہر وقت آنے والے طوفان سے خوفزدہ رہتی ہوں۔"

"یو ڈونٹ وری ! کہا ہے ناں یہ سب مجھ پر چھوڑ دو۔ جس طرح میں نے تمہارا یہ ہاتھ چھوڑ دیا اسی طرح تم اس فکر کو چھوڑ دو۔"

واصف نے اس کا ہاتھ آہستگی سے چھوڑتے ہوئے کہا تو وہ خاموشی سے اسے دیکھنے لگی۔ پھر دونوں چپ چاپ الگ ہو گئے۔

واصف بہت سوچ رہا تھا۔ وہ کسی صورت بھی آمنہ پر الزام آنے دینا نہیں چاہتا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر آمنہ کا نام آ گیا تو قیامت آ جائے گی۔ وہ بھائی ہمیشہ کے لئے بچھڑ جائیں گے۔ اسی لئے وہ اگلے ہی دن نیلم سے جا ملا۔

نیلم اس کی کالج اور یونیورسٹی فیلو تھی اور اسے بہت چاہتی تھی مگر جب اسے آمنہ کا پتا چلا تو وہ اس کی بہت اچھی دوست بن گئی اور واصف بڑی بے تکلفی سے ہر بات اس سے کرتا اور ہر مشورہ کر لیا کرتا اور اب بھی وہ دل اس کے سامنے کھول بیٹھا تھا۔

"بس ! میں نہیں جانتا۔ تمہیں میری مدد کرنا ہو گی۔"

"یعنی تم سے منگنی یا ...؟"

"تو یہ معاملہ ہے ...!" دونوں چونک کر پلٹے۔

• • •

"بڑے کمینے ہو یار ! یعنی ہمیں وہاں ٹریٹ کا کہہ کر خود یہاں آ بیٹھے ہو۔ چلو اٹھو ہمیں ٹریٹ اور باقاعدہ طور پر ہمیں اپنے نکاح میں شریک ہونے کی دعوت دو۔ اٹھو !"

ان دونوں کا بے تکلف دوست وسیم دونوں کے ہاتھ پکڑ کے اٹھا رہا تھا۔ نیلم اور واصف نے ایک دوسرے کو دیکھا اور اٹھنے کے بجائے اسے اپنے قریب بٹھا لیا تو وہ ان دونوں کو حیرت اور سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"[illegible] دوست کے دکھوں کی ٹریٹ مانگ رہے ہو کیسے دوست ہو یار۔"

واصف کے اندر کا سارا درد اس کے لہجے میں ڈھل کر آنکھوں کے کنارے تر کر گیا تو وسیم چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"مطلب یہ کہ نکاح کا یہ ڈرامہ کھیلا جا رہا ہے اور اس ڈرامے میں خود آمنہ بخوشی شامل ہے اس لئے۔"

مختصراً ساری بات نیلم نے وسیم کو بتائی تو وہ سر تھام کر رہ گیا۔

"اوہ تو سوری یار ! میں تو یہ سمجھا تھا کہ بات اگر نکاح تک پہنچی ہے تو یقیناً آمنہ بخوشی تیار ہو گئی ہو گی مگر ....." وسیم کو واقعی حقیقت جان کر دکھ ہوا تھا۔

"معلوم نہیں وسیم ! محبت کس کو کہتے ہیں کیا یکطرفہ بھی اتنی ہی شدید اور ظالم ہو سکتی ہے کہ کسی کو تباہ کر کے رکھ دے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میرے اتنے شدید جذبے یکطرفہ بھی ہو سکتے ہیں اور مجھے برباد بھی کر سکتے ہیں۔ میں لمحہ لمحہ جس کے لئے تڑپ رہا اس کی جدائی سے لپٹ کر اس سے ملنے کی دعا کرتا رہا۔ وہ ... وہ کسی اور کے لئے نہیں ... دوست ... یہ اذیت میں برداشت کروں گا یہ سوچا بھی نہیں تھا میں نے یکطرفہ محبت تو بددعا ہے اور مجھے ..... مجھے بھی شاید بددعا ہی لگی ہے۔ ہاں شاید تمہاری ... تمہاری بددعا لگی ہے مجھے نیلم ... !"

وہ جو سرخ چہرہ لئے سخت قسم کے جذباتی طوفاں میں گھرا اپنے ضبط کا بھرم بچا رہا تھا۔ ایک دم ہی نیلم کو دیکھنے لگا تو نیلم نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"یکطرفہ محبت عذاب ہے یہ میں خوب اچھی طرح جانتی ہوں۔ واصف میں نے تمہیں چاہا ہے اور خلوص

دل سے چاہا ہے مگر تمہاری بے اعتنائی سے میں نے یک ایسا در کھلا رکھا جہاں سے میں واپس لوٹ سکوں اور دیکھو میں آج کتنی مطمئن ہوں اور پھر جب ہم دوسروں کا درد اپنے دل میں محسوس کرتے ہیں تو درد کی شدت میں کمی آجاتی ہے اور جب مجھے تم سے کوئی شکایت ہی نہیں تھی تو بددعا کا تو سوچ بھی نہیں سکتی میرے لیے ایسا کبھی سوچنا۔ ہاں یہ ضرور کہتی ہوں آمنہ بہت ناسمجھ اور کم نصیب ہے کہ تم جیسے بندے کو ٹھکرا رہی ہے۔"

"نہیں نیلم! وہ نہ کم نصیب ہے اور نہ ہی ناسمجھ بلکہ وہ تو ہم دونوں سے زیادہ خوش نصیب لڑکی ہے، اس کی محبت یکطرفہ نہیں ہے اس کے جذبوں کو بھرپور پذیرائی ملی ہے وہ جو کوئی بھی ہے بہت زیادہ خوش نصیب ہے کہ نیلم جس کو آمنہ کی محبت ملی ہے۔"

واصف کے لہجے میں حسرت اور کم مائیگی کا لوچ تھا۔

"تم بھی تو عجیب بزدل آدمی ہو ناں۔ آمنہ تمہاری منگیتر ہے تم نے اسے اجازت کیسے دی کہ وہ کسی اور طرف دیکھے بھی۔"

"تو تمہارا کیا خیال ہے کہ میں اس پر جبر کرتا اپنے اور اس کے درمیان رشتے کی طاقت کو استعمال کرتا اس سے اس کو چھین لیتا یا مانگ لیتا۔ یا اس سے محبت اور ساتھ کی بھیک مانگتا تو نیور وسیم! تم اچھی طرح جانتے ہو میں ایسا کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔"

واصف جس نے بہت ضبط کیا ہوا تھا جب آمنہ نے اس کی خوشی کسی اور کے نام کرنے کو کہا تو وہ تنہا اکیلا ہو گیا تھا سے تو گھر کی ایک دیوار بھی نظر نہیں آتی تھی [illegible] سے مل کر وہ دل کھول بیٹھا۔

"تم بھی تو بہت بڑے چغد ہو ناں محبت کا میدان تو ابھی بھی تمہارے ہاتھ میں ہے۔ تم اپنا حق اپنا استحقاق استعمال کر کے اسے جانے سے روک سکتے ہو۔"

"مجھے جانتے ہوئے بھی یہ بات کہہ رہے ہو۔ اس نے اپنی محبت کا [illegible] ہے وسیم! اور میں کم ظرفی کی حدوں کو چھوتا ہوا اس امانت میں خیانت کروں اور زندگی کے ایک ایک لمحے کا [illegible] ہو جاؤں۔ اپنے ضمیر کا قیدی ہو جاؤں تاکہ وہ لمحہ لمحہ کچو کے لگا لگا کر مجھے مار ڈالے۔ نہیں نہیں وسیم! میں بہت کمزور [illegible] مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتی تھی اس لیے اور پھر شادی خوشی کا نام ہے۔ جس سے شادی سے خوشی نہ ملے وہ کرنے سے فائدہ اور پھر عورت محبت کے معاملے میں بڑی پکی ہوتی ہے اور پھر جب عورت خوش ہی نہ ہو تو وہ دوسروں کو کیا خوشی دے سکتی ہے۔ بس میں چاہتا ہوں کہ وہ خوشی کی وہ کرن بن جائے خود بخود ہی روشن ہو اور دوسروں کی زندگی میں بھی روشنی بکھیر دے اور میں نارسائی کے کسی تاریک سے کونے سے اسے خوش دیکھ کر خوش ہو لیا کروں۔"

واصف اس وقت بہت جذباتی ہو رہا تھا۔

"ٹھیک ہے، اچھی بات ہے کہ تم اس کی خوشی میں اپنی خوشی تلاش کر رہے ہو مگر دوست! اس کو خوشی کی منزل تک پہنچانے کا جو طریقہ تم نے سوچا ہے ناں وہ بہت فلمی اور کمزور ہے۔ میرا نہیں خیال کہ کامیاب ہو گا۔"

"وسیم! میں نے بھی سے یہی سمجھایا ہے مگر یہ سمجھ رہا ہے کہ شاید میں اس کی مدد کرنا نہیں چاہتی ہو دیکھو

میں جانتی مگر باقی تو جانتے ہیں کہ بچپن سے تم دونوں کی بات ہے، وراب نکاح کی ڈیٹ رکھی جا چکی ہے تم اپنے افیئر کا قصہ بتاؤ گے تو کوئی یقین نہیں کرے گا جبکہ تم ایسے نہیں ہو۔"

میں آمنہ کو چاہتا ہوں نیلم! اور اسے خوش دیکھنا چاہتا ہوں اسی طرح باقی سب مجھے چاہتے ہیں تو وہ مجھے خوش دیکھنا چاہیں گے اور خوشی دینے کی کوشش کریں گے۔"

"یہ بات میں جانتی ہوں کہ میں تمہاری خوشی نہیں ہوں۔"

اس نے گہرے سے لہجے میں کہا تو واصف کچھ دیر کے لیے شرمندہ ہو گیا کہ وہ کتنا خود غرض ہو گیا تھا کہ اس کو اپنے لیے استعمال کرنا چاہتا تھا۔ اپنی خوشی اپنی غرض کے لیے اپنی محبت کو خوش کرنے کے لیے۔

"نیلم! میرے اور تمہارے درمیان اچھی دوستی کا رشتہ تو ہے ناں۔ میں نے تمہیں اچھا دوست ہی سمجھا اور برے وقت میں اچھے دوست ہی کام آتے ہیں۔ تو کیا تم دونوں میرے ساتھ نہیں ہو گے...؟"

وہ دونوں کے ہاتھ پکڑے پوچھ رہا تھا۔

"تم ہماری دوستی کو اگر اس کھوکھلے سے کام کے لیے استعمال کر رہے ہو تو ہم تمہیں اکیلا نہیں چھوڑیں گے۔ ہے نا نیلم؟"

وسیم نے نیلم کو دیکھا تو وہ واصف کو دیکھ کر مسکرا دی۔

"ارے بھئی! مجھے منظور ہے۔ ذرا سے [illegible] پر بندہ مجھے اپنا تو کہہ رہا ہے ناں۔ یہ تو کہے گا ناں کہ اسے چاہتا ہوں پسند کرتا ہوں کیوں کہو گے ناں

[illegible] آپ [illegible] میں تمہیں [illegible] کرتا ہوں [illegible] بہت اچھی لڑکی ہو۔"

"اور وہ [illegible] وہ آمنہ سے کرتا ہوں۔ چیٹر کہیں کا۔"

نیلم نے اسی کے انداز میں اس کی نقل اتاری تو افسردہ ہونے کے باوجود ہنس پڑا۔

• • •

ہر گزرتا ہوا لمحہ واصف اور آمنہ کے تعلق کو مضبوط بنا رہا تھا۔ سب لوگ اس سے اس قدر محبت کرتے ہیں وہ تو سوچ بھی نہیں سکتی۔ وہ تو دنکار کے جواز کی تلاش کرتی رہتی مگر سب اس پر یوں واری صدقے ہوتے کہ وہ الجھ کر رہ جاتی۔ اوپر سے واصف کا انداز ان کی باتوں کو سمجھ کر اس کی ڈھال بن جاتا اس پر یک حرف کا اثر بھی وہ نہ [illegible] ایسے میں اسے لگتا کہ وہ حسن سے بہت دور ہو رہی ہے اور ایسا وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی تب اس کے مزاج بگڑ جاتے تو وہ روڈ ہو جاتی۔

اس وقت بھی وہ تائی جان کے بلانے پر نیچے آئی تھی۔ آخری سیڑھی تک پہنچی ہی تھی کہ کالج سے آتے ہوئے عارف نے اسے گھما ڈالا۔

"بھابی! او میری بھابی! تم جیو ہزاروں سال۔ بھیا ہماری راہوں ہی تمہارا رکھے سدا خیال ہو ہو بھابی......!"

وہ اپنی دھن میں اسے گھمائے گیا اور پھر ایک دم ہی چھوڑ دیا تو وہ چکرا کر ایک طرف کھڑے واصف کے ساتھ جا ٹکرائی۔ اس نے جلدی سے اسے تھام کر گرنے سے بچا لیا تو وہ غصے سے عارف کی طرف گھومی۔

"عارف ... یہ کیا بدتمیزی ہے؟ ہر وقت بدتمیزی کرتے رہتے ہو۔"

اس کی آواز کی تیزی بچے کی ناگواری کی اصل وجہ واصف ہی سمجھ پایا باقی موجود راحیلہ، کلثوم بیگم، عارف قطعی نہ سمجھ سکے۔ اس کا انداز راحیلہ بیگم کو اچھا نہ لگا۔

"مگر اس طرح برہم ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ چھوٹا دیور ہے تمہارا اگر پیار میں ایسا کر دیا تو اس میں اتنا چلانے کی کیا ضرورت ہے.....؟"

"نہیں چچی جان! آمنہ درست کہہ رہی ہے۔ ہر وقت کی شرارت اچھی تو نہیں ہوتی۔ کسی وقت انسان کا موڈ نارمل رویے کے لئے بھی تیار نہیں ہوتا کجا اس قسم کی شرارت اس کو یہ سا نہیں کرنا چاہئے تھا۔"

واصف یک بارگی جو حامی بنا اس کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ بس اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"اوہو! ابھی سے بیگم کی اتنی طرفداریاں، بھئی... ! یہ ہماری پیاری بھابی جان ہیں ہم تو چھیڑ چھاڑ کرتے رہیں گے۔ کیوں بھابی جان! ابھی تو ابتدا ہے ہماری شرارتوں کی آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔"

عارف نے اس کی بات کو قطعی مائنڈ نہیں کیا تھا اسی طرح شوخی سے دونوں کو دیکھ کر چھیڑ رہا تھا۔ اس کے پرشوخ جملے پر واصف دل تھام لیتا جبکہ آمنہ کوفت کا شکار ہو جاتی تھی۔

"عارف جان! ایسا مذاق اور شرارت ہرگز نہیں کرنی چاہئے جو کسی کو تکلیف دے یا ناگوار گزرے۔"

"رہنے دیں جان! ارے رہنے دیجئے آپ یہ سب ادائیں ہیں دکھاوے کا غصہ اور بناوٹی جھنجلاہٹ ہے۔ ورنہ ہم جانتے ہیں یہ ہماری پیاری بھابی جان کے دل میں لڈو پھوٹ رہے ہوتے ہیں ہمارے بھیا کے نام پر۔ کیوں بھابی!"

اپنی ذہن میں بولتا عارف آمنہ کی طرف جھکا تو واصف نے ... دیا۔

"شٹ اپ عارف! بہت زیادہ فضول بولتے ہو۔"

واصف کو اتنا غصہ آیا کہ اس نے زور سے اسے دھکا دیا اور بولا۔

"جھوٹ ہے بکواس ہے یہ سب.... کوئی کسی کو چاہتا ہے نہ مرتا ہے سمجھے تم...! بکواس کرتے ہو ہاں!"

کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ واصف جیسا سوفٹ بندہ اتنا ریش ہو سکتا ہے۔ وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھ گیا تھا۔ کچھ دیر کے لئے ماحول پر سکوت طاری ہو گیا۔ آمنہ شرمندہ سی ہو گئی۔ راحیلہ کی تیز نگاہوں کی چبھن بھی محسوس ہو رہی تھی کہ ذرا سا مذاق برداشت نہ کرنے کا انجام دیکھا۔ عارف کا الگ منہ لٹک گیا تھا۔ آمنہ خود بھی عجیب سے ملال سے دوچار ہو گئی تھی۔ دوسرا ماں کی تیز اور تنبیہی نگاہیں پریشان کر گئیں۔

"آئی ایم سوری عارف! مجھے تمہیں اتنا ریش نہیں ہونا چاہئے تھا سوری!" اس نے آگے بڑھ کر عارف کے سر پر ہاتھ پھیرا تو وہ مسکرانے لگا۔

"ارے نہیں بھابی جان! بھائی ٹھیک کہہ رہے تھے کہ بسا اوقات انسان کا موڈ ایسا نہیں ہوتا کہ ہر قسم کا رویہ برداشت ہو سکے۔ میں بھی آئندہ خیال رکھوں گا کہ ایسی کوئی حرکت نہ کروں۔"

"کیوں بیٹا! کیوں نہ کرو تم یہی شرارتیں، ایسی حرکتیں، کزن ہونے کے علاوہ یہ خوبصورت رشتہ بنایا

اللہ نے۔ تم دونوں کے درمیان دیور بھابی کا یہ رشتہ تو ہے ہی چھیڑ چھاڑ اور نوک جھونک کا۔ بڑی بھابیاں تو سو سو نخرے اٹھایا کرتی ہیں، آئندہ نہ ایسی بات کرنا یہ سب تمہارا حق ہے بیٹا... !" راحیلہ بیگم کو آمنہ کی بات بری تو لگی تھی مگر ٹال گئیں تھیں اور سب کلثوم بیگم بھی مطمئن ہو گئیں کہ آمنہ مزید الجھ گئی تھی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب وہ قدم بھی اٹھایا جائے گا اس کے اثرات کیا ہوں گے۔ شاید بالکل ایسے طوفان کے بعد کے اثرات جیسے جو سب کچھ جڑ سے اکھاڑ کر رکھ دیتا ہے۔ وہ ابھی الجھی سی چلی گئی۔

● ● ●

وقار حسانی نے بہت کوشش کی تھی کہ لیلیٰ جانے سے پہلے نکاح نہ کرے مگر لیلیٰ نے اللہ کا نام لے کر نکاح کے لئے ہاں کر دی تھی اور آج وہ شہباز کے خوابوں کی تعبیر بنی اس کے پہلو میں بیٹھی تھی تو وہ خود کو خوش نصیب ترین آدمی سمجھتے ہوئے خدا کا شکر ادا کر رہا تھا۔

"لیلیٰ...... آج تم اتنی اچھی لگ رہی ہو کہ دل چاہتا ہے تمہیں اغوا کر کے لے جاؤں وہ بھی گھوڑے پر۔ شہباز میاں بہت جچ رہی ہے نا؟" سہیل اس کو دیکھتا ہوا کہہ رہا تھا۔ اس کی محبت اس کی پسندیدگی اس کی عمر کی طرح معصوم اور ناپختہ تھی۔ وہ لیلیٰ کو پسند کرتا تھا مگر اس کے نکاح پر کوئی ایسا ناخوش بھی نہیں تھا، ورنہ لیلیٰ تو یوں بھی اسے اور اس کی محبت کو چٹکیوں میں اڑا دیتی تھی وہ نجانے کس انداز میں کہہ رہا تھا لیلیٰ نے گھور کر اسے دیکھا۔

"ہاں ہاں..... کیوں نہیں..... چلو تم میرے ہیرو کی طرف دیکھ لو۔"

"ارے بھئی..... یہیں پر تو مات کھا گیا ہوں تمہارا ہیرو اتنا زبردست ہے کہ میں تو سوچ رہا ہوں کاش میں لیلیٰ ہوتا اور آج میرا شہباز بھائی سے نکاح ہو رہا ہوتا۔"

شہباز دونوں کی باتیں سن کر مسکرا رہا تھا۔ سہیل کی بات پر وہ لیلیٰ کی طرف جھکا۔

"مجھے تو ایسا لگ رہا ہے جیسے ہماری کوئی قدر نہیں کی جا رہی ہے تمہیں بھی زبردستی بٹھا کر نکاح کروایا جا رہا ہے۔"

شہباز نے جان بوجھ کر کہا تو لیلیٰ جو اس کے قرب کی حیا سے چہرہ چھپائے بیٹھی تھی اسے گھورنے لگی۔ شہباز اس کے حسن کے سحر میں کھو سا گیا۔

"بہت وہ ہیں آپ! اچھو آپ کو کوئی فرق نہیں پڑتا ہاں مل جاتی یا نہ ملتی وہ تو میں ہی تھی کہ" اس کی آواز بھرا گئی۔ حسین آنکھوں میں نمی اتر آئی تو شہباز ڈر گیا۔

"ارے بس بس! مجھے یقین آیا مجھے اعتبار آیا یہ بات تو میں نے صرف آپ کو دیکھنے کے لئے کی تھی کیوں لیلیٰ؟" شہباز نے شوخی سے کہا تو لیلیٰ نے چڑانے کے لئے لمبا سا گھونگھٹ اپنے اور اس کے درمیان حائل کر دیا۔

"میں تو آپ کو بڑا دانشمند سمجھتی تھی شہباز بھیا! مگر آپ تو ... خیر آپ کی قسمت"

ان ہی میٹھی باتوں میں ایجاب و قبول کا شور اٹھا اور لیلیٰ شہباز کی ہو گئی۔ یہ لمحات کتنے خوبصورت کتنے انمول تھے۔ یہ اس وقت شہباز محسوس کر سکتا تھا سب ہی خوش تھے خرم کو شہباز بہت پسند تھا وہ، پنی پیاری بہن کا مستقبل اتنے اچھے شخص کے ہاتھ میں دے کر بہت خوش تھا۔

"خدا کا شکر ہے کہ لیلیٰ کو اتنی جلدی اتنا اچھا ساتھی خدا نے دے دیا۔ لیلیٰ تم نے اس شخص کی قدر کرنی ہے

اور خدا کا شکر بھی کہ اس نے تمہیں شہباز جیسا جیون ساتھی دیا۔"
خرم بہن کو ساتھ لگائے کھڑا تھا، اس نے شاکی نظر بھائی پر ڈالی۔
"اور ان کو بھی تو کہنا چاہئے امی۔۔۔"
وہ بولے جا رہی تھی مگر شہباز کی گہری نظروں کی حدت نے نظریں جھکانے پر مجبور کر دیا۔
"کیوں نہیں بھئی۔۔۔ نہ صرف شہباز بلکہ ہم بھی اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں اتنی پیاری گڑیا دی، ہم بہت خوش ہیں۔ اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو خوش رکھے آمین۔ اللہ میری اس چاند سورج کی جوڑی کو سلامت رکھے۔" عائشہ آپی نے لیلیٰ اور شہباز کو ساتھ لگا کر دعا دی تو فاطمہ بیگم بھی صدق دل کے ساتھ اس دعا میں شریک ہو گئیں۔

فاطمہ بیگم کے حکم کے مطابق موٹی سارا وقت کچن میں کام کرتی رہی جبکہ لیلیٰ نے اپنا بہترین نیا جوڑا اس کو دیا تھا۔ جھلستے [illegible] لباس کو وہ پہننا نہیں چاہتی تھی مگر لیلیٰ کے شدید اصرار پر وہ بھاری دوپٹہ سنبھالے کام میں مصروف تھی۔ حالانکہ اس کا بہت دل چاہ رہا تھا اپنی پیاری دوست لیلیٰ کو دیکھے، اس کی ہر رسم میں شریک ہو [illegible] نے دیکھ لیا تھا کہ وہ ابھی تک نہیں آئی۔ وہ بہانے سے کچن میں چلا آیا۔ وہ برتن دھو رہی تھی۔ [illegible] اور چوٹی پشت پر اپنی بہار دکھا رہی تھی۔ وہ جو دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر آیا تھا اسے دھیرے سے پکار اٹھا۔
"موٹی۔۔۔!" اس کی دھیمی آواز پگھلے موم کی طرح نرم تھی۔ وہ چونک کر جو پلٹی تو اسے یوں قریب دیکھ کر ہاتھ میں پکڑی قیمتی پلیٹ گر کر چور چور ہو گئی تو وہ حواس کے آنے سے ہی خوفزدہ ہو گئی تھی یا صدمہ پلیٹ ٹوٹنے کا ہو گیا۔ فاطمہ بیگم کے آنے کے خوف سے رو پڑی۔ خرم خوف کی دھند میں کھڑی اس خوبصورت پری کو دیکھتا رہا۔ جی چاہا اپنی محبت کا اعتماد دے کر اس کا سارا خوف ختم کر دے۔
"جی۔۔۔ امی صاحب۔۔۔! کوئی کام ہے تو بتائیے [illegible]" کیا اور جھک کر پلیٹ کے ٹکڑے اٹھانے لگی تو وہ بھی جھک کر اس کی مدد کرنے لگا۔
"اتنے ٹکڑوں میں تو پلیٹ نہیں بٹی جتنے حصوں میں تمہاری شخصیت بٹی ہوئی ہے۔"
"جی صاحب۔۔۔! مجھ میں اور ٹوٹی پلیٹ میں صرف یہ فرق ہے کہ اسے میں سمیٹ رہی ہوں مگر آپ۔۔۔"
وہ جیسے احساس ہی نہیں رہا تھا کہ وہ خرم کی قربت میں کھڑی ہے ایک دم نجانے کیسے یہ جملہ پھسل گیا۔
گر اس وقت فاطمہ بیگم آ گئیں تو وہ تو اس بات کا بھی خیال نہیں کریں گی کہ رات ہو رہی ہے [illegible] نکال باہر کریں گی ایسے میں ان کا تمام فلسفہ گہری نیند سو جائے گا۔
"صاحب۔۔۔! آپ کو کچھ چاہئے ہو تو عبدل کو آواز دے لیا کریں مگر مجھے مت پکارا کریں۔"
وہ خوف اور احتیاط کے پنجرے میں بند تھی۔ سانس بھی احتیاط سے لے رہی تھی کہ گر احتیاط کا یہ پنجرہ ٹوٹ گیا تو وہ بے گھر ہو جائے گی۔ یہ پنجرہ ہی تو اس کی پناہ گاہ تھا۔
"ہاں۔۔۔! تم ٹھیک کہہ رہی ہو مگر کسی کی پکار پر اختیار نہیں ہوتا۔"
یہ جملہ وہ صرف سوچ کر رہ گیا۔ ابھی جانے کا سوچ رہا تھا کہ [illegible] سر پر آ گئیں۔

"خرم۔۔۔ یہاں کچن۔۔۔ آج سے پہلے تو تم کچن میں نہیں آئے۔" مسز زبیر غصے سے سرخ ہو گئیں [illegible] تیز نگاہوں سے سلگا گئیں۔ خرم خود سرد پڑ گیا تھا۔
"جی۔۔۔ امی! مجھے بھی کچن میں آنے کا شوق نہیں۔ عبدل سے کام تھا، اسے بلانے آیا تو پتا چلا آپ کی چہیتی صاحبہ برتن دھوتے ہوئے بڑبڑا رہی ہیں اور میں نے ذرا ڈانٹ دیا تو اٹھا کر پلیٹ پٹخ دی۔ ممّا بھی قیمتی سیٹ [illegible] شوق سے لائی تھیں مگر ان محترمہ نے توڑتے ہوئے کچھ خیال نہیں کیا۔ امی آپ اس کا کچھ کریں [illegible] یہ مجھے ایریٹیٹ کرتی ہے آپ کسی اور ملازمہ کا بندوبست نہیں کر سکتیں۔۔۔؟"
اس وقت کچن میں تین انسان مختلف قسم کی سوچ احساس اور مختلف اظہار لئے کھڑے تھے۔ خرم جو کہہ رہا [illegible] اس کی خواہش تھی نہ سوچ نہ یہ کہنے پر دل آمادہ تھا۔ ذلت کے احساس میں گڑی موٹی کو بس یہ احساس تھا [illegible] مجبور اور بے بس ہے بے سہارا ہے اور ہر ستم خاموشی سے سہنا اس کی تقدیر ہے اور تیسرا کردار جس کو اس [illegible] بے سہارا لڑکی سے خوف آتا تھا وہ اپنے بیٹے کے چھن جانے سے خوفزدہ تھیں۔
"بیگم صاحبہ۔۔۔! وہ صاحب نے جب پکارا تو میں ڈر کر پلٹی اور پلیٹ میرے ہاتھ سے گر کر چکنا چور [illegible] گئی۔ میں۔۔۔ میں بہت شرمندہ ہوں مجھے آپ معاف کر دیں۔"
معافی کے الفاظ آنسوؤں میں بھیگ گئے تو خرم نے آنکھیں بند کر لیں۔ کیا بے بسی تھی، کیا ستم ظریفی تھی۔ [illegible] مال دوسرے انسان کے سامنے کتنا بے بس [illegible]
"میں نے تم سے پہلے روز ہی کہا تھا موٹی کہ مال کا نقصان میرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتا [illegible] صرف [illegible] آیا کرو جو کام ہو مجھے کہہ دیا کرو۔" مسز زبیر کو شاید موٹی [illegible] بات پر اعتبار نہ تھا مگر وہ خرم کو برہم شدید [illegible]
"میں خود بھی آنا نہیں چاہتا مگر ضرورت پڑ گئی تھی اور [illegible] اور آپ کی یہ ملازمہ۔۔۔" وہ تیزی سے باہر [illegible]
"دیکھو موٹی۔۔۔! تم کوشش کیا کرو خرم کے سامنے نہ آؤ۔ نجانے وہ تم سے کیوں چڑنے لگا ہے ورنہ میرا بیٹا [illegible] تو کسی سے نفرت کرنے والا نہیں۔۔۔"
"[illegible] میں تو نہیں گئی تھی وہ۔۔۔ وہ صاحب تو خود ہی آئے تھے۔" وہ بمشکل بول پائی۔
"ہاں۔۔۔! میں جانتی ہوں چلو اب تم کام کرو۔"
موٹی کی فرمانبرداری کے سامنے فاطمہ بیگم کا سارا غصہ جھاگ ہو جاتا تھا۔
دور کھڑے خرم پر بے بسی کی بیقراری کی صورت اتری تھی اور اس حقیقت کے ادراک کے ساتھ وہ روح تک [illegible] گئی تھی کہ وہ موٹی کو شدت سے چاہتا ہے اور یہ احساس کوئی معمولی نہیں تھا اور وہ بھی کسی سچویشن میں کہ وہ اسے [illegible] بلاوجہ جھڑک دیتا تھا ممّا کو خوش کرنے کے لئے وہ بار بار ملازمہ کہتا رہا اس کی توہین کرتا رہا۔

• • •

"صرف دو ماہ کی تو بات ہے شہباز۔۔۔ آپ تو بلاوجہ خفا ہو رہے ہیں۔"
"دو ماہ کتنی آسانی سے کہہ دیا تم نے کہ صرف دو ماہ۔ یہ دو ماہ میرے لئے دو صدیوں سے زیادہ طویل ہیں"

"ہیں ..... ؟ واقعی کیا ..... ؟ ضرور میں اس سے ضرور ملوں گی۔"

وہ اتنی خوش ہوئی کہ کچھ دیر پہلے پھیلنے والے اُجالے شام میں ڈھل گئے۔

پھر کچھ ہی دن بعد واصف نے نیلم اور آمنہ کی ایک دوسرے سے ملاقات کروا دی۔ نیلم تو بہت پرجوش تھی، خوش تھی مگر اس کے ساتھ آمنہ کا رویہ بہت کول تھا بلکہ کسی حد تک وہ جیلس ہو رہی تھی اور کیوں ہو رہی تھی وہ خود بھی سمجھ نہیں پائی تھی۔

"دیکھو آمنہ ....! اب تم نے مجھے سپورٹ کرنا ہے نیلم کے سلسلے میں۔ گھر والوں کو تیار کرنا ہے جیسے میں نے تمہارا ساتھ دیا ہے۔ ویسے تمہیں نیلم کیسی لگی ؟"

وہ دل کا درد چھپائے پوچھ رہا تھا وہ تو خود الجھی ہوئی تھی اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ [illegible] رہا تھا یا برا اسے بس یہ معلوم تھا اب وہ حسن تک آسانی سے پہنچ سکتی تھی۔ مگر کیا مسئلہ تھا کہ [illegible] نیلم بھی قطعی پسند نہیں آئی تھی۔

"اچھا یہ بتاؤ تمہیں نیلم کیسی لگی ہے ؟"

اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا وہ پوچھ رہا تھا۔ اس وقت واصف کے دل کی عجیب حالت تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ آمنہ اس سے لڑ پڑے اس پر اپنا حق جتائے کہ تم صرف میرے ہو کسی اور کے نہیں ہو سکتے اور اس آس پر اس نے پوچھا تو وہ بغور اسے دیکھنے لگی۔

"دیکھئے واصف ! نیلم کے بارے میں میری جو بھی رائے [illegible] پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ آپ اس لڑکی سے نہ محبت کرتے ہیں اور نہ ہی شادی کرنا چاہتے ہیں۔ آپ جھوٹ مجھ سے کیوں بول رہے ہیں ؟"

"نہیں یہ سچ ہے ... بالکل سچ کہ میں نیلم کو ..."

اس کے لہجے کی کمزوری الفاظ کا کھوکھلا پن اس کے جھوٹ کی گواہی دے رہا تھا۔

"یہ بالکل جھوٹ ہے۔ میں دعوے سے یہ بات ثابت کر سکتی ہوں کہ یہ جھوٹ ہے" آمنہ نے بڑے یقین سے کہا تو واصف نے ایک شاکی سی نظر اس پر ڈالی۔

"اچھا سچ کیا ہے تم اگر یقین سے سے جھوٹ ثابت کر سکتی ہو تو بتاؤ سچ کیا ہے۔ سچ کا چہرہ میں بھی دیکھنا چاہتا ہوں۔ ایک بار اس سچ کو تم بھی قبول کرو اور مجھے بھی وہ سچ کا آئینہ دکھا دو۔ میری آنکھوں میں ایک بار دیکھ کر بتاؤ وہ لڑکی اگر نیلم نہیں تو کون ہے جسے میں روح کی گہرائیوں سے چاہتا ہوں جس کے بغیر میں جی نہیں سکتا بتاؤ آمنہ ... ؟"

زندگی میں پہلی بار وہ غصے میں آیا۔ اس نے آمنہ کو شانوں سے پکڑ کر سیدھا کیا تو وہ اسے دیکھنے لگی۔ جہاں صرف اسے اپنا آپ ہی نظر آیا۔ مگر خود اس کے دل و دماغ پر حسن کا قبضہ تھا وہ اپنی محبت میں خود غرض بن گئی۔ اس نے واصف کو جھٹک دیا تو واصف کے اندر کہیں اُداس سی شام اتر آئی۔ اس دن سے دونوں بہت مضطرب تھے۔ واصف اس کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار تھا۔ اس کے الزام اپنے سر لینے کے لئے تیار تھا مگر وہ بہت خوفزدہ تھی سب کی اتنی محبتیں چاہتیں عزت سب ختم ہو جائے گا۔ کتنی بدنامی ہوگی لیکن پھر وہ سوچتی سب ٹھیک ہو

[illegible] میں سارے حالات ٹھیک ہو جایا کرتے ہیں اور وہ خود غرضی سے ایسی ہی بچکانہ سوچوں سے خود کو [illegible] لی

[illegible] اسے حسن سے بہت جلد ملنا چاہتی تھی۔ اتفاق سے حسام صاحب کا گاؤں کا پروگرام بنا تو وہ سب سے [illegible] گئی۔ دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ ایک تو حسن سے ملنے کی خوشی دوسری اسے پانے کی خوشی۔ وہ اسے [illegible] خوشخبری دینا چاہتی تھی کہ اب جدائی کی گھڑیاں ختم ہونے والی ہیں۔ وہ بڑے جوش اور خوشی سے حسن [illegible] ملی مگر اس کا رویہ خاصا سرد اور اجنبی تھا یوں جیسے وہ [illegible] گزر رہا ہو۔ آمنہ اندر ہی اندر ڈول رہی تھی کیونکہ یہ وہ [illegible] جو اس کی ایک جھلک کے لئے مرتا تھا اور کہتا تھا جب پتا چلے گا کہ تم میری ہونے والی ہو۔ میں خوشی سے [illegible] جاؤں گا۔ مگر اب اتنی بڑی بات پر وہ اتنا اجنبی اور نارمل تھا کہ خوشی کی کوئی کرن اس کے چہرے پر نہیں [illegible] گی۔

"آ... آپ خوش نہیں ہیں ؟ واصف نے ساری ذمہ داری خود قبول کی ہے۔ وہ ہر طرح سے ہماری [illegible] کو تیار ہیں۔"

آمنہ نے ہر طرح کی یقین دہانی کرا رہی تھی مگر وہ سنجیدہ سا بغیر تاثر کے اسے دیکھتا رہا

"ٹھیک ہے آمنہ ! تم نے واصف کو تیار تو کر لیا مگر ضروری نہیں کہ زندگی میں سب کچھ ہمارے مطابق [illegible] بہت سے کمپرومائز بھی کرنے پڑتے ہیں۔ تم واصف کی طرف لوٹ جاؤ تو زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ مجبوراً [illegible] نے [illegible] شادی کر لی ہے۔"

ہے۔

زینت کی آواز کی شوخی میں حیا کا رنگ تھا۔ ظفر جھوم اٹھا۔

"ہوں... تو اتنی اچھی بات کرنے پر ہم آپ کو ایک گڈ نیوز سناتے ہیں۔"

"جلدی سنائیے ظفر! بس اب آپ مجھے یہاں سے جلدی سے لے جائیے۔ وجاہت کا وجود پل کے لئے بھی مجھے گوارہ نہیں۔ اس کی نظریں مجھے سلگا جاتی ہیں۔ جو کرنا ہے جلدی کریں پلیز!"

وہ بے خبری میں کہہ رہی تھی۔ ریسیور پر وجاہت کی گرفت مضبوط... گیا تاہم وہ اپنی فطرت کے خلاف... کے سنتا رہا۔ کوئی ان بدنصیب لوگوں کو یہ بھی نہ بتا سکا کہ وہ دلدل کی طرف بڑھ رہے تھے۔

"اچھا تو سنو! ماموں جان کا فون آیا تھا۔ وہ اپنی تمام جائیداد وغیرہ میرے ہی نام کرنا چاہتے ہیں وہ کہہ رہے ہیں جتنی جلدی ہو تم آ جاؤ۔ بس اب نانا جان نکاح جلدی کریں تو میں کاغذات [illegible] خبر ہے؟"

ظفر بہت خوش تھا۔ اس کے لہجے میں وجاہت کو شہنائیوں کی جلترنگ محسوس ہو رہی تھی اور [illegible] بھڑکتے محسوس ہو رہے تھے۔

"زبردست خبر ہے۔ بس اللہ تعالیٰ ہمیں جلدی سے وہاں پہنچا دے۔ مجھے سوائے آپ کے زندگی میں کچھ نہیں چاہئے ظفر!"

زینت جذباتی ہو رہی تھی۔ وہ جلدی سے یہاں سے نکل جانا چاہتی تھی۔

"اچھا! اپنی مطلب کی بات ہے۔ ہمیں [illegible] پڑتا ہے۔ دولت جائیداد پاس ہو تو لڑکیاں مکھیوں کی طرح ارد گرد منڈلاتی ہیں۔" ظفر اسے چھیڑنے لگا۔

"اچھا تو ٹھیک ہے۔ آپ مکھیوں کے ہجوم میں رہئے۔ ہمیں کسی کی پرواہ نہیں۔ آپ تو جانتے ہی ہیں وجاہت صاحب یوں بھی ہمارے گرد بھنور بنے رہتے ہیں۔ آپ وہاں [illegible] بن جائیں گے یہاں ہم ریگستانی بن جائیں گے کیوں؟"

"شٹ اپ! آئندہ کبھی مذاق میں بھی وجاہت کا نام اپنے نام کے ساتھ لگایا تو میں تمہیں قتل کر دوں گا۔" ظفر یک دم غصے میں آ گیا۔

"اللہ کرے جو میں وجاہت جیسے خبیث آدمی کا نام اپنے نام کے ساتھ لگاؤں۔ یونہی مذاق میں کہہ دیا تھا اور آپ بھی سن رکھئے۔ میں آپ کو قتل کر دوں گی اگر کبھی میرے علاوہ کسی لڑکی کی طرف دیکھا تو بہت برا ہوگا [illegible] میں آج ہی نانا جان سے بات کر لیتی ہوں نکاح کی۔"

"توبہ توبہ! کس قدر شوق ہے تمہیں مجھ سے شادی کا کہ خود ہی نانا جان سے بات کرو گی۔ چلو تم نانا جان سے بات کرو میں آج آؤں گا ان سے اجازت لے کر ہم ذرا گھومیں گے اور پھر کھانا کھا کر آ جائیں گے۔ او کے۔ خدا حافظ!"

"خدا حافظ!"

"ہوں! میں ایک چیٹر، خبیث آدمی، بھنورا۔ او کے ظفر! زینت او کے! میں تم

[illegible] لوں گا۔"

وجاہت کی حالت زخمی ناگ کی سی ہو رہی تھی جس کو کوئی زخمی کر کے بھاگ جائے ورنہ وہ اسے ڈس بھی نہ [illegible] وہ دونوں کب سے ریسیور رکھ کر خوابوں کی راہ گزر سے نکل چکے تھے۔ ورنہ وہ بل کھاتا ہوا ریسیور تھامے [illegible] یا سوچ رہا تھا پھر اس نے ریسیور پٹخا اور آئینے کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

"وجاہت علی! تم... تم خبیث آدمی ہو... چیٹر ہو... کمال ہے یار... زینت جیسی دو ٹکے کی [illegible] ایک پل کی محبت گوارہ نہیں کرتی... دو ٹکے... زینت او کے!"

وہ اکیلا ہی اپنے عزائم پر ہنستا ہوا نانو کے پاس آ گیا۔ وہ نرم گرم کمرے کی فضا میں بستر پر بیٹھی قرآن پاک [illegible] رہی تھیں۔ اس کو دیکھ کر تو قرآن پاک کو بوسہ دیا، آنکھوں سے لگا کر شیلف پر رکھ کر اس کی جانب مڑیں جو [illegible] بیٹے با ادب سر جھکائے بڑے مودب انداز میں ان کے فارغ ہونے کا انتظار کرتا ہوا نانو کو بہت اچھا لگا۔ [illegible] یہاں زینت کی کم عقلی پر غصہ آیا اس سے زیادہ نانا پر غصہ آیا جنہوں نے یہ فیصلہ کیا تھا۔

"ماشاء اللہ ماشاء اللہ... نانو! آپ میرے حق میں بھی دعا کیا کیجئے۔ مجھ پر دم کر دیا کریں مجھے [illegible] نہیں۔ ماں بیمار ہے کسی پل سکون نہیں ملتا۔ اللہ نہ کرے ان کو کچھ ہو گیا تو میں... میں کیسے جی پاؤں گا۔ [illegible] اس بھری دنیا میں تنہا ہو جاؤں گا... بالکل اکیلا۔"

وہ ان کے قریب بیٹھ گیا۔ ان کے ہاتھ چوم کے آنکھوں سے لگائے اور بھرائی آواز میں دنیا جہان کا درد سمو [illegible] کہی تو نانو نے فوراً اسے ساتھ لگا لیا۔

"اللہ [illegible] بیٹا [illegible] تم ایسے کیوں ہارنے لگے؟ میرے بچے! میرے شہزادے... ہم [illegible] ہیں نا تمہارے پاس۔" نانو معصوم عورت جن کی طرف سے یہ خواہش تھی کہ ان دونوں کا بڑھاپا خراب نہ ہو اور ان کی [illegible] عیش و عشرت کی زندگی بسر کرے۔ وہ اس کی عیاریاں مکاریاں کیا جانیں۔

"کہاں نانو... ! آپ بھی کہاں میرے پاس رہیں گی؟"

"کیوں بیٹے! ہم کہاں چلے جا رہے ہیں جو تم ایسا کہہ رہے ہو...؟" نانو نے حیرت سے اسے دیکھا جس نے اپنی بات کے لئے راہ ہموار کر لیا تھا۔

"مجھے پتا ہے نانو! آپ تب تک ہی میرے پاس ہیں ناں جب تک زینت کی شادی ظفر سے نہیں ہو جاتی۔ جیسے ہی ان دونوں کی شادی ہو جائے گی آپ لوگ چلے جائیں گے تو میں تو تنہا رہ جاؤں گا اور پھر مجھے نہ [illegible] آپ کہاں کس حال میں رہیں۔ مجھے یہ دکھ بھی تو ہے کہ میں نے تو آپ کو یہاں ہر طرح کا آرام سکون مہیا کر رکھا ہے۔ مگر ظفر... ٹھیک ہے نانو! میں مانتا ہوں کہ بڑا اچھا آدمی ہے مگر میری نوکری چھوڑ کر وہ عرش سے فرش پر آ جائے گا۔ خود اپنی دو وقت کی روٹی اس پر بھاری ہوگی تو آپ سب کا... خیر یہ آپ لوگوں کا ذاتی معاملہ ہے۔ چونکہ آپ لوگوں سے بہت محبت ہے اس لئے چاہتا تھا کہ آپ ہمیشہ اسی طرح میرے ساتھ رہیں مگر آپ کی قسمت۔"

محبت کے شیرے میں ڈوبا وہ آئندہ زندگی کا ایسا نقشہ کھینچ رہا تھا کہ چشم تصور میں نانو خود فٹ پاتھ کے قریب جھونپڑی میں دیکھنے لگیں جہاں نہ کھانے پینے کو تھا اور نہ ہی دوا وغیرہ۔

"بیٹا.....! تم تو بہت اچھے ہو۔ تم ظفر کو نوکری سے مت نکالنا ہم کہاں جائیں گے.....؟"

"نانو.....! جو حرکتیں وہ کر رہا ہے ناں صرف آپ لوگوں کی وجہ سے میں سے برداشت کر رہا ہوں آئندہ بھی آپ لوگوں کے صدقے میں اسے نہیں نکالوں گا مگر اب وہ خود میری نوکری چھوڑنا چاہ رہا ہے۔ معذرت چاہتا ہوں نانو.....! آپ کا ہونے والا داماد ہے مگر بہت احسان فراموش ہے اور آپ لوگ تو..... ایماندار سمجھتے ہیں ناں.....تو یہ بھی آپ لوگوں کو ایک دن معلوم ہو جائے گا کہ وہ کتنا ایماندار ہے۔"

وہ آج کھل کر ظفر کے خلاف زہر اُگل رہا تھا اور نانو بیچاری بے بسی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ اس کی باتوں کے تناظر میں تو ان کو ظفر ایک لالچی بھیڑیا نظر آنے لگا۔

"بیٹا.....! میں کیا کروں.....؟ یہ نانا نواسی میری تو کوئی بات سنتے نہیں۔ ہاں تم تو وہ بہت اچھی ہے۔" نانو بری طرح خوف زدہ ہو گئیں۔

"باتوں ہی کے جال میں تو اُلجھا لیتا ہے یہ شخص۔ میں نے کبھی اس کی برائی نہیں کی اس لئے کہ آپ نے اسے داماد بنانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ آپ بدگمان ہو جائیں گے دوسرا وہ میرا دوست ہے اور میں اس کے ساتھ زیادتی نہیں کر سکتا۔"

وہ جتنی عیاری سے اپنا کام کر چکا تھا۔ نانو تفکرات میں گھر گئیں۔

"وجاہت بیٹا.....! کوئی ایسا راستہ ہے کہ تم زینت کو ظفر کے چنگل سے بچا لو۔ وہ دونوں تو اس کی محبت اور ایمانداری کے دیوانے ہیں۔"

"ہونہہ ایمانداری.....؟ کس کی ایمانداری..... نانو ایک بات پوچھنی ہے" وہ دروازے کے قریب جا کر پلٹا۔

"کہو بیٹا....."

"بات یہ ہے نانو..... کیا آپ کے ہاں لڑکی کو نکاح یا شادی سے قبل ہونے والے شوہر کے ساتھ گھومنے پھرنے کی اجازت ہوتی ہے.....؟"

"توبہ کرو بیٹا.....! کیسی بات کر رہے ہو.....؟ یہ تو وقت اور حالات نے ہمیں بتایا بے پردہ کر دیا ہے ورنہ ہماری عورتیں بہت باپردہ ہوتی ہیں مگر تم یہ بات کیوں پوچھ رہے ہو.....؟" نانو نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ بات برائی اور چغلی کے زمرے میں آتی ہے مگر وہ کل ظفر کہہ رہا تھا آج وہ زینت کو ساتھ لے کر گھومیں پھریں گے اور کھانا باہر ہی کھائیں گے۔ مجھے تو یہ بات بہت بری لگی مگر میں صرف اس لئے چپ رہا کہ شاید آپ کے ہاں اس بات کی اجازت ہو گی....."

وہ عیاری سے بات اُدھوری چھوڑ کر مسکرا دیا۔ نانو کو غصہ آ گیا۔

"توبہ توبہ بیٹا.....! ایسی غلط بات کی اجازت ہمارے ہاں نہیں ہے۔"

"اچھا تو پھر آپ زینت کو منع کر دیجئے کہ وہ ظفر کے ساتھ نہ جائے۔ دیکھئے ناں آپ لوگ ابھی میرے گھر پر ہیں تو میری ذمہ داری ہے اب لڑکی میرے گھر سے ایک غیر مرد کے ساتھ جائے گی، گھومے گی خدانخواستہ کوئی ایسی ویسی بات ہو جاتی تو..... بدنامی تو میری ہو گی ناں.....؟"

نہیں بیٹا.....! ایسا ہرگز نہیں ہو گا۔ اچھا کیا جو تم نے مجھے بتا دیا۔ حد ہو گئی۔ یہ زینت اتنی خودسر کب سے ہو گئی.....! شرم کا مقام ہے کہ نکاح ہوا نہیں اور....." نانو کو بجز کا کر وہ خوش ہو گیا تھا۔

وہ اپنے مقصد میں کامیابی کے بعد دروازے کی طرف مڑا۔ نانو تو یوں بھی شروع ہی سے اس پر صدقے واری تھیں۔

اس بات پر خوش ہوتا وجاہت آیا تو کوریڈور میں زینت سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ بلیک پرنٹڈ سوٹ میں لائٹ میک اپ میں وہ زینت بہت حسین لگ رہی تھی۔ وجاہت کی بے باک نظریں اس پر جم سی گئیں۔

"واؤ.....! بڑی زبردست لگ رہی ہیں۔ کہاں کی تیاری ہے.....؟"

"آپ سے مطلب.....؟" وہ کترا کر راہ بدلنا ہی چاہتی تھی کہ وہ سامنے آ گیا۔

"کس سے تیاری ہے یا کہاں سے.....؟" وہ اس کی جانب جھکا تو وہ ناگواری سے پیچھے ہٹ گئی۔

"آپ کو میری کسی بات سے غرض یا مطلب نہیں ہونا چاہئے۔ نہ تیاری سے اور نہ کہاں سے..... سمجھے.....؟" وہ اسے بھرپور نظر سے دیکھتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

"یا اللہ.....! اس جہنم سے مجھے نجات دے۔" الفاظ آنکھوں میں دُھند بن کر تیر آئے۔

دونوں نے سجنے سنورنے سے آج پروگرام بنایا تھا۔ اسے امید تھی کہ نانا نانو سے جانے کی اجازت ضرور دیں گے مگر وہ حیران پریشان اس وقت ہو گئی جب اس نے دیکھا کہ نانا اور نانو وجاہت کی گاڑی میں بیٹھے ہیں اور نانا نے ہاتھ کے اشارے سے اپنی طرف بلایا تو اس کا دل چاہا ان کی طرف جانے کی بجائے اپنے کمرے میں چلی جائے مگر نانا کی بات ٹالی نہیں جا سکتی۔ مرے مرے قدموں سے آ گئی۔

وجاہت گاڑی کا فرنٹ ڈور کھولے اسے بیٹھنے کا کہہ رہا تھا۔ نانا اور نانو اسی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ نانو تو جانتی تھیں کہ وہ کیوں پس و پیش کر رہی ہے ظفر کی وجہ سے اور ان دونوں کے جانے کے پروگرام بدلنے کے لئے وجاہت اور نانو نے یہ پروگرام بنایا تھا۔

"بیٹھو بیٹا.....! سوچ کیا رہی ہو.....؟" نانا کی بات پر وہ گیٹ کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔ وجاہت مسکرا دیا۔

"تمہارا وہ ظفر..... ظفر نے آنے کو کہا تھا۔"

زینت کی بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ اسی وقت گیٹ سے ظفر نمودار ہوا۔ وجاہت کھول اُٹھا تاہم اپنی ہنسی کو اس نے اپنی مسکراہٹ میں دبا لیا۔

"لیجئے.....! ہمارے ظفر میاں تو وہ ہیں کہ ادھر نام لیا ادھر حاضر۔" وجاہت کا مطلب اس کے لہجے کی کاٹ صرف زینت اور ظفر ہی سمجھ سکے۔

"السلام علیکم....."

ظفر کے لئے یہ منظر خاصا حیران کن تھا وہ تو کچھ اور سوچ کر آیا تھا تاہم وہ ظاہر کئے بغیر سب کو سلام کر چکا تھا۔

"وعلیکم السلام بیٹے.....! آؤ۔" نانا اس کی حیثیت کے لحاظ سے اس کی عزت کرتے تھے۔ وہ باہر نکلے

لگا تو وجاہت کو غصہ آ گیا مگر چپ رہا۔

"ارے بابا! آپ بیٹھئے۔ آپ لوگ کہیں جا رہے ہیں؟"

ظفر نے ایک نظر زینت پر ڈالی جس کے چہرے پر درج تحریر بتا رہی تھی کہ وہ کتنی مجبور اور ناخوش ہے۔ وجاہت نے سفاکی سے دونوں کو دیکھا۔ وہ جتنا ان کو جلاتا تھا اس کے اندر اتنی ہی ٹھنڈک اتر جاتی تھی۔

"ارے بھئی.. ! کہیں نام کی کوئی جگہ نہیں ہے شہر میں۔ ہم ذرا گھومنے اور کچھ شاپنگ کرنے جا رہے ہیں۔ آپ کو کوئی اعتراض؟"

وہ گھوم کر ظفر کے سامنے پر دباؤ ڈال کر سخت تیز انداز میں پوچھ رہا تھا۔ ظفر اس کی چال کو اس ڈرے کو۔ دو بڑے معصوم لوگوں کی معصومیت اور زینت کی بے بسی کو اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ ابھی وہ کوئی جواب دے بھی نہیں پایا تھا کہ نانا بولے۔

"ارے! تم لوگوں کے نکاح کی شاپنگ ہی کرنے جا رہے ہیں۔ اچھا ہوا تم بھی آ گئے ہو۔ آؤ تم بھی بیٹھو۔"

نانا بیچارے اندر کی کہانی کیا جانیں۔ ان کو جو کہا گیا وہ اسی کو سچ جان گئے۔ زینت تو بس تماشائی بن کر رہ گئی تھی۔ بے بسی سے کناروں کو بھیگنے سے بچاتی وہ ظفر کو دیکھ رہی تھی۔ جس کی عجیب سی حالت ہو رہی تھی۔

"ارے کیا کر رہے ہیں بابا؟ نانو! ان کو سمجھائیے ہمارے ہاں ایسا نہیں ہوتا کہ لڑکا اور لڑکی شادی کی شاپنگ کرنے ساتھ جائیں۔ چلو ظفر میاں! تم آرام کرو اور ہمارا انتظار کرو اور ہاں میرے کمرے میں کچھ فائلیں پڑی ہیں دیکھ لینا۔ یار! اب سے تمہارا [illegible] زینت! آپ تو تشریف رکھئے۔"

وجاہت نے مکاری سے ظفر کا ہاتھ تھاما اور اب زینت کو بیٹھنے کے لئے کہہ رہا تھا جبکہ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ کسی کا بھی خیال کئے بغیر وجاہت کو تھپڑ رسید کرے۔ ظفر کا ہاتھ پکڑے اور گیٹ سے بھاگ جائے۔ مگر وہ ایسا کچھ بھی نہ کر سکی۔ سینے میں دبا ایک بے بس سانس باہر نکالا اور بیٹھ گئی۔ اس میں تو ظفر سے نظر ملانے کی ہمت بھی نہیں تھی جو کتنے ارمانوں سے آیا تھا، کتنا خوش تھا وہ کہ آج کچھ وقت ساتھ گزرے گا۔

"اوکے جی! آپ لوگ جائیں میں فائلیں گھر لے جاؤں گا وہیں دیکھ لوں گا۔"

وہ اندر کی طرف چلا گیا۔ ہر قدم پر زینت کے کئی کئی آنسو گرے۔ وجاہت نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا۔

"میں سب جانتا ہوں وجاہت! تم یہ سب کیوں کر رہے ہو۔ تمہاری یہ چالیں میں بہت اچھی طرح سمجھ رہا ہوں۔ لیکن میں تمہاری کوئی سازش کامیاب ہونے نہیں دوں گا انشاءاللہ! اور یہ فائلوں میں گھپلا کیا ہوا ہے۔ اُف میرے خدا! لاکھوں کا ہیر پھیر۔ اس شخص کو اس وقت میری قدر ہو گی جب میں نہیں ہوں گا.. یہ اُف!"

ظفر فائلیں لے کر بیٹھا تو اس کا دماغ گھوم گیا مگر معصوم انسان نہیں جانتا تھا کہ لاکھوں کے گھپلے والی فائلیں اس کے حوالے کرنے کا مطلب کیا تھا۔ اس کی تو سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ اس نے فائلیں بند کر کے الماری میں

اسی وقت فون کی بیل ہوئی۔

"ارے جی ماموں جان! آپ السلام علیکم! طبیعت کیسی ہے؟"

"وعلیکم السلام بیٹا! جیتے رہو۔ بیٹا ظفر! آج میں تم سے بہت ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔ اس کو خود غرضی یا مجبوری، میری شرط، حکم یا ایک مجبور بے بس بیمار شخص کی التجا سمجھو کہ تم..."

وہ نجانے کیا بات کہنے جا رہے تھے کہ سانس بری طرح پھول گئی۔ وہ کچھ دیر کے لئے رُک کر لمبا سانس لیتے رہے۔ ظفر کا دل بھی دھڑک رہا تھا کہ نجانے کیا بات ہے جو وہ کہنے جا رہے ہیں کہیں انکار ہی نہ کر دے۔ طرح طرح کے وسوسے اسے ہولانے لگے تو مظہر ماموں کی آواز ابھری۔

"سن رہے ہو ناں بیٹا!" وہ تکلیف کی شدت سے بمشکل بولے۔

"جی جی..... ماموں جان..... میں سن رہا ہوں۔ آپ حکم کیجئے۔" انہوں نے خود پر اس نے ہر بات کے لئے تیار کرتے ہوئے ملائمت سے کہا۔

"بیٹا! تم بھی میری بات کو نجانے کس رنگ، کس انداز میں لو مگر خدارا! مجھے غلط نہ سمجھنا۔ ایک [illegible] اگر کسی شخص کی التجا سمجھو تو زیادہ بہتر ہو گا۔"

"التجا کیوں؟ آپ حکم کیجئے ماموں جان! میں آپ کی ہر بات کو حکم کا درجہ دیتا ہوں۔ آپ کہئے تو [illegible] حاضر ہے۔" اس وقت ظفر بھی ان کو صرف ایک [illegible] آدمی کی حیثیت دے رہا تھا تمام اغراض پیچھے رہ گئی

"میں جانتا ہوں بیٹا! [illegible] پیار کرتے ہو اور اسے اپنانا چاہتے ہو۔ وجاہت نے [illegible] میں تم سے بتا دیا ہے [illegible] میں بہت مجبور ہوں۔ صوفیہ میری اکلوتی بیٹی ہے۔ میں نے ایک غلط [illegible] سے اس کی شادی کر دی تھی مگر میرا فیصلہ بیٹی کو برباد کر گیا وہ۔ ایک سال بعد ہی طلاق لے کر آ گئی۔ میری بیٹی [illegible] نیک، اچھی، سعادتمند، فرمانبردار بیٹی ہے۔ [illegible] اس کا نکاح..... اس کا نکاح۔"

ماموں کی سانس پھر پھول گئی وہ پھر رُک گئے۔ ادھر ظفر وسوسوں میں گھر گیا۔ عجیب سی گھبراہٹ ہونے لگی۔ اسے لگا جیسے اسے قیمت ادا کرنی پڑے گی اپنی خوشیوں کی۔

"[illegible] سن رہے ہو ناں بیٹا..؟" ماموں کی پھنسی پھنسی آواز ابھری تو وہ چونکا۔

"جی جی... ! میں سن رہا ہوں ماموں جان.. ! آپ کہئے۔"

"بیٹا! جیسی میری بیٹی ہے اس کے لئے تم جیسا شریف اور اچھا مخلص انسان ہی ہونا چاہئے۔ [illegible]! مجھے کہنا تو نہیں چاہئے مگر بیٹا! میری بیٹی میرے بعد رُل جائے گی۔ میرے بعد سوائے خدا کے اس [illegible] والی نہیں۔ وہ اکیلی، اتنی جائیداد کی مالک ہے۔ اس کا پہلا شوہر گاہے بگاہے تنگ کرتا رہتا ہے بیٹا! میں اپنی زندگی میں اسے قابل اعتماد ساتھی کے ساتھ دیکھنا چاہتا ہوں۔ اسے میری خود غرضی سمجھو بیٹا! اگر تم صوفیہ سے نکاح کر لو۔"

◆ ◆ ◆

اپنے مخصوص دھیمے لہجے میں آواز کی نرمی کے ساتھ وہ لیلیٰ کو سمجھانے لگی۔

"میں جانتی ہوں موی! مگر شہباز کو بھی تو سمجھنا چاہئے۔ یہی میرا شوق ہے، میری خوشی ہے۔ اگر میں نے وقار سے کہہ دیا کہ میری مجبوری سمجھو تو اس میں اتنا ناراض ہونے کی کیا ضرورت ہے؟"

"میری جان......! اس میں ناراض ہونے کی بات ہے محبت خوشی ہے مجبوری نہیں، محبت اعزاز ہے خیرات نہیں۔ اس لئے اس خوشی اور اعزاز کی قدر کرو۔ وقار جیسے آدمی کی باتوں میں آ کر یہ خوشی یہ اعزاز مت گنواؤ۔ اس لئے کہ عزت اور چار دیواری کیا چیز ہے یہ کوئی مجھ سے پوچھے۔"

موی کی آواز آنسوؤں کے گولے میں پھنس کر رہ گئی اور ادھ کھلے دروازے کے درمیان کھڑا خرم بس اس لڑکی کو دیکھ کر رہ گیا جس کے حسین چہرے پر آنسو بڑی روانی سے بہہ رہے تھے جو لیلیٰ کو بہنوں کی طرح پیار کر کے سمجھا رہی تھی تب ہی خرم کو ساری بات پتا چل گئی کہ شہباز اتنا سنجیدہ کیوں ہے اور لیلیٰ اتنا کیوں روئی ہے۔ پھر اس نے ہلکی سی دستک دی تو دونوں نے چونک کر دیکھا۔ موی جلدی سے اپنا ڈھلکا ہوا آنچل درست کرنے لگی اور گرتے سنبھلتے آنچل میں اس کا حسین روپ اور حسین ہو گیا۔ خرم دل تھام کر رہ گیا مگر وہ چاہتا تھا لڑکی ہمیشہ یہاں رہے اور اس کے لئے ضروری تھا کہ اسے ناکردہ گناہوں کی سزا دی جائے۔

"محترمہ! آپ یہاں باتوں میں مصروف ہیں وہاں ممّا کئی آوازیں دے چکی ہیں۔ یہ تمہاری قوم ہوتی بڑی کام چور ہے گھر کا داماد آیا ہوا ہے ممّا کی طبیعت خراب ہے کام دیکھنے کی بجائے تم یہاں مصروف ہو۔ چلو کچن میں جاؤ۔"

وہ قصور بتائے بغیر اس پر چڑھ رہا تھا تو وہ "جی اچھا" کہہ کر مڑی۔

"اور سنو" "اب سے یہ بھی گوارہ نہیں تھا کہ وہ ذرا سی نظر سے غائب ہو اس لئے بلاوجہ ہی پکار لیا

اور وہ "جی" کہہ کر رکتی اور بھیگی پلکوں کے ساتھ حکم کی منتظر تھی اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے نظروں کے سامنے رکھنے کے لئے کون سا کام بتائے۔

"یہ لیلیٰ کا کمرہ ہے کہ کباڑ خانہ؟ کب صفائی کی تھی؟ لگتا ہے ممّا کا یہاں آنا نہیں ہوتا اور کوڑے کھڑے نکال باہر کریں۔ یہ برش پکڑو اور کارپٹ پر لگاؤ۔"

اس نے کونے میں پڑا آہنی برش اس کے پیروں میں اچھالا تو برش اس کے پاؤں پر لگا۔ وہ بلبلا کر رہ گئی۔ اس کی تکلیف اس نے اپنے دل میں محسوس کی مگر کنٹرول کر گیا جبکہ لیلیٰ اپنی بات بھول کر خرم کو دیکھنے لگی۔

"بھائی! کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ آپ تو ایسے نہیں تھے۔ موی! دکھاؤ تمہارے پاؤں میں چوٹ تو نہیں آئی؟"

"ارے لیلیٰ! کچھ نہیں ہوا۔ اٹھیں آپ! میں ٹھیک ہوں۔"

لیلیٰ نے خفگی سے بھائی کو دیکھا اور جھک کر موی کے پیر کو دیکھنے لگی۔ وہ ایک دم سے پیچھے ہو گئی۔

"خاک ٹھیک ہو۔ دیکھو تو نشان پڑ گیا ہے پاؤں پر۔ اٹھو اور مجھے تو لگ رہا ہے ابھی ابھی صفائی ہوئی ہے۔ اٹھو میرے سامنے تم ہرگز صفائی نہیں کرو گی۔ بھائی! میں آپ سے سخت خفا ہوں۔"

لیلیٰ نے غصے سے بھائی کو دیکھا اور برش اس کے ہاتھ سے لے کر پرے پھینک دیا۔

"ہاں ہاں! اب خفا ہو جاؤ مجھ سے۔ ہر کوئی مجھے ہی غلط سمجھتا ہے۔ کوئی تو ہو جو مجھے سمجھے، مجھے تو ہر کسی کو خفا ہونا آتا ہے۔"

وہ زور سے دھاڑا تو وہ دونوں سہم گئیں۔ لیلیٰ غور سے اپنے پیارے بھائی کو دیکھنے لگی۔ اسے لگ رہا تھا وہ بدل رہا ہے وہ کچھ اور ہے اور اس کے اندر کچھ اور ہے۔

"بھائی.....! آپ ایسے تو نہیں تھے کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ ممّا کو تبدیل کرنے کی بجائے آپ خود ان میں ڈھل گئے ہیں، کیوں؟" وہ دروازے کی طرف جاتی موی کو دیکھ کر مڑا۔

"ہاں! نہیں تھا میں ایسا مگر اب میں ایسا ہو گیا ہوں اس لئے کہ میں کمزور ہو گیا ہوں، خود غرض ہو گیا ہوں۔ جاؤ تم اپنے شوہر کے پاس۔ تمہیں ذرا احساس نہیں شہباز وہاں اکیلا بیٹھا ہوا ہے اور تم یہاں فضول باتوں میں مصروف ہو۔ اس کا خیال رکھا کرو اس کی ہر بات کو مقدم جانا کرو۔ جاؤ اب۔"

یہ تو اسے دکھ ہو رہا تھا کہ اس کے ہاتھوں موی کو چوٹ لگ گئی تھی دوسرا اپنی دوہری شخصیت رکھنے پر اس کا اشتعال بڑھ رہا تھا۔ وہ زندگی میں پہلی بار لیلیٰ سے ایسے انداز میں بولا تھا اور وہ چونکہ بہن تھی خفا ہونے کی بجائے اس کے اندر کے اسباب کے بارے میں سوچتی باہر نکل گئی۔

وہ کتنی ہی دیر تک لیلیٰ کے کمرے میں الجھا الجھا سا ٹہلتا رہا پھر شہباز کے خیال سے باہر آیا تو لیلیٰ اور شہباز جا چکے تھے اسے افسوس ہونے لگا کہ شہباز کیا سوچتا ہوگا۔

"ممّا! یہ لوگ اتنی جلدی کیوں چلے گئے؟" وہ خود کو نارمل کرتا ہوا باہر آ گیا۔ ممّا بھی کچھ پریشان سی تھیں۔

"ہاں بیٹا! میری بھی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ آج لیلیٰ بھی بہت اداس تھی بار بار رو رہی تھی اور شہباز کا موڈ بھی آف تھا۔ میں پریشان ہوں کوئی بات تو نہیں ہو گئی۔" ماں کو متفکر دیکھ کر وہ ان کے قریب آ بیٹھا۔

"ممّا! کوئی ایسی بڑی بات نہیں۔ لیلیٰ ابھی چھوٹی ہے، نا سمجھ ہے۔ اسے میرڈ لائف سمجھنے میں ابھی وقت لگے گا۔ شہباز بہت اچھا سلجھا ہوا آدمی ہے۔ لیلیٰ کو چاہئے کہ شہباز کا خیال رکھے، اسے سمجھنے کی کوشش کرے۔ لیلیٰ کو پینٹنگ کا شوق ہے نا اب اسے ختم کر دینا چاہئے۔ شہباز سنجیدہ اور کسی حد تک روایت پسند اور قدامت پسند ہے۔ اسے یہ سب پسند نہیں اس لئے لیلیٰ کو اس کی پسند و ناپسند کا خیال رکھنا چاہئے۔ آپ لیلیٰ کو سمجھاتی رہئے گا۔"

اس نے جو باتیں سنی تھیں ان کی روشنی میں اس نے ماں کو بھی یہ بات سمجھا دی۔ وہ خود بھی اسی بات کی قائل تھیں کہ اب اسے صرف اور صرف اپنے شوہر کو، گھر کو دیکھنا چاہئے۔

"ارے بیٹا! میں تو ہر بار یہی سمجھا کر تھک چکی ہوں مگر ابھی بچی ہے نا، آہستہ آہستہ سمجھ جائے گی۔ ارے آؤ! آؤ موی! میں تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی۔"

خرم کے رویے سے اب فاطمہ بیگم کو یقین ہو گیا تھا کہ موی کی مظلومیت اور حسن کا جادو خرم پر نہیں چل سکا اس لئے اب وہ اس سے بہت اچھے طریقے سے بات کرتیں اور اس لئے تو خرم نے اپنے دل کو پتھر کر لیا تھا۔ اس

کی آہوں کے خار چنتے چنتے وہ خود لہولہان ہو گیا تھا۔ شاید اسی کا نام محبت تھا۔ اس نے چور سی نگاہ اس پر ڈالی۔ کالا سیاہ رنگ والا سوٹ اس پر بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔ نظریں چہرے سے ہوتی ہوئی پاؤں پر آ کر ٹھہر گئیں۔ اس کے پاؤں پر برش کی چوٹ کا نیل گہرا ہو گیا تھا۔ دل میں ڈوبتی شرمندگی کی ایک لہر اُبھری اور اپنے ... منوائے بغیر ہی دم توڑ گئی۔

"جی ... ! میں آپ کے فارغ ہونے کا انتظار کر رہی تھی۔ لائیے بام لگا دوں آپ کے پاؤں پر۔" وہ ہاتھ میں بام لئے آگے بڑھی۔

"ارے ... ! میرے پاؤں پر بعد میں بام لگانا پہلے اپنے پاؤں کو دیکھو کیا ہوا ہے۔ اچھی خاصی چوٹ معلوم ہوتی ہے۔ کتنا گہرا نیل پڑ گیا ہے ذرا دکھاؤ تو۔"

جب سے اس کی طرف سے خطرہ ختم ہو گیا تھا وہ اس کا بہت خیال رکھنے لگی تھیں۔

"جی بیگم صاحب...! ایسی بھی بات نہیں، خود ہی ٹھیک ہو جائے گا اور یوں بھی زخموں کی گہرائی بھی کبھی ناپی جا سکتی ہے...؟" وہ خرم کی طرف ایک نظر ڈال کر آہستگی سے بولی جو بہت بے چین ہو رہا تھا۔

"اوہو ... اوہ تو ٹھیک ہے مگر یہ زخم آیا کیسے...؟"

"جی سیڑھیاں اُترتے ہوئے چوٹ لگ گئی۔"

اب وہ کیسے مجرم کو جو نظروں کی زد میں تھا، پکڑوا دیتی۔ اس قاتل کا نام کیسے لے لیتی جس کو وہ رات بھر سوچا کرتی تھی مگر وہ سنگدل خود ہی اقبالِ جرم کے لئے کھڑا ہو گیا۔

"جھوٹ بول رہی ہے مما ... ! کہ سیڑھیوں سے چوٹ لگی ہے ... [illegible] پاؤں زخمی کیا ہے۔ نیلی کا کمرہ اتنا گندہ ہو رہا تھا ابھی آپ اس کا کمرہ بھی چیک کر لیں۔ میں نے غصے میں آ کر اس کے پاؤں پر قالین صاف کرنے والا برش مار دیا۔"

اس نے اقبالِ جرم بھی کر لیا۔ وہ ہر طرف سے سوئی کو تحفظ دینا چاہتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ یہ سن کر مما بہت خوش ہوں گی کہ بیٹا قابو میں ہے اور ایسا ہی ہوا۔ فاطمہ بیگم کو خوشی ہوئی تھی کہ ان کا بیٹا اس حسین لڑکی سے متاثر نہیں ہو رہا بلکہ اس سے نفرت کرتا تھا مگر دوسری جگہ سوئی کی چوٹ کا دکھ بھی بہت ہوا تھا۔

"کم آن بیٹا ... ! تم تو اتنے ٹھنڈے مزاج کے ہو تم نے تو کبھی چیونٹی نہیں ماری پھر..."

"یس مما ... ! چیونٹی کو نہیں مارا اور کیوں ماروں ...؟ انہوں نے میرا بگاڑا ہی کیا ہے۔ کوئی دکھ نہیں دیا، میرا سکون برباد نہیں کیا اور ایک یہ محترمہ ہیں کہ ... اور اس کی ڈھٹائی دیکھی آپ نے ... اتنی بڑی چوٹ آئی ہے اور محترمہ نے نہ پٹی باندھی ہے نہ ہی بام لگائی ہے۔ ذرا دیکھئے ... کتنا گہرا نیل ہے۔"

وہ اسی طرح خبطیوں کی طرح بولتا ہوا نیچے بیٹھا اور نجانے کس خواہش سے مجبور ہو کر اس نے سوئی کے پاؤں پر ہاتھ رکھا تو وہ ایک دم پیچھے ہٹ گئی۔

"ارے صاحب جی ... ! یہ آپ کیا کر رہے ہیں ...؟"

"تمہارا سر کر رہا ہوں۔ کتنی بار تمہیں کہا ہے مجھے صاحب جی کہہ کر نہ پکارا کرو۔ میرا نام بہت خوبصورت ہے۔ خرم صاحب کہہ لیا کرو مگر صاحب جی مت کہا کرو۔"

... نجانے کس خواہش کے تحت جھکا تھا اس کے ہٹ جانے سے چڑ گیا تھا۔ بولتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

"... سوئی ... ! یہ بات پہلے بھی خرم کہہ چکا ہے۔ لہٰذا آئندہ اسے کہنا نہ پڑے اور میرے پاؤں رہنے ... دو ... کرو۔"

"نہیں بیگم صاحب ... ! میرے زخموں کو آپ رہنے دیں۔ میں اپنے زخموں کی ناز برداری نہیں کیا کرتی۔ ... تو پہلے ہی مندمل نہیں ہوتے۔ لائیے میں آپ کے پاؤں پر بام لگا دوں۔" دھیرے سے بولتی ہوئی ... ان کے پاؤں پر بام لگانے لگی مگر خرم نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بام اس کے ہاتھ سے لے لی اور خود ماں کو ... لگا۔

"سنا نہیں تم نے ...؟ جاؤ اپنے کوارٹر میں۔" وہ زور سے بولا تو وہ سہم کر فاطمہ کو دیکھنے لگی۔ وہ ایک طرف ... [illegible] کے رویے پر خوش ہوتیں دوسری طرف اس پر ترس بھی آتا۔

"ہاں بیٹی ... ! ٹھیک کہہ رہا ہے خرم۔ جاؤ اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو۔"

"جی ... ! ابھی تو کچن کلین ... بہت کام پڑا ہے۔ کچن بکھرا ہوا ہے۔" اور جب سے وہ آئی تھی ساری ذمہ داری اسی کی ہو گئی تھی۔

"چلو ٹھیک ہے جلدی جلدی اپنا کام ختم کر کے چلی جاؤ۔"

"جی اچھا ...!" وہ فاطمہ کو جانتی تھی۔ آہستگی سے ... کہتی ہوئی آگے بڑھ گئی تو خرم بس ماں کو ایک نظر ... گیا۔ پھر ... کے پاؤں پر بام لگا ... ان کی خوشی کی خاطر بیٹھا باتیں کرتا رہا اور پھر بوجھل دل ... [illegible]

● ● ●

"سوری ڈیئر ... لیلیٰ ... ! تمہارا شوہر تنگ نظر بھی ہے اور خود غرض بھی۔ وہ تمہارے شوق کو تمہارے ٹیلنٹ کو مار کر صرف اپنی محبت کے پنجرے میں مقید رکھنا چاہتا ہے ورنہ ایسی بہت سی ہیروئن ہیں جن کے شوہر خود ساتھ لے کر آتے ہیں چھوڑ کر جاتے ہیں۔ لگتا ہے تمہارے شوہر کو تم پر اعتماد نہیں۔"

"وقار صاحب ... ! پلیز بس کریں۔ میں نے آپ سے پہلے بھی کہا تھا میں سب کچھ برداشت کر سکتی ہوں مگر اپنے شوہر کی اہانت نہیں، سمجھے آپ۔ وہ تنگ نظر ہے یا خود غرض کچھ بھی ہیں میرے ہیں، میرے شوہر ہیں۔ مجھے ان سے کوئی شکایت نہیں۔ آئندہ پلیز اپنی تنقید کا رخ شہباز کی جانب مت کیجئے گا۔ یہ میری دکھتی رگ ہے سمجھے آپ۔ خدا حافظ ...!"

اس روز سے شہباز کا سخت موڈ آف تھا۔ اس نے ہنی مون کی اتنی پلاننگ کی تھی مگر وقار کی وجہ سے سب کچھ ختم ہو گیا تھا اور وہ ناراض بیٹھا تھا۔ اس وقت بھی برہم سا اندر آ رہا تھا کہ فون پر لیلیٰ کی باتیں سن کر وہیں رک گیا۔ لیلیٰ کی باتیں سن کر ناراضگی اور خفگی کی ساری دھند چھٹ گئی۔ وہ اسے کتنی دیر دیکھتا رہا۔ کتنی پیاری اور اُداس سی لگ رہی تھی۔ وہ لان میں گیا، گلاب کے پھول کی ادھ کھلی کلی توڑی اور کمرے میں داخل ہوا تو وہ چہرے پر ہاتھ رکھے بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ وہ آہستگی سے اس کے قریب آیا۔ اس کی مخصوص خوشبو اسے قریب محسوس کر کے اس نے آنکھیں کھولیں تو وہ ہاتھ میں کلی لئے بڑے خوبصورت انداز میں کھڑا مسکرا رہا تھا۔ لیلیٰ

کو یقین ہی نہیں آیا۔ وہ تو اتنا برہم تھا کہ اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اسے منائے کیسے۔

"کوئی یوں بھی اپنے پیاروں سے رُوٹھتا ہے جیسے تم رُوٹھ گئی ہو ؟"

وہ اس کی طرف کچھ بڑھتا ہوا بولا تو وہ اس کے ہاتھوں میں چہرہ چھپائے شدت سے رو دی۔

"میں آپ سے نہیں رُوٹھی آپ رُوٹھے تھے مجھ سے اور اگر اب آپ رُوٹھے تو میں مر جاؤں گی"
روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"جی ! آپ مر جائیں گی تو جیسے ہم تو زندہ ہی رہیں گے ؟ ابھی تو ہم نے زندگی کو دیکھا ہے
مرنے کی باتیں کرنے لگیں۔ خبردار جو آئندہ ایسی بات کی تو۔ سوری لیلیٰ ویری سوری۔"

اس نے لیلیٰ کا تر چہرہ اپنے ہاتھوں سے صاف کر دیا۔

"لیلیٰ ! میری زندگی میں تم اپنی حیثیت جانتی ہو۔ میرے اور تمہارے درمیان ایک اختلاف ہے۔ تم وہ ختم کر دو تو ہماری زندگی مثال بن جائے گی۔ میں نے تمہیں پہلے کہہ دیا تھا کہ مجھے تمہاری ... پر اعتراض ہے یہ ختم کر دو پھر یہ وقار عثمانی کیا تکلیف ہے اسے منع کر دو اس کا فون بھی میرے گھر پر نہیں آنا چاہیے ورنہ"

وقار عثمانی کا نام بھی لینا شہباز کو گوارہ نہیں تھا۔ وہ بہت الجھ گئی۔

"شہباز..... ! پلیز مت نام لیں ابھی وقار عثمانی کا کوئی اور بات نہ کریں۔ صرف اپنی اور میری بات کریں اور میں آپ کو اپنا ہنی مون خراب کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دوں گی۔ آپ نے پروگرام کینسل کیا ہے ؟"

وہ بچوں کی طرح اس سے لڑ رہی تھی۔ اس نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

"او کے ! پھر اگر وقار عثمانی کا فون آ گیا تو" شہباز نے اسے چھیڑا۔

"شہباز..... ! پلیز آپ اس وقت اس کا نام لے کر مجھے اپ سیٹ نہ کریں اور مجھے مما کی طرف لے کر چلیں اس روز بھی ہم ویسے ہی اُٹھ کر آ گئے تھے۔ مما پاپا دونوں پریشان ہیں کہ ہمارے درمیان کوئی سیریس مسئلہ تو نہیں۔"

"چلو ! تیار ہو جاؤ تو چلتے ہیں۔"

• • •

"شکر ہے خدا کا میں نے تمہیں پھر اسی طرح ہنستے مسکراتے دیکھا ہے ورنہ اس روز تو میں خوفزدہ ہی ہو گئی تھی۔ شہباز بیٹے ! یہ بچی ہے اس سے تو بھول ہوتی ہی رہے گی مگر بیٹا ! تم درگزر سے کام لینا بہت معصوم ہے میری بچی۔"

"ارے آنٹی ! آپ کیوں فکرمند ہوتی ہیں۔ ان سے کوئی بھول نہیں ہوتی بس میرے اور اس کے درمیان ایک اختلاف ہے اور میں اسی اختلاف سے خوفزدہ ہو جاتا ہوں۔"

شہباز نے لیلیٰ کو دیکھا جو مما کی گود میں سر رکھے بہت معصومیت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ یوں جیسے اس کے بارے میں بات نہ ہو رہی ہو۔

"ارے شہباز ! آہستہ آہستہ دیکھنا یہ اختلاف بھی ختم ہو جائے گا۔ محبت مجبوری نہیں خوشی ہے، محبت خیرات نہیں۔"

... کے الفاظ خرم کی خوبصورت آواز میں ڈھلے غزل کو خوبصورت بنا گئے اور یہ الفاظ خرم نے موسیٰ کو دیکھ کر دہرائے تھے۔ موسیٰ نے چونک کر دیکھا تو وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ موسیٰ کا دل زور سے ... اس کی آنکھوں میں نجانے کیا تھا کہ دل بری طرح دھڑک اُٹھا۔

"بیگم صاحبہ ! کھانے کے بارے میں بتایئے کیا کرنا ہے ؟"

اس نے اپنی دھڑکنوں اور لرزتے لہجے پر قابو پاتے ہوئے کہا تو لیلیٰ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے برابر بٹھا لیا۔

"چھوڑو یہ سب کام وام۔ کھانا تو ہم باہر کھائیں گے بس تم میرے پاس بیٹھو۔"

موسیٰ بہت گھبرا اُٹھی تھی یہاں بیٹھنے پر کیونکہ اس نے فاطمہ بیگم کے چہرے کی ناگواری دیکھ لی تھی۔ وہ لیلیٰ سے ہاتھ چھڑا کر کھڑی ہو گئی۔

"جی کیا حکم ہے بیگم صاحبہ !" وہ پوچھ رہی تھی۔ فاطمہ نے تو کوئی جواب نہیں دیا البتہ خرم آگے بڑھا۔
وہ پاپا کے تیور دیکھ چکا تھا۔

"ابھی کھانے کا کون سا وقت ہے .... ؟ برتن اُٹھاؤ اور جاؤ یہاں سے۔ کام تو کوئی کرتی نہیں ہو فضول یہاں وہاں پھرتی رہتی ہو اُٹھاؤ یہ برتن۔"

وہ بہت ... بولا تو لیلیٰ اور شہباز نے چونک کر خرم کو دیکھا۔ موسیٰ برتن اُٹھا کر آگے بڑھ رہی تھی۔ شہباز نے خرم کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ خرم نے چونک کر اسے دیکھا۔ چوری پکڑے جانے کا خیال کر کے وہ دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"کیا بات ہے ؟" جملہ بہت سادہ تھا مگر اپنے اندر وہ تمام معنی سمیٹے ہوئے تھا جو شہباز اس سے پوچھنا چاہتا تھا۔

"کیا مطلب کیا بات ہے .... ؟" خرم اُٹھ کر باہر آ گیا۔ شہباز اور لیلیٰ ساتھ آ گئے۔

"جب انسان کے اندر اور باہر تضاد ہو تو بالکل ایسا ہی رویہ سامنے آتا ہے۔ اب بتاؤ کیا ہے ؟"

شہباز کا انداز بہت تفتیشی قسم کا تھا۔ خرم گھبرا گیا۔

"یار ! تم تو شاید ار لگ رہے ہو اس وقت۔ بلا وجہ ہی مجھے مجرم بنا رہے ہو۔ اگر موسیٰ کی وجہ سے کہہ رہے ہو تو تم نہیں جانتے یہ ملازم لوگ کیسے ہوتے ہیں۔ ان کو ان کی اوقات یاد نہ دلائی جائے تو منہ کو آنے لگتے ہیں۔ موسیٰ ہماری ملازمہ ہے اور اسے کام کرنا چاہیے اور میں بھی اسے کام ہی کے لئے کہتا ہوں۔"

وہ نظریں چراتے ہوئے بولے گیا تو لیلیٰ اس کے سامنے آ کر اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔

"آپ ! آپ تو ایسے ہرگز نہیں تھے بھائی ! وہ ملازم ہے اس سے بڑھ کر یہ احساس کس کو ہو گا بے غرضی کا، مجبوری کا احساس ہر وقت دلانا ضروری ہے کیا ! آپ ! آپ تو ایسے نہیں تھے۔ یہ تبدیلی کیوں آئی ہے آپ میں ؟"

کچھ دیر کے لئے تو اس کا دل چاہا کہ اپنا دل کھول کر رکھ دے، پنی بہن اور بہنوئی کے سامنے مگر وہ بہت کمزور سے بچنے کی اللہ سے دُعا کیا کرتا تھا۔

"کیوں بھئی ......! اس لئے کہ وہ ملازم ہیں اور ہم اللہ کے فضل سے مالک ہیں۔"

"بہت چھوٹے لگ رہے ہو اس وقت یہ بات کرتے ہوئے۔" شہباز نے گہری کھوجتی نظروں سے دیکھا تو وہ زور سے ہنس دیا۔

"کم آن شہباز .. ! کیسی باتیں کر رہے ہو ...؟ کہاں چھوٹا ہوں ؟ دیکھو تو بالکل تمہارے برابر ہے میرا۔"

وہ اس کا مطلب سمجھ کر انجان پن سے ہنسا تو شہباز اور لیلیٰ ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔ کوئی گڑبڑ ضرور۔ اتنا تو دونوں کو یقین ہو گیا تھا اور پھر زبیر صاحب نماز پڑھ کر آ گئے۔ انہوں نے جھٹ کھانا باہر کھانے کا اعلان کر دیا مگر خرم نے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔

"بھائی......؟" لیلیٰ نے اچنبھا بھری کو دیکھا تو اس نے بڑھ کر اس کی پیشانی پر پیار کر کے اسے سمجھایا۔

"معلوم ہے آج کاشف کی برتھ ڈے ہے۔"

وہ صاف جھوٹ بول گیا اور پھر سب چلے گئے۔ وہ اپنے کمرے میں آ گیا۔ عجیب قسم کا اضطراب تھا جس نے دل مٹھی میں لے رکھا تھا۔ وہ اپنی دہری شخصیت سے تنگ آ چکا تھا۔ موی کا وجود اس کے لئے عذاب بن گیا تھا۔ اس نے اس کے گرد اپنے ناگوار رویے کی فصیلیں کھڑی کر کے اس کو تو محصور کر دیا تھا مگر خود کھلا ہوا تھا۔ وہ موی کو شدتوں سے چاہنے لگا تھا۔ کبھی کبھی اس کا دل چاہتا ... ہر پابندی سے بغاوت کر جائے اور موی کو اغوا کر کے کسی ایسی جگہ پر لے جائے جہاں صرف وہ دونوں ہوں۔ وہ مسلسل موی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ ٹہل ٹہل کر ٹانگیں شل ہو گئی تھیں۔ اب وہ ہاتھوں کا تکیہ بنائے تصور میں موی کو دیکھ رہا تھا پھر اس نے وقت دیکھا ساڑھے گیارہ ہو رہے تھے۔

موی اپنے کوارٹر میں جا چکی ہوگی۔ آج وہ خاص وجہ سے سب کے ساتھ نہیں گیا تھا۔ وہ چپکے سے باہر نکلا۔ بڑا سا گھر خالی تھا۔ عبدل بھی چھٹی پر گیا ہوا تھا۔ وہ دبے پاؤں کوریڈور سے گزرتا تمام لائٹیں آف کرتا موی کے کوارٹر تک پہنچ گیا جہاں خاصی تاریکی تھی۔ وہ دروازے کے قریب کھڑا اس کا انتظار کرتا رہا۔ کچھ دیر بعد ہی موی آ گئی۔ خرم نے پیچھے سے آ کر اس کا ہاتھ پکڑا۔ وہ بے ساختہ چیخ پڑی مگر اس نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا اور اس کے کمرے میں لے آیا۔

"آپ !" موی اسے اپنے اتنے قریب دیکھ کر بے ہوش ہونے لگی۔

"ہاں ! میں ہوں موی ......! بہت ضبط کر لیا میں نے مگر آج ... آج میں ..."

"شٹ اپ خرم صاحب !" موی کا ایک ہاتھ خرم کی گرفت میں تھا دوسرا ہاتھ ہوا میں بلند ہوا اور خرم کے چہرے پر ثبت ہو گیا۔

• • •

"کہاں جانا ہے واصف .... !" حسن کے بعد آمنہ کے ہر انداز میں، رویے میں، اب و لہجے میں تبدیلی

... تھی۔ اس وقت بھی وہ واصف کی طرف دیکھتی پوچھ رہی تھی جو بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

"ارے بھئی ......! بھول گئیں ...؟ کہا تھا ناں کہ نیلم سے ملواؤں گا۔"

"کون نیلم ......؟" وہ اتنی اُلجھی ہوئی تھی کہ باقی کہانی بھول چکی تھی اور وہ اس کی بات کو اتنا غیر اہم سمجھتی ... یہ سوچ کر واصف اُداس سا ہو گیا۔

"ارے بھئی ... ! وہی ہماری ہونے والی دُلہن ... !"

"اوہ اچھا ......! لیکن میں اس سے مل کر کیا کروں گی ...؟ اور پھر اب اس ڈرامے کی ضرورت بھی تو نہیں ... میرا مطلب ہے ٹھیک ہے میں تیار ہو کر ابھی آتی ہوں۔"

وہ ابھی اُلجھی سی بولتی ہوئی آگے بڑھ گئی تو اک ٹیس سی واصف کے دل میں اُٹھی۔ وہ کتنی اہم تھی اس کے لئے ... وہ اتنا غیر اہم تھا اس کے لئے۔

خوبصورت سے کپڑوں اور میک اَپ میں وہ واصف کے دل میں اُتری جا رہی تھی۔ ساتھ ساتھ چلتی ہوئی یہ ... کتنی قریب تھی اور کتنی دُور بھی۔ واصف بس اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"ماشاء اللہ ماشاء اللہ ! بھئی ... یہ چاند سورج کہاں جا رہے ہیں......؟"

عارف ان دونوں کو دیکھ کر خوشی سے بولتا ان کے قریب آ گیا۔

"جہاں بھی جا رہے ہوں آپ کو ہرگز نہیں لے جائیں گے یہ چاند سورج۔"

... کی اصلیت دیکھ کر آمنہ کو اپنے آپ پہ ... لوگوں کی قدر ہو گئی تھی۔ وہ عارف کی شوخی کا جواب دیتی ... ایک تبدیلی پر واصف نے چونک کر آمنہ کو دیکھا۔ بہت روشن چہرہ تھا۔

"ارے جائیے جائیے ......! ہمیں بھی بڑی بننے کا قطعی شوق نہیں۔ ویسے آج آپ دونوں اپنی نظر اُتروا ... تو زیادہ بہتر تھا۔"

"ابھی اُتار دیتے ہیں نظر۔" اور پھر آمنہ نے اپنا پرس کھولا، سو روپے کا نوٹ نکالا اور اپنے اور واصف ... پر سے ششتر کے طور پر وار کر عارف کو دے دیا تو وہ خوش ہو گیا۔

"او تھینک یو ! تھینک یو ! کیا مطلب ہے آپ کا ...؟ چلئے جائیے معاف کیا کس رئیس سے پالا ...

عارف نے وہ نوٹ مالی بابا کو دیتے ہوئے کہا تو واصف مسکرا کر رہ گیا۔ اس کے لئے یہ سب بہت خوبصورت اور ناقابلِ یقین تھا۔ آمنہ کے رویے کی تبدیلی کی وجہ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ اس کا دل چاہا کہ اسے ... کر کہہ دے کہ مت کرو یہ لمحاتی عنایت مجھ پر۔ اپنی تمام محبتیں اسی کے لئے اُٹھا رکھو جس کے صدقے میں تم ... عنایت اور توجہ کی بھیک دے رہی ہو مگر وہ چپ چاپ گاڑی چلاتا رہا۔ آمنہ اپنی جگہ پر شرمندہ اور نادم سی بیٹھی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ واصف سے کس طرح کہے۔ وہ تعلق جس کی بنیاد ڈرامے پر رکھی گئی تھی یہ ... اسی طرح چلنے دو اسے ختم مت کرو۔

"واصف !" وہ جیسے خواب میں بولی اور وہ جو اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا چونک کر مڑا۔

"ہوں ! کیا بات ہے ؟ کچھ کہنا چاہتی ہو......؟" واصف کی گہری نگاہیں آمنہ کے حوصلے پست

نیلم کو آمنہ واقعی بہت پسند آئی تھی وہ اس کی دل سے تعریف کر رہی تھی اور وہ شرمندہ ہو رہی تھی
بات پر واصف اور وسیم متوجہ ہو گئے تھے۔

"آپ ایسی بات نہ کریں نیلم! آپ میں کیا کمی ہے؟"

"ایکسکیوزمی آمنہ! کچھ فیصلے دل کو توڑ کر بھی کیے جاتے ہیں۔

واصف براہ راست آمنہ کو دیکھ کر بولا تو وہ کھڑی ہو گئی۔ اب برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

"چلیں واصف......! بہت دیر ہو رہی ہے۔" وہ اب اس محفل سے نکل جانا چاہتی تھی۔

"خدا حافظ.....!" وہ سوچوں میں گم تھی کہ نیلم اس کا ہاتھ تھامے خدا حافظ کہہ رہی تھی۔ وہ چونک گئی

خدا حافظ!" وہ آہستگی سے بولی واصف کے برابر آ بیٹھی۔ اس نے تھک کر سیٹ کی پشت سے سر ٹکا دیا۔ واصف چپ چاپ گاڑی ڈرائیو کرنے لگا مگر وہ چونکا اس وقت جب اس نے ایک نظر آمنہ پر ڈالی۔ اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔

"آمنہ؟" اس نے آہستگی سے پکارا تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"ہوں جی...!" وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ چہرہ صاف کیا، آنکھیں رگڑیں مگر اشکوں کا ایک سیلاب تھا اُمڈا چلا آ رہا تھا۔ واصف اسے دیکھتا رہا۔ اس کا ایک ایک آنسو اس کے دل میں سوراخ کرتا رہا۔

"تم اُداس ہو، پریشان ہو، کچھ کہنا چاہتی ہو تا میں سمجھ رہا ہوں مگر کیا یہ نہیں جانتا۔" واصف نے اپنا رومال اس کے حوالے کیا۔

"جی واصف! آپ نے درست جانا اور سمجھا میں اعتراف کرنا چاہتی ہوں اپنے غلط فیصلے کا اعتراف کرنا چاہتی ہوں، آپ کے بلند ظرف اور اپنی کم ظرفی کا اعتراف کرنا چاہتی ہوں۔

وہ بولتے بولتے پھر رونے لگی۔ واصف نے اسے دیکھا۔ دل عجیب سے احساس سے دھڑکنے لگا۔

"کہو! منگیتر نہ سہی دوست کی حیثیت سے شانہ حاضر ہے۔ اس حماد کے ساتھ اپنا سر رکھ کر اس بہادو کہ اس کی تہہ کو بھی خبر نہیں ہوگی۔"

واصف نے تو محاورتاً کہا تھا۔ آمنہ نے حقیقتاً اپنا سر اس کے شانے سے ٹکا دیا تو واصف کو گھبراہٹ سی ہونے لگی کہ ایسی کیا بات ہے جس نے اتنی تنک مزاج لڑکی کو اتنا مجبور کر دیا تھا۔

"واصف! میں... میں زیادہ کچھ نہیں کہوں گی سوائے اس کے کہ میں نے انتہائی غلط فیصلہ کیا تھا۔ میں وہ نادان اور کم فہم لڑکی ہوں واصف! جس نے چمکتی چیز کو سونا سمجھ لیا تھا۔ واصف! وہ شخص جس کی خاطر میں نے آپ کو پریشان کیا، اتنے پیار کرنے والے لوگوں کو دھوکا دیا، اس نے مجھے خاک میں ملا دیا واصف... احسن نے شادی کر لی ہے۔"

"شادی؟" بریک اتنی زور سے چرچرائے اور اس قدر جھٹکے سے بریک لگا کر آمنہ کا سر ڈیش بورڈ سے جا ٹکرایا۔ اس کے اندر آندھیاں سی چلنے لگی تھیں۔ جس گھٹیا آدمی کی خاطر اس نے اس کی محبت کا گلا گھونٹا تھا اس نے شادی کر لی تھی۔ کیا اسی کا نام محبت ہے اور اب وہ آمنہ کی عنایات کا مطلب بھی سمجھا تھا تو کیا وہ اتنا غیر اہم تھا کہ جب تک وہ اس کی زندگی میں رہا اس نے اسے لفٹ نہیں کرائی اور اب جبکہ اس نے بے وفائی دکھائی تو

ساتھ اپ سیٹ ہو گیا تھا۔ اس نے بمشکل خود پر قابو پایا اور وہ روئے جا رہی تھی۔

"اور اب؟" اسے دیکھے بغیر واصف نے پوچھا۔

"اب! اب واصف...! اس ڈرامے کو حقیقت کا روپ دے دیں۔"

ہرگز نہیں...!" واصف نے سختی سے کہا۔

• • •

وجاہت سے شادی کے بعد زینت بالکل روبوٹ بن گئی تھی۔ ایک ایسی بے جان گڑیا جس کو وجاہت جہاں چاہتا وہیں رکھتی۔ کبھی شوکیس، کبھی کارنر ٹیبل پر سجی گڑیا جس میں نہ جان تھی اور نہ ارمان۔ برف کے اس وہ اپنی مرضی سے جہاں چاہتا لے جاتا نہ چاہتا نہ لے جاتا۔ بیٹا نانا تو بہت خوش تھے۔

"دیکھ لیا ناں آپ نے اپنی پسند کو۔ دیکھنے میں کیسا بھولا بھالا اور معصوم سا نظر آتا تھا اور اندر سے لاکھوں کا غبن فائلوں میں کیا اور اب لاکھوں کا سامان لے کر ٹرک سمیت غائب ہے۔ توبہ توبہ۔"

نانو کی تو دعائیں بر آئی تھیں، وہ ایک طرح سے یہ بازی جیت گئی تھیں مگر نانا اب بھی ظفر کو معصوم ہی سمجھتے تھے۔

"نہیں بیگم! کوئی کچھ بھی کہتا رہے مجھے اب بھی ظفر بے قصور اور معصوم ہی لگتا ہے۔ وہ بہت اچھا لڑکا حالات کے پھیر میں آ گیا ہے۔ دولت جائیداد کی اتنی ہی ہوس ہوتی تو اس کے ماموں کی ساری کی ہو سکتی تھی مگر اس نے صرف زینت کی خاطر ماموں کو بھی انکار کر دیا تھا۔"

"اپنی بکواس بند کریں... آپ کو وہ ہر کوئی اچھا اور سچا لگتا ہے۔ میں تو ہر وقت اپنے پروردگار کا شکر ادا کرتی رہتی ہوں کہ اس نے وجاہت جیسا اچھا داماد دیا۔ یہ دولت، جائیداد یہ ٹھاٹھ باٹ ہماری زینت کا مقدر بنایا، اللہ پاک سے میں تو یہی چاہتی تھی اور اللہ کا شکر اور احسان ہے کہ میری دعائیں سن لیں پروردگار نے اور حلق کا کانٹا خود بخود راستے سے ہٹ گیا۔"

بابا کو اپنی بیگم کی سطحی سی سوچ سے ہمیشہ سے اختلاف رہا تھا۔ دونوں اسی بات پر اکثر اُلجھا کرتے تھے کہ کوئی کیا کرتا ہے۔ اب وجاہت کے پاس نہ دل تھا جو دھڑک کر زندگی کا احساس دلاتا نہ جذبات تھے کہ وہ کچھ

"بیگم صاحب.....! رات کے کھانے میں کیا بنے گا...؟" اب وہ ملازم کی بجائے گھر کی مالکن بن گئی تھی ملازم اب اس سے رات کے کھانے کا پوچھ رہا تھا۔ وہ خیالوں سے چونکی۔

"ہوں ہاں......! کچھ بھی بنا لو یا صاحب سے پوچھ لو۔"

"صاحب نے آپ کے پاس بھیجا ہے۔"

"اچھا تو کچھ بھی بنا لو مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

اس کی آواز کہیں دور سے آتی محسوس ہوئی۔ اسی وقت وجاہت بھی آ گیا۔ اشارے سے ملازم کو جانے کو کہا اور خود زینت کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر انتہائی چبھتی نگاہوں سے دیکھتا رہا۔

"ہاں! میں جانتا ہوں کہ تمہیں نہ تو کسی سے محبت ہے نہ کوئی غرض ہے اور تمہیں کسی بات سے کوئی

وفا اور پیار پیش کرنے۔ کیا سمجھ رکھا ہے تم نے؟ سب اندھے بہرے اور جاہل لوگ بیٹھے ہیں کہ تمہاری
گھڑنت پر یقین کر لیں گے....؟ زینت! یقین دلاؤ اس کمینے آدمی کو کہ تم میری بیوی ہو اور ...
آئندہ اگر اس کی صورت نظر آئی تو دونوں کو شوٹ کر دوں گا، سمجھیں....؟"

وہ بری طرح دھاڑ رہا تھا۔ زینت کے اندر بھی طوفان موجزن تھا۔ آج کتنے دنوں بعد تو اسے ... ہونے کا یقین ہوا تھا۔ اس کے قریب کھڑا شخص اس کی محبت، اس کے دل کی دھڑکن تھا، آج اجنبی ... وہ اس کی سچائیاں جانتی تھی، مانتی تھی مگر اس کے ماننے یا نہ ماننے سے فرق نہیں پڑتا تھا۔ اب تو سب ... چکا تھا۔ اب تو وہ وجاہت کی بیوی تھی اور اب وہ اپنی بے وفائی ظاہر کر کے اسے اپنی ذات سے بیزار یا مایوس ... چاہتی تھی کہ ظفر کو اسے کھو دینے کا صدمہ نہ ہوتا۔ گر کوئی غم رہتا تو اس کی بے وفائی کا۔ اس کے ہرجائی ... عجیب سی حالت ہو رہی تھی، دل بری طرح دھڑک رہا تھا، خنکی کے باوجود اس کا چہرہ پسینے سے تر تھا۔

وہ پلک جھپکائے بغیر ظفر کو دیکھتی رہی۔ کتنے ارمانوں سے اس شخص کو چاہا تھا، اس کے ساتھ ... گزرنے کے کتنے خواب دیکھے تھے۔ وہ جو اس وقت بُت بنا کھڑا تھا، بکھرے بال، زرد رنگت، بڑھی شیو ... میں خوابوں کی کرچیوں سے وہ اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک حسرت زدہ امید تھی، التجا تھی ... زینت وجاہت کو ٹھکرا دو مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ مخالف ہواؤں کی زد میں آ چکا ہے اور اس کی محبت، ... ارمان، اس کی زینت سب اس طوفان میں کہیں گم ہو گئے ہیں۔ دونوں کے ہمیشہ کے لیے جدا ہونے کی گھڑی تھی اور آنسو ... اندھیروں کی اوٹ میں گزرتے لمحے اپنی محبت کی داستاں کو اپنے ساتھ لئے جا رہے تھے ... پر ایک دم ہذیانی کیفیت طاری ہو گئی۔ اس نے ایک [illegible] زینت نے ظفر کے پیروں پر یکدم اس طرح ہاتھ رکھے گویا اس سے پاؤں پکڑ کر معافی مانگ رہی ہو۔ پھر جھٹکے سے اٹھی، چہرے پر دنیا جہاں کی نفرت طاری کر لی۔

"تم نے سنا نہیں ظفر! وجاہت کیا کہہ رہے ہیں؟ وجاہت کی زبان پر اگر تمہیں یقین نہیں ... سنو! میں نے اپنی مرضی، اپنی خوشی سے وجاہت کے ساتھ شادی کی ہے، میں نے محبت بھی وجاہت سے کی ہے، تمہارے ساتھ تو میں مذاق کر رہی تھی، فلرٹ کر رہی تھی۔ ہے کیا تمہارے پاس...؟ زمین آسمان کا فرق ہے تم میں اور وجاہت میں۔ دیکھو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر، دیکھو ہیرے جواہرات میں تول دیا ہے وجاہت نے اور تم...! تم جس کے پاس اپنی جھونپڑی بھی نہیں۔ میرا دماغ خراب تھا کہ تمہارے ساتھ شادی کرتی یا انتظار کرتی؟ اٹھو اور اپنی خوش فہمی کی سزا پا کر لوٹ جاؤ۔ جاؤ اس سے قبل کہ ہمارے ملازم تمہیں دھکے دے کر نکالیں۔ جاؤ نکل جاؤ میرے گھر سے، میرے دل سے نکل جاؤ۔"

زینت اس وقت اپنے حواسوں میں نہیں تھی۔ پاگلوں کی طرح روئے جا رہی تھی اور بولے جا رہی تھی۔ ظفر تو جیسے سن ہی ہو گیا تھا۔ اسے نہ اپنی آنکھوں پر یقین آ رہا تھا اور نہ سماعتوں پر۔

"بکواس بند کرو۔ فریبی...! دھوکے باز...! محبت کی آڑ میں محبت کا ڈھونگ رچاتے تمہیں شرم نہیں آئی؟ تم... تم یہ سب جھوٹ بول رہی ہو۔ مجھے یقین ہے تم ایسی نہیں ہو، تم جھوٹ بول رہی ہو۔ یہ دولت یہ جائیداد کبھی بھی تمہاری دست طلب میں نہیں تھی، تم صرف میری محبت ہو، میری چاہت ہو، میں ... میں

... مصائب سے گزر کر آیا تھا اس قیامت خیز خبر نے اسے بے دم کر دیا۔ وہ لمبے لمبے سانس لے رہا ... ضبط سے زینت نے اپنے ہونٹ کاٹ لئے۔ اس کا جی چاہا وجاہت کو دھکا دے کر نکال دے، ... ظفر کو سمیٹ کر اپنے دل میں چھپا لے مگر اب یہ ممکن نہیں تھا۔ اسے خود سے بدظن کرنا ہی اس کے ... تھا۔

"ظفر...! بہتری اسی میں ہے کہ تم چلے جاؤ۔ یہ جو تم سب دیکھ رہے ہو ناں یہ جھوٹ نہیں حقیقت ہے۔ حقیقت کو تسلیم کر چکی ہوں تم بھی کر لو اور مان لو کہ وہ سب جھوٹ تھا، فریب تھا۔ مان لو تم جیسے لوگ اسی ... سسک کر مرتے ہیں۔ نکل جاؤ میرے گھر سے، دور ہو جاؤ میری نظروں سے۔"

... کو بھی برداشت کا یارا نہیں رہا تھا۔ وہ چلاتی ہوئی اندر بھاگ گئی۔ ظفر آنکھوں میں سیلاب لئے ... ہوتا دیکھ رہا تھا۔ سینے میں دل تھم چکا تھا، دھڑکنیں ساکت ہو گئی تھیں، گہرے گہرے سانس بہت ... گئے تھے۔ وہ جاتی ہوئی زینت کو ایسے ہی دیکھ رہا تھا جیسے طوفان میں گھری ناؤ کناروں کو دیکھتی ہے۔ ... دیر کھڑا ظفر کو دیکھتا رہا۔ دونوں نے اب تک زندگی ساتھ گزاری تھی۔ بچپن، جوانی کتنی خوبصورت ... پر آج اجنبی بنے کھڑے تھے۔

"اگر اپنی اوقات کے آئینے میں اپنی یہ صورت پہچان لی ہے تو دفع ہو جاؤ اور آئندہ ادھر نہ آنا۔"

وجاہت کمینگی کی حدوں کو چھوتے ہوئے اسے دھتکار کر اندر چلا گیا۔ ظفر میں تو جان ہی نہیں تھی کہ اپنے ... اور چلا جاتا۔

"... [illegible] چھوڑ کر جاتا ہوں اور آج میں نے وجاہت کی نوکری بھی چھوڑ دی ... جب آیا تھا اب جوان ہوں مگر اتنے سالوں میں جو توہین میں نے آج دیکھی ہے وہ مجھ سے برداشت نہیں ... رشتوں کی بے عزتی توبہ توبہ... لعنت ہے ایسی دولت پر۔ آپ چلئے میں آپ کو چھوڑ آتا ہوں۔"

عبدل بہت پرانا ملازم تھا۔ وجاہت اور ظفر کی دوستی سے وہ بہت خوش ہوتا تھا۔ ظفر سے اسے بہت پیار تھا ... یہ بے عزتی عبدل سے برداشت نہیں ہوئی تھی۔

"یار عبدل ... اس لاش کو کہاں لے جاؤ گے....؟ میں تو اپنی نظر میں گر گیا ہوں۔ دنیا میں یہ بھی ہوتا ... جیسے میرے ساتھ ہوا...؟ لوگ یوں بھی بدلتے ہیں...؟"

ظفر عبدل کے شانے پر سر رکھے شدتوں سے رو رہا تھا۔ غریب مگر مخلص شانہ مل گیا تھا۔ روتا رہا، رہ رہ کر ... کے الفاظ اس کے کانوں میں سیسہ انڈیل رہے تھے۔

• • •

"ختم کرو اب یہ ڈرامہ۔ میں سب جانتا ہوں۔ اس کے سامنے جو تم نے ڈائیلاگ بولے ہیں مجھے ... کے لئے بولے ہیں۔ تمہارے دل میں اسی کی محبت ہے، تمہارا وجود صرف کمرے میں ہے تمہارا دل ... سوچیں سب اس کے پاس ہیں۔ تم کیا سمجھتی ہو میں تمہارے اس ڈرامے میں آ جاؤں گا؟ اور خبردار جو ... بہائے۔"

... جو ظفر کو ذلیل کر کے بری طرح رو رہی تھی، وجاہت نے آ کر اسے بے نقط سنا ڈالیں۔

"کچھ بھی سہی اب تمہیں اپنی نئی زندگی کی ابتداء کرنی چاہیے۔ وہ جیسے تیسے سہی اپنی نئی زندگی کی [illegible] چکی ہے اب تم بھی ... اور یہ تم کہاں جا رہے ہو ...؟"

"کچھ نہیں یار! بس ذرا باہر ذرا تک جا رہا ہوں بہت گھبراہٹ سی ہو رہی ہے۔" وہ بے دلی سے ...

جاوید نے ... سے ساتھ لگایا تو ظفر ایک بار پھر بکھر گیا۔

"ٹھیک ہے دونوں چلیں گے مگر ابھی نہیں۔ بات یہ ہے کہ میں نے تمہاری ڈائری سے نمبر لے کر ... فون کیا تھا۔ اس کے والد تھے تمہارے ... موسیٰ کی حالت بہت خراب ہے، وہ بہت پریشان ہے تمہاری ... زینت کا سن کر وہ بھی بہت روئی۔ چھ بجے تک وہ میرے موبائل پر فون کرے گی تم بات کرنا۔"

"اب مجھے کسی سے کوئی بات نہیں کرنی۔"

"خود غرض نہ بنو۔ دیکھو ظفری! موت زندگی کی سب سے بڑی حقیقت ہے جسے انسان کو ... چاہے بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ زندگی کا کاروبار چلتا رہتا ہے، کبھی رکتا نہیں۔ ہاں جس کے پاس عمر کی نقدی ... جاتی ہے وہ قبر میں اتر جاتا ہے اور پھر میرے یار! انسان کو چاہیے کہ اس کے پاس عمر کی جتنی بھی نقدی ہو اس سے اپنے لئے خوشیاں نہ خرید سکا ہو تو اس نقدی سے دوسروں کے لئے کچھ خوشیاں خرید لینی چاہئیں۔ ... بے ظفر! دوسروں کے لئے جو خوشیاں خریدی جاتی ہیں نا! وہ بہت نایاب اور انمول ہوتی ہیں۔ تم ... سے شادی کر لو۔"

"نہیں جاوید! ایسی بات نہ کرو۔" وہ بیزاری سے بولا۔

"مگر کیوں؟ ظفری! تم ناشکری کر رہے ہو۔"

"یہ بات نہیں ہے جاوید! بلکہ اب میں وجاہت ... دوستی ہی دیکھی ہے اب ذرا میری دشمنی کا مزہ بھی چکھے ... زینت اگر میری نہیں ہو سکی تو اس کا گھر بھی آباد نہیں رہنے دوں گا، اس کا جینا حرام کر دوں گا۔ کیا سمجھ رکھا ہے اس ... نے مجھے؟"

وہ بہت بپھرا ہوا تھا۔ غصے میں بولتا ہوا وہ باہر نکل گیا اور جاوید ... ہلتے ہوئے پردے کو دیکھ کر رہ گیا۔

• • •

چٹاخ کی ایک آواز آئی تھی اور ہر طرف سناٹا گونج گیا تھا۔ کانوں میں ایسی سائیں سائیں ہو رہی تھی کہ کچھ دیر کے لئے خرم کو سب کچھ گھومتا ہوا محسوس ہوا۔ زندگی کا پہلا اتنا بڑا حادثہ تھا۔ دل کچھ دیر کے لئے دھڑکنا بند ہو گیا۔ دکھ تھپڑ کا نہیں تھا بلکہ اس بات کا تھا کہ موسیٰ نے اس کی نیک نیتی پر شبہ کیا تھا۔ وہ پھٹی آنکھوں سے گنگ سا اسے دیکھے گیا جو بری طرح روئے جا رہی تھی۔ وہ ساکت کھڑا بے یقینی سے اسے دیکھے جا رہا تھا۔

"آپ نے سنا نہیں خرم صاحب! چلے جائیے یہاں سے ورنہ ..."

فاطمہ بیگم سے کئے ہوئے وعدے کو نبھانے کے لئے تو وہ جان بھی دے سکتی تھی۔ خود اسے اپنی عزت بہت عزیز تھی۔ خرم کا ہتک آمیز رویہ وہ بخوشی برداشت کر رہی تھی کہ خرم عام گھٹیا مردوں جیسا نہیں تھا۔ مردوں کی چاپلوسی اور گھٹیا جملوں اور گندی نظروں سے شدید نفرت تھی۔ اسے باپردہ لڑکیوں سے دور دور رہنے والے مرد اچھے لگتے تھے اور خرم تو بالکل ایسا ہی تھا۔ ہر وقت اسے ڈانٹتا جب بھی دیکھتا قہر بار نظروں سے دیکھتا مگر وہ خرم کے

... مطمئن تھی مگر آج خرم نے اسے بہت بلندی سے نیچے پھینک دیا تھا وہ آپے سے باہر ہو گئی۔

"... صاحب! تشریف لے جائیے اس سے پہلے کہ میں چوکیدار اور گھر کے دوسرے ملازموں کو بلا کر آپ کی پارسائی کا پردہ چاک کروں۔ پلیز! چلے جائیں!"

... بہت نفرت سے اور کرخت لہجے میں بولی تو خرم جیسے چونکا۔ اسے لگا جیسے وہ مر چکا ہو۔ ہاں اس کے ... کا مقام ہی تھا۔ آہستہ آہستہ رگوں میں خون کی گردش رواں ہوئی تو وہ طیش میں آ گیا۔

"یو اسٹوپڈ گرل! کیا سمجھ رہی ہو تم؟ مطلب کیا ہے تمہارا؟ کس گھٹیا سوچ اور خیال نے ... جرأت دی ہے؟ احمق لڑکی! سنو تو سہی میں کس نیت سے اور کیا بات کہنے آیا ہوں۔"

... خرم کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اس کی عدالت میں اپنی پارسائی کس طرح ثابت کرے۔

"پلیز خرم صاحب ... چلے جائیں ... اب میں بھی آپ سب کے اتنے اصرار پر ڈنر پر کیوں نہیں ... آپ شاید کسی ایسی ہی تنہائی کے منتظر تھے اور آج آپ کو موقع ملا جو آپ گنوانا نہیں چاہتے تھے اور ... ذلالت کے بعد میرا ... سے اعتماد اٹھ گیا تھا جس کو آپ نے صرف آپ نے بحال کیا۔ مگر آج ... نے ثابت کر دیا کہ آپ میں اور میرے بہنوئی میں کوئی فرق نہیں، سب مرد ایک جیسے ہوتے ہیں بس ... ہوتے ہیں۔"

"شٹ اپ! موسیٰ!"

... خرم کا مردانہ ہاتھ ہوا میں بلند ہوا اور موسیٰ کے نرم و نازک رخسار پر ثبت ہو گیا۔ اس کے ہاتھ کی ... رخسار سلگ اٹھا تھا۔ وہ کچھ دیر زخمی نظروں سے اسے ... چارپائی پر گری ہوئی تھی۔ خرم خود گرنے کے قریب تھا پھر ... کچھ پتہ نہیں چلا کہ وہ اپنے کمرے تک پہنچا کیسے۔ سینے میں اسے اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"آپ میں اور میرے بہنوئی میں کوئی فرق نہیں تھا۔"

ایک ایک جملہ، ایک ایک لفظ ہتھوڑے برسا رہا تھا اس کے دماغ پر۔ وہ کس نیت سے کیا کہنے گیا تھا اور موسیٰ نے اسے اس کی نظروں میں گرا دیا تھا۔

خرم نے کمرے کا حلیہ بگاڑ دیا۔ ہر چیز کو اٹھا کر دیوار سے مارتا رہا۔

"یہ تم نے کیا کیا موسیٰ! میری نیک نیتی کو کس گندی سوچ کا لبادہ اوڑھا دیا ......؟ تم نے مجھ میں اور اپنے بہنوئی میں کوئی فرق نہ رکھا۔ میرے خدا؟ میں کیوں گیا تھا وہاں .... ؟ کیوں اس نے میری نیک نیتی کو، پاکیزہ نظر کو گالی دے ڈالی ... موسیٰ؟ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔"

خرم کے اندر طوفان آیا ہوا تھا۔ اس نے سارا کمرہ اجاڑ کر رکھ دیا اور خود بے دم سا ہو کر آدھا بیڈ پر اور آدھا نیچے گر گیا۔ یہ احساس بار بار زخموں پر نمک پاشی کر رہا تھا کہ وہ کتنی اچھی نیت سے گیا تھا اور موسیٰ نے ... کیا سمجھا تھا۔

"کاش! کاش میں نہ گیا ہوتا۔ وہ اگر مجھ سے بدظن تھی تو رہتی۔ اب تک وہ مجھے ظالم ہی سمجھ رہی تھی۔ کتنا سکون تھا اس سمجھ میں، کم از کم میں اپنی نظروں میں تو نہیں گرا تھا۔ پہلے وہ مجھے ظالم سمجھتی ہوگی لیکن اب

''کاش ! کاش یہ نہ ہوا ہوتا۔ خرم ...! آپ اسی طرح ظالم، جابر ہی بنے رہتے۔ اپنی بلندی سے نیچے آ کر کچھ کہنے کی کوشش نہ کرتے۔ کاش ''

موی روئے جا رہی تھی اور سجدے میں گری خرم کے لئے دُعا کر رہی تھی۔

● ● ●

''بھئی زبیر صاحب .. ! بیٹے کی زندگی مبارک ہو !'' باہر آ کر ڈاکٹر نے کہا۔

''کیوں ڈاکٹر صاحب .. ! کوئی خاص بات یا خطرے کی بات تو نہیں - ؟ اور کس وجہ سے یہ سب ہوا تھا ؟'' شہباز نے فاطمہ بیگم کو کرسی پر بٹھا کر ڈاکٹر سے سوال کیا۔

''شہباز میاں ! ویسے تو خرم ٹھیک ہے مگر ہماری ڈاکٹری کے مطابق خرم کو کوئی بہت زبردست ذہنی شاک لگا ہے اور شاک اتنا زبردست تھا کہ جس سے اس کی جان بھی جا سکتی تھی لیکن خیر خدا کا شکر اور احسان کہ اب وہ ٹھیک ہے۔ مسز زبیر !! ابھی تو نہیں چند گھنٹوں کے بعد آپ اپنے بیٹے سے مل سکتی ہیں۔''

''ڈاکٹر صاحب ! اب تو بھائی ٹھیک ہیں ناں ؟ ان کو کچھ ہوگا تو نہیں ؟'' لیلیٰ نے آنسو صاف کرتے ہوئے پوچھا۔ دل کو کچھ قرار آیا تھا۔

''ہاں ہاں بیٹا...... اللہ کا شکر ہے اب خرم خطرے سے باہر ہے۔ ویسے زبیر صاحب ! ایسی کیا بات ہوگئی تھی جس کا خرم نے اس قدر اثر لیا ہے کہ جان پر بن آئی تھی ؟''

''معلوم نہیں ڈاکٹر صاحب... ! ٹھیک تھا بالکل، خلاف معمول ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔ ہم لوگ ڈنر کرنے باہر جا رہے تھے، اس کو بھی چلنے پر اصرار کیا مگر... [illegible] واپس آئے تو کمرے کا حلیہ بھی بگڑا ہوا تھا اور خود کیسے کپڑوں میں فل بکھرا بکھرا بیٹھا ہوا تھا۔ ہم آئے دیکھا تو بالکل سرد ہو چکا تھا اور خلاف بات کیا ہوئی ہے ؟ آپ جانتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کوئی ایسا مسئلہ نہیں، دشمنی وغیرہ لیکن یہ جو کچھ ہوا بہت غیر متوقع، غیر یقینی اور ہمارے لئے جان لیوا حادثہ ہے۔''

زبیر صاحب نے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے پھولی سانسوں کے ساتھ بتایا۔

''کہیں یہ تو نہیں کہ کوئی چور چوری کے ارادے سے آیا ہو ؟ آپ گھر کے ملازمین سے ضرور پوچھ گچھ کریں۔ یہ واقعہ معمولی نہیں۔''

''چور، ور چوری کا خدشہ ہو سکتا ہے مگر پہلی بات تو یہ کہ گھر کے تمام ملازمین گھر پر موجود تھے اور اگر کوئی چور آتا تو خرم ہی کے کمرے میں کیوں جاتا ؟ اور اس کے کمرے کا یہ حشر کیوں کرتا ؟ جبکہ اس کا کمرہ اس طرح صاف اور سادہ ہے۔ کوئی ایسی قیمتی چیز نہیں پھر بھی کمرے کا حلیہ بہت خراب ہے۔''

''بہرحال ! خرم ٹھیک ہو جائے تو آپ ضرور پوچھئے گا اس واقعے کے بارے میں کیونکہ یہ بات اگنور کرنے والی نہیں۔ مسز زبیر ! آپ اور زبیر صاحب گھر چلے جایئے یہ نوجوان کمل ہے ناں۔ یہ خرم کے پاس رُک جائے گا۔''

''جی آنٹی ! ڈاکٹر صاحب ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ آپ دونوں کی اپنی طبیعت ٹھیک نہیں، آپ دونوں گھر جائیں، آرام کریں، ہم دونوں ہیں ناں خرم کے پاس۔''

شہباز اور لیلیٰ چاہتے تھے وہ دونوں چلے جائیں مگر فاطمہ بیگم قطعی تیار نہ ہوئیں۔

''ہرگز نہیں .. ! میں اپنے بیٹے کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔ تم لوگ آرام کرنے کے لئے بھیج رہے ہو مگر میں اب تو ایک پل بھی سو نہیں پاؤں گی جب تک اپنے بیٹے کو ہوش میں بات کرتے نہ دیکھ لوں گی۔ خدا .. ! تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے تو نے میرے بیٹے کو زندگی بخشی۔ کچھ بھی ہو میں اپنے بیٹے کے پاس ہی رہوں گی۔'' فاطمہ بیگم جذباتی ہو رہی تھیں۔

''چلیں ٹھیک ہے۔ اگر مسز زبیر رُک رہی ہیں تو آپ سب جائیں۔ ویسے تو کوئی ضرورت نہیں سارا اسٹاف موجود ہے۔ یوں بھی پریشانی کی اب کوئی بات نہیں۔ اچھا ہے مسز زبیر کو بھی تسلی رہے گی، آپ لوگ جائیں۔''

اور پھر ڈاکٹر کے کہنے پر وہ تینوں روتے ہوئے خرم کو دیکھ کر باہر سے چلے گئے۔

● ● ●

''کیوں ہوا یہ حادثہ ؟ کہاں تھے تم سب کہ خرم کے کمرے میں کوئی آیا، حلیہ بگاڑا اور فرار ہوگیا اور ہائے میرے خدا... ! تیرا شکر ہے تو نے میرے بیٹے کی جان بخش دی ورنہ ان نمک حراموں نے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔''

گھر آ کر زبیر صاحب نے گھر کے تمام ملازمین کو جمع کر لیا تھا۔ بات معمولی نہیں تھی کہ وہ برداشت کر جاتے۔

''اللہ جانتا ہے صاحب... [illegible] ہر وقت [illegible] رہتا ہوں اور آج تو ہم چاروں آگ جلا کر باتیں کرتے رہے چھوٹے صاحب کے کمرے میں کسی کو نہیں دیکھا۔''

سب نے قسمیں کھا کھا کر اپنے بیان دیئے چونکہ ان کے لہجے میں سچائی بول رہی تھی۔ اس لئے وہ اُٹھ کر چلے گئے اور اس ساری کارروائی میں موی مجرموں کی طرح سب کچھ سنتی رہی۔ اس کا دل بار بار چاہا کہ وہ چیخ چیخ کر کہے کہ یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے، میں مجرم ہوں مگر وہ تو ہر لحاظ سے بے بس تھی۔

''موی ! ایسا کرو تم چائے رکھوا اور آؤ بھائی کا کمرہ صاف کرتے ہیں۔''

لیلیٰ کے ساتھ خرم کا کمرہ درست کرتے، اس کی ایک ایک چیز کو اُٹھاتے اس کے عجیب سے احساسات ہو رہے تھے جسے وہ کوئی نام نہیں دے سکتی تھی۔

''اب وہ...... میرا مطلب ہے خرم صاحب کیسے ہیں لیلیٰ .. ؟'' اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا تو لیلیٰ جس نے ابھی خود سے پانی نہیں پیا تھا، بھائی کا کام بڑے پیار سے کر رہی تھی، اس کی بات پر مڑی۔

''بس موی...... ! اللہ کا کرم ہوگیا ہے۔ پتا ہے ڈاکٹر بتا رہے تھے کہ ان کو کوئی بہت بڑا شاک لگا ہے جس کا اس کے دل اور دماغ پر بہت اثر کیا ہے۔ ڈاکٹر کہہ رہے تھے شکر کریں ان کی جان بچ گئی ورنہ جان بھی جا سکتی تھی۔''

''خدا نہ کرے ! '' موی کے منہ سے بے ساختہ نکلا پھر گھبرا کر کھڑکی کی طرف بڑھ گئی۔

''ہاں موی .. ! تم بھی ان کے لئے دُعا کرنا۔ میرے بھیا بہت اچھے ہیں۔ ضرور دُعا کرنا۔''

ب وہ اس کی بہن کو کیا بتاتی کہ وہ اس ستم گر کے لئے مجسم دُعا بن گئی تھی جس نے کبھی ظالم بن
اسے رُلایا، عزت دی اور کبھی مہربان بن کر ذلت کی دلدل میں دھکیل دیا۔
لیلیٰ جھک کر کارپٹ پر برش لگانے لگی تو موی نے جلدی سے اس کے ہاتھ سے برش چھین لیا۔
"نہیں موی..... ! آج میں اپنے بھیا کا کمرہ خود صاف کروں گی۔ ارے ! یہ تمہارے چہرے پر
نشان ہے جیسے اُنگلیوں کے یا تھپڑ کے نشان ہوں ؟"
وہ جھکی تو اس کی سفید رنگت پر خرم کے مردانہ ہاتھ کا واضح نشان لیلیٰ کو نظر آ گیا۔
"ہاں، ہوں ! نہیں تو۔ یہاں مجھے بھلا کوئی تھپڑ مارے گا --- ؟ یونہی ایک سائیڈ منہ رکھ کر سوئی
پھر شاید چارپائی کا نشان رہ گیا ہو۔ ہٹو میں خود صفائی کرتی ہوں۔" موی اس طرح خوفزدہ ہوئی گویا رنگے ہاتھوں
پکڑی گئی ہو۔ حلق میں آنسوؤں کا گویا پھندا سا پھنس گیا تھا۔ کیا ستم تھا کہ وہ کسی سے کچھ کہہ بھی نہیں سکتی تھی۔ کہتی تو
کس کو آتا۔ ہر کوئی اس کے کردار کو آلودہ کرتا۔ اس نے سینے پر صبر کی سِل رکھی، ہونٹوں پر چپ کی مہر لگائی
کے کناروں پر ضبط کے بند باندھے اور مصروف ہو گئی۔ اب وہ منتظر تھی کہ خرم کا کیا رویہ ہوتا ہے۔

● ● ●

"آئی ایم سوری مما ! میں بھی کتنا برا اور خود غرض ہوں کہ محض اپنے جذبات کی تسکین کی خاطر آپ
یوں پریشان کر دیا۔ میری وجہ سے میری پیاری ماں بے آرام ہو رہی ہے۔ لعنت ہے ایسی اولاد پر۔
مما !"
خرم کو ہوش آیا تو کچھ دیر کے لئے اسے کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کہاں ہے۔ کچھ دیر بعد حواس
بحال ہوئے تو ساری بات یاد آ گئی۔ اک ٹیس سی اٹھی اور ۔۔۔ سب یاد کا کچھ سوچنے لگا
تھا۔ ایک بار پھر ہذیانی کیفیت طاری ہونے لگی مگر وہ خود پر قابو پا گیا۔
"مما ! مما !" اس نے آہستگی سے پکارا۔
"جی ! جی میرے بچے ۔۔۔ ! جی" فاطمہ تڑپ کر اٹھیں۔ اسے ہوش میں دیکھ کر دیوانہ وار اسے
پیار کرنے لگیں۔
"تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے پروردگار ! تو نے ہم گناہگاروں پر اتنا کرم کیا۔"
پھر تین دن خرم ہاسپٹل میں رہا۔ سب آتے جاتے، گھر کے تمام ملازمین آئے۔ اسے دُعا دے کر گئے مگر
وہ صرف اس آہٹ کا منتظر تھا جس کے جلو میں وہ نابجھ ستم گر آتی۔ اس کی آنکھیں اور سماعتیں موی کی منتظر ہی
رہیں مگر وہ نہیں آئی۔
"تم اتنی کٹھور بھی ہو سکتی ہو موی ! میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ تم نے مجھ پر بہت بڑا ظلم کیا ہے
موی ! دل میں رہ کر دل کی بستی کو اجاڑا ہے، آنکھوں میں بس کر انہیں برباد کیا ہے۔ موی ! ایک بار آ کر
اپنے ستم زدہ کو دیکھ تو جاتیں۔ بہت تسکین ملتی تمہیں، تمہاری ناسمجھی کو۔ آہ کاش ! میں ! میں ظالم مالک ہی
رہتا، مہربان دوست بن کر نہ جاتا۔ آہ !"
عجیب طرح کے دُکھ کی اُداس ویران سی شام اُتر آئی تھی اس کے دل میں۔ وہ گھر بھی آ گیا تھا مگر وہ پھر بھی

رہی تھی۔ اسے اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں وہ خود ہی کہیں چلی نہ گئی ہو یا کسی کے دباؤ میں آ کر اس نے بچ نہ
۔۔۔ ہو۔ دونوں صورتوں میں بدنامی اور شامت موی کی آتی جو اسے گوارا نہیں تھی۔ اس کے لئے اس نے خود
۔۔۔ ناری تھی کہ وہ اپنے کسی دوست سے اُلجھ گیا تھا، غصے میں آ کر اس نے خود کو ہی سزا دے ڈالی۔
"مما..... ! کچھ کھانے کو دل چاہ رہا ہے۔" اس نے سوچا اسی بہانے وہ آئے تو سکی۔
"کیا کھائے گا میرا بیٹا ! میں خود بنا کر لاتی ہوں۔" ماں نثار ہو گئی۔
"نہیں مما ! آپ میرے پاس بیٹھیں۔ کہاں ہے وہ آپ کی لاڈلی موی صاحبہ ؟ اس سے کہیں
۔۔۔ بنا لائے۔" اس نے مما کو پکڑ لیا جو اُٹھ رہی تھیں۔
"ارے بیٹا ! اس لڑکی کو نجانے کیا ہو گیا ہے۔ چپ سی لگ گئی ہے، کھوئی کھوئی سی رہتی ہے۔ میرا خیال
ہے وہ ہنوز گھبرایا ہوا ہو گا۔ خیر میں اسے بلاتی ہوں۔ موی..... ! موی..... !"
"جی آئی ! " موی کی آواز کی کپکپاہٹ خرم کو قریب سے سنائی دی۔ کچھ دیر بعد وہ نظریں جھکائے،
۔۔۔ سامنے کھڑی تھی۔ خوف سے شرمندگی یا اپنی بے بسی کی سرد سِل پر کھڑی وہ برف ہی لگ رہی تھی جیسے اب
۔۔۔ ہو جائے گی۔ خرم نے شاکی نظروں سے دیکھا جس کو اس سے نظر ملانے کی تاب نہیں تھی۔ اس کا جی چاہا مما اس
۔۔۔ سی بات کریں اور وہ یونہی کھڑی رہے۔
"جی اچھا ! ابھی لائی ---" تمہاری دیکھا ہو، جانے کہاں پہنچ گیا تھا کہ وہ آرڈر لے کر چلی گئی۔ پھر
۔۔۔ تو سوپ لے کر آئی تھی۔
"یہ سوپ بنایا ہے ! تمیز نہیں تمہیں جاہل ! بدتمیز ! سوپ بنانا نہیں آتا۔"
"میرے بچے ! فکر نہ کرو۔ میں خود بنا لاتی ہوں۔ اس نے تو کہا تھا خیر تم جاؤ موی ! میں خود بناتی
ہوں۔ پہلے ذرا کپڑے دھو لوں۔" مما واش روم میں اپنے کپڑوں کے چھینٹے دھونے گئیں تو موی اس کی
۔۔۔ نظروں کی زد میں ایسی ہرنی لگ رہی تھی جیسے شیر کھانے کو تیار ہو۔ وہ کارپٹ کو کپڑے سے صاف کرنے
لئے جھکی تو وہ لہجے میں نفرت اور حقارت بھر کر بولا۔
"تم اپنے آپ کو سمجھتی کیا ہو ؟ تمہاری اوقات اور حیثیت کیا ہے ؟ تم تو میری نفرت کے بھی قابل
نہیں ہو۔ میں"
وہ تو ابھی اور زہر اُگلتا کہ اسی وقت فاطمہ آ گئیں۔ وہ خاموش ہو گیا تو آنسوؤں کی دبیز تہہ سے اس نے
سسکتے ہوئے خرم کو دیکھا۔
"کاش خرم..... ! تم ظلم کے اس سفر میں اس مہربانی کے موڑ پہ نہ ٹھہرے ہوتے۔"
وہ کمرے سے نکل گئی تو خرم کو لگا جیسے رُوح نکل گئی ہو۔ وہ بےدم سا ہو کر لیٹ گیا۔
"ناسمجھ لڑکی ! تم کیا سمجھتی ہو ؟ تمہاری عزت تو مجھے بھی بہت عزیز ہے۔ اسی لئے قصہ غم میں تیرا
نام آنے نہ دیں گے۔" اس نے آنکھیں بند کر کے موی کے تصور کو محفوظ کر لیا۔
"اور خرم صاحب..... ! اب کیسی طبیعت ہے..... ؟" لیلیٰ اور شہباز اسی وقت آ گئے۔
"الحمدللہ..... ! بالکل ٹھیک ہوں۔ بس یار..... ! تم سب نے تو بلاوجہ ہی ہنگامہ کر دیا۔"

وہ شرمندہ شرمندہ اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ واقعی بہت نادم تھا کہ اس نے اپنے پیاروں کو پریشان کر دیا۔

"جی۔۔۔! بلاوجہ ہم پر جو قیامت گزری ہے ناں وہ صرف ہم ہی جانتے ہیں۔ خیر اب آپ جلدی ٹھیک ہو جائیے۔" لیلیٰ نے بڑھ کر بھائی کو پیار کیا۔

"ہاں بھئی۔۔۔۔! جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ۔ ہمارا ہنی مون ڈیلے ہی ہوتا جا رہا ہے۔"

"اوہ کم آن شہباز۔۔۔ اللہ کے فضل سے اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔ تم لوگ جاؤ اپنا پروگرام خراب کرو۔ کب جا رہے ہو۔۔۔؟"

"جب آپ ہمیں ایئرپورٹ چھوڑنے جائیں گے۔"

"یہ بات ہے تو چلو میں ابھی چھوڑ آتا ہوں۔" خرم نے چھیڑا۔

"بس پرسوں روانگی ہے، ارہا ہے۔۔۔! آپ وجاہت کو فون کر دیں تاکہ وہ آجائیں۔ ہم تو ان کو پہچان بھی نہیں سکیں گے۔"

"ارے نہیں بیٹا۔۔۔! میں نے وجاہت میاں کو سب بتا دیا ہے۔ پہچان لیں گے۔ بھابی جان کی طبیعت بہت خراب ہے، ہماری طرف سے بہت پوچھا، بہت اچھے تعلقات تھے ہمارے۔ بس معمولی رنجشوں کی وجہ سے اتنے عرصے سے ہم نے ایک دوسرے کی خبر تک نہیں لی مگر اب ہم سب سے ملا کریں گے۔ بھابی جان نے کہا میں اور فاطمہ بھی ان کو دیکھنے آئیں گے۔"

زبیر صاحب ماضی میں چلے گئے تھے۔ پھر ۔۔۔ کچھ سوچ کر فاطمہ کو گھبراہٹ سی ہونے لگی۔

"موتی۔۔۔! موتی۔۔۔! ارے بھئی کہاں ہو بی بی؟" انہوں نے کسی کام کے لئے اسے پکارا تھا۔

"وہ بیگم صاحبہ موتی تو اپنے کوارٹر میں نہیں ہے۔" جواب ان کی دوسری ملازمہ نے دیا۔

"کیا۔۔۔؟" خرم بے ساختہ بولا۔

• • •

"ارے زبیر نکل۔۔۔ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔۔۔؟ جو کچھ بھی تھا آپ بزرگوں میں تھا، ہم بچوں کو آپ لوگوں کے معاملے میں بولنے کا کوئی حق نہیں۔ لیلیٰ اور شہباز آرہے ہیں۔۔۔؟ بڑی اچھی بات ہے۔ وہ میرے پاس رہیں گے اور آپ اور آنٹی بھی آ جاتے تو اچھا تھا۔ امی آپ لوگوں کو بہت یاد کرتی ہیں۔"

"ہم ضرور آتے وجاہت میاں۔۔۔! کچھ کاروباری مصروفیات ہیں، کچھ تمہاری آنٹی کی طبیعت۔ ابھی نہیں لیکن ہم ضرور آئیں گے۔ بھابی جان کو سلام کہنا، بہت پوچھنا۔ اچھا بیٹا۔۔۔! خدا حافظ۔۔۔!"

"جی۔۔۔ خدا حافظ۔۔۔!"

ریسیور رکھ کر زینت کی طرف پلٹا جو نجانے کن خیالوں میں گم تھی۔ اب تو وہ خالی ذہن بھی یا کسی اور کے بارے میں بھی سوچ رہی ہوتی، اس کی ہر سوچ پر ظفر کا الزام آ جاتا۔

"مسز زینت وجاہت۔۔۔! اگر آپ کو اپنے محبوب کے خیالوں سے فرصت مل جائے تو میری بات سن لیجئے۔" اس کے کٹیلے لہجے اور زہریلی باتوں کی وہ عادی ہو چکی تھی۔ وہ ایک بار پھر روبوٹ بن گئی۔

"جی کہئے۔۔۔" وہ فرمانبردار بیوی کی طرح اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی تو وجاہت نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔ بغیر کسی میک اپ کے، زیورات سے لدی زینت اس حلیے میں بھی بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ وہ ۔۔۔ ہو گیا، گہری نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"سوگوار حسن پر لوگ اس لئے مرتے ہیں کہ سوگوار ہو کر حسن میں بہت جاذبیت آ جاتی ہے۔ خیر میری ۔۔۔ فوراً یہ زیورات اتار دو۔"

"جی۔۔۔۔؟" اس کے اس اچانک حملے پر وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"اوہو۔۔۔ ! ڈرو نہیں، تمہیں یہ سب واپس مل جائے گا بلکہ تمہارے ہی پاس رہے گا۔ بات یہ ہے کہ میری کزن لیلیٰ آ رہی ہے اپنے شوہر کے ساتھ۔ میں ان لوگوں کے سامنے خود کو میرڈ ظاہر نہیں کرنا چاہتا اور نہ ہی تم ۔۔۔ کر دی ان کے سامنے۔ جتنے دن بھی وہ رہیں گے تم گھر کے تمام کاموں اور ملازمین کی نگراں ہو اور تمہارا اس گھر سے یا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔ میری بات سمجھ میں آ گئی ہے ناں۔۔۔؟ خیر آپ کی عقل سمجھ پر تو ۔۔۔ کا قبضہ ہے، ہم کس کھیت کی مولی ہیں۔ بہرحال ان کے سامنے تم صرف ملازمہ ہو، گھر کے امور کی ذمہ دار۔"

وہ بار بار یہی بات جتا رہا تھا۔ ایسے میں وہ صرف اسے دیکھ کر رہ گئی۔ یہ بھی نہ کہہ سکی تمہاری ذات سے ہونا مجھے بھی گوارہ نہیں مگر وہ ۔۔۔ ایسی سوچوں کو چپ کی قبر میں اتار کر سر ہلا کر رہ جاتی اور پھر یہی ہوا۔ ۔۔۔ ملازمہ بن گئی۔

۔۔۔ نزاکت کی بہت ۔۔۔ سے بہت متاثر ہوئی تھی اور اب اس کے بارے میں پوچھ رہی تھی۔

"یہ۔۔۔ یہ بھی ہماری ملازمہ ہیں مگر ذرا ہائر گریڈ کی ملازمہ۔" وجاہت نے انتہائی کمینگی سے اس کا تعارف کرایا تو وہ مسکراہٹ کو دباتی نظریں جھکا کر رہ گئی مگر لیلیٰ اور شہباز کو قطعی یقین نہیں آیا۔

"مگر یہ ملازمہ لگتی تو نہیں۔۔۔؟"

"اچھا۔۔۔! لگنے کی خوب کہی آپ نے۔ اب آپ بھی لگنے کو اسکول گرل ہیں، میرڈ تو ہرگز نہیں لگ رہی ہیں اور وہ بھی شہباز جیسے شخص کے ساتھ۔" وہ شہباز کو لیلیٰ کے ساتھ دیکھ کر جل ہی تو گیا۔ ہر حسین لڑکی پر وہ صرف اپنا حق سمجھتا تھا۔

"جی نہیں۔۔۔! شہباز میرے آئیڈیل ہیں اور ہماری لو میرج ہے۔"

لیلیٰ نے شہباز کا بازو تھام کر شہباز کو دیکھا جو دھیرے سے مسکرا تا رہا اور وجاہت کو دیکھتا رہا جس کو وہ ایک نظر میں جان گیا تھا کہ یہ خوبصورت شخص اندر سے کتنا بدصورت ہے۔

"بڑی لکی ہیں بھئی آپ۔۔۔ کہ آپ کو آئیڈیل مل گیا ورنہ ہم تو آئیڈیل کی تلاش میں پھرتے رہے۔ آئیڈیل نظر آیا تو پرایا ہو چکا تھا۔ اچھی وہ ۔۔۔! دیکھی جائے گی اور تم یہاں کیا ہماری باتیں سن رہی ہو۔۔۔؟ جاؤ کام دیکھو۔"

لیلیٰ وجاہت کو بہت پسند آئی تھی۔ اسی طرح شہباز اس کے پہلو میں کھڑا اسے زہر لگ رہا تھا اور اپنی

ساری جلن اس نے رمنت کو ڈانٹ کر نکالی۔ وہ جی بہتر کہہ کر چلی گئی۔

لیلیٰ کی آئی تھی وجاہت تو سب کچھ بھول گیا تھا۔ ریا وہ تو ایسے موقع تلاش کرتا جب وہ تنہا ہوتی۔ اس وقت شہباز کے سر میں درد تھا، وہ کمرے ہی میں تھا کہ لیلیٰ باہر آ گئی۔ اسی وقت وجاہت آ گیا۔

"ارے! آپ اکیلی بیٹھی ہیں، موصوف کہاں ہیں؟"

"ان کی ذرا طبیعت خراب ہے۔" لیلیٰ نے میگزین اٹھایا جس میں اس کا انٹرویو تھا۔

"یہ آپ کے انٹرویو کا پرچہ میں نے سنبھال کر رکھا ہے۔ آپ نے کہا ہے کہ آپ کو ایکٹنگ سے بہت لگاؤ ہے؟" وہ یہ کر جانتا تھا کہ اگر کسی کی توجہ حاصل کرنا ہو تو اس کے شوق اور اس کی پسند کی باتیں کرنی چاہئیں۔

"بہت لگاؤ ہے وجاہت بھائی...!"

"بھائی...؟ توبہ بھئی! وجاہت صرف وجاہت آپ کے منہ پر زیادہ خوبصورت لگتا ہے۔" لیلیٰ نے بھائی کہا تو وجاہت نے برا سا منہ بنا دیا۔

"ہاں تو میں کہہ رہی تھی کہ ایکٹنگ میرا شوق، میرا جنون ہے۔"

"دیکھیں.....! میں آپ کو دیکھتے ہی سمجھ گیا تھا میری اور آپ کی بہت انڈر اسٹینڈنگ ہوگی۔ مجھے بھی ایکٹنگ کا جنون کی حد تک شوق ہے۔ مجھے بھی بہت سی آفرز ہیں، کئی ڈائریکٹر میرے دوست ہیں، کہتے ہیں مگر وقت نہیں ملتا۔"

"اچھا.....! آپ کو بھی شوق ہے.....؟ مگر شہباز بالکل بھی شوق نہیں رکھتے اور اسی کی وجہ سے میں شاید یہ کام نہ کر سکوں۔" لیلیٰ نے اداس ہو کر کہا تو وہ غور سے دیکھنے لگا۔

"اچھا! حیرت ہے۔ اس لحاظ سے تو خاصے بدذوق واقع ہوئے ہیں۔ یعنی اتنی حسین، اتنی ٹیلنٹڈ بیوی کے شوق کو اپنا شوق بنانے کی بجائے ناپسند کر رہا ہے۔ بھئی سوری تو سے اس قسم کے دقیانوسی مرد مجھے قطعی پسند نہیں۔"

وہ کہتے کہتے رک گیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ بدک جائے اور پھر وہ بات لیلیٰ سے لمبی کرتا چلا گیا اور اس کے ہر شوق کو، پسند کو اس نے اپنی پسند قرار دے دیا۔

"بھئی لیلیٰ! پھر معذرت کے ساتھ کہوں گا کہ آپ کی لو میرج ہوئی ہے مگر ہوئی غلط بندے سے ہے۔ ارے! آپ جیسی شوق اور ذوق رکھنے والی لڑکی کی شادی تو ہم جیسے بندے کے ساتھ ہونی چاہئے تھی۔ میری بیوی کی پسند و ناپسند ایک ہے تو زندگی بہت اچھی گزر رہی ہے اور"

وہ بولتے بولتے رک گیا۔ سامنے سے شہباز جو آ رہا تھا۔ وہ اس کی بات سن چکا تھا۔

● ● ●

"ہرگز نہیں!" واصف کے سخت لہجے میں ڈھلے یہ الفاظ آمنہ کو توہین کی دلدل میں دھکیل رہے تھے۔ آمنہ عجیب کیفیت کا شکار تھی۔ محبت کے میدان میں اس کو شکست ہو چکی تھی۔ دوسروں سے ٹھکرائے جانے کا احساس مارے دے رہا تھا۔ یک وہ تھا جس کی طرف وہ کشتیاں جلا کر بڑھی تھی، وہ پیچھے ہٹ گیا۔ دوسرا وہ جو اس کی طرف بچپن سے بڑھ رہا تھا اور بڑھتے بڑھتے قریب آ کر ایک لمحے میں، یک جھٹکے میں تنی دور چلا گیا

ان کی تلاش میں نکلی تو خود کہیں کھو جاتی۔

"یا اللہ! یہ سب کیا ہو گیا؟ لیکن قصور میرا ہی ہے۔ جو لڑکیاں والدین کی پسند کو اپنا نہیں بناتیں، اور اپنے راستے پر چلتی ہیں تو منزل انہیں کبھی نصیب نہیں ہوتی۔ کاش! میں نے واصف کو حسن کے بل بوتے پر بتایا ہوتا نہ اس کے ساتھ یہ جھوٹا ڈرامہ رچایا ہوتا تو آج واصف کی نظروں میں یوں نہ گری ہوتی!"

سراسر اسی کا قصور تھا۔ وہ کس کو الزام دیتی۔ اس میں تو پرکھنے کا ہنر ہی نہیں تھا تب ہی تو چمکتی چیز کو سونا سمجھ بیٹھی، جو حقیقتاً سونا تھا اس نے بھی کیا اس کا مان رکھا تھا۔ وہ یہ بات نہیں سمجھ رہی تھی وہ مرد ہے جو بچپن سے چاہتا آ رہا ہے۔ اس غلط آدمی کے لئے اس نے اسے ٹھکرا دیا تو اب وہ کس طرح ایک دم پھر اس کا سوالی بن جاتا۔ اس سے مایوس ہو کر، اس کی خوشی کی خاطر اس سے دست بردار ہو گیا تھا۔ وہ کرب کے کسی جنگل میں تھی یہ وہ نہیں سمجھ رہی تھی۔ دوسری طرف مارے دکھ اور غصے کے برا حال تھا۔ تمام رات اس نے انگاروں پر گزاری تھی۔

"ہونہہ.....! واہ آمنہ بیگم.....! واہ.....! میرا دل کھلونے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا تمہارے نزدیک۔ میرا دل جب چاہا کھیل لیا جب چاہا توڑ دیا۔ تم اتنی خودغرض ہو سکتی ہو میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ جب تک وہ تم نے میرے ساتھ دل لگی کر کے وہ ڈرامہ کیا۔ اب اس نے چھوڑ دیا تو تم اس ڈرامے کو حقیقت کا روپ دینا چاہتی ہو۔ جب چاہا مجھے اپنے مقصد کے لئے استعمال کیا۔ تم مجھے اپنی خوشی کے مطابق چلانا چاہتی ہو، اپنی مجبوری سے۔ میں تمام عمر اس دوہرے احساس کے ساتھ تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتا جس کو تم نے مجبوراً قبول کیا۔"

وہ رہ رہ کر یہ احساس ہی مارے دے رہا تھا کہ آمنہ اسے پہلے ریجیکٹ کر چکی تھی اب اپنانا چاہتی ہے۔ وہ اپنی مرضی اور خوشی یا مجبوری سے استعمال کر رہی تھی اور یہی بات اسے سلگا رہی تھی کہ اس کی اپنی کوئی اہمیت نہیں۔ وہ اس کی محبت یا چاہت نہیں تھا اس کی ضرورت تھا۔

مگر اب اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ عمر بھر کے لئے اس کی ضرورت نہیں بنے گا۔ اس نے ڈرامے کا اینڈ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس نے آمنہ کے ساتھ شادی سے انکار کر دیا تھا۔ اس کے خیال میں وہ اس لڑکی کے ساتھ اس کے ساتھ نہیں رہ سکتا تھا کہ اسے خیرات میں اس کا ساتھ نصیب ہو رہا ہے۔ دوسری طرف آمنہ نے بھی سوچ لیا تھا کہ کتنی ہی بدنامی ہو وہ اب واصف سے شادی نہیں کرے گی۔

دونوں اپنی اپنی جگہ فیصلہ کر چکے تھے مگر انسان کچھ سوچتا ہے، کچھ فیصلہ کرتا ہے مگر اللہ کو کچھ اور منظور ہوتا ہے اور وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے۔ ان ہی دنوں حسام الدین کو شدید قسم کا ہارٹ اٹیک ہوا تو گھر بھر میں قیامت آ گئی۔ احتشام الدین نے اس صورت حال میں ان دونوں کے نکاح کا اعلان کر دیا۔ یہ بات سن کر واصف کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔

◆ ◆ ◆

واصف گھر آیا تو اک افراتفری مچی ہوئی تھی۔

"بھائی! آپ کہاں تھے؟ آپ کا موبائل بھی آف تھا۔" اس سے چھوٹی شمیمہ جلدی بڑھی۔

"کیوں؟ اب کیا قیامت آ گئی ہے؟" وہ برہمی سے دھاڑا تو وہ سہم گئی۔

"وہ... وہ چچا جان کی حالت بہت نازک ہے۔ ابو اور امی تو جا چکے ہیں۔ آمنہ باجی کا تو بہت برا حال ہے۔"

"اوہ... شکر ہے بھائی! آپ آ گئے۔ چچا جان کی حالت اچانک بگڑ گئی ہے۔"

"چلو ہم بھی چلتے ہیں ہاسپٹل!" وہ بھی جانے کے لئے تیار ہو گیا۔

"نہیں! ابھی ابو آمنہ باجی کو لے کر آ رہے ہیں۔ میں بھی قاضی صاحب کا بندوبست کرنے جا رہی ہوں۔ آج اور شاید ابھی آپ کا نکاح ہو۔ چچا جان کی شدید خواہش ہے کہ یہ نکاح آج ہی ہو کہ بہت [illegible] ہیں اس لئے"

ابھی عارف کی بات ادھوری تھی کہ احتشام الدین کلثوم بیگم اور آمنہ آ گئے۔ آمنہ بری طرح رو [illegible] راحیلہ بیگم کا حال بھی خراب تھا۔

"تم میرے کمرے میں آؤ!" احتشام الدین واصف کو حکم دیتے اپنے کمرے میں چلے گئے تو وہ سر جھکائے اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

"میں خوش تھا کہ میرا یہ بیٹا سب میں فرمانبردار [illegible] تمہاری پسند، مرضی کا تابع نہیں ہوں، گھمنڈ میں مبتلا [illegible] مجھے کسی کی پچھتاوے کو اپنی زندگی میں [illegible] ہونے نہیں دوں گا۔ تم کیا سوچ رہے ہو یا تمہارے دل نے کیا کیا ہے مجھے اس سے سروکار نہیں۔ تمہارا نکاح کچھ دیر بعد ہو جائے گا۔ میری معلومات کے مطابق تو آمنہ تمہاری پسند بھی تھی تم تو اسے چاہتے تھے۔ کیوں پھر یہ انکار، یہ الٹی سیدھی بکواس کیوں.....؟"

وہ اس کے مقابل کھڑے اس سے پوچھ رہے تھے تو وہ دل میں صرف یہ شعر دہرا کر رہ گیا۔

پاک ناموس عشق تھا ورنہ
کتنے آنسو پلک تک آئے تھے

"چپ کیوں ہو؟ اگر جواز نہیں ہے تو اچھی بات ہے اگر ہے بھی تو اس کا اس بات پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔ تمہارا نکاح ہو رہا ہے۔"

"جی بہتر" وہ دل کا درد چھپائے بے بسی سے ہتھیار ڈالتا پیچھے ہٹ گیا اور اجازت ملتے ہی باہر آ گیا۔ صورت حال ایسی تھی کہ وہ بے بس ہو کر رہ گیا تھا۔ حسام الدین سے اسے بھی بہت پیار تھا، وہ اسے آمنہ کی طرح عزیز رکھتے تھے۔ وہ وہاں سے سیدھا ماں کے پاس آیا۔ کلثوم بیگم اس وقت آمنہ کو ساتھ لگا کر بہت پیار کر رہی تھیں، تسلیاں دے رہی تھیں۔ کوئی اور وقت ہوتا تو اس منظر پر وہ کتنا خوش ہوتا اور کتنے ہی جگنوؤں کی دھنک فضاؤں کو رنگین کر جاتی مگر اب تو اک آہ تھی جو لبوں پر آ کر تھم گئی تھی۔

"امی!" "آؤ بیٹا" ماں نے بازو پھیلا دیئے تو وہ دوسری طرف آ کر کھڑا ہو گیا کیونکہ ایک طرف آنسوؤں کی دبیز تہہ میں آمنہ نے ایک نظر واصف پر ڈالی۔ کتنا ناراض اور اجنبی لگ رہا تھا۔

"امی! مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔" اس کے لہجے کی جارحیت نے امی کو چونکا دیا۔

"ہاں بیٹا! ایسی کیا بات ہے؟" انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر قریب کر لیا۔

"امی! مجھے یہ کہنا ہے کہ نکاح آج ہو رہا ہے نا تو رخصتی بھی آج ہی ہو گی۔"

اس نے حتمی انداز میں اعلان کیا تو آمنہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ کلثوم بیگم بھی حیرت زدہ سی ہو کر دیکھتی رہ گئیں اور اسے بغور دیکھنے لگیں جیسے وہ پاگل ہو گیا ہو۔

"بیٹا! یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ اس وقت تو نکاح کرنا ہماری مجبوری ہے مگر رخصتی تو خوب دھوم دھام سے شہنائیوں کی گونج میں کریں گے۔"

"نہیں امی! مجھے یہ سب نہیں چاہئے اور نہ ہی کچھ کرنے کی ضرورت ہے اس لئے کہ شہنائیاں خوشی کو بجتی ہیں، دھوم دھام خوشیوں کی منائی جاتی ہے اور میری زندگی میں ایسی کسی چیز کا کوئی دخل نہیں۔ میری طلب کے کشکول میں تو مجبوری ڈال دی گئی ہے اور تمام عمر مجھے اسی مجبوری پر گزارا کرنا ہے اسی لئے آج ہی نکاح اور آج ہی رخصتی ہو گی، بس!" وہ بڑی بے دردی سے آمنہ کے آنسوؤں کو روندتا آگے بڑھ گیا۔ کلثوم بیگم پریشان سی بیٹا پر وہ دیکھتی رہ گئیں۔ ان کی تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا کہہ گیا ہے۔ وہ جو جانتی تھیں [illegible] وقت اور جنگ کا احساس مار دے رہا تھا اسے۔

"[illegible] اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ جانے اس لڑکے کو کیا ہو گیا ہے.....؟ اتنا بچہ سا ہو گیا ہے؟ یہ تو سب سے اچھا اور فرمانبردار بیٹا ہے ہمارا۔ جانے یہ سب کیا کہہ گیا ہے؟ اب ایسی بھی بات نہیں کہ جو وہ کہہ گیا ہے وہی کیا جائے"

"آپ وہی کیجئے تائی جان! جو واصف نے کہا ہے۔ ٹھیک تو کہہ رہے تھے واصف، کیسے ارمان اور کیسی خوشیاں؟ مجبوری میں تو ہوا"

آمنہ تیزی سے باہر نکل گئی۔ اس وقت اس کے دل پر کیا گزر رہی ہے یہ صرف خدا ہی جانتا تھا۔

"مبارک ہو! مبارک ہو!" اور یوں ایجاب و قبول کے بعد آمنہ اور واصف نکاح کی ڈور میں بندھ گئے تھے۔ سب خوش تھے۔ اس خوشی کو دھوم دھام سے منانا چاہتے تھے مگر حسام الدین کی وجہ سے سب چپ اور افسردہ تھے۔ آمنہ کے منع کرنے کے باوجود کلثوم بیگم اور شمیمہ وغیرہ نے اسے عروسی جوڑا پہنا دیا تھا اور سجا دیا تھا۔ پیا سوگوار سا حسن تھا وہ واصف کو مزید بے قرار کر گئی مگر وہ دل پر پتھر رکھ چکا تھا۔

"ماشاء اللہ راحیلہ! میرے بچوں کی نظر اتار دو کتنے پیارے لگ رہے ہیں میرے بچے!" حسام الدین دونوں کو دیکھ کر بہت خوش تھے۔

"حسام! ہم تو چاہتے تھے کہ رخصتی دھوم دھام سے کرتے مگر"

"نہیں بہت اچھا ہوا جو کام ہو گیا وہی اچھا ہے اب ولیمہ ہم... ہم" حسام الدین کی طبیعت بگڑنے لگی۔

"اور بڑی عجیب بات کہی انہوں نے کہ ان کی بیگم کیسی ہیں؟" لیلیٰ نے چاول پلیٹ میں نکالتے ہوئے گویا دھماکہ کیا۔ وجاہت کھول اُٹھا۔ زینت دل سنبھالے کام میں مصروف رہی۔ یہ کیسا ظلم تھا کہ وہ کچھ کہہ بھی نہیں سکتی تھی۔

"تم جاؤ یہاں سے۔ جب کام ہوگا بلا لیا جائے گا۔" زینت کو ڈپٹ کر جانے کا کہہ کر وہ لیلیٰ کی جانب مڑا۔

"پھر پھر آپ نے کیا کہا...؟ میرا مطلب ہے کیا بتایا کہ میری..."

"جی ہاں! ظاہر ہے یہی کہا کہ آپ نے تو ابھی تک شادی ہی نہیں کی۔ کیوں ٹھیک کہا ناں... یہی کہنا چاہئے تھا ناں؟" شہباز کا موڈ بڑا عجیب سا تھا۔ وجاہت کو ایک تو وہ لیلیٰ کے شوہر کی حیثیت سے زہر لگ رہا تھا، دوسرا وہ اس کی کھوجتی نظر سے گھبرا رہا تھا۔

"جی! جی ہاں...! یہی کہنا چاہئے تھا۔ وہ میں سمجھ گیا اس نے شادی کا کیوں پوچھا ہوگا۔ دراصل یونیورسٹی کے زمانے میں ایک نہیں کئی لڑکیاں مجھ سے شادی کرنا چاہتی تھیں مگر میں اچھے گھریلو حالات کی ایسی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا تھا جو میرا گھر سنبھال لے، اور میری پسند ناپسند کا خیال رکھے مگر آپ کو معلوم ہے لڑکیاں سطحی سوچ رکھتی ہیں۔" وہ بلا جواز ہی بولے جا رہا تھا۔

"مائنڈ مت کیجئے وجاہت صاحب! یہ زینت ہر لحاظ سے اس قابل ہے کہ آپ اس سے شادی کر لیں۔ جس دن سے ہم آئے ہیں دیکھ رہے ہیں یہ گھر کو بھی سنبھالے ہوئے ہے، آنٹی کا بھی خوب خیال رکھتی اور تعلیم یافتہ بھی ہے۔ بس ذرا اسٹیٹس میں آپ سے کم ہے۔"

یہ بات لیلیٰ نے کی تھی کو کہ اس کی کڑواہٹ نے اندر تک کڑواہٹ بھر دی تھی مگر وہ صرف گہری نظر سے دیکھ کر رہ گیا۔

"آپ نے لیلیٰ کی بات کا جواب نہیں دیا۔ میں خود لیلیٰ سے متفق ہوں۔"

شہباز نے بھی لیلیٰ کی تائید کی تو وجاہت کا جی چاہا گرم گرم سالن شہباز کے وجیہہ چہرے پر ڈال دے مگر وقت اور حالات کا تقاضا تھا غصہ نہ کرے۔ وہ ہونٹوں پر بڑی مدبرانہ مسکراہٹ لے آیا۔

"ارے بھئی! آپ دونوں میری شادی کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں...؟ جبکہ لیلیٰ نے تو پہلے سوال کا جواب بھی خود ہی دے دیا کہ زینت ہر لحاظ سے مناسب ہونے کے باوجود میرے اسٹیٹس کی نہیں۔ دیری گڈ۔ رہی بات شادی کی تو اب تو میرا آئیڈیل نظر آ گیا ہے، اب تو اس سے شادی کروں گا خواہ اس کے لئے کچھ بھی کیوں نہ کرنا پڑے، کچھ بھی۔" اس نے لفظ "کچھ بھی" کو خوب چبایا۔ مگر لیلیٰ اور شہباز اس کی باتوں کے پیچھے چھپے مقاصد اور معنی کو قطعی سمجھ نہیں پائے اور ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔

● ● ■

"خدایا.....! تیری پاک ذات ہی ظفر کی نگہبان ہے۔ نجانے اس کو کتنی چوٹ آئی ہوگی۔ کس حال میں ہوگا؟ بدنصیب کی ماں بھی نہیں۔ پروردگار! یہ کس آزمائش کے سفر پر ہیں ہم دونوں؟ ہماری مدد فرما یا اللہ...! زندگی کے اس سفر میں ظفر کی مدد فرما اور ایک محبت کرنے والی، خیال رکھنے والی شریک حیات مل

اس کے زخموں پر اپنی محبت کا مرہم رکھتی رہے اور میرا حیال تک اسے نہ آئے۔ ہاں میں اسے خود سے دور کروں گی مجھے بھول کر وہ پرسکون زندگی کی ابتدا کر سکے۔"

وہ نماز کے بعد دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے دعا مانگ رہی تھی گو کہ اس کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی مگر وجاہت کو یقین تھا کہ وہ ظفر ہی کے لئے دعا گو ہے۔ حسد اور جلن کی آگ ایک دم بھڑک کر دو آگے بڑھا۔

"وہ زندہ ہے مر نہیں گیا کہ یوں رو رو کر اس کی زندگی کی دعائیں کر رہی ہو اور روایہ تو بتاؤ کہ کہیں لیلیٰ کو بتا تو نہیں دیا شادی کا؟ اگر ایسا ہوا تو پھر خود سوچ لو تمہارے ساتھ کیا ہوگا۔"

اس نے سفاکی سے کہا۔

"وجاہت صاحب! آپ سے شادی میرے ان گناہوں کی سزا ہے جو مجھے یاد نہیں۔ آپ سے شادی میرے لئے شرمندگی ہے، سزا ہے۔ کوئی خوشی یا اعزاز نہیں کہ میں اس کا اعلان کرتی پھروں اور نہ ہی لیلیٰ کو اس قسم کی غلطی کی ہے۔"

اس نے جھٹکے سے اس کا ہاتھ پرے کیا اور کھڑی ہو گئی اور جائے نماز تہہ کر کے باہر جانے لگی تو اس کا حکم ...

"اب کہاں جا رہی ہو؟ میرے سر میں شدید درد ہے دباؤ آ کر۔"

"شاید آپ بھول رہے ہیں کہ اس وقت رات کے دو بج رہے ہیں اور ان دنوں میں آپ کی بیوی نہیں ... اور اگر ... مجھے اس وقت آپ کے کمرے سے نکلتے دیکھ لیا تو کیا ... کے بارے میں ... کہ لیلیٰ کا امپریشن خراب ہو گیا تو آپ ہی کو نقصان ہوگا۔"

بات کڑوی تھی مگر تھی سچ۔ یہ ہو بھی سکتا تھا ایسے وہ کم از کم لیلیٰ کے سامنے ایسی کوئی بات یا حرکت کرنا نہیں چاہتا تھا کہ اس کا کردار کیا ہے مگر وہ زینت کی بات کو بھی اہمیت دینا نہیں چاہتا تھا۔

"جاؤ دفع ہو جاؤ! کوئی ضرورت نہیں مجھے تمہاری۔ تمہاری کوئی حیثیت، کوئی اہمیت ہوگی تو تمہارے محبوب ظفر کی نظر میں، میری نظر میں نہیں؟" وہ دھاڑا تو وہ خاموشی سے باہر نکل گئی۔

● ● ●

"سوئے نہیں شہباز! اتنی رات ہو گئی ہے۔ کیا سوچ رہے ہیں؟" لیلیٰ نے میگزین شہباز کے سامنے سے لے کر ایک طرف رکھتے ہوئے کہا تو وہ اسے دیکھنے لگا۔

"یار...! تمہارا یہ کزن کچھ عجیب اور پراسرار سا نہیں؟"

"اوہ! تو آپ اس کو سوچ رہے ہیں؟ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اب مجھے وجاہت سے بچنا پڑے گا وہ تو میرا رقیب بن رہا ہے یعنی کہ حد ہو گئی۔ میرے بجائے آپ میرے کزن کو سوچ رہے ہیں؟ ہوتا ہے عجیب اور پراسرار۔ ہماری صحت پر کیا اثر پڑتا ہے؟" لیلیٰ نے انتہائی بے پروائی سے وجاہت کی اہمیت کو ختم کیا تو شہباز اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

"تمہیں پتہ ہے وہ تمہیں کیسی نظروں سے دیکھتا ہے؟"

"شہباز...! مجھے صرف ان نظروں کی پروا ہے جن کے بارے میں شاعر نے کہا ہے کہ

چکا تھا۔

"رات لگتا ہے آنٹی کی طبیعت بہت خراب ہو گئی تھی میں نے آپ کو وجاہت صاحب کے کمرے سے نکلتے دیکھا تھا۔" اب لیلیٰ نے وہ بات کی تھی جس نے زینت کے کردار کو مشکوک بنا کر ان دونوں کو بے چین کر دیا تھا کہ وہ دونوں سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔

"جی! جی ہاں!" زینت نے وجاہت کو دیکھا جن کے چہرے پر ایک بار پھر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"جی! بیگم صاحبہ کی طبیعت بگڑ گئی تھی تب میں وجاہت صاحب کو بتانے آئی تھی۔ انہوں نے فون کر کے ان کی حالت بتائی پھر ان کو میڈیسن دی تب وہ سوئی تھیں۔"

"اوہ اچھا......! اچھا ہوا ہمیں بھی خیال تھا۔ خیر آپ نے ہمیں کیوں نہیں بتایا؟"

لیلیٰ اور شہباز جہاں کچھ نادم سے ہو گئے وہاں ایک غلط فہمی کی گرد چھٹ جانے پر پرسکون ہو گئے۔ پھر اس روز کے بعد وجاہت بہت محتاط ہو گیا تھا، بھولے سے بھی زینت کو اپنے کمرے میں نہیں بلوا تا تھا جو اس کے عزائم تھے ان کے تحت اسے بہت محتاط رہنا تھا۔

شہباز اب مزید وہاں رہنا نہیں چاہتا تھا۔

"ہم کسی ہوٹل میں بھی تو ٹھہر سکتے ہیں لیلیٰ!"

"آپ کو پہلے بتایا تو تھا کہ ہم پرانی رنجش ختم کر کے آئے ہیں...... اس لیے ضروری تھا کہ ہم یہاں رہیں۔"

"ٹھیک ہے، بہت رہ لیا، اب ہم چند دن ہوٹل میں رہیں گے اور رات راحیل کا فون آیا تھا۔ معلوم ہے وہ لاہور میں ہے۔ اسے... پتہ لگا ہوا ہے اب ہم اس کے پاس جا کر رہیں گے۔"

"چلیے ٹھیک ہے لیکن میزبانوں سے اجازت تو لے لیں ناں!"

"جی! سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ آپ لوگ اتنی جلدی چلے جائیں۔ ابھی تک تو آپ لوگ اپنی مرضی سے رہے مگر اب میری خوشی اور مرضی سے رہیں گے۔ آخر ہمارا بھی لیلیٰ پر کچھ حق ہے۔" وجاہت نے خواہش سے مجبور ہو کر لیلیٰ کا ہاتھ پکڑ لیا جو کہ لیلیٰ کو بھی اچھا نہیں لگا۔ شہباز کا تو خون ہی کھول کر رہ گیا۔

"وجاہت صاحب......! میرے حساب میں اتنا بھی بہت ہے جتنا ہم رہ لیا۔ لیلیٰ! اچھو پیارا ہم آج ہی لاہور روانہ ہوں گے۔"

شہباز نے وجاہت کے ہاتھ میں لیلیٰ کے ہاتھ کو کڑی نگاہ سے دیکھا اور آگے بڑھ گیا۔

"لیلیٰ! بہت عجیب قسم کا شوہر پایا ہے تم نے۔" اس کے جاتے ہی وجاہت نے کہا تو لیلیٰ جھٹکے سے ہاتھ چھڑوا کر شہباز کی طرف بڑھی۔

"وجاہت صاحب! پلیز میں نے آپ سے کہا تھا کہ شہباز کے بارے میں آپ کوئی غلط تبصرہ نہیں کریں گے۔"

"اوکے بابا! نہیں کہتے مگر ایک بڑی زبردست بور ہے تمہارا میاں۔"

"کیا...... ؟ کیسی خبر ہے اور میرا اس خبر سے کیا تعلق ہو سکتا ہے......؟" وہ حیرت سے مڑی۔

"آپ کا تعلق یہ ہے کہ آج رات آٹھ بجے آپ کی سیریل کی پہلی قسط آن ایئر آ رہی ہے۔"

"سچ!! آپ سچ کہہ رہے ہیں وجاہت صاحب؟" اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا وہ اس قدر خوش تھی، اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح یقین کرے اور اظہار کرے۔

"جی... ! بالکل سچ! یہ دیکھئے اخبار۔" وجاہت جو اب لیلیٰ کے شوق کی کھوج میں لگا رہتا تھا اخبار سامنے کر دیا جس میں اس سیریل کی تعریفیں کی گئی تھیں اور وقار عثمانی کی نئی دریافت لیلیٰ کی خوب تعریف کی گئی تھی۔ لیلیٰ کا چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا۔ کتنا شوق تھا اسے ایکٹنگ کا اور اس نے کتنا بھرپور کردار کیا تھا۔

"لیلیٰ! ...... آج میں کتنا خوش ہوں کہ جس لڑکی کی اتنی تعریف لکھی ہوئی ہے، جو اتنی قابل ہے، وہ میری فرینڈ ہے، میرے قریب ہے، کاش میرے اختیار میں ہوتا۔ تمہیں تو شوہر بھی ایسا ملا ہے جو ان سب کو پسند ہی نہیں کرتا۔ معاف کرنا بہت ہی نامناسب انتخاب ہے تمہارا!"

وہ بہت چالاک آدمی تھا۔ لوہا گرم دیکھ کر اسے اپنی خواہش کے خانے میں فٹ کرنے کا ہنر جانتا تھا۔ وہ بڑی حسرت سے اس کے تمتماتے چہرے کو دیکھ کر کہہ رہا تھا اور یہی سوچ کر سارے رنگ یکدم غائب ہو گئے، روشنی اداسی میں بدل گئی۔ اس نے ایک لمحے کو وجاہت کو دیکھا۔ کاش شہباز بھی اسی طرح اس کی کامیابی پر خوش ہوتا، سراہتا۔ کاش...... مگر اب نہیں تھا، اسے معلوم تھا شہباز کو تو یہ فیلڈ پسند ہے، ورنہ اس کی اداکاری کا......

"کیا ہو بھئی! تم خوش نہیں ہوئیں؟ یہ تو زبردست کامیابی ہے۔ ارے بھئی! یہ تو ہمارے سارے خاندان کے لیے عزت اور فخر کی بات ہے کہ تم اتنی بڑی سیریل کی زبردست ہیروئن ہو۔ پھر اب تم افسردہ کیوں ہو گئی ہو؟"

وہ جانتا تھا کہ وہ اتنی اداس کیوں ہوئی ہے۔ صرف اور صرف شہباز کی وجہ سے۔

"نہیں...! ایسا کچھ نہیں بس یونہی!" وہ اس کے سامنے شہباز کا ذکر کرنا نہیں چاہتی تھی، وہ بھی سب سمجھ رہا تھا۔

"اچھا! ایسا ہے تو چلو اس کامیابی پر تم ہمیں ٹریٹ دو۔ چلو ایسا کرتے ہیں کہ پہلے ہم ڈرامہ دیکھیں گے اس کے بعد ڈنر ہم باہر کریں گے، کیسا؟"

وہ بے حد ہی خوش ہو کر پروگرام ترتیب دے رہا تھا اور وہ اندر ہی اندر احساس کمتری کا شکار ہو کر سوچ رہی تھی کہ شہباز نے کس طرح ری ایکٹ کرنا ہے۔

"جی......! ٹھیک ہے مگر......" وہ دونوں ہاتھوں کو آپس میں مسلتے ہوئے بولی۔

"ٹھیک ہے تو پھر یہ مگر کا مگرمچھ کیوں بٹھا دیا ہے سامنے؟ کم آن! چلو آؤ مل کر شہباز کے ساتھ پروگرام بناتے ہیں۔" وہ اس کا بازو پکڑ کر آگے بڑھا۔

"وجاہت صاحب! پلیز آپ ابھی رہنے دیں۔ میں پہلے شہباز سے بات کر لوں پھر میں آپ کو اپنے پروگرام سے آگاہ کرتی ہوں۔"

"نہیں آپا! پلیز مجھے مت روکو اور نہ ہی منت سماجت کی زنجیر میرے پیروں میں ڈالنا۔ ورنہ میں محبت اور مجبوریوں کے واسطے میں جکڑ نا ہی ہے آپا۔ ایک اس گھر سے میں نے عزت کا جو خزانہ جمع کیا ہے وہ میں مر کر بھی گنوانا نہیں چاہتی۔ غریب کے پاس عزت ہی کے تو خزانے ہوتے ہیں اور اگر وہ سے ہی ہے تو بہت بڑی بات ہے لیکن اگر ایک سکہ بھی گر جائے تو وہ اس معاشرے کی نظروں سے گر جاتا ہے۔ آپا! میں ایک پل بھی نہیں رکوں گی۔ اگر کچھ دیر اور ہوئی تو میں بہت خوش ہوں آپا...... محفوظ ہوں۔ اس گھر کے مرد عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ان کی نظر میں ہوس کی گندگی نہیں ہوتی اور جس شخص کا مجھ پر یہ الزام لگا رہے ہیں ناں وہ تو مجھے ایک نظر دیکھنا ہی نہیں۔ نفرت کرتا ہے وہ مجھ سے۔ سب مجھے زبیر صاحب کی بیٹی سمجھتے ہیں۔ تنی عزت، اتنی محبت کون دے گا مجھے آپا! مجھے ابھی جانا ہے۔"

سوی کو یہ سوچ سوچ کر پسینے آ رہے تھے کہ فاطمہ بیگم نے اس طرح اس کے آنے کو کس انداز میں اور کس رنگ میں خرم اور زبیر صاحب کے سامنے پیش کریں۔

"ٹھیک ہے سوی! تم چلی جانا میں خود نہیں چاہتی کہ تم اس کی میلی نظروں کے نشانے پر ہو مگر ابھی ابھی بیا آوارہ گردی کرنے جائے گا تو چلی جانا۔"

"نہیں آپا! اب وہ کہیں نہیں جائے گا اور مجھے دیر ہو جائے گی۔ جانے میرے بارے میں ان لوگوں کے کیا خیالات ہو جائیں میں ابھی چلی جاتی ہوں۔ وہ باہر کھڑا ہے میں پچھلے دروازے سے نکل جاتی ہوں۔"

وہ تیزی سے باہر کی طرف بڑھی کہ نسرین کے بیٹا اور بیٹی آ کر اس کی ٹانگوں سے لپٹ گئے۔

"خالہ! خالہ نہ جاؤ۔ خالہ! ابا بہت ہنگامہ کرے گا۔ اماں کو بہت مارے گا۔" پانچ اور چھ سالہ بچے اس سے نہ جانے کی التجا کر رہے تھے۔ ان کی آنکھوں کی وحشت آنے والے منظر کا پتہ دے رہی تھی۔ وہ وہیں فرش پر بیٹھ گئی۔ دونوں بچوں کو ساتھ لگا کر شدت سے رو دی۔ کیا قسمت تھی ان بچوں کی کہ ہر وقت قیامت کا سماں دیکھتے تھے۔ باپ کے ہاتھوں ماں کی شامت آتے دیکھ کر یہ معصوم بہت سہمے ہوئے تھے۔

"میں چلی جاؤں گی تمہاری ماں کو تو حساب دینا پڑے گی۔ میں نہیں جاؤں گی تو وہ خبیث آدمی اپنی گند

سے میری روح کو زخمی کر دے گا اور تم لوگ کیا جانو کہ جسم کے زخم تو بھر جاتے ہیں روح کے نہیں اس لیے ان معصوم التجاؤں کو میرے پیروں کی بیڑیاں نہ بناؤ۔ مجھے جانے دو۔"

بچوں کی اتری شکلیں آنکھوں میں تیرتے آنسو سوی کو تڑپا گئے۔ مگر وہ جانتی تھی کہ اگر وہ آج نہ گئی تو کبھی نہ جا سکے گی۔ وہ دروازے کی جانب بڑھی قریب تھا کہ وہ دروازہ کھول کر باہر نکلتی اسی وقت دروازہ کھلا اور مجید اندر آ گیا۔

● ● ●

سوی کے یوں اچانک غائب ہو جانے پر فاطمہ بیگم اور زبیر صاحب تو پریشان تھے ہی مگر خرم کے دل پر تو قیامت گزر گئی تھی۔ صبح سے اب تک وہ ایک پل کے لئے بھی سکون سے نہیں بیٹھا تھا۔ گھر کے تمام ملازمین سے پوچھ گچھ ہو چکی تھی مگر سب لاعلم تھے۔

کہاں چلی گئی ہو سوی۔۔۔؟ کچھ تو اس دل بیتاب کا سوچا ہوتا۔ کہاں تلاش کروں میں تمہیں۔۔۔؟ کن راہوں میں ڈھونڈوں تمہیں۔۔۔؟ کہاں ہو۔۔۔؟ چلی آؤ۔۔۔!"

خرم نے تھک کر صوفے کی پشت سے سر ٹکا دیا۔ وہ بہت الجھا ہوا پریشان لگ رہا تھا۔ فاطمہ بیگم الگ پریشان پھر رہی تھیں۔

"کہاں چلی گئی یہ لڑکی۔۔۔؟ اسے بتا کر جانا چاہیے تھا۔ کیوں گئی۔۔۔؟ میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ کہاں تلاش کیا جائے۔۔۔؟ خدانخواستہ ایسی ویسی بات ہو گئی تو ہماری بہت بدنامی ہو گی۔"

"تو ممّا! اسے تلاش کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔۔۔؟ کیا تعلق واسطہ ہے ہمارا اس سے۔۔۔؟ چلی گئی ہے تو اچھا ہوا۔ یہ چھوٹے گھٹیا لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں۔ نہ اپنی عزت کا خیال ہوتا ہے اور نہ ہی دوسروں کی عزت کا پاس ہوتا ہے اور آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت کیا ہے ایک ملازمہ ہی تو ہے۔۔۔؟ اس کے لئے پریشان ہو کر کھانا چھوڑنے کی کیا ضرورت ہے۔۔۔؟ اب اگر آ بھی جائے تو اسے مت رکھئے گا۔ انتہائی بے اعتبار لوگ ہوتے ہیں یہ ملازم لوگ اپنا اپنی جیولری وغیرہ چیک کر لیں کہیں اس میں تو ہاتھ صاف نہیں کر گئی۔"

وہ جو سوی کے لئے بری طرح پریشان تھا اپنی تمام کیفیات کو ماں سے منسوب کر کے اپنی فرسٹریشن نکال رہا تھا۔ فاطمہ نے حیرت سے بیٹے کو دیکھا کو کہ اس کے انداز سے اطمینان ہوا تھا مگر سوی کے بارے میں اس کے خیالات پر افسوس بھی ہوا تھا کیونکہ وہ سوی کو اچھی طرح سمجھ گئی تھیں۔

"بہت بری بات ہے بیٹا۔۔۔! بہت ہی چھوٹی بات۔ ٹھیک ہے سوی بتائے بغیر گئی ہے مگر اصل حقائق جانے سے پہلے ہمیں اس کے بارے میں رائے قائم کرنے کا کوئی حق ہے نہ اختیار اور بیٹا! تمہاری سوچ کی بلندی پستی میں کیسے اتر گئی۔۔۔؟ یہ تم نے سوی کو چور کیسے کہہ دیا۔۔۔؟ اتنی اچھی، شریف، باکردار لڑکی کو تم نے چور کیسے بنا دیا۔۔۔؟"

"وہ۔۔۔ وہ چور ہے ممّا۔۔۔! وہ چور ہے۔ آپ نہیں جانتیں وہ چور ہے میرے دل کی، میرے سکون کی، میرے قرار کو چرانے والی چور ہے۔"

وہ اپنی اس سوچ کو صوتی اثرات میں نہ ڈھال سکا۔ بس ان کو دیکھ کر رہ گیا۔ اب وہ ممّا کو کیسے بتاتا کہ وہ

لڑکی جس کو تنا پرکھ لینے کے بعد وہ اس کے کردار کی تعریف کر رہی ہیں وہ اسے پہلی نظر میں جان گیا تھا۔۔ ٹھیک ہے۔

"بہرحال ما......! آپ اسے دوبارہ نہیں رکھیں گی۔" وہ اپنی بات کہہ کر باہر لان میں آ گیا۔

"شفیق! شفیق! " خرم لان میں کھڑا زور سے چلایا تو شفیق کام چھوڑ کر بھاگا آیا۔

"جی صاحب...!"

"جی صاحب یہ تمہارا بھائی بہت کام چور ہو گیا ہے۔ حالت دیکھی ہے پودوں کی۔ کس طرح مر رہے ہوئے ہیں، سوکھے ویران پھول، لگتا ہے جانے کب سے پانی نہیں دیا گیا۔"

خرم کے اندر کا موسم ویران اور خزاں رسیدہ تھا تو اسے ہر شے ہی ویراں لگ رہی تھی۔ اس نے کبھی ملازم کو نہیں ڈانٹا تھا مگر آج اس نے بری طرح شفیق کو ڈانٹ دیا جو اس بات پر حیران ہو رہا تھا کہ بیگ [illegible] کبھی اس انداز میں بات نہیں کی تھی اور دوسرا سارا لان خوبصورت اور فریش لگ رہا تھا مگر اب وہ [illegible] شاید غریب کی سب سے بڑی کم عقلی یہی ہوتی ہے کہ وہ سچ بات بھی نہیں کہہ پاتا۔

"جی صاحب [illegible] وہ آئے گا تو میں اسے سمجھاؤں گا۔" شفیق نے آہستگی سے کہا۔

"کہاں گیا ہوا ہے وہ [illegible]؟ مالا صبح سے غائب ہے۔" خرم بلاوجہ ہی الجھ رہا تھا۔

اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا فاطمہ بیگم باہر آ گئیں۔ اس کے ساتھ ہی گیٹ سے رفیق اندر داخل ہوا۔

"رفیق! تمہیں کچھ معلوم ہے کہ موی کہاں گئی ہے [illegible]؟ تمہیں کچھ بتا کر گئی ہے؟"

پلٹ کر ماں کو دیکھا جو اس کی بے چینی کو خوب [illegible] رہی تھیں۔

"ہاں جی [illegible]! مجھے پتہ ہے۔"

"تت [illegible] تت [illegible] تمہیں پتہ ہے تو اب تک بتایا کیوں نہیں...؟ کس قدر بے حس ہوتے ہو تم لوگ۔ اتنا احساس نہیں کہ کوئی کتنا پریشان ہوگا اس کے لئے [illegible] میرا مطلب ہے وہ بدتمیز لڑکی تمہیں بتا کر جا سکتی تھی، اس نے ہم سے اجازت کیوں نہیں لی [illegible]؟"

خرم بڑی بیقراری سے اس کی طرف بڑھا اور بولا تو فاطمہ بیگم نے اس کے لہجے پر معنی خیز سا دباؤ [illegible] جسے محسوس کر کے وہ چپ سا ہو گیا کہ اپنی بیقراری میں وہ کیا کرنے جا رہا ہے۔

"اسے بات تو کرنے دو بیٹا...... ہاں رفیق...... کیا بتا کر گئی ہے تمہیں......؟"

"وہ جی...! موی بی بی نے مجھے بتایا تو نہیں میں نے دیکھا تھا کہ صبح ان کا بہنوئی مجید آیا تھا۔ میں نے موی بی بی کو بلا کر لایا تھا وہ باہر آئیں تو مجید نے ان کو دھکا دے کر رکشے میں ڈالا اور تیزی سے رکشہ لے کر فرار ہو گیا۔ موی بی بی تو بار بار باہر نکل رہی تھیں مگر مجید نے ان کی بات نہیں سنی اور لے کر چلا گیا۔"

"اوہ! تو اسے مجید لے گیا ہے۔ بیچاری موی [illegible] ہم بلاوجہ سے غلط سمجھ رہے تھے۔"

جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا انجانے وہم اور خدشے موی کے کردار کو دھندلانے کے لئے آگے بڑھ رہے تھے۔ فاطمہ نے گہرا سانس لیا، ماتھے پر آیا پسینہ صاف کیا اور اندر کی طرف بڑھیں مگر خرم کے اندر غصے کا طوفان اٹھا ہوا تھا، چہرہ سرخ پڑ گیا۔ وہ رفیق کی طرف بڑھا۔

"تمہاری نظروں کے سامنے ایک غنڈہ آدمی ایک مظلوم لڑکی کو لے کر فرار ہو گیا اور تم دیکھتے رہ گئے۔ نہ خود روکا اور نہ بتایا۔"

خرم کا ہاتھ سیدھا رفیق کے گال پر سرخ نشان چھوڑتا واپس آ گیا۔ رفیق سے زیادہ شفیق کو تکلیف ہوئی، اس نے اپنے گال پر ہاتھ رکھ لیا۔ رفیق کو تکلیف سے زیادہ حیرت ہوئی تھی کہ اتنا اچھا، اتنا مہربان شخص اتنا ایسے ہو سکتا ہے۔ ماحول پر سناٹا سا چھا گیا تھا اور جس وقت خرم کا ہاتھ رفیق کے گال کی مظلومیت کو سرخ بنا رہا تھا اسی وقت فاطمہ بیگم نے دیکھا تھا، ان کو شدید قسم کا دھچکا لگا تھا۔ وہ پلٹ آئیں۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں [illegible]؟"

فاطمہ بیگم کا لہجہ سخت بھی تھا، سرد اور معنی خیز بھی۔ خرم جو خود اب پشیمان تھا نادم سا ہو گیا۔

"کچھ بھی [illegible] بس ویسے ہی مجھے غصہ آ گیا تھا۔ اگر اس کو یہ سب معلوم تھا تو اس کو بتا دینا چاہئے تھا۔ وہ جب آپ پریشان رہیں تو بے تاب ہو جاتی ہیں، میں آپ کو پریشان نہیں دیکھ سکتا۔" موی کے جانے کی وجہ معلوم ہونے کے بعد وہ اسی طرح معصوم اور مظلوم تھی، یہ اطمینان ہی خرم کے اندر اٹھتے شعلوں کو بجھانے کے لئے کافی تھا۔

"وہ تو ٹھیک ہے بیٹا [illegible]! مگر تم تو کبھی کسی بھی معاملے میں اتنے جذباتی نہیں ہوئے۔ تمہارا یہ انداز میرے لئے حیران کن بھی ہے اور پریشان کن بھی۔ بہت دکھ ہوا ہے مجھے اس بات پر۔"

رفیق کے تھپڑ کا تو ان کو افسوس ہوا ہی تھا مگر اس افسوس کے پیچھے وہ خیال اور وہم کہ خرم موی کے لئے اتنا [illegible] [illegible] ان کو کسی طور اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"سوری [illegible]! ویری سوری ما [illegible]! پتا نہیں مجھے اتنا غصہ کیوں آ گیا تھا [illegible]؟ آپ کو معلوم ہے کہ مجھے اس بات پر غصہ آ رہا تھا کہ آپ [illegible] آپ اس بے حیثیت سی لڑکی کے لئے فکرمند ہو رہی ہیں۔ بس اسی وجہ سے غصہ آ گیا، سوری [illegible]!"

وہ اب کوئی عذر کر کے بات کو چھپانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس کے جذباتی پن کے پیچھے موی کا پیار ہے، اس کا پیار اور خیال تھا مگر وہ اس دروغ گوئی پر خود سے نادم ہو رہا تھا۔

"مجھ سے سوری کرنے کا کیا فائدہ [illegible]؟ تمہیں رفیق سے سوری کرنا چاہئے۔"

"جی جی ما [illegible]! آپ [illegible] آپ درست کہہ رہی ہیں۔"

اس نے پلٹ کر رفیق اور شفیق کو دیکھا۔ دونوں کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اس نے یک ساتھ دونوں کو گلے لگا لیا۔

"سوری رفیق [illegible]! مجھے معاف کر دو بھائی [illegible] ایم [illegible] میں ذرا [illegible] پلیز [illegible] بڑا بھائی جان کر معاف کر دو پلیز...!"

خرم واقعی نہ صرف شرمندہ تھا بلکہ اسے اپنے یوں گرم ہونے پر غصہ بھی آ رہا تھا۔ بھلا اس میں رفیق کا کیا قصور تھا، وہ کر بھی کیا سکتا تھا، اگر مجید کوئی اچھا آدمی ہوتا تو وہ کوئی کوشش بھی کرتا۔

"صاحب [illegible] مجھے آپ پر کوئی افسوس یا گلہ نہیں مگر حیرت ضرور ہے کہ آپ نے کبھی اونچی آواز میں ہم سے بات تک نہیں کی تو آج اگر آپ کا ہاتھ اٹھا ہے تو یقیناً کوئی بہت بڑی بات ہوگی۔"

میں ایک شکوہ تھا کہ جیسے دونوں میں بہت دوستی رہی ہو جبکہ لیلیٰ کو غصہ آ رہا تھا اس کی بے تکلفی پر مگر رشتے کا خیال کر کے وہ برداشت کر گئی۔

"جی ہاں بالکل آپ کو اپنا تعارف ہر بار کرانا ہوگا کیونکہ آواز صرف میں شہباز کی پہچانتی ہوں۔"
لیلیٰ نہیں جانتی تھی کہ اس کا یہ جملہ وجاہت کے اندر آگ بھڑکا گیا ہے۔

"ہاؤ لکی شہباز! ویسے کیسے ہیں شہباز صاحب؟"
نہ چاہتے ہوئے بھی اسے شہباز کا پوچھنا پڑا ورنہ تو وہ اپنے اس رقیب کا نام سننا بھی گوارہ نہیں کرتا تھا۔

"جی الحمدللہ! بالکل ٹھیک ہیں تیاری کر رہے ہیں۔ ابھی ہم ڈنر پر گھومنے کے لیے نکلیں گے۔"
لیلیٰ کے انداز میں شہباز کی محبت کا اظہار ہوتا وہیں تو وجاہت کو راکھ کر جاتا۔

"توبہ ہے لڑکی! تم کتنی بھولی اور بھلکڑ ہو۔ آج تمہارے ڈرامے کی دوسری قسط آنی ہے اور تم ڈنر کرنے جا رہی ہو۔" اس نے اسے یاد دلایا تو وہ چونک گئی۔

"ارے ہاں! مجھے تو یاد ہی نہیں رہا تھا کہ آج... لیکن آج بھی میں قسط نہیں دیکھ پاؤں گی۔ شہباز نے ڈنر کا پروگرام بنایا ہے۔"

لیلیٰ شہباز کی محبت میں اتنی خوش اور سرشار تھی کہ اسے واقعی اپنے اور شہباز کے علاوہ کچھ یاد نہیں تھا۔ وجاہت اسے اسی بے خودی سے نکالنا چاہتا تھا۔

"کم آن لیلیٰ! تم کس قسم کی لڑکی ہو یعنی کہ حد ہو گئی تم اتنی بڑی بات بھول کیسے جاتی ہو؟ تمہاری زندگی کا اتنا بڑا کارنامہ ہے یہ کوئی معمولی بات نہیں جسے تم بھول جاؤ... میں نے کتنا انتظار کیا دوسری قسط کا۔ تی کمال کی تمہاری پرفارمنس ہے کہ جواب نہیں۔ ایک جہان تمہیں سراہ رہا ہے۔"
وجاہت جان کر کچھ زیادہ ہی چڑھا رہا تھا اور خود سے بے شمار قصیدے سنا ڈالے تو لیلیٰ بجھ سی گئی۔

"ہاں بس اوہ ہم لوگ اتنا مصروف رہے اور پھر شہباز کو یہ سب پسند نہیں ہے۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟ شہباز کو یہ سب پسند نہیں تو تم اپنے اس شوق کو ختم کر دو گی؟ اپنے ٹیلنٹ کو مار دو گی جو تمہیں اللہ کی طرف سے ملا ہے؟" وہ غیر محسوس انداز میں اس کے کچھ میں بغاوت کا بیج بو رہا تھا۔ لیلیٰ نے افسردہ ہو کر گہرا سانس لیا۔

"شاید یہی کرنا پڑے۔" لیلیٰ کے ہارے لہجے میں ایسا ہی سوگ تھا جیسے اس نے واقعی اپنے شوق کو دفنا دیا ہو اور اس کے لہجے کی ہار نے وجاہت کو ڈگمگا دیا۔

"قطعی نہیں! میں تمہیں ایسا نہیں کرنے دوں گا۔"

"خیر چھوڑیئے! آنٹی کیسی ہیں اور آپ کیسے ہیں؟"

ہر چند کہ وجاہت اسی کے مقصد کی بات کر رہا تھا مگر لیلیٰ شہباز کی وجہ سے اس کی بات کو طول نہیں دینا چاہتی تھی اور بات بدل گئی تو جواباً وجاہت کی گہری سانس سنائی دی اور پھر جیسے نشہ میں ڈوبا لہجہ ابھرا۔

"اب کیا کہیں تم سے حالِ دلِ صنم
جب سے تم سے ملے ہیں ہم

کچھ اپنا پتہ نہیں کہاں ہیں ہم
ہم کیا بتائیں تمہیں تم ہی بتاؤ کیسے ہیں ہم"

وجاہت کے دل کی محبت اور تڑپ لفظوں میں ڈھلی اس کے گمبھیر خوابیدہ سے لہجے میں اتری تو لیلیٰ چونک گئی مگر اس نے زیادہ اہمیت نہیں دی۔

"ارے واہ! یہ کس کے شعر ہیں؟"

"کس کے ہوں گے؟ ہمارے اپنے ہیں ہمارے دل کی تڑپ کو کون رنگوں کا پیراہن دے سکتا ہے۔"

"اچھا تو آپ شاعر بھی ہیں؟" دروازے پر دستک ہوئی تو وہ چونک گئی۔ اس نے ابھی شہباز کے کپڑے نہیں بدلے تھے اور ہوٹل کا ملازم بلانے آ گیا تھا۔

"کیا بات ہے! تم شاعر ہو... یہ سہرا بھی تمہارے سر جاتا ہے کہ جس سے ہماری اس خوابیدہ صلاحیت کو..."
وہ تو بات کو طول دینے کے موڈ میں تھا مگر وہ بار بار واش روم کے دروازے کو دیکھ رہی تھی جہاں سے کسی بھی لمحے شہباز برآمد ہو سکتا تھا۔ لیلیٰ نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"اوکے وجاہت صاحب!"

"لیلیٰ! اب تم مجھے اتنے تکلفات میں گھسیٹ رہی ہو کہ میں کھل کر تم سے بات بھی نہ کر سکوں۔ ہم دوست ہیں آپس میں کزن ہیں۔ مت کہو مجھے صاحب صرف وجاہت کہا کرو۔"

اس نے جو نبھائی انداز میں بولا تو لیلیٰ اکتا سی گئی۔

"عجیب ہیں آپ بھی! پھر وجاہت سے پھر بات ہو گی۔ مجھے بھی شہباز کے بہت سے کام کرنے ہیں آپ کے ساتھ فضول باتوں میں اتنا وقت برباد ہو گیا۔ اوکے خدا حافظ!"

وہ جو بڑی محبت سے اس کے ساتھ بات کر رہا تھا لیلیٰ نے بڑی بے دردی سے اس کی باتوں کو فضول کہہ کر جواب سنے بغیر فون بند کر دیا تو وہ کھول اٹھا۔ شہباز کے خلاف نفرت کی آگ مزید بھڑک اٹھی۔

"دیکھ لوں گا تمہیں اور تمہارے شہباز کو۔ ہونہہ! آپ کی فضول باتوں میں وقت برباد ہو گیا۔"
وجاہت نے گلدان اٹھا کر دیوار سے دے مارا۔ حسد کی اور ناکامی کی آگ میں جلتے وجاہت کو ایک پل کے لیے بھی ماں کا خیال نہیں آیا کہ وہ کس حال میں ہوگی۔

● ● ●

"خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے مسز وجاہت کہ آپ کسی بڑے نقصان سے بچ گئیں۔ یوں بھی آپ کو اپنا خیال رکھنا چاہیے۔ جو کنڈیشن آپ بتا رہی ہیں وہ خطرناک بھی ہو سکتی تھی آپ دونوں کی جان کے لیے۔ بہت اچھے ہیں آپ کے ملازمین کہ وہ فوراً آپ کو لے آئے۔ خدا کا احسان ہے کہ آپ بروقت آ گئیں۔"

"تو مر جانے دیا ہوتا ڈاکٹر! مجھے بھی اور میرے بچے کو بھی۔ کس کو ضرورت ہے میری یا اس کی۔ ہم لوگ تو زندگی کی بساط کا وہ مہرہ ہیں جس کے ہونے نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اچھا ہوتا کہ اسے لے کر میں زندگی کی اس قید سے آزاد ہو جاتی۔"

اپنی کم مائیگی ناقدری پر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ ڈاکٹر شہلا نے اسے رونے دیا تا کہ اس کے دل کا

بوجھ ہلکا ہو جائے۔ جب آنکھوں کے چشمے بھی خشک ہو گئے تو وہ کھڑکی سے باہر آسمان پر اُڑتے پرندوں
کو دیکھنے لگی۔ کیا تھی وہ، کیا حیثیت تھی، اس کا کیا کردار تھا اس کا زندگی کے اس ڈرامے میں۔ ماضی اذیت ناک حال
بے حال اور مستقبل کا نشان دُور دُور تک نظر نہیں آتا تھا۔ نانا نانو تو اسے وجاہت کے حوالے کر کے عمرہ کی سعادت
حاصل کرنے گئے تھے اور پھر وہ نہ آ سکے۔ دونوں وہیں انتقال کر گئے۔ خالدہ بیگم موت اور زندگی کے
درمیان لٹک رہی تھیں۔ ظفر نجانے کن حالوں میں تھا۔ زینت کو بچہ ایک جینے کا سہارا نظر آیا تو وجاہت نے اسے ختم کر
دینے کا حکم دے دیا۔ وہ جو خود پر تو زندگی کا ہر سرد و گرم برداشت کر گئی تھی مگر اس کے لئے وہ دُکھی ہو رہی تھی جو
ابھی دنیا میں نہیں آیا تھا اور باپ نے اسے مارنے کا حکم دے دیا۔

"مسز وجاہت! مجھے آپ کی باتیں سن کر بہت دُکھ ہوا ہے لیکن میں آپ کو ایسا کرنے کی ہرگز اجازت
نہیں دوں گی۔ کیا خبر آنے والا بچہ آپ کے لئے خوشیاں لے کر آئے اور آپ کے سارے دُکھ ختم ہو جائیں"

ڈاکٹر شہلا زینت کی باتیں سن کر بہت متاثر ہوئی تھی۔ اس نے کتنی تسلیاں دے ڈالی تھیں۔

"آپ نہیں جانتی ڈاکٹر صاحبہ! یہ شخص کس حد تک گرا ہوا ہے۔ بس آپ کوئی انجکشن لگا کر ہم دونوں کو
مار دیں۔ میں اب جینا نہیں چاہتی۔ کس کے لئے جیوں میں؟ کس کو میری ضرورت ہے؟ بس، اس
سے بھی اور مجھے بھی"

زینت بہت دُکھی ہو رہی تھی۔ تپتے صحرا میں چلتے چلتے وہ آبلہ پا ہو گئی تھی

"زینت! بری بات ہے اس طرح تو نہیں کہتے آپ کو۔ اولاد والدین کا پرتو ہوتی ہے۔ خاص طور
پر ماں کے لئے۔ ہمت سے کام لیں ابھی آپ کو بہت [illegible]
کی۔ اچھے خاصے پڑھے لکھے اور اچھے خاندان کے فرد ہو [illegible]
آپ لوگوں نے کیا ایسی باتیں کر رہے ہیں۔ بس آپ خود کو [illegible] رکھئے یہ آپ کے لئے بہت ضروری ہے۔"

پھر ڈاکٹر شہلا اپنے نرم مہربان لہجے میں جانے کتنی دیر اسے سمجھاتی رہی۔ کچھ دیر کے لئے زینت پرسکون ہو گئی

"آپ سے بات کر کے مجھے بے حد سکون ملا ہے۔ یوں لگا جیسے تپتے صحرا میں اچانک ٹھنڈی ہوا
چلنے لگی ہو اور گھرے بادل چھا گئے ہوں۔ میں آپ کو فون کر سکتی ہوں ناں"

زینت کو شہلا کی صورت میں ایک مہربان دوست مل گئی تھی جس سے اس نے وہ باتیں بھی کہہ ڈالی تھیں
جو خود سے بھی چھپائی تھیں۔

"میں سمجھ گئی ہوں۔ تمہیں ایک دوست کی شدید ضرورت ہے تو جناب! آج سے ہماری تمہاری دوستی
پکی۔ تم جب چاہو مجھے کال کر سکتی ہو۔ میں ہر وقت بات کر سکتی ہوں، سوائے اس کے کہ آپریشن میں بزی ہوں"
شہلا نے بڑی محبت سے اسے ساتھ لگا کر کہا تو خلوص کو ترسی ہوئی زینت رو پڑی۔

"ڈاکٹر صاحبہ! میں کتنی خوش ہوں آپ سوچ بھی نہیں سکتیں۔ آپ کو بتاؤں کہ جیسے میں کسی قید
میں بند تھی جہاں میرا سانس گھٹ رہا تھا۔"

"ارے بھئی! جب دوستی ہو گئی تو پھر یہ آپ جناب کے تکلفات قطعی نہیں اور میں آج سے تمہاری
دوست شہلا ہوں اس لئے مجھے صرف شہلا کہو ڈاکٹر صاحبہ نہیں۔"

"ٹھیک ہے شہلا! تم نے میری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا کر میرے اُوپر احسان کیا ہے ورنہ تو میں اس
ماحول میں گھٹ گھٹ کر مر جاتی۔"

"اب تم بھی میرے اُوپر احسان کرنا، اپنا خیال رکھنا۔ وجاہت جو کہے سن لو۔ دیکھنا جب بچہ ہو جائے گا
تو وجاہت بھی ٹھیک ہو جائے گا۔ اولاد کی محبت بہت سے لوگوں کو سیدھا کر کے رکھ دیتی ہے۔"

"وہ اور لوگ ہوتے ہوں گے شہلا! وجاہت سنگدل انسان ہے۔ وہ کیا چیز ہے تم سوچ بھی نہیں
سکتیں۔" زینت پھر سسک پڑی تو شہلا افسردہ ہو کر اسے دیکھنے لگی۔ کتنی ہی دیر اسے دیکھتی رہی۔ وہ شخص زینت
کی شخصیت کا خیال کر کے اسے دلاسے دے رہی تھی ورنہ وہ تو خود بھی ایسے ہی مرد کے ہاتھوں ڈسی ہوئی تھی مگر
وہ خود دُکھی تھی اسی لئے وہ پناہ ڈھونڈ بیٹھی

"ڈاکٹر صاحبہ! وہ ریحان صاحب آئے ہیں۔" آیا نے آکر اطلاع دی تو شہلا کے خوبصورت
چہرے پر ناگواری کی تحریر ابھر آئی۔ زینت نے چونک کر اسے دیکھا۔ کچھ دیر قبل بہت خوبصورت سی معصوم سی نرم لہجے
میں بات کرنے والی نازک اندام سی شہلا کے چہرے پر سختی تھی۔

"میں نے کہا تھا ناں کہ یہ شخص جب بھی آئے تو مجھے اطلاع دیئے بغیر سے چلتا کر دیا جائے۔ مگر
لوگوں کی سمجھ میں میری بات نہیں آتی۔ جاؤ کہہ دو اس سے کہ میں آپریشن تھیٹر میں ہوں۔"

شہلا جو کچھ دیر قبل ہمت کا سبق اسے بھی دے رہی تھی اب بے حال سی کرسی پر بیٹھی لمبے لمبے
سانس لے رہی تھی۔

"شہلا! کیا بات ہے؟ کون ہے یہ ریحان؟ اس سے تمہارا کیا تعلق ہے؟ تم
اس سے اتنی خوفزدہ کیوں ہو رہی ہو؟ کیا بات ہے؟"

زینت کے سوالات کے جواب میں اس نے تھکی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا جس کی ہمدردی میں وہ کچھ
بتانا نہیں چاہتی تھی مگر اس کے اصرار پر اسے بتانا پڑا۔

"کیا بتاؤں زینت! مجھے تو لگ رہا ہے کہ ہر عورت کی کہانی ایک جیسی ہوتی ہے۔ ہر عورت کی زندگی
میں کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی موڑ پر کسی نہ کسی وجاہت سے تصادم ضرور ہوتا ہے۔ دُکھ زیادہ ہوں تو لفظ کم پڑ جاتے ہیں
[illegible] کی شدت کو بیان کرنے کے لئے لغت میں لفظ موجود ہی نہیں۔ بس سمجھ لو ایک کردار کے دو نام
ہیں وجاہت اور ریحان۔ اب تم گھر جاؤ اب تو دوستی ہو ہی گئی ہے۔ اب ایک دوسرے کے دُکھوں کی رونمائی
ہوتی ہی رہے گی۔"

اور پھر زینت دل میں اپنے درد کے ساتھ شہلا کے دُکھوں کا بوجھ لئے اُٹھ گئی۔ گھر آئی تو وجاہت کہیں
جانے کے لئے تیار ہو رہا تھا۔ وہ نقاہت میں جلدی سے بیڈ پر بیٹھ گئی۔ کوئی اور شوہر ہوتا تو اس کے کتنے ناز نخرے اُٹھاتا مگر
وجاہت تو اسے ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے وہ کوئی گناہ کر بیٹھی ہو۔

"کیا رپورٹ ہے؟" وہ ٹائی کی ناٹ لگاتا ہوا اس کی طرف مڑا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اس کے حکم پر
عمل کر گزرے گی۔

"آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ گو کہ آپ نے اپنی پوری کوشش کی مگر مارنے والے سے بچانے

آمنہ اپنی جگہ سوچ سوچ کر شرمندہ ہو رہی تھی جبکہ کچھ فاصلے پر صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے وہ گھونگھٹ کی اوٹ میں چھپی آمنہ کو دیکھ رہا تھا۔ کتنا ٹوٹ کر چاہا تھا اس نے اس لڑکی کو۔ ساری ساری راتیں سوچا تھا اس کے بارے میں، کتنے خواب سجائے تھے آنکھوں میں اس کے لئے۔ پھر نجانے جذبے کے طلسم میں وہ اٹھا اور خواب کی سی کیفیت میں آمنہ کے قریب آ کر بیٹھا تو آمنہ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اسے لگا جیسے وہ ابھی اسے اٹھا کر کمرے سے باہر نکال دے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ واصف کے ہاتھ اٹھے اور آہستگی سے اس کا گھونگھٹ الٹ دیا۔

آمنہ دلہن کے روپ میں اتنی حسین لگ سکتی ہے وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ یک ٹک پلک جھپکائے بغیر اسے دیکھے گیا۔ اس نے جو چاہا تھا اسے مل گیا تھا۔ اس نے آمنہ کو حاصل کر لیا تھا۔ یہ آنکھیں، یہ ہونٹ یہ [illegible] اور حسن نجانے طوفان کا ریلا کہاں سے آیا اور سب کچھ بہا کر لے گیا اور وہ جس کی دھڑکنیں خوف سے لرز رہی تھیں [illegible] کر لطیف احساس کی ہمسفر ہو رہی تھیں کہ واصف کے چہرے پر تلخی آ گئی۔ یہ وہ آنکھیں [illegible] جو [illegible] حسن کے چہرے پہ اٹھی ہوں گی۔ ان آنکھوں میں حسن کے خواب سجے تھے۔ یہ وہ ہونٹ ہیں [illegible] بار بار حسن کا نام آتا ہوگا۔ اگر یہ سب حسن ہی کا تھا تو اسی کا رہتا۔ اب اس کا نام مٹا کر اس کے نام کیوں لکھ دیا گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں کئی بار حسن کے خواب سجے تھے لبوں پر پہلے نام حسن کا آیا بعد میں اس کا۔ وہ سیکنڈ چوائس تھا۔

واصف نے درد سے بھینچے سر کو تھام لیا۔ اس کا گھونگھٹ دوبارہ گرا دیا تو آمنہ کو لگا جیسے وہ انتہائی بلندی سے پستی میں دھکیل دی گئی ہے۔ واصف نے جیب سے رونمائی کی رنگ نکالی جو اس نے نجانے کب کی خرید کر رکھی ہوئی تھی۔ جن جذبوں اور خواہشوں سے اس نے یہ رنگ خریدی [illegible] تھے کہ اس لمحے جب اس کو یہ رنگ پہنائے گا مگر اب سب کچھ بدل گیا تھا۔ پہنانے والے ہاتھ بھی وہی تھے، پہننے والے ہاتھ بھی وہی تھے مگر محبت کے اس سفر میں وہ احساس کہیں کھو گیا تھا جو اس لمحے کو جاندار بنا سکتا تھا۔

"یہ تمہاری رونمائی کا تحفہ ہے۔" اس کا نام لئے بغیر کسی تاثر سے عاری [illegible] کٹھور اور روکھے لہجے میں اس نے خوبصورت سی ڈبیہ اس کی جانب اچھال دی تو احساس توہین کا تیر سیدھا آمنہ کے دل میں پیوست ہو گیا۔ بھلا یہ رات ایسی باتوں کی تھی۔ یہ رات تو ارمانوں کی رات تھی، خوابوں کی رات تھی مگر وہ واصف کی عدالت میں حسن سے محبت کی سزا سن رہی تھی۔ رونمائی کی صورت میں واصف کی طرف سے پہلا [illegible] تھا۔ وہ دھندلی آنکھوں سے سرخ رنگ کی ڈبیہ کو دیکھتی رہی۔ جس میں وہ رنگ تھی جس میں واصف کی پہلی محبت جڑی تھی، پیار کا پہلا احساس دفن تھا، پیار کا وہ پہلا احساس سیکنڈ چوائس کی قبر میں اتر گیا تھا جس نے واصف جیسے معصوم بندے کو توڑ دیا تھا۔ یہ سب کرنا اور کہنا خود واصف کو کہاں اچھا لگ رہا تھا مگر وہ مجبور تھا۔

"آمنہ... مجھے تم سے کوئی شکوہ، کوئی شکایت نہیں۔ تم میری پہلی محبت تھیں اور ہمیشہ پہلی اور آخری محبت ہی کے رتبے پر فائز رہو گی مگر"

وہ اس کے قریب آیا اس کا حسن پرسوز دیکھتا رہا پھر دل و دماغ میں اٹھتی آندھیوں میں گھر کر وہ بہت دور [illegible] کر اس سے دور ہوتا گیا۔

"مجھ سے پہلی سی محبت نہ مانگنا اس لئے کہ میں محبت کے معاملے میں بہت چھوٹا بلکہ کم ظرف انسان

ہوں۔ تم میری دلہن ہو، میری زندگی کی [illegible] خواہش تھی مگر آج تم میری مجبوری ہو جس کو میں نے صرف اور اس خاندان بھر کی خوشی کے لئے اپنایا ہے۔ میں تمہیں کبھی نہ تو پہلی سی محبت دے سکتا ہوں اور نہ ہی کبھی تمہیں کوئی طعنہ دوں گا۔ مگر جب میں تمہاری آنکھیں دیکھتا ہوں مجھے احساس ہوتا ہے مجھ سے پہلے یہ حسن پر اٹھ چکی ہیں، تمہارے ہونٹوں پر مجھ سے پہلے حسن کا نام آ چکا ہے، تمہارے دل کے شفاف آئینے پر حسن کا عکس پہلے ابھر چکا ہے۔ میں تو پیچھے سے جھانکنے والوں میں سے ہوں۔ میں جانتا ہوں مشرقی عورت اپنی پہلی محبت کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔"

واصف عجیب نفسیاتی الجھن کا شکار تھا۔ سیکنڈ چوائس ہونے کا احساس لگتا تھا اسے مار ڈالے گا۔ اس کے لہجے میں تلخی آمیز احساس کمتری تھا۔ آمنہ نے ہمت کر کے اسے دیکھا۔ یہ سچ تھا کہ وہ اس قابل تھا کہ اس کی پہلی محبت بنتا مگر دل پر کس کو اختیار رہا ہے۔ اس نے سوچ لیا کہ یہ سب اس کو برداشت کرنا ہے اپنی محبت اور خدمت سے اس کو جیتنا ہے۔ ہاتھ میں پکڑے ڈبیہ کھولی اور خوبصورت سی رنگ کتنی ہی دیر دیکھتی رہی۔ کتنا ہی چاہا تھا کہ وہ کسی لطیف احساس، کسی شوخ جملے کے ساتھ اس کی انگلی کی زینت بنتا مگر بدقسمتی ہی تو تھی کہ کسی نازبرداریوں کے تمام حقوق حسن کے ساتھ دفن کر چکی تھی۔ اس نے خود ہی رنگ پہن لی اور آہستگی سے دل کے درد کو لفظوں میں ڈھال لیا۔

"میں جانتی ہوں واصف...! میں آج مجبوراً آپ کی دلہن بنا کر یہاں بھیج دی گئی ہوں۔ میں یہ بھی جانتی ہوں آپ کے ظرف کی عدالت سے مجھے آپ کی بے رخی کی سزا سنا دی گئی ہے اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ پیار کا وہ احساس بارش کے اس پہلے قطرے کی مانند ہے جو گر سیپ میں گرے تو بیش قیمت انمول موتی وجود میں [illegible] کر بارش کا وہ پہلا قطرہ آپ کی محبت کی سیپ کو نصیب نہیں [illegible] اور یہ میری خوش قسمتی [illegible] آپ کے دل کی سیپ میں بننے والا محبت کا پہلا قطرہ ہوں، پہلا موتی ہوں۔"

"حسن [illegible] جس کو آپ میرے پیار کا پہلا [illegible] کہہ رہے ہیں وہ میرے پچھتاوے اور ندامت کی قبر میں دفن ہو چکا ہے۔ دفن ہونے والی وہ پہلی محبت تھا۔ آپ میرے سر پر سجنے والا پہلا تاج ہیں اور شاید آپ یہ نہیں جانتے کہ مشرقی عورت اپنے شوہر کے گھر کی خاطر اپنا ماضی سب کچھ ختم کر دیتی ہے۔ آپ میرے سر پر رکھا جانے والا پہلا تاج ہیں اور یہ تاج مجھے اپنی زندگی سے کہیں زیادہ عزیز ہے۔ آپ کا جس طرح جی چاہے میرے ساتھ سلوک کیجئے، میرے لبوں پر کبھی حرف شکایت نہیں آئے گا۔ اس بات کو کبھی بھی فراموش مت کیجئے گا۔ آپ کی پسندیدگی کا احساس حسن کی محبت سے پہلے تھا۔"

آمنہ کی آواز لڑکھڑا گئی۔ بے شمار آنسو عروسی آنچل کو بھگو گئے۔ اس کی اندر کی سچائی اس کے نرم لہجے میں اجلی تو واصف اسے دیکھے گیا۔ جی چاہا سب کچھ بھلا کر اسے معاف کر دے مگر حسن کا [illegible] احساس اور خیال پر حاوی ہو جاتا تو کلیوں کو مسلتا ہوا اٹھ کر کھڑکی میں جا کھڑا ہوا۔

• • •

"آج شام کو کلینک نہ جانا۔" شہلا نے گھر آ کر بیگ رکھا ہی تھا کہ بھابی کی طرف سے ملنے والے حکم کی اس نے وجہ جاننے کے لئے پلٹ کر ان کو دیکھا۔ ان کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات اتنے واضح ہوتے تھے کہ کوئی انجان بھی جان لیتا کہ کیا بات ہے۔

"جب میں ایک بار کہہ چکی ہوں مجھے شادی نہیں کرنی تو کیوں رشتے دیکھتی ہیں آپ ؟ مہمانوں کو بلاتی ہیں آپ ؟"

وہ سمجھ گئی تھی کہ بھابی نے پھر کوئی نیا رشتہ دیکھا ہوگا۔

"کیوں نہیں کرنی تم کو شادی ؟ ارے بی بی ! شکر کرو فکر کرنے والے ہیں جن کو یہ احساس سوچتے ہیں تمہارے بارے میں۔ آج جوانی ہے کسی سہارے کی ضرورت نہیں جب بڑھاپے نے ہمت اور طاقت کی بیساکھیاں چھین لیں تو کیا کرو گی۔ دیکھو شہلا ! میری باتیں ابھی تو تمہیں بری لگتی ہیں ناں مگر حقیقت ہے کہ عورت کا اپنا ایک گھر ضرور ہونا چاہئے، اپنا گھر اپنا شوہر بچے ہوں تو بڑی معتبر ہوتی ہے عورت۔ ورنہ دنیا کی نگاہوں میں کھٹکنے لگتی ہے۔"

عفت بھابی کو احساس ہوا کہ ان کو آتے ہی سخت انداز اختیار نہیں کرنا چاہئے تھا۔ وہ اس کے قریب نرمی سے بولیں تو شہلا ان کو دیکھنے لگی وہ بالکل درست بات کہہ رہی تھیں مگر وہ چوٹ کھا چکی تھی۔ اس کا مردوں پر سے اٹھ گیا۔

"بھابی ! آپ بالکل درست کہہ رہی ہیں مگر آپ یہ بھی تو جانتی ہیں کہ "

"میں جانتی ہوں شہلا اگر دیکھو یہ جو زندگی ہے یہ مسلسل تجربات اور مشاہدات کا نام ہے۔ دنیا کی لیبارٹری میں ہر تجربہ کامیاب نہیں ہوتا۔ بہت سے تجربات ناکامی کی قبر میں دفنا کر انسان نئی ہمت اور نئے سے نیا تجربہ کرتا ہے۔ ایک تجربے پر زندگی ختم نہیں ہوتی۔"

بھابی کے لہجے کی تلخی اب نرم پھوار میں بدل چکی تھی

"بھابی...... اس شخص نے مجھے توڑ ڈالا ہے۔ اس نے مجھے سب کی نظروں میں گرنے پر مجبور کر دیا۔ میں ساری عمر ذلت کے اس احساس سے باہر نہیں آ سکتی" وہ سسک پڑی۔ اس کی سسکیوں میں اس کی معصومیت اور مظلومیت جھلک رہی تھی۔ عفت بھابی نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"تم نے کوئی گناہ نہیں کیا شہلا ! محبت کرنا کسی کو پسند کرنا کہاں گناہ ہے ؟ ہمارے ہاں کی نوے فیصد لڑکیاں ایسے مردوں کو کم عمری اور ناسمجھی کی وجہ سے اپنا آئیڈیل یا محبت سمجھ کر ان کے پیچھے بھاگتی ہیں مگر یہ نہیں جانتیں کہ یہ ان کی محبت کی پرچھائیاں ہیں۔ ریحان بھی ایسی ہی پرچھائیں تھا۔ اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ تم اسی احساس کے ساتھ زندگی خراب کر لو کہ تم نے ریحان کو چاہ کر کوئی گناہ کر دیا ہے۔"

"ٹھیک ہے بھابی ! مگر میں نے اس خبیث آدمی کی وجہ سے سب کو کتنا تنگ کیا ہے اس کو خوش کرنے کے لئے چور تک بن گئی۔ گھر سے قیمتی چیزیں چرا کر اسے دیتی رہی۔ بھائی جان کی نئی گھڑی میں نے اسے دی مگر اس کی لالچ کی آگ بھڑکتی ہی چلی گئی اور وہ اپنی محبتیں کسی اور پر لٹاتا رہا۔ مجھے بے وقوف بناتا رہا بھابی ! بے وقوف بننے کا احساس مارے گا مجھے۔ میں کبھی اس شخص کو معاف نہیں کروں گی، کبھی نہیں۔ مجھے چور بنا کر میرے ہی ضمیر کی عدالت میں مجرم بنا کر کھڑا کر دیا۔"

"اچھا تو یہ بات ہے۔" اس آواز پر دونوں چونک کر مڑیں۔

♦ ♦ ♦

"ارے بھئی ! کیا ہو رہا ہے ؟ کہیں ہماری بہن کو ڈانٹ تو نہیں رہی تھیں ؟"

شہلا کے بھائی خلیل صاحب آفس سے آئے تو دونوں نند بھاوج کو باتیں کرتے دیکھ کر ان کے قریب چلے آئے۔ شہلا نے جلدی سے بھیگی آنکھیں صاف کیں اور چہرہ دوسری طرف کر کے کھڑی ہو گئی۔ جب سے یہ واقعہ ہوا تھا وہ ان سے نظریں ملا کر بات نہیں کر پاتی تھی۔ پر وہ اس کا بھائی تھا جن کو اس نے سب سے ذلیل کیا اس خبیث آدمی کے لئے اور آج اسی بھائی کی محبت اس کی پناہ گاہ بن گئی تھی

"مجھے معاف کر دیں بھائی جان، آپ تو بھابی کا دوسرا روپ ہیں میرے لئے"

لفظ رک رک کر اس کے نادم لہجے میں ڈھلے تو خلیل نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

"بڑے بہن بھائی اور بھابیاں والدین ہی کی طرح ہوتے ہیں بیٹا ! تم پر کوئی احسان تو نہیں کرتیں یہ ماں ہیں۔" خلیل نے خلوص محبت اور کچھ ممنون نظروں سے عفت کو دیکھا۔

"بھائی ! جب بڑے اپنے مہربان اور اچھے ہوتے ہیں تو چھوٹے اتنے برے کیوں ہوتے ہیں کہ ان کی عزت سے بھی کھیل جاتے ہیں اور ...اور"

شہلا کی آواز ٹوٹ گئی اور اس کے پچھتاوے اور ندامت کے آنسو خلیل کی شرٹ بھگو گئے۔ وہ بھی افسردہ ہو گئے۔

"شہلا بیٹا ! بھول جاؤ سب کچھ۔ انسان کوئی فرشتہ نہیں اور ہر انسان سے غلطی ہو جاتی ہے۔ اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ہم اس ایک غلطی کو چمٹائے زندگی کو عذاب کریں۔ بھول جاؤ سب کچھ، یوں سمجھو کہ وہ ایک خواب پریشان تھا جو ہم سب نے دیکھا جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں مسلسل عذاب سے بچا کر راحت اور سکون کے لمحے دیئے ہیں تو ہم اس کو بھی پرانی باتیں سوچ سوچ کر خراب کریں تو یہ ہمیں زیبا نہیں، ناشکری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بجائے شکر کرنے کے اس کی ذات واحد نے ہمیں ایک برے انسان سے بچایا یہ بڑی بات ہے۔ میری بچی...... بہر حال ہمیں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے اور تکلیف دہ لمحات سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہئے۔"

وہ اسے ساتھ لگائے کتنی ہی دیر سمجھاتے رہے اور ان کی باتوں کے آئینے میں اسے وہ سب یاد آتے رہے

"کوئی بات نہیں خرم بھیا! موسیٰ باجی کو رکنا پڑ رہا ہے تو کوئی مسئلہ نہیں، میں ہوں نا۔ آپ گھر جائیں۔ صبح جب ڈاکٹر صاحب کہیں گے تو میں ان کو لے کر آ جاؤں گا۔"

رفیق نے مستعدی سے اپنی خدمات پیش کر دیں تو وہ کچھ سوچ کر اسے دیکھنے لگا۔

"ہوں! ٹھیک ہے۔ ایسا کرو پیسے پاس رکھو، ہو سکتا ہے ضرورت پڑ جائے۔ صبح میں آنے کی کوشش کروں گا۔ نہ آ سکا تو تم ٹیکسی لے کر موسیٰ کو لے آنا۔ ٹھیک ہے نا؟ اب تم یہیں رہو، میں موسیٰ کو دیکھ آؤں اور اس کی نرس سے بھی بات کروں کہ اس کا خیال رکھے۔"

وہ اسے دیکھنے کے بہانے آگے بڑھ گیا۔ پرائیویٹ روم میں موسیٰ بستر پر لیٹی بے خبر تھی۔ دیکھے آیا ہے جو چاہتوں کے سفر میں کیلا چلتے چلتے تھکنے لگا تھا۔ کبھی کبھی تھکن اس کے اعصاب کو کرتی کہ اس کا جی چاہتا چلا اُٹھے اور کہے کہ ہاں......! میں موسیٰ کو چاہتا ہوں، اس کے بغیر جی نہیں سکتا مگر ناموس عشق کی خاطر اپنی خواہشوں اور آرزوؤں کا گلا دبا کر رہ جاتا۔ وہ سفید چیتھڑوں میں لپٹی بے سدھ آنکھیں بند تھیں، حسین چہرے پر اس اطمینان کی چاندنی رقصاں تھی کہ وہ کسی کی پناہ میں ہے۔ خرم اس لڑکی کو دیکھے گیا جسے وہ دل کی گہرائیوں سے چاہتا تھا، وہ جو پہلی نظر کی محبت کا قائل ہی نہیں تھا، اسی محبت کا شکار بنا بیٹھا۔ اسے ایک ٹک دیکھے جا رہا تھا جو لڑکی جس کی حیثیت بظاہر ان کے گھر میں اس کے دل کی وہ ملکہ تھی، اس کی محبت تھی، اس کی دعا تھی، طلب تھی لیکن کیا بے بسی تھی ضبط کے کس مقام کی محبت گزر رہی تھی کہ وہاں سے نہ کچھ کہہ سکتا تھا، نہ اپنا سکتا تھا۔ جو اس کی بات ہوتی تو وہ نباہ لیتا مگر موسیٰ کی عزت سے بہت عزیز تھی۔

"موسیٰ! اب کہیں نہ جانا، کہیں کھو نہ جانا ورنہ میں بھی کھو جاؤں گا ان راہوں میں جن کی کوئی منزل نہیں ہوتی۔ پلیز! میرے سامنے رہنا۔"

اسے احساس ہی نہ ہوا کہ جانے کب بے خودی میں آگے بڑھ کر اس کا نرم نازک ہاتھ تھام لیا۔ لمحے اس بے خودی کی نذر ہو گئے تھے۔ نجانے وہ دل کی کسک لیے کب تک اس کا ہاتھ تھامے بیٹھا رہتا کہ نرس آ گئی۔ وہ شرمندہ سا ہو کر کھڑا ہو گیا گویا چوری کرتے رنگے ہاتھوں پکڑا گیا ہو۔

"سر! ملاقات کا وقت ختم ہو چکا ہے۔ آپ جائیے مریض کی دیکھ بھال ہمارے ذمے ہے، ہماری ڈیوٹی ہے۔ آپ اطمینان سے جائیے۔" نرس کا عام روٹین کا انداز تھا، وہ ڈرپ میں کوئی انجکشن لگا رہی تھی جبکہ وہ سوچ رہا تھا کہ نرس نے یہ منظر کر دیکھ لیا ہے تو کیا اخذ کیا ہوگا اس کا اور موسیٰ کا کیا رشتہ ہوگا۔ وہ جز بز سا اپنی حیثیت کلیئر کرنا چاہتا تھا، اسی چکر میں وہ دوبارہ جھکا اور موسیٰ کا ہاتھ پکڑ کر دیکھنے لگا۔

"دیکھئے...... سسٹر! ان کے ہاتھ کچھ زیادہ سفید نہیں ہو رہے۔ میرا مطلب ہے کہ......"

"سر جی! آپ کی بیگم ہیں ہی اتنی خوبصورت اور گوری چٹی، ہاتھ بھی تو سفید لگتے ہیں نا۔"

نرس کی بات تیس بور کروں میں اتر گئی۔ اس نے اس سے وہ رشتہ جوڑ دیا تھا جو مشکل تھا۔ ہر چند دل پکار اٹھا کہ خدا تمہاری زبان مبارک کرے مگر وہ کوئی کمزوری ظاہر کرنا نہیں چاہتا تھا۔

"نہ نہیں! آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں؟ میرا ان سے کوئی رشتہ نہیں۔"

"نہ ہی کوئی رشتہ ہے" کتنا بڑا جھوٹ بول گیا تھا وہ کہ سب سے بڑا اور مضبوط رشتہ تھا اس سے مگر وہ انکار کر گیا تھا کیونکہ لوگ دل کی سچائی اور گہرائی کو نہیں پہچانتے، وہ تو بس رشتوں کو جانتے ہیں۔ خود کتنے ہی جھوٹے اور کھوکھلے کیوں نہ ہوں۔ اس کا ہاتھ پکڑے اس نے بات جاری رکھی۔

"نہ ہی رشتہ ہے نہ ہی جانتا ہوں۔ میں صرف یہ بتا رہا تھا کہ ان کے ہاتھ کچھ زیادہ ہی سفید لگ رہے ہیں کہیں خون زیادہ بہہ جانے سے تو ایسا نہیں ہوا کہ خون کی کمی ہو گئی ہو؟"

اپنی بات کے بے بنیاد اور کھوکھلے ہونے کا اسے پورا احساس تھا مگر اپنے چوری کے خود ساختہ وہم کو مٹانے کے لیے اعمال بھی تو ضروری تھی، خواہ یہ بنیادی کیوں نہ ہوتی۔

"ارے نہیں سر جی! نہ تو ان کا خون زیادہ بہا ہے ورنہ ہی کوئی ایسی بات ہے۔ آپ بلا وجہ اہمیت دے رہے ہیں۔ دیکھیں تو کتنے خوبصورت ہاتھ ہیں۔"

نرس موسیٰ کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے کہہ رہی تھی۔ خرم دیکھے گیا پھر یک دم کھڑا ہو گیا۔

"او کے سسٹر! میں چلتا ہوں، میرا ملازم یہیں ہے۔ جب یہ اٹھیں یا ان کو کوئی ضرورت ہو تو ملازم کو بتا دیجئے گا۔" وہ دروازے کی جانب بڑھا، جاتے جاتے پلٹ کر الوداعی نظر اس پر ڈالی اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

"جی اچھا!" نرس نے اس کے جانے کے بعد "جی اچھا" کہا اور باہر نکل گئی۔ خرم رفیق کو ہدایات دے کر باہر نکلا تو فاطمہ کا فون آ گیا۔

"السلام علیکم مما!" اس کا نمبر دیکھ کر وہ دیر کے لئے شرمندہ سا ہو گیا اور گھر جانے وہی واردات کو کس طرح چھپائے گا۔

"وعلیکم السلام جان مما! صبح سے نکلے ہوئے ہو، کوئی اتا پتا نہیں، فون نہیں۔ تم ایسے غیر ذمہ دار تو کبھی بھی نہیں تھے بیٹا!"

ممتا کی ماری پریشانی سے بولیں تو وہ بڑی طرح شرمندہ ہو گیا۔

"جی! وہ سوری مما! بس ذرا چھوٹا سا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔"

"کیا؟ تمہارا ایکسیڈنٹ ہو گیا.....؟ کیسے ہو تم......؟ تمہیں کوئی چوٹ تو نہیں آئی......؟"

"جی نہیں تو مما! مجھے تو کوئی چوٹ نہیں آئی البتہ موسیٰ کو......"

"موسیٰ؟ یہ موسیٰ کہاں سے آ گئی؟ کہاں ہے وہ؟ کہاں سے ملی تم کو؟"

خرم کے منہ سے موسیٰ کا نام نکلنا تھا کہ مما کو جیسے اس علاقے پر کرنٹ چھو گئی مگر کانپ خرم بھی گیا۔

"مما! وہ میں آپ کو بتاتا ہوں۔ میں گھر سے نکلا تھا رفیق کو لے کر۔ گاڑی میں کچھ کام کروانا تھا۔ وہاں گئے مکینک نہیں تھا، پھر گھر آ رہے تھے کہ روڈ کراس کرتے ہوئے ایک لڑکی ہماری گاڑی کی زد میں آ کر زخمی ہو گئی۔ نکل کر دیکھا تو وہ...... وہ موسیٰ تھی۔"

"اوہ! اللہ کا شکر ہے کہ وہ موسیٰ تھی، تم کسی مصیبت میں گرفتار نہیں ہوئے ورنہ ویسے کوئی پولیس والا جھگڑا ہوتا نہیں؟ گھر آنا ہے تو بتاؤ تمہارے پاپا کو بھی بھیج دیتی ہوں۔"

وہ موسیٰ کا حال پوچھنے کی بجائے بیٹے کی خیریت پوچھ رہی تھیں۔ اس کے لیے پریشان ہو رہی تھیں۔ ایک

لفظ بھی تو انہوں نے موسیٰ کے لئے نہیں کہا تھا کہ جسے ٹکر لگی ہے وہ بدنصیب کیسی ہے، دُکھ کا گہرا احساس … اداس کر گیا۔

"نہیں مما …… ! خدا کا شکر ہے ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہوا۔ موسیٰ ہماری اپنی تو ہے۔" دل کی طلب چپکے سے لبوں کو چھو کر گزر گئی تو وہ چونک کر سیدھا ہو گیا اور بات جاری رکھی۔

"میرا مطلب ہے مما …… ! میں موسیٰ کو فوری طور پر ہاسپٹل لے آیا۔ اس کے سر پہ چوٹ لگی ہے …" … ہی بتانے لگا۔

"کیا … سے چوٹ زیادہ آئی ہے …… ؟ کہیں اس کے گھر والے کوئی مقدمہ کھڑا نہ کر دیں۔" اس غریب بے سہارا لڑکی کی حیرت پر اب بھی بیٹے کی غیر معمولی حیرت حاوی تھی۔ وہ ہونٹ کاٹ کر رہ گیا۔

"چوٹ کی پیمائش کے پیمانے کہاں ہیں مما … ' چوٹ تو چوٹ ہے، چوٹ بڑی ہو کہ چھوٹی … درد کی ٹیسیں ہی مختلف ہیں لیکن درد کا فلسفہ شاید آپ کی سمجھ میں نہ آئے۔" اس کے دل کی کسک دھیمے لہجے … اتری جو مما کی سماعتوں کو چھو سکی۔

"کیا کہہ رہے ہو بیٹا … ؟ سنائی نہیں دیا۔" وہ دور سے بولیں۔

"بعض لفظ بڑے بدنصیب ہوتے ہیں مما … ! سنائی دے کر بھی حائل سماعتوں سے ٹکرا کر لوٹ … ہیں۔ کسی کے احساس کو چھوئے بغیر کسی کے دل میں اُترے بغیر۔"

"کیا کہہ رہے ہو بیٹا … ؟ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔"

"آپ گھبرائیں مت مما … ! میں بس نکل رہا ہوں …" … ڈھٹائی پن اس کے دل میں اُتر آیا۔

"اور رفیق نہیں آ رہا کیا … ؟"

"نہیں مما … ! رفیق موسیٰ کے پاس رکے گا نا۔ اس کے پاس بھی تو کسی کا ہونا ضروری ہے۔"

"ارے کیوں ضروری ہے بھئی … ہاسپٹل والے خیال رکھتے ہیں۔ … اس کی … کے پاس رہنا چاہیے۔"

"مما …" دکھ افسوس اور حیرت کا جیسے طوفان سا اٹھا۔ وہ تڑپ، بے حسی کی انتہا تھی کہ وہ … سے ہوئی تھی۔ وہ دکھ سے سوچ کر رہ گیا کہ مما کس قسم کی سوشل ورک کر رہی ہیں کہ ایک لڑکی کے … رات خدمت کرتی رہی، آج اسی کے بیٹے کے ہاتھوں زخمی ہو گئی تھی تو اسے یوں … چھوڑ کر … صادر کر رہی تھیں۔

"مما … وہ ہمارے گھر واپس آ رہی تھی کہ میری گاڑی سے ٹکرا گئی مما … اس کے گھر والوں کو تو یہ معلوم نہیں کہ وہ زخمی ہو گئی ہے اور ہمیں اس کے گھر کا کیا پتا کہ جا کر اس کی بہن کو لے آئیں۔"

"اچھا … ! بہرحال رفیق کو چھوڑو خود جلدی سے آ جاؤ۔"

"جی آ رہا ہوں۔" اس نے موبائل آف کر کے ہاسپٹل کے … میں کھڑے ہو کر موسیٰ کے کمرے کی کھڑکی کو دیکھا اور دُکھ کا گہرا احساس لئے ہاسپٹل سے باہر آ گیا۔

"میں … میں کہاں ہوں … ؟" دوائیوں کے اثرات مدھم پڑے تو موسیٰ جو سب کچھ بھولے پڑی تھی … اٹھ بیٹھی۔ ہاسپٹل کا کمرہ، دوائیوں کی بدبو، اس نے گھبرا کر نرس کو دیکھا۔

"بی بی … ! آپ ہاسپٹل میں ہیں۔ آپ کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ آپ کے سر پہ چوٹ لگی تھی اور پھر آپ بے ہوش ہو گئی۔ فکر کی ضرورت نہیں۔ آرام سے سو جاؤ۔"

نرس … بتاتی ہوئی باہر نکل گئی۔ موسیٰ سر پہ ہاتھ رکھ کر پٹی کو محسوس کرتے کرتے … کے گھر پہنچ گئی … مجید کو وہ … کر بھاگی تھی۔ بے ہوش ہوتے ہوتے اس نے صرف یہ دیکھا تھا کہ وہ خرم کے ہاتھوں میں ہے … سے کچھ ہوش نہیں رہا تھا۔

"سر میں چوٹ … یا اللہ … ! مجید بھائی کا نجانے کیا حال ہوگا … ؟ کس طرح پتا کروں … ؟ اللہ … ! اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں بھائی مجید کو زندگی دے دینا۔ میری … بیوہ ہو گئی … ہونے کو … میں خود کو ہرگز معاف نہیں کروں گی۔"

وہ اپنی چوٹ بھلا کے مجید کے لئے دعائیں کرتی رہی، روتی رہی۔ حتیٰ کہ اس کی چوٹ سے خون رسنے … اسی وقت نرس کمرے میں داخل ہوئی …

"ہائے ہائے بی بی … ! ایک تو آپ لوگ ہمارا کام بڑھا دیتے ہو۔ کیا ضرورت تھی اٹھنے کی … ؟ چلو لیٹ جائیں جی … آج کل ڈاکٹرز بھی بتائے بغیر آ جاتے ہیں … ڈیوٹی نرس کی شامت آ جاتی ہے اور … روم والوں کا تو خاص خیال رکھا جاتا ہے … خون رسنے لگا ہے۔ میں آپ کو دوا دیتی ہوں۔"

… بڑبڑاتے ہوئے … کر رہی تھی، وہ خاموشی سے لیٹ گئی۔ نرس بھی اپنی کارروائی کر کے چلی … ایک عجیب سا لطیف احساس … کی یہ چوٹ بھی، وہ تمام رات خرم کو سوچتی رہی۔

خرم مسلسل اس کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ وہ دوستوں کے ساتھ شغل کے طور پر سگریٹ پی لیتا تھا مگر … نہیں تھا مگر آج تو وہ جیسے اسموکر بنا ہوا تھا … سگریٹ پھونک رہا تھا، حلق جل رہا تھا اور سینہ دُکھ رہا تھا مگر جو … اور جلن دل میں تھی، وہ … کہیں زیادہ تھی کہ وہ عجیب اُلجھن کا شکار ہو گیا تھا۔ محبت اس سے ہو گئی تھی … کا نام لینا بھی ممنوع تھا … سے ہمدردی ایسا جرم تھا جس کی سزا مما کی محبت سے خارج ہونے کی تھی۔ وہ … برداشت … کر سکتا تھا اور نہ ہی موسیٰ کی ذلت برداشت کر سکتا تھا اور خود پہ جبر کر کر کے وہ بے حال سا ہو گیا … کوئی ایسا بے لوث ہمدرد … بھی نہیں تھا کہ وہ دل کا بوجھ ہلکا کر لیتا۔

"کیسی ہے آیا ہوں موسیٰ بی بی … ! اچھی …"

کل صبح ہی موسیٰ کو ڈسچارج کر دیا گیا تھا۔ کتنا دل چاہتا تھا کہ خرم آ جائے اور وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ کتنا تڑپا … کہ صبح خود اسے گھر لے کر آئے مگر وہ بے بس تھا۔

"ہوں ہاں رفیق بھائی … ! تم مجھ سے چھوٹے ہو لیکن گر میں تمہیں بھائی سمجھ کر کچھ باتیں کہوں تو …"

… دل بہت پریشان تھی مجید کی وجہ سے۔ وہ چاہتی تھی کہ کسی کو ہمراز بنائے اور رفیق کو اس نے ہمیشہ اچھا ہی پایا تھا۔

"آپ مجھ پر اعتماد کر سکتی ہیں موسیٰ باجی … ! اللہ کے حکم سے کبھی زبان سے کچھ نہیں نکلے گا۔" اس کی … یقین کا شائبہ پڑنے وہ اس کو اپنی وفاداری کا یقین دلا رہا تھا تو موسیٰ نے اللہ کا نام لے کر اسے ساری بات بتا

"ہونہہ..... کیا خوب مذاق ہے۔ میں تو وہ بدنصیب ہوں واصف! کہ اب تک سب کچھ ہار چکی ہے، البتہ اب جیت کے لئے میدانِ جنگ میں اتری ضرور ہوں، مگر جیت تو بہت دور ہے۔"

جملہ حلق میں آنسوؤں کے گولے میں پھنس گیا تو وہ تیزی سے باہر آ گئی۔ کچھ دیر کوریڈور میں کھڑی خود کو سنبھالتی رہی، اپنی بکھری ذات کی کرچیاں سمیٹتی رہی پھر لاؤنج میں آ گئی۔

"تو بھابی! چلیں؟" سب کے سب گویا تیار بیٹھے تھے۔ وہ ہاتھوں کو آپس میں الجھائے [illegible] بھی نہیں پائی تھی کہ پیچھے سے اس نے واصف کی آواز سنی۔

"ہاں ہاں! چلو بھئی آ جاؤ ناں!" واصف نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھاما تو وہ ساکت ہو گئی۔

• • •

"کیا ضرورت تھی امی کو اپنے کارنامے کے بارے میں بتانے کی؟ ہونہہ! بہت خوش ہو [illegible] کہ وہ دادی بننے والی ہیں۔"

وجاہت ابھی ابھی امی کے پاس سے ہو کر آیا تھا جن کو زینت نے یہ خوشخبری دی تھی کہ وہ دادی [illegible] ہیں۔ خود اس کے لئے یہ بات بہت خوشی کا احساس تھی تو اس نے قریب ترین رشتہ ساس کو بھی یہ خوشخبری سنا [illegible] خوشی سے بے حال ہو گئیں اور کافی عرصے کے بعد انہوں نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور زندگی سے بھرپور [illegible] زینت خوش تھی کہ ہو سکتا ہے ماں کی خاطر ہی وہ ظالم شخص اس کے آنے والے بچے کو قبول کر لے مگر [illegible] ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا تھا کہ اس نے امی کو بتایا ہی کیوں ہے، اس نے بڑے تحقیر آمیز انداز میں کہہ کر [illegible] تھی۔ وہ اب ظلم سہنے کی عادی ہو گئی تھی کہ ماں بننے کے [illegible] لفظ اس کے تن بدن میں آگ لگا گیا۔

"وجاہت صاحب! آپ جو کچھ بھی مجھے کہہ رہے ہیں۔ اس لئے کہ آپ میرے بچے کے باپ ہیں اور اسی کے صدقے میں آپ کو معاف بھی کر دوں گی لیکن اب آپ میرے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کر سکتے۔ ہاں میں نے امی کو بتایا تھا کہ وہ دادی بننے والی ہیں۔ جب سے آئی ہوں، پہلی بار میں نے ان کے چہرے پر زندگی کی سرخی دیکھی ہے، خوشی کی روشنی دیکھی ہے، ان کی آنکھوں میں روشنی دیکھی ہے اور..."

"تم... تم... تمہاری یہ مجال کہ میرے منہ لگو۔ ابھی تین لفظ منہ سے نکال دوں تو [illegible] گی۔" گھٹیا مردوں والا ہتھیار وجاہت کے پاس بھی تھا مگر زینت متاثر نہیں ہوئی۔

"افسوس یہ ہے کہ کسی صورت حال میں وہ تین لفظ بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اب بچے کے دنیا میں آنے کے بعد آپ اپنا یہ شوق پورا کر بھی لیں تو میرا اور آپ کا رشتہ ٹوٹے گا، بچے سے آپ کا رشتہ نہیں ٹوٹے گا۔" وہ اپنی جرأت پر خود بھی حیران تھی، کس طرح وہ اسے جواب دے رہی تھی۔ مارے غصے کے وہ کانپ رہا تھا۔

"آج..... آج میں پچھتا رہا ہوں، کیوں میں نے تم جیسی لڑکی کو بیاہا.....؟"

"ہونہہ! اپنے انتقام کی آگ میں سب کو جلاتے جلاتے انسان کبھی کبھی اپنا گھر بھی راکھ کر ڈالتا ہے وجاہت صاحب! اور آپ بھی وہی احمق انسان ہیں جو دوسروں کو برباد کرنے کی آرزو میں خود تباہ ہو [illegible]

"آپ نے ظفر کی اور میری زندگی برباد کی ہے ناں، اب آپ کی باری ہے۔ اب آپ کو حساب دینا ہوگا۔"

[illegible] بات زینت کی زبان پر رہ گئی جو دانتوں تلے آ کر بری طرح زخمی ہو گئی تھی۔ وجاہت کا بھاری مردانہ ہاتھ [illegible] روشن کر گیا تھا۔

"تم ایسے نہیں مانو گی۔ میں تم دونوں کو ختم کر دوں گا، ختم کر دوں گا تم دونوں کو۔"

وجاہت کے سر پر جنون سوار تھا۔ وہ اپنی الماری کی طرف بڑھا، ریوالور نکالا اور زینت پر تان دیا۔ وہ خوف [illegible] ہو گئی۔

"نہیں! پلیز وجاہت! مت ماریں! میرا تو قصور ہے، اس ننھی جان کا کیا قصور؟" وہ گڑگڑانے لگی مگر وہ اس کے قریب آتا گیا۔ اسے دھکا دے کر بیڈ پر گرایا اور اس کی کنپٹی پر ریوالور [illegible]

"بہت شوق ہے ناں تمہیں ماں بننے کا؟ ہاں بہت شوق ہے؟" وہ انتہائی سفاکی سے دانت پیستے [illegible] اس کی کنپٹی پر دباؤ ڈالتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ اس نے بے بسی سے ہاتھ جوڑ دیئے۔

"پلیز وجاہت! مجھے معاف کر دو، میں کچھ نہیں کہوں گی۔ ماں بننا میرا حق ہے، کم از کم یہ حق تو نہ [illegible] میں نے اس کے لئے بہت خواب دیکھے ہیں۔"

"خواب؟ ہا ہا خواب؟" وہ ہنس دیا، اس کی گڑگڑاہٹ کسی بات سے بھی متاثر ہوئے بغیر [illegible]

"خواب تو تم نے ظفر کے لئے بھی بہت دیکھے تھے، کہو دیکھے تھے ناں؟ پورے ہوئے؟ نہیں... تو یہ خواب بھی آنکھوں میں بسے رہنے دو، ان خوابوں کو ان کی تعبیر مت دیکھو۔ تمہارا کیا خیال تھا تم اس بچے سے مجھے ٹریپ کر لو گی؟ اپنا غلام بنا لو گی؟ ہونہہ! کیا سمجھا تھا تم نے مجھے؟ میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ مجھے تم سے اپنے خاندان کا وارث نہیں چاہئے پھر بھی تم نے یہ سلسلہ جاری رکھا۔ میں بھی [illegible] اس تمہاری چال کو، اب میں اس سلسلے کو آگے نہیں بڑھنے دوں گا۔ ہا ہا ہا!" وہ جلاد بنا ہوا تھا [illegible] کنپٹی پر [illegible] گیا، زینت پسینے میں شرابور تھی۔

"یا اللہ مدد...!" اس کی گھٹی گھٹی سی چیخ فضا میں بلند ہوئی اور دم توڑ گئی۔ وجاہت کسی بات سے متاثر ہوئے بغیر اپنی بات پر اڑا رہا، پھر کمرے کی فضا میں سکوت چھا گیا۔ اس نے ٹریگر دبا دیا، زینت کی چیخ فضا میں [illegible] وجاہت نے قدرے خوف سے زینت کو دیکھا۔ توقع تو یہ تھی کہ وہ خون میں لت پت ہو گی مگر وہ تو زندہ [illegible] سانس لے رہی تھی اور زینت نے خوفزدہ نظروں سے خود کو محسوس کیا، وہ زندہ تھی۔ اس نے وجاہت کو [illegible] ریوالور کے خالی ہونے پر سلگ اٹھا تھا۔ وہ ریوالور دیوار سے مارتا باہر نکل گیا۔ زینت وہیں ڈھیر ہو گئی [illegible] روتی رہی، اس نے اللہ کو مدد کے لئے پکارا تھا تو اس کی مدد آ گئی تھی۔

"یا اللہ..... تیرا شکر ہے پروردگار! تیرا کس طرح شکرانہ ادا کروں۔ تو نے مجھے اور میرے بچے کو [illegible] عطا فرمائی۔ تیرا شکر ہے یا اللہ! تیرا شکر ہے۔"

وہ نجانے کب تک سجدے میں گری، اللہ کا شکرانہ ادا کرتی رہی پھر نجانے کتنے ہی دن گزر گئے۔ ایک گھر

وجاہت اور وقار کی نظریں دروازے سے اندر آتے ایک پیون پر ٹھہر گئیں جو ہاتھ میں کوئی پرچہ لیے آ رہا تھا۔

"یہ دیکھیے سر! لیلیٰ نے انٹرویو میں کہا ہے کہ..."

"انتہائی فضول اور لغو خبر ہے۔ میری لیلیٰ سے بات ہوئی تھی، اس کا ایسا کوئی ارادہ نہیں۔ ان میگزین یا حادثات ہوتے ہیں ناں ایسی طرح کی خبریں [illegible] صاحب!"

"آپ نے بالکل درست کہا وقار صاحب! لیلیٰ کا ایسا کوئی ارادہ نہیں۔ لیلیٰ میری کزن ہے۔ بچپن ساتھ گزارا ہے، وہ مجھے اور میں اسے بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔ وہ ایکٹنگ کرنا چاہتی ہے۔ بس کہ شوہر ذرا دقیانوسی مل گیا ہے۔ وہ اسے کام کی اجازت نہیں دیتے ہیں، ورنہ وہ جنگ نجانے کیا کیا بنا ہوتی۔" وجاہت دل کی بھڑاس نکال رہا تھا، وقار کو بھی موقع مل گیا۔

"آپ درست کہہ رہے ہیں وجاہت صاحب! لیلیٰ ابھی بچی ہے، اول تو ابھی شادی نہیں کرنی چاہیے تھی کم عمری میں، دوسرا اسے اتنا شوق تھا اداکاری کا، جیسے کہ آپ سیریل میں دیکھیں، آپ نے کیسے پرانے اور منجھے ہوئے اداکاروں کے مقابل جس طرح بڑی اچھی مضبوط پرفارمنس دے رہی ہے۔ چاہتا تھا وہ سیریل سائن کرے، لوگ اسے بہت پسند کر رہے ہیں۔"

"وہ چیز ہی ایسی ہے۔" دل کی بات زبان تک آ گئی تو وجاہت پہلو بدل کر کافی کا سپ لینے لگا۔

"میرا مطلب ہے کہ لیلیٰ میں بہت ٹیلنٹ بھی ہے، حسن بھی مگر اس کا شوہر حد درجہ..."

"بہت تنگ نظر آدمی ہے اس کا شوہر۔" وقار عثمانی نے خوب دل کی بھڑاس نکالی۔

"صرف تنگ نظر نہیں، بہت زیادہ شکی اور تنگ نظر آدمی ہے، دل اور سوچ میں وسعت ہی نہیں ہے۔ شخص کو بیوی کی خوشی عزیز نہ ہو یا اس پر اعتماد نہ ہو تو میرے خیال میں تو وہ انسان ہی نہیں ہے۔"

"وجاہت صاحب! آپ لیلیٰ کے کزن ہیں اور جہاں تک میں دیکھ رہا ہوں آپ لیلیٰ کے...

"...یہ اور سمارٹ ہیں اور سب سے بڑھ کر خوش مزاج اور وسیع نظر بھی ہیں پھر لیلیٰ نے شہباز سے شادی کیوں کی؟"

وقار عثمانی بزنس مین تھا، وہ تو ہر چیز کو، ہر رشتے کو نفع و نقصان کی کسوٹی پر پرکھتا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر وجاہت لیلیٰ کا شوہر ہوتا تو اس کے لیے بہت آسانی تھی، وہ دونوں کو کاسٹ کرتا، سپر ہٹ ڈرامے بناتا، لوگ ان دونوں کو پسند کرتے، ان کو ایک ساتھ دیکھنے کی ڈیمانڈ کرتے مگر اب دیسا تھا۔ لیلیٰ کا شوہر شہباز جو لیلیٰ کو اپنی قید میں جکڑ کر اس دنیا سے دور لے جا رہا تھا جبکہ اس کی بات وجاہت کے دل میں تیر ہو گئی تھی۔ اب وہ اندر کی بات کیسے بتاتا۔ ایک بہت دکھ بھری گہری آہ بھر کر وہ کھڑا ہو گیا۔

"ارے عثمانی صاحب! آپ نے تو مٹھی بھر کر میرے زخموں پر نمک چھڑک دیا ہے مگر کیا بتاؤں آپ کو لیلیٰ میرے بچپن کی منگیتر تھی، کیا ہے مگر یہ شہباز نجانے کہاں سے آن ٹپکا۔ میں لیلیٰ کے ددھیال سے تعلق رکھتا ہوں اور شہباز لیلیٰ کی والدہ کے خاندان سے ہے۔ بس آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ عورتوں کی سیاست کتنی بری چیز ہے۔ میری اور لیلیٰ کی محبت بھی سیاست کی نذر ہو گئی۔ لیلیٰ کی اس کم عمری میں شہباز سے شادی کر دی گئی۔ اگر وہ اچھا آدمی ہوتا، لیلیٰ کو خوش رکھتا، اس کی خوشی کو مقدم جانتا تو بڑی اچھی بات تھی مگر آہ! لیلیٰ اس کے ساتھ ذرا بھی خوش نہیں بلکہ اس کی دولت کے سنہری پنجرے میں قید ہے۔ اس کو کتنا شوق تھا اور ہے ایکٹنگ کا یہ میں جانتا ہوں مگر وہ سخت مزاج شخص قاتل ہے، اس کے شوق کا، اس کی خوشی کا۔ آپ جانتے نہیں جب اس کا بس چلتا تو لیلیٰ کو... [illegible] اور یہ شخص اسے لیلیٰ قسط دیکھنے کی اجازت نہیں دے رہا تھا۔ مار دیا ہے اس نے اس لڑکی کے ٹیلنٹ کو۔"

وقار عثمانی جانتا تھا کہ وہ کس شخص سے بات کر رہا ہے جس سے اس کو بہت مدد مل سکتی ہے۔ لیلیٰ کو واپس لانے میں اور وجاہت اپنی رقابت اور حسد میں سب کچھ بھول گیا تھا۔ یوں بھی وہ بے ضمیر آدمی تھا، اس کے لیے ایسی باتیں اہمیت نہیں رکھتی تھیں۔

"وجاہت صاحب! آپ ہی وہ شخص ہیں جو لیلیٰ کو واپس لا سکتے ہیں۔ میں بھی آپ سے سیریل سائن کرانا چاہتا ہوں، اگر آپ لیلیٰ کو لے آئے تو... لیکن نہیں۔ میرا خیال ہے آپ بھی یہ کام نہیں کر سکتے کیونکہ میں نے بات کی ہے، اس کے ضدی شوہر نے فون پر بات کرنے کی اجازت نہیں دی۔ چلیے آپ سیریل سائن کریں، میں آپ کو مایوس نہیں کرنا چاہتا، میں آپ کے ساتھ بہت حسین لڑکی کو کاسٹ کروں گا۔"

عثمانی بڑا گھاگ تھا، وہ ایک نظر میں وجاہت کو جان چکا تھا۔ اس نے اس کے شوق کو ابھارنے کے لیے اور اسے بہت کمانے کے خیال سے کہا۔ اس کی یہ بات وجاہت کے دل میں تیر کی طرح لگی۔ وجاہت وہ شخص تھا جو چیلنج میں سب کچھ کر گزرنا جانتا تھا اور یہ تو لیلیٰ کا معاملہ تھا اور وہ سوچ کر آیا تھا کہ وہ لیلیٰ کو ہر صورت شوہر سے چھین لے گا۔

"دیکھیے عثمانی صاحب! آج تو آپ نے یہ بات کی ہے آئندہ نہیں کیجیے گا۔ میرے ساتھ لیلیٰ کے علاوہ کوئی اور لڑکی کاسٹ نہیں کریں گے آپ۔"

"اور لیلیٰ کی واپسی ناممکن ہے۔" وقار عثمانی نے خالص چڑا دینے والی ہنسی کے ساتھ کہا تو وجاہت کا چہرہ

"آپ ہاں ضرور بنیں گی آنٹی جان، اگر شہباز کے نہیں میرے اور لیلیٰ کے بچوں کی۔" یہ لفظ اس نے زبان کو دانتوں تلے دبا کر اس جملے کو روکا اور فاطمہ کو دیکھنے لگا۔

"آمین آمین! اللہ آپ کی دعائیں قبول فرمائے۔ آنٹی" ماؤں کو تو بس اولاد کی خوشیاں غرض ہوتی ہے، بالکل اسی طرح میری امی بھی پوتے پوتیاں دیکھنا چاہتی ہیں۔" دل سے اٹھتے شعلوں کو دباتے ہوئے بڑے تحمل سے بولا۔

"ہاں تو بیٹا! تمہیں اب شادی کر لینی چاہئے۔ بھابی جان کے پاس ایک عورت کا ہونا ضروری ہے اور پھر بچے ہوں گے تمہارے تو ان کی آدھی بیماری دور ہو جائے گی، کوئی ہے تمہاری نظر میں؟"

"جی... جی ہاں... ابھی تو نظر میں ہے۔" وہ لیلیٰ کے تصور میں کھویا ہوا بولا پھر سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"اچھا چلو مجھے بتا دینا، میں خود تمہارا رشتہ کروں گی۔ بھابی جان تو بیمار رہتی ہیں میں ہی تمہاری شادی کروں گی۔"

"جی آنٹی! آپ ہی یہ سب کام کریں گی، آپ کے کرنے کے تو ہیں یہ کام۔"

فاطمہ بیگم نہیں جانتی تھیں کہ وہ کیا سوچ کر بیٹھا ہے اور اس کی باتیں کس طرف اشارہ کر رہی ہیں۔

"بیگم صاحبہ...! کھانا لگ گیا ہے۔" یہ اطلاع دینے والی کی طرف وجاہت نے دیکھا تو ایک جھٹکے سے دل برباد ہو گئے۔ موٹی اپنے سادہ سے حسن کے ساتھ ملازمہ کے روپ میں مزید حکم کے انتظار میں تھی۔ کچھ دیر کے لئے وہ سے بالکل زینت لگی، اسی طرح کی حسین ملازمہ۔ وہ اس کے ایک ایک نقش کے مطالعے میں گہری نظروں سے مصروف تھا کہ خرم آ گیا۔ خرم نے وجاہت کی نظروں کو بھانپ لیا تھا۔ موٹی پر اس کی نظروں کا عکس اسے کھولا گیا۔

"ٹھیک ہے ناں، لگ گیا کھانا، تم نے اطلاع دے دی، چلو جاؤ اب یہاں سے، کیا ضروری ہے کہ سب کے اٹھنے کا انتظار کیا جائے؟ جاؤ تم! ہم آتے ہیں۔"

خرم نے موٹی کو بری طرح جھڑک دیا تو موٹی جو آج سارا دن بی بی جی کے لئے روتی رہی تھی، اس کی سوجی ہوئی پلکیں بھیگ گئیں، خرم کا لہجہ، اس کا انداز دل پر برقی بن کر لگا تو بے شمار آنسو اس کے گریبان پر گرے، جن کا بھرم رکھنے کے لئے وہ تیزی سے مڑ گئی۔ نجانے کیوں فاطمہ کو خرم کا انداز نہیں بھایا۔

"بری بات ہے بیٹا! ملازم بھی انسان ہوتے ہیں، ان سے اس طریقے سے بات نہیں کرنی چاہئے۔ آؤ وجاہت بیٹا...! کھانا کھائیں۔"

ممانو یہ کہہ کر چلی گئیں مگر وہ ان کی پشت کو شکوہ بھری نظر سے دیکھ کر رہ گیا۔

"ممانو! میں کب یہ سب خوشی سے کرتا ہوں مگر ناموس عشق کی خاطر تو نجانے کبھی اور کیا کیا برداشت کرتا ہے۔"

دل کی بستی میں اتری گہری شام کا سوگ لئے وہ ڈائننگ روم میں آ گیا۔ جہاں وجاہت اپنی باتوں سے فاطمہ اور زبیر کو خوب متاثر کر رہا تھا اور نظر ادھر ادھر پھرتی موٹی پر تھیں جو خود بھی اس کی نظروں سے خائف سی، چلی جاتی مگر پھر کسی نہ کسی کام سے آنا ہی پڑتا۔

"ارے خرم! آؤ ناں بھئی، آپ کھانا کہاں کھاؤ گے؟"

وجاہت نے اپنے برابر کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور ہاتھ پانی کے جگ کی طرف دانستہ طور پر بڑھایا کیونکہ اس وقت موٹی نے مزید پانی ڈالنے کے لئے جگ پکڑا تھا اور وجاہت کا مردانہ ہاتھ اس کے نازک ہاتھ پر دباؤ ڈال گیا۔ قبل اس کے کہ وہ ہاتھ نکالتی یہ منظر خرم کو کھول گیا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر وجاہت اور موٹی کے ہاتھ سے جگ تقریباً چھین لیا۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" وہ براہ راست موٹی پر دھاڑا۔

"جی کھانا سرو کر رہی ہوں۔" بھیگی بھیگی سی گھٹی گھٹی سی آواز نکلی۔

"سرو کر دیا ناں، اب جاؤ، اگر مزید کسی چیز کی ضرورت ہوئی تو گھر میں دوسرے ملازم بھی ہیں، ان کو بلا لیں گے، تمہارے جیسوں پر سوار رہنے کی ضرورت نہیں، جاؤ یہاں سے۔"

وہ پوری قوت سے چیخا، بدمزہ موقع اور لوگوں کا احساس ہی مٹ گیا تھا۔ موٹی اپنی چیخوں کا گلا دباتی باہر نکل گئی۔ خرم دونوں ہاتھوں میں سر تھام کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر کے لئے وجاہت کو خرم میں اپنا آپ اور موٹی میں زینت نظر آئی۔

"کہیں یہاں بھی وہی معاملہ تو نہیں کہ سر پیٹ رہا ہے اور پس آئینہ کچھ اور معاملہ ہو، کہیں یہ حسین تتلی بھی خرم کی..."

وجاہت الجھے ہوئے خرم، زبیر اور فاطمہ کے چہروں میں کچھ کھوجتا رہا جبکہ اب خرم کے لئے وہاں بیٹھنا دشوار تھا، وہ ایک ساتھ کھانا چھوڑ کر باہر نکل گیا۔

"زبیر! اب ہمیں بھی خرم کی شادی کر دینی چاہئے۔ دیکھیں تو کتنا چڑچڑا ہو گیا ہے۔" فاطمہ نے وجاہت کے سامنے اپنی خفت مٹاتے ہوئے کہا۔

"ہاں... ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ بیگم! میں نے بھی محسوس کیا ہے خرم آپ سیٹ سا رہتا ہے۔ اس کی زندگی میں اب تبدیلی ناگزیر ہو گئی ہے۔ پوچھو اس سے کوئی پسند ہو تو بتا دے ورنہ آپ اور لیلیٰ کوئی اچھی سی لڑکی دیکھ کر اب جلدی سے اس کی شادی کر دیں۔"

ماں باپ دونوں خرم کی وجہ سے پریشان ہو گئے تھے، جبکہ لیلیٰ کے نام پر وجاہت کے دل میں پھلجھڑیاں سی چھوٹنے لگی تھیں۔

"یہ لیلیٰ اور شہباز آئے نہیں، کیا ان کا گھر خاصا دور ہے یہاں سے؟"

یہ وہ بات تھی جو معلوم کرنے کے لئے اس نے ادھر ادھر کی ہزاروں داستانیں سنی تھیں۔

"نہیں بھئی...! قریب میں ہے ان کا گھر۔ میں نے فون کیا تھا، تمہارا بتایا تھا، لیلیٰ ہی سے بات ہوئی تھی، سلام کہہ رہی تھی تمہیں۔"

"تو کیا وہ خود نہیں آ رہی؟ میرا مطلب دونوں نہیں آ رہے...؟"

"نہیں بیٹا! وہ تو شاید کل بھی نہ آ سکے۔ شہباز کی ذرا طبیعت خراب ہے۔"

"تو کیا شہباز کی طبیعت زیادہ خراب ہے؟"

"خدا نہ کرے بیٹا! یونہی اس کے ذرا سا سر میں بھی درد ہو جاتا ہے تو لیلیٰ دیوانوں کی طرح ہو جاتی ہے۔ بہت پگلی ہے اپنے میاں کے بارے میں۔"

فاطمہ بیگم تو پیار سے کھانے پکی کی شہباز سے محبت کے دور بھی کیا کیا واقعات سنا رہی تھیں مگر وہ نہیں جانتی تھیں کہ وجاہت کے دل کی سلگتی آگ پر وہ تیل ڈال کر اسے مزید بھڑکا رہی ہیں۔

"ایسا ہے تو مجھے ان کے ہاں جانا چاہیے۔ میرا خیال ہے میں خرم کے ساتھ جا کر شہباز کا پتہ کر آتا ہوں۔ ملاقات بھی ہو جائے گی اور عیادت بھی۔"

وہ لیلیٰ کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے بیقرار ہو رہا تھا۔ اپنی یکطرفہ محبت کی آگ میں وہ تنہا جل رہا تھا۔

"ہاں بیٹا! تم ذرا آرام کر لو پھر شام کو ہم سب چلتے ہیں ان کی طرف۔"

"جی بہتر!" وہ سعادت مندی سے اٹھ کر خرم کے کمرے میں آ گیا۔ وہ ابھی ابھی کمرے میں پہنچا تھا۔

خرم بہت اپ سیٹ تھا۔ موی کو دوسروں کے سامنے ذلیل کر کے وہ پہلے اپنی نظروں میں گر جاتا۔ بھی کیا کرتا اسے ہر وقت یہ خوف رہتا کہ کہیں اس کی نظر کو گرفت میں لے کر تمام موی کو ذلیل و خوار کر کے نکال نہ دیں اور باہر کی دنیا موی کے لیے کتنی خطرناک تھی یہ جانتے ہوئے در در کی ٹھوکروں میں آنے دینا نہیں چاہتا تھا۔ موی کا بے نام سا سایہ بنا ہوا تھا یہ سایہ جو اس کے ساتھ تھا۔ وجاہت کی نظروں کی گندگی کو وہ پہچان گیا تھا اسی لئے اس نے اسے ڈانٹ کر وہاں سے ہٹ جانے کو کہا مگر موی جو حالات کا احساس کر کے بہت پریشان تھی کوریڈور کے آخر میں گلاب کے گملوں کے پاس بیٹھی تھی۔ آنسو گریبان میں جذب ہو چکے تھے۔ خرم جو بوجھل دل لئے اپنے کمرے کی جانب جا رہا تھا اس پر نظر پڑی تو بے خود سا بے آواز قدموں کے ساتھ اس کے قریب آ گیا اور ایک پل اسے دیکھتا رہا۔ اسے لگا جیسے جھیل میں کانچ کا کنول ڈوبا ہوا ہو۔ وہ جھکا، جی چاہا کہ بغاوت کر جائے۔ اس کی آنکھوں کے آنسو اپنی پلکوں میں اتار لے اور اس کا نازک ہاتھ پکڑ کر اسے گدگدا دے، وہ اتنا ہنسے کہ ساری کلیاں یکدم پھول بن جائیں۔ اس نے سب سے بڑا سرخ گلاب توڑا اور آہستگی سے غیر محسوس انداز میں جھکا۔

"سوری موی! لیکن میں یہ سب کیوں کرتا ہوں۔ کاش تم یہ سمجھ جاؤ لیکن تم یہ نہیں سمجھو گی۔"

محبت میں ڈھلا یہ معذرتی احساس لفظوں کی صورت اس کے لبوں کو چھو گیا مگر اتنا غیر محسوس تھا کہ غموں میں ڈوبی موی کو احساس تک نہ ہوا کہ کون خوشبو کی طرح دبے پاؤں گلاب اس کی گود میں رکھ کر بڑھ گیا۔

"یا اللہ! یہ میری آزمائش کب ختم ہو گی۔ مجھ جیسی لڑکیوں کی کیا ضرورت ہے دنیا میں جن کے لئے کسی کے گھر میں جگہ ہے نہ دل میں، خرم کا یہ تضحیک آمیز رویہ مار ڈالے گا مجھے، مار ڈالے گا۔"

اس نے شدت ضبط سے دونوں ہاتھ آپس میں جکڑے تو گلاب کا کانٹا چبھ گیا۔ اس نے تکلیف کے احساس سے آنکھیں کھولیں تو گلاب کو دیکھ کر وہ حیران کم پریشان زیادہ ہو گئی۔ خرم تو گزرے کارواں کی طرح غبار چھوڑ کر جا چکا تھا۔

"یہ کہاں سے آیا؟ کہیں..." وہ وجاہت کی نظروں کا مطلب سمجھ چکی تھی اس لئے خیال فوراً وجاہت کی طرف گیا ورنہ اس سے قبل کہ وہ پختہ یقین کرتی رفیق آ گیا۔

"اچھا ہوا موی باجی آپ یہیں مل گئیں۔"

"کیا ہوا؟ خیریت تو ہے نا؟" موی گھبرا گئی۔

"جی! میں ابھی نسرین آپا کے گھر سے آ رہا ہوں۔"

"ہیں! اچھا کیا! کیا حال ہے مجید بھائی کا وہ زندہ تو ہے ناں؟ آپا کے ساتھ کوئی مسئلہ تو نہیں ہوا؟ کہیں پولیس کیس تو نہیں بن گیا؟"

موی بیقرار ہو کر ایک ہی سانس میں کئی سوال کر گئی۔

"بس موی باجی! اللہ کا شکر ہے سب طرح کی خیریت ہے۔ مجید بھائی کے سر پر بڑی گہری چوٹ آئی ہے۔ ڈاکٹر کہتے ہیں بس اللہ نے بچا لیا تو بچ گیا ورنہ اتنی چوٹ کے بعد لوگ بچا نہیں کرتے۔"

"خدایا! تیرا شکر میں کس طرح ادا کروں؟ میرے پروردگار! تیرا شکر ہے۔ اگر بھائی کو کچھ ہو جاتا تو میں کیا کرتی۔ آپا... یہ مجھ سے کیا ہو گیا تھا۔ تیرا شکر ہے، تیری پاک ذات نے میری عزت رکھ لی۔"

"رفیق بھائی! آپا کیا بتا رہی تھیں، کوئی پولیس کا چکر تو نہیں ہوا؟"

"نہیں موی باجی! آپا نسرین نے خاص طور پر یہ کہا تھا کہ آپ کو بتا دوں کہ معاملہ صرف ان کے گھر تک ہے۔ محلے والوں نے پولیس بلانے کی کوشش کی تھی مگر آپا نے یہ کہہ کر سب کو گھر سے نکال دیا کہ یہ میاں بیوی کا معاملہ ہے۔ آپا نے کہا ہے آپ فکر نہ کریں سکون سے رہیں۔"

"رفیق بھیا! اللہ تمہیں زندگی کی تمام خوشیاں اور کامیابیاں دے۔ آمین!"

"اس سے بڑھ کر مجھے کیا چاہیے بھلا، آپ کی دعائیں بہنوں کے سوا کوئی دے سکتا ہے؟ بس اب آپ فکر نہ کریں آپ کا بھائی ہے پہلے۔ آپ اندر جائیں، میں بھی چلتا ہوں۔"

دونوں اپنے اپنے راستے پر جانے کے لئے مڑے تو سامنے وجاہت کو دیکھ کر ساکن ہو گئے۔

• • •

اور پھر وقت گزرنے کا پتہ بھی نہیں چلا۔ ریحان کی شرارتیں شوخ جملے جو آتے جاتے وہ اچھالتا تھا آہستہ آہستہ شہلا کے دل میں اترنے لگے۔ اس کی شرارتیں بری لگتیں۔ باتیں ہلکی، اب تو وہ منتظر رہنے لگی تھی۔ میڈیکل کے تیسرے سال میں آتے آتے وہ ریحان کے عشق کے سمندر میں ڈوب چکی تھی۔ جبکہ ریحان ایک عیار مکار اور لالچی نوجوان تھا۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ شہلا ایک کھاتے پیتے گھرانے کی لڑکی ہے اور اس کی محبت میں پاگل بھی۔ اب اس نے مظلوم بننا شروع کر دیا تھا۔

"کیا بات ہے آج بہت چپ چپ ہو؟" ملاقات تو روز کا معمول بن گئی تھی۔ ریحان روز شہلا کے کالج پہنچ جاتا تھا اور دونوں کینٹین میں بیٹھ کر گھنٹوں باتیں کرتے تھے۔ اس وقت بھی شہلا اپنی کلاس چھوڑ کر اس کے قریب بیٹھی پوچھ رہی تھی۔

اندر پھٹ رہے کا تقاضا تو تھا کہ اس گستاخی پر اس کا منہ نوچ لیں مگر بیٹی بردباری، رشتے اور تحمل کا یہی تقاضا تھا صبط کر لیا جائے۔

"نہیں اختر سے، اختر سکول میں ٹیچر ہے، بہت اچھا نیک لڑکا ہے اور اس سے کہیں نیک موی حس نے بغیر دیکھے اس رشتے کو قبول کر لیا ہے۔"

"او کم آن آنٹی! ایسا کیا آپ موی نامہ لے کر بیٹھ گئیں۔ حیرت ہے اس گھر میں تو ملازم لوگ بھی ہم ایف۔ اے ہیں۔ آپ کی صاحبزادی آخر ہیں کہاں؟ میں اتنے دن سے آیا ہوا ہوں محترمہ ملنے تک نہیں آئیں اور وہاں سنتے پروگرام بنائے تھے۔ وجاہت! آپ آئیں گے تو ہم یہ کریں گے وہ کریں گے اور اب۔"

"السلام علیکم مما!"

ابھی وجاہت کی بات ادھوری تھی کہ اسی وقت بلیک شفون کی ساڑھی میں لیلیٰ آ گئی تو وجاہت کی پلکیں جھپکنا بھول گئیں۔ وہ ایک ٹک اس کو دیکھے گیا۔ اس کی تیاری سے لگ رہا تھا وہ کسی پارٹی میں جا رہی ہے۔

"وعلیکم السلام میری جان! میری گڑیا! کوئی اتنے دن تڑپاتا ہے اپنی مما کو؟"

"سوری مما! بس شادی کے بعد یہ بھی تو ہوتا ہے کچھ مصروفیت ہی اتنی رہی کہ... کم آن مما آپ تو رونے لگیں، روز تو بات ہوتی تھی آپ سے۔"

"تمہاری صورت تو نظر نہیں آتی تھی ناں۔"

"او کے! او کے مما! آخر اتنے دن کہاں لگاتے؟ بس اسی انتظار میں رہتے ہیں کہ میں ہی آؤں۔"

لیلیٰ نے مما کے آنسو اپنی نرم ہتھیلیوں میں اتار لئے دونوں ماں بیٹی اس وقت اپنی باتوں میں تیسرے وجود وجاہت کو یکسر نظر انداز کئے ہوئے تھیں کو کہ یوں نظر انداز کرنا وجاہت کو کھولا گیا مگر چونکہ یہ لیلیٰ کی غلطی تھی جسے وہ محبوب کی ادا سمجھ کر خود آگے بڑھا۔ لیلیٰ اس کی محبت تھی اور محبوب کے نخرے اٹھانے میں کیا لطف ہے یہ اسے معلوم ہو رہا تھا۔

"آداب! ہم بھی تو پڑے ہیں راہوں میں؟"

"ارے آپ... ہاں مما نے بتایا تھا کہ آپ آئے ہوئے ہیں۔"

لیلیٰ انتہائی سرسری انداز میں بولی تو وجاہت جو اس کی محبت میں تڑپتا ہوا یہاں آیا تھا۔ اس سرد رویے پر وہ سلگ اٹھا۔

"آپ کو ہمارے آنے کی اطلاع مل چکی تھی مگر آپ نے ملنا تو دور کنارا فون کرنا بھی گوارا نہیں کیا۔" دل کی تڑپ شکوہ بنی اس کے ہونٹوں پر آ گئی۔

"ارے وجاہت صاحب! میرے پاس وقت ہی کہاں ہوتا ہے ان فضولیات کے لئے۔"

"ہونہہ! فضولیات۔ ارے لیلیٰ بیگم! وہ وقت دور نہیں جب تمہارے پاس صرف میرے ہی لئے وقت ہوگا۔" وجاہت کی زہریلی سوچ کا زہر اس کی نس نس میں دوڑنے لگا تھا۔ لیلیٰ سے مختصر جواب دے کر

ماں کی طرف پلٹی۔

"ہاں مما! میں بتانا بھول گئی شہباز بزنس کے سلسلے میں ہالینڈ جا رہے ہیں کچھ عرصے کے لئے۔"

"اور آپ... وہ میرا مطلب ہے کہ آپ بھی جا رہی ہوں گی؟"

شہباز کے جانے کی خبر نے اندر خوش رنگ پھول کھلا دیئے تو خوشی بے ساختہ جملے میں ڈھلی وجاہت کے لبوں تک آ گئی۔ لیلیٰ نے چونک کر اسے دیکھا کہ فاطمہ بیگم نے بھی یہی پوچھا۔

"نہیں مما! ابھی تو مشکل ہے کہ ابھی وہ اکیلے جا رہے ہیں مجھے نہیں لے جا رہے۔"

"شکر ہے!" وجاہت نے دل ہی دل میں کہا۔

"چلو اچھی بات ہے تم جب تک میرے پاس رہنا۔ ارے... بیٹیاں شادی کے بعد پھر کتنا آتی ہیں مگر تم نے تو آنا ہی چھوڑ دیا۔"

"کم آن مما! میں ہر وقت یہیں تو رہتی ہوں میں تو سوچ رہی ہوں کہ شہباز کے بغیر..." لیلیٰ کے حسین چہرے پر اداس سی شام اتر آئی جو وجاہت کو تڑپا گئی۔ لیلیٰ کی یہ تمام کیفیات وہ صرف اپنے لئے پسند کرتا تھا شہباز کے لئے نہیں۔

"تو ابھی کہاں ہے شہباز؟"

"آئے ہیں مما! باہر لان میں پاپا کے ساتھ بیٹھے ہیں۔ میں بھلا ان کے بغیر آ سکتی ہوں۔ وہ آج ان کے ساتھ بزنس کے سلسلے میں خاص میٹنگ ہے اسی ڈنر پر جا رہے ہیں ہم دونوں۔"

دونوں ماں بیٹیاں باہر لان کی طرف بڑھیں تو وجاہت بھی ہمراہ ہو گیا۔

"السلام علیکم آنٹی!"

سیاہ ڈنر سوٹ شہباز پر بہت جچ رہا تھا۔ اس نے کھڑے ہو کر خوش دلی سے فاطمہ کو سلام کیا مگر وجاہت کو دیکھ کر سارا موڈ غارت ہو گیا تاہم اس سے ہاتھ ملانا اخلاقی مجبوری تھی۔

"آپ کب آئے وجاہت صاحب؟" شہباز نے کرسی کی طرف اشارہ کیا مگر وجاہت لیلیٰ کے برابر خالی کرسی پر بیٹھنا چاہ رہا تھا۔

"اوہ بیٹھئے! آپ تشریف رکھئے ہم اپنی جگہ آپ بنانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔"

"آپ کی مرضی ہے ورنہ میں تو میزبانی کے لحاظ سے کہہ رہا تھا۔"

شہباز اس کی نظر اور نیت کی خرابی سے بخوبی واقف تھا اس لئے وہ اسے کوئی موقع دینا نہیں چاہتا تھا جلدی سے لیلیٰ کے برابر بیٹھ گیا تو بھڑکتے ہوئے شعلوں نے اس کے تن بدن کو سلگا کر رکھ دیا۔ اس نے سگریٹ مٹھی میں مسل کر ایش ٹرے میں ڈال دیا۔ اس کی اندرونی حالت ان دونوں کو ایک ساتھ دیکھ کر ریت جیسے ناگ کی سی ہو رہی تھی جس میں زہر گردش میں ہو اور وہ بری طرح بل کھا رہا ہو۔ نجانے ان سب میں کیا باتیں ہو رہی تھیں، کیا پروگرام بن رہے تھے بظاہر ہونٹوں پر گہری سوچ میں ڈوبی مسکراہٹ لئے وہ اس ماحول کا حصہ ضرور ظاہر کر رہا تھا خود کو مگر اندر ہی اندر نجانے کیا کیا پلان تیار ہو رہے تھے۔

"آپ ہالینڈ کب جا رہے ہیں شہباز صاحب؟"

بے اثر ہونے پر حبیب بددل سے ہو کر دوبارہ بیڈ پر نیم دراز ہو گئے اور سائیڈ لیمپ آن کر کے کتاب پڑھنے لگے۔ شمسہ کو غصہ تو بہت آیا مگر یہ وقت غصہ دکھانے کا نہیں تھا وہ بڑے جز بز ہو کر اندر ہی اندر میں بڑبڑائیں اور ان کے پاؤں دبانے لگیں۔ چشمے کی اوٹ سے حبیب نے بیگم کو دیکھا بڑی دل توڑ قسم کی مسکراہٹ تھی۔

"پاؤں دبا رہی ہو یا دبا کر ڈالنا چاہتی ہو۔" حبیب سمجھ گئے تھے۔

"دیکھیں حبیب! ہم دونوں جب بیاہ کر آئی تھیں تو عارف چھوٹا سا تھا، ہم لوگوں نے تو بچوں کی طرح اسے پالا اور چاہا ہے تو اب ہمارا اس پر اتنا بھی حق نہیں کہ اس کے لئے اپنی زندگی کی لڑکی ہی بیاہ لائیں۔"

بیگم کی بات پر حبیب کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ آ گئی۔

"یہ عورتیں بھی کیا چیز ہوتی ہیں کہ اپنے مطلب کے لئے گرگٹ کی طرح رنگ بدل لیتی ہیں کتنی نا سمجھ، بے وقوف ہے کہ یہ بات کہتے ہوئے ذرا نہیں سوچ رہیں کہ میں جیسے جانتا نہیں ان کے ماضی کو۔"

"کیا سوچ رہے ہیں؟ کیا میں نے غلط بات کی ہے؟"

ان کو سوچ میں ڈوبا دیکھ کر اور اپنے بارے میں ان کی سوچ کو جانے بغیر شمسہ نے کہا تو وہ پھیکی سی ہنسی کے ساتھ اٹھ بیٹھے۔

"نہیں! بات تو آپ نے غلط نہیں کی لیکن یہ بات تو آپ مانیں گی ناں کہ جس کو واقعی پیار سے پالا ہو تو پالنے والے کی خواہش ہوتی ہے جس کو اس نے بچوں کی طرح پالا ہو وہ ہمیشہ خوش رہے مگر تم دونوں بیگمیں تو اس سے اس کی زندگی کی ذہنی خوشی ہی چھین لینا چاہتی ہو کیسی محبت ہے آخر [illegible] سے بے ناں عارف سے ہوتی تو اس کی پسند بغیر اعتراض کے خوشی [illegible]"

"حبیب! آپ کیسی باتیں کرتے ہیں؟ آپ... آپ نہیں جانتے عفت عارف کو کتنا چاہتی ہے اس نے ہمیں پہلے ہی کہہ دیا تھا۔"

"دیکھا! آ گیا ناں فرق۔ آپ لوگوں کو اپنی بہن کی محبت کا خیال ہے ناں تو ہمیں اپنے بھائی کی۔ ہم اس کی خوشی پامال نہیں کر سکتے۔ عارف اس گھر کا سب سے چھوٹا بچہ ہے اور سب نے ہمیشہ کوشش کی ہے کہ اس کی کوئی خوشی پامال نہ ہو اور یہ اس کی زندگی کی بہترین خوشی ہے اور گھر میں فیصلہ ہو چکا ہے کہ عارف کی شادی مائرہ سے ہو گی۔"

شوہر کے اس کورے جواب پر شمسہ کھول کر بل کھا کر رہ گئیں۔ وہ حیران سی شوہر کو دیکھ کر رہ گئیں۔ یہ وہ شخص بول رہا تھا جو اس کی محبت میں دیوانہ تھا اس کی زلف کا ایسا اسیر تھا کہ وہ اب تک اس پر اپنی مرضی چلاتی آئی تھیں آج بھائی کے معاملے میں وہ ہر قید سے آزاد ہو گیا تھا۔ حبیب کی طرح وہ بھی اپنے گھر میں بڑی تھیں اور والدین کی طرف سے ہر قسم کے فیصلے کے لئے آزاد۔ اس لئے وہ کوئی فیصلہ کر لیتیں اور شوہر کے مقابل آن کھڑی ہوئیں۔

"چلئے ٹھیک ہے آپ اپنے بھائی کی خواہش پوری کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں کیا مصیبت پڑی ہے، اپنے بھائی کی خوشی کو برباد کر کے آپ کی بہن کا گھر آباد کریں سرفراز بھی اپنی ایک کولیگ کو پسند کرتا ہے وہ تو اس نے ہماری وجہ سے ثمینہ کو قبول کر لیا ورنہ اس میں ہے کیا۔ اگر عارف اور عفت کی شادی نہیں ہو سکتی تو سرفراز اور ثمینہ کی شادی

بھی نہیں ہو سکتی ہے۔ سرفراز اور ثمینہ کا رشتہ بھی اب ختم ہی سمجھیں۔"

کم ظرفی کی پستی میں اتریں وہ انتہائی چھوٹے پن کا مظاہرہ کرتیں شوہر کی نظروں میں گرتی چلی گئیں۔

اس وار نے حبیب کے حوصلے کی فصیل میں دراڑ ڈال دی تھی۔ کچھ دیر کے لئے وہ گنگ سے ان کو دیکھتے رہے پھر گہرا سانس لے کر جس میں ہار اور شکست کا اقرار نمایاں تھا کھڑے ہو گئے۔

"تم تو اپنے قد سے بھی زیادہ چھوٹی ثابت ہوئی ہو۔ جانتی ہو تمہاری اس بات کے جواب میں میں کیا کر سکتا ہوں۔"

ایک طنزیہ سی مسکراہٹ کا پیش خیمہ وہ سوچ تھی جو سوچ کر اٹھے تھے۔

"لیکن نہیں شمسہ بیگم! میں اپنے قد کی درازی سے زیادہ اپنے ظرف اور کردار کی بلندی کو اہمیت دیتا ہوں ورنہ تمہاری ذہنی پستی، تمہاری گستاخی، تمہاری گھٹیا سوچ اس بات کی متقاضی تھی کہ منہ سے کچھ نکال دوں تو [illegible] ہوتے ہوئے [illegible] کی عدالت میں تم کھڑی ہو کر کیا جواب دو گی۔ لیکن میں یہ نہیں کروں گا نہ میری تربیت میں ہے، نہ سوچ میں، نہ [illegible] میں، رہی سرفراز کی بات تو وہ ثمینہ کو کتنا چاہتا ہے سب جانتے ہیں۔"

شمسہ کی بات پر حبیب [illegible] الجھ گئے تھے۔ انہوں نے بڑی مشکل سے خود پر قابو پایا تھا لیکن شمسہ ان کی بات اندر سے ہل کر رہ گئی تھیں مگر اب میدان چھوڑ کر بھاگنا بھی نہیں چاہتی تھیں۔ چہرے پر تناؤ ابھی بھی تھا۔

"ٹھیک ہے! سرفراز ثمینہ کو چاہتا ہو گا لیکن اس کا فیصلہ آپ کو بتا دے گا کہ وہ سب سے زیادہ اپنی ماں کو چاہتا ہے۔"

اور پھر [illegible] حبیب اور نجیب نے اپنی اپنی بیگمات کی باتوں میں آنے کی بجائے اپنے بھائی اور گھر والوں کا ساتھ دیتے ہوئے اپنی بیویوں کو سخت دھمکیاں دے دی تھیں۔ دونوں والدین کے گھر جا کر بیٹھ گئی تھیں۔ انہوں نے ثمینہ کے رشتے سے انکار کر دیا تھا۔ ایک تباہ کن آندھی چلی تھی جس نے سب کچھ تباہ کر کے رکھ دیا تھا۔ سب کے کردار جواب [illegible] کے پردے میں چھپے ہوئے تھے گھر میں ویرانی ہی ویرانی تھی، کونوں کھدروں میں چھپ کر روتی بہن بھائیوں کے روتے بچے ویران گھر عارف کو تڑپا گیا، وہ سسک پڑا۔

"نہیں بھابی! مجھے صرف اپنی خوشی کا دیا جلا کر اتنے دیے بجھانے پڑیں گے یہ مجھے معلوم نہیں تھا۔ نہیں چاہئے مجھے ایسی خوشی جس کی قیمت میری معصوم بہن بھائی اور معصوم بچے ادا کریں، اپنی ایک خوشی کا چراغ جلانے کے لئے مجھے اتنے دیے بجھانے پڑیں گے اس بات کا اندازہ نہیں تھا مجھے۔ ایسی اندھی روشنی میں تو میں تمام عمر اصل خوشی اور سکون کو تلاش کرتا رہوں گا۔ نہیں بھابی! میں مائرہ سے شادی نہیں کروں گا، میں عفت سے شادی کروں گا۔ عفت وہ روشنی ہے بھابی جو صرف شاید میرے ہی دل میں اجالا نہ کر سکے باقی سب کے گھر روشن کر دے گی۔ ثمینہ آپی کا نجیب اور حبیب بھائی کا سب کے گھر پھر سے روشن ہو جائیں گے اور یہی میری خوشی ہے۔"

آمنہ کے ہاتھ تھامے عارف شدت سے آخری بار اپنی محبت کے مرقد پر رو دیا تو آمنہ کو اس پر پیار آ گیا۔ اس کی باتیں نادانستہ طور پر ایک بار پھر اسے ندامت کی پستی میں دھکیل گئیں۔ وہ مرد تھا ہر قسم کا فیصلہ کر سکتا تھا لیکن

محبت کا تھا جن کی باتوں میں آ کر میں تمہاری بہن کو مار کرتا اور تم پر گندی نظر رکھتا لیکن اس روز موت کو قریب دیکھ کر میں نے سچے دل سے اللہ سے توبہ کی اور کاش تم یہ ڈنڈے بہت پہلے مار دیتیں تو مجھ سے سرزد نہ ہوتے۔ گناہ گار تو میں تمہارا ہوں، میں ہاتھ باندھ کر پاؤں پکڑ کر اپنی بہن سے معافی چاہتا ہوں معاف کر دو میری بہن! آج سے تم میری بہن ہو میں تمہارا بڑا بھائی ہوں اپنے بھائی کو معاف کر دو۔"

مجید اس کے آگے ہاتھ باندھے کھڑا رو رہا تھا۔ سچائی کے آنسوؤں میں اس کی نظر ... دھل رہی تھی۔ موی نے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

"بھائی! میں نے تمہیں معاف کیا میرا اللہ بھی تمہیں معاف کرے۔ میں اللہ کا شکر کس طرح ادا کروں کہ اس نے مجھے بھائی دیا ہے۔"

موی نسرین کے گلے لگی رو رہی تھی۔ فاطمہ نے ان سب کو دانستہ طور پر اکیلا چھوڑ دیا تھا تاکہ یہ شکایات دور کر سکیں۔

"اچھا بھئی! ہو گئیں شکایت دور، معافی تلافی۔ اب ذرا میری بات سنو۔ موی بیٹی ہے لیلیٰ کی طرح اس لیے میں نے اس کے لیے لڑکا دیکھ لیا ہے بہت اچھا ہے، خاندان شریف ہے، تم بھی دیکھ لو تو بات آگے بڑھائی جائے۔"

"کیسی باتیں کرتی ہیں بیگم صاحبہ! موی کو ماں آپ کی گود میں ڈال کر گئی تھی یہ آپ کی بیٹی ہے یقیناً اس کے لیے اچھا فیصلہ کیا ہوگا۔ ہمیں دیکھ بھال کرنے کی کیا ضرورت ہے آپ کو لڑکا پسند ہے تو بات کریں کیوں مجید!"

نسرین نے شوہر کو دیکھا تو اس نے تائیدی انداز میں سر ہلا دیا۔ موی اٹھ کر سیڑھیوں کی طرف بڑھی تا لیلیٰ کے کمرے میں جا سکے کہ اترتے ہوئے خرم سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ کچھ کہتی خاموش نگاہیں اٹھیں، موی ... لیے لیلیٰ کے کمرے میں آ گئی اور خرم کنگ لیے نیچے اتر گیا۔ وہ جانتا تھا ابھی وہ لڑکا جس سے موی کو ... کرنا ہے آنے والا ہے اور لٹنے کا یہ منظر اس سے دیکھا نہ جاتا کیونکہ ... دامن اور نظر بچا کر بھاگ جانا چاہتا تھا کہ ممّا نے ہاتھ پکڑ لیا۔

"کہاں جا رہے ہو خرم! ابھی اختر آنے والا ہے۔"

"تو میں کیا کروں ...؟"

اپنے رقیب کی آمد پر وہ اب پھولوں کے ہار لے کر تو استقبال کرنے سے رہا۔

"بیٹا...... اچھی بات ہے وہ موی کا ہونے والا میاں ہے۔"

"تو ہوا کرے ممّا... مائی فٹ! نہ موی کی کوئی حیثیت ہے میرے دل میں ورنہ ہی اس کی اور ... پلیز! اپنے گھر میں اس قسم کے تماشے میں قطعی برداشت نہیں کر سکتا ممّا! آپ کو اپنے بیٹے کا ذرا بھی خیال نہیں اس کے زخموں پر نمک ... ممّا! آپ جانتی ہیں یہ لڑکی موی مجھے قطعی پسند نہیں ہے، نفرت ہے مجھے اس سے آپ بار بار اس کا ذکر میرے سامنے کرتی ہیں، نکال باہر کریں اس کو، یہ قصہ اب جلدی ختم کر دیں ... میں کچھ کر بیٹھوں گا۔"

جذباتی طور پر اس وقت خرم بالکل آپے سے باہر ہو رہا تھا۔ کسی انساں کی متاعِ حیات لٹ رہی ہو، ڈوب رہی ہو اور وہ خاموش تماشائی کے علاوہ کچھ نہ کر سکتا ہو تو اس کی حالت یقیناً خرم جیسی ہی ہو سکتی تھی۔ ممّا تو حیرت سے اسے دیکھے گئیں ہر چند کہ موی کے بارے میں اس کے الفاظ انداز ان کو برا لگا مگر یہ سکون یا اطمینان اندر دور تک اتر جاتا کہ ان کا بیٹا اتنا مضبوط کردار رکھتا ہے کہ موی جیسی حسین اور نیک سیرت لڑکی بھی سے متاثر نہیں کر سکی ... اسی سکون کے ساتھ وہ موی کا دفاع کر جاتیں۔

"یہ کیسی باتیں کر رہے ہو بیٹا! موی نیک اور اچھی لڑکی ہے اور اس نے ہماری خدمت بھی بہت کی ہے۔"

"تو ... تو ممّا! اسے دے دیجئے اس کی خدمت اور شرافت کا ایسا انعام جس کا وہ حق رکھتی ہے یا ... میرا مطلب ہے ممّا..... آپ جائیں اور آپ کے یہ سوشل ورک میں جا رہا ہوں۔" ماں کو اپنے اصولوں سے مطمئن کر کے ... وہ باہر نکل گیا۔

اختر اور اس کے گھر والے آ گئے۔ موی کو خرم سمیت اس کے گھر والوں نے بہت پسند کیا اور فوراً ہی منگنی کی ڈیٹ رکھ دی۔ اختر اچھا لڑکا تھا، گھر والے بھی اچھے تھے، نہ بھی ہوتے تو موی نے اپنے نام کی طرح اپنے آپ کو موم بنا کر فاطمہ بیگم کے ہاتھوں میں دے دیا تھا۔ اپنی سوسائٹی میں فاطمہ کی یہ بہت بڑی جیت تھی کہ ایک اتنی خوبصورت لڑکی کو انہوں نے اپنے پاس اتنا عرصہ رکھا۔ کوئی فسانہ یا اسکینڈل وجود میں نہیں آیا تھا اور اس کو وہ ... آج انہوں نے ... کو انوائٹ کیا تھا۔ جنہوں نے بہت باتیں بنائی تھیں ... جائیں گی مگر آج سب کی باتیں جھوٹ ثابت ہو گئی تھیں۔ آج وہ فخر سے کھڑی تھیں اور سب ان کی جیت کو مان چکے تھے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ان کو جیت کا میڈل پہنانے والے دو دل ٹوٹ گئے ہیں۔

"بھئی! مان گئے فاطمہ! آپ کو ورنہ اتنی حسین لڑکی اتنا عرصہ رہی اور کوئی اسکینڈل نہیں ...؟"

مسز احسان کو حیرت ہو رہی تھی۔ ... جیسے ان کو یقین سا تھا کہ کوئی نہ کوئی چکر تو چلا ہی ہوگا فاطمہ نے چالاکی سے دبا لیا ہوگا۔

"... لڑکی بہت ہی اچھی اور نیک سیرت ہے ورنہ کچھ بھی ہو سکتا تھا۔" تقریباً سب ہی موی کی تعریف کر رہی تھیں اور موی کی اچھائی کی قائل ہونے کے باوجود فاطمہ بول پڑیں۔

"ارے بھئی! یہ سارا کمال میرے بیٹے کا ہے کہ کبھی نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھا لڑکی کو۔ جب بھی سامنا ہوا ڈانٹ ڈپٹ دیتا تھا۔ بہت مضبوط کردار کا مالک ہے میرا بیٹا۔" وہ اس وقت صرف اور صرف خرم کی ماں بن کر بول رہی تھیں لیکن موی کے بارے میں بھی ان کی رائے بہت اچھی تھی۔

"لیکن میں جانتی ہوں موی بھی بہت مضبوط کردار کی لڑکی ہے۔ میں اگر خوفزدہ تھی تو اس کے کردار کی خوب سیرتی سے اس کے حسن پر خوبصورتی سے نہیں کیونکہ میں اپنے بیٹے کو جانتی ہوں۔ میرا بیٹا صورت کی نہیں سیرت کی خوبصورتی کا قائل ہے۔"

"ممّا! اور اور دیکھئے تو موی کو کہہ رہی ہے تیار نہیں ہوگی یہ ٹھیک ہے۔"

وقار نے وجاہت کی طرف دیکھا۔ بے چینی جس کے چہرے سے عیاں تھی۔ لیلیٰ حیرت سے وقار کو دیکھ رہی تھی اس کی کوئی بات اسے سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

"پھر ؟ میرا مطلب ہے آپ کا کیا کہنا چاہ رہے ہیں..... ؟"

"بھئی ! اتنی سی بات ہے کہ ہیرو کا کردار کوئی اور مرد نہیں بلکہ وجاہت کرے گا۔"

"جی ؟ یہ" حیرت سے لیلیٰ کی چیخ نکل گئی۔

"یہ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں وقار صاحب...... میں اور ایکٹنگ ...؟ قطعی نہیں۔ مجھے نہ تو اداکاری کا شوق ہے اور نہ ہی صلاحیت ہے۔"

وجاہت نے بچنے کی اتنی بھرپور ایکٹنگ کی تاکہ لیلیٰ کو یہ گمان تک نہ گزرے کہ اس سارے ڈرامے کے پیچھے یہ ہے۔

"ارے وجاہت صاحب...... آپ کیا جانیں آپ کتنے بڑے ایکٹر ہیں۔ ہو سکتا تھا تو آپ کی ہیرو جیسی، رہی بات ایکٹنگ کی تو یہ ڈائریکٹر کا کام ہوتا ہے ایکٹنگ کروانا کیوں ؟ اب تو کوئی اعتراض نہیں ناں ؟"

"قطعی نہیں ! مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے ؟"

"میں لیلیٰ سے پوچھ رہا ہوں وجاہت میاں آپ سے نہیں۔ آپ کو بھلا کیا اعتراض ہوگا ؟ میں جانتا ہوں۔ کیوں لیلیٰ ؟"

وجاہت کو جواب دینے کے بعد وقار لیلیٰ کی طرف [illegible] اندرونی خلفشار کو دبا رہی تھی شاید۔

"ہوں ہاں ! نہیں وقار صاحب ! میں [illegible] اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا جواب دے۔ شوق تھا کہ کہہ دے ہاں کر دے مگر شہباز کی محبت، اس کی خفگی کا احساس۔ شوق جنون میں رسہ کشی ہو رہی تھی۔ زور کسی ایک طرف بڑھ جاتا، کبھی دوسری طرف اور اس کشمکش میں الجھا ہوا وجاہت اسے دیکھتا ہوا سوچ رہا تھا کس طرح سے اس کشمکش سے آزاد کرا دے۔

"ٹھیک ہے وقار صاحب...... میں سوچ کر بتاؤں گی۔"

اتنی دیر کشمکش کی موجودگی میں رہتے ہوئے وہ صرف اتنا ہی کہہ پائی تو وجاہت نے وقار کو دیکھا۔

"کیوں بھئی ! اب سوچنے کی کیا بات ہے ؟ صرف تمہارے شوہر کی وجہ سے میں نے کسی اور کو بک نہیں کیا۔ وجاہت صاحب کو تیار کر رہا ہوں تاکہ تمہارے شوہر اور گھر والوں کو اعتراض نہ ہو۔"

وقار کو وجاہت کی نظریں بار بار اصرار کرنے کو کہہ رہی تھیں۔

"جی ! آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں مگر" اب وہ وقار کو کیا بتاتی کہ شہباز کسی اور ہیرو کے ساتھ تو شاید پھر بھی اسے معاف کر دے مگر وجاہت کے ساتھ تو بات کرنا اسے گوارہ نہ تھا، کجا ایسے جذباتی سین۔

"چلو اگر تمہیں کسی سین ورڈ ائیلاگ پر اعتراض ہو تو ہم رائٹر سے کہہ کر تبدیل کرا لیتے ہیں۔ بس تم ہاں تو کہو۔"

"وقار صاحب ! آپ اتنا اصرار کا بوجھ مت ڈالئے لیلیٰ پر، اسے سوچنے کا موقع تو دیجئے یہ پہلے شوہر سے اجازت لے لے۔ ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے جب یک بات شوہر ہی کو گوارہ نہ ہو تو بیوی کی نہیں بھی بیا کیجئے کہ ناؤنس کر دیجئے پریس میں کہ لیلیٰ پھر ایکٹنگ کی طرف آ رہی ہیں اور ساتھ ہی اس نئی فلم ور انٹروڈ اس تو رف کرا دیجئے اور ناظرین کے شوق آتش کو کس طرح بھڑکانا ہے یہ آپ سے زیادہ کون جان سکتا جب تک لیلیٰ سوچ لے، شہباز سے اجازت لے لے۔ کیوں لیلیٰ....؟"

وجاہت نے انتہائی مکاری سے جال لیلیٰ پر پھینکا اور وہ معصوم یہ نہ سمجھ سکی کہ کر پریس میں یہ سب آ گیا، اس کے بعد وہ کام نہ بھی کرے تو فرق نہیں پڑتا۔ فی الحال تو وجاہت اسے اپنا قریبی دوست لگا جس نے اس کی مشکل آسان کر دی تھی۔

"کاش ! شہباز بھی وجاہت کی طرح اس کو سمجھتا، اس کے شوق کا احترام کرتا۔" وہ دکھ سے سوچ کر رہ گئی۔

"کیوں لیلیٰ... ! کیا خیال ہے میری تجویز کے بارے میں ؟ دیکھو میں نہیں چاہتا کہ تمہارا اور شہباز کا جھگڑا ہو۔ دیکھو ناں اگر میں تمہارا شوہر ہوتا اے کاش ! میرا مطلب ہے کوئی شوہر بھی شاید" وہ مکاری سے لیلیٰ کا دل اپنی طرف سے صاف کر چکا تھا، وہ سو فیصد اس سے متفق ہو گئی۔

"جی وقار صاحب ! وجاہت نے جو کہا ہے ویسا ہی کر لیجئے۔ میں ذرا سوچ سمجھ لوں اور پھر جب تک شہباز کو بھی بتا دوں گی۔"

"[illegible] آپ کرتے ہیں لیکن یہ یاد رکھنا یہی عمر ہے، یہی زندگی ہے شوق پورا کرنے کے لئے، تمہیں دوسری دفعہ یہ زندگی نہیں ملے گی۔ چلتا ہوں لو کے وجاہت صاحب ! لیلیٰ کو اسکرین پر دوبارہ لانا آپ کا کام ہے۔" وقار نے بڑے معنی خیز انداز میں وجاہت سے ہاتھ ملایا جس کے ہونٹوں پر گہری مسکراہٹ اور نظریں لیلیٰ کے حسین چہرے پر تھیں اور پھر وقار حتالی اس پروجیکٹ پر کام کرنے لگا سارا پیسہ وجاہت لگا رہا تھا اسی لئے ہر بات وجاہت اپنی منوا رہا تھا۔ لیلیٰ پر وقار کے ذریعے دباؤ ڈال رہا تھا۔

● ● ●

"میں کیا کروں پاپا... ؟ وہ لوگ بہت دباؤ ڈال رہے ہیں۔"

"اور تم ؟" پاپا نے ساری ذمہ داری اس پر ڈال دی۔

"آپ جانتے ہیں پاپا ! مجھے کتنا شوق ہے ایکٹنگ کا مگر شہباز کو یہ بالکل بھی پسند نہیں۔"

"تو بیٹی ! پھر تمہیں وہ کرنا چاہئے جو تمہارا شوہر چاہتا ہے کیونکہ شادی سے پہلے لڑکی کو اختیار ہوتا ہے والدین بھی مدد کرتے ہیں۔ مگر شادی کے بعد تو شوہر اور سسرال والوں کی بات زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔"

"پاپا آپ ! آپ شہباز سے بات تو کریں وہ آپ کی بات ہرگز نہیں ٹالیں گے۔"

لیلیٰ بچپن کی طرح پاپا کی باہوں میں جھول گئی تو وہ اسے ساتھ لگا کر تسلی آمیز انداز میں تھپتھپا کر آگے بڑھ گئے۔

"لیلیٰ ! میری بات سنو بیٹا ! تمہیں جو اداکاری کا شوق پھر سے چڑھ آیا ہے، ذرا بچے آپ کو دیکھو

"اپنی حالت کا سوچو تم کیا ٹنگ کرسکو گی؟"

"وہ مما! میں تو بھول ہی گئی تھی کہ"

حیا اور ممتا کی روشنی لیلیٰ کے اطراف میں پھیل گئی۔ چار ماہ قبل ہی تو ڈاکٹر سونا نے یہ خوشخبری سنائی تھی اور شہباز کتنا خوش ہوئے تھے۔ شہباز کی خوشی تو دیکھنے کے لائق تھی۔ وہ تمام رات انہوں نے لڑکے اور لڑکی کے بے شمار نام سوچ ڈالے تھے۔ جو خوشی شہباز اور لیلیٰ کی محبت کو مزید حسن دے گئی تھی وہ خبر بجلی بن کر وجاہت کے حواسوں پر گری تھی۔ اس کی محبوبہ کسی اور کے بچے کی ماں بن رہی تھی۔ قیامت خیز اطلاع ہی تو تھی اس کے لئے۔ اس کا جی چاہا کہیں سے جا کر شہباز کو شوٹ کر دے۔

رگوں میں کھولتے زہر نے اس کا حلق تک کڑوا کر دیا تھا۔ وہ بل کھاتا ہوا اٹھا اور لان میں جہاں لیلیٰ فاطمہ بیگم کے ساتھ بیٹھی ڈرائیور کا انتظار کر رہی تھی، چلا آیا۔

"خیریت۔۔۔؟" وہ کرسی کھسکا کر بیٹھ گیا۔

"خیریت ہی ہے بیٹا! وہ لیلیٰ کو چیک اپ کے لئے ڈاکٹر کے پاس جانا ہے اور ڈرائیور ابھی تک آیا نہیں۔"

"اچھا تو آپ لوگ ڈرائیور کے لئے فکرمند ہو رہے ہیں اگر مناسب سمجھیں تو میں ڈرائیور کا فریضہ ادا کرنے کے لئے تیار ہوں۔" اس نے اپنی خدمات پیش کیں۔

"آپ؟ نن نہیں" لیلیٰ کو اس کے ساتھ جا کر چیک اپ کرانا قطعی مناسب نہ لگا۔ وہ کہہ رہی تھی اس سے مگر فاطمہ بیگم جلدی سے بول پڑیں۔

"ہاں ہاں بیٹا! جاؤ اس میں حرج ہی کیا ہے! وجاہت کون سا غیر ہے"

"دکھ بھی تو ہے آنٹی! اگر انہوں نے مجھے کبھی اپنا سمجھا ہی نہیں۔"

وجاہت کے دل کی آہ شکوے میں ڈھل گئی جسے نہ بیٹی سمجھ سکی نہ ماں۔

"کیوں نہیں بیٹا۔۔۔! تم ہمارے اپنے ہو بیٹا! جاؤ چیک اپ کرا آؤ پھر تمہاری ڈاکٹر امریکہ چلی جائے گی پھر جانے کب آئے۔۔۔؟ اس نے خود فون کیا تھا۔"

بادل نخواستہ ماں کے اصرار پر وہ وجاہت کے ساتھ جانے پر تیار ہو گئی۔ وہ اس کے ہمراہ تھی، ہر قدم اس کے ساتھ اٹھ رہا تھا، دل میں بغاوت کا طوفان اٹھ رہا تھا، آندھیاں سی چل رہی تھیں۔۔۔ لیلیٰ کو شہباز سے چھین لینے کا ارادہ مضبوط تر ہوتا جا رہا تھا مگر نئی خبر نے ایک طرح سے توڑ ڈالا تھا مگر وہ بھی کشتیاں جلا کر آیا تھا حاصل کئے بغیر کیسے واپس جاتا۔ گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے روڈ سے زیادہ اس کی نظریں لیلیٰ پر تھیں جو تنہا بھی تھی دور اور قریب بھی تھی۔ دل طرح طرح کے بے ایمان مشورے بھی دے رہا تھا۔ وہ اس کے طلسم میں کھویا گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔

"ذرا دیکھو ادھر میرے ہمسفر
ہیں کہیں پہ وہ رہ گزر
جہاں ہو وطن ہو گا تیرا میرا

ہیں کہیں پہ وہ رہ گزر"

وہ اپنی ہی دھن میں سوچے جا رہا تھا۔ اس کی محویت تو موبائل بیل سے ٹوٹی۔ وہ چونکا

"ہیلو! ہائے شہباز! کہاں ہیں آپ؟ سچ آپ نے تو اداس کر دیا ہے مجھے۔ آپ اتنے مصروف ہیں کہ مجھے فون کرنے کی آپ کو فرصت نہیں! بس آپ جلدی سے آ جائیے آپ کے بغیر نہیں رہا جاتا مجھ سے۔ میں بہت اداس ہوں۔ جی چیک اپ کے لئے جا رہی ہوں۔ جی نہیں! خود نہیں چلا رہی گاڑی ڈرائیور! جی ڈرائیور گاڑی چلا رہا ہے۔"

لیلیٰ نے پلٹ کر وجاہت کو دیکھا جو اس حد تک کھول رہا تھا کہ کسی کو بھی بھسم کر سکتا تھا۔ اس کا ایک ایک لفظ محبت کا اظہار بیقراری کی داستان ہتھوڑے برسا رہا تھا۔ اس پر اوپر سے لیلیٰ کا اسے ڈرائیور کہنا، وہ چاہتا تھا اسے بتا دے کہ وہ وجاہت کے ساتھ جا رہی ہے۔

"او کے! ٹیک کیئر! اللہ حافظ!"

لیلیٰ نے موبائل آف کر کے بیگ میں رکھا اور وجاہت کو دیکھنے لگی۔

"تم نے شہباز کو کیوں نہیں بتایا کہ تم میرے ساتھ ڈاکٹر کے پاس جا رہی ہو؟" اس سادہ سی لیلیٰ کی بھی بات اسے زیادہ کھولا رہی تھی۔

"آپ کو میرا ڈرائیور کہنا برا لگا؟"

لیلیٰ کو خود بھی افسوس ہونے لگا کہ اس نے اسے ڈرائیور کیوں کہہ دیا

"برا نہیں لگا! ڈرائیور کہلانا کیوں برا لگے؟ اسی ڈرائیوری نے ہمیں تمہارا ہمسفر بنا دیا ہے ہم تو اس ڈرائیوری پر قربان ہو جائیں۔ لیلیٰ! ہم تمہیں چاہتے ہیں کہ"

"وجاہت! سامنے دیکھو" وجاہت لیلیٰ کی طرف مڑا ہوا تھا اسٹیئرنگ پر اس کا کنٹرول ختم ہو چکا تھا۔ لیلیٰ زور سے چلائی۔

"تم ساتھ ہو، قریب ہو تو میں سامنے کیوں دیکھوں۔۔۔؟ اچھا ہے ناں۔۔۔ نہ میں رہوں گا نہ تم رہو گی اور نہ شہباز کا بچہ رہے گا"

"وجاہت!" اور لیلیٰ کی خوفزدہ سی چیخ ایک بڑے دھماکے کی آواز میں دب کر رہ گئی۔ گاڑی کسی بڑی گاڑی سے ٹکرا چکی تھی۔

• • •

"نہیں ڈاکٹر! ہم زینت کے شوہر وجاہت کو ٹریس کرنے میں مکمل ناکام رہے ہیں۔ اس شخص کی بے حسی دیکھئے کہ اس نے پلٹ کر بچی ماں تک کی خبر نہیں لی جو شاید بیمار ہیں، اور اب تو وہ کوما میں چلی گئی ہیں۔"

شہلا تو وجاہت کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گئی۔ نجانے کہاں کہاں وہ خود گئی، فون کئے مگر کوئی سراغ نہ ملا تو مجبوراً اس نے ڈاکٹر روبینہ کو بتا دیا تو وہ سر تھام کر بیٹھ گئیں۔

"پھر اب کیا کیا جائے ڈاکٹر شہلا! جتنی دیر ہو گی اتنی ہی ماں بچے کے لئے خطرناک ہو گی۔ بتائیں اب کیا کیا جائے؟"

انسانی زندگی سے بڑھ کر کچھ نہیں ہوتا۔ ایک بے سہارا لڑکی کی مدد کرنا کم تو نہیں، ہم جب ڈاکٹر بنا کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ڈاکٹر بن کر دکھی انسانیت کی خدمت کریں گے اور جب دکھی انسانیت دکھوں سے کراہ رہی ہوتی ہے تو اسے ڈاکٹر کی ضرورت ہوتی ہے، اور ڈاکٹر ہی اس وقت نہ ہو تو پھر کیا فائدہ دن رات محنت کر کے ڈاکٹر بننے کا؟ کیوں بھائی!"

لمبی چوڑی بات کر کے شہلا نے تائیدی نظروں سے خلیل کو دیکھا جو دونوں کو درست سمجھ رہے تھے۔

"بالکل درست... بھئی رفعت بیگم، آپ کی بہن بالکل درست کہہ رہی ہیں۔"

"اچھا تو پھر میں ہی غلط کہہ رہی ہوں۔" رفعت بیگم کچھ خفا سی ہو گئیں۔

"ارے نہیں بھئی، آپ بھی درست کہہ رہی ہیں، یہی تو مصیبت ہوتی ہے ایک میرڈ آدمی کے لیے، بیوی کا ساتھ دے تو بہن خفا، بہن کا دو تو بیوی ناراض۔ یار بندہ کرے کیا؟ جبکہ تم دونوں ہی ٹھیک اور درست کہہ رہی ہو۔ اب تو دونوں خوش ہو؟" خلیل صاحب نے دونوں کو دیکھا تو دونوں ہنس پڑیں۔ شہلا اٹھ کر بھابی کے گلے جا لگی۔

"پیاری بھابی... بھابی نہیں تو میری ماں ہے۔ مجھ سا خوش نصیب کون ہو گا جس کو اللہ نے اتنے پیار سے چاہنے والے لوگ دیے ہیں۔ حاصل کر بھابی جان۔"

"اچھا! اب زیادہ مسکہ پالش کی ضرورت نہیں۔ اپنی شکل دیکھی ہے، رنگت کیسی ہو رہی ہے، آنکھوں کے گرد حلقے بن گئے ہیں، کل کو تمہاری شادی بھی ہونی ہے۔"

"کل کہیں بھابی جان... اپ سوں کرو جیسے شادی [illegible]"

شہلا لاڈ سے اس کی باتوں میں جھول کر بولی تو خلیل صاحب شہلا کا سر [illegible] پڑے۔

"واہ! کیا بات کی ہے میری بہن نے، مزہ آ گیا۔"

"آپ ہی لوگوں نے تو اسے دلیر کر دیا ہے۔ میں کہتی ہوں عورت ڈاکٹر، انجینئر، جج بن جائے یا کوئی توپ بن جائے مگر یہ معاشرہ اس کی ذاتی حیثیت سے نہیں مانتا جب تک وہ مکمل طور پر شادی شدہ ہو کر گھر نہ ہو۔"

بھابی حسب عادت بولنے پر آئیں تو بولتی چلی گئیں۔ خلیل صاحب نے شہلا کو آنکھ [illegible] دونوں بہن بھائی ان کو بولتا ہوا سن رہے تھے۔

■ ■ ■

"پیشنٹ اینیمک ہے ڈاکٹر شہلا، بہت کمی ہے رحمت میں خون کی۔ یہ دیکھیے۔" ڈاکٹر روبینہ نے رپورٹ شہلا کے سامنے رکھ دی تو وہ پریشان ہو گئی۔

"آپریشن سے قبل رحمت کے گروپ کا بلڈ ارینج کر کے رکھا جائے، تین زندگیوں کا سوال ہے۔ پہلے تو اپنے ہاسپٹل کے بلڈ بینک میں معلوم کیجیے، نہیں تو پھر کہیں سے بھی ارینج کر کے مجھے بتائیے، پلیز آپ جلدی کیجیے۔"

"یس ڈاکٹر، ابھی کچھ کرتی ہوں۔"

شہلا نے لیبارٹری جا کر ساری تفصیلات لیں پھر بلڈ بینک سے رابطہ کیا۔

"نو پرابلم ڈاکٹر صاحبہ! خون مل جائے گا۔ ہمارے پاس اسٹاک میں بھی ہے اور انتظام بھی ہے، آپ بالکل فکر نہ کریں۔"

"تھینک یو سعید صاحب!" وہ ریسیور رکھ کر رحمت کے کمرے میں آ گئی۔ وہ خالی خالی نظروں سے خلاؤں میں گھور رہی تھی۔ ماضی کی پرچھائیاں ابھی بھی اس کے چہرے پر تھیں۔ شدت گریہ سے آنکھیں اور چہرہ سرخ اور سوجا ہوا تھا۔ وہ جو موت کے دہانے پر تنہا کھڑی تھی کوئی بھی تو اپنا نہیں تھا۔ خون کا رشتہ نہ کوئی دوسرا رشتہ۔ جان دینے والا ظفر تھا نہ تمام کا شوہر وجاہت تھا۔

"آج... آج اگر تم بھی نہ ہوتیں تو شہلا... میں لاوارثوں کی طرح کونے میں پڑی دم توڑ چکی ہوتی۔" وہ شہلا کا ہاتھ آنکھوں سے لگا کر شدت سے رو پڑی۔

"دیکھو تم نے پھر وہی بات کی۔ انسانی رشتے تو بے اعتبار ہوتے ہیں، ہر انسان کا ہر مخلوق کا خالق وہ رب تو اللہ ہے، پھر تم نے کیسے سوچ لیا کہ رب کیوں کہا؟ میں نہ ہوتی، کوئی اور مہربان تمہارا خیال کر رہا ہوتا، اور اب یہ رونا دھونا بند کرو۔ یہ بتاؤ کیا نام سوچے ہیں تم نے اپنی بیٹیوں کے؟"

باتوں میں دھیان لگا کر وہ اس کا چیک اپ کر رہی تھی۔ اب نبض پر ہاتھ رکھے پوچھ رہی تھی۔

"نام؟ میں نے تو کوئی نام نہیں سوچا۔" رحمت نے خشک ہوتے لبوں پر زبان پھیری۔

"ارے واہ! اچھی ماں ہو۔ ابھی تک کوئی نام ہی نہیں سوچا؟ اچھا بتاؤ کیا نام رکھو گی؟" اب وہ بی پی چیک کر رہی تھی۔ وہ اس کی طبیعت کا اچھی طرح اندازہ ہو رہا تھا۔

"تم [illegible] بتاؤ [illegible]" رحمت نے درد سے تکلیف سے ہونٹ کاٹ لیے۔

"[illegible] چلو ایک نام میں رکھتی ہوں، ایک کا تم رکھو۔ وہ دونوں آ کر یہ شکایت نہ کریں کہ ماں اور خالہ نے نام [illegible] رکھے۔ چلو بتاؤ تم کیا نام رکھو گی؟"

گہرے گہرے سانس لیتی رحمت بہتر محسوس کر رہی تھی۔ شہلا خود بھی مسکرا دی۔ شہلا کو [illegible] خوف سا محسوس ہوا۔ وہ ڈاکٹر کو بلانے کا سوچ ہی رہی تھی کہ رحمت نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"وہ... وہ... مجھے [illegible] نام بہت پسند ہے شہلا! اور تم نے کیا نام سوچا ہے؟" رحمت کی بہت دھیمی ہوتی کمزور سی آواز نکلی تو شہلا نے اس کی سرد پیشانی چوم لی۔

"عنیزہ... دوسری بیٹی کا نام عنیزہ ہے، کیسا ہے؟"

"بہت... بہت پیارا نام ہے۔ شہلا! میں تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔" رحمت کی حالت خراب ہونے لگی۔ وہ کھینچ کھینچ کر سانس لینے لگی۔

"کہو رحمت... میں سن رہی ہوں جو تمہارے دل میں ہے کہو۔ میں شکر گزار ہوں کہ جس سے بات کرتے ہوئے تمہیں وجاہت کا خوف ہو نہ وجاہت ہوں کہ تمہاری بات کو اہمیت نہ دوں۔ تمہاری دوست ہوں، بہن ہوں جس سے تم اپنے دل کی بات کر سکتی ہو۔" شہلا اس کے قریب اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بیٹھ گئی۔

"شہلا! میں خود کو بہت... بہت... بدنصیب سمجھتی تھی مگر... میں تو بہت خوش نصیب ہوں شہلا!"

جاؤں گا ہے ناں۔"

وہ اسے سمجھانے، سنتوں پڑ لتا ہو جھکا۔ ہے ہاتھ سے اس کی تھوڑی اوپر کی تو وہ جھٹکے سے اٹھی۔

"نامکمل ۔"

● ● ●

"مما! شہباز کا کئی روز سے فون نہیں آیا۔ پتا نہیں کیا بات ہے؟ شہباز کچھ اکھڑے اکھڑے سے ہیں مجھے تو گھبراہٹ ہونے لگی ہے۔"

لیلیٰ بیچاری کیا جانے کہ شہباز بدگمانی کی دھند میں اتر چکا ہے۔ وہ بہت پریشان تھی۔

"تمہارا وہم ہے جان! ہم سے تو وہ بہت اچھے طریقے سے بات کرتا ہے۔ تمہیں یونہی وہم ہو رہا ہے ورنہ اس میں تمہارا قصور نہیں۔ ان دنوں ایسا ہوتا ہی ہے۔ بس اللہ کا ذکر کرتی رہا کرو انشاءاللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ بیکار کے وہموں کو دل میں جگہ نہ دو پہلے ہی اتنے بڑے حادثے سے گزری ہو۔"

"نہیں مما۔۔۔۔۔ یہ میرا وہم بے بنیاد نہیں اس کے پیچھے ایک کہانی ضرور ہے ورنہ کبھی بات نہیں ہوتی کہ میں موت کے منہ سے لوٹی ہوں اور شہباز آئے تک نہیں ہیں۔"

وہ سسک پڑی اور بچے نے ندیشے سے گھبرا کے فاطمہ بیگم نے ساتھ لگا لیا۔

"میری جان! تم جانتی تو ہو اس کا یہ کتنا امپورٹنٹ بزنس ٹور ہے۔"

"اس زندگی میں مجھ سے امپورٹنٹ اس کے لئے کچھ نہیں ہے مما! کچھ ضرور ہوا ہے۔ میرے خدا! کیا ہو گیا ہے شہباز کو؟ اتنے دور ہو گئے انہیں ... وہ تو ایک دن بھی ... نہیں رہ سکتے تھے۔" لیلیٰ بری طرح وہمی ہو رہی تھی۔

"لیلیٰ! بری بات۔ ایسا نہیں سوچتے۔ وہ بزی ہوگا، وقت نہیں ملا ہوگا تم کر دو ناں، اس میں پریشان ہونے والی کیا بات ہے؟"

"کر رہی ہوں وہ بار بار کاٹ دیتے ہیں۔ وہ ایسا کیوں کر رہے ہیں مما؟"

لیلیٰ ماں سے لپٹ بری طرح رونے لگی۔ مما بھی متفکر ہو کر آ گئیں اور خرم سے باتیں کرنے لگیں۔

"مما! وہ تو بچی ہے شہباز کے لئے پاگل ہے تو ایسا کر رہی ہے آپ تو سمجھدار ہیں آپ کچھ ایسا ویسا نہ سوچیں۔ وہ مصروف ہوگا اس لئے بات نہیں کر سکا۔"

خرم نے نہایت اطمینان سے ماں اور بہن کے وہم کو بے بنیاد قرار دے دیا۔

"نہیں بیٹا! کچھ ہے ضرور ورنہ شہباز لیلیٰ کے معاملے میں دیوانگی کی حد تک کیئرنگ ہے کوئی بات ہے ضرور وہ کسی نہ کسی بات پر ناراض لگتا ہے۔"

"ناراض؟" خرم سوچنے لگا تو اسے وہ وقت یاد آیا جب اس نے بتایا تھا کہ لیلیٰ وجاہت کے ساتھ جا رہی تھی کہ ایکسیڈنٹ ہوا ہے تبھی ایک دم شہباز کا لہجہ بھی بدل گیا تھا اور اس نے اچانک ہی لائن کاٹ دی تھی۔

"اگر واقعی وہ کسی بات پر ناراض ہے تو پھر یہ وہی بات ہے۔"

"کون سی؟ کون سی بات بیٹا! مجھے کچھ تو بتاؤ!" فاطمہ بیگم پریشان ہو گئیں۔

"مما! میری بات سنئے، آپ نے لیلیٰ کو وجاہت کے ساتھ چیک اپ کے لئے کیوں بھیجا تھا؟"

"بیٹا! اس روز اس کا چیک اپ ضروری تھا اور وجاہت ہی گھر پر تھا میں نے ہی اصرار کر کے لیلیٰ کو اس کے ساتھ بھیجا تھا وہ تو جانا نہیں چاہتی تھی۔ کیوں کیا؟"

"جی ہاں۔۔۔۔۔ شہباز نے اسی بات کو مائنڈ کیا ہے ورا سے کرنا بھی چاہئے۔ جب میں اپنی بیوی کے لئے یہ پسند نہیں کر سکتا تو میں شہباز کو غلط کیوں کہوں؟ وہ شخص انتہائی عیار مکار آدمی تھا، میں تو حیراں تھا کہ آپ اور پپا اس سے اتنا متاثر کیوں ہیں؟ کیوں اتنی توجہ دیتے رہے اس پر۔۔۔؟"

"بس بیٹا! تمہے کچھ ماضی کے پچھتاوے جن کا ہم ازالہ کرنا چاہتے تھے۔ خیر سے چھوڑو، ابھی نمبر ملاؤ شہباز کا، میں اس سے بات کرتی ہوں۔"

فاطمہ بیگم کو اس وقت کسی بات سے غرض نہیں تھی ان کو صرف لیلیٰ کے آنسو پریشان کر رہے تھے۔ خرم کتنی دیر سے شہباز کا نمبر ٹرائی کر رہا تھا مگر سگنل نہ ملنے کی وجہ سے فاطمہ بیگم کے دل میں خوف اور پچھتاوا اندھیری شام کی طرح اترنے لگا۔

"کہیں وہ واقعی ناراض تو نہیں... جب ہی فون اٹینڈ نہیں کر رہا۔"

"نہیں مما! اکثر تمام سگنل بالکل نہیں جا رہے ہوتے اس لئے بھی رابطہ نہیں ہو پاتا۔"

"خدا کرے یہ ہی ہو ورنہ میں خود کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔ میں اپنی بیٹی کو دکھی نہیں دیکھ سکتی۔ میں اس کی آنکھ میں ایک آنسو برداشت نہیں کر سکتی۔"

فاطمہ بیگم بہت گھبرائی ہوئی تھیں ان کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ان سے انجانے میں کیا خطا ہو گئی ہے۔ وہ لیلیٰ کے لئے اس قدر پریشان تھیں تب خرم کے دل میں اک ٹیس سی اٹھی۔ ورنہ تو اس کا بھی ٹوٹا تھا، طوفان سے تو وہ بھی گزرا تھا، آنکھوں میں سمندر تو اس کے بھی اترا تھا تب، تب مما کو کچھ نہیں ہوا تھا۔ وہ بے نام بے وجود سا شکوہ دل کے زخموں سے اٹھا اور دبے پاؤں گرد دل میں سما گیا۔

"کتنی خوش نصیب ہے میری بہن لیلیٰ کہ آپ نہ تو اسے دکھی دیکھ سکتی ہیں نہ ہی اس کی آنکھوں میں نمی دیکھ سکتی ہیں۔ شاید اس لئے کہ اس کے آنسو آپ کو نظر آتے ہیں اور اس کے درد سے آپ آشنا ہیں لیکن کتنے معتبر ہیں وہ آنسو جو اندر گرتے ہیں۔" غیر محسوس انداز میں خرم کا درد لفظوں میں ڈھلتا گیا مگر فاطمہ بیگم کچھ نہ سمجھتے ہوئے شہباز ہی کے بارے میں سوچ رہی تھیں۔

"یہ تم کیا فلسفے لے کر بیٹھ گئے ہو بیٹا! شہباز کا نمبر ملاؤ۔ میری بچی نے رو رو کر خود کو ہلکان کر لیا ہے۔"

مما کا یہ جملہ تیر کی طرح اس کے زخمی دل پر لگا تو اس نے شکوہ کناں نظر ان پر ڈالی اور نمبر ملانے لگا۔

"ہیلو! ہاں شہباز! کہاں ہو یار! کوئی خیر خبر نہیں۔"

"یااللہ۔۔۔۔۔ تیرا شکر ہے نمبر ملا۔ لاؤ میری بات کراؤ۔"

نمبر ملنے پر فاطمہ نے ہاتھ اٹھا کر خدا کا شکر ادا کیا اور بیقراری سے خرم سے ریسیور لیا۔

"ہاں! ہیلو شہباز بیٹا! یہ بتاؤ تم کہاں ہو اتنے دنوں سے۔۔۔۔۔؟ تم نے کوئی فون نہیں کیا، تمہیں معلوم ہے کہ لیلیٰ کی حالت ٹھیک نہیں، پہلے ہی وہ اتنے بڑے حادثے سے گزری ہے اور تمہاری کوئی خیر خبر

"تم سے آپ کا سفر کٹھن سہی لیکن مسز اختر کے ساتھ تو آپ کو ہی ہونا چاہئے تھا۔ خیر لیلیٰ کیسی ہے؟"
ڈول جانے والے لہجے کو ہمتوں کے راستے پر لاتی ہوئی لیلیٰ کا پوچھ رہی تھی۔

"کتنی خوش نصیب ہے لیلیٰ۔ سب کو اس کی پرواہ ہے سب کو اس کے دکھ، اس کے آنسو نظر آتے ہیں، اس کے علاوہ بھی تو دکھی اور مجروح لوگ ہیں.....؟"

"ارے موسیٰ! تم کب آئیں؟" خرم کی بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ فاطمہ آ گئیں۔ موسیٰ تیزی سے ان کی طرف بڑھی۔

"السلام علیکم آنٹی... لیلیٰ کیسی ہے اب؟" وہ ان کے گلے لگ گئی۔ اس نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ وہ بعد میں ان کو ممی نہیں بیٹی سمجھیں گی اور آنٹی کہنے کا حق دیں گی۔

"وعلیکم السلام! جیتی رہو۔ ورنہ لیلیٰ کا تمہیں اب خیال آیا ہے؟ اتنی طبیعت خراب ہو گئی تھی اس کی۔" اسے دیکھ کر فاطمہ بیگم واقعی بہت خوش ہوئی تھیں۔ موسیٰ سے ان کو محبت تھی مگر وہ اس محبت کو کوئی رنگ دینا نہیں چاہتی تھیں۔

"جی بس شادی کے بعد تو آپ کو پتہ ہے ناں کہ" موسیٰ خرم کی وجہ سے جز بز ہو رہی تھی

"کیوں؟ خیریت تو ہے ناں، سسرال والے اچھے تو ہیں؟ ویسے تمہاری ساس اور نندیں خاصی تیز ہیں۔ تمہیں تنگ تو نہیں کرتیں؟ اگر ایسا کچھ ہے تو بتاؤ۔ ارے تم دور نہیں ہو، تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں، ہم ہیں ناں تمہارے اپنے۔"

فاطمہ بیگم بالکل ماؤں کی طرح بات کر رہی تھیں۔ ان کی [illegible] ساتھ تر رو ہو گئی۔

"جی بہت اچھے ہیں ایسا کوئی مسئلہ نہیں۔" موسیٰ بڑی آہستگی سے چپکے سے اپنے سسرال والوں کے روایتی پن کو چھپا گئی، جھکی پلکوں کی دستک میں جو کہانی تھی وہ خرم [illegible] پڑھ سکا۔ اب موسیٰ کیا بتاتی کہ سوائے اختر کے سب ہی روایتی پن کا شکار تھے۔ ساس اور نندیں تو بیچ [illegible] جرم کا بدلہ لے رہی تھیں مگر اس کو خدا نے اتنا حوصلہ اور صبر دے رکھا تھا کہ وہ چپ چاپ سب دل میں اتارتی چلی جاتی۔

"اچھا! اگر ایسی کوئی بات ہو تو مجھے ضرور بتانا۔ میں ان کو سیدھا کر کے رکھ دوں گی۔ ارے تم جیسی لڑکیاں تو مقدر والوں کو ملتی ہیں۔"

"بالکل درست کہا ماما! آپ نے۔ ایسی لڑکیاں تو واقعی مقدر والوں کو ملتی ہیں ہم جیسوں کو تھوڑی ملیں گی۔"

موسیٰ کے انتہائی قریب سے گزرتے ہوئے خرم کے دل کی تڑپ، سرگوشی میں ڈھلی موسیٰ کی سماعتوں میں اتر گئی۔ وہ آگے بڑھ گیا تو موسیٰ کن انکھیوں سے دور تک اسے دیکھتی رہی۔ کتنا قریب، کتنا عزیز اور کتنا دور تھا یہ شخص۔

"لیلیٰ اپنے کمرے ہو گی آنٹی؟"

"ہاں ہاں! تم چلو میں ابھی بھجواتی ہوں اور سنو رات کھانا کھا کر جانا۔ اختر کب آئے گا؟"

[illegible] اس سے ایسے ہی برتاؤ کر رہی تھیں جیسے اس کی اپنی بیٹی شادی کے بعد میکے آئی ہو۔

"کھانے کا تکلف نہ کریں آنٹی! اختر تو ایک آدھ گھنٹے میں آ جائیں گے لینے کے لئے۔"

"اچھا چلو تم لیلیٰ کے پاس چلو میں دیکھوں گی اختر کو۔ ارے بھئی ہماری بیٹی ہے ہم اپنی مرضی کریں گے۔"

فاطمہ بیگم کی محبتوں میں ایک عجیب طرح کی چبھن محسوس ہوتی تھی۔ موسیٰ کو کہ انجانا سا شکوہ دل سے اٹھتا اور دل ہی میں کہیں گم ہو جاتا۔

موسیٰ کو دیکھ کر لیلیٰ بہت خوش ہوئی تھی اس کے گلے لگ کر وہ شدتوں سے رو دی تو موسیٰ نے بڑی بہنوں کی طرح اس کے آنسو اپنے آنچل میں جذب کر لئے۔

"[illegible] یہ وجاہت اچھے آدمی نہیں ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ شہباز بھائی کی غلط فہمی دور ہو گئی ورنہ کتنی [illegible] ہو جاتی۔ تمہیں [illegible] جھوٹ نہیں بولنا چاہئے تھا۔"

"اسی جھوٹ کی تو انہوں نے سزا دی ہے اتنے دنوں تک بات نہ کر کے۔ آج ممانے ان کی غلط فہمی دور کی تو انہوں نے بات کی ہے۔"

"شوہر کا اعتماد کانچ کی طرح ہوتا ہے لیلیٰ! اور اس کانچ کو ٹوٹنے سے بچانے کے لئے بیوی ہی کو قربانیاں دینی پڑتی ہیں اور اپنا گھر اپنا شوہر بہت بڑی نعمت ہے اس کی قدر کرو، اس دولت کو سنبھال کر رکھو۔"

موسیٰ [illegible] دونوں ہاتھوں کے پیالے میں اپنا چہرہ ٹکائے وہ اسے دیکھے [illegible] آنکھوں کے کنارے سے بھگو گیا۔

"موسیٰ! تمہیں بھائی نے سب کچھ بتا دیا ہے۔ کاش.....! کاش آج تم مسز اختر کی بجائے مسز خرم ہوتیں، میری پیاری سی بھابی، تب کتنا مزا آتا۔"

لیلیٰ اپنی محبت میں بولے گئی تو موسیٰ نے بڑی مشکل سے خود کو سنبھالا۔

"پلیز لیلیٰ! دوست ہو تو زخموں پر نمک پاشی نہ کرو۔ بڑی مشکل سے سمیٹا ہے خود کو اور پھر شاید تم درد شناس نہیں ہو اس لئے نہیں سمجھ پاتیں کہ زخموں کے راستوں کی منزل درد میں ڈوبی نارسائی ہوتی ہے اور نارسائی کے [illegible] بار گشت پلٹ آتی ہے تو بہت اذیت ناک ہوتی ہے اس لئے پلیز.....!" موسیٰ سسک پڑی، کہاں تک ضبط کرتی۔ وہ لیلیٰ کے ساتھ لگ کر شدت سے رو پڑی تو ان دونوں کا دکھ محسوس کر کے وہ بھی روتی رہی۔

"کاش! تم اس گھر میں رہ جاتیں موسیٰ" اس کی بات پر موسیٰ نے سختی سے چہرہ رگڑ ڈالا۔

"اس گھر میں میرے لئے جگہ ہی کہاں تھی لیلیٰ—" ایک ہلکا سا طنز تھا اس کے دھیمے لہجے میں۔

"تم گھر کی بات کرتی ہو موسیٰ! تم تو اس گھر کے لوگوں کے دلوں میں رہتی ہو۔"

"تو پھر لیلیٰ! تم خود بتاؤ جس کا مسکن دلوں میں ہو اسے گھر میں جگہ ملنے کا صدمہ کیوں ہو اس لئے کہ گھر میں جگہ بنانا بہت آسان ہوتا ہے مگر دلوں میں جگہ بنانا بہت مشکل ہوتا آج جبکہ میں اس گھر کے لوگوں کے دلوں میں رہتی ہوں اگر خود غرض بن جاتی تو شاید گھر میں جگہ بنا لیتی مگر شاید دلوں جیسی سلطنت گنوا بیٹھتی۔ دلوں میں اتنی

"ہاں ہاں! آنسوؤں سے بہہ بہہ کر دکھاؤ، بہن بہنوئی کو بتاؤ کہ سسرالی کتنے ظالم ہیں۔" اماں … ہونے کی بجائے مزید بھڑک گئیں تو مجید نے بڑھ کر موی کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"اسے بتانے کی ضرورت نہیں خالہ اماں...! سب کچھ آنکھوں سے دیکھ لیا ہے ہم نے۔ اختر میاں! یہ سب کیا ہے...؟"

"آیئے مجید بھائی! ہم باہر چل کر بیٹھتے ہیں۔" اختر پہلے ہی بہت پریشان تھا دوسرا اب تو … ہاتھوں پکڑے جانے پر وہ نظریں نہیں اٹھا پا رہا تھا۔ پھر کچھ دیر بیٹھ کر دل میں ڈھیروں درد لیے مجید اور نسرین … گئے۔

"میں تم سے بے حد شرمندہ ہوں موی!" رات کمرے میں آتے ہوئے اختر کو شرمندگی ہو رہی تھی۔

"آپ شرمندہ کیوں ہوتے ہیں؟ آپ کو پتہ ہے میں اماں کے رویے پر روئی ہوں … مطالبے کا دکھ ہوا ہے۔ دکھ مجھے صرف اس بات کا ہے کہ میری زندگی میں خوشیاں اتنی کم … لکھوا کر کیوں … ہیں؟ میں ابھی ان کو محسوس بھی نہیں کر پاتی کہ ختم ہو جاتی ہیں۔"

وہ اختر کے ساتھ لگی سارے دکھ رو دے گی۔ کتنے دکھ دیکھے تھے اس نے، کتنی محرومیاں برداشت کی تھیں اس نے۔ خرم کی محبت زندگی کی سب سے بڑی تمنا تھی جسے کھو دینے کا احساس روگ جان بن گیا تھا پھر خود … شوہر چھوڑ … دیا تو ساس نندوں نے اجیرن کر دی۔ وہ … گئی۔

"مجھے کچھ نہیں چاہئے اختر... ایسا سامان، زیور … مجھے کوئی اعتراض نہیں … مجھے یقین ہے کہ جس … سے یہ سب دیا ہے اس کو بھی اعتراض … دے دیں۔"

"تم موی! اتم..." اختر یہ سمجھا کہ شاید وہ ناراضی میں … کہہ رہی ہے۔

"نہیں! خدا کی قسم اختر! میں نہ تو دکھی ہوں نہ خفا ہوں، میں خلوص دل سے کہہ رہی ہوں۔ ہاں مجھے دکھ ہے تو اس بات کا کہ اماں جس طرح شبنا کی ماں بن کر کہہ رہی ہیں اسی طرح ماں بن کر مجھ سے کہتیں، بھلا میں ان کا کہنا ٹالتی؟ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بس ماں کا طریقہ کار غلط ہے۔ مجھے کسی زیور، کسی سامان کی ضرورت نہیں اختر! میرا زیور آپ ہیں، آپ کی محبت، آپ کی توجہ اور آپ کا اعتماد جو ہر شریف بیوی کی … ہوتی ہے مجھے حاصل ہے تو مجھے کسی اور چیز کی کوئی ضرورت نہیں۔"

موی کی محبت اور خلوص نے اختر کو مزید شرمندہ کر دیا۔

"موی! میری نظریں تمہارے سامنے نہیں اٹھ رہیں، میں بہت شرمندہ ہوں۔"

"آپ شرمندہ ہو کر مجھے میری نظروں میں گرا رہے ہیں اختر! آپ اماں سے اپنی گستاخی کی معافی ضرور مانگیں، وہ ماں ہیں، ٹھیک ہے ان کا انداز نامناسب ہے مگر ماں ہیں۔ اور دنیا کی … ایک ماں کی تکلیف کی قیمت ادا نہیں کر سکتی۔ اگر بیٹی کی محبت میں انہوں نے ایسا کہہ دیا تو ہمیں برا نہیں ماننا چاہئے۔ بس افسوس ہے کہ آپا اور مجید بھائی نے سب کچھ خود دیکھ لیا ہے لیکن خیر وہ میرے بہن بھائی ہیں آپ ان کی بھی فکر نہ کریں۔"

اختر پہلے ہی موی کو ٹوٹ کر چاہتا تھا اور اب تو وہ اس کی عزت کرنے لگا تھا۔

• • •

نسرین اور مجید کے ذریعے موی کے وہ حالات جو وہ ہر بار فاطمہ سے چھپا جاتی ان تک پہنچ چکے تھے اور وہ اس پر بہت خفا ہو رہی تھیں۔

"تمہارے ساتھ اتنا کچھ ہوتا رہا اور تم نے مجھے ہوا تک نہیں لگنے دی؟ آخر غیر ہی سمجھا ناں...؟ اگر تمہاری سگی ماں ہوتی تو کیا تم اسے کچھ نہ بتاتیں؟" فاطمہ بیگم کے لہجے میں دکھ بھی تھا اور شکوہ بھی۔

"نہیں آنٹی! ایسی بات نہیں، دراصل میں شرمندہ تھی لیکن آنٹی! وہ سب مجھے ماں کی خواہش، شبنا کی خوشی اور گھر کے سکون کے لئے کرنا پڑا۔ آپ خفا تو نہیں کہ آپ کا دیا ہوا…"

موی … شرمندہ ہو رہی تھی کہ انہوں نے جس محبت سے اسے وہ سب دیا تھا اس نے شبنا کو دے دیا تھا۔

"نہیں بیٹا! اس میں شرمندہ ہونے کی کیا بات ہے؟ جن لڑکیوں نے گھر آباد کرنے ہوتے ہیں وہ ایسی ہی قربانیاں دیا کرتی ہیں۔ وہ سب تمہارا تھا تم نے اپنی نند کو دے دیا تو بھلا مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ وہ گھر بہت خوش نصیب ہے جہاں تم گئی ہو۔" فاطمہ بیگم بات کرتے کرتے اٹھ کر فون ریسیو کرنے چلی گئیں تو خرم جو ہر وقت موی کی راہ ہی تکا کرتا تھا اور جب وہ نظر آ جاتی تو آن حاضر ہوتا اس وقت بھی وہ موی کی خوشبو کے … "اور..." اور پھر کچھ اور نہ کہہ سکا اسی وقت بات کر کے فاطمہ بیگم آ گئیں تو وہ جھٹکے سے وہاں سے نکل گیا جیسے وہ اس کی زندگی سے نکل گئی تھی۔ موی کی سماعتوں میں اس کے جملے کی بازگشت باقی تھی اور نظر باہر نکلتے خرم کی پشت پر تھی۔

"وہ شہباز بھائی آ گئے؟"

"ہاں بیٹا! آ گیا ہے۔ اب خیر سے کچھ دنوں میں بیلی بھی ہاسپٹل جانے والی ہے۔ تمہیں خود لینے آؤں گی یہاں رہنے کے لئے، بہت ضرورت ہوگی تمہاری۔ تمہاری ساس ہنگامہ تو نہیں کرے گی؟"

وہ ان سے پوچھ رہی تھیں جواباً ایک تلخ سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر آ گئی شہباز اور بیلی سے مل کر اختر کے آتے ہی وہ چلی گئی۔ وہ مزید کسی ہنگامے کو جنم نہیں دینا چاہتی تھی۔ شہباز آ گیا تھا۔ بیلی بہت خوش تھی۔

"شہباز! آپ نے تو مجھے خوفزدہ ہی کر کے رکھ دیا تھا۔ سچ میں آپ کے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔"

"تو جیسے میں تو کر سکتا ہوں بیلی! تم واقعی معصوم ہو اسی لئے کہتا ہوں لوگوں کی عیاریوں، مکاریوں کو نہیں سمجھتی ہو تم۔ اگر اس وقت مجھے بتا دیتیں کہ تم مجبوراً وجاہت کے ساتھ جا رہی ہو تو شاید یہ غلط فہمی پیدا نہ ہوتی اور اگر آنٹی فون پر غلط فہمی دور نہ کرتیں تو شاید میں اپنے ولی عہد کو ویلکم کرنے بھی نہ آتا۔"

"اچھا جی! اتنا غصہ تھا آپ کو؟ چلئے آئندہ کبھی آپ کو مجھ سے شکایت نہیں ہوگی اور ویسے بھی آپ کی ناراضگی میرے ساتھ تھی اپنے بچے کے ساتھ نہیں تھی۔"

وہ مگر وہ سالڑکا جیسے پر ہاتھ رکھے جذباتی انداز میں بول رہا تھا۔ وہ سب لوگ باتیں کر رہے تھے۔ بڑی سی اس بک شاپ پر کافی لوگ تھے، ہر کوئی اپنی پسند اور ضرورت کی چیز خرید رہا تھا مگر اس کے قریب کھڑے لڑکے جو باتیں کر رہے تھے شہباز کو لگ رہا تھا سب لیلیٰ ہی کے بارے میں اسے سنانے کے لئے، چڑانے کے لئے کی باتیں کر رہے ہیں مگر اس میں اتنی سکت کہاں تھی کہ وہ پلٹ کر ان کے منہ توڑ دیتا حالانکہ دل تو چاہ رہا تھا سب کچھ تباہ کر دے تہہ وبالا کر دے مگر وہ تو جیسے سن ہو گیا تھا۔ اس کے قدم گڑھ گئے تھے۔

خنکی کے باوجود اسے ٹھنڈے پسینے آ رہے تھے کہ اس کی شرٹ بھیگ گئی تھی، اس کی پتھرائی آنکھیں تو لیلیٰ اور وجاہت کی خوبصورت تصویر پر جمی تھیں۔ دونوں ہی بہت خوبصورت لگ رہے تھے۔ لگتا تھا بہت خوبصورت ماحول میں اتاری ہے یہ تصویر۔ لیلیٰ وجاہت کو دیکھ رہی ہے اور وجاہت کی گہری نظریں اس پر جمی تھیں جن میں لیلیٰ کے لئے محبت کا سمندر تھا، جس میں شہباز کے خواب اس کی زندگی، اس کے ارمان، اس کی [illegible] ڈوب گیا تھا۔ وہ تو ساکت وجامد بے حس وحرکت کھڑا تھا۔ اطراف میں کتنا شور تھا مگر شہباز کو کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ اس کے اندر کا شور ہی اتنا تھا کہ اسے باہر کے ہنگاموں کی آہٹ بھی سنائی نہیں دے رہی تھی۔

”سر! آپ کو کیا چاہئے؟“ سیلز بوائے اس کی طرف آیا تو وہ خالی خالی ویران آنکھوں سے دیکھنے لگا۔

”مجھے! کیا چاہئے؟ کچھ بھی تو نہیں، کبھی کبھی بن چاہے ہی وہ مل جاتا ہے جو نہ چاہا ہو تو پھر اس کے بعد طلب کا سمندر خشک ہو جاتا ہے، دامن سست کر [illegible]“

”سر! آپ کیا لیں گے؟“ لڑکے کی آواز [illegible] کر ونا تو لڑکا اپنا سوال دہرا رہا تھا۔

”کچھ نہیں چاہئے بیٹا۔۔ اے یہ رسالہ کتنے کا ہے؟“

اس نے دردکی ٹیسوں کو سینے میں دباتے ہوئے رسالے کی قیمت پوچھی تو لڑکا چہک کر بولا۔

”سر... صرف پچاس روپے۔“

”میں تو تمہیں انمول سمجھتا تھا لیلیٰ! تم تو بہت بے وقعت نکلیں۔ تمہاری یہ مسکراہٹ تو انمول تھی، تمہارا یہ حسین چہرہ تو انمول تھا۔ لیلیٰ۔۔! تم نے اپنی قیمت کیوں گرا دی؟ لیکن نہیں تم تو شاید [illegible] تھیں میری محبت نے تمہیں انمول بنا دیا تھا۔ لیکن نہیں..... شاید میری محبت اور میں ہی اتنا بے وقعت ہوں کہ میری محبت میری زندگی کی قیمت پچاس روپے ہے، صرف پچاس روپے۔“ وہ سوچ کے جنگل میں بھٹک رہا تھا۔

”سر! کتنے پیک کر دوں؟“ لڑکا چالاک تھا اس نے نوٹ کر لیا کہ وہ بغور لیلیٰ کو دیکھے جا رہا ہے۔ رئیس آدمی ہے تو کیوں نہ فائدہ اٹھایا جائے۔

”ہوں! کتنے پرچے ہیں تمہارے پاس؟“ شہباز کو اپنی ہی آواز غیر مانوس سی لگی۔

”سر! چند ہی بچے ہیں، ادا کارہ لیلیٰ کی وجہ سے تو اس بار ہمارا یہ پرچہ بہت بکا ہے۔“

لڑکا خوش ہو کر بتا رہا تھا۔ اب اسے کیا خبر کہ یہ بات پوچھنے والا لیلیٰ کا کیا لگتا ہے۔ لیلیٰ کی اس کی زندگی میں اور اس کی لیلیٰ کی زندگی میں کیا حیثیت ہے۔

”میری زندگی، میری خوشیوں کی قیمت صرف پچاس روپے...؟ جتنے بچ گئے ہیں گاڑی میں ڈال دو، اب تو نہ جنوں رہا نہ پری رہی۔“ وہ اپنی زندگی کا لمحوں میں بکھر جانے والا شیرازہ سمیٹتا ہوا ڈھیروں کے ساتھ گاڑی میں آ کر ڈھیر ہو گیا اور پھر نجانے وہ کس طرح گھر پہنچا۔ وہ لیلیٰ کے گھر جانے کی بجائے گھر آ گیا اور بستر پر ڈھیر ہو گیا۔

”یہ یہ تم نے کیا کیا لیلیٰ! تم نے کیوں کیا؟ تم نے یہ ثابت کر دیا کہ تمہیں تمہارا شوق مجھ سے زیادہ عزیز ہے۔ میری عدم موجودگی میں تم یہ یہ سب کرتی رہیں... لیلیٰ کیوں کیا تم نے یہ سب؟“ وہ تکیے میں سر دے کر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔

● ● ●

”اختر! ایسے کیا دیکھ رہے ہیں مجھے؟“ موی بیڈ پر ٹانگیں لٹکائے بیٹھی تھی۔ اختر اس کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر ایک ٹک اسے دیکھتا ہوا اپنی ہی قسمت پر رشک کر رہا تھا۔ موی جھینپ سی گئی۔

”دیکھ بھی رہا ہوں، سوچ بھی رہا ہوں اور یاد بھی کر رہا ہوں کہ نجانے کب کہاں کون سی ایسی نیکی کر دی ہے جس کا انعام خدا نے تمہاری صورت میں دیا ہے لیکن نہیں، میں بھلا اس قابل کہاں کہ کوئی نیکی کروں۔ بس اللہ نے خود ہی تمہیں مجھے دیا ہے۔ یار موی... پتہ ہے میرا کیا دل چاہتا ہے؟“

آج اختر بہت خوش تھا کیونکہ اس کے گھر میں داخل ہوتے اماں کی پڑوسن سے گفتگو سن لی تھی۔ وہ موی کی بہت تعریف کر رہی تھیں ہر چیز کو وہ [illegible] کہ موی نے یہ تحریف اپنے جہیز کا سامان دے کر خریدی تھی۔ [illegible]

”آپ کا جو بھی دل چاہتا ہے میں [illegible] ہوں مگر یہاں مت بیٹھئے یہاں بیٹھیں۔“

موی نے اس کا ہاتھ کھینچ کر اپنے برابر بٹھا لیا۔ معمولی سی شکل وصورت اور مناسب قد کاٹھ رکھنے والا اختر بھلا حرم کے مقابل کہاں ٹک سکتا تھا مگر وہ اختر کو بحیثیت شوہر اتنی ہی عزت اور توجہ دیتی تھی جس کا وہ حقدار تھا۔

”جی! تو اب بتائیے آپ کا دل کیا چاہتا ہے...؟“ اسے برابر بٹھا کر وہ پوری توجہ سے مڑی۔

”میرا دل موی جی! میرا دل چاہتا ہے میں تمہیں اپنے دل میں بٹھا لوں، اپنی آنکھوں میں چھپا لوں اور ایسی جگہ لے جاؤں جہاں صرف تم ہو اور میں ہوں، صرف میں ہی تمہیں دیکھوں اور اور...“ اختر تو آج بچوں اور سا ہی لگ رہا تھا۔

”لگتا ہے آپ نے اپنے دوست عاشق صاحب کی محبت میں زیادہ ہی بیٹھنا شروع کر دیا ہے ورنہ کل تک تو آپ بالکل ٹھیک تھے۔ بس آج کے بعد آپ عاشق صاحب کے پاس زیادہ نہیں بیٹھیں گے۔ موصوف نے جیسا نام پایا ہے ویسا ہی مزاج بھی پایا ہے، عاشقانہ۔ اور تو اور دور کے علاقوں کو بھی غم عاشقی سے سیراب کرتے رہتے ہیں۔“

موی جھینپ کر کھڑی ہو گئی۔ اختر اس کا شوہر تھا اسے یہ سب کہنے کا حق تھا اور موی کو اچھا بھی لگ رہا تھا مگر اندر کہیں عمیق گہرائیوں میں یہ کسک کیوں ابھر رہی تھی کہ کاش یہ سب الفاظ حرم کے ہوتے مگر پھر وہ چونک کر اختر کی طرف متوجہ ہو گئی۔ اپنے تمام خلوص اور توجہ کے ساتھ۔

ہاتھ پاؤں مارے کہ اس کے شک کے سمندر کو عبور کرے مگر ہر بار شک کی لہر اسے کناروں سے دور لے جاتی کہ وہ بھنور میں پھنس کر رہ گئی تھی۔

وہ باہر نکل گئی۔ شرجیل لرزتی ٹانگوں کے ساتھ کھڑا تھا۔ واصف کی توپوں کا رخ اب اس کی جانب تھا۔

"جو میں نے کام دیا تھا، کیا یا نہیں۔ یا ماں کی مجلس ہی سیکھتے رہے ہو۔" ایک جھٹکے سے واصف نے تھوڑی اوپر کی تو شرجیل کو گردن میں شدید تکلیف ہوئی مگر مارے خوف کے وہ یہ درد بھی سہہ گیا۔

"جی ...جی پاپا.....انھیں یہ.....نہیں اس پر لکھا تھا.....پاپا وہ....." باپ کا خوف الفاظ کی بے ترتیبی کے ساتھ واصف کو مزید تاؤ دلا گیا۔

"تم... تم کچھ نہیں کر سکتے، تم ایک نااہل، نالائق اور بزدل لڑکے ہو، تم کچھ نہیں ہو گے، تم سب نالائق بچے ہو، تمہیں کچھ کرنا نہیں آتا، نہ ہی آئندہ کبھی تم کچھ کر سکو گے، سمجھے... ؟ میں تمہیں پاکستان ایئر فورس کا پائلٹ بنانا چاہتا ہوں مگر... مگر تمہارے کرتوت تو ان کے گھر کے ملازم بننے کے بھی نہیں ہیں، نالائق۔"

واصف بہت طیش میں تھا۔ درد سے سے چیخ گئی، ماہم روتی ہوئی ماں کے پاس آ گئی۔

"مما...! پاپا بہت گندے ہیں۔ ہر وقت غصے میں رہتے ہیں۔" ہچکیوں کے ساتھ روتی ماہم باپ کے غصے کا اظہار کر رہی تھی۔ معصوم بچی بھی کچھ نہیں جانتی تھی، کچھ نہیں سمجھتی تھی، اسے بس ظالم باپ سے نفرت ہو رہی تھی۔

"چپ ہو جاؤ میری بچی... اسے تو وقت نے ایک پتھر بنا دیا ہے، مجھے تو لمحہ لمحہ مار رہا ہے۔"

"آپ چلیے ناں مما.....! بھائی کو بچائیں، ورنہ وہ..."

وہ سسک پڑی تو ماہم اس کا بازو پکڑ کر اٹھانے لگی۔

"مجھے معاف کر دینا میرے بچو... میں اپنے سارے حقوق وقت کی ڈھول میں چھوڑ آئی ہوں۔ ماں بچوں کی ڈھال ہوتی ہے مگر تم لوگوں کی ڈھال اتنی کمزور نکلی ہے کہ تم لوگوں کا دفاع کرنے کے قابل نہیں۔ مجھے معاف کر دینا میرے بچو...!"

●●●

"جی بہتر...!" موسیٰ نے اپنی زندگی میں آنے والے پہلے شخص کو دیکھا۔ یہ شخص اتنا اچھا تھا کہ مکمل ہونے کے باوجود اس نے اس کی کتنی طلب کی تھی۔ عقل کہتی یہ ناممکن ہے، دل کہتا معجزات بھی تو ہوتے ہیں۔ کیا پتا فاطمہ بیگم اس کی خدمت سے، اس کی اچھائی سے اتنی متاثر ہو جائیں کہ واقعی سے اپنی بہو بنا لیں، معجزہ ہو جائے اور خرم اس کا جیون ساتھی بن جائے۔ یہ خواہش انگنت دعاؤں کے جھولے میں جھولتی تھی مگر معجزات بھی تو تب ہوتے ہیں جب اللہ تعالیٰ چاہے اور جب اللہ تعالیٰ ہی نے نہیں چاہا تھا، وہ احتجاج کیوں کرتی۔ اسے اپنی عزت محبت سے زیادہ پیاری تھی تب ہی تو ہر بار اس نے خرم کے بڑھتے قدم روک دیے تھے۔

"سنو موسیٰ... میں... میں..." سوال خرم کی آنکھوں میں تھا، آئیں اس کے شکستہ لہجے میں سسک پڑی تھیں۔ موسیٰ اس کی نہیں ہو سکتی، وہ صبر کی سل سینے پر رکھ چکا تھا مگر جب سے معلوم ہوا تھا کہ اس کے سسرال کے حالات اچھے نہیں تو دور کہیں امید کا دیا پھر روشن ہو گیا تھا۔ وہ موسیٰ کی نظروں میں اپنا عکس بھی دیکھ چکا تھا اور اس

دل میں اپنے مقام کو بھی پہچان چکا تھا۔ تب ہی اس نے سوچ لیا تھا کہ اگر اب قسمت نے چانس دیا تو وہ لیلیٰ ماتھول کر موسیٰ کو حاصل کر لے گا۔ اسے معلوم تھا مما لیلیٰ کی کوئی بات ٹال نہیں سکتی تھیں۔ یہ انسان بھی کیا چیز ہے۔ کبھی کبھی ناممکنات کو بھی ممکن بنانے کے لیے بچکانہ حربے استعمال کرنے کے بارے میں سوچتا ہے اور موسیٰ کی اس وقت خرم ایسا ہی بچہ لگا۔ دل کی کسک ہونٹوں کی ہلکی سی جنبش میں تبدیل ہو گئی۔

"ان کہے لفظ بہت معتبر ہوتے ہیں خرم صاحب... !اس کا بھرم رہنے دیجیے، پلیز جانے دیجیے۔" وہ ... کا درد چھپائے آہستگی سے اس کے راستے سے ہٹ رہی تھی۔ خرم کا دل سسک پڑا۔

"چلی ہی تو گئی ہو میرے گھر سے، میری زندگی سے مگر میرے دل سے نہیں۔"

اس کی کسک کی بازگشت اس کی سماعتوں سے ٹکرا کر لوٹ آئی تو وہ تیزی سے موسیٰ کے انتہائی قریب سے ... ہوا وہ آنکھوں میں اترتی دھند میں اس کے ڈوبتے وجود کو ٹوٹے آ گئی۔ وہ لیلیٰ کے کمرے میں اس سے پہلے ... چکا تھا۔ اس نے ڈوبنا ہی مناسب سمجھا۔

"توبہ ہے لیلیٰ... تم بھی ماپ بھی کبھی کمال کرتی ہو۔ خرم تمہارا اکلوتا بھائی ہے۔ میرا تو خیال تھا کہ تم اس کے لیے کوئی بہت قیمتی سی لڑکی تلاش کرو گی، تم نے تو حد کر دی۔ ہونہہ... ایک ملازمہ کی شادی اپنے بیٹے سے کر دیتی، دنیا میں لڑکیاں مر گئی ہیں کیا؟"

لیلیٰ کا خیال تھا ہو سکتا ہے مما موسیٰ کو کھو کر ... رہی ہوں تو اپنی رائے کا اظہار کرنے میں حرج نہیں مگر مما تو ... ہی آگ بگولا ہو گئیں ... نفرت ... خرم اور موسیٰ کے دل میں ایک ساتھ پیوست ہو گئیں۔ موسیٰ کا جی چاہا ... کا ... ایک ... جب خرم نے شدت ضبط سے آنکھیں میچ لیں۔ وہ مما کو تو کچھ نہیں کہہ سکتا تھا، لیلیٰ پر برس پڑا۔

"لیلیٰ... تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا؟ مما درست کہتی ہیں، تمہیں میرے لیے کسی مل اونر کی، کسی منسٹر کی لڑکی دیکھنی چاہیے تھی، یہ بھلا ایک ملازمہ ان کی بہو کیسے بن سکتی ہے؟ ہمارے ہی ٹکڑوں پر پلنے والی لڑکی میری... میری کیسے ہو سکتی ہے؟ یہ تو سوچ لیا ہوتا۔"

وہ خود پر کنٹرول نہ رکھ سکا۔ بات تو اس نے مما کی پسند کی تھی مگر اس کا ٹوٹا لہجہ ان کو حیران کر گیا پھر وہ تیزی سے باہر نکلا، باہر موسیٰ کو دیکھ کر وہ ورد سوا ہو گیا کہ موسیٰ نے بھی سب کچھ سن لیا تھا۔ وہ کچھ دیر رکا، موسیٰ کے نرم ہاتھ کو مضبوطی سے تھام لیا۔

"سوری موسیٰ...! ان کے گھر کی ملازمہ ان کے بیٹے کی دل کی ملکہ ہے یہ مما نہیں جانتیں۔ سوری...!" وہ اپنے لہجے کے افسوس اور دل کے درد میں سے چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔

"تمہارا اعزاز دے کر شکریہ سے بغیر چلے گئے ہو خرم...! یہ اعزاز میری زندگی ہے، تم میری محبت ہو مگر تم یہ ہے کہ اس اظہار کا مان میں تمہیں نہیں دے سکتی۔ ورنہ پٹ پلٹ کر دیکھتے رہو گے نہ میں آگے بڑھ سکوں گی اور نہ تم۔"

اس نے بمشکل خود کو نارمل کیا اور اندر آ گئی۔ لیلیٰ اور فاطمہ بیگم شرمندہ سی تھیں کہ کہیں اس نے کچھ سن نہ لیا ہو مگر اس نے اس طرح پوز کیا کہ وہ مطمئن ہو گئیں پھر اختر اسے لینے آ گیا تو وہ خوش ہو گئی کیونکہ اب بھی اس کی

میں ڈال کر اس کی صلاحیت کو مار دیا ہے اور اب لیلیٰ شہباز سے علیحدگی لے کر شوبز کی دنیا میں اپنی صلاحیتوں کو منوانا چاہتی ہے اور یہ کہ اس سلسلے میں وہ اپنے کزن وجاہت کی ممنون ہے کہ وہ اس کی قدر کرتا ہے، اب وہ وجاہت کے ساتھ کام کرے گی۔ اسی قسم کی بے سروپا باتوں کی گھمبیری آندھی تھی اور معصوم لیلیٰ جو وجاہت اور وقار کی سازش کا شکار ہو گئی تھی، آندھی کے تھپیڑوں کی زد میں ڈولتی رہی تھی۔ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنا دفاع کیسے کرے، کیسے شہباز کو یقین دلائے کہ یہ سب جھوٹ ہے۔

''شہباز! شہباز! یہ، یہ سب جھوٹ ہے۔ خدا کی قسم! یہ سب جھوٹ ہے، اس کی ایک بات بھی درست نہیں شہباز! پلیز بلیو می..... یہ سب جھوٹ ہے۔'' وہ ہاتھ جوڑ کر گڑگڑانے لگی۔

''اتنی بڑی قسم کھانے کی ضرورت نہیں۔ جانتا ہوں کہ یہ سب جھوٹ ہے، ایک بات بھی جانتا ہوں کہ ذرا سی بھی سچ نہیں ان فضول باتوں میں، اسی لئے میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ پلٹ کر دیکھنا مت پتھر کی ہو جاؤ گی، ہو گئی ہو ناں پتھر، ختم ہو گیا ناں سب کچھ، حقیقت چند لوگ جانتے ہیں کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے، یہ فضول سی بکواس ہے اس کو ساری دنیا پڑھے گی، ساری دنیا پڑھے گی، کس کس کو ہم حقیقت بتائیں گے، مت بتاؤ اور پھر کوئی یقین کرنے کے باوجود یہی سوچے گا، ہاں ہو سکتا ہے کوئی ایسی بات ہو بلکہ ضرور ہوگی بات، کوئی بات ہوتی ہے تو چھپتی ہے۔ میں اپنے سرکل میں کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہیں رہا۔ ایسی ہی صورت حال سے بچنے کے لئے میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ تم اخباروں میں رسالوں کے سرورق پر چھپ کر ... ہوگی۔ کوئی بے بنیاد افسانہ وجود میں آئے گا۔''

شہباز بچی کو سینے سے لگائے شدت سے رو پڑا۔ [illegible]

''میں جانتی ہوں شہباز! میرا قصور بہت بڑا ہے [illegible] معاف کر دیں، میں پاؤں پڑتی ہوں شہباز! معاف کر دیں پلیز۔''

اس کے پیروں میں بیٹھی وہ مجسمہ شکست لگ رہی تھی۔ ہچکیوں کے جھٹکوں میں اس کا نازک وجود ڈول رہا تھا۔ ایک لمحے کے لئے اس کا دل کمزور پڑا، شدت سے چاہا کہ لیلیٰ کو اٹھا کر ساتھ لگا لے۔ اس لڑکی کو شدت سے اس نے چاہا تھا اور کتنے رتجگوں سے اپنایا تھا۔ وہ تو اسے ذرا سی تکلیف دینے کے بارے میں بھی سوچ نہیں سکتا تھا اور اب اس کے پھیلے دامن میں اپنی عمر بھر کی جدائی ڈال رہا تھا۔ حالات کی ستم ظریفی پر وہ شدت سے رو دیا۔

''ہونہہ! ابھی بھی جھوٹی بے بنیاد خبریں کبھی سچ ہو جاتی ہیں۔ لیلیٰ اور شہباز میں علیحدگی ہو گئی یہ بھی خبر چھپی ہے ناں۔ لو سچ ہو گئی۔''

''نہیں! نہیں سچ ہو سکتی یہ خبر۔ نہیں شہباز! آپ، آپ اتنے ظالم نہیں ہو سکتے۔ میرے اتنے چھوٹے سے قصور کی اتنی بڑی سزا نہ دیں مجھے۔ پلیز! معاف کر دیں۔'' وہ گڑگڑائی۔

''ہونہہ! چھوٹا سا قصور، تمہارے اس چھوٹے سے قصور کی چنگاری نے جلا کر سب کچھ بھسم کر دیا، میری دنیا ہی اجاڑ کر رکھ دی اور تم کہتی ہو ذرا سا قصور؟''

شہباز بچی کو گود میں لے کر کارپٹ پر بیٹھ کر شدتوں سے رو پڑا۔ پیر صاحب اور فاطمہ دل تھامے ساکن

[illegible] کے ساتھ بیٹی کی زندگی کا فیصلہ سننے کے لئے دم سادھے کھڑے تھے۔ خرم جو کہ شہباز کو سو فیصد درست کہہ رہا تھا پھر بھی چاہتا تھا لیلیٰ کو اس کی عدالت سے معافی مل جائے۔ وہ آگے بڑھا، اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اس کے قریب بیٹھ گیا۔ لیلیٰ بھی شہباز کے قریب بیٹھی تھی۔

''تم بالکل درست کہہ رہے ہو شہباز! اس میں سارا قصور لیلیٰ کا ہے بلکہ لیلیٰ سے کہیں زیادہ ممی پاپا کا، یہ بات ان کو سمجھانی چاہئے تھی جو وہ خود نہیں سمجھ سکی تھی۔ بہرحال جو نہیں ہونا چاہئے تھا مگر بدقسمتی سے ہو گیا ہے تو تم، تم لیلیٰ کو معاف کر دو، بچی کی خاطر جس کا اس سارے معاملے میں کوئی قصور نہیں، جس کو ماں بھی چاہئے اور باپ بھی، والدین کی غلطیوں کی سزا بچے ہی بھگتتے ہیں۔ پلیز! اس کی خاطر ہی لیلیٰ کو معاف کر دو۔''

خرم کے ملتجی لہجے میں کہے الفاظ اس وقت جلتی پر تیل کا کام کر گئے۔ شہباز کو اس وقت مصالحت کی راہ دکھانے والا [illegible] اپنا سب سے بڑا دشمن لگ رہا تھا۔ وہ بچی کو اٹھائے غصے سے کھڑا ہوا۔

''تو تم [illegible]'' وہ دھاڑا تو پیر صاحب آگے بڑھے۔

''بیٹا! معاف کر دینا [illegible] درگزر سے کام لینے والا معتبر ہوتا ہے۔''

''جی ہاں! جانتا ہوں، سب جانتا ہوں، سارے فلسفے سے آگاہ ہوں لیکن میں، میں بھی تو [illegible] معاف کر سکتا ہوں نہ بھلا سکتا ہوں اور جب انسان اس کی خطا کو بھلا نہ دے تو معاف کرنے کا فائدہ کیا۔ [illegible] تب معاف کروں گا جب میں اس کی خطا معاف کر کے بھلا دینے کا ظرف پیدا کر لوں گا۔ اس لئے [illegible] منافقت کا قائل ہوں۔ ظاہری طور پر میں اسے معاف کر کے دل میں اس کی [illegible] یہ منافقت مجھ سے نہیں ہوگی۔ اس لئے آج سے میرے اور لیلیٰ کے راستے جدا ہیں، میں اسے آزاد [illegible]''

''نہیں شہباز! نہیں! آپ ایسا نہیں کر سکتے۔'' لیلیٰ بے دم ہو کر گر پڑی۔ فاطمہ بیٹی کو دیکھنے لگیں۔ خرم اور پیر بھی لیلیٰ کی وجہ سے پریشان ہو گئے۔ خود شہباز دکھ اور صدمے سے بے حال ہو گیا۔ اس نے کب سوچا تھا کہ وہ رگ جاں سے قریب اس پیاری سی لڑکی کو اتنا بڑا دکھ دے گا کہ اس کی جان پر بن آئے گی۔

''شہباز! [illegible] یہ زیادتی مت کرو پلیز! [illegible] بچی کی محبت، اس کے گھر کی آبادی، اس کی بچی کی محبت'' خرم کے لہجے میں التجا بن کر اتر آئی تو شہباز نے اپنی سلگتی آنکھوں سے خرم کو دیکھا جن میں دکھ کے ساتھ شکایت کی دھند بھی تھی۔

''انسان کتنا خود پسند اور خود غرض ہوتا ہے خرم! اگر خود زیادتی کرتے وقت یہ نہیں سوچتا کہ دوسرے کے دل پر کیا گزرے گی مگر جب چوٹ خود کو لگتی ہے تو تڑپ جاتا ہے اور بہرحال اب میں بات کو طول دینا مناسب نہیں سمجھتا۔ آج سے میرے اور لیلیٰ کے راستے جدا ہیں، میں اپنے اور اس کے درمیان رشتے کو ختم نہیں کروں گا، یہ رشتہ جس کو شادی کہتے ہیں برقرار رہے گا۔ لیلیٰ کے دل پر، اس کی زندگی پر میرے ہی نام کی مہر ثبت رہے گی کیونکہ میں جانتا ہوں کہ اس کی زندگی میں مجھ سے پہلے کوئی مرد نہ تھا، نہ ہے اور نہ ہی ہوگا۔ لیلیٰ کی زندگی میں آنے والا میں پہلا اور آخری مرد ہوں، کوئی مرد میرا رقیب نہیں ہے اور جو میرا رقیب ہے اس کے لئے

انداز کی وجہ سے یونیورسٹی میں مقبول تھی۔ کئی ہاتھ اس کی طرف بڑھے تھے مگر کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ محبت، شادی کے عذاب سے گزر چکی ہے اور ایسے ہی اس کی طلبگاروں میں ابرار احمد کا شمار بھی ہوتا تھا جو اپنی پروقار شخصیت اور اچھی فیملی میں ہونے کی وجہ سے خود بہت مقبول تھا مگر اس کے دست طلب میں صرف اور صرف عائشہ تھی جس کی ایک جھلک کے لئے وہ بلا وجہ ہی اس جگہ کے چکر لگاتا جہاں وہ ہوتی اس کی یک لمحے کی توجہ کے لئے وہ ہتھیلی پر جان لئے پھرتا مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کا کاسۂ طلب عائشہ کی توجہ اور محبت سے ہمیشہ خالی رہے گا۔

اس وقت بھی وہ سب کی نظریں بچا کر سیمینار کی طرف آ گیا جہاں عائشہ نوٹس تیار کر رہی تھی۔ ڈھیر ساری کتابیں پھیلائے دنیا جہاں سے بے خبر عائشہ صرف کتابوں میں گم نوٹس تیار کر رہی تھی کہ وہ آہستگی سے سامنے والی کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔ عائشہ تیز تیز رواں تھی کہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بھی احترام کا دامن تھامے رہنا چاہتا تھا۔ وقت بھی کتاب کی اوٹ سے وہ اس کے حسن کی ملاحتوں میں اس حد تک گم تھا کہ وقت گزرنے کا احساس ہی نہ رہا وہ چونکا تو اس وقت جب وہ اپنا کام کر کے بیگ اٹھا رہی تھی قریب تھا کہ وہ دروازے سے نکلتی اس نے پکار لیا۔

"عائشہ!" اس کی دبی دبی آواز میں جو بیقراری اور تڑپ تھی عائشہ اب ان چیزوں کو خیر باد کہہ چکی تھی۔

"جی فرمائیے ابرار!" وہ دنیا جہاں کی جبیں لئے پلٹی تو ابرار جس نے بڑی مشکل سے کچھ کہنے کی ہمت کی تھی ڈول سا گیا۔

"آپ کو کچھ کہنا ہے تو کہئے ابرار! ورنہ مجھے دیر ہو رہی ہے۔"

وہ اس کی آنکھوں میں اپنا عکس نہیں دیکھ رہی تھی۔ اس کی ان کہی بات نہیں سمجھ رہی تھی۔ اس کے رویے کی سختی نے ہمیشہ کی طرح اس بار بھی ابرار کی ہمت توڑ دی۔

"کچھ نہیں..... وہ یہ کہنا تھا کہ جب نوٹس تیار ہو جائیں تو مجھے بھی دے دیجئے گا۔"

ایک بار پھر ابرار دل کی بات دل میں لے کر رہ گیا۔

"جی ضرور لے لیجئے گا۔" مختصر جواب دیتی اس کی بیقراری میں اضافہ کرتی وہ تیزی سے باہر نکل گئی تو وہ اپنی کمزوری کو کوستا کر وہیں بیٹھا کھڑکی سے نظر آتی راہداری کو دیکھتا رہا جہاں سے وہ تیز قدم اٹھاتی جا رہی تھی۔

"تم سے تم کو مانگنا کتنا دشوار ہے عائشہ! تم ایسی کیوں ہو؟ آخر تمہاری آنکھوں میں ڈھکی کر دینے والے کون سے راز ہیں؟ تمہاری دھیمی مسکراہٹ کی اوٹ میں چھپی سسکیاں کون سی داستان سناتی ہیں؟ کچھ تو بتاؤ عائشہ! مجھے ان رازوں کے سمندر میں اترنے کی اجازت دو عائشہ! ورنہ میں خود بھی ایک راز بن جاؤں گا۔ تمہیں کیسے بتاؤں عائشہ! کہ تم، تم میری محبت ہو، میری زندگی بن گئی ہو، کیسے بتاؤں؟ کیسے؟" ابرار اپنی بے چینیاں سمیٹتا ہوا باہر آ گیا۔

● ● ●

زبیر صاحب اور فاطمہ بیگم اب لیلیٰ کی طرف سے مطمئن تھے اس نے نئی مصروفیات میں خود کو جان بوجھ کر

مصروف کر لیا تھا کہ ماضی کا ہر زخم بھی بھول جاتی تھی مگر نہیں بھول پاتی تھی تو وہ اس کی گڑیا تھی جس کی معصوم صورت اب نگاہوں میں گھومتی رہتی تھی۔ ممی پاپا اب خرم کی شادی کرنا چاہتے تھے شادی کے نام پر وہ بیقرار ہو گیا۔

"دروازہ کھلا رکھنا، دیپ جلائے رکھنا، میں لوٹ آؤں گی۔"

موہنی کے ان الفاظوں میں کوئی حقیقت تھی یا نہیں، یا محض اس کے زخموں پر مرہم رکھا تھا موہنی نے۔ وہ نہیں جانتا تھا لیکن اتنا سمجھدار ہونے کے باوجود بھی وہ یوں ہی آس کا دیا جلائے منتظر راستوں پر بیٹھا تھا اس کے لئے جس نے اب اس کی زندگی میں نہیں آنا تھا۔

"ممی پلیز!" وہ جو اپنے والدین کا فرمانبردار بیٹا تھا اپنی ذات سے ان کو دکھ نہیں دینا چاہتا تھا اسی لئے وہ موہنی کو گنوا بیٹھا تھا۔ اب اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان کو کیسے سمجھائے کہ وہ انجانے راستوں پر انجانی منزل کے انتظار میں بیٹھا ہے ایسا کہہ دینے پر وہ دیوانہ اور مجنوں ہی قرار دیا جا سکتا تھا۔ ورنہ حقیقت کا اس سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

"میں نہیں جانتی بھائی" لیلیٰ دیدی نے یہ جملہ کیوں کہا جبکہ حقیقت کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ جبکہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ ایک اچھی خوشحال زندگی گزار رہی ہوگی تو اس کے لئے محض آپ کی خاطر لوٹ کر آنا کیا ممکن ہوگا؟ قطعی نہیں۔ یہ جملہ جس کو آپ نے اپنی منزل سمجھ لیا ہے بہلاوے کا وہ مرہم تھا جو موہنی نے وقتی طور پر آپ کے زخموں پر رکھا تھا اور کتنے دکھ کی بات ہے آپ کے محبوب نے بہلاوے کا ہی سہی آپ کے زخموں پر مرہم رکھا۔

بھائی آپ جان کی نظریں منزل کی حقیقت جانتے ہوئے بھی، ایسے راستے پر چل رہے ہیں جس کی کوئی منزل نہیں۔ ممی پاپا اور میں بھی یہ چاہتی ہوں کہ آپ شادی کریں تاکہ گھر میں کوئی تبدیلی تو آئے۔ وہ بہت اچھی لڑکی ہے، پاپا اب زیادہ بیمار رہنے لگے ہیں اب وہ آپ کی شادی کی خوشی دیکھنا چاہتے ہیں۔"

لیلیٰ اسے کتنی دیر سمجھاتی رہی اور پھر بدلتے موسموں نے ایک اور تبدیلی کی۔ ماہین خرم کی زندگی میں خوشگوار تبدیلی لے کر آ گئی۔ گھر کی فضا نکھری گئی تھی۔ ماہین سب کا خیال رکھتی، خرم کو بہت چاہتی اور وہ بھی اسے پسند کرتا، ہر طرح کا خیال رکھتا مگر موہنی کسک بن کر اس کے دل کے نرم گوشے کو درد سے آباد رکھتی۔

عائشہ اور ابرار نے ایک ساتھ پڑھتے ہوئے سوشل ورک میں ایم اے کر لیا تھا۔ اتنے عرصے میں ابرار اس کے کسی راز تک رسائی تو حاصل نہیں کر سکا تھا ہاں وہ کیا چاہتی ہے، اس کی سوچ کیا ہے یہ وہ ضرور جان گیا تھا اسی لئے اس کے قریب رہنے کے لئے وہ اس کے سوشل ورک میں دل و جان سے شریک ہوتا، کسی بھی قسم کے سوشل کام کے لئے وہ عائشہ کو ہر وقت ہر جگہ دستیاب تھا، وہ عائشہ جو محبت کے سمندر سے گزر چکی تھی، شادی جیسے جانکنی کے تجربے کی آگ میں بھی جل چکی تھی وہ ابرار کی ان کہی داستان محبت بھی سمجھ رہی تھی۔ وہ ایک اچھا شریف اور پروقار شخص ہے یہ بھی وہ جانتی تھی مگر ابرار یہ نہیں جانتا تھا کہ عائشہ کے آئینہ دل پر کسی کا عکس پہلے سے موجود ہے، اس کی کتاب ہستی پر کسی اور کے عشق کی داستاں درج ہے۔ وہ تو دیوانہ وار سے چاہے چلا جا رہا تھا۔ اس روز عائشہ نے پہلی بار اس کے گھر پر فون کیا تو وہ خوشی سے دیوانہ ہو گیا۔

"ہیلو ابرار! خاموش کیوں ہو؟"

"پہلے یہ یقین تو کر لوں کہ تم نے مجھے فون کیا ہے۔"

ہر چند کہ ابرار نے اپنے لہجے اور آواز کو نارمل رکھا مگر پھر بھی ہلکی سی لرزش اس کے دل کی بے پناہ بیقراری کا پتہ دے گئی۔ عائشہ نے ایک گہرا سانس لیا۔

"ظاہر ہے مجھے ہی تم سے کچھ کہنا تھا تو فون بھی مجھے ہی کرنا تھا۔"

عائشہ کا لہجہ، آواز ہر قسم کے تاثر سے عاری تھا۔ خاصا سپاٹ سا انداز تھا جسے ابرار نے محسوس نہیں کیا

"تت... تمہیں مجھ سے کچھ کہنا ہے...؟ تو کہو ناں عائشہ...!" اس کی بیقرار سماعتیں ہمہ تن گوش ہو گئیں۔

"یوں نہیں، تم گھر پر آ جاؤ تو بہتر ہے۔"

"او کے او کے... میں ابھی آیا۔" سارا راستہ خواب بنتے ہوئے، گاڑی اُڑاتے ہوئے اسے پتہ ہی نہیں ہوا کہ وہ عائشہ کے سامنے جا بیٹھا ہے۔

"ابرار... میں ایک این جی او بنانا چاہتی ہوں۔"

"این جی او...؟" ابرار جو سارے رستے ارمانوں کی کلیاں چنتا ہوا آیا تھا، این جی او کے ذکر پہ بد مزہ ہو گیا۔

"ہاں... این جی او... ایسی لڑکیوں کے لئے میں کچھ کرنا چاہتی ہوں ابرار...! جو کسی نہ کسی طرح زیادتی کا شکار ہوتی ہیں۔ مرد کی زیادتی، معاشرے کی زیادتی [illegible] ایسی سزا دیتے ہیں کہ وہ نہ جی سکتی ہیں نہ مر سکتی ہیں [illegible] ماں اپنی بیٹی کو دیکھنے کے لئے تڑپتی رہ جاتی ہے مگر وہ [illegible] سے دور بہت دور لے کر چلے جاتے ہیں... ایسی بے قصور لڑکیوں کے لئے کچھ کرنا چاہتی ہوں۔"

آج کل عائشہ کو اپنی بیٹی بڑی شدت سے یاد آ رہی تھی۔ ماہین جب اپنے بیٹے کو کھلاتی، پیار کرتی تو اس کی ممتا مچل مچل جاتی اپنی بیٹی کے لئے۔ اس وقت بھی اس کے اندر کا دکھ، ضبط اس کا چہرہ تپ گیا۔ وہ گہری گہری لمبے لمبے سانس لینے لگی۔ اس کی اس کیفیت کے پیچھے چھپے درد کو نہ سمجھتے ہوئے وہ پریشان ہو گیا۔ وہ جانتا تھا عائشہ ایک نرم اور ہمدرد دل رکھتی ہے، دوسروں کی تکلیف پر دکھی ہو جاتی ہے، وہ بے سہارا اور دکھی لوگوں کے لئے بہت کام کرتی تھی مگر آج کی کیفیت ابرار کے لئے نئی اور اجنبی تھی۔

"عائشہ...! دوسروں کے لئے درد رکھنا بڑی اچھی بات ہے مگر دوسروں کی ہمدردی میں یوں اپنی جان پر بن لینا..."

"میری جان ہی پر تو بنی ہوئی ہے ابرار... ورنہ کب کوئی کسی کا درد اپنے دل میں محسوس کرتا ہے... خیر تم بتاؤ اس سفر میں میرے ہمسفر بنو گے نا...؟"

وہ اس کے سامنے کھڑی اسے اپنا ہمسفر بننے کو کہہ رہی تھی ورنہ اس کا رواں رواں چلا رہا تھا۔ میں تو زندگی کے ہر سفر میں تمہارا ہمسفر بننا چاہتا ہوں مگر وہ کچھ بھی نہ کہہ سکا۔

"کیوں...؟ تمہیں کوئی شک ہے میرے ساتھ ہونے میں...؟" وہ اپنی تمام خواہشات کو دبا کے

"نہیں ابرار...! تم ہی تو میرے ڈوبتے یقین کا کنارہ بنے ہو۔"

عائشہ کے لہجے کا اعتماد ابرار کو معتبر کر گیا۔ اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

"تو میں یقین کر لوں کہ آج سے ہم زندگی کے ہمسفر ہیں...؟"

"بالکل...!" عائشہ حسن نے نہ خود کچھ ایسا سوچا تھا اور نہ ہی اس کے احساسات کو اس انداز میں اہمیت دی۔ سادگی سے اپنا خوبصورت ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا تو جیسے وہ ہواؤں میں اُڑنے لگا۔ اسے لگا جیسے وہ [illegible] گئی ہو۔

• • •

"عطیہ خاتون...! مجھے ثمینہ کے گھر جانا ہے۔ چلئے ناں پلیز...! دیکھئے میں نے اپنا ہوم ورک بھی کر لیا ہے۔ جلدی کیجئے ناں، کارٹون کا وقت نکل جائے گا اور پھر بابا بھی آ جائیں گے۔"

پانچ چھ سالہ خولہ شہباز جلدی جلدی ہوم ورک مکمل کر کے اپنی گورنس عطیہ خاتون کے سر پر کھڑی تھی کہ ثمینہ کے گھر لے جائے۔ وہاں اسے کارٹون دیکھنا ہوتا تھا۔

خولہ کا اصرار بڑھ رہا تھا جبکہ عطیہ خاتون ڈر رہی تھیں کیونکہ گزشتہ چند دنوں سے وہ شہباز کی اجازت کے بغیر خولہ کو ثمینہ کے گھر کارٹون دکھانے لے جاتی تھیں مگر اب خوفزدہ تھیں کہ شہباز کو پتہ چلے گا تو بہت خفا ہوں گے [illegible] گھر ٹی وی دیکھنے جائے۔

[illegible]

"اوہو عطیہ خاتون...! میں ٹی وی نہیں کارٹون دیکھنے جاتی ہوں۔ بس آپ چلئے اب۔" خولہ کی ضد کے آگے وہ آج بھی ہار جاتیں۔ وہ اٹھیں اور خولہ کی الماری سے اسکارف نکال لائیں۔

"او کے...! تو پہلے آپ یہ اسکارف باندھ لیجئے پھر ہم چلتے ہیں۔"

عطیہ خاتون چاہ رہی تھیں کہ ایک تو شہباز آ جائیں اور ان کو ساری بات بتا دی جائے۔ دوسرا کارٹون کا وقت نکل جائے تو اس کو جانے سے روکا جا سکے تب ہی تو وہ اسکارف نکال لائی تھیں۔ ان کو معلوم تھا اس بحث میں [illegible] ہو سکتا ہے اور وہی ہوا تھا۔ خولہ نے اسکارف اٹھا کر پرے پھینک دیا۔

"عطیہ خاتون...! میری بات آپ کو سمجھ نہیں آتی...؟ مجھے اسکارف نہیں لینا۔"

"خولہ بیٹا... بابا خفا ہوں گے۔ وہ چاہتے ہیں آپ گھر سے باہر نکلو تو اسکارف باندھ کر نکلو۔"

"کیوں...؟ کیوں...؟" خولہ بری طرح چڑ گئی۔

"اس لئے بیٹا... کہ بابا چاہتے ہیں کہ انگریزوں کے اس ملک میں آپ اپنے لباس اور عمل سے مسلمان اور پاکستانی لڑکی لگو اس لئے۔ یوں بھی اسکارف بہت اچھی چیز ہے بیٹا...! آپ نے مجھے نہیں دیکھا ہر وقت..."

"آپ...! آپ تو بڑی ہیں عطیہ خاتون...! میں تو چھوٹی ہوں اور ثمینہ بھی تو اسکارف نہیں لیتی۔ میں کیوں لوں...؟" ننھے دماغ میں بڑوں کی باتیں اور مصلحتیں نہیں آ رہی تھیں۔

"دیکھیے بیٹا۔ ایلینا اور جوڈی نان مسلم بچیاں ہیں۔ وہ اپنے مذہب کے مطابق رہتی ہیں اور آپ کا مذہب تو اسلام ہے ناں اور ہمیں اچھا مسلمان بننا چاہیے۔ اسلام کے احکامات پر عمل کرنا چاہیے اور چھوٹی ہیں تو ہم تو بڑے ہیں ناں۔ اور بچوں کو اچھائی برائی کے بارے میں بتانا ہم بڑوں ہی کا تو فرض ہے ناں۔ ارے بھئی خولہ بی بی! آپ بہت بحث کرتی ہیں۔ دیکھیے اسکارف کی بحث میں پڑ گئے اور آپ کے کارٹون کا وقت نکل گیا۔ ٹائم دیکھیے اب تو کارٹون ختم ہو گیا ہوگا۔"

عطیہ خاتون اپنی کوشش میں کامیاب ہو گئی تھیں۔ انہوں نے سامنے وال کلاک کی طرف اشارہ کیا۔ خولہ نے بھی دیکھا، وقت نکل چکا تھا۔ وہ عطیہ خاتون سے خفا ہو کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ گود میں کشن رکھ کر رونے لگی۔

"آپ... آپ بہت گندی ہیں عطیہ خاتون! آپ نے جان کر وقت ضائع کیا ہے۔ میں پہنوں گی اسکارف۔ کبھی بھی نہیں۔" غصے میں آ کر خولہ نے اسکارف کا گولہ بنا کر اچھال دیا [illegible] ہو گئی تھی۔

"ارے بھئی... یہ تو بہت بری بات ہو گئی۔ آپ عطیہ خاتون پہ خفا ہو گئیں۔ اچھا چلیے آپ کا کارٹون ہماری وجہ سے مس ہو گیا، میں آپ کو بہت اچھی سی [illegible] شہزادی والی اسٹوری سناتی ہوں۔ آئیے۔" عطیہ خاتون آگے بڑھیں تاکہ اسے گود میں لے لیں مگر خولہ مچل کر دور جا کھڑی ہوئی۔

"نہیں سننا مجھے اسٹوری۔ بس مجھے ٹی وی چاہیے۔ بابا سے کہیں مجھے ٹی وی لا کر دیں بالکل ایلینا [illegible] ٹی وی۔ اس پر اچھے کارٹون آتے ہیں بس مجھے ٹی وی چاہیے"

خولہ کا یہ تقاضا روز کا تھا جو اب زور پکڑتا جا رہا تھا [illegible] آتی جا رہی تھی

"او کے... ایسا کرتے ہیں پہلے ہم کھانا کھا لیتے ہیں پھر بابا جب آئیں گے تو ہم کہہ دیں گے ہمیں ٹی وی چاہیے بس۔"

عطیہ خاتون جلدی سے بڑھیں کہ شہباز کے آنے سے پہلے اسے کھانا کھلا دیں مگر آج خولہ قابو میں نہیں آ رہی تھی۔

"نہیں کھاؤں گی۔ آپ بھی گندی ہیں بابا بھی گندے ہیں۔ بس مجھے ٹی وی چاہیے"

"او کے بے بی... میں آپ کے بابا سے بات کروں گی جان... آپ پہلے کھانا کھاؤ۔" عطیہ خاتون اس کے لیے کھانا لینے چلی گئیں، لوٹیں تو وہ کشن گود میں رکھے سو گئی تھی۔ شہباز بھی اسی وقت اندر آیا۔ عطیہ خاتون نے خولہ کو سیدھا کر کے لٹایا، اور کمبل اوڑھا کر پلٹیں۔ شہباز نے اس کے لیے لایا ہوا پیکٹ میز پر رکھا اور خولہ کی طرف بڑھا۔

"آج اتنی جلدی کیوں سو گئی... ؟ اور کیا خولہ روئی ہے... ؟" آنسوؤں کے نشانات اس کے معصوم چہرے پر عیاں تھے، بال بھی چپکے ہوئے تھے گالوں سے۔ شہباز تڑپ ہی تو گیا۔ اس کو اسی وقت گود میں [illegible] لہجے میں غصہ اور تڑپ تھی۔ عطیہ خاتون میز پر خولہ کا کھانا رکھ کر پلٹیں۔ آج خولہ کے ان ہی آنسوؤں کے حوالے سے وہ شہباز کو بہت کہنا اور سمجھانا چاہتی تھیں۔

"آپ کا کیا خیال ہے سر! خولہ کے آنسوؤں کا سبب کیا ہو سکتا ہے....؟"

عطیہ خاتون نے جواب دینے کی بجائے سوال کر دیا تو شہباز نے اسے ذرا استفہامیہ انداز میں دیکھا۔ [illegible] وقت اور حالات نے شہباز کو بالکل بدل کر رکھ دیا تھا۔ وہ بہت تلخ ہو گیا تھا۔ عطیہ خاتون پڑھی لکھی مگر [illegible] خاتون تھیں اور شہباز ان کو جانتا تھا کہ بہت اچھی خاتون ہیں اسی لئے انہوں نے خولہ کی تربیت اسے [illegible] دی تھی مگر اس نے کبھی اتنا حوصلہ نہیں ہونے دیا تھا عطیہ خاتون کو کہ وہ اس انداز میں بات کریں۔

"عطیہ خاتون! میں اس قسم کی باتیں اور طرزِ تکلم کو پسند نہیں کرتا، جانتی ہیں آپ پھر بھی"

"جی! معذرت کے ساتھ میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ سر! کہ خولہ آپ کی سگی بیٹی ہے مگر جو پالے [illegible] ہوتے ہیں ناں ان کو بھی بچے سگی اولاد کی طرح پیارے ہوتے ہیں۔ جس طرح آپ کو خولہ کے آنسوؤں [illegible] تکلیف پہنچی ہے بالکل اسی طرح مجھے بھی ہوتی ہے۔"

"میں اپنی اور آپ کی تکلیف جاننا نہیں چاہتا۔ میں نے اس کے آنسوؤں کا سبب پوچھا ہے بس۔" شہباز [illegible] درشت لہجہ عطیہ خاتون کو زخمی کر گیا۔

"ان کے آنسوؤں کا سبب ٹی وی ہے سر!" عطیہ خاتون نے بلا تمہید کہا۔

"ٹی وی... ؟" وہ یوں چونکا جیسے چلتے چلتے پاؤں میں کانٹا چبھ گیا ہو۔

"جی! خولہ روز ایلینا کے ہاں کارٹون دیکھنے جاتی ہے۔ آج میں انہیں لے کر نہیں گئی تو [illegible]"

"[illegible] آپ [illegible] کے گھر ٹی وی دکھانے لے جاتی ہیں عطیہ خاتون! اور مجھے آج بتا رہی ہیں۔" شہباز دھاڑا تو عطیہ خاتون سہم گئیں۔ ان کو معلوم تھا کہ وہ تو بچی کی ضد کے ہاتھوں مجبور ہو کر لے جاتی ہیں مگر جس روز شہباز کو معلوم ہوگا بس ہی کوئی [illegible] ہوگا۔

"عطیہ خاتون! آپ کو یاد ہے جب [illegible] نے چند دنوں کی خولہ آپ کی گود میں ڈالی تھی تو کہا تھا ناں کہ میری اس بچی کی تربیت، تعلیم، پرورش صرف اور صرف اسلامی، مشرقی اور پاکستانی انداز میں ہو گی اور ٹی وی تو خولہ کے لئے ایسا [illegible] ہوا پھر خولہ کی زندگی میں ٹی وی اتنی اہمیت کیوں اختیار کر گیا کہ اس کے لئے [illegible] آنسو بہنے [illegible] برباد کر کے رکھ دیا اس ٹی وی نے مجھے۔ میں نے اپنی زندگی کی کتاب آپ کو پہلے ہی روز اس لئے کھول کر نہیں دکھائی تھی کہ آپ اسے ناول سمجھ کر وقت گزاری کریں۔ اپنے وہ دکھ جو خود سے بھی چھپاتا رہا آپ کو دکھا دیئے کیونکہ میں اپنی بچی کی تربیت میں کوئی کمی، کوئی جھول دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ خولہ ایک مسلمان، مشرقی پاکستانی لڑکی ہو گی یہی طے ہوا تھا ناں آپ سے۔ پھر آپ نے کیسے میرے اعتماد کی دیوار گرا کر خولہ کو اسی راستے پر ڈال دیا جو سوائے بربادی کے کسی طرف نہیں جاتا؟ کیوں عطیہ خاتون! آپ نے میرے ساتھ ایسا کیا؟ میں نے آپ کے ساتھ کیا برا کیا کہ آپ نے اسے اس کی ماں کے راستے پر ڈال دیا؟ کس بات سے خوفزدہ ہو کر میں نے اسے اس کی ماں سے چھین لیا آپ نے عطیہ خاتون! اس کو اسی راستے پر ڈال دیا۔"

شہباز بہت اپ سیٹ ہو گیا تھا۔ اس کے سینے میں تکلیف ہونے لگی۔ وہ لمبے لمبے سانس لینے لگا۔ ایک پل کے لئے شہباز کو لگا اس نے لیلیٰ کے ساتھ جو زیادتی کی ہے اس کی اس کو سزا ملنے لگی ہے مگر وہ خولہ کو کسی صورت

لیلیٰ کے راستے پر چلنے کی جارت نہیں دے سکتا تھا۔ ہر چند کہ یہ تمام باتیں پہلے ہی طے ہو گئی تھیں مگر عطیہ خاتون بھی انسان تھیں، خولہ کو انہوں نے بہت محبت سے پالا تھا، وہ اس کی خواہش اور ضد کے ہاتھوں مجبور ہو کر اسے جانے دیا کرتی تھیں، وہ ان کو معلوم تھا جس روز شہباز کو پتہ چلے گا ایسا ہی کچھ ہوگا۔ وہ ان حالات کے لئے ذہنی طور پر تیار تھیں۔

''آئی ایم سوری سر۔۔۔ ابھی آپ بہت جذباتی ہو رہے ہیں ممکن ہے جو بات میں کہنا چاہتی ہوں وہ آپ کو مزید بری لگے آپ کی طبیعت بہتر نہیں، آپ آرام کیجئے میں پھر بات کروں گی۔''

''نو نیور۔۔۔ اب آپ اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کریں گی۔ پلیز۔۔۔ یہاں سے چلی جایئے۔ آپ نے دشمنی کی ہے میرے ساتھ، جس ٹی وی نے مجھ سے میرا گھر، میری محبت، میرا سکون چھینا آپ نے اس آسیب کو میری بچی کے پیچھے لگا دیا۔ پلیز۔۔۔ چلی جایئے۔''

شہباز کو عطیہ خاتون نے اتنے غصے میں پہلی بار دیکھا تھا۔ وہ سہم کر دو قدم پیچھے ہٹ گئیں، وہ تیزی سے دھڑکتے دل کے ساتھ خوفزدہ نظروں سے شہباز کو دیکھ رہی تھیں۔ انہوں نے ہمیشہ شہباز سے ہمدردی کی تھی مگر شدت پسندی عطیہ خاتون کو پسند ہی نہیں تھی۔ وہ اس وقت شہباز کو دیکھے جا رہی تھیں جس کی بری حالت تھی۔ ایسی حالت ایک خوفزدہ شخص ہی کی ہو سکتی ہے اور وہ بھی خوفزدہ شخص تھا۔ جو اپنے ماضی سے خوفزدہ تھا کہ کہیں کہانی خود کو دہرا نہ دے اور وہ بچی کی نظروں میں گر نہ جائے کیونکہ وہ بھی انسان تھا جہاں اسے اپنے دل کے اجڑنے کا دکھ تھا، وہاں لیلیٰ کی گود اجاڑنے کا صدمہ بھی تھا اور یہ کر کے بھی وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوا تھا اس سے بڑھ کر اس کی کیا شکست ہو سکتی تھی ورنہ وہ زندگی تو ہار سکتا تھا مگر یہ جنگ نہیں۔۔۔ [illegible] کے باوجود ان کو ڈانٹ دیا تھا۔ وہ مزید کوئی بات کئے بغیر پیچھے کمرے میں چلی گئیں۔

شہباز جب حواسوں میں آیا تو سب سے پہلے اپنے برے سلوک کا خیال آیا تھا۔ ضمیر نے ملامت کی تو اسی وقت ان سے معذرت کرنے کا سوچ لیا۔ عطیہ خاتون بہت اچھی فیملی سے تعلق رکھتی تھیں، اولاد سے محروم رہیں تو شوہر نے طلاق دے دی، وہ اپنے بوڑھے باپ کے پاس آ گئیں، والد شہباز کے آفس میں ملازم رہ چکے تھے۔ آخری وقت میں انہوں نے عطیہ خاتون کو شہباز کے حوالے کر دیا تھا جس کو خولہ کے لئے ایک ایسی ہی باکردار، نیک پروین قسم کی خاتون درکار تھیں اور چند ماہ کی خولہ کو ان کی گود میں دے کر وہ بالکل بے فکر ہو گیا تھا اور آج پہلا موقع تھا کہ اس نے عطیہ خاتون کو برا بھلا اور چلے جانے کو کہا وہ تو ویسے ہی عورت کا احترام کرتا تھا اور ایسی عورت جو اس کی بچی کو ماں کی طرح پیار کرتی ہوں۔ کتنی ہی دیر وہ ٹہلتا رہا، سوچتا رہا، ساری رات یہی احساس، ندامت ڈنک لگا رہی تھیں۔ پھر جاگتے جاگتے ان ہی پر ملال خیالوں میں وقت گزرنے کا احساس ہی نہ رہا اور فجر کا وقت ہو گیا اس نے پہلے فجر کی نماز پڑھی پھر خود کو لے کر عطیہ خاتون کے دروازے پر آ گیا۔ وہ بھی نماز کے بعد قرآن پاک لے کر بیٹھی ہی تھیں کہ دروازے پر ہلکی سی دستک پر وہ قرآن پاک سینے سے لگائے دروازے تک آ گئیں۔

''آپ۔۔۔!'' وہ شہباز کو دیکھ کر حیرت سے بولیں۔

''جی۔۔۔ وہ بات یہ ہے عطیہ خاتون۔۔۔ کہ خولہ اب بڑی ہو رہی ہے اس لئے یہ میرے بجائے آپ

کے ساتھ سویا کرے گی۔'' لہجے میں ندامت، معذرت کا واضح احساس لئے وہ بولا آگے بڑھ کر اور ان کے بستر پر واپس رکھ کر کمبل اوڑھا کر چند قدم ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ چپ رہیں، ساری رات شدت گریہ سے ان کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں شہباز نادم سا ہو گیا۔

''آپ۔۔۔! آپ بہت ناراض ہیں مجھ سے۔۔۔؟'' شہباز ہی کی آواز نے سکوت توڑا وہ پھر بھی چپ رہیں، دونوں ہاتھوں سے قرآن پاک تھامے رکھا۔

''آپ کو ناراض ہونا بھی چاہئے عطیہ خاتون۔۔۔ اس لئے کہ آپ خولہ کو پال رہی ہیں، ماں ہیں، آپ کو یہ حق حاصل ہے۔ کل میں ہی ضد کی حد کراس کر گیا تھا اس لئے میں اپنے رویے کی آپ سے بہت بہت معذرت چاہتا ہوں۔ یقین جانیے میں بہت نادم اور شرمندہ ہوں آپ سے۔'' اس کا لہجہ اس کے الفاظ کی سچائی اور پاکیزگی کا ثبوت تھا۔ ان کا دل صاف ہو گیا۔ یوں بھی وہ اس شخص کے خوف کو اچھی طرح جانتی تھیں مگر کچھ دیر پہلے ان کو غصہ آیا تھا۔ ابتداء میں خولہ کے معاملے میں اس کا سخت رویہ ان کو تپا جاتا تھا۔ اس وقت چونکہ وہ اپنی حرکت پر شرمندہ اور نادم تھا اس لئے وہ بھی اپنی بات کہنا اپنا حق سمجھتی تھیں۔

''بیٹھ جایئے شہباز صاحب۔۔۔ آپ میرے کمرے میں پہلی بار آئے ہیں۔'' عطیہ خاتون نے آہستگی سے کہا۔ قرآن پاک جزدان میں رکھا تو شہباز صوفے کی طرف بڑھتے بڑھتے مڑا۔

''میں پھر اسی صورت میں بیٹھوں گا جب آپ کہہ دیں گی کہ آپ نے مجھے معاف کیا۔''

''شہباز صاحب۔۔۔! میں الفاظ کو اتنی اہمیت دیتی تو نہیں پھر بھی اپنی تسلی کے لئے آپ یہی سمجھئے، اور بیٹھئے میں بھی آج آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔''

[illegible] وہ سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئیں۔

''جی ضرور کہئے۔۔۔! ضروری نہیں کہ ہمیشہ میں ہی درست ہوں کہیں تو میں بھی غلط ہو سکتا ہوں۔''

شہباز کی طرف سے گرین سگنل ملتے ہی عطیہ خاتون کھڑی ہو گئیں۔ خولہ کے قریب آ کر اسے پیار کرنے لگیں۔ شہباز نے ساری بات ان کو بتا دی تھی تب ہی تو خولہ ان کو بہت عزیز تھی جس نے ڈھنگ سے ماں کے لمس کو محسوس بھی نہیں کیا تھا۔ خولہ اپنی عمر کے لحاظ سے معصوم چھوٹی چھوٹی ان خواہشات کا اظہار کرتی جس سے شہباز نے سختی سے منع کر رکھا تھا۔ ایسے میں انہیں شہباز پر غصہ آنے لگتا۔ مگر وہ اپنے اختیارات کی حد کو کراس کرنا پسند نہیں کرتی تھیں اس بار مجبور ہو کر انہوں نے خولہ کی خواہش پوری کر دی تو شہباز آپے سے باہر ہو گیا اور اسی حوالے سے وہ اسے کچھ کہنا چاہتی تھیں۔

''شہباز صاحب۔۔۔! آپ نے اپنی زندگی کی کتاب مجھے پڑھنے کو دی، اور میں نے سوچ سمجھ کر بتوا سے حال، مائنڈ نہ کیجئے گا، مجھے اس کہانی میں سب سے مظلوم کردار خولہ ہی لگی، جب مرد اور عورت ایک دوسرے کو زندگی کے سفر کے لئے ہمسفر بناتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ بس اسی ہمسفر کے ساتھ زندگی تمام ہو جائے گی لیکن پھر جب ہے کہ کسی نہ کسی وجہ سے زندگی کے یہ ساتھی ایک دوسرے کا ہاتھ چھوڑ دیتے ہیں اور اپنی اپنی انا کو خوش کرنے کے چکر میں یہ بھول جاتے ہیں کہ ان کے اس سفر میں کچھ ننھے مسافر بھی شریک ہو گئے ہیں، ان ننھے مسافروں کے لئے ماں اور باپ دونوں ضروری ہوتے ہیں۔ وہ نہیں جانتے سمجھتے کہ ماں غلط ہے یا باپ ان کو تو بس دونوں

بابا کی یادیں محبتیں بڑی آہستگی سے اس کی بے حد حسین آنکھوں کے کنارے بھگو گئیں تو اس نمی کو وردہ
دل میں اترتے محسوس کیا۔ غم ذکم درد کی اس منزل پر ان میں کوئی اختلاف نہیں تھا۔ یہیں دونوں کے جذبات ہم
آہنگ ہوتے۔
"علیزہ! ایک نہ ایک دن ہمارے بابا ضرور آجائیں گے۔"
وردہ نے اس کی آنکھوں کی نمی کو اپنے ہاتھوں میں اتارتے ہوئے محبت سے کہا تو علیزہ اس سے لپٹ گئی۔
"کب وردہ! کب آئیں گے بابا؟ وہ دن کب آئے گا؟"
وہ شدت سے رو پڑی تو اسے دلاسا دیتے دیتے وردہ بھی بھیگ گئی۔
"مما کھانے پر آپ لوگوں کا انتظار کر رہی ہیں مگر یہاں تو بھیگنے بھگونے کا دور چل رہا ہے۔ میں بھی
آجاؤں۔"
جواد ان دونوں کا بھائی شہلا کا بیٹا جو ابھی میٹرک میں آیا تھا ورنہ قد بھی نکال رہا تھا۔ اپنی بہنوں پر جان
دیتا تھا وردہ تینوں اس کے بغیر رہ نہیں سکتی تھیں۔ وردہ تو جواد کو دیکھ دیکھ کر جیتی۔ شہلا سے ہزار اختلاف ہونے
کے باوجود علیزہ کو اپنا یہ بھائی بہت پیارا اور عزیز تھا۔ یہ دونوں بہن بھائی ہو بہو ماں کی وجاہت پر گئے تھے۔ علیزہ کو
سے بھی جواد بہت پیارا لگتا۔
"مجھے کھانا نہیں کھانا جاؤ تم۔" وہ بے رخی سے بولی تو وہ صوفہ پھلانگ کر اس کے قریب آگیا۔
"قسم کھائیے کہ آپ کھانا نہیں کھائیں گی۔"
"جواد! علیزہ کہہ دیا ناں مجھے کھانا نہیں کھانا۔"
"اوہو...! تو مت کھائیے کھانا، مجھے بھی تو نہیں کھانا۔ آپ کے دونوں بہن بھائی بھوک ہڑتال پر
ہیں۔"
"یہ کیا بدتمیزی ہے جواد! تم کھانا کیوں نہیں کھاؤ گے؟ علیزہ! جواد کی خاطر چلو۔" وردہ نے
علیزہ کو گھورا تو وہ محض بھائی کی خاطر اٹھ کھڑی ہوئی۔
"بہت بدتمیز ہو تم جواد!" علیزہ نے جواد کو گھورا۔
"سچ مما بھی کہتی ہیں بدتمیز بالکل اپنی آپی علیزہ پر گیا ہے۔"
وہ شوخی سے بولا اور پھر علیزہ کی مار سے بچنے کے لئے وردہ کی اوٹ میں ہو گیا جو اس کی بات پر ہنس رہی
تھی۔
"ہوں! اس کو تو ایک میں ہی بدتمیز نظر آتی ہوں۔" علیزہ بے رخی سے بولی تو وہ پھر سامنے آگیا۔
"ارے! ایسی بات نہیں آپی! دراصل بات یہ ہے کہ مما کی آنکھ کے لینز میں گڑبڑ ہے اور
جس سے وہ آپ کو دیکھتی ہیں ناں وہ ٹیڑھا ہے اسی لئے آپ ان کو ذرا ٹیڑھی نظر آتی ہیں۔ ڈونٹ وری میں مما کا
تبدیل کروا دوں گا جس میں آپ ان کو ذرا سی نہیں پوری ٹیڑھی نظر آئیں، ٹھیک ہے ناں؟"
وہ آنکھ دبا کر بولا تو علیزہ کو ہنسی آگئی۔ وہ اسے مارنے کو لپکی۔ جواد آنکھیں بند کر کے کھڑا ہو گیا [illegible]
کس میں ہمت تھی کہ [illegible] علیزہ نے اس کی پیشانی پر بھرپور [illegible] پیار [illegible]

ہوئے آگئے۔ میز پر ان تینوں کا انتظار کرتی شہلا نے ایک پیار بھری نگاہ تینوں پر ڈالی۔ ایک اطمینان سا
اتر گیا۔ یہی تو وہ چاہتی تھی کہ ان سب بہنوں اور بھائی میں بے مثال محبت ہو۔ اس نے جواد کی ایسی ہی
تربیت کی تھی کہ وہ نہ صرف بہنوں کا مان بنے بلکہ اگر ضرورت پڑے تو وہ ان کی خاطر جان بھی دے دے اور جواد
بہنوں سے ایسی ہی محبت کرتا۔
"چلو بچو! بسم اللہ پڑھو۔ ارے بینی کہاں گئی...؟" بینی سب سے چھوٹی تھی۔
"اسلام علیکم دوستو دشمنو!" ارمغان کی آواز پر سب نے دروازے سے آتے ارمغان کو دیکھا۔ بینی
اس کے ساتھ چپکی ہوئی تھی۔ ارمغان نے بلند آواز میں سلام کیا اور نظریں سیدھی علیزہ کی بھیگی پلکوں پر ٹکیں۔
"وعلیکم السلام... او وبنی...! تم کیا بھائی سے بندریا کی طرح چپکی ہوئی ہو...؟"
آٹھ نو سالہ بینی کو شہلا نے سرزنش کی تو ارمغان نے جواد کو اشارہ کیا۔ اس نے علیزہ کے ساتھ والی کرسی
خالی کی اور ارمغان اس کے برابر بیٹھ گیا۔ اس نے ایک ناگوار سی نظر اس پر ڈالی اور کھانا نکالنے لگی۔
"کیا کہا آپ نے پھپھو! بینی بندریا ہے تو آپ نے مجھے درپردہ بندر کہہ دیا ہے۔" ارمغان نے
خفگی سے کہا تو بینی اور جواد ہنس دیے ساتھ وردہ بھی مسکرانے لگی۔
"میں اعلان کرتی ہوں کہ تم... یہ مٹھائی کس خوشی میں؟" شہلا نے بڑا سا مٹھائی کا ڈبہ جو ارمغان
کے ہاتھ میں تھا، لیتے ہوئے پوچھا۔
"کمال کرتی ہیں پھپھو! فون پر بتایا نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے میرا لاہور انجینئرنگ
یونیورسٹی میں ایڈمیشن ہو گیا ہے۔" اس نے [illegible] درست کئے تو شہلا نے اٹھ کر اسے ساتھ لگا کر پیار کرتے
ہوئے مبارکباد دی۔
"اوہ پھپھو! آپ نے اپنے اندر پیار کا خزانہ چھپا رکھا ہے، دوسروں کو بھی تو پیار کرنا سکھا دیں۔"
ارمغان نے ایک گہری نظر کھانے میں مصروف علیزہ پر ڈالی۔
"مبارک ہو ارمغان بھائی!" وردہ نے مبارکباد دی تو ارمغان اچھل پڑا۔
"کیا! کیا ارمغان بھائی، خبردار لڑکی! جو مجھے بھائی والی بنایا تو۔ ارے بھئی! ہم لوگ کزنز
ہیں، اب وقت کا کیا بھروسہ کب کزن کو دلہن بنا دے۔ کیوں پھپھو...؟"
علیزہ پر گہری نظر ڈال کر بات کی تصدیق کے لئے وہ پھپھو کی طرف مڑا۔
"شٹ اپ! فضول بکواس بند کرو، کھانا کھانا ہے تو کھاؤ۔"
شہلا نے ڈپٹ کر کہا تو اس نے فوراً سامنے سے چمچہ اٹھایا۔
"وائے ناٹ! قسم سے بھوک لگی ہے۔" اپنی پلیٹ بنانے کی بجائے وہ شرارت سے علیزہ کی پلیٹ
میں ڈالنے لگا تو وہ سلگ اٹھی۔
"ارمغان صاحب! یہ میری پلیٹ ہے، اپنی بنائیے اور شوق سے۔" علیزہ غصے سے کھڑی ہو گئی۔
"ارے واہ! واہ کیا حیثیت اور مرتبہ پہچان کر بات کی ہے۔ واہ کیا بگ بات پائی ہے پھپھو! آپ
نے کہاں سے پائی ہے؟" وہ شوخ ہوا جا رہا تھا۔

"جہنم سے۔" علیزہ چلائی۔

"ارے واہ... کیا جہنم میں ایسی چیزیں ملتی ہیں...؟ بس جواد میاں! جہنم کا ایک ٹکٹ کٹوا دو۔"

ارمغان کی بات پر وہ اپنی اور جواد تو زور سے ہنس پڑے۔ شہلا نے بھی مسکراہٹ چھپانے کے لئے سر جھکا لیا مگر علیزہ اندر تک سلگ اٹھی تھی۔

"مما! آپ اپنے اس جوکر بھتیجے سے کہہ دیجئے کہ میرے معاملے میں مت بولا کریں۔ اپنی بے ہودگی کے مظاہرے میرے سامنے نہ کیا کریں تو بہتر ہوگا۔" اس کی آنکھیں شعلے برسا رہی تھیں۔ چہرہ حدت و سرخی سے اور حسین ہو گیا۔ ارمغان اسے دیکھے گیا۔

"ارے...! اتنی سی بات آپ خود کہہ دیجئے ناں، مجال ہے جو کبھی..."

ہونہہ... وہ پھنکارتی ہوئی آگے بڑھ گئی تو ارمغان جو اس کے منظر سے چلے جانے کے بعد متوجہ ہوا تھا ان سب کی طرف پلٹا۔

"یار جواد! کیا چیز ہے یہ تمہاری بہن...؟" وہ اس کی چھوڑی ہوئی پلیٹ سے ایک نوالہ منہ میں ڈالتا ہوا بولا۔

"یار! سارا پرابلم بھی تو یہی ہے۔ اوہ...!" وہ شکر سے لہجے میں بولتا پلٹا کہ کہیں شہلا نے کچھ سن تو نہیں لیا مگر شکر تھا کہ وہ جا چکی تھی۔ ارمغان شہلا کے خلیل بھائی کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا اور وہ علیزہ سے تین سال بڑا تھا۔ شوخ و شنگ سا یہ لڑکا شروع ہی سے علیزہ کو تنگ کرتا تھا۔ سارا بچپن ان لوگوں کا لڑتے جھگڑتے گزرا تھا۔ شہلا ارمغان کو بتا چاہتی تھی کہ ان دونوں بڑوں کی [illegible] حفت کو وہ بہت پسند تھی۔ انہوں نے بچپن ہی سے شہلا نے [illegible] کوئی واضح جواب نہیں دیا تھا مگر جیسے جیسے بچپن کی معصومیت نے جوانی کے شوخ رنگوں کا روپ دھارا، شہلا کو ان شوخ رنگوں میں علیزہ ہی نظر آئی تھی۔ ارمغان علیزہ کو پسند کرتا تھا مگر وہ اس کے چڑنا تو دور کی بات، باقاعدہ نفرت کرتی تھی۔ اس لئے شہلا ارمغان کو آگے بڑھنے کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ یہ شوخ و شنگ سا لڑکا جب بھی آتا ماحول کو رنگین بنا دیتا۔ ہنی اور جواد تو اس کے آنے سے بہت خوش ہوتے۔ خوب پروگرام بنتے، گھوما جاتا اور اب تو ارمغان لاہور چلے جانا تھا، یہ بات سب سے زیادہ ہنی اور جواد کو اداس کر گئی تھی۔

"ارمغان بھائی! آپ لاہور مت جائیے ناں۔"

"ارے گڑیا! جانے کو کس کافر کا دل چاہتا ہے مگر کیا کریں، آج کل کی لڑکیاں جاہل لڑکے قبول بھی تو نہیں کرتیں۔" وہ قریب سے گزرتی علیزہ کو سنانے کی غرض سے بولا جو اس کی موجودگی کو اس ظالمانہ انداز میں اگنور کرتی کہ وہ دل ستم زدہ کو تھام جاتا۔

"جواد.....! چلو ذرا مجھے مہرین کے گھر جانا ہے۔" وہ کتاب اور فائل لئے کھڑی جواد سے کہہ رہی تھی۔

"ارے...! کوئی ضرورت نہیں مہرین وہرین کے گھر جانے کی۔ دس بیر تو بدائیاں کرتی ہے تمہاری۔ آخر تم گلشن آرا کے گھر کیوں نہیں جاتیں...؟ ٹھیک ٹھاک قبول صورت ہے۔"

"مسٹر ارمغان...! میں نے آپ سے کہا ناں میرے معاملے سے دور رہا کیجئے۔" وہ دانت پیس کر بولی

اور سامنے ہی مقابل آن کھڑا ہوا۔

"محترمہ...! کسی خوش فہمی میں مت رہئے گا۔ یہ آپ کا معاملہ کم اور میرا زیادہ ہے۔ مہرین مجھے لفٹ نہیں کراتی اور گلشن آرا ہر بار مسکرا کر میرا استقبال کرتی ہے۔"

"جھاڑو سے...؟" جواد اور ہنی زور سے ہنسے تو ارمغان نے دونوں کو پکڑ لیا۔

"تمہیں یہ راز کی بات تمہیں کس نے بتائی......؟ یار...! ہوتا ہے عشق میں ایسا بھی ہوتا ہے۔ کبھی جھاڑو کی نوبت ہوتا اور کبھی ڈانٹ کھانا پڑتی ہے۔ کیوں؟ درست کہہ رہا ہوں ناں میڈم!"

وہ علیزہ کی طرف جھکا مگر وہ تیزی سے چلتی گاڑی میں بیٹھ کر جواد کو بلا رہی تھی۔ جواد جلدی سے بھاگا آیا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ قریب تھا کہ وہ گاڑی اسٹارٹ کرتا۔ ارمغان نے دروازہ کھولا اور علیزہ کی آنکھوں [illegible]

"جواد میاں! مجھے ذرا جہنم تک ڈراپ کر دینا۔ سنا ہے وہاں ایسی چیزیں بہت ملتی ہیں۔"

"جواد! تم ان کو جہنم تک ڈراپ کرا دو میں بعد میں چلی جاؤں گی۔"

علیزہ اسی وقت باہر نکل گئی تو ارمغان بھی واپس پھرتی سے باہر کھڑا ہو گیا۔

"ارے ارے! ایسا کیسے ہو سکتا ہے!" ارمغان نے ذرا سا جھک کر کہا۔ اس کے لئے دروازہ کھولا تو وہ اسے گھورتی گاڑی میں بیٹھ گئی اور گاڑی تیزی سے گیٹ سے نکل گئی۔ وہ گہرا سانس لے کر پلٹا تو وردہ [illegible] کھڑی تھی۔

"یہ تمہاری بہن [illegible] لڑکی۔"

"اسی لئے کہ میں آپ کو اپنے ہاتھوں سے بنی چائے پیش کر سکوں۔ چلئے ارمغان بھائی...!"

"ہائیں....؟ پھر بھائی؟ بھئی تم بے شک ان لڑکیوں کے منہ سے یہ لفظ بھائی زہر لگتا ہے۔ خبردار [illegible]"

"اچھا فی الحال تو چلئے چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔" دونوں مسکراتے اندر آ گئے۔ دونوں ساتھ چلتے بہت اچھے لگ رہے تھے۔ شہلا نے دونوں کی خاموشی سے نظر اتاری اور چائے پر جھک گئی پھر ارمغان کافی دیر تک علیزہ کی واپسی کا انتظار کرتا رہا مگر مجبوراً اسے گھر واپس جانا پڑا۔

"نہیں مسز اکرم! آپ لوگوں کو خود سوچنا چاہئے کہ بچوں کے امتحانات سر پر ہیں اور... جی جی...... میں مانتی ہوں کہ یہ بچوں ہی کا اصرار ہوگا مگر یہ بچے اچھا برا کب سمجھتے ہیں۔ یہ سب تو ہمیں کو سمجھنا ہوتا ہے۔ اوکے چلئے، آپ کہہ رہی ہیں تو میں مان لیتی ہوں۔ جی ٹھیک ہے میں بھیج دوں گی دونوں کو پکنک پر... او کے خدا حافظ۔"

پرنسپل سے بات کر کے شہلا علیزہ اور وردہ کے کمرے کی طرف آ گئی۔ ہلکی سی دستک دے کر وہ اندر آ گئی۔ اندر کے منظر نے ہر چند کہ غصہ دلا دیا تاہم وہ ضبط کر گئی۔ ورد اسٹڈی ٹیبل پر پڑھ رہی تھی جبکہ علیزہ کانوں میں ہیڈ فون لگائے ٹی وی پر کوئی انگلش فلم دیکھ رہی تھی۔ شہلا نے آگے بڑھ کر ریموٹ کنٹرول لے کر پہلے تو ٹی وی آف کیا پھر علیزہ کا ہیڈ فون اتار کر ایک طرف رکھتے ہوئے اسے خشمگیں نگاہوں سے دیکھا اور وہ جوابی ناپسندیدہ

ایکٹریس کی فلم بڑے انہماک سے دیکھ رہی تھی بری طرح چڑ گئی۔

"جن اسٹوڈنٹس کے امتحانات سر پر ہوتے ہیں وہ یوں اپنا وقت فلمیں دیکھ کر برباد نہیں کرتے۔ سارے شوق امتحانات کے بعد پورے کر لینا فی الحال پڑھو۔ موڈ نہیں تو اپنی ویڈ۔ ابھی میں تم لوگوں سے آئی ہوں کہ میری مسز اکرم سے بات ہو گئی ہے۔ زیادہ وقت برباد نہیں ہو گا تم دونوں پکنک پر جا سکتی ہو، میری طرف سے اجازت ہے۔"

شہلا کا خیال تھا کہ اجازت نامہ سنتے ہی دونوں خوشی سے اُچھل پڑیں گی اور خوشی سے اس سے لپٹ جائیں گی اور وردہ نے کچھ ایسا ہی ریسپانس دیا۔

"سچ مما! ہم جا سکتے ہیں پکنک پر؟" وردہ روشن آنکھوں کے ساتھ خوشی سے اس سے آ لگی۔ علیزہ نے استفہامیہ نظروں سے شہلا کو دیکھا۔ پھر کمبل پرے پھینکا۔

"لیکن اب مجھے پکنک پر نہیں جانا۔" اس نے گستاخ لہجے میں کہا اور زور سے دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ شہلا گہرا سانس لے کر رہ گئی۔ وردہ کو علیزہ پر غصہ آ جاتا جب مما اس کی وجہ سے دکھی ہو جاتیں۔

●●●

وردہ اور علیزہ نے ایف ایس سی بہت اچھے نمبروں سے پاس کر لیا تھا۔ دونوں کے مقامی میڈیکل کالج میں ایڈمیشن ہو رہے تھے۔ شہلا چاہتی تھی کہ دونوں میڈیکل پڑھیں مگر علیزہ نے صاف انکار کر دیا تھا۔

"یہ... یہ لڑکی تو حقیقتاً لوہے کا چنا ثابت ہو رہی ہے... خوفزدہ ہوں اس لڑکی سے۔ کہیں اس کی وجہ سے میں وجاہت سے ہار نہ جاؤں بھابی! آج میرے اپنے ہی میرے سامنے کھڑے ہیں اور میں کسی صورت بھی وجاہت سے ہارنا نہیں چاہتی، میں یہ جنگ اس سے جیتنا چاہتی ہوں۔ باقی تینوں بچے فرمانبردار ہیں مگر علیزہ تو مخالفت کی دیوار بن کر میرے سامنے آ کھڑی ہوئی ہے۔ اب دیکھئے ناں وردہ نے اتنے نمبر لئے ہیں اس نے مگر میڈیکل کالج میں داخلہ نہیں لے رہی جبکہ میں نے اس بات پر بھرپور زور دیا تھا کہ ان دونوں کو ڈاکٹر بناؤں اور ایسی مضبوط لڑکیاں بنا دوں کہ وجاہت جیسا کوئی مرد آسانی سے ان کو فتح نہ کر سکے مگر میری ہمتوں کو توڑ تو ڑ دیتی ہے، ارادوں کو کمزور کر دیتی ہے۔ میں کیا کروں بھابی...!"

ہمیشہ کی طرح جب شہلا حالات سے گھبرا جاتی تو بھابی جان کے سامنے دل کھول کر رکھ دیتی۔

"اتنی کمزور کیوں ہو رہی ہو شہلا.... اللہ مالک ہے۔ انسان کی نیت نیک ہو، ارادے مضبوط ہوں تو اللہ تعالیٰ خود اس کی مدد کرتا ہے۔ دیکھنا انشاء اللہ تم سرخرو ہو گی، جیت تمہاری ہی ہو گی انشاء اللہ۔" ہمیشہ کی طرح بھابی اس کی ہمتوں کی ڈولتی ناؤ کا پتوار بن جاتیں تو وہ، تھکا تھکا سا سر ان کی گود میں رکھ کر رو دیتی۔

"اللہ آپ کی زبان مبارک کرے بھابی جان! ورنہ یہ لڑکی تو... اب کہتی ہے فائن آرٹ پڑھے گی اور اس کے لئے اسے لاہور جانا ہو گا۔ میں اسے کیسے ہاسٹل میں رہنے کی اجازت دوں، بہت اکھڑ اور نادان ہے، اپنا اچھا برا بالکل نہیں سمجھتی، بالکل باپ پر گئی ہے۔ اسے بس میرے مخالف جانا ہے چاہے نقصان ہی اُٹھانا پڑے۔"

اصل میں شہلا کی وجہ بھی تھی کہ وہ اسے اکیلا لاہور نہیں چھوڑ سکتی تھی اور آرٹس علیزہ گھر سے ہاسٹل ای

... وہ چاہتی تھی تاکہ آزادی کے ساتھ اپنی پسند کی زندگی انجوائے کر سکے۔

"ہاں... یہ بات پریشان کن تو ہے مگر اس بات پر بنا لینے والی بھی نہیں۔ بھئی... اب بچے گھروں سے نہیں بلکہ ملک سے دور بھی پڑھنے جاتے ہیں۔"

"بھابی جان... ان بچوں میں اور اس میں بہت فرق ہے۔ علیزہ شکل میری جیسی بھی بعض دفعہ وہ چال ہے جو مناسب نہیں ہوتا۔ گھر سے دور رہ کر تو وہ مجھے شکست دینا چاہتی ہے، مجھے مجرم سمجھتی ہے کہ میں نے اس کے باپ کو گھر سے نکالا ہے۔ بھابی جان! آپ لوگوں نے سچ کہا تھا یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ میں بھی کا شکار ہو گئی تھی کہ اپنی سمجھداری، محبت اور خدمت سے میں وجاہت کے اندر کی برائی کو نکال باہر کروں گی، بچوں کو اتنا پیار دوں گی کہ..... مگر بھابی جان! اب احساس ہوتا ہے کہ سوتیلی ماں جان بھی دے دے، بھابی واقعی خوش نصیب ہے۔ اس کی کوئی خدمت، محبت اس رشتے کی تلخی کو کم نہیں کر سکتی۔" شہلا آج بہت تھکن محسوس کر رہی تھی۔

"اور وردہ...؟"

"ارے بھابی جان... اور وردہ تو حقیقتاً رحمت ہے۔ میری سب سے فرمانبردار بیٹی ہے۔ وہ تو میری خاطر ہر کسی کے لئے تیار رہتی ہے۔ ایسی بیٹیوں کو دیکھ کر دل کہتا ہے، بیٹیاں واقعی رحمت ہوتی ہیں۔" وردہ کا ذکر شہلا کے چہرے پر روشنی پھیلا گیا۔

"تو پھر شہلا... اسے کیوں نہ اپنی رحمت کو میرے گھر کی زینت بنا دو، مجھے یہ لڑکی شروع ہی سے پسند ہے اور بھائی جان بھی یہی چاہتے ہیں کہ ارمغان کا رشتہ ارمغان شہزادہ ہے تاں وردہ کسی شہزادیوں جیسی! اسے اللہ نے دے دی تو..."

عفت بیگم کو وردہ بچپن ہی سے پسند تھی، وردہ پر وقتے وقتے سے اپنی اس خواہش کا ذکر کرتی رہتی تھیں۔ شہلا نے بھی یہی چاہا تھا۔

"اللہ کا شکر ہے بھابی جان! آپ کو وردہ ہی پسند آئی، علیزہ نہیں۔ ورنہ تو میری طرف سے صاف انکار ہوتا۔ شیر کی کچھار میں کون جاتا ہے۔ رہی وردہ تو یہ لڑکی نہ صرف شکل میں بالکل ماں جیسی ہے بلکہ فطرتاً بھی ماں پر گئی ہے۔ بہت صلح جو، نرم خو، خوددار اور مضبوط لڑکی۔ اگر وردہ جیسی لڑکی کو آپ جیسی ساس، ارمغان جیسا ہمسفر مل جائے تو اسے اور کیا چاہئے۔"

بات چونکہ وردہ کی تھی اور اس کی فرمانبرداری پر شہلا کو پورا بھروسہ تھا اس لئے اس نے پورے اعتماد اور خوشی کے ساتھ اپنی رضامندی دے دی۔

"اچھا تو آج ہم نند بھاوج یہ رشتہ طے کرتے ہیں۔ اللہ بہتر کرے۔"

"چلئے ٹھیک ہے۔ وردہ اور ارمغان کا رشتہ طے ہے۔ مبارک ہو... اللہ بہتر کرنے والا ہے۔" دونوں خوشی سے بغلگیر ہو گئیں اور سامنے پڑے کیک سے ایک دوسرے کا منہ میٹھا کرا دیا۔

"شہلا... کوئی چھوٹی سی رسم نہ ہو جائے۔" عفت تو اس قدر خوش تھیں کہ ان کا بس چلتا تو آج ہی وردہ کو ارمغان کی دلہن بنا کر لے آتیں۔

"نہیں بھابی جان ..... ابھی یہ بات صرف میرے اور آپ کے بیچ رہے گی۔ بچے پڑھ رہے ہیں لوگوں کو یکسوئی سے تعلیم کے مراحل طے کرنے دیں بعد میں پھر چھوٹی سی رسم کیوں، بڑا سا نکاح کر دیں گے"

"چلو جیسے تم خوش۔ شوہر کو خوش رکھنا ہے تو نند کو خوش رکھنا پڑے گا۔"

دونوں ایک بار پھر گلے ملنے لگیں۔ وردہ کی کلاسز شروع ہو چکی تھیں۔ اس روز وہ پہلے دن کے لئے گھر سے نکلی تو راستے میں گاڑی خراب ہو گئی۔ وہ بری طرح جھنجلا گئی۔ کلاس میں لیٹ پہنچنا اسے قطعی پسند نہیں تھا ڈرائیور پر غصہ ہونا بھی اسے فضول لگا۔ وہ تیز تیز چلتی پھولی سانسوں میں داخل ہوئی۔ پہلا دن تھا، سارے اسٹوڈنٹس ہی حاضر تھے، وہ گھبرا گئی۔

"مے آئی کم ان سر!" خشک حلق کے ساتھ بمشکل اجازت مانگ پائی۔ سب متوجہ ہو گئے۔

"یس! یو آر لیٹ مس وردہ وجاہت؟"

یس سر! وہ میں لیٹ ہو گئی۔ دراصل"

"کیا کریں سر! اٹرینیں بھی لیٹ ہو رہی ہیں اسی لئے محترمہ بھی۔" پچھلی رو سے آواز آئی۔

• • •

"تو میرے بھائی! یہ ہے میری داستان حیات، داستان عشق اور روداد زندگی۔ میں مانتی ہوں کہ اصل قصوروار میں ہی ہوں، میں ہی اتنی کمزور پڑ گئی تھی۔ ایک ذلیل شخص کی خاطر میں نے اپنے تنے پیاروں کو ٹھکرایا، ان کی محبتوں کو قربان کر دیا، اس ایک شخص پر جس نے ذہنی اور جذباتی طور پر مجھے زندگی کی تباہ کاریوں کے لئے مجھے تنہا چھوڑ دیا مگر میں اس وقت تمہیں ہی ہمراز بنا لیتی تو شاید حالات اتنے پیچیدہ نہ ہوتے۔" آمنہ سے اب برداشت نہیں ہوتا تھا۔ اس نے اپنی کتاب عارف کے سامنے رکھ دی تو وہ جو اس کی باتیں سن کر سن سا ہو گیا تھا، اس نے بڑے ظرف سے آمنہ کے ہاتھ تھام لئے۔

"یقیناً ایسے حالات نہ ہوتے بھابی ..... اگر آپ نے مجھے ہمراز بنا لیا ہوتا۔ آپ نے ہمراز بنایا بھی تو اسے جو، تنا چھوٹا ظرف رکھتا ہے۔ آپ ہماری کزن ہیں، بھابی ہی نہیں آپ میری بہن بھی تو ہیں پھر آپ نے مجھے ہمراز کیوں نہ بنایا؟"

عارف کو بھی شکوہ ہو رہا تھا کیونکہ وہ واصف کی دیوانگی آمنہ کے بارے میں جانتا تھا مگر وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ واصف بعد سے اتنا کمزور اور کم ظرف بھی ثابت ہو سکتا ہے۔

"بس میرے بھائی! انسان کی اپنی غلطیاں ہی اس کی زندگی کا سب سے بڑا پچھتاوا بن جاتی ہیں۔ بہت غلط کرتی ہیں میری طرح وہ لڑکیاں جو کسی بھی خوف کی وجہ سے کسی دوست، ہمدرد کو اپنا ہمراز نہیں بناتیں، خود ہی غلط فیصلے کر کے اپنی اور دوسروں کی زندگی برباد کرتی ہیں۔"

"بھابی! کسی اور کی بات ہے، آپ دونوں نے برا حال کر دیا ہے اپنی ہی اولاد کا۔ قسم سے دل جلتا ہے شرجیل کو اس حال میں دیکھ کر۔ خاندان کے سارے لڑکوں سے زیادہ اسمارٹ اور خوبرو ہے مگر بہت ٹوٹا پھوٹا کمزور، لڑکیوں کی سی چال ڈھال، لڑکیوں کی طرح بات کرنے کا انداز، لڑکیوں کی طرح بات بات پر خوفزدہ ہو جانا، اعتماد نام کی کوئی چیز نہیں اس میں، ایک بات کو دس بار کرتا ہے، قصور کسی کا ہوتا ہے معافیاں یہ پیش کرتا ہے،

... کا شکار رہتا ہے اور ماہم وہ اس قدر بے باک اور منہ پھٹ کہ اسے بڑے چھوٹے کی تمیز نہیں، اپنی من مانی کرتی ہے۔ بھائی جان! آپ دونوں نے برباد کر دیا ہے، بچوں کو زندگی میں سروائیو کرنے کے قابل نہیں چھوڑا۔ دل جلتا ہے میرا ان کو دیکھ دیکھ کر۔"

عارف کو واقعی شکوہ بھی تھا اور دکھ بھی ہوتا تھا دونوں بچوں کو دیکھ کر۔

"جو جی میں آئے کہہ لو عارف! میں کچھ کہنے یا کرنے کے قابل ہوتی تو آج یہ سب نہ ہوتا۔"

آمنہ بری طرح رو رہی تھی۔

"آپ اور کچھ نہیں کر سکتیں، پہلے آپ نے کچھ نہیں بتایا تھا تو کم از کم بعد ہی میں مجھے بتا دیتیں تو کم از کم ... کو برباد ہونے نہ دیتا۔ دونوں کو اپنے پاس لے آتا تو آج بچوں کا یہ حال نہ ہوتا۔ یہاں تو میں آپ ہی کو ... صاحب کا گلہ آپ نے بعد کی باتیں کیوں نہ بتائیں مجھے، بچے برباد کر دیئے۔ بھابی جان! بہت بڑا ظلم کیا ہے آپ دونوں نے معاشرے کو دو الجھے ہوئے شہری دیئے ہیں، آگے جا کر یہ ..... یہ کیا کریں گے۔" عارف کو ... اصرار ہو رہا تھا واصف اور آمنہ پر۔

"میں مانتی ہوں عارف! یہ بھی میری ہی غلطی ہے، میری ہی خطا ہے، تم درست کہہ رہے ہو۔ اگر میں ... سب بتا دیتی تو کم از کم بچے شاید تباہ ہونے سے بچ جاتے لیکن عارف تم واصف کو نہیں جانتے، وہ کس حد ... ہیں۔ شک ان کے اندر کینسر کی طرح پھیل چکا ہے۔ چاہے وہ تو اپنے سائے پر بھی شک کرتے ہیں، مجھ ... ہیں، اب تو خود اذیت ... ہیں۔ عارف! واصف کا یہ حال ہو گیا ہے کہ اپنا پا بھول گئے ہیں مگر ... لگتا ہے ... تک رہے گا۔ میری ایک ایک حرکت پر نظر رکھیں گے، ... کرتے رہیں گے، ان کے شک کے چنگل میں بچے بھی پھنس چکے ہیں، میں تو شرمندہ ہوں واصف ... اپنے بچوں سے اور تم سب سے۔ کاش میں مر جاتی یہ سب دیکھنے سے پہلے۔" آمنہ کے سارے زخم ... ہو گئے اور وہ عارف کے ساتھ لگی شدت سے رو دی۔

"بھابی جان ..... ! حوصلہ کریں، اب اللہ بہتر کرے گا۔ کاش ..... ! آپ لوگ بچوں کو لے کر پہلے آ جاتے ... خراب زیادہ فکر مند نہ ہوں، اب یہاں ہم سب ہیں سب مل کر دکھ بانٹیں تو اتنی شدت نہیں ہوتی جتنی ..."

... مزید کوئی بات کرنے والا تھا کہ اسی وقت واصف آ گیا۔ آمنہ اندر سے کانپ گئی۔

"ہاں ہاں ..... ! کر دو ناں میری شکایت، میں برا ہوں، تم پر ظلم کرتا ہوں، بچوں کو بگاڑ دیا ہے۔ بولو، چپ ... ہو گئیں، ہر وقت تم میری برائیاں کرتی ہو ہر ایک سے۔"

"ہر ایک؟ بھائی ہوں میں آپ کا، ہر ایک نہیں کہ آپ کو کوئی خوف ہو اور پھر اس میں شکایت والی کیا بات ہے۔ میں نے خود بھابی سے ساری باتیں پوچھیں۔ آپ لوگوں نے اپنی زندگی تو برباد کی ہی ہے، بچوں کا ... غرق کر دیا ہے۔ کیا بنا دیا ہے آپ دونوں نے بچوں کو۔ شرجیل مرد ہو کر بھی مرد نہیں، ماہم۔" عارف ... میں تھا، اس نے واصف کو بھی سنا ڈالیں۔ اسے سب سے زیادہ صدمہ شرجیل کا تھا۔

"یہ ... یہ سارا کیا دھرا ان کی ماں کا ہے، میں نے کچھ نہیں کیا جو کچھ کیا ہے ان کی ماں نے کیا ہے۔"

"مجھے نہیں معلوم تھا بھائی! اگر آپ اتنے چھوٹے ظرف کے مالک ہوں گے۔ ٹھیک ہے بھابی سے

ایک غلطی ہوگئی اور غلطی بھی کیا، شادی سے پہلے لڑکیوں کی زندگی میں لڑکے اور لڑکوں کی زندگی میں ...
جاتی ہیں۔ نصیب میں ہو تو ہمسفر بن جاتے ہیں نہ ہو تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ اپنی اور دوسروں کی
عذاب بنا دیا جائے۔ سارے قصے میں مجھے بھابی کا کوئی قصور نظر نہیں آتا۔ اس وقت تو آپ بڑے پُر
ہوئے تھے کہ خود ان کے ساتھ ملے ہوئے تھے، حسن دوران کو مدنے کے لئے پیچھے ہٹ رہے تھے۔ اگر
دولت کا ثبوت دیا تو آپ کو اپنے ظرف کی بلندی پر رہنا چاہیے تھا۔ خاموشی سے اس کو اپنا کر کانوں کان
نہ ہونے دیتے مگر آپ نے تو انتہا کر دی کم ظرفی کی۔ ان پر احسان کیا کہ اس کی عزت کی خاطر ان کو
بزرگوں کے سامنے سعادت مند بن کر دُعا ئیں سمیٹیں۔ کاش بھائی ! آپ نے یہ سب نہ کیا ہوتا تو
بچے دوہرے معیار کی زندگی گزارنے پر مجبور نہ ہوتے۔ آپ بہت چھوٹے ظرف "
"شٹ اپ عارف !" واصف کی دھاڑ گونجی۔

◆ ◆ ◆

واصف کی دھاڑ کی گونج کمرے کے احاطے کو اپنی گرفت میں لے کر باہر نکل جاتی اگر دروازے
بند نہ ہوتے۔ آمنہ حسن کی حالت اس وقت ایسی ہو رہی تھی کہ جیسے وہ کوئی گناہ کر کے بیچ بازار میں بیٹھی
ہو ہر طرف سے لعن و طعن کے پتھر برس رہے ہوں۔ آج عارف کے سامنے مجبوراً اپنے ماضی کو بے نقاب کرتے
ہوئے وہ اس بے حجابی پر پانی پانی ہو رہی تھی۔ عارف نے اپنی عدالت سے اسے بے گناہ قرار دے کر بری کر دیا
... وہ تو ہر وقت ... یہ بہانا ... فرض سمجھا تھا۔ مگر جانے شک کی کیسی گیلی لکڑی سلگ رہی تھی اس
... جلتی تھی نہ بجھ رہی تھی ... وقت دھواں ... رہتا تھا آنکھوں میں اور اس دھوئیں کی چبھن کو دل میں
... آمنہ کا مقدر تھا اور وہ اپنے مقدر کو، اپنی شکست کو قبول کر چکی تھی۔
"عارف ! پلیز !" اس نے آہستگی سے عارف کا ہاتھ دبا کر مزید کچھ کہنے سے روک دیا مگر
... نے آمنہ کا ہاتھ الگ کرتے ہوئے خشمگیں نظروں سے اسے دیکھا اور واصف کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ غصہ
... حس کے نتھنے پھولے ہوئے تھے اور ... تنی ہوئی تھیں اور گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔ عارف دُکھ کا گہرا
... لئے اسے کتنی دیر دیکھتا رہا۔ خاندان کا سب سے خوبرو، وجیہہ اسمارٹ بندہ تھا یہ جس کو شک نے کیا بنا دیا تھا۔
... رہا تھا نہ چال میں اعتماد۔ اس نے ایک طویل سا سانس لیا اور آہستگی سے واصف کا ہاتھ پکڑا پھر
... سے گلے لگا لیا۔
"بھائی ! یہ ... یہ آپ نے خود کو کیا کر لیا ہے؟ بھائی .....! آپ کی تو پہچان دشوار ہو گئی ہے۔
... گم کر دیا ہے آپ نے میرے اس بھائی کو جس کو میں پسند کیا کرتا تھا؟ میں نے ماضی کے اس واصف
... کردار کو اپنا آئیڈیل بنایا تھا۔ اسی کردار پر میں نے اپنی زندگی کی بنیاد کھڑی کی اور آج الحمد للہ میں خوش و
... مطمئن ہوں لیکن آپ بھائی ..... ! کہاں کمزور پڑ گئے ......؟ قسم سے بھائی ......! میں آپ کو پہچان نہیں پا رہا کہ
آپ میرے وہی بھائی ہیں جو دوسروں کی ذرا سی تکلیف پر تڑپ جایا کرتے تھے، دوسرے کی خوشی کے لئے خود کو
... کر دیا کرتے تھے۔ بھائی ! آپ کا تو فلسفہ زندگی اور فلسفہ محبت تو بہت زیادہ مضبوط تھا پھر اپنی زندگی کو
... کیسے بنا لیا آپ نے؟ کیوں بھائی ...؟ کیوں ...؟"

"آئی ایم سوری عارف! میں غصہ ہو گئی تھی ذرا، ورنہ سارے حقوق تم ہی لوگوں کو تو حاصل
سوری!"

واصف کو بیڈ پر لٹا کر عارف جانے لگا تو آمنہ کے شرمندہ لہجے میں ڈھلے ندامت زدہ لفظوں نے عارف کو
مڑنے پر مجبور کر دیا۔

"نیور مائنڈ بھابی..... افسوس صرف اس بات کا ہے کہ بھائی تو بھائی آپ نے بھی ہم سے ہر بات
چھپائی۔ آپ نے اپنی زندگی تو برباد کی ہی تھی مجھے اصل صدمہ بچوں کا ہے۔ دونوں بچوں کے رویے ابنارمل
ہیں اس سے پہلے مجھے یہ سب پتہ چل جاتا بھابی..... اف....."

عارف جذباتی ہو کر تیزی سے باہر نکل گیا تو آمنہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر شدت سے رو پڑی۔

● ● ●

وقت کروٹ لے چکا تھا اور جوانی کو بڑھاپے اور لڑکپن کو جوانی کے رستے پر ڈال کر آگے بڑھ چکا تھا۔
اس وقت کے بزرگ اللہ کو پیارے ہو چکے تھے اپنی زندگی کا سفر پورا کر کے اور عارف کو دکھ اور شکوہ اسی بات کا
تھا کہ واصف اور آمنہ نے واپسی میں اتنی دیر کر دی تھی کہ ہاتھوں پر پچھتاوے کی گرد بھی باقی نہیں رہی تھی۔ ... امبر
رکی تھی ور تھی بھی نارمل، کچھ ناپسندیدہ حرکتیں اور عادتیں جو کہ بچپن کی تھیں اس نے اس کو دی تھیں اس میں مو
ضرور تھیں مگر شرجیل چھ فٹ کا خوبرو نوجوان جب زیادہ وقت لڑکیوں کے درمیان گزارتا لڑکیوں کی طرح باتیں
کرتا، باتیں کرتے کرتے ہکلا جاتا، بات دہرائے جاتا، لڑکیوں سے دبتا تو عارف ماتھا پیٹ کر رہ جاتا۔ اس وقت
بھی گھر کے سارے لڑکے باہر کرکٹ کھیل رہے تھے اور شرجیل سب کزنز میں بیٹھا ان کی باتیں ہنس ہنس کے
سن رہا تھا کہ عارف آ گیا۔

"شرجیل!" عارف کی آواز کیا گونجی شرجیل کا دل دھڑ دھڑ کرنے لگا۔ مارے خوف کے ماتھے پر پسینہ
آ گیا۔ نجانے کیا خطا ہو گئی۔ یہ خوف جسم میں لرزا بن کر اترا تو ہاتھوں میں پکڑا گرم چائے کا مگ ہاتھ سے چھوٹ
کر پیروں پر گرا لیا۔ گرم گرم چائے آبلے بنا گئی پیروں پر مگر چچا کے خوف نے اس جلن اور تکلیف کی
بہت کو ختم کر دیا۔

"جج، جج، جج جی.....! چاچو.....!" لڑکیاں تو اس کے انداز میں اپنی ہنسی چھپا کر دبک گئیں اور کچھ کو ہمدردی
ہونے لگی اور ہمدردوں میں غصہ عارف نمایاں تھی۔

"یہ تم ہر وقت لڑکیوں میں کیوں گھسے رہتے ہو۔ چلو باہر!"

عارف کا لہجہ نارمل تھا مگر شرجیل کے پسینے چھوٹ گئے تھے۔ پیروں کی جلن سناٹا بن کر دماغ میں سا
سائیں کر رہی تھی۔

"یہ تمہاری بہنیں ہیں ان کے ساتھ ضرور بیٹھا کرو لیکن تمہیں زیادہ وقت لڑکوں کے ساتھ گزارنا چاہیے۔
چلو باہر لڑکے کرکٹ کھیل رہے ہیں تم بھی کھیلو!"

عارف اس کے چہرے کو پڑھ رہے تھے۔ خوف زدہ چہرے کے بھینگ سائے نے اس کے نوجوان مردانہ جسم
پر رعشہ طاری کر دیا تھا۔

"جی جی ضرور کھیلوں گا مگر چاچو! مجھے تو کھیلنا آتا ہی نہیں۔" کرکٹ اس کا فیورٹ کھیل تھا۔ اسکول
میں وہ کھیلا کرتا تھا پھر ایک روز اسی کے گھر کے بڑے لان کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بچوں نے کرکٹ کھیلا
تو بال سے واصف کے کمرے کی کھڑکی کا شیشہ ٹوٹ گیا۔ پھر کیا تھا اس کے ان ہی دوستوں کے
سامنے واصف نے وہ درگت بنائی تھی کہ وہ سب کچھ بھول گیا۔

"چاچو۔ شرجیل بھائی کو تو لڈو کھیلنا بھی نہیں آتی۔ ان کے چھ پر چھ آتے ہیں مگر یہ اپنی گوٹ ہی باہر
نکالتے۔ ان کو تو کچھ بھی کھیلنا نہیں آتا۔ کھیلتے ہیں تو ہار جاتے ہیں۔"

مونا نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا تو ماہم کھڑی ہو گئی۔ وہ جو بھائی کے حقوق کے لئے بچپن ہی
سے لڑتی آئی تھی اس وقت بھی بھائی کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔

"جن بچوں کے والدین ان کی زندگی سے کھیلتے ہیں ناں مونا..... وہ بچے زندگی کا ہر کھیل ہار ہی جایا
کرتے ہیں۔ تم لوگوں کو نارمل والدین ملے ہیں اس لئے تم لوگ ہر کھیل جیت جاتے ہو۔ آ گئیں بھیا۔" ماہم
کمرے میں چلیں۔"

اپنی زندگی کی ناکامی، والدین کا رویہ، شرجیل کی حالت سب باتیں مل کر ماہم کے حلق میں گولا سا بن کر
اٹک گئیں۔ اس نے شرجیل کا ہاتھ پکڑا اور آگے بڑھنے لگی تب عارف نے دونوں کو ساتھ لگا لیا۔

"ماہم بیٹا! ہم لوگ بھی تم لوگوں کے کچھ لگتے ہیں۔ کاش وقت پر پتہ چل جاتا تو آج زندگی کی
... ظالمانہ رویوں پر ختم ہو چکے۔ تم جاؤ کمرے میں میں شرجیل کو باہر لے کر جا رہا ہوں۔"

... آگے ... عارف ... باہر لان میں لے آئے جہاں ان کے گھر کے لڑکوں کے علاوہ
... کے نوجوان لڑکے بھی کرکٹ کھیل رہے تھے عارف اور شرجیل کو دیکھ کر وقتی طور پر کھیل رک گیا اور گھر کے
لڑکے عارف کے قریب آ گئے۔

"خیریت ہے چاچا جان!" امجد نے سب کی نمائندگی کرتے ہوئے حیرت کو جملے میں لپیٹا تو عارف نے ایک نظر سب
لڑکوں پر ڈالی جو اپنے کھیل میں مخل ہونے پر ... ہو گئے تھے۔

"ہاں! بالکل خیریت ہے بیٹا! یہ شرجیل تم لوگوں کا بھائی ہے۔" عارف نے شرجیل کو دیکھا جو
اندر ہی اندر خوف زدہ ہو رہا تھا کہ نجانے اب کیا ہونے والا ہے۔ عارف کی بات پر مونی نے شانے اچکائے۔

"ابو! آج تک یہ فیصلہ تو ہو نہیں سکا کہ شرجیل ہمارا بھائی ہے کہ بہن ہے۔"

مونی نے اپنے دوست کو دیکھ کر آنکھ دبائی۔ دونوں معنی خیز انداز میں ہنسے تو عارف کو غصہ آ گیا۔

"شٹ اپ مونی! شرم آنی چاہیے تمہیں ایسی باتیں اور حرکتیں کرتے ہوئے۔ بدقسمتی سے اگر اس
کے ساتھ ایسا ہو گیا ہے تو بجائے اس کا ساتھ دینے کے گھٹیا باتیں کرتے ہوئے شرم نہیں آئی؟ امجد!
ثاقب!"

مونی کو ڈانٹ کر عارف بڑے بھائی کے بیٹے امجد اور ثاقب کی طرف مڑے۔

"جی چاچو!" دونوں ہمہ تن گوش ہو گئے۔

"بیٹا! یہ تم ہی لوگوں میں سے ہے اس کو اب تم لوگوں نے ہی سہارا دینا ہے۔ اسے زیادہ سے زیادہ

اپنے ساتھ رکھا کرو، اس کی جو بھی بیماری ہے وہ توجہ اور اعتماد کی کمی ہے۔ اسے بھرپور توجہ دو، اعتماد دو۔ اندر۔ یہ تم لوگوں کی ذمہ داری ہے۔ اگر گھر کے لوگ ہی ساتھ نہ دیں تو پرائے لوگ پھر پرائے ہوتے ہیں۔ چاہتا ہوں کہ یہ زیادہ سے زیادہ تم لوگوں کی صحبت میں رہے۔" عارف نے قدرے فاصلے پر کھڑے شرجیل کو دیکھا جو خوفزدہ نظروں سے اطراف میں پھیلے لڑکوں کو دیکھ کر سہمتا رہا تھا۔ کبھی ناخن کاٹنے لگتا۔

"آپ فکر نہ کریں چاچو۔ ! ہم پوری کوشش کریں گے کہ شرجیل نارمل ہو جائے۔"

"تھینک یو بیٹا۔ ! شرجیل۔۔ ! آؤ بیٹا...... ! بھائی کے ساتھ کھیلو۔۔ !"

عارف نے ثاقب کی بات پر ایک اطمینان بھرا سانس لیتے ہوئے شرجیل کو قریب بلایا تو وہ ناخن کاٹتا ان کے قریب آ گیا۔

"بیٹا۔ ! یہ تمہارے اپنے بھائی ہیں، دوست ہیں، اپنا زیادہ وقت بچوں کے ساتھ گزارنے کی بجائے اپنے ان بھائی کے ساتھ گزارا کرو۔ چلو شروع ہو جاؤ ان کے ساتھ کرکٹ کھیلنا۔"

معصوم ستم رسیدہ شرجیل جس انداز میں بات کر رہا تھا تو بہت سے لڑکے ایک دوسرے کو ٹھوکے مار کر دبا کر ہنس رہے تھے۔ سب میں نمایاں موبی تھا جو عارف کا بیٹا تھا مگر شرجیل سے اسے اس لیے چڑ تھی کہ شرجیل کو بھرپور توجہ حاصل تھی اور ثاقب کو وہ بچپن ہی سے پسند کرتا تھا۔ اس لیے شروع ہی سے شرجیل کو تنگ کرنے کا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔ اس وقت بھی وہ دوسرے لڑکوں کے ساتھ مل کر اس کا مذاق اُڑا رہا تھا۔

"کم آن مس شرجیل ! اب لجانا چھوڑیے اور جا کے گیند پکڑ کر لائیے۔" موبی نے شرارت سے

موبی کا دوست شرجیل کے قریب آ کر بدتمیزی سے بولا۔ [illegible] ساجد کو ڈپٹ دیا۔

"کیا بدتمیزی ہے یہ ساجد ! ہم جس ٹرانس سے اسے باہر لانا چاہتے ہیں تم لوگ"

"اے ہاوسینہ...... ! گیند پھینک دے اب کیا جان کر مٹھی میں بند کر لی ہے ؟"

ساجد کی بات منہ میں ہی تھی کہ دوسری طرف سے کسی دوسرے لڑکے کی آواز پر اس نے غصے سے اسے گھورا

"شرجیل ! تھرو دا بال !" ثاقب نے کہا تو شرجیل کانپ اُٹھا۔ بال اس کے پاؤں پر ہی گری جلے ہوئے پاؤں پر سخت گیند کی چوٹ سے اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"او یار ! باہر نکالو اس کاکی کو۔" کسی طرف سے مدھم سی آواز ابھری۔

"یار ثاقب ! آئندہ سے اس لڑکی کو کھلایا تو ہم سے کچھ نہ رکھنا۔"

ایک اور تیر شرجیل کے دل ناتواں میں پیوست ہو گیا۔

"اس لڑکی کو لڑکا بنانا ہے تو کرکٹ سے نہیں ہو سکتا یہ کرشمہ۔ اس کے لیے میڈیکل والوں سے رجوع کرو۔ کمبخت نے سارا موڈ غارت کر دیا گیم کا۔ او یار ! تم تو بس کرو، خواہ مخواہ رن بنا بنا کر مرے جا رہے ہو۔" مخالف ٹیم کا کپتان شرجیل کو گھور کر آگے بڑھ گیا۔

شرجیل کی ٹانگوں کی جان ختم ہو گئی۔ وہ گراؤنڈ میں وہیں بیٹھ گیا اور خاص لڑکیوں والے انداز میں گھٹنوں میں سر دے کر رونے لگا تو موبی مسخرے پن سے آنکھ دباتا ہوا آگے بڑھا، اس کے قریب بیٹھ کر اس کے انداز

لگا۔

"وں، وؤں۔ ! کس نے مارا میری گڑیا کو ؟ نانی کھاؤ گی ؟"

"جسٹ شٹ اپ موبی ! حد ہوتی ہے بدتمیزی کی۔ تم تو گر گئے ہو انسانیت سے۔ وہ لوگ تو غیر ہیں تو اس کا خون کا رشتہ ہے۔ بھائی ہے یہ تمہارا۔" ثاقب نے غصے سے موبی کو دھکا دیا اور شرجیل کو اُٹھا کر کھڑا کیا مگر موبی باز نہ آیا۔ کپڑے جھاڑتا کھڑا ہو گیا۔

"بھائی ہے ؟ سچ یقین تو نہیں مگر تم کہتے ہو تو مان لیتے ہیں۔"

"یقین نہیں آتا کہ تم عارف چاچو ہی کے بیٹے ہو ؟" اسجد کو شدید تاؤ آ رہا تھا۔

"تو اس میں تمہارے یقین کا قصور ہے میرا نہیں۔ آؤ شرجیلہ ! گھر چلیں۔"

"آؤ شرجیل ! گھر چلیں۔"

موبی نے شرجیل کا ہاتھ پکڑا تو ثاقب نے اس کا ہاتھ اس کے ہاتھ سے الگ کر کے خود پکڑ کر کہا۔

"تم تو اسے مجھ سے ایسے بچا رہے ہو ثاقب ! جیسے یہ واقعی شرجیل نہیں شرجیلہ ہو۔"

"شٹ اپ موبی ! اچھا چچو کو بتانا ہی پڑے گا کہ تم آج کل کس صحبت میں رہتے ہو۔"

ثاقب نے قریب ہی کھڑے نوید کو گھورا جو بڑی تیزی سے چیونگم چبا چبا کر ببل بنا کر پھوڑ رہا تھا۔ ثاقب کی بات کا مطلب ناگواری کا دھواں بن کر اس کے چہرے پہ آیا اور تمسخرانہ مسکراہٹ نے ہونٹوں پر آ کر دم توڑ دیا۔

"ثاقب ! اب تم چپ ہو جاؤ چچا آئیں گے، ماریں گے۔ گھر چلو مجھے ماما کے پاس جانا ہے۔"

شرجیل بری طرح کانپ رہا تھا۔ ایک ہی بات بار بار دہرا رہا تھا۔ لڑکوں کے درمیان ہوتی لفظوں کی گولہ باری کی جنگ لگ رہی تھی۔ وہ اگر نارمل ہوتا تو کسی کو کیا کہنے کی جرأت نہ ہوتی اور وہ دانت توڑ کر ہاتھ میں پکڑا دیتا مگر اس وقت بالکل خوفزدہ چڑیا کی طرح لگ رہا تھا۔ ثاقب اور اسجد اسے گھر لے آئے۔

"ماہم ! ماہم مجھے چھپا لو۔" وہ بے ساختہ چھوٹی نازک سی ماہم کی اوٹ میں چھپنے لگا۔ اس کے دوپٹے میں خود کو چھپانے لگا۔ بھائی کی یہ حالت کیوں اور کب ہوتی ہے یہ ماہم اچھی طرح جانتی تھی۔ اس کے خون میں ابال اُٹھنے لگے۔

"کیا ہوا ہے بھائی کو آپ کو ؟ لیکن آپ یہ بتانے کے قابل ہوتے تو آج یہ حالت کیوں ہوتی ؟ بھائی کو کیا ہوا ہے ثاقب بھائی ... ؟" ماہم نے شرجیل کا برف ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر تیز نظروں سے سب کو دیکھا تو ثاقب اور اسجد چپ رہے۔ موبی چیونگم کے ببل بنا بنا کر پھوڑتا رہا۔ ماہم نے موبی کو مشکوک انداز میں گھورا۔

"کچھ نہیں ماہم ! تم تو جانتی ہو کچھ لوگ سطحی سوچ کے مالک ہوتے ہیں۔ بس آج کھیل میں بھی لڑکوں نے ایسی ہی باتیں کر دیں تو شرجیل ہسٹرک ہو گیا اور......"

ثاقب سمجھدار نوجوان تھا۔ جانتا تھا اگر اس نے موبی کا نام لیا تو ماہم اسے نوچ ڈالے گی۔ وہ اپنے بھائی کے معاملے میں بہت زیادہ حساس اور پوزیسو تھی۔ گھر کی فضا آلودہ نہ ہو اسی لیے موبی کا نام چھپا لیا گیا اور شرجیل کو سب جانتے تھے۔ وہ کبھی بھی اپنے مجرم کا نام نہیں لیتا تھا مگر اس کا پیش کردہ جواز ماہم کو سلگا گیا۔

سے ہتھیلی سے آنکھیں رگڑ ڈالیں۔

"جی تو فرسٹ ائیر! آپ سے تعارف حاصل کرنے سے قبل ہم چاہیں گے کہ فرسٹ ائیر کی آج تیار کی گئی تختی کی نقاب کشائی کی جائے اور اس کے لئے ہم نے فیصلہ کیا تھا کہ فرسٹ ائیر کا جو اسٹوڈنٹ پہلی کلاس میں لیٹ آئے گا وہی اس کی نقاب کشائی کرے گا۔ لہٰذا یہ فیتہ کاٹنے کے لئے میں دعوت دیتا ہوں وردہ وجاہت کو۔ سب بچے تالیاں بجائیں، شاباش.....!" سر کی ہدایت پر فرسٹ ائیر سمیت سب تالیاں پیٹنے لگے۔ شریر گروپ نے سیٹیاں بجانا بھی شروع کر دیں۔ وردہ کی حالت دیدنی تھی، خنکی میں بھی گھبراہٹ کے قطرے اس کی پیشانی پر آ گئے۔

"آیئے مس وردہ وجاہت!" سر سے لیتے اس کے قریب آ گئے۔ اپنا ہاتھ پیش کیا مگر وردہ کی تو گویا ٹانگوں سے جان نکل چکی تھی۔ آنکھوں کا آسمان نیلے بادلوں سے گھر گیا تھا۔ ابھی چھما چھم بارش ہونے لگے گی۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے، کیوں ہو رہا ہے اس وقت ماؤف دماغ میں کچھ نہیں آ رہا تھا سوائے اس کے کہ کیا کہیں ایسا بھی ہوتا ہے۔ ٹیچرز اتنے کم ظرف اور ایسے بھی ہوتے ہیں۔ اس نے لرزتی پلکوں سے اپنی بچپن کی دوست ناجیہ کی طرف دیکھا۔ اس کی حالت کب اس سے جدا تھی ہاں اطمینان تھا تو اتنا کہ لیٹ نہ آنے کی صورت میں سے یہ فیس کرنا نہیں پڑا۔

"جلدی کیجئے سر..... ! آپ کی مہمان خصوصی کچھ زیادہ ہی نخرے نہیں دکھا رہیں؟"

یہ آواز بھی اسی شریر گروپ میں سے آئی تھی۔ سر نے اشارے سے ان کو چپ کرایا۔

"ہوتا ہے میرے بھائی..... ایسا ہی ہوتا ہے۔ خاص [illegible] جاتی مطلب ہے کہ مس وردہ وجاہت! دیر ہو رہی ہے، ابھی آپ [illegible] وردہ کی جانب جھکے سر بڑی گہری نگاہوں سے وردہ کا مطالعہ کرتے ہوئے گمبھیر انداز میں بولے۔

"جاؤ ناں۔!" ناجیہ نے کہنی مار کر اسے جانے کے لئے کہا۔

"جی سر۔!" آواز کی کپکپاہٹ اور [illegible] کر گئی۔

"گڈ۔! آیئے! تالیاں! ابھی تالیوں کے معاملے میں کنجوسی ہرگز نہیں چلے گی۔" اور یوں تالیوں کی گونج میں وہ لرزتے قدموں کے ساتھ بڑے سے بلیک بورڈ کی جانب چلنے لگی جس کو باقاعدہ چارٹ پیپر سے ڈھانپا ہوا تھا۔

"یہ لیجئے فیتہ کاٹئے وردہ وجاہت۔!" سر نے قینچی اس کی طرف بڑھائی تو اس نے دھڑکتے دل اور لرزتے ہاتھوں سے فیتہ کاٹ دیا۔ ہال تالیوں، سیٹیوں سے گونج اٹھا۔

"سب بچے اب مس وردہ وجاہت کے ساتھ مل کر بورڈ پر لکھا ہوا دہرائیے۔"

سر نے آواز کو رعب دار بناتے ہوئے حکمیہ انداز میں کہا تو سب بلیک بورڈ پر درج تحریر کو دیکھنے لگے جس پر بڑا بڑا درج تھا "ہم سب فول ہیں" پھر ساری فرسٹ ائیر ایک دوسرے کو دیکھنے لگی۔ اب تو وردہ کو ساری کہانی سمجھ آنے لگی تھی۔ غصے کی ایک شدید لہر نے کھولا دیا مگر وہ کوئی تماشا نہیں کرنا چاہتی تھی، ضبط کئے چپ رہی۔

"مس وردہ وجاہت.....! آپ آج اس کلاس کی مانیٹر ہیں، ذرا بلند آواز میں پڑھئے ورنہ....."

مزید تماشا بننے سے بہتر تھا اس نے پہل کی۔ پڑھنا شروع کیا تو ساری فرسٹ ائیر پڑھنے لگی۔

"ہم سب فول ہیں، ہم سب فول ہیں۔" فرسٹ ائیر پڑھ رہی تھی اور سیکنڈ ائیر کا یہ شریر گروپ ان کی معصومیت کو انجوائے کر رہا تھا۔

"یس...! آف کورس یو آر فول...!"

"ارے... سر آ گئے۔" سامنے سے واقعی سر آ گئے تو لڑکے بھی دم دبا کر بھاگے۔

"مزین آفاق...! کم بیک۔" مزین آفاق جو سر کا کردار ادا کر رہا تھا اب بھاگ رہا تھا کہ سر نے بلا لیا۔

"یس سر؟" وہ بھیگی بلی بنا، معصوم بنا کھڑا ساری فرسٹ ائیر کی غصیلی نگاہوں کی حدت اپنے وجود پر برداشت کر رہا تھا۔ اس نے کن انکھیوں سے وردہ کو دیکھا جس کو وہ ایڈمیشن کے سلسلے میں آتے جاتے دیکھتا رہا تھا [illegible] لیکن اسے ہی تنگ کرنے کو دل چاہ رہا تھا اسی لئے اس نے اس کے بارے میں تمام معلومات لے کر ان کی کلاس کو فول بنانے کا پروگرام بنایا تھا اور وردہ کا بس چلتا تو اس کا سر توڑ دیتی۔

"مزین آفاق..! میں پوچھتا ہوں اس قسم کی کارروائیوں کے کیڑے تمہارے ہی دماغ میں کلبلاتے ہیں۔ خیر ہو گئی تمہاری تسلی فرسٹ ائیر کو فول بنا کر؟ کسی کو زیادہ تنگ تو نہیں کیا؟"

"ناٹ ایٹ آل سر.....! یہ تو کچھ بھی نہیں ایسے بھی فرسٹ ائیر کو فول بنانا سینئرز کا حق ہوتا ہے اس میں تو کچھ بھی ہو اٹس پارٹ آف گیم۔ آپ نے بھی تو اپنی فرسٹ ائیر کو فول بنایا ہی ہوگا۔ فول زفول ہے ناں مس [illegible]"

مزین [illegible] تو وہ تلملا کر پیچھے ہٹی۔

"شٹ اپ۔!" وہ اپنی سیٹ پر جا بیٹھی۔

"آپ جائیں مزین آفاق.....!" سر سلطان نے اسے جانے کو کہا تو وہ ان سب کو ہاتھ ہلاتا کلاس سے باہر نکل گیا۔ فرسٹ ائیر کے اسٹوڈنٹس اس مصیبت کے ٹل جانے پر کچھ پرسکون ہو کر بیٹھ گئے۔ وردہ کا خون کھولتا ہی رہا کیونکہ سب سے زیادہ وہی فول بنائی گئی تھی۔

"ناؤ چیئر اپ...! یہی زندگی ہے اور روایت کی رو سے فرسٹ ائیر ہمیشہ فول بنائی جاتی ہے اور اس کی سینئر کلاس اپنی ریگنگ کا انتقام نئی فرسٹ ائیر سے لیتی ہے۔ اٹس پارٹ آف گیم۔ سیریس نہیں ہونا چاہئے۔ یوں بھی فرسٹ ائیر اور سیکنڈ ائیر اوپر تلے کے بہن بھائیوں کی طرح آپس میں الجھتے ہی رہتے ہیں۔ کھیل کو کھیل جان کر انجوائے کریں سیریس ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ پہلا اور آخری کھیل نہیں، یہ نوک جھونک تو چلتی ہی رہے گی۔ مائنڈ کرنے یا دل پر لینے کی ضرورت نہیں۔ سپیشلی یو مس وردہ وجاہت۔! ریلیکس۔! آپ کے چہرے سے لگ رہا ہے آپ بہت ٹینس ہیں، اعصابی تناؤ ختم کیجئے۔ آپ لوگ مستقبل کے ڈاکٹرز ہیں اور ڈاکٹرز میں تو بہت زیادہ ضبط ہونا چاہئے۔ اینی وے! آیئے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ انسانیت کی خدمت کا جو جذبہ لے کر آپ لوگ میدان طب میں اترے ہیں تو اس کے بہترین کھلاڑی ثابت ہوں اور انسانیت کی سچی خدمت کریں، آمین۔!"

ڈاکٹر سلطان نے جو دعائیہ انداز میں ہاتھ کھڑے کر رکھے تھے دعا مانگ کر منہ پر پھیرے۔ ان کی تائید

میں سب نے ایسا کرتے ہوئے آمین کہا۔

"آج پہلی کلاس ہے۔ پڑھائی تو خیر کیا اسٹارٹ ہوگی پہلے ہم ایک دوسرے سے تعارف حاصل کرتے ہیں۔ میرا نام ڈاکٹر سلطان احمد ہے اور اسی کالج کے پہلے بیچ کا اسٹوڈنٹ ہوں۔ بحیثیت اسٹوڈنٹ بھی اس کا وفادار رہا ہوں اور بحیثیت استاد بھی کوشش کرتا ہوں کہ اپنا علم، اپنی قابلیت اپنے اسٹوڈنٹس میں منتقل کردوں۔"

اور پھر سر سلطان باری باری سب سے تعارف حاصل کرتے رہے۔

"اینڈ یو...؟" وردہ پر آ کر سر رک گئے جو ابھی تک کھوئی ہوئی تھی۔

سر نے وردہ کی طرف اشارہ کیا تو وہ چونک کر کھڑی ہوگئی۔

"آئی ایم وردہ وجاہت اینڈ..."

"اور یہ کہ آپ ڈاکٹر شہلا کی بیٹی ہیں۔ یقیناً اگلا جملہ یہی تھا۔ میں خود ہی کہہ رہا ہوں ابھی لمبی تو جانے پر ابھی آپ کا حصہ کیا نہیں۔ بیٹا...! میں آپ سب کو بتاؤں کہ ڈاکٹر شہلا اور میں ساتھ اسی کالج میں پڑھتے رہے ہیں۔ شہلا جب فرسٹ ایئر بن کر آئی تو سیکنڈ ایئر یعنی ہم لوگوں نے شہلا کی کلاس کو خوب خوب فول بنایا۔ شہلا بھی کچھ ایسے ہی جذباتی ہوگئی تھی اور جب ہم لوگوں کو پتہ چلا تو ہم نے اسے مزید ستایا۔ دراصل مخالف صنف کے لوگ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتے ہیں اور نوجوانی میں تو کیا پوچھ کہ ہے یہ تو کوئی سمجھنا چاہتا ہی نہیں، اس لئے بیٹا...! اگر تم نے ایسا رویہ شو کیا تو یہ شریر لڑکے خاص طور پر آفاق بہت تنگ کرے گا۔ بس یہ سب انجوائے کرو کیونکہ آج کی یہ مجبوریاں مستقبل کی یادیں بن جائیں گی۔ ہوپ کہ آپ اپنی ماں کی طرح بہت قابل اسٹوڈنٹ ثابت ہوں گی اور ان کی طرح کالج کا نام روشن کریں گی۔"

"آئی ول بیسٹ مائی ٹرائی سر...!"

شہلا کا ذکر یوں بھری کلاس میں اپنے استاد کے منہ سے اچھے اچھے الفاظ میں سن کر وردہ کو عجیب سی خوشی ہونے لگی۔ ایک عجیب سا اعتماد آ گیا تھا اس کے اندر اور ساری کلاس کے لوگ رشک سے وردہ کو دیکھنے لگے جیسے وردہ خاص چیز ہوگئی ہو۔

"حیرت ہے...! سر نے کبھی بھی اپنے تعلیمی دور کا ذکر ہی نہیں کیا۔"

کالج کے کوریڈور میں چلتے ہوئے وہ ناجیہ سے کہہ رہی تھی۔

"حالانکہ سر سلطان قابل ذکر شخصیت ہیں، کتنے سوبر اور ہینڈسم ہیں ناں...؟" ناجیہ سر سلطان سے متاثر لگ رہی تھی۔ دونوں باتوں میں مگن جا رہی تھیں کہ پیچھے سے آنے والی آواز پر پلٹیں۔

"ارے لڑکیو...! سنو تو، کچھ سنا آپ لوگوں نے...؟" وہ انتہائی قریب آ کر حیرت اور وحشت طاری کئے گھبرائے انداز میں بولے تو وہ گھبرا گئی کہ جانے کیا بات ہے۔

"جی نہیں...! ہم نے تو کچھ نہیں سنا۔" ناجیہ گھبرائی۔

"کتنی حیرت کی بات ہے ہم نے بھی کچھ نہیں سنا۔"

دونوں لڑکوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور قہقہہ لگاتے ہوئے بھاگ گئے۔

"بدتمیز...! ڈرا دیا، میں سمجھی پتہ نہیں کیا بات ہوگئی ہے۔" وردہ نے دور تک ان شریر لڑکوں کو گھورا جو ابھی تک ہنس رہے تھے۔

"یار...! فرسٹ ایئر میں کچھ دن تو فول بنیں گے ہی۔ خیر جب ہماری فرسٹ ایئر آئے گی ہم ان کو بھی خوب فول بنا کر بدلے لیں گے۔"

"ارے ناجیہ حسین... اور وردہ وجاہت...! کہاں جا رہی ہو...؟ تم لوگوں کو کچھ پتہ بھی ہے...؟"

وہ اپنے دھیان میں تھیں کہ ایک لڑکا اور لڑکی ان کی طرف بھاگے آئے۔

"جی بالکل...! ہمیں پتہ ہے کہ ہم فرسٹ ایئر فول ہیں اور کوئی نئی بات...؟" اب دونوں نے طے کر لیا تھا کہ فول بنانے والے کو ایسا ہی جواب دے کر لاجواب کر دیں گی۔

"ارے... اوہ تو تم لوگ ہو مگر یہ پتہ نہیں کہ وہاں کینٹین میں زبردست چائے اور کھانے پینے والی چیزوں کی سیل لگی ہوئی ہے۔"

"تو جائیے سیل میں سے فائدہ اٹھائیے اور خوب کھائیے۔ ہمیں کیوں بتانے آئے ہیں...؟" وردہ نے اس لڑکی اور لڑکے کو گھورا۔

"اس لئے کہ یہ سیل ہم نے لگائی ہی آپ جیسے غریب غرباء اور مفلس اسٹوڈنٹس کے لئے ہے۔" وردہ اور ناجیہ نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ غزین آفاق جیبوں میں ہاتھ ڈالے چیونگم چباتا ہوا وردہ کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ دوبارہ بار حملہ کر رہا تھا، وردہ اب برداشت نہ کر سکی۔

"[illegible] کیوں...؟ آؤ ناجیہ...! ہم فل قیمت پر چائے پئیں تاکہ اسی طرح ان جیسے مستحق طلب کی مدد ہو سکے۔ چلئے ہمیں بھی صدقہ خیرات کرتے رہنا چاہئے ناں...!"

ہائیں، یہ کیا ہوا۔ سیر کو سوا سیر، چور کو مور، نہلے پہ دہلا، سارے محاورے اسی پر فٹ آ گئے تو غزین آفاق چونک گیا۔ وردہ عام سی لڑکی نہیں ہے یہ تو اسے اندازہ تھا مگر وہ اس کی ٹکر کی ہے یہ ایک ہی جملے سے اندازہ ہو گیا تھا۔ اس نے بڑی گہری نظر سے وردہ کا سر سے پیر تک جائزہ لیا پھر ایک اچٹتی سی نظر ناجیہ پر ڈالی جس کا خیال تھا کہ وردہ کو اسے منہ نہیں لگانا چاہئے پھر غزین نے سن گلاسز چڑھائے اور کینٹین کی طرف مڑ گیا۔

"چلئے، یہ کام حاضر ہے...!" وہ دوبارہ پلٹا تو کچھ دیر کے لئے وردہ گھبرا سی گئی۔ ناجیہ کو تو غزین کے انداز میں خوف آنے لگا تھا۔ دونوں نے کھسکنے کا فیصلہ کر لیا۔

"سن... نہیں...! ہماری کلاس ہے، ہم جا رہے ہیں یوں بھی ہم چائے کم ہی پیتے ہیں۔" ناجیہ نے وردہ کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑا اور خوفزدہ لہجے کو بمشکل پراعتماد بناتے ہوئے واپسی کے لئے دونوں مڑیں ہی تھیں کہ اسی پھرتی سے وہ ان کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

"میں جانتا ہوں اس وقت آپ لوگوں کی کوئی کلاس نہیں بس مجھ سے ڈر کر بھاگ رہی ہیں۔ ویسے سوری...! مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ لوگوں کے بیگ میں اتنے پیسے بھی نہیں کہ سیل میں ملنے والی چائے ہی خرید کر پی سکیں، ویری ویری سوری... اور یہ بس کا کرایہ تو ہے ناں تم لوگوں کے پاس یا وہ بھی نہیں...؟ ڈونٹ وری میں ہوں ناں، یہ لو ٹیکسی کا کرایہ رکھو۔"

سسکیاں مجھے، بہت پیار ہے مجھے اپنی ان سسکیوں سے، بہت زیادہ جو آج سولہ برس کی ہو گئیں۔" قطرے اس کے ہونٹوں سے گرنے لگے۔ ابرار نے اِک گہرا سانس لیا اور سامنے دیکھنے لگا۔

"مجھے بھی بہت عزیز ہیں اپنی محبت کی یہ سسکیاں۔"

دونوں اپنی اپنی محبت کی لہروں پر ڈوب رہے تھے۔

"عائشہ! تمہیں کبھی شہباز سے نفرت محسوس نہیں ہوئی؟"

ابرار کا لہجہ یوں تو سادہ تھا مگر اک عجیب سی حسرت، ہلکی سی تلخی کا احساس لیے ہوئے جس نے کیا پوچھ رہا تھا۔ اس کی بات پر عائشہ نے ایک سلگتی سی نگاہ اس پر ڈالی اور پھر کھڑکی سے نظر آتے نیلے آسمان پر پرندوں کو دیکھنے لگی تو ڈھیر ساری یادیں جگنو بن کر اس کے اطراف میں رقصاں ہو گئیں۔ شہباز سے پہلی ملاقات، دل کے دھڑکنے کا نیا انداز، پلکوں پر اترنے والی پہلی لرزش، آنکھوں میں سجنے والے دلفریب خواب، اس کی نظروں سے نکلتے محبت اور پسندیدگی کے تیر اس کے کمسن دل پر وار کرتے تو بے ساختہ ہی تمنا ہونٹوں پر آ جاتی۔ اسے یاد تھا وہ سوچا کرتی تھی کہ شہباز نہ ملا تو وہ زندہ کیسے رہے گی پھر وہ مل بھی گیا، ایک ساتھ زندگی کا سفر بھی طے کیا، پھر وہ اچانک ہی ساتھ چھوڑ گیا اور وہ شرمندہ تھی اپنی زندگی سے کہ جو اس کے بغیر گزر رہی تھی۔

"نہیں ابرار...... ستم تو یہ ہے کہ میں اس ستم گر سے کبھی نفرت کر ہی نہیں پائی باوجود اس کے کہ اس نے میری محبت کو مار دیا، میرا دل ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا، میری کوکھ اجاڑ دی پھر بھی میں اس پتھر سے نفرت نہیں کر پائی۔ شاید اس لیے کہ اس کی محبت کا یقین آج بھی میرے ہاتھوں کی حنا ہے جس کی خوشبو آج بھی میرے ساتھ ہے۔ اس نے کہا تھا کہ کوئی مرد میرا رقیب نہیں ہو سکتا [illegible] اس کے علاوہ کوئی دوسرا مرد میری زندگی میں آ ہی نہیں سکتا، میرے احساس کی دنیا میں قدم رکھ ہی نہیں سکتا، میری چاہتوں کی چوٹی کو سر کر ہی نہیں سکتا۔"

اس کے ٹوٹتے لہجے کی کرچیاں ابرار کی آنکھوں میں اترنے لگیں، ہر منظر دھندلانے لگا۔ شہباز کی محبت، اس کی جدائی، اس کی دوری کے کربناک سائے اس کے حسین چہرے پر دھند بن کر چھانے لگے تو ان ڈھلتے سایوں کا سارا کرب ابرار کے وجود میں حلول ہو گیا۔ اس کے منہ سے اپنے رقیب کی تعریف سننا، اس کی محبت کا دم بھرنا، یہ سب کتنا دشوار ہوتا ہے۔ ابرار کو احساس ہوا۔ اس نے سگریٹ کا گہرا کش لیا اور اپنے اندر کی ساری کثافت کو گویا اس دھوئیں کی صورت کھڑکی سے باہر اڑا دیا اور عائشہ کی بات کے جواب میں چھوٹا سا جملہ بے نام سی شکایت میں ڈھل گیا۔

"ہوں! مجھ سے زیادہ بھلا کون سمجھے گا کہ جس محبت کے بال و پر نہیں ہوتے وہ محبت کی چوٹی کو سر نہیں کر سکتی......؟ اور...... اور میری محبت بھی بال و پر کے بغیر مفلوج ہے۔"

کسک سی اٹھی تھی دل میں۔ کتنے برسوں سے اس نے عائشہ کو چاہا تھا۔ وہ تو اس کی طلب میں جوگی بن گیا تھا مگر اسے کیا خبر تھی کہ اس کی کشکول میں گرنے والے سکے عائشہ کی محبت کے نہیں دوستی اور ہمدردی کے تھے۔ اس کے دل و دماغ پر شہباز براجمان ہو گا تب اس کی کیا حالت ہوئی تھی یہ راز صرف خدا ہی جانتا تھا۔

"پھپھو......! پھپھو دیکھیے میں کیسی لگ رہی ہوں......؟"

سعیدہ سنہری غرارے میں بہت پیاری لگ رہی تھی۔ دونوں اپنے اپنے احساس اور یادوں سے باہر آ گئے۔

"ماشاء اللہ! کتنی کیوٹ لگ رہی ہے میری گڑیا!"

لیلیٰ کو سعیدہ میں اپنی بیٹی نظر آتی تھی۔ خرم نے چند ماہ کی بچی کو اس کی گود میں ڈال کر کہا تھا کہ اسے اپنی بیٹی سمجھے اور جیسا چاہتی ہے اس کی تربیت کرے اور لیلیٰ نے جو خواب اپنی بیٹی کے لیے دیکھے ان میں [illegible] ہو گئی تھی۔ سعیدہ بھی پھپھو کی ایسی عاشق تھی کہ اس سے پوچھے بغیر ایک قدم نہیں اٹھاتی تھی۔ کپڑے تو خاص طور پر اپنی آئیڈیل پھوپھو کی پسند کے پہنتی تھی اور یہ تھوڑے ڈریس بھی لیلیٰ نے ہی بنوایا تھا اور سنہری غرارے میں بہت پیاری لگ رہی تھی۔ سب نے بہت تعریف کی تھی مگر جب شہرام نے دیکھا تو پھٹ پڑا۔

"اللہ ہی معاف کرے پھپھو! یہ کیا چیز ہے؟ لگتا ہے ہاتھی کو غرارہ پہنا دیا گیا۔ قسم سے بالکل ہاتھی لگ رہی ہو۔ اُف! کتنا پسند تھا مجھے"

"کیا؟ ہاتھی؟" سعیدہ اور لیلیٰ یک ساتھ بولیں تو وہ چونک گیا۔

"ویری فنی! غرارہ پسند تھا مگر آج کے بعد اُف! کس قدر حسین لباس ہے۔ گر یہ لباس کسی بہت ہی حسین و جمیل، نازک اندام حسینہ نے پہنا ہوتا، ارے! کوئی دوشیزہ کیوں؟ اگر یہی لباس ہماری پھپھو نے پہنا ہوتا تو قیامت ڈھا رہی ہوتیں۔"

شہرام سعیدہ کو چڑا رہا تھا اور وہ چڑ رہی تھی۔

"تمہاری پھپھو تو ہر لباس، ہر انداز میں قیامت ڈھاتی ہیں ہمارے دل ناتواں پر مگر" شہرام کی بات [illegible] لیلیٰ کے حسین چہرے پر [illegible] ابرار پھولوں کی نوک جھونک میں مصروف ہو گیا۔

"[illegible] مجھ پر یہ لباس سوٹ نہیں کر رہا تو آپ کی ایک بات مانیں، میں ابھی جا کر یہ لباس تبدیل کر لیتی ہوں۔"

"ہیں؟ واقعی؟ جلدی کرو پلیز، قسم سے تم اس لباس میں بالکل بھی اچھی نہیں لگ رہیں۔"

شہرام نے بڑی خوشی کا اظہار کیا۔ باقی سب دونوں کی باتیں سنتے رہے۔

"اوکے! لیکن ایک شرط ہے میری۔"

"میں تمہاری ہر شرط ماننے کے لیے تیار ہوں۔" وہ گرمجوشی سے بولا۔

"وعدہ کریں! مکرنے تو نہیں دوں گی۔" سعیدہ کی آنکھوں میں شرارت تھی۔ بڑے سب دلچسپی سے دیکھ رہے تھے کہ اب بہن بھائی میں کیا طے ہوتا ہے۔ لیلیٰ کا خیال تھا کہ یہ ضرور اس سے کہیں باہر جانے کو کہے گی یا کوئی اور فرمائش کرے گی۔

"او ہو بابا......! کہہ دیا ناں ہر شرط منظور ہے۔" شہرام نے بیتابی سے چڑ کر کہا۔

"اوکے! تو میری شرط یہ ہے کہ میں یہ لباس اُتار دوں گی تو آپ کو یہ لباس پہننا ہوگا۔ بولیے منظور ہے؟"

"ہاں ہاں! منظور ہے۔ کک... کک کیا مطلب ہے تمہارا؟" وہ ایک دم اچھلا۔

"جی! نہ صرف آپ یہ لباس پہنیں گے بلکہ سٹوڈیو جا کر ایک تصویر بھی بنوائیں گے جس کو میں بہت

نازک، حسین، ملکوتی حسن کی مالک کہ شہرام کو بھی لگ رہی تھی۔ وہ اس سے تعارف حاصل کرنے ... گیا اور فہد کی جانب مڑا جو موبائل پر ایس ایم ایس (SMS) کر رہا تھا۔

"کیا خیال ہے یار فہد ... تعارف حاصل کریں ...؟" شہرام پر اشتیاق انداز میں بولا۔

"گاڑی سے ...؟" اپنے کام میں مگن فہد نے بے خیالی سے کہا تو شہرام کو تاؤ آ گیا۔

"لڑکی سے ...!" شہرام نے کسی کے سن لینے کے خوف سے دبی دبی آواز میں کہا تو فہد ... اور اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔

"تعارف ...؟ وہ بھی اس مغرور لڑکی سے جس کے ماتھے کے تیوری جان نکال دینے والے ہیں۔ نا بابا ... نا ... مجھے درگت بنوانے کا کوئی شوق نہیں۔" فہد کے صاف انکار پر شہرام سلگ اُٹھا۔

"ورنہ جیسے مجھے تو درگت بنوانے کا پیدائشی شوق ہے ...؟"

"بالکل ...!" فہد نے جلانے والے انداز میں کہا اور ایس ایم ایس (SMS) کرتا رہا۔ شہرام ... لڑکی سے جلد سے جلد تعارف کی پڑی ہوئی تھی۔

"تو یہ طے ہے کہ تم تعارف میں میری مدد نہیں کر رہے ...؟" شہرام نے جیسے ایک موقع اور دے ... پوچھا۔ فہد اپنے شغل میں مصروف رہا اور نفی میں سر ہلا دیا۔ تب شہرام نے اس کے بال نوچ ڈالنے ... والے انداز میں لڑنے لگا۔

"خدا کرے تم جہاز کے نیچے سے گزرو، خدا کرے تمہاری منگنی ہونے سے پہلے ٹوٹ جائے ... کسی حسینہ سے اتفاقاً ٹکرا جاؤ اور تمہاری وہ درگت بنے ..."

وہ ہاتھ پر ہاتھ مار مار کر عورتوں کے انداز میں فہد کو بددعائیں دے رہا تھا اور الٹے قدموں چلتا ... در فہد کو دی ہوئی آخری بددعا خود اسی کو لگ گئی اور وہ ایک حسینہ سے ٹکرا گیا۔

"اندھے ہو ...؟" لڑکی کے منہ سے بے ساختہ نکلا تو وہ چونکا۔ اس حسینہ کو اتنے قریب دیکھ کر فیصلہ ... کہ اسے کیا کہنا چاہیے۔ سوری کہنا چاہیے یا جواباً تم اندھی ہو کہنا چاہیے مگر وہ ان دونوں میں سے کچھ نہ ... سوائے اس کے کہ۔

"جی نہیں ...! بھینگا ہوں۔" اور آنکھیں آپ ہی آپ ٹیڑھی ہو گئیں۔

"بھینگے ہو تو علاج کرواؤ اس بیماری کا۔" لڑکی نخوت سے بولتے مڑی تو وہ اچک کر اس کے سامنے ... بھینگی آنکھوں سے اسے سر تا پا دیکھا۔ دور کھڑے فہد نے اس خیال سے کہ اب شہرام کے گال پر تھپڑ پڑے ... ہے، اس نے اپنے گال پر ہاتھ رکھ لیا۔

"اب پتا چلا یہ لڑکا باز کیوں نہیں آ جاتا ...؟ اوہ ... وہ پلٹی یا اللہ خیر ...!" فہد نے لڑکی کو ہاتھ اُٹھا... جو اس نے بال درست کرنے کے لیے بلند کیا تھا دیکھا تو بچا دوسرا گال بھی دوسرے ہاتھ سے چھپا لیا۔

غصہ تو لڑکی کو شدید آیا مگر تماشا بننے کا خیال کئی لڑکیوں کو غصہ دبانے پر مجبور کر دیتا ہے۔ لڑکی نے ... پیچھے اور اسے گھورتی آگے بڑھ گئی۔

"اوہ تو ...... اُف ...... ہائے ...!" تکلیف سے گھومتے سر کے ساتھ اس نے چکراتی نظروں ...

... گاڑی میں بیٹھ کر جا رہی تھی۔ وہ اس کا پیر زخمی کر گئی تھی۔

"خدا حافظ ... سی یو اگین ...!" اس نے ہوا میں ہاتھ لہرایا۔ وہ سن گلاسز چڑھائے قریب سے گزر ... وہ پاؤں پکڑے کسی سہارے کی تلاش میں دیکھ رہا تھا کہ فہد نے شانہ پیش کر دیا۔

"چلئے جی ... تعارف تو حاصل ہو گیا اب ہاسپٹل چلیں ... ویسے کیا نام تھا ...؟"

"میری سمجھ میں نہیں آتا یہ عورتوں کی پتلی نوکیلی اور سخت ہیلیں بنانے والے ہم لڑکوں کے سروں اور ... پاؤں کا خیال کیوں نہیں کرتے ...؟ ہائے ... ہائے ...!" اور پاؤں مسلنے لگا۔ فہد کا قہقہہ گاڑی کی فضا میں ...

"اچھا ... اب دانت اندر کرو اور خبردار جو یہ کسی کو سنائی ہو تو۔" وہ دونوں دوستوں کے پاس پہنچے تو ... ان کے منتظر تھے۔

"ارے شہرام ... تمہارے پاؤں کو کیا ہوا ...؟" تنویر اس کی طرف بڑھا۔ وہ کھسیانا ہو گیا اور فہد کی ... میں شرارت ناچنے لگی۔ اس نے شہرام کی نہ تو گھرکی کو اہمیت دی اور نہ ہی ... چٹکی کو اہمیت ...

"کچھ نہیں ... بس یہ جو عورتوں کی جوتیاں بنانے والے لوگ ہوتے ہیں ناں ان کو لڑکوں کے سروں اور ... کا خیال ہی نہیں ہوتا ورنہ شہرام میاں نے نہ تو ایک اجنبی حسینہ سے تعارف حاصل کیا ہے نہ ہی اس کی ہیل ... پاؤں پر لگی ..."

... کے ساتھ بیان کیا تو سب نے چھیڑ چھیڑ کر اس کا ... حال کر دیا۔

"اچھا ... تو یوں کہو ناں یہ ہو تعارف حاصل کرنے کا صحیح طریقہ۔"

"اچھا ...! اب زیادہ پارسا بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ زندگی میں ایک بار لڑکے کو ہیل کا ذائقہ ... چکھنا پڑتا ہے۔ آج میری تو کل تیری باری ہے۔"

اپنی کھسیاہٹ کو پس پشت ڈال کر شہرام نے دو بدو جواب دیا تو خالد بولا۔

"اور ہیل تو کیا ...؟ بس بندہ ڈھیٹ ہونا چاہیے اپنے شہرام کی طرح۔"

"اوئے ... بس بس ... اجر دو جواب کسی نے میرے جگری یار پر ہیل اٹھائی تو۔" فہد نے ہمدردی ... ساتھ شہرام کو ساتھ لگایا تو شہرام کو بدلہ لینے کا موقع مل گیا۔ اس نے پوری قوت سے فہد کے پاؤں پر اپنا جوتا ... اور وہ بلبلا کر رہ گیا۔

• • •

"یہ ... یہ کون ہے مہران ...!" فاطمہ بیگم نے چشمہ اتارا، اخبار ایک طرف رکھا اور کچھ فاصلے پر کھڑی ... سترہ سالہ بہت خوبصورت سی لڑکی کو دیکھنے لگیں۔ مہران اس گھر کی ملازمہ رہ چکی تھی پھر اس کا شوہر ایکسیڈنٹ میں مر گیا تو اس نے دوسری شادی کر لی تو ملازمت چھوڑ دی۔ آج ایک عرصے کے بعد وہ دوبارہ ہاتھ باندھے ... بڑی التجائیہ نظروں سے فاطمہ بیگم کو دیکھ رہی تھی۔

دیکھنا چاہتی تھیں۔

"ہرگز نہیں مما! آپ نے وردہ کو میرا پارٹنر کیوں بنا دیا؟ اوّل درجے کی پھوہڑ لڑکی ہے۔ مجھے اس کی پارٹنر شپ قبول نہیں، ہرا دے گی۔"

ارمغان کو ماں کا فیصلہ قطعی پسند نہ آیا تو اس نے جھٹ علم بغاوت بلند کر ڈالا حالانکہ وردہ کو تو اس کے پارٹنر بننے پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ عفت ہنسیں، وردہ کو ارمغان کے قریب لے آئیں۔

"قبول کرنا پڑے گی بیٹا! وردہ تمہاری بہترین پارٹنر ثابت ہوگی کہ اس کی پارٹنر شپ میں تم زندگی کی ہر بازی جیت جاؤ گے، ان شاء اللہ!" عفت نے دونوں کو ایک ساتھ کھڑا کر کے بڑے جذب سے کہا۔ ان کے چہرے پر خوشی کی کرنیں کیا کہہ رہی ہیں یہ صرف شہلا ہی سمجھ پائیں۔ انہوں نے ذرا تنبیہی نظروں سے عفت کو جذباتی ہونے سے روکا۔ وہ جانتی تھیں عفت کو وردہ کو بہو بنانے کی کتنی خوشی اور تمنا ہے۔

"پھر بھی میں وردہ کو اپنا پارٹنر نہیں بناؤں گا۔ آپ علیزہ کو کیوں نہیں بنا دیتیں میرا پارٹنر؟" دل کی خواہش زبان پر آ گئی۔ کھیل کے پارٹنر کی حیثیت سے سہی اس نے اپنی پسند ظاہر کر دی تو علیزہ نے قدرے ناگواری سے ارمغان کو دیکھا۔ وہ جانتی تھی کہ رمغان بچپن ہی سے اسے چڑانے والی حرکتیں اور باتیں کیا کرتا تھا۔ یا تو وہ جس بات سے چڑ جاتی وہ اس بات کے پیچھے پڑ جایا کرتا تھا۔ اسے پیچھا چھڑانے کے لیے کسی نہ کسی ادا میں اس کی بات ماننا پڑتی۔

"قطعی نہیں! میں کتاب پڑھ رہی ہوں، کھیلنے کا میرا کوئی موڈ نہیں۔" علیزہ نے صاف انکار کر دیا، کتاب پر نظریں جما دیں۔ تب ارمغان نے ایک گہری نظر اس پر [illegible] سامنے آن کھڑا ہوا۔ انگلی سے کتاب کو پیچھے ہٹایا۔

"کھیلنے کا موڈ نہیں یا ہارنے کا خوف ہے؟ میری پارٹنر بن جاؤ، تم ہر بازی جیت جایا کرو گی۔"

وہ آنکھوں میں شوخیاں لیے اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ علیزہ کی گہری آنکھوں میں اترتا جا رہا تھا۔ دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے باقی سب تماشائی بنے کبھی ان دونوں کو دیکھتے کبھی ایک دوسرے کو۔

"مجھے خواہ زندگی کی بازی کیوں نہ ہارنی پڑے مگر میں آپ کی پارٹنر ہرگز نہیں بنوں گی۔"

وہ غصے سے کتاب میز پر پٹختی اندر چلی گئی۔ اس کے لہجے کے شعلوں نے خنک فضا کو بھی جھلسا دیا۔ اس کے اندر کی نفرت ایک جملے میں ڈھل کر سارے ماحول کو مکدر کر گئی۔ اس کی نفرت کا سامنا ہر بار ارمغان نے انتہائی ضبط کے ساتھ گہرا سانس لے کر اندر اتار لیا۔ ایک تو اس کی نفرت کی تپش، دوسرا یوں سب کے سامنے ایک عجیب سی توہین کا احساس دھواں بھر گیا اندر کہیں مگر وہ اپنا آپ کسی پر ظاہر کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اندر ہی اندر ہمت جمع کر کے اس نے گہرا سانس لیا اور پھر کمر پر ہاتھ باندھ کر وہ شہلا کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

"یار پھپھو....! کیا چیز ہے یہ آپ کی بیٹی......؟ قسم سے طرم خان سمجھتی ہے خود کو لیکن آپ دیکھ لیجیے گا ایک نہ ایک دن جیت لوں گا اس کو۔" بولتے بولتے اس کا لہجہ گہرا ہوا پھر جھٹ بات بدلی۔

"دیکھ لیجیے آپ سب! اسے ہرا کر ہی دم لوں گا۔ یہ جو خود کو ناقابل شکست سمجھتے ہیں ناں، بڑے کھوکھلے ہوتے ہیں اندر سے، خیر...!" وہ خود ہی بولے جا رہا تھا۔ عفت آگے بڑھیں۔

"میری جان! تم ہر بازی جیتو اسی لیے تو میں نے تمہاری پارٹنر وردہ کو بنانے کا فیصلہ کیا۔"

"ہوں... اور وردہ؟" رمغان اور وردہ اس بات سے قطعی بے خبر تھے کہ بڑوں کے مابین ان دونوں کے بارے میں کیا فیصلہ ہو چکا ہے، ورنہ ہی دونوں عفت کی معنی خیز باتوں کا مطلب سمجھتے تھے اسی لیے عفت بیگم کی بات پر ارمغان وردہ کو بغور دیکھنے لگا اور اچانک بولا۔

"ہوں! ٹھیک ہے! اچھی گی ٹیم پارٹنر۔"

"ہیں؟ سچ؟ ارے مبارک ہو! مبارک ہو!" عفت بیگم خوشی سے یوں جھومیں۔ گویا ارمغان نے شادی کر کے ہاں کر دی ہو۔ شہلا ان کا ہاتھ دبا کر رہ گئیں۔

"بھابھی جان! آپ بھی ناں؟"

"یار... آپ خواتین بھی کیسی کام ہے۔ ویسے خواتین آپ دونوں کی عمر کیا ہوگی خیر ہے؟" ارمغان کچھ نہ سمجھتے ہوئے دونوں کے قریب آیا تو عفت بیگم ترا کر بولیں۔

"سویٹ سیکسٹین!"

"ویسے مامی! اس عمر میں سویٹ خاصی کڑوی ہو جاتی ہے۔" جواد نے شوخی سے کہا تو عفت بیگم اسے گھور کر رہ گئیں۔ شہلا ہنسے جا رہی تھیں اور پھر وہ سب ہی اندر آ گئے۔ عفت بیگم وردہ کو لیے کچن میں چلی گئیں کھانے کے انتظام کے لیے۔ جب ارمغان جواد اور علی کے ساتھ ہنسی مذاق کرتا لاؤنج میں آیا تو علیزہ کو بدستور [illegible] اور آگے بڑھا۔

[illegible] یہ کتاب پڑھے...

ارمغان اس کے ہاتھ سے کتاب چھین کر گا رہا تھا اور وہ کتاب لینے کے لیے اس کے آگے پیچھے بھاگ رہی تھی۔ وہ رک گیا تو اس کے قریب آ کر آنکھوں میں دیکھ کر بولی۔

"مسٹر ارمغان...! آپ سے کتنی بار کہہ چکی ہوں میرے ساتھ نہیں اُلجھا کریں۔"

علیزہ کی آنکھیں شعلے برسا رہی تھیں۔ وہ تب چپ کر بولی تو وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر اس کے سامنے ہی صوفے پر ڈھیر ہو گیا۔

"کاش! کاش میں بھی کوئی کتاب ہوتا تمہارے ہاتھوں کی قید میں ہوتا میرے ذرے ذرے اور لفظوں پر تمہاری نظریں ہوتیں اور..." وہ بڑے گہرے انداز میں کہہ رہا تھا۔ علیزہ نے اسے بری طرح گھورا تو وہ جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ چہرے پر تناؤ آ گیا۔

"یہ کبھی سوچا ہوگا ناں تم نے کہ میں ایسی کوئی خواہش رکھتا ہوں؟ تم لڑکیاں اتنی خوش فہم کیوں ہوتی ہو؟ ذرا جو میرے جیسے ہینڈسم بندے نے بات کر لی، دیکھ لیا تو ہواؤں میں قلعے تعمیر کرنے لگیں۔ زیادہ خوش فہمی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں کہ میں آپ ہی سے کیوں اُلجھتا ہوں؟ ارے! اتنی چھوٹی سی بات سمجھ میں نہیں آتی کہ آخر خار دار جھاڑی ہی سے آنچل اُلجھا کرتے ہیں۔"

"ویسے بھائی صاحب! آپ جھاڑی ہیں یا آنچل.....؟" جواد نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا تو وہ کھسیانا سا ہو کر کان کھجانے لگا۔

"لو جی! کھول دیتے ہیں دروازہ بھی۔ تیرے لونگ دا پیا لشکارا تے"
مکھڑا گنگناتے بھی جا رہا تھا اور دروازہ بھی کھول رہا تھا۔

"شکر ہے خدا کا! کچھ دیر کے لیے تو مجھے لگا جیسے ہم قبر میں آگئے ہوں۔"

باہر نکل کر ناجیہ نے نیلے آسمان کو دیکھتے ہوئے شکر ادا کیا اور وردہ کو دیکھا جو کھوجتی نظروں سے آفاق کو تلاش کر رہی تھی۔ چہرے کا تناؤ بتا رہا تھا کہ اگر ابھی وہ مل گیا تو وہ چار تھپڑوں سے غزین کی تو… ہے مگر وہ اسے کسی بھی ایسی کارروائی سے باز رکھنا چاہتی تھی اور یوں بھی آج اس واقعے میں سراسر اس کی … کا قصور تھا اس لیے ناجیہ کچھ شرمندہ، کچھ خوفزدہ سی اس کے ساتھ چل رہی تھی۔

"سوری وردہ......! آج تو میرا ہی قصور ہے جو میں ان لڑکوں کی باتوں میں آئی اور نہ یہ" وہ مسلسل بولے جا رہی تھی مگر وردہ کی نظریں جس کی تلاش میں تھیں وہ اسے اپنے سامنے چلتا ہوا نظر آ گیا۔ اس کو گھورتے ہوئے وہ تیزی سے آگے بڑھی۔ ناجیہ بھی اسی رفتار سے آگے بڑھی۔

"ایکسکیوزمی مسٹر!"

"جی! یس......!" پلٹنے والا غزین آفاق نہیں بلکہ تھرڈ ایئر کا اسٹوڈنٹ تھا جو اس کے پکارنے کے انداز میں شوخی سے پلٹا اور اب شوخی سے وردہ کو دیکھ رہا تھا جس کے حسین چہرے پر خفت نمایاں تھی۔ انگلیاں اس نادانی پر پشیمانی سے آپس میں الجھی ہوئی تھیں۔ اس نے ایک شرمندہ سی نظر لڑکے پر ڈالی جو بڑا پر اشتیاق کھڑا تھا۔

"سوری! میں کچھ اور سمجھی تھی۔" آواز میں کھسیاہٹ … آہ … جھکا۔

"آہ کاش...! آپ کی سمجھ کی منزل ہم ہی ہوتے … ویسے فرسٹ ایئر! تم لوگ باہر کہاں گھوم رہی ہو؟ معلوم ہے تم لوگوں کی کلاس ہو رہی ہے۔ سر برہان کلاس لے رہے ہیں۔"

ان کو دیکھ کر لڑکے کو کچھ یاد آیا تو اس نے جھٹ اطلاع دی مگر وہ پہلے ہی فول بنگٹ کرا آ رہی تھیں۔ اب … بننے کا قطعی موڈ نہیں تھا۔ لہٰذا ایک بے نیازی نگاہ لڑکے پر ڈالی اور یک ساتھ بولیں۔

"تھینکس فار دا انفارمیشن۔ آج ان کی کوئی کلاس نہیں ہے۔" دونوں بے نیازی سے شانے اچکاتی ہوئیں خوشی کے ہمراہ آگے بڑھیں کہ اب وہ فول نہیں بنیں۔ پھر کینٹین آ گئیں کیونکہ پریڈ فری تھا۔ ناجیہ باتیں کرتی … مگر وردہ کے دماغ میں کھچڑی سی چل رہی تھی جس میں وہ غزین آفاق کو پیٹتا ہوا دیکھ رہی تھی۔ اسی وقت ان کو اپنی کلاس فیلو زمر، صائمہ اور عظمیٰ آتی دکھائی دیں۔

"ارے......! تم لوگ یہاں بیٹھی ہو، سر برہان الدین کی کلاس نہیں لی؟"

"تو... تو کیا واقعی سر برہان الدین کی کلاس تھی؟" ناجیہ نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔ وہ پڑھائی میں کمزور تھی۔ اپنی اس کمی کو وہ محنت سے پورا کر لیتی تھی اور کوئی کلاس مس کرنا اسے گوارا نہیں تھا اور وردہ بھی شرمندہ سی ہو گئی کیونکہ اس نے ناجیہ سے کہا تھا کہ اب فول نہیں بننا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ لڑکا درست کہہ رہا تھا۔

"تو کیا واقعی کلاس تھی؟" وردہ نے بے یقینی سے ہاجرہ کو دیکھا جو فائل کھولے لیکچر دیکھ رہی تھی۔ ناجیہ … ہو گئی۔

"کیا مشکل ہے یار! ہم تو بُلف کر رہ گئے۔ صبح جب آئے تو وہ بدتمیز غزین اور اس کے دوست نے کہا … روم میں پرنسپل صاحب لیکچر دیں گے۔ وہاں بھی گئے تو خیر اور جب اس نے سر برہان کی کلاس کا بتایا … سچ کو جھوٹ سمجھ کر گئے ہی نہیں تا کہ ہم پھر کہیں فول نہ بن جائیں۔ … غزین آفاق کو تو میں نہیں بخشوں گی۔" وردہ بری طرح تلملا رہی تھی۔

"بات سنو! ابھی کوئی حماقت نہ کرنا۔ یہ لڑکے بڑی چیز ہوتے ہیں کسی کے پیچھے پڑ جائیں تو اور … یہاں بھی پڑھنا ہے وہ بھی سب پڑھنا ہے۔ لہٰذا فضول قسم کے ہنگاموں میں نہ پڑو تو بہتر ہے۔ یوں … لگتا ہے غزین آفاق کچھ خاص قسم کی چیز ہے۔" ہاجرہ نے چائے اور سموسے اس کی طرف بڑھاتے ہوئے … مشورہ دیا۔ … جسے وردہ نے قطعی قبول نہیں کیا۔ گرم گرم سموسہ منہ میں رکھا تو زبان جل گئی۔ عین اسی … غزین اور اس کی دوست … کو وہ اس کے چیلے کہا کرتی، آن موجود ہوئے۔ یہ سارا گروپ ہی کچھ خاص قسم کا … سارے لڑکے ہی بڑے زبردست تھے اور غزین ان سب میں نمایاں تھا۔ تب ہی تو لڑکے لڑکیوں … میں پاپولر تھا یہ گروپ۔ غزین … کسی بات پر اس کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر قہقہہ لگاتا ہوا کتنا اچھا لگ رہا تھا … وردہ کو تو زہر لگ رہا تھا۔ اس نے غصے سے سموسہ … چبایا جیسے غزین کو چبا رہی ہو۔

"یہ کوئی خاص چیز ہو یا عام چیز ہو … ہو، میں اسے کم از کم اپنے ساتھ بدتمیزی کرنے کی اجازت نہیں دے سکتی۔ …" وہ باقی سموسے پلیٹ میں واپس رکھ کر ہاتھ ٹشو سے صاف کرتی کھڑی ہوئی تو ناجیہ کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ اس نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"یہ تم کہاں جا رہی ہو وردہ!"

"تم مجھے کمزور مت کیا کرو۔ ہمیں یہاں رہنا ہے، پڑھنا ہے تو کیا ہم ان کی بدتمیزیوں سے یونہی اپنا نقصان کیا کریں گے؟" … وردہ نے سنجیدگی سے کہی تھی کیونکہ آج اتنی اہم کلاس محض انہی بدتمیز لڑکوں کی وجہ سے مس ہوئی تھی اور وردہ آئندہ ایسا کوئی نقصان برداشت نہیں کرنا چاہتی تھی تو اس کے لیے غزین آفاق کی کلاس لینا ضروری تھا۔ وہ ان تینوں کے منع کرنے کے باوجود اٹھ کر ان کے گروپ کی طرف بڑھنے لگی۔
حق دوستی کا تقاضا تھا کہ ناجیہ اس کا ساتھ دے، وہ بھی کھڑی ہو گئی۔

"اب تم کہاں چلیں؟" ہاجرہ نے اسے گھورا۔

"حق دوستی کا تقاضا جو پکار رہا ہے، جانا تو پڑے گا نا۔"

ناجیہ گہری سانس چھوڑتی، بیگ اٹھاتی آگے بڑھی تو وہ دونوں چائے میں مصروف ہو گئیں۔

"یار! یہ وردہ بھی کوئی خاص چیز ہی ہے۔ اس کا اعتماد ہی بتا رہا ہے۔"

"ہاں! ظاہر ہے اس کے لہجے کا اعتماد، چال کی مضبوطی بتا رہی ہے کہ وردہ بہت اچھی کلاس سے تعلق رکھتی ہے اور ماں بھی ڈاکٹر ہیں۔ پاپا کا ہاسپٹل ہے وہ شہر کا سب سے بڑا اور خوبصورت ہاسپٹل جو … ہاسپٹل، … کا تو ہے۔"

آ گئی تھی۔ خولہ کی زندگی میں ہارون کی بہار کی حیثیت رکھتا تھا۔ آج کی ملاقات میں خولہ کو بتا دینا چاہتا تھا کہ
بندہ اپنے مزاج کا ہے۔ وہ دھیرے سے مسکرائی اور اپنے کمرے کی طرف بڑھی۔

"خولہ!" تیزی سے بڑھتے قدم رُکے۔

"جی بابا!" تیزی سے مڑنے کی وجہ سے چادر سر سے ڈھلک گئی اور اس کے سیاہ ریشمی،
آج ہی تراش خراش ہوئی تھی، ریشم کی طرح بے قابو ہو کر بکھرا گئے تو ہارون کا دل اور نگاہیں ان زلفوں
اُلجھ کر رہ گئیں اور پھر بابا کے خوف سے وہ بال سنوارتی سمیٹتی، چادر درست کرتی بہت پیاری لگ رہی تھی
نے اس پر ایک گہری نگاہ ڈالی۔ یہ دلفریب منظر بھلا اس نے امریکہ کی آزاد مغربی فضا میں کب دیکھا تھا

"جی بابا! آپ نے کچھ کہنا ہے؟" وہ بمشکل سمیٹ کر بولی۔

"پہلی بات تو یہ بیٹا! کہ بال..." شہباز ہارون کی نظریں دیکھ رہے تھے۔ وہ تنبیہ کرنا چاہتے
مگر پھر ہارون کے حیا سے اپنی نصیحت کو کسی اور وقت کے لیے اُٹھا رکھا۔

"کچھ نہیں... اپنی لمبی جاؤ بیٹے ناخن صاف کرو اور پھر کھانا کھاؤ۔"

لہجہ دھیما اور سرد مہر تھا مگر انداز خاصا کڑا تھا۔ انہوں نے ناخنوں کا نام لیا تو ہارون کی نظریں اس کے
خوبصورت ہاتھوں پر ٹھہر گئیں۔ اس کے خوبصورت ہاتھوں کی مخروطی انگلیوں پر اس کا جی چاہا کہ ایک...
ڈالے مگر شہباز کے تیور تو دیکھنے پر بھی پابندی لگا رہے تھے۔ چنانچہ عقلمندی کا تقاضا یہی تھا کہ چپ رہا

"جی بابا! ابھی اُتارتی ہوں۔" خولہ نے بچے ہاتھ چادر میں چھپ لیے تو ہارون کو اس وقت شہباز
دیو کی طرح لگے جس نے اس حسین شہزادی کو قید کر رکھا تھا [illegible] جیسی ہو [illegible] کی عورت [illegible]
رکھی ہے۔ خیر یہ تو پہلی ملاقات تھی وہ حور کو جان سمجھ کر [illegible]
اس بات کا قائل کہ ہر ساتھ کو شخصی آزادی ہونی چاہیے مگر یہاں تو اسے ہر بات اپنی سوچ کے اُلٹ نظر آ رہی
اور اتنی سی دیر میں وہ یہ بھی سمجھ گیا تھا کہ خولہ کو یہ ڈوپ، یہ پابندی اور زندگی کا یہ انداز پسند نہیں۔

"ڈونٹ وری سوئٹ ہارٹ! میں آ گیا ہوں ناں۔ ڈونٹ وری!"
ہارون نے اک گہری نظر خولہ پر ڈالی جو اب جا رہی تھی۔

● ● ●

"آپ نے بلایا ہے شہباز صاحب!" عطیہ خاتون عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر آ گئیں تو شہباز نے
جو کتاب پڑھ رہے تھے چشمہ اُتار کر ایک طرف رکھا اور کتاب کے بیچ یادداشت کے لیے اپنا ہاتھ رکھا اور اشارے
سے عطیہ خاتون کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"شکریہ!" وہ بیٹھ کر سوالیہ نظروں سے ان کو دیکھنے لگیں۔

"عطیہ خاتون...! ہارون میرے کزن کا بیٹا ہے۔ اس کزن کا جس کے بہت احسانات ہیں مجھ پر اور
میری ہمیشہ سے کوشش اور خواہش رہی تھی کہ کبھی میں بھی ناصر بھائی کے کام آؤں اور اب جبکہ خدا نے یہ موقع دیا ہے،
میں اُلجھ سا گیا ہوں کہ کیا کروں؟"

وہ ہارون کی حرکتوں کی وجہ سے واقعی بہت پریشان ہو گئے تھے۔ ہارون خاصا بے باک لڑکا تھا اور عطیہ

[illegible] سمجھ رہی تھیں کہ ان کو ہارون کی آمد سے کیوں پریشانی ہے۔ وہ خود بھی اُلجھی ہوئی تھیں تاہم انہوں نے
اپنی سوچ کا اظہار ضروری نہیں سمجھا۔

"شہباز صاحب! جیسا کہ آپ نے بتایا کہ ہارون آپ کے محسن کا بیٹا ہے، جب آپ کے ناصر بھائی
نے مدد کے وقت اپنے کسی فائدے یا نقصان کو اہمیت نہیں دی ہوگی تو میرا خیال ہے کہ آپ بھی ہرگز
اُن کے بیٹے کو اپنے گھر میں آنے سے روکیں۔ ٹھیک ہے لڑکا مغربی رنگ میں رنگا ہوا ہے مگر ہمیں اللہ پر بھروسہ کرنا
ہے، اس کے بعد خولہ پر، اپنی تربیت پر، ایسا کچھ نہیں ہوگا اور کیوں ہوگا؟ خولہ نے ہمیں کبھی مایوس نہیں
کیا وہ اپنی نہیں ہماری سوچ میں ڈھلی ہے۔ لہٰذا بہتر یہی ہوگا کہ آپ ہارون سے کوئی بات نہ کریں۔ ہم ہیں
نا، ہم دیکھ لیں گے۔"

عطیہ خاتون نے شہباز کے ساتھ ساتھ خود کو بھی تسلی دے کر مطمئن کر دیا۔

"تم بہت درست کہہ رہی ہیں لیکن پھر بھی احتیاط کا پہرہ نہ ہو تو نادانی کی عمر کبھی بھی..."

"ہم سب پر سب سے بڑی احتیاط کا پہرہ ہر وقت ہوتا ہے شہباز صاحب! اور سب سے بڑی احتیاط
پہرے میں کسی عمر کی نادانی انہیں بہکا نہیں سکتی۔ آپ مطمئن رہیے اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیک ہدایت دے۔"

ٹھنڈے گہرے لہجے کی چھاؤں شہباز کو مطمئن کر گئی۔ انہوں نے مطمئن سی نظروں سے عطیہ خاتون کو

[illegible] آپ نے مجھے مطمئن کر دیا۔ سوچتا ہوں جانے کب،
[illegible] آپ [illegible] زندگی کے طویل اور کٹھن راستے کو خوشگوار بنانے کے لیے
[illegible] ورنہ میں تو عورت ذات سے متنفر ہو گیا تھا لیلیٰ کی وجہ سے۔"

شہباز نے ممنون سی نظر عطیہ خاتون پر ڈالی جن کے کردار سے وہ اس قدر متاثر تھے کہ چاہتے تھے خولہ بھی
[illegible] کے سانچے میں ڈھل کر ایک سچی پکی مسلمان لڑکی بن جائے جس کے کردار کے قلعے کو کوئی فتح نہ کر سکے،
جس کے قدم ہمیشہ درست سمت میں اُٹھیں اور جس کی لوگ تقلید کریں۔

"آپ خود کو کیا سمجھتے ہیں شہباز صاحب! کوئی توپ چیز یا طرم خان؟ آپ بوکھلائے ہوئے
[illegible] انسان ہیں، دکھ کے سفر میں آپ نے لیلیٰ کو نہیں خود کو کھویا ہے، اس کو ہر یا نہیں خود ہار کی طرف بڑھ رہے
ہیں مگر کاش یہ بات آپ کی سمجھ میں آ جاتی تو آج خولہ یوں ماں اور باپ کے ہوتے ہوئے ڈانواں ڈول زندگی
[illegible] رہی ہوتی۔ آپ نے تو زندگی کا دائرہ تنگ کر دیا ہے اس پر کہ وہ اسے توڑنے کے بہانے تراشے گی
اور خدا نہ کرے کہ..."

آگے کا سوچ کر خود عطیہ خاتون کو جھرجھری سی آ گئی۔ انہوں نے اپنی تسبیح سنبھالی اور وہاں سے آ گئیں۔

● ● ●

"میں... ارے... آپ... ہارون بھائی...!"
خولہ دوپٹہ اُتارے نوٹس تیار کر رہی تھی کہ یک بارگی سی دستک ہوئی اور اس کی پوری طرح جرأت بھی نہ

ئی تھی کہ ہارون جینز کی دونوں جیبوں میں ہاتھ ڈالے اندر آ گیا۔ تب خولہ نے بھاگ کر بیڈ پر پڑا دوپٹہ شانوں پر پھیلایا۔ بال جو دھونے کے بعد ابھی آزاد تھے، دوپٹے میں چھپانے کی ناکام کوشش کرتی وہ بھی اچھی لگ رہی تھی۔ گہری نگاہوں کا طلسم اثر کر رہا تھا۔ خولہ کے چہرے، اس کے وجود پر کسی بھی تو نگاہوں کا پہلا فسوں تھا کہ وہ اُلجھ اُلجھ رہی تھی۔

"آپ بیٹھیے ناں ہارون بھائی...!" جس طرح اس کی تربیت ہوئی، جس قسم کی اس پر پابندی اس لحاظ سے ایک غیر نوجوان کا اس کے کمرے میں آ جانا، یوں گہری ٹٹولتی نظروں سے اس کے چہرے کو کوئی معمولی بات نہیں تھی اس کے لیے۔

"واٹ نان سینس... او دیکھو خولہ... میں کوئی تم سے دس سال بڑا نہیں ہوں کہ تم بھائی بھائی... تم صرف میرا نام لیا کرو، اوکے...! صرف ہارون..."

ہارون کھول ہی تو گیا تھا اس کے بھائی کہنے پر۔

"اوکے ہارون...! پلیز بیٹھیے...!" خولہ کے ساتھ یہ پہلی بار ہو رہا تھا اور ... سے بہت اچھا تھا۔

"ہوں... گڈ گرل...! لگتا ہے تم پر زیادہ محنت نہیں کرنا پڑے گی۔ میرا مطلب ہے کہ آؤ نا باتیں کریں۔ میں جس دن سے آیا ہوں تم خود کو یا تو کمرے میں بند رکھتی ہو یا بڑی سی چادر کی بکل میں چھپائے پھرتی ہو۔ نہ بات، نہ چیت، آؤ کہیں باہر چلتے ہیں۔"

ہارون نے بے تکلفی سے اس کا نرم ہاتھ تھاما تو کسی نوجوان مرد کے ہاتھ کی مضبوط گرفت پر خولہ میں بجلیاں سی کوند گئیں، چہرہ سرخ ہو کر تپ گیا، ہاتھوں میں پسینے کی تری آ گئی جس کو ہارون نے بھی محسوس کیا۔ مسکرانے دیا۔ مغربی ماحول کا پروردہ یہ نوجوان حسن کی یہ ادا پہلی بار دیکھ رہا تھا۔ اس نے تو حسن کی بیباکیاں دیکھی تھیں، حسن ایسا بھی ہوتا کہ ہاتھ لگنے سے چھوئی موئی کی طرح سمٹ جائے یہ اس نے پہلی بار دیکھا تھا مگر وہ حسن کی جن بے باکیوں کا عادی تھا وہی دیکھنا چاہتا تھا۔ خولہ کو دیکھ کر تو اس نے سوچا تھا کہ انگلینڈ میں قیام خوبصورت اور رنگین گزرے گا مگر خولہ تو بہت مختلف لڑکی تھی اور وہ تو کچھ ہی عرصے میں بور ہو گیا تھا، قیام کا عرصہ تو بہت مشکل گزرتا جبکہ والدین کی طرف سے سختی سے ہدایت تھی کہ وہ شہزاد انکل کے ہاں ہی قیام کرے گا اور خولہ کو دیکھ کر اسے خوشی ہوئی تھی مگر اس کے رویے، محتاط انداز اور پردے نے اسے بور کر دیا تھا۔ چنانچہ قیام کو رنگین کرنے کے لیے اسے کچھ تو کرنا ہی تھا۔

"اپنے قیام کو کارآمد بنانے کے لیے تمہیں تمہارے خول سے نکالنا ہی ہو گا خولہ ڈیئر.....!"

اس کی لرزتی پلکوں پر نظریں جمائے وہ سوچ کر رہ گیا۔

"ہارون.....! آپ میرا ہاتھ چھوڑ دیجیے اور آئندہ کبھی میرا ہاتھ مت پکڑیے گا۔"

اور وہ شریر سا احساس جو ہارون کے ہاتھ پکڑنے سے گدگدیاں کرنے لگا تھا غائب ہو کر فوری طور پر خوف غالب آ گیا۔ اس نے تڑپ کر ہاتھ اس کے ہاتھ سے کھینچ لیا۔

"اوکے... نہیں پکڑوں گا لیکن ہاتھ پکڑنے سے کیا ہوتا ہے؟ انسان کی نیت صاف...

نہیں.....! آپ بابا کو نہیں جانتے۔ وہ ان باتوں کو بالکل بھی پسند نہیں کرتے ہیں۔ لڑکے لڑکیوں کو سامنے بیٹھ کر بات کرنی چاہیے اور آپ آئندہ میرے کمرے میں بھی مت آئیے گا۔ بابا اور عطیہ خاتون کو یہ بالکل بھی پسند نہیں۔"

اس نے دبی دبی آواز میں کہا اور چور نظروں سے باہر کا جائزہ لینے لگی کہ کہیں عطیہ خاتون یا بابا نے دیکھ لیا تو کل وضاحتیں دینی پڑیں گی اور ہارون کو ڈانٹ بھی پڑ سکتی ہے بابا سے۔ ورنہ ہارون جو بہار کی آمد کی طرح لگا تھا یہ وہ ہرگز نہیں چاہتی تھی۔ بے شک وہ اس سے بات نہ کرے مگر جب سے آیا تھا اک زندگی کا سا احساس ہو رہا تھا، خوشگوار احساس۔

"یہی تو خولہ... تمہارے بابا کو یہ سب پسند نہیں لیکن کیوں...؟ یہی تو میں جاننا چاہتا ہوں۔ ڈونٹ مائنڈ... یہ گھر کا ماحول تو جیل خانہ جیل کا سا ہے اور عطیہ خاتون ایک کرخت جیلر ٹائپ جیلر، یہ کوئی زندگی ہے... تمہیں یہ سب پسند نہیں نا...؟"

خود ہی سوال کر کے خود ہی جواب دے کر وہ اس کی خوبصورت آنکھوں میں جواب تلاش کرنے کے لیے ... یا وہ وقت نہیں ہوئی، تلاش میں کامیاب، صاف اور واضح درج تھا کہ "نہیں"۔"

"ہارون...! مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا آپ یہ سب کیا کہہ رہے ہیں...؟ میں ایسی ہی زندگی گزارنے کی عادی بنائی گئی ہوں اور میں مطمئن ہوں۔"

اس نے اس زندگی سے بیزاری کو چھپاتے ہوئے نظریں چرائیں تو وہ اس کے سامنے آ کر عین اس کی ...

"تم غلط کہہ رہی ہو، تم بالکل بھی مطمئن نہیں ہو اس زندگی سے۔"

ہارون کے لہجے کا یقین اس کے اندر ہوتی کشمکش کا آئینہ بن گیا تو جی میں آیا کہ اس انقلابی بندے کو بتا کر سب کچھ بتا دے کہ کس طرح اس کے بابا نے اس کی زندگی کو غیر معمولی بنا دیا ہے، سب سے انوکھا مختلف، ایک نارمل زندگی کا کوئی لمحہ انجوائے کرنے کی اجازت نہیں دی تھی اس کے بابا نے۔ اس کی ہر عمر کے ہر ... اس کو اپنی پسند کا پہننے پر مجبور کیا ہے۔ وہ اپنی زندگی کے اس تضاد، اس انداز سے تنگ آ گئی تھی، وہ زندگی کے ہر رنگ کو اپنے خوابوں کے کینوس پر اتارنا چاہتی ہے، ہر خواب کی تعبیر چاہتی ہے مگر اس کے بابا اور عطیہ خاتون نے تو اس کے ہر احساس، ہر خواب کو اپنی سوچ کے قید خانے میں ڈال دیا تھا۔ اتنا کچھ سوچنے اور چاہنے کے باوجود وہ ہارون سے کچھ بھی نہ کہہ سکی۔

"ہارون...! آپ ابھی ہمارے ماحول کو سمجھے نہیں۔ پلیز...! آپ چلے جائیں! بابا آ جائیں گے تو بہت مشکل ہو جائے گی ہم دونوں کے لیے۔ ان کو یہ سب پسند نہیں۔"

مارے خوف کے آواز اس کے حلق میں پھنس رہی تھی، آنکھیں خوف سے اور بھی خوبصورت لگ رہی تھیں۔ ہارون ان میں دیکھنے لگا۔

"بابا کو یہ پسند نہیں، بابا کو وہ پسند نہیں، مجھے بتاؤ تمہیں کیا پسند ہے...؟ تم کیا چاہتی ہو...؟"

زندگی نے شاید پہلا موقع دیا تھا اسے کہ کوئی اس سے پوچھ رہا تھا تم کیا چاہتی ہو۔ اس کی پسند کی ننھی منی تتلیوں کو تو کبھی اڑنے کے لیے آزاد فضا ملی ہی نہیں تھی کہ وہ آزاد فضا کی پرکیف... سکیں۔ ان کے رنگوں کو تو اپنی پسند اور مرضی کے سرد خانے میں برف کی سلوں پر ڈال دیا تھا، نہ قوت... نہ پروں پر حسین رنگ۔

"بولو ناں خولہ! تم کیا چاہتی ہو۔۔؟" ہارون نے چٹکی اس کے سامنے بجا کر اسے خیالوں سے باہر گھسیٹا تو خولہ کا جی چاہا آج سب کچھ کہہ ڈالے جو اب تک ضبط کی سل تلے دبا ہوا تھا سب کہہ:

"میں... میں اپنی پسند کی زندگی جینا چاہتی ہوں ہارون! میں اپنی پسند کی فضا میں سانس... ہوں، پرواز کرنا چاہتی ہوں، دور، بہت دور، اونچا، اونچی بلندیوں کو سر کرنا چاہتی ہوں، اپنی... چاہتی ہوں، اپنی پہچان چاہتی ہوں، میں کسی حسین رنگوں والی تتلی کی طرح پھولوں سے رنگ اور خوشبو... ہوں، میں... میں بہت کچھ کرنا چاہتی ہوں ہارون! بہت کچھ۔"

خولہ کی ان کہی تمام خواہشات لفظوں کے لبادے اوڑھے کسی تتلی کی طرح اڑنے لگیں۔ ہارون... نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ آزاد فضاؤں کا آزاد سوچ کا، لیکن آج اس کو خولہ بہت مظلوم نظر آئی۔ وہ جانتا... خولہ اور اس کا ماحول دو متضاد چیزیں ہیں۔ زیادتی ہے خولہ کے ساتھ وہ جس عمر کی لڑکی ہے اس عمر کی لڑکی تو... کی مانند ہوتی ہے مگر وہ تو دقیانوسی بابا کی سوچ کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھی جو کہ اس کے خیال میں... ساتھ زیادتی نہیں ظلم تھا مگر اب وہ اس کی مدد کرنا چاہتا تھا... نظروں اور کبھی براہ راست اور کبھی ڈھکے چھپے انداز میں... پرواہ کون کرتا۔ لہٰذا بہت کچھ سوچ کر اس نے دوستی کا ہاتھ خولہ کی طرف بڑھایا۔ یہ ہرگز نہیں تھا کہ وہ خولہ پر... تھا۔ وہ صرف اس لڑکی کی مدد کرنا چاہتا تھا جو اس کی دانست میں ظالم جن کی قید میں تھی۔

"ہوں... اچھا اگر تم یہی چاہتی ہو تو لاؤ دوستی کا ہاتھ بڑھاؤ.....! ملاؤ ہاتھ پھر دیکھنا تمہارا یہ دوست تمہارے لیے کیا کرتا ہے۔"

وہ اپنا بڑا سا مردانہ ہاتھ اس کے سامنے پھیلائے اس کے چہرے کو بغور پڑھ رہا تھا۔ خولہ کے دل میں عجیب سی ہلچل مچادی تھی ہارون نے۔ اس کے ساتھ بھی یہی تھا کہ وہ بھی اس پر نہیں مری تھی مگر وہ... میں ڈھلا ہوا پہلا مرد ملا تھا کس طرح کچھ بتائے بغیر اس کو جانا تھا، اس کو سمجھ لیا تھا۔ جی چاہا اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے مگر اسے بابا اور عطیہ خاتون سے شدید خوف آرہا تھا۔ یوں بھی اس روز اس نے غزل وغیرہ کے کہنے پر... جو بابا سے بدتمیزی کی تھی اس ملال کا کرب ابھی اندر کہیں موجود تھا۔ وہ بابا اور عطیہ خاتون کو دھوکا دینا نہیں چاہتی تھی تب ہی پر جبر کر لیتی مگر آزادی کی نوید لیے ہارون منتظر تھا۔ دل تھا کہ بضد تھا دماغ تھا کہ روکے ہوئے تھا۔

"کیا سوچ رہی ہو خولہ! دوستی کرنے میں اتنی سوچ بچار کر رہی ہو اور جو کبھی میں نے تمہیں پرپوز کر... تو ساری زندگی سوچ میں گزار دو گی اور میں کنوارہ رہ جاؤں گا، کم آن!" ہارون نے ہاتھ مزید قریب کر... اتنا کہ اس کے ہاتھ سے ٹکرا گیا۔ اسے جیسے کرنٹ لگا۔ وہ پیچھے ہٹ گئی۔ دل خوف سے دھڑک اٹھا۔ اس سے

...اور اسے کو دیکھا مگر یہ وہ وقت تھا جب بابا مطالعے میں اور عطیہ خاتون نماز کے بعد سپارہ وظائف میں... ہوتی تھیں، اور ہارون نے بھی اسی روٹین سے فائدہ اٹھایا تھا۔

"نہیں میں... میں آپ سے دوستی نہیں کرسکتی!" دل کا خوف کپکپاتے ہونٹوں تک آگیا۔

"کیوں.....؟" وہ بھی ہاتھ پھیلائے بضد کھڑا تھا۔

"بابا اور عطیہ خاتون کہتے ہیں کہ مرد اور عورت کے درمیان رشتہ تو ہوسکتا ہے دوستی نہیں۔" چاہنے کے... اس نے دوستی کے لیے اس کا بڑھا ہوا ہاتھ پرے کردیا تو ہارون کو غصہ آگیا۔ وہ بھانت بھانت کی باتوں کا عادی... لڑکی سے دوستی اس کا پرابلم کبھی بھی نہیں تھا مگر یہ لڑکی، اس کا تو فلسفہ ہی نرالا تھا۔

"یہ تو ہوگیا بابا اور عطیہ خاتون کا فارمولا، تم بتاؤ تمہارا کیا خیال ہے؟ تم لڑکی لڑکے کی دوستی... نظر سے دیکھتی ہو؟ تمہارا کیا خیال ہے مرد اور عورت کے بیچ رشتے کے علاوہ دوستی ہونی چاہیے کہ نہیں؟ میں صرف تمہاری رائے پوچھ رہا ہوں ہونی چاہیے کہ نہیں.....؟ ایسی سادہ سی، بے ضرر سی دوستی جس... طلب کوئی نہ ہو، کوئی غرض نہ ہو... بس ہونی چاہیے ایسی دوستی کہ...؟" ہارون کو کسی طرح اندازہ تھا کہ وہ بہت وسائل کے ساتھ خولہ کے دل و دماغ پر اثر انداز ہو رہا ہے۔ ابھی تو یہاں اپنے قیام کو رنگین بنانا تھا وہ کسی حسین لڑکی کے ساتھ گھومنا پھرنا چاہتا تھا، اپنے دوستوں سے... کرنا چاہتا تھا کہ اس کی گرل فرینڈ ان سب کی گرل فرینڈز سے زیادہ حسین ہے۔

...زندگی میں کیسی رُت آئی تھی کہ اس کی پسند کے رنگ... ابھی اپنی دوستوں سے ان کے بوائے فرینڈ یا کزنز کے رنگین قصے سنتے تھے مگر خود اس کی زندگی کی کتاب میں تو یہ کوئی رنگین باب تھا ہی نہیں۔ لہٰذا چپ چاپ... پھیلائے دلچسپی سے ہر ایک کے قصے کو غور سے سنتی... ایک بے نام سی خواہش دبے پاؤں چلی آتی کہ کاش... ساتھ بھی ایسا ہو اور آج وہ خواب اسے پورا ہوتا لگ رہا تھا مگر بابا اور عطیہ خاتون کا خوف جلاد قسم کے پہرے... کردار ادا کر رہا تھا۔

"تم... اتنا سوچتی کیوں ہو؟ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری سوچ اور خواہش میں بہت تضاد ہے۔ دیکھو تم وہ کرو جو تمہارا دل چاہتا ہے، دوسروں کی مت سنو۔ یہ زندگی انسان کو ایک بار ملتی ہے۔ اگر انسان... زندگی کو بھی انجوائے نہیں کرے گا تو کیا کرے گا۔ یوں بھی ہر انسان کو اللہ نے آزاد پیدا کیا ہے اور... مرضی کی زندگی گزارنے کا پورا حق حاصل ہے۔ دیکھو یہ جو عطیہ خاتون اور تمہارے بابا ہیں ناں، انہوں نے بھی... ہر عمر کی ہر بہار کو منایا ہوگا پھر تم پر یہ پابندیاں کیوں؟ تم پر تو قیدیوں جیسی نگرانی ہے، ضرورت سے... بات نہیں کرسکتیں، ہنس نہیں سکتیں، میک اپ نہیں کرسکتیں، نیل پالش تم نہیں لگا سکتیں۔ میں نے تو دیکھا ہے تم... کسی دوست کے ہاں جا نہیں سکتیں۔ میرا تو خیال ہے بوائے فرینڈ تو دور کی بات ہے تمہاری کوئی گرل فرینڈ بھی نہیں۔ کم آن خولہ! دس از یور لائف! تم اپنی پسند سے جیو کہ میں نے دیکھا ہے زندگی تمہاری ہے جی تمہارے بابا اور عطیہ خاتون رہے ہیں۔"

"یہ ہارون کیا چیز ہے.....؟ کتنا جانتا ہے مجھے، کتنا سمجھ رہا ہے مجھے، ایک نہیں سمجھتے تو میرے بابا ہی مجھے...

نہیں سمجھتے، میں کیا چاہتی ہوں نہ سمجھتے ہیں نہ قبول کرتے ہیں۔" دکھ کا ایک گہرا احساس اندر تک ... گہری سی سانس لے کر اس نے ہارون کو دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"میں نے جو پوچھا ہے تم نے اس کا جواب نہیں دیا خورہ! دیکھو میں کوئی غیر نہیں ہوں ... ہوں، ہمارے والدین بھی آپس میں کزن ہیں، مجھ سے دوستی میں کیا مشکل ہے؟ ہاں تمہیں ... ہے تو میں کچھ نہیں کہوں گا۔ دیکھو میں نہ تو تم سے فلرٹ کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں نہ ہی کوئی محبت ... چاؤں گا۔ صاف نیت کا آدمی ہوں، لڑکیوں، ورلڑکوں سے اچھی دوست کرنا چاہتا ہوں اور تم سے بھی ... چاہتا ہوں، کر لو بہت مخلص دوست ثابت ہوں گا۔" ہارون نے صاف لہجے میں کہا۔ اس کے لہجے ... نہیں بھی اس کی بدتمیزی کی گواہی نہیں دی تب ہی تو خورہ کو بھی اچھا لگا تھا یوں بھی کسی غیر نوجوان مرد ... چیت، یہ تنہائی یہ باتیں زندگی میں پہلی بار ایسا ہوا تھا، اس نے بھی اپنا دل کھول کر رکھ دیا۔

"ہارون..... ! میں بھی عام سی نارمل سی لڑکی ہوں، میں بھی وہ سب کچھ کرنا چاہتی ہوں جو اس ... دوسری لڑکیاں کرتی ہیں، میں اپنی پسند کا لباس پہننا چاہتی ہوں، سب کچھ کرنا چاہتی ہوں مگر ... کے سامنے کیا پرابلم ہے کہ انہوں نے کبھی مجھے نارمل زندگی گزارنے نہیں دی۔ اپنی مرضی اور پسند کا طوق میرے ... کا ڈالا۔ میں اپنی عمر کی ڈھیر ساری خواہشات کو دبائے ... ہوں، ٹی وی میری زندگی کی حسرت ... اور ... اور"

اس کی کتنی کتنی خواہشات اظہار کی راہ پاتے ہی بیان ہونے لگیں۔ اس نے چپکے سے ہاتھ ... ہاتھ پر رکھ دیا تو اس نے اپنا دوسرا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا ... کی۔ اس نے واقعی اس کی مدد کرنے کے لیے اس کے ... بھی گزارنے کا فیصلہ کر لیا۔

• • •

تیمور نے ذرا تیز لہجے میں کہا تو منیب زور سے ہنس پڑا۔

"ہوں ... ادں کے بہلانے کو غالب خیال اچھا ہے کہ ماہم ... کر پھٹ پڑے گی یا انکار کر دے گی۔ ہوں ... اچھی تسلی ہے خود کو اس تلخ حقیقت سے بچانے کے لیے مگر، ماہم کسی صورت انکار نہیں کرے گی کیونکہ بڑوں کا فیصلہ ہے۔ اسے ہر حال میں سر جھکانا پڑے گا ورنہ زبردستی بھی ہو سکتی ہے اس کے ... عارف نے ... کہہ دی تو انکار کی اس کی مجال نہیں۔"

موبی کو لگ رہا تھا کہ وہ کوئی بہت بڑی جنگ جیت گیا ہے ہاں ماہم جیسی تیز اور اکھڑ لڑکی پر حکمرانی کوئی معمولی جیت تو نہیں۔ اس نے بہت سے حساب بے باق کرنے تھے ماہم کے ساتھ۔

"چلو گاؤں آباد ہو گا تو ہم بھی دیکھیں گے وقت سے پہلے چور چور کیا چلانا۔ ویسے ماہم ایک کڑوا ... ہے جسے چبانے کے لیے بہت بڑا دل گردہ چاہیے۔"

تیمور کو پورا یقین تھا کہ ماہم جس قسم کی دلیر اور مضبوط اعصاب لڑکی ہے اور جو شرجیل کی وجہ سے اس سے شدید نفرت کرتی ہے، اس کے ساتھ شادی کے لیے ہرگز تیار نہیں ہو سکتی۔ اس کی بات پر موبی نے سگریٹ کا گہرا ... لیا اور فضا کو دھوئیں سے آلودہ کر دیا۔

"تم میری فکر نہ کرو تیمور! ایک بار کڑوا بادام دانتوں تلے آنے تو دو۔"

"... ہے موبی! انکلف برطرف تمہیں کتنے پرسینٹ یقین ہے کہ ماہم تمہارے لیے مان جائے ...؟"

"ایک پرسینٹ بھی نہیں لیکن مائی ڈیر! جو ڈرامہ میں کھیلوں گا ناں اس کے بعد ماہم صرف اور ... خیر تم بتاؤ کرید کرید کر کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"مجھے چھوڑو! ثنا کے بارے میں کیا سوچا ہے تم نے؟"

تیمور کو موبی پر حیرت ہو رہی تھی کہ ثنا پر وہ بچپن ہی سے مرتا تھا اس کی طرف کوئی دیکھ بھی لیتا تو وہ مرنے ... پر تل جاتا پھر اب تو اس نے ثنا کا ذکر بھی نہیں کیا تھا۔ ثنا کے ذکر پر یک بارگی دل دھڑکا بھی، چہرے پر ... بھی ابھرا مگر ثنا، ماہم کے سامنے دھندلا گئی۔ ماہم تو اس کا چیلنج بن گئی تھی۔ اس نے تھپڑ مارا تھا اس کے منہ پر ... لوگوں کے سامنے تھا، اس کے ماہم کے سلسلے میں جو عزائم تھے ان کو پورا کرنے کے لیے بزرگوں نے خود ہی ... ہم وار کر دیا تھا تو وہ سوچ کر ہی کیسے، وہ تو اس اچانک مہربانی پر خوش ہو گیا تھا۔

"میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں ... اس کا دل چاہے گا شادی کرے، یا جہاں اس کے والدین کریں ... ے۔" موبی انتہائی بدتمیزی سے ثنا سے دستبردار ہوا تو تیمور کو غصہ آ گیا۔

"ذات پہچاننے کے لیے ایک نگاہ درکار ہوتی ہے تم تو"

"... اپ ..." تیمور کی بات ... کر موبی بھنا گیا اور پھر تیزی سے باہر پھلانگتا ہوا کوریڈور ...

• • •

"تھینک یو سو مچ واصف! میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں آپ کا شکریہ کس طرح ادا کروں۔ میرے پاس الفاظ ہیں نہ ہمت لیکن واصف ... آج آپ نے سب کے سامنے میری عزت کا بھرم رکھ کر مجھے ... قدم بنا دیا ہے۔ اب آپ جس طرح رکھیں گے مجھے کوئی اعتراض نہیں، میں کم نصیب یہ جان ہی نہ سکی، آپ کو پہچان ہی نہ سکی، نہ شادی سے پہلے اور نہ شادی کے بعد، اتنا عرصہ صرف میں نے آپ کے ساتھ ایک چھت ... زندگی گزار دی ہے، آپ کو جانا نہیں، پہچانا نہیں، ہمیشہ کنارے پر بیٹھ کر آپ کو دیکھا، آپ کی گہرائیوں میں اتر کر راز کو پایا نہیں، کتنی کم فہم ہوں ناں میں۔ اوہ میرے خدا! لیکن آپ نے مجھے کتنا درست جانا ہے، اس سے بڑھ کر کسی بھی بیوی کی عزت کیا ہو سکتی ہے کہ اس کا شوہر، اس کا مجازی خدا اس کی پارسائی کی گواہی دے اور کہے کہ میری بیوی آئیڈیل بیوی ہے۔ واصف! آپ ... آپ کو نہ جان کر میں نے ہی غلطی کی ہے، میں ہی ... تھی، آپ میرے محسن ہیں واصف..... ! محسن ہیں۔"

آمنہ جس نے زندگی کے پچیس سال کسی بھٹی میں گزارے تھے، لمحہ لمحہ اذیت کا، ہر قطرہ قطرہ رگوں میں ... اتارا تھا، آج واصف نے وہ زہر، مسرت کر دیا تھا، وہ آگ بجھا دی تھی۔ آمنہ کو لگا وہ دنیا کی حقیر ترین شے تھی جس ... واصف نے اپنے سر کا تاج بنا لیا تھا۔ آج آمنہ کو واصف سے کوئی شکوہ نہیں تھا۔ جانے وہ تمام زخم کیسے یوں ... پل بھر گئے تھے جو ہر وقت رستے رہتے تھے، جن کی دکھن اسے ایک پل بھی سکھ کا گزارنے نہیں دیتی تھی، آج

دوسرے سے نظریں چرا کر رہ گئے۔

"سوری واصف...!" آمنہ ماہم کے رویے کی معافی مانگنے لگی تو واصف نے اس کے ہاتھ میں تھام لیے۔

"واٹ سوری آمنہ..... تم اکیلی اس سب کی ذمہ دار نہیں ہو بلکہ تم تو ہو بھی نہیں۔ یہ سب تو میری وجہ سے ہے۔ بچوں کی یہ حالت، یہ محرومیاں صرف میری وجہ سے ہیں۔ میں ذمہ دار ہوں، میں گناہ گار ہوں۔ اب میں اپنے بچوں کو اتنا پیار دوں گا، اتنی توجہ دوں گا کہ وہ پرانی تلخی بھول جائیں گے۔ میں شرمندہ ہوں بچوں سے۔ تم نے تو اپنا کردار بھرپور انداز سے نبھایا ہے لیکن تم فکر نہ کرو میں خود اپنے بچوں کو سنبھال لوں گا۔"

پہلے والا واصف لوٹ آیا تھا۔ وہی پیار، وہی لہجہ ... تھا۔ آمنہ نے بے یقینی سے واصف کو دیکھا۔

"واصف! یہ... یہ سب حقیقت ہے ناں... ؟ خواب تو نہیں... ؟"

"نہیں آمنہ! خواب تو وہ سب تھا۔ یہ تو روشن صبح کی حقیقت ہے۔ بس یہی سمجھو کہ وہ ایک پریشان خواب تھا جو ہم نے دیکھا۔ انشاء اللہ! اب سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں شرجیل کو اتنی محبت، توجہ دوں گا کہ وہ گھر کے تمام لڑکوں سے خوبرو ہو گا ... کے ساتھ سب ... اعتماد ... انشاء اللہ!"

"خدا کرے ایسا ہی ہو واصف! ورنہ ہم بچوں کے سامنے ہمیشہ شرمندہ رہیں گے۔"

"نہیں آمنہ! خدا نے چاہا تو اب حالات بالکل بدل جائیں گے۔"

"انشاء اللہ!" آمنہ نے پرسکون ہو کر واصف کے بازو پر سر ٹکا دیا۔ کتنا سکون، کتنا ... تھا ... صدیوں کی تھکن اتر گئی تھی آمنہ کی۔ واصف نے ... تو جوانی کی حیا عود کر آئی آمنہ پر۔

●●●

"کچھ بھی ہو مما... میں اس بدتمیز موبی سے ہرگز شادی نہیں کروں گی۔ امپاسبل...!"

ماہم اور موبی کی اینٹ پتھر والی دشمنی تھی اور وہ مختلف سوچ کے ... گھر کے بڑوں نے دونوں کو ایک ... میں باندھنے کا فیصلہ کیا بلکہ حکم صادر کر دیا تھا۔ ہر چند کہ یہ فیصلہ آمنہ کو بھی پسند نہیں آیا تھا۔ موبی خاصا بدمعاش، بدتمیز قسم کا لڑکا تھا مگر جب سے موبی کو ماہم کے لیے پسند کیا گیا تھا آمنہ نے ایک لفظ بھی نہیں ... بول کر زندگی کو عذاب بنا چکی تھیں اب ان میں فیصلہ کرنے کا اختیار ختم ہو گیا تھا اور اس وقت بھی وہ سمجھ رہی تھیں یہ فیصلہ ایک بار پھر گھر کے بزرگوں نے کیا ہے تو بہترین ہی ہو گا جبکہ ماہم کے تن بدن میں آگ لگی ہوئی تھی یہ سن کر۔ اس نے ماں کے سامنے صاف انکار کر دیا تھا۔

"ماہم بیٹا! موبی بہت اچھا لڑکا ہے اگر اس میں کوئی خامی ہے بھی تو وقت اور حالات کے ساتھ ٹھیک ہو جائے گا۔ تمہارا ... کرتا ہے، خون ایک ہے تم دونوں کا۔ ابھی تو جوانی کا ... ہے ذرا اور بڑا ہو گا، ذمہ داری کا احساس ہو گا تو دیکھنا وہ کتنا سدھر جائے گا اور یوں بھی یہ فیصلہ ... نے بھی تو قبول کر لیا ہے اس نے تو انکار نہیں کیا۔"

"اس لیے مما! کہ مجھے نیچا دکھانا چاہتا ہے۔ ایک میں ہی تو ہوں جس نے اسے اس کے کرتوتوں پر

... تو وہ اب مجھ سے بدلہ لینا چاہتا ہے، اور میں اسے اس کے گھناؤنے عزائم میں ہرگز کامیاب ہونے ... کے ساتھ شادی کی ہامی نہیں بھروں گی۔" ماہم بپھری ہوئی تھی۔

"ماہم! تم ایسی کوئی حرکت نہیں کرو گی۔ یہ گھر کے بزرگوں کا فیصلہ ہے اور پھر موبی عارف کا اکلوتا بیٹا ... نے ہمیشہ میرا بہت ساتھ دیا ہے۔ یوں بھی جو لڑکیاں بزرگوں کے فیصلے نہیں مانتیں وہ بہت کٹھن ... ہیں، خار دار راستوں پر ننگے پاؤں چلنا پڑتا ہے۔"

آمنہ ماضی کے آئینے میں جھانک کر لرز اٹھیں۔ وہ نہیں چاہتی تھیں جو غلطی انہوں نے کی ہے وہ ماہم بھی ... اور یوں سی زندگی کا طوق گلے میں ڈالے۔

"یہ کیا بات ہوئی مما؟ یہ کہاں درج ہے کہ بزرگ ہمیشہ درست فیصلہ ہی کرتے ہیں؟"

"لیکن یہ ہر جگہ درج ہے، یہ حقیقت کہ فیصلے وہی درست اور پائیدار ہوتے ہیں جو بزرگ کرتے ہیں ... کے فیصلے جذباتی نہیں ہوتے، حقائق کی چھلنی میں چھنے ہوئے درست فیصلے ہوتے ہیں ان بزرگوں کے ... تمہاری عمر کی ہر لڑکی اپنی عمر کے آئینے میں دیکھ کر غلط قرار دیتی ہے پھر ایک بار میں نے بھی یہی غلطی کی تھی ... جو تم کرنے جا رہی ہو۔"

اور پھر آمنہ نے زندگی میں پہلی بار ماہم کو شادی کی داستان سنا دی تو وہ بے یقینی سے سنتی رہی۔ اب اس کی ... میں پاپا کا رویہ اور ماں کا چھپ چھپ کر رونا آ رہا تھا۔

"تو مما! کسی کو پسند کرنا جرم ہے جس کی اتنی لمبی سزا دی جائے؟"

"... غلطی ہوتے ..."

"ہاں...! کہنے کو تو یہی بات ہے مگر بیٹا! مرد مرد ہے، معاف کر دے تو کوئی بڑی بات نہیں مگر ... ایسے ہی ماہم اور شرجیل پیدا ہوتے ہیں اور میں نہیں چاہتی کہ تم میرا کردار ادا کرو اور تمہارے بچے تمہارا ... کا۔" آمنہ نے خوف زدہ لہجے میں کہا تو وہ ... کر کھڑی ہو گئی۔

"کیوں مما! میرے ساتھ ایسا کیوں ہونے لگا؟ میری زندگی میں کوئی حسن ہے ہی نہیں تو پھر...!"

"یہ تو اور بھی اچھی بات ہے بیٹا! کہ تمہاری زندگی میں کوئی حسن نہیں تو پھر بزرگوں کا فیصلہ مان لینے ... ؟ دیکھو ناں سب خوش ہو جائیں گے اور میری بھی عزت رہ جائے گی تمہارے چچا کے ..."

"مما! آپ کی خوشی اور عزت کے لیے میں، ہر جگہ ... کو تیار ہوں مگر موبی سے شادی؟ ہرگز ... اس شخص نے میرے معصوم بھائی کو بہت تنگ کیا ہے، میں اپنا تو قتل بھی معاف کر سکتی ہوں، میرے بھائی کے ساتھ بدتمیزی... ؟ یہ نہیں۔" ایک ایک کر کے تمام واقعات نگاہوں میں گھومنے لگے۔

"میں مانتی ہوں جان! مگر جب اس کا تم سے رشتہ ہو جائے گا پھر وہ شرجیل کو تنگ نہیں کرے گا ..." آمنہ چاہتی تھیں کہ کسی طرح بھی ماضی نہ دہرایا جائے، ماہم جان جائے۔

"جس شخص میں انسانیت نہ ہو وہ کسی بھی رشتے کے جڑ جانے سے سدھر نہیں سکتا۔" ماہم کو موبی سے ... تھی، شدید نفرت

"مگر بیٹا... میں بہت خوفزدہ ہوں کہیں۔" آمنہ کا گویا سانس اٹکنے لگا۔ وہ ماضی [illegible] نکل چاہتی تھیں۔ ماہم نے ان کے خوفزدہ چہرے کو دونوں ہاتھوں میں تھاما۔ کتنا خوف تھا [illegible] اس نے اپنی ماں کی مظلومیت کے بہت منظر دیکھے تھے اور واقعی ان کی کہانی نے ان کو بے گناہ قرار [illegible]

"ڈونٹ وری مما...! کچھ نہیں ہوگا لیکن اگر کبھی مجھے آپ کی اور پپا کی عزت کی خاطر [illegible] چاپڑا تو پی لوں گی۔ میں آپ کی بیٹی ہوں مما... ڈونٹ وری!"

پھر اس نے ماں کی پیشانی پر پیار کیا۔ کتنی دیر ان کو سمجھاتی رہی پھر اٹھ کر باہر نکل گئی تو [illegible] گزرتے ہوئے موبی سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ اس ٹکراؤ میں موبی کی نظریں شوخ اور گہری ہو گئیں جبکہ [illegible] پر تناؤ بڑھ گیا تو وہ "ہونہہ" کہہ کر آگے بڑھ گئی۔

"ابھی اختیار سے باہر ہو ماہم! تو موبی کو اگنور کر رہی ہو۔ جس روز اختیار [illegible] پوچھوں گا۔"

موبی جو ماہم کی حرکت پر بل کھا کر دور تک اسے ہی گھور رہا تھا پیچھے سے شرجیل آ گیا تو وہ [illegible] بھائی سے لپٹنے کے خیال سے اس کا ہاتھ تھام کر لان میں آ گیا۔

"موبی میرا ہاتھ چھوڑو ناں!" شرجیل نے بالکل لڑکیوں والے انداز میں کہا تو موبی قہقہہ [illegible] پڑا۔

"کیوں بھئی! تم کوئی لڑکی ہو کہ میرے ہاتھ پکڑنے سے تمہاری بدنامی ہو گئی ہے؟ بولو ناں!" موبی اسے تنگ کرنے کے فل موڈ میں تھا۔

"مجھے نہیں معلوم۔" شرجیل روہانسا ہو گیا۔ جس بے یقینی کی دلدل سے نکلنا چاہتا تھا موبی دلدل میں دھکیلنا چاہتا تھا۔

"اچھا! تو پھر کسے معلوم ہے؟ کم آن! تم مجھ سے اتنا کتراتے کیوں ہو؟ آؤ میرے ساتھ بیٹھو، کچھ گپ شپ ہو جائے۔" موبی خود بھی گھاس پر بیٹھ گیا اور پھر اسے بھی اپنے قریب [illegible] وہ لڑکیوں کی طرح شرما کر پرے ہٹ کر بیٹھ گیا۔

"ہوں! تم اس طرح مجھ سے شرماتے ہو ناں اس کا مطلب ہے تم لڑکی ہو۔ [illegible] لڑکوں سے کتراتی اور شرماتی ہیں۔ یو آر گرل... یو آر گرل۔"

موبی بدتمیزی سے شرجیل کو گدگدیاں کرنے لگا اتنی کہ ہنستے ہنستے شرجیل بے حال ہو گیا۔ پھر شدت رونے لگا۔ جانے وہ اس شغل میں کب تک مصروف رہتا کہ ثنا نے محض شرجیل کی جان چھڑانے کے لیے ہی کہا کہ انکل بلا رہے ہیں تو وہ کھڑا ہو گیا۔ شرجیل کے گال چھو کر بولا۔

"بائے بے بی! پھر ملیں گے۔" وہ بدتمیزی سے آنکھ دبا تا چلا گیا۔ وہ گھٹنوں میں سر دیئے [illegible] رہا۔ ثنا اسے لینے آئی مگر وہ نہیں گیا۔ پھر وہ کتنی ہی دیر گھاس پر بیٹھا خود کو تلاش کرتا رہا۔ موبی کی باتیں [illegible] گھومتی رہیں۔

"میں لڑکی ہوں کہ لڑکا ہوں موبی ہر وقت یہی پوچھتا ہے مگر مجھے کوئی نہیں بتاتا کہ میں کون ہوں۔ [illegible]

[illegible] میں لڑکا ہوں مگر مجھے تو پپا کی بات پر یقین آتا ہے ورنہ وہ مجھے بتاتے نہیں پھر کون بتائے گا؟" وہ [illegible] ذات کی کھوج میں گیٹ سے نکل کر چلتا رہا، سوچتا رہا اپنی تلاش میں ایسا کھویا کہ اندازہ ہی نہیں رہا کہ وہ [illegible] جا نکلا ہے۔ اسے تو گھر کا پتہ بھی معلوم نہیں تھا۔

"[illegible] خدایا! یہ کون سا علاقہ ہے؟ میرا گھر کہاں ہے؟ میں کیسے جاؤں گا؟"

وہ اسی فکر میں فٹ پاتھ کے کنارے گرل کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ وہ بہت پریشان تھا۔ نہ گھر کا فون [illegible] یاد ہوتا بھی تو جیب میں پھوٹی کوڑی نہیں تھی۔

میں کیا کروں؟ ممی، ماہم تو پریشان ہوں گی، پپا کو غصہ آئے گا، موبی وہ میرا مذاق اڑائے گا۔ [illegible] گھر تھا پھر کہاں چلا گیا؟ گھر کو پر لگ گئے ہیں؟ میں کیا کروں؟" وہ روڈ پر ٹریفک کو دیکھ کر [illegible] دیکھ کر اور بھی خوفزدہ ہو رہا تھا۔

"عاصمہ [illegible] کیا خیال ہے وہ سامنے جو چیز ہے اپنی برادری کی نہیں لگتی؟"

"اے چل ہٹ [illegible]" عاصمہ نے شرجیل کو بغور دیکھا۔

"بکواس نہ کر! تیری نظر تو ہے ہی کمزور۔ اس کی شکل دیکھ، چال ڈھال دیکھ، بالکل ہمارے جیسا [illegible] ہاں یہ شہزادی ہے ہی ہمارے قبیلے کی۔ چل آ بات کر کے دیکھیں۔"

اور پھر عاصمہ اور ناصرہ جن کا تعلق اللہ کی ستائی ہوئی مظلوم مخلوق سے تھا، وہ شرجیل پر بحث کرتی ہوئی اس [illegible] پہنچ گئیں تو وہ خوفزدہ ہو کر کھڑا ہو گیا۔ بری طرح دھڑکنے لگا، سانس تیز چلنے لگا، ہاتھوں اور ماتھے پر [illegible] عاصمہ [illegible] ناصرہ [illegible] یکسو [illegible] دیکھ۔

"کون ہو گڑیا تم!" ناصرہ نے اس کا ہاتھ پکڑا تو وہ گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔

"مم میں گڑیا نہیں شرجیل ہوں۔" شرجیل کو ان دونوں سے بہت خوف آ رہا تھا۔ اس نے خشک [illegible] پر زبان پھیری، مدد طلب نظروں سے [illegible] سے گزرتے لوگوں کو دیکھا۔ کچھ مرد عاصمہ اور [illegible] کو دیکھ کر رک گئے اور غلط قسم کے مذاق کرنے لگے۔ جواباً وہ بھی تالیاں بجتی ہوئی شرجیل کو گھسیٹ کر دوسری [illegible] لے گئیں۔

"تو اب بتاؤ تم کون ہو؟" عاصمہ نے پیار سے شرجیل کے بال سنوارے۔

"میں... میں انسان ہوں۔" شرجیل کی سمجھ میں نہیں آیا کہ بتائے کہ وہ کون ہے۔

"ہاں... اتنا تو پتہ ہے ہم انسان ہیں پر اس سے آگے کچھ پتہ نہیں ہم کیا ہیں؟ یہ رب سوہنے کو خبر [illegible] جس نے اپنی رضا سے ہمیں بنا دیا، ہم بن گئے اور ہمیں تو بھی اپنی ہی برادری کا لگتا ہے۔ چل اب بتا دے [illegible] کی نسل سے ہے؟"

ناصرہ نے عاصمہ کو دیکھ کر معنی خیزی سے آنکھ دبائی۔

"مم مجھے کچھ پتہ نہیں میں کون ہوں؟" خوف سے شرجیل ہکلانے لگا۔

"اچھا تو یوں کہہ ناں..... چل ہمارے ساتھ۔" ناصرہ اور عاصمہ خوش ہو گئیں۔

"کک..... کہاں جانا ہے آپ لوگوں کے ساتھ.....؟"

علیزہ باہر آئی تو ارمغان کی نظر کی تلاش ختم ہوگئی۔

"مامی پوچھ رہی تھیں تو آپ جلدی باہر آ کر اطلاع نہیں دے سکتی تھیں؟ کچھ احساس ہی کتنا پریشان ہوگا ......؟ میرا مطلب ......" ارمغان کی توجہ ارمغان کی مخاطب تو وہی تھی۔

"مجھے آپ کے مطلب سے کوئی مطلب نہیں، میں صرف اپنی بہن کو بلانے آئی ہوں۔" ارمغان علیزہ کا پیر ہمیشہ جواں رہتا۔ وہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"کبھی تو نظر ملاؤ، کبھی تو قریب آؤ" عدنان سمیت ارمغان کو بے قریب سنائی دیا۔

"آتی ہوں علیزہ! ابھی انسانوں کی ڈکشنری نہیں کہ جانوروں کا علاج کرنا پڑ گیا" شرارت سے سب کزنز کو دیکھا جو اس کی بات کا مطلب سمجھ کر اس کے پیچھے بھاگے۔ وہ تھی سب

"بچا یئے مامی ...! یہ سب" وہ بھاگتی ہوئی عفت مامی کی اوٹ میں ہوگئی۔

"خبردار! جو کسی نے میری بیٹی پر بری نظر بھی ڈالی۔" وہ اس کی ڈھال بن گئیں۔

"بری نہیں تو اچھی نظر، پیار کی نظر ڈالنے کی اجازت تو ہے ناں" عدیل کا لر درست کرتا بڑھا مگر عفت بیگم نے اسے روک دیا۔

"ہاں! ضرور ہے مگر کسی اور کو نہیں صرف ارمغان کو۔"

◆ ◆ ◆

"کیوں کیوں؟ یہ خصوصی رعایت صرف ارمغان کو کیوں چچی جان!"

عدیل نے احتجاجی علم بلند کرتے ہوئے ارمغان کو گھورا جو خود بھی ماں کی اس خصوصی رعایت کے پیچھے چھپی اصل بات کو نہیں جان سکا تھا اور نہ ہی اس کو اس رعایت سے دلچسپی تھی۔ اس کی گہری نظروں کے حصار میں اس وقت صرف علیزہ تھی جو دوسری کزن کے ساتھ مل کر مہندی والے دن کے پروگرام بنا رہی تھیں۔ وہ ہنستی تو ارمغان کو لگتا جیسے ہر طرف پھول کھل اٹھے ہوں، روشنی سی پھیل گئی ہو۔ وہ اسی نظارے میں گم تھا اسے عدیل کی بات کا کوئی ہوش ہی نہیں کہ عدیل اس کی ماں سے لڑ رہا ہے۔

"بتایئے ناں چچی جان! یہ خصوصی رعایت اس لنگور کے لیے کیوں ہے؟"

"بھئی! اس لیے کہ وہ لنگور ہے تو سنتے انسانوں میں اگر ایک لنگور آ جائے تو ہم انسانوں کو اس کی دلجوئی کا خیال رکھتے ہوئے کوئی نہ کوئی خصوصی رعایت تو دینی چاہیے ناں تاکہ وہ اس محفل میں خود کو تنہا نہ سمجھے۔ کیوں ارمغان ...؟"

عدیل کی بات کا جواب مسعود نے دیا اور ارمغان سے تائید چاہی مگر وہ اس وقت چونکا جب علیزہ ورتنی نظر پھیر چکی تھی۔

"ہوں، ہاں! آپ بڑے بھائی ہیں ٹھیک ہی کہہ رہے ہوں گے آپ نے بھی۔"

بے دھیانی میں اس نے جو بات سنے بغیر ہی تائید کر دی تو سب بے ساختہ ہنس پڑے۔

"اچھا! تو بھائی لنگور! آپ کو انسانوں میں آ کر کیسا لگا ...؟" اسے لنگور کہہ کر عدیل نے پوچھا اپنا نام بھی نکالا، تو ارمغان نے اس کی طرف گھورا۔

"بہت برا لگا کیونکہ جب تم جیسے گدھے گھوڑے بھی آئے ہوئے ہیں تو مجھے انوائیٹ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"وری فنی!" عدیل نے دانت پیسے تو ارمغان چڑانے لگا۔

"آداب بجا لاتا ہوں۔"

تھے کہ کم ہو رہے تھے مگر سیلی کے پیروں سے تو لگ رہا تھا من بھر کے پتھر باندھ دیے گئے ہیں جب وہ
اُٹھ نہیں رہے تھے۔ ابرار اور خرم اتنی دور نظر آ رہے تھے کہ ان کی آواز بھی اب سماعتوں سے ٹکرا کر ...
عجیب سی کیفیت زنجیر بن گئی تھی پیروں کی۔ وہ وہیں بیچ راستے میں بیٹھ گئیں۔ وہ بے بس سی بے سانس ...

"عائشہ! چلیں!" ابرار اپنا ہاتھ پھیلائے کھڑے تھے۔ عائشہ نے تھکے تھکے سے انداز میں ہاتھ ابرار کے ہاتھ میں دیا اور سہارا لے کر کھڑی ہو گئیں۔ ایسے سہارے ابرار کے بے معتبر ہوتے جب ... جان کر اعتبار کرتیں۔ دونوں ساتھ ساتھ چل تو رہے تھے مگر سوچ اور کیفیت کے راستے بھی جدا تھے۔

"ابرار! تمہیں یقین ہے کہ وہ میری ہی بیٹی ہے؟" خوفزدہ کپکپاتے لہجے میں ... آنکھوں میں نمی بن کر اترنے لگا تو ابرار نے پلٹ کر دیکھا اور دوسرے ہاتھ سے اس کا ہاتھ تھپتھپاتے تسلی دی۔

"سچ پوچھو تو نہیں، لیکن" اتنی دیر میں ابرار نے جو معلومات کی تھیں، اس کا حاصل یہی تھا ... عائشہ کی بیٹی تھیں۔ وہ سیلی کی اندرونی حالت سے انجان تھے۔

"آؤ ... آؤ سیلی!" آفس میں خرم پہنچ چکے تھے۔ ایک طرف وہ لڑکی اور لڑکا بیٹھے تھے ... حالت خراب ہونے لگی، ٹانگوں میں جیسے جان نہ رہی ہو۔

ابرار کا بازو مضبوطی سے تھام لیا۔ خرم نے آگے بڑھ کر عائشہ کو کرسی پر بیٹھنے میں مدد دی۔

"جی تو بیٹا ... یہ عائشہ ہیں، اس ادارے کی سربراہ ہیں۔ آپ کو جو کہنا ہے ان کے سامنے کہو، اس ... ہم کوئی فیصلہ کریں گے۔"

ابرار نے اس لڑکی اور لڑکے سے کہا۔ دونوں مڈل کلاس سے تعلق رکھنے والے نوجوان تھے۔ لڑکی ... رنگ کی پرکشش تھی، لڑکا بھی قبول صورت تھا۔ دونوں نے اپنی جو کہانی سنائی اس میں کہیں بھی لیلیٰ کو نہ پا ... ورنہ شہباز نظر آئے۔ یہ اس کی اور شہباز کی بیٹی نہیں۔ جواب پا ... اندر تک ٹھنڈک کا لطیف جھونکا ... گیا دل ان کو اس لڑکی اور لڑکے پر شدید تاؤ آ گیا۔ وہ غصے میں کھڑی ہو گئیں۔ ان کو ہمیشہ ہی ایسے لڑکے لڑکیوں سے نفرت رہی تھی جو اپنے وقتی جذبات کو محبت کا نام دے کر اپنے والدین کی عزت مٹی میں رول دیتے ہیں۔ گھروں سے فرار ہونے والی لڑکیوں کے لیے تو ان کے دل میں ذرّہ برابر رحم یا ہمدردی نہیں تھی ... سے ایک ایسے ہی ادارے کی بنیاد ڈالی تھی تاکہ درست سے بھٹک جانے والوں کو سیدھے راستے پر لایا جائے۔

"ہوں! تو تم لوگ ایک دوسرے سے محبت کرتے ہو؟ اتنی کہ ایک دوسرے کے لیے اپنا گھر اور خون کے وہ رشتے چھوڑ دیے جو تم لوگوں کی ذرا سی تکلیف پر تڑپ اُٹھتے ہیں؟ ان والدین کی عزت کو خاک میں رول دیا جنہوں نے تم لوگوں کو آرام اور سکون دینے کے لیے راتوں کی نیند قربان کی تو دن کا سکون برباد کیا؟ خیر! یہ بتاؤ عابدہ! اگر تم اپنے گھر سے فرار ہونے والے فیصلے سے خوش اور مطمئن ہو؟ کیا تمہیں یقین ہے کہ یہ شخص جس کی باتوں میں آ کر تم نے اپنے والدین کی عزت برباد کر دی ہے تمام عمر تمہارا ساتھ دے گا؟ تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ کچھ عرصے کے بعد یہ کسی اور عورت کے عشق میں گرفتار

"یہ نہیں چھوڑے گا؟"

سیلی کو اس قدر غصہ آ رہا تھا کہ انہوں نے بمشکل خود پر قابو پایا ہوا تھا۔

"یہ تو کہتا ہے کہ مرتے دم تک صرف مجھ سے ہی محبت کرے گا۔" لڑکی رونے لگی۔

"اچھا ... اس نے کہا اور تم نے یقین کر لیا؟ اور ان محبتوں کو جھٹلا دیا تم نے جو بے لوث تھیں؟ انہوں نے تمہیں پال پوس کر اس قابل بنا دیا کہ تم ان کی عزت کی شفاف چادر کو داغدار کر کے گھر سے فرار ہو جاؤ؟ روند ڈالو ان کی عزت کو پیروں تلے؟ اچھا تو اسلم بیٹا! تم بتاؤ تم اس لڑکی عابدہ سے واقعی اتنی محبت کرتے ہو کہ نہ اس کے گھر والوں کی عزت کا خیال رہا نہ ہی اپنے گھر والوں کی عزت کا پاس کیا؟ اتنی طاقت محبت میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ وہ خون کے رشتوں کو مات دے سکیں؟ ہاں! بتاؤ!"

کوشش تو بہت کی تھی لیلیٰ نے مگر لہجہ پھر بھی سخت اور تلخ ہو گیا۔ سیلی کو تو اس قدر غصہ آ رہا تھا کہ ان کا بس چلتا تو دونوں کو ... کر ان کے حواس ٹھکانے آ جاتے جنہوں نے اپنے گھر والوں کی عزت پامال کی تھی۔

"ہاں ... ابو لو کیا تم عابدہ کو اس کے گھر والوں سے زیادہ چاہتے ہو؟ اور اس سے زیادہ اچھی اور خوشحال زندگی دے سکتے ہو؟ بولو کیا حیثیت، کیا مقام ہے تمہارا معاشرے میں جس کے بل بوتے پر تم ایک گھر کی عزت کو بھگا رہے ہو؟"

سیلی نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ اس وقت وہ کس جذباتی کشمکش سے گزر رہی ہیں یہ خرم اور ابرار ہی سمجھ سکتے تھے ... بیٹے کی جدائی کی ... لڑکا اور لڑکی کانپ رہے تھے۔ انہوں نے تو سوچا تھا ... کر لیا ... منہ ... لینے کے دینے پڑنے لگے تھے۔

"میڈم! میں تو کچھ بھی نہیں ... میں اسے بھگا کر نہیں لایا ہوں۔ یہ خود ہی میرے پیچھے لگ گئی تھی، خود ہی محبت کا دعویٰ کرتی تھی، گھر سے نکلنے کا بھی اس نے خود ہی پروگرام بنایا تھا۔ میڈم! آپ میرا یقین کریں میرا کوئی قصور نہیں۔"

لڑکا پولیس کے خوف سے لرزنے لگا۔ سیلی نے خرم اور ابرار کو دیکھا پھر وہ لڑکی کی طرف بڑھیں اور بولیں۔

"دیکھ لیا تم نے اپنے اس عاشق کا حال، جس کی محبت میں تم نے اپنے غریب والدین کی عزت برباد کر دی؟ اس نے سارا الزام تم ہی پر لگا دیا ہے۔ ذرا بھی خیال نہیں آیا اسے تمہارا۔ پولیس کے خوف سے عشق کا بھوت ہرن ہو گیا۔ یہ ... یہ تمہیں تحفظ دے گا؟" سیلی کا چہرہ سلگنے لگا۔ جب سے انہوں نے اس ادارے کی بنیاد رکھی تھی ایسے بے شمار واقعات ہوئے تھے جو ابرار اور لیلیٰ نے حل کر لیے تھے۔ لڑکی لڑکے اور والدین کو بلا کر ان کے مسائل حل کیے تھے لیکن آج شاید ان کی پہلی فیلنگ حیرت ہوئی تھی اور دوسرا لڑکی کے باپ کا نام شہباز تھا اس لیے سیلی کو بہت غصہ آ رہا تھا۔ وہ کسی سیلی، کسی شہباز کی بیٹی کو گمراہی کے راستے پر جاتے نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ لڑکی بری طرح رو رہی تھی۔

"میڈم! یہ ... یہ جھوٹ بول رہا ہے۔ اب ڈر کر جھوٹ بول رہا ہے ورنہ اس نے خود مجھ سے یہ سب کروایا۔ خط لکھا کرتا تھا اور گھر سے بھاگنے پر بھی اسی نے ... اب مکر رہا ہے۔" عابدہ کا لہجہ ...

شرجیل بچوں کی طرح سسک رہا تھا۔ خوف سے اس گرمی میں بھی ہاتھ پاؤں برف ہو رہے تھے

"آ... آپ لوگ کون ہیں آنٹی....؟ مجھے کہاں لے جا رہی ہیں؟ پلیز! مجھے جا... نے دیں نا۔" اس کی التجا اس کے آنسوؤں میں بہہ گئی۔

"اے چل ہٹ! چھوڑ دوں؟ ارے میری شہزادی! تو نہیں جانتی تو ہے کیا چیز! ہائے! قسم سے رب سوہنے نے بڑی فرصت میں بنایا ہے تجھے۔ میں تو مر کر بھی تجھے نہیں چھوڑوں گی۔ دیکھ خبردار! جو ہمیں آنٹی کہا ہو۔ جہاں ہم ہیں، وہاں کوئی رشتہ نہیں ہوتا اور سن... میرا نام ناصرہ ہے اور یہ عاصمہ ہے اور وہاں ڈیرے پر اور بھی ہوں گی تو ان سے... نہیں، وہ تجھ سے مل کر ناچنے لگیں گی۔"

ناصرہ نے اسے دونوں بازوؤں میں بھینچ لیا تو شرجیل کو اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

"آپ لوگ مجھے میرے گھر پہنچا دیں پلیز...!" وہ گڑگڑانے لگا۔

"گھر؟ کون سے گھر میری جان! ہم لوگوں کا تو کوئی گھر نہیں ہوتا گڑیا!"

عاصمہ نے بڑھ کر شرجیل کے گال پر پیار کیا تو اسے گھن آنے لگی اور شدت آ گئی آنسوؤں میں۔

"میں گڑیا نہیں ہوں، میں لڑکا ہوں اور میں بے گھر نہیں ہوں۔ میرا گھر ہے۔ میرے پاپا ہیں، میری مما، میری ماہم ہے۔ آپ پلیز مجھے ان کے پاس چھوڑ دیں۔"

"نہ رو میری چاندنی! نہ رو، تیرے میرے یہ رشتے نام کو ہوتے ہیں۔ جب ہم ان کے گھروں میں جنم لیتے ہیں نا تو رگوں میں دوڑتا خون جم جاتا ہے، محبت کی آگ بجھ جاتی ہے اور پھر ہم لوگوں کو گروی رکھ دیتے ہیں، اپنے گھروں سے ایسے ہی نکالتے ہیں میری جان [illegible]" [illegible] شرجیل کا چہرہ صاف کرنا چاہا مگر اس نے غصے سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"مجھے کسی نے گھر سے نہیں نکالا، کون ہو آپ لوگ...؟ میری بات کیوں نہیں سمجھ رہیں؟ مجھے گھر جانا ہے، بس رو کو ٹیکسی، مجھے مما اور ماہم کے پاس جانا ہے، روکیں نا۔" شرجیل نے روتے روتے کہا اور خود ہی دروازہ کھولنے لگا۔

"زیادہ کرامت دکھا پری! ورنہ تو جانتی نہیں ناصرہ کو تیرے جیسی بہت سی کو تیر کی طرح سیدھا کیا ہے میں نے چپ چاپ بیٹھی رہ ورنہ...!"

شرجیل کے خوبصورت کرلی ریشمی بال ناصرہ کی مٹھی میں جکڑے ہوئے تھے اور بازو پر اس نے بڑی سی چٹکی بھری کہ وہ کراہ کر رہ گیا۔

"مما... امی... میں کہاں ہوں مما... مجھے لے جائیں... ماہم... ماہم!"

وہ گڑگڑاتا رہا، روتا رہا مگر ناصرہ اور عاصمہ اسے گرو ڈیرے لے آئیں۔ عجیب سی دنیا تھی، بڑا سا ایک گھر، بڑا سا صحن، کئی کمرے اور ناصرہ، عاصمہ جیسی بے شمار رنگ برنگے لباس میں موٹے موٹے ہونٹوں پر چیختے رنگوں کی لپ اسٹک لگائے، آنکھوں میں سرمہ ڈالے بڑی ہیبت ناک لگ رہی تھیں شرجیل کو۔ وہ سہم کر خود میں سمٹ گیا۔ اس وقت وہی سب کی توجہ اور نظروں کا مرکز تھا، ہر کوئی اپنی بولی بول رہا تھا۔

"صدقے جاؤں...! کیا چیز لے آئی ری ناصرہ... تو..."

ہائے! مر جاواں!" جاتے جاتے راشدہ چھیڑنے سے باز نہیں آئی۔ شرجیل کی آنکھوں میں [illegible] کی دھند میں سارے منظر گڈمڈ ہو رہے تھے۔ سب اس کے گرد گھیرا ڈالے ناچ گا رہی تھیں۔ ان کی [illegible] مخصوص آواز شرجیل کی سماعتوں کو چیر رہی تھی۔ وہ سمٹا ہوا گویا دیوار میں گھس جانا چاہتا تھا۔

"ہائے... اُف! کیا چیز پکڑ لائی ہو ناصرہ! مجھے راشو نے بتایا تو میرے ہاتھ سے لوٹا چھوٹ [illegible] راشو تو تعریف کر ہی نہیں سکی۔ جیسے بتر عمران سماریاں۔" یہ چھمو تھی، اس اصلاح پر کھانا چبا [illegible] سرخ لپ اسٹک لگائی، سرمہ لگایا ور بھی گئی آئی۔ ناصرہ اور عاصمہ اترائی اترائی پھر رہی تھیں۔ گویا [illegible] کا خزانہ ہاتھ لگ گیا ہو۔

"تیرے تو مزے ہو گئے ناصرہ!" چھمو نے ناصرہ کو ٹہوکا مارا تو عاصمہ جو اس کارنامے کی دانگی میں ساتھ تھی، ذرا کھو گئی۔ شرجیل کو گھسیٹ کر ساتھ لگا لیا۔

"کیوں بتا ناصرہ کے مزے کیوں ہو گئے؟ اس پر ہم دونوں کا حق ہے۔"

"اے... اپنی اوقات میں رہ چھیں۔ اس حسینہ پر پہلی نظر میری پڑی تھی۔ زیادہ میرا حق ہے۔"

"نہیں میر...!" یوں عاصمہ اور ناصرہ بد نصیب شرجیل کو اپنی اپنی طرف گھسیٹ رہی تھیں تو معصوم [illegible] جس نے ماں باپ کی چھینا جھپٹی میں اپنی پہچان، اپنا یقین، اپنا اعتماد کھو دیا تھا اس وقت ان سب کے [illegible] بے حسی کی صلیب پر لٹکا چیخ رہا تھا، رو رہا تھا۔

"اللہ میاں جی! [illegible] اللہ میاں جی! آپ کو تو پتہ ہے نا میں کون ہوں! [illegible] مرد ہوں لیکن [illegible] آ جائیے... ماہم! ماہم میری بہن... دیکھو تو [illegible] مجھے، بتا پتہ چل گیا، میں لڑکا ہوں، ماہم کا بھائی ہوں [illegible] ہمارے بھائی کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ ہاں [illegible] مجھے بھائی کہتی ہے تو بھائی تو مرد ہوتے ہیں نا؟ میں مرد ہوں، مجھے چھوڑ دو۔ مما! ماہم!" وہ پوری قوت سے چلایا تھا۔

• • •

"کوئی پتہ چلا میرے بچے کا واصف... میرا بیٹا! میرا بیٹا لا کر دو، میں مر جاؤں گی۔ کہاں گیا میرا بچہ میرا شرجیل...!"

رات کے چار بج رہے تھے۔ شرجیل کی ڈھنڈیا تو دس بجے سے شروع ہو گئی تھی کیونکہ وہ تنہا کبھی باہر نہیں نکلتا تھا۔ ہمیشہ ماہم کے ساتھ ڈاک کے لیے نکلتا۔ وہ تو اعتماد کی روشنی سے محروم تھا۔ یقین کی بے ساکھی اس کے پاس نہیں تھی پھر وہ کیوں باہر نکلا۔ آمنہ کو بار بار غشی کے دورے پڑ رہے تھے۔ ماہم نے رو رو کر برا حال کر لیا تھا۔ [illegible] سارا گھر جمع تھا۔ بڑے گھر سے نکلے ہوئے تھے۔ کہاں کہاں اسے تلاش نہیں کیا جا رہا تھا۔

"شرجیل! میرے بچے! کہاں چلے گئے ہو میرے بیٹے! لوٹ آؤ۔ اب میں نے ہدایت کی راہ پا لی ہے تو تم بے نشان راستوں میں کھو گئے ہو۔ میرے بچے! لوٹ آؤ کہ تم سے اپنی زیادتیوں کی معافی مانگ لوں۔ میری محبت اور توجہ کو ترسی ہوئی تمہارے دل کی خشک زمین کو تر کر دوں۔ شرجیل! میں کسی [illegible] سزا کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ آ جاؤ بیٹے! اب تو تمہاری ماں نے بھی مجھے معاف کر دیا ہے اور تم نے سزا دینے

ہارون کیا آیا تھا گویا خولہ کی زندگی میں بہار آ گئی تھی۔ اب تو وہ بھی اپنی فرینڈز سے ہارون کی باتیں کرتی۔

"ہاں بھئی۔ ! تمہارا کزن کا آنا تو تمہارے لیے بہت اچھا ثابت ہو رہا ہے۔ بہار آ گئی ہے تمہارے چہرے پر، نکھری نکھری سی لگنے لگی ہو، چکر کیا ہے؟ کہیں وہ موصوف ....." غزل کی شوخ آدھوری بات کا مطلب وہ اچھی طرح سمجھ گئی تھی لیکن چونکہ اس نے اپنے دل میں ہارون کی کوئی ایسی ویسی حیثیت محسوس نہیں کی تھی۔ وہ تو صرف اس کا دوست تھا اور چونکہ ہارون کی سوچ اس کی سوچ کے عین مطابق تھی اس لیے وہ اسے اچھا لگتا تھا۔

"ہارون میرا بہت اچھا دوست ہے غزل!"

"ہاں! ایسے سب دوست ہی ہوتے ہیں بعد میں..... اینی وے! مبارک ہو! کچھ تو رنگ آیا تمہاری صحرا زدہ زندگی میں۔"

اس وقت بھی خولہ کتابیں ایک طرف رکھے ہارون کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ اس کی باتیں، اس کی سوچ سے ہم آہنگ اپنی سوچوں کو سوچ سوچ کر مسکرائے جاتی مگر دونوں کو بات کرنے یا مل بیٹھنے کے لیے بابا اور عطیہ خاتون جیسے پہرے داروں کے ایسے اوقات کا انتظار کرنا پڑتا، جب وہ کسی اور مصروفیت میں مصروف ہوں کہ ان کی طرف دھیان نہ جائے۔

"ہیلو! کہاں ہو؟" وہ ہارون کے بارے میں سوچ رہی تھی اور وہ چپکے سے آ کر اس کے چٹکی بجاتا ہوا بولا تو اسے سامنے پا کر وہ یک دم خوش ہو گئی۔

"ارے تم!" "اتنے میں آپ جناب کی دیوار بھی گر چکی تھی۔"

"ہاں تم! یہ بتاؤ کیا سوچ رہی تھیں؟" اس کے سامنے کرسی گھسیٹ کر اس کی خوبصورت آنکھوں میں دیکھتا ہوا پوچھ رہا تھا۔

"ہارون..... معلوم ہے میں نے غزل سے بات کی ہے وہ ہمارے ساتھ جانے کو تیار ہے۔"

"قطعی نہیں..... میں اس کو ہرگز ہرگز نہیں لے کر جاؤں گا۔"

ہارون نے غزل کو ساتھ لے جانے سے قطعی انداز میں انکار کیا تو خولہ کا چہرہ اتر گیا۔ ہارون کی ضد بھی فضول تھی وہ اسے فلم دکھانے لے جا رہا تھا۔ گھر میں بابا اور عطیہ خاتون سے کیا جھوٹ بولنا ہے، کیا کہنا ہے، یہ پروگرام بھی طے تھا مگر اکیلے ہارون کے ساتھ جاتے ہوئے برا لگ رہا تھا۔ دوسرا اسے لے جانے کا مقصد یہ بھی تھا کہ ان دونوں کو بتایا جا سکے کہ وہ غزل کے پاس گئی ہے۔

"مگر کیوں ہارون..... اس طرح تو....." وہ ڈرتے ہوئے اپنا خدشہ بھی نہ کہہ پائی۔

"کیوں؟ تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں کہ ساتھ کسی نہ کسی گارڈ کا ہونا ضروری ہے...؟" وہ خفا ہو گیا تو خولہ پریشان ہو گئی۔

"نن..... نہیں ہارون..... ! ایسی بات نہیں۔ تم پر اعتماد نہ ہوتا تو اس وقت تم سے تنہا بیٹھی بات بھی نہ کر رہی ہوتی مگر دیکھو ناں اگر ہمارے باہر جانے کا علم بابا اور عطیہ خاتون کو ہو گیا تو"

ان کی ہر سوچ پر، خواہش پر پہرے تھے۔ ہارون چڑ گیا۔ وہ آزاد سوچ کا آدمی تھا، وہ حسین خولہ کو لے کر اپنے دل میں آزاد پرواز کرنا چاہتا تھا مگر یہاں تو خولہ کی ایک ایک سانس پر بھی پہرے تھے۔

"دیکھو خولہ! یہ زندگی ہے جو تم گزار رہی ہو؟ ارے! اس طرح تو قیدی بھی نہیں جیتے، ان کے جسم قید ہوتے ہیں سوچ آزاد ہوتی ہے اور سوچ سے وہ فوراً ان سلاخوں کو کاٹ ڈالنے کے منصوبے بناتے ہیں اور آزاد ہو جاتے ہیں مگر تمہاری تو ہر سوچ، ہر سانس پر پہرے ہیں۔ دیکھو زندگی بار بار ملنے والی نعمت نہیں ہے اسے یوں برباد کر دیا جائے۔ زندگی کی خوشیوں پر، رنگ پر تمہارا بھی اتنا حق ہے جتنا دوسری لڑکیوں کا۔ تم نے غزل کو دیکھا ہے کتنی آزاد، مطمئن اور کلرفل لائف گزار رہی ہیں؟ ان کے بھی والدین ہیں، ان کے خیالات ہوں گے مگر تم خود آزاد ہونا نہیں چاہتیں۔"

ہارون نے تاسف زدہ انداز میں کہا اور کھڑا ہو گیا اور اس کی یہ باتیں ہی خولہ کے اندر بغاوت کے شعلے کو ہوا دینے لگیں۔ کچھ دیر کے لیے تو دل چاہتا کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ہارون کے ساتھ فرار ہو جائے اور آزاد فضا میں پرواز کرے، جو اس کا دل چاہے وہ کرے اور پھر ہارون کی سنگت، اس کی باتیں رنگ لانے لگیں۔ پہلے تو وہ ان سے عطیہ خاتون اور بابا کے سامنے بات کرنے سے گھبراتی تھی۔ ہارون نے یہ گھبراہٹ، یہ جھجک، آہستہ آہستہ ختم کر دیا اور وہ ہارون کے ساتھ بیٹھنے لگی۔ پہلے تو یوں ہوتا کہ اگر وہ اس سے بات کر رہی ہوتی یا ہنس رہی ہوتی، شہباز یا عطیہ خاتون کے آ جانے سے ادب کے لحاظ سے زبان وہیں رک جاتی مگر یہ ہارون کی محبت اور اس کا اعجاز تھا کہ وہ بابا کے سامنے کیا عطیہ خاتون کے سامنے تو بیٹھی ہی رہتی، باتوں میں مصروف رہتی، نہ کوئی تسلسل میں فرق آتا، انداز میں بے خوفی کی جھلک نظر آتی اور وہ جو کئی بار ہارون کے ساتھ غزل وغیرہ کے ہاں گھوم پھر آئی تھی اس کی خبر بھی ان دونوں پہرے داروں کو نہیں ہوئی تھی۔ کتنا مزا آیا تھا، کتنا گھومے تھے وہ لوگ۔ ہارون بھی خوش تھا۔ اپنے دوستوں میں خولہ کا تعارف کروا کر خوب داد حاصل کی تھی مگر اب تک بابا نے کچھ کہا تھا نہ ہی عطیہ خاتون نے سرزنش کی تھی۔ دونوں کی خاموشی کے بارے میں سوچتے ہوئے خولہ پر راز کھلے تھے مگر ہارون کا خیال تھا۔

"اصل میں تمہارے بابا کو اپنی زیادتیوں کا احساس ہو گیا ہے اس لیے اب وہ تمہیں آزاد چھوڑ دیتے ہیں ورنہ مجھ جیسا ہینڈسم لڑکا ان کو کہاں ملے گا؟"

دونوں بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ شہباز اندر داخل ہوئے۔ ان کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔ خولہ کی سانس رک گئی، وہ کھڑی ہو گئی۔ انہوں نے اسے نظر انداز کر کے عطیہ خاتون کو آواز دی۔ مارے خوف کے خولہ کی جان نکل رہی تھی۔

"عطیہ خاتون!" شہباز کی آواز پر عطیہ خاتون جلدی سے آگے بڑھیں۔

"یہ دو ٹکٹس ہیں عطیہ خاتون! کل آپ اور خولہ پاکستان واپس جا رہی ہیں۔"

♦ ♦ ♦

سوچ رکھتے ہیں؟ ان کو کسی پر اعتبار نہیں۔"

وہ سوال بن کر ان کے سامنے کھڑی تھی تو عطیہ خاتون کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا جواب

"شاید خود پر ہے۔" اتنے عرصے کی رفاقت میں عطیہ خاتون بھی جان پائی تھیں مگر وہ

سوالوں کے جواب نہیں دے سکتی تھیں اس لیے اسے ہر حال میں باپ کا فرمانبردار رہنے کی تاکید کر گئیں۔

"آئی ول ناٹ گو ٹو پاکستان......!" خولہ کے اندر کی بغاوتی سوچ نے اسے بغاوت پر اکسایا۔"

"یو ول بے بی......!"

"واٹ ہارون! یہ تم کہہ رہے ہو کہ میں پاکستان چلی جاؤں؟"

خولہ کے لہجے میں حیرت و دکھ کی آمیزش اس کی آنکھوں میں تیرنے لگی۔ جن پر تکیہ ہو، وہ دغا دینے لگیں تو کشتیاں ڈوب جایا کرتی ہیں۔

"ہاں! اسی لیے کہ تمہارے بابا کا حکم بھی ہے اور فیصلہ بھی۔" بی تھنک یو ول لیو اے... چیونگم چباتے ہوئے اس ہارون سے قطعی مختلف اور اجنبی لگا جس نے اسے زندگی کے نئے نئے رنگ دکھائے تھے، نئے اور اچھوتے خوابوں کے نگر کی سیر کرائی تھی پر اب وہ اجنبی بنا سے بائے بائے کر رہا تھا، کا طوفان اسے اندر سے تباہ کر گیا۔

"تمہیں کوئی فرق نہیں پڑتا میرے جانے سے؟" تھکے تھکے، بجھے بجھے میں امید کے تار ٹوٹ کر گرنے لگے تو ہارون کا قہقہہ کمرے کی فضا میں گونجا۔

"کم آن خولہ! یہ زندگی کا سفر ہے کہ کسی کے آنے یا جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

خولہ کو اس وقت وہ بہت گھٹیا لگا۔

"تو تمہیں میرے جانے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا، کیا؟" لہجے میں ٹوٹنے، بکھرنے کی کرچیوں کی آمیزش تھی۔

"کیوں پڑے گا فرق؟ دیکھو مجھے تو کوئی فرق نہیں پڑتا، کیا تمہیں پڑے گا۔"

"میں... میں تو سمجھی تھی کہ تم مجھے اس جہنم سے نکالو گے۔"

شکستہ لہجے میں ٹوٹے خوابوں کا سوگ مناتے شام کے سناٹے اتر آئے تو ہارون نے بغور اسے دیکھا رہا۔ خولہ نے کس ضبط سے کناروں کو بھیگنے سے روکا ہوا تھا ورنہ دل پر ہارون کے رویے کا جو بوجھ تھا وہ چھاجوں برسنے کو تیار تھا۔

"ارے بے بی! تم نے کیا سوچ لیا تھا؟ کیا خواب دیکھ ڈالے میرے ساتھ کہ میں تم سے شادی؟ میں نے یہ کچھ نہیں سوچا، میں نے تم سے ایک فیئر دوستی کی تھی اور اس کی بھی دو وجوہات تھیں۔ ایک تو میں یہاں پر اپنے قیام کو رنگین بنانا چاہتا تھا دوسرا سوچا چلو اس طرح تمہاری مدد بھی ہو جائے گی۔ تمہیں زندگی کے رنگوں سے متعارف کرایا جائے میں نے تمہیں اڑنے کے سارے گر سکھا دیے ہیں۔ اب تم خواہشات کے آسمان پر جتنی بلندی پر اڑنا چاہتی ہو اڑ سکتی ہو۔ بٹ سوری، آئی ایم ناٹ ویڈنگ ٹو یو۔ ویسے خولہ! یہ تم لڑکیاں کسی بھی لڑکے کی ذرا سی توجہ، ہمدردی، دوستی کو محبت کیوں سمجھ لیتی ہو؟ اس

شادی کے خواب دیکھنے لگتی ہو۔ وائے؟"

ہارون منچلا نوجوان تھا غیر سنجیدہ سا مگر خولہ کو تو اپنی تاریک دنیا میں وہ جگنو لگا اور اس نے بے ساختہ اسے مٹھی میں بند کرنا چاہا تھا مگر اس وقت ہارون کا اندر سے سر تا پا کھولا گیا۔

"شٹ اپ ہارون! تم اتنے چھوٹے اور گھٹیا ہو سکتے ہو یہ معلوم ہوتا تو میں اپنی دنیا کی تاریکی میں ہی گم رہتی۔ میں نے کوئی خواب تمہارے حوالے سے نہیں دیکھا، میں نے تمہیں ایک اچھا اور مخلص دوست سمجھا، اور میں تمہارے ساتھ یہاں رہنے سے بہتر پاکستان جانے کو سمجھتی ہوں۔"

دوستی کا مان ٹوٹ جانے کا غم آنکھیں نم کر گیا۔ ہارون کے ساتھ کسی اور رنگین دنیا کی سیر کرنے کے خواب ٹوٹ گئے۔ خولہ باہر نکل گئی تو اک ویرانی سی ہارون کے اندر بھی اتر آئی جس کا سبب وہ خود بھی نہ جان پایا۔

"سوری خولہ...! میری اور تمہاری منزل ایک نہیں ورنہ میں تمہارے لیے ضرور لڑتا۔"

ہارون جیسا بھی تھا فیئر آدمی تھا۔ وہ جانتا تھا کہ خولہ اس کی منزل نہیں اس لیے اس نے اسے ایسا خواب ہی نہیں دکھایا تھا۔ وہ تو بس اپنا یہاں کا وقت خوبصورت بنانا چاہتا تھا جو شہباز کو اچھا نہیں لگا مگر ہارون کو خولہ کی امیدیں توڑنے پر دکھ ضرور ہوا تھا۔

• • •

والدین کے آپس کے اختلافات بچوں کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں اور اس ضمن میں شرجیل بہترین مثال تھا جس کا اندر بے یقینی کی چھت میں چھپا رہا، مرد ہونے کا اور زنانہ ہوتے گئے، مرد ہونے کا احساس آوازیں بھاری بننا چاہیں مگر رویے کا احساس دبا، ماں کا خوف اس کے تمام مردانہ احساسات کو مار ڈالتا اور آواز دب جاتی، آپ ہی آپ نازک ہو کر زنانہ صورت اختیار کر لیتی اور اسی بے یقینی کے ساتھ وہ اللہ کی ایسی ہی مخلوق کے پاس آ گیا جن کے پاس نہ مرد ہونے کا اعزاز تھا نہ عورت ہونے کا البتہ جو انسان تو کہلاتے تھے مگر نہ تو معاشرے میں ان کے لیے کوئی مقام تھا نہ جگہ تھی نہ عزت کیونکہ ان پر خواجہ سرا ہونے کا ٹھپہ لگا تھا۔ یہاں ان کا جس سے زیادہ خیال رکھا جاتا ان میں تو اس کی شناخت کی تلاش کا یہ رشتے کی تہمت پیٹ ماتھے پر لگی تھی۔ اپنی شناخت کی تلاش کا یہ یہاں بھی کہ کسی پہچان بھی کھو بیٹھا تھا۔ وہ ان عاصمہ، صائمہ، نادرہ اور شاہدہ کے ہتھے چڑھا ہوا تھا جس کو وہ بطور کھلونا استعمال کر رہی تھیں۔ عجیب سا ماحول تھا گرد ڈیرے کا، تیز آواز میں پاکستانی اور انڈین گانے لگے رہتے جن پر وہ سب ہیبت ناک شکلوں پر چڑھے ہوئے والا میک اپ کیے ناچتی پھرتیں، الٹے سیدھے مذاق کرتیں، شرجیل کو اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوتا۔

"ممّا! آپ کہاں ہیں ممّا جان...! پلیز آ جائیں، دیکھیں تو آپ کے بیٹے کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔

ماہم...! تم تو موبی کے ساتھ میری وجہ سے لڑتی تھیں۔ پیاری بہن! آ جاؤ۔"

رات بھر وہ روتا رہا، سسکیاں اندر ہی اندر دم توڑتی رہیں کیونکہ وہ عاصمہ اور نادرہ کے قبضے میں تھا۔ جو ادھر سے آتیں اسے تھپڑ مار جاتیں، ادھر سے آتیں چٹکی بھر جاتیں۔ ان کے مزاحتی انداز پر اس طرح گھورتیں جھڑکتیں کہ وہ سہم جاتا۔ کیا عیش و آرام میں پلنے والا اس وقت شدید گرمی میں بان کی چارپائی پر صحن میں بیٹھا سینے میں سسکیوں کو دبا رہا تھا۔ وہ آپس میں بیہودہ مذاق کرتے ہوئے اپنے دن بھر کی کمائی کو گنتیں۔

"ویسے شنو! یہ مرد بھی بہت ہی بے وقوف ہوتے ہیں۔" نادرہ نے حقہ زور سے گڑگڑایا۔

"ارے! چھوڑ یہ مرد بھی کوئی اس قابل ہے کہ اس پر بات کی جائے۔ سب دیکھو ہم جیسیوں کو دیکھ کر شیشہ بھی آنکھیں بند کر لیتا ہے اور یہ مردہ ہم جیسی بدشکل، کالی پیلی، کر مارو یوں کے پاس آتے ہیں، نہ ہم سے ملے گا ان کو؟ ہم کسی کو کچھ دینے کے قابل ہوتیں تو ایسی ہوتیں۔"

صائمہ کے لہجے کے دکھ نے کچھ دیر کے لیے ماحول پر گمبھیرتا طاری کی۔ کوئی نام، کوئی پہچان، حیثیت نہ ہونے کا دکھ کس قدر جان سوز ہوتا ہے یہ کوئی ان سے پوچھے۔

"چھن چھن ناچوں گی، گن گن گاؤں گی، سیاں مورے آئیں گے، ان کو رجھاؤں گی۔" منجلی راشدہ کی آواز اور ناچ نے ماحول کی افسردگی کو نگل لیا تو سب میں جیسے بجلی بھر گئی، سب ناچنے اور گانے لگیں۔ تماشا ہونے لگا کہ شرجیل کو اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوا۔

"بند کرو یہ بکواس!" وہ شاید زندگی میں پہلی بار دھاڑا۔ آواز میں کسی خوف کی لرزش تھی نہ کسی قسم کا احساس لرز رہا تھا۔ اس کی آواز میں ایسا کیا تھا جس نے کچھ دیر کے لیے متحرک ماحول کو ساکت کر دیا تھا۔ یہ بار سب کے دل سینے میں دھڑک اٹھے تھے اور جب آواز کا فسوں ٹوٹا تو عاصمہ ڈگمگاتی آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھیں، اس کے بڑھتے قدم شرجیل کے قدموں کو لرزنے پر مجبور کر گئے۔ وہ جو خود بھی اپنی آواز پر اپنی جرأت پر حیران ہو رہا تھا آہستگی سے چارپائی پر بیٹھ گیا، ہاتھوں میں وہی لرزش اتر آئی، پیشانی سے ٹھنڈا پسینہ بہنا شروع ہو گیا۔

"کیا کہا؟ بکواس؟ یہ بکواس؟" چٹاخ سے ایک زوردار تھپڑ وہاں پڑا، حرارت سے شرجیل کے چہرہ جھلس کر روشن کر گیا، وہ گالوں سے ہوتے ہوئے وہی حرارت ....

"شرم نہیں آئی تجھے کسی کی جان پر ہاتھ اٹھاتے ہوئے، اری .... کاٹ جائیں تیرے یہ ہاتھ میری جوتی پر اٹھے ہیں۔"

شیبو کی آواز بھیگ گئی تھی۔ وہ شرجیل کو بہت چاہنے لگی تھی۔

"چل ہٹ، حرام زادے! یہ جو اس جنم جلی کی حمایت کی ہوتی، ری بدبخت! جس کو تو بکواس کہہ رہی ہے نا، یہ روزی روٹی ہے ہماری۔ ہمارے کون سے باپ، بھائی، شوہر، بیٹے بیٹھے ہیں جو ہم تخت پر بیٹھ کر کھائیں گے؟ اری نصیبوں جلی، پیٹ کے اس دوزخ کو بھرنے کے لیے ہمیں یہ بکواس کرنی پڑتی ہے۔ تجھے بھی تک پیدا کرنے والا رب سوہنا ہمیں اٹھا لے۔ کیوں ری نصیب جلی! میں نے جو بکواس کی درست کی کہ غلط؟"

عاصمہ جو غصے سے شرجیل کو گھور رہی تھی اس نے قریب جا کر اٹھایا۔ شرجیل کی گھٹی گھٹی خوف کے پیرول میں دبی سسکیاں چیخوں میں بدل گئیں۔

"نہ چھوٹی! تو کوئی بات غلط کرتی ہے جو اب کرے گی؟"

"ہونہہ، اونچی کہیں کی۔" عاصمہ کی بات پر راشو نے ٹھک ٹھک کر گاتے ہوئے کہا تو شیبو جل گئی۔

"اچھا میری گڑیا، میری شہزادی، مت رو چاندنی! مت رو۔ تو ابھی نئی نئی ہے نا، سمجھ جائے گی ہوتے ہولے۔ اری! خبردار جو آئندہ میری پری پر ہاتھ اٹھایا ہو تو۔" صائمہ نے بڑھ کر شرجیل کو

پچکارا اور بہلانے کے لیے عاصمہ کو آنکھ دبا کر ڈانٹا بھی۔ شرجیل کو اس ماحول میں اپنا دل بند ہوتا ہوا سا لگا۔

"اچھا تو کہتی ہے تو آئندہ نہیں لگاؤں گی ہاتھ لیکن تو اسے سمجھا دے یہ جس کو بکواس کہہ رہی ہے ناں اسے ...... کے لیے یہی بکواس کرنی ہے، ناچنا ہے، گانا ہے، کیوں میری بلبل؟"

عاصمہ کو اسے مار کر خود بھی افسوس ہو رہا تھا۔ اس نے بڑھ کر اسے پیار کرنا چاہا مگر شرجیل نے اسے دور دھکیل دیا۔

"نہیں کروں گا میں یہ سب ...... مجھے اپنے مما اور ماہم کے پاس جانا ہے۔"

"اچھا نہیں کرے گی تو کمائے گی کہاں سے جانی؟ کمائے بغیر کوئی کھانے کو نہیں دیتا، ہر کوئی اپنا پیٹ بھرنے کو خود کماتا ہے اور آخر تو اس "گا" کے چکر سے نکلے گی کب؟ اس کی کمبخت پر لگتا ہے بہت ہی ناز ہے گی۔"

"صائمہ باجی! تو چھوڑ دے اگر یہ نہیں کرتی ناں تو نہ کرے، میں کما کر کھلا سکتی ہوں اس کو۔" شیبو کے طنز زدہ دو پٹے سے شرجیل کا چہرہ صاف کیا تو وہ بری طرح کھانسنے لگا۔

راشدہ نے آگے بڑھ کر ٹیپ ریکارڈر کی آواز تیز کر دی تو شرجیل کو اپنے دماغ کی رگیں پھٹتی محسوس ہونے لگیں۔ وہ چارپائی کے پائے سے لپٹ کر بری طرح رونے لگا۔

"کل بڑے گرو آ رہے ہیں، کل اس پری کو ان کے سامنے پیش کرنا، اور ڈھنگ سے تیار کر دینا۔"

"ماہم ...... ماہم! انہوں نے تمہیں چھوٹے تو نہیں لگی۔" تیمور اور ثاقب گری ہوئی ماہم کو اٹھا رہے تھے جو اس سے فٹ پاتھ پر گر گئی تھی۔

"وہ میرا بھائی تھا تیمور! وہ ٹیکسی میں تھا شرجیل بھیا۔" ماہم کو جیسے ہی ہوش آیا اس نے پھر اندھا دھند دوڑنا چاہا مگر تیمور اور ثاقب نے اسے پکڑ کر گاڑی کی طرف گھسیٹا۔

"ماہم! ٹھہرو! ماہم رکو!"

"نہیں تیمور! میرا ...... وہ میرا بھائی تھا ثاقب بھائی! میرا یقین کریں۔" وہ ہاتھ چھڑا کر پھر بھاگے ......

"ماہم! ہوش میں آؤ۔ اگر وہ شرجیل ہی تھا تو ٹیکسی جا چکی ہے۔ اب کس طرح اس تک پہنچیں؟ انکل آنٹی کا پہلے ہی شرجیل کی وجہ سے برا حال ہے اب تم ان کے لیے کوئی نئی مصیبت کھڑی نہ کرو۔ گھر چلو۔" تیمور نے تھکے تھکے انداز میں سمجھایا۔

"نہیں جاؤں گی گھر، مما پپا کی حالت کی مجھے پرواہ نہیں، میرے شہزادے جیسے بھائی کو ان ہی مما پپا نے ...... حال بنایا ہے۔ کیوں یہ والدین اپنی لڑائی میں اپنے بچوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ ان کے معصوم ذہن اور دل ان کی لڑائی کو سمجھ سکتے ہیں نہ اس لڑائی کا سبب جان سکتے ہیں؟ کیوں توڑ ڈالتے ہیں یہ آپ معصوم بچوں کا ......؟ کیوں ان بچوں کی خاطر اپنے اپنے اختلافات بھلا نہیں دیتے؟ کیوں؟ آج میرا بھائی ایب ......

نارمل ہے تو چچا کے ظلم وستم کی وجہ سے، اس کے اندر بے یقینی ہے، خوف ہے تو ممانی سب کی اور
وجہ سے، پھر کیوں اب رو رہے ہیں۔ اچھا ہے وہ چلا گیا ہے، بہت ہی کچھ ہے، ایسے والد
ہی چاہیے۔ یا اللہ... میرا بھائی مجھے لوٹا دے۔ پروردگار! میرا چاند سا بھائی لوٹا دے۔"
ماہم کا جگر خراش انداز تیمور اور ثاقب کی آنکھوں کے کنارے بھی بھگو گیا۔
"ماہم! دیکھو میری بہن! ایسی باتیں گھروں میں کی جاتی ہیں یوں سڑکوں پر نہیں۔"
"ہم جیسے ٹوٹے ہوئے گھروں اور ابنارمل حالات کی گود میں پرورش پانے والے
یونہی سڑکوں پر ہوا کرتی ہیں ثاقب بھائی! ایسا نہ ہوتا تو آج میں یوں سڑک پر اپنے کھو جانے والے
تلاش نہیں کر رہی ہوتی۔" ماہم کا ایک ایک زخم بلبلا رہا تھا، سسک رہا تھا۔
"ایسا نہیں کہتے ماہم! ٹھیک ہے جو ہوا سو ہوا، اب تو چچا جان نے آمنہ چچی
ہے، اب تو کوئی گڑبڑ نہیں، سب ٹھیک ہو گیا ہے۔"
"ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ ثاقب بھائی! اگر کوئی گڑبڑ نہیں، سب ٹھیک ہو گیا ہے لیکن ہم
سب ٹھیک ہونے سے پہلے ختم ہو گئے ہیں۔"
سیٹ کی پشت سے سر لگا کر، ماہم شدتوں سے رو دی۔ شرجیل کی گمشدگی نے گھر بھر میں سوگواری
دی تھی۔ آمنہ تو سکتے کی سی کیفیت میں تھیں، آنکھیں کھولے، بس وہ دروازے کو تکے جاتیں، ان کی آنکھ
جیسے انتظار کا موسم بس سا گیا تھا، پہلے اپنے جڑوں کا انتظار تھا، واصف کے لوٹ آنے کا انتظار، معافی کا
بیٹے کا انتظار کا ماتم ہی مسعد پھیلا تو پلکیں ساکت ہو گئیں
تڑپتے پھرتے، زیادہ تر خود اس کی تلاش میں پھرتے رہتے، جب گھر ہوتے تو تلاش کے بے
آمد پر تڑپ کر ان کی طرف بڑھتے، مایوسی پر وہیں دیوار سے لگ کر رونے لگتے۔
"یا اللہ! کیا واقعی میری خطا اتنی بڑی تھی کہ مجھے اتنی بڑی سزا ملی؟ پروردگار!
دے، بخش دے میری کوتاہیاں۔ آمنہ......! کیا تم نے مجھے معاف نہیں کیا کہ مجھے ایسی سزا مل رہی ہے
گم سم بیٹھی آمنہ کے پاس آ بیٹھے تو ماہم کو کچھ دیر کے لیے اپنے ممی پاپا پر ترس کے ساتھ
ماہم اٹھ کر جانے لگی تو واصف نے اسے شدت سے ساتھ لگا لیا۔
"کچھ تو کہو میری بیٹی! جو چاہو، اپنے گناہ گار باپ کو کہو، آخر میں ہی تو ذمہ دار ہوں اس ساری
حال کا، میں مجرم ہوں تم سب کا، گناہ گار ہوں، ایک بے معنی سی بات نے شعلہ بن کر میرا گلشن خاکستر
اب تم لوگ مجھ سے خفا کیوں ہو؟ میری خطا سے بڑی سزا تو مل گئی ہے مجھے۔ میرا جوان بیٹا، میرا
میری جان۔ اب جبکہ ازالہ کا وقت آیا تو تم" وہ ماہم کو ساتھ لگا کر تڑپتے رہے پھر تیزی سے باہر
گر پڑے۔ عارف نے جلدی سے بڑھ کر تھاما تو وہ پھر بیرونی گیٹ کی طرف بڑھے۔
"اس وقت کہاں جا رہے ہیں بھائی جان! اس وقت تین بج رہے ہیں رات کے، سب کچھ
گا۔"
"ہاں! ہو گا سب کچھ بند مگر میرے اللہ کے گھر کا دروازہ ہر وقت، ہر لمحہ کھلا رہتا ہے میرے

اس کے لیے، وہیں جا رہا ہوں اور اپنے خالق، مالک سے توبہ کروں گا اور بھیک مانگوں گا کہ میرا شرجیل
پھر دے دے تو اسے اپنے دل میں چھپا کر رکھوں گا، اپنی تمام غلطیوں کا ازالہ کروں گا، میرا شرجیل تو مجھے
نے پر تیار ہی نہیں تھا، اپنی جدائی کی سزا دے کر نجانے کہاں چلا گیا مگر میں اب اسے خدا سے مانگوں گا۔
بیٹا لوٹا دے گا، دیکھ لینا وہ آ جائے گا۔"
واصف عارف کے ساتھ لپٹ کر بری طرح رو رہے تھے۔ پھر لاکھ سب نے سمجھایا مگر واصف مسجد چلے
وہ سجدے میں گرے اپنا بیٹا اللہ سے مانگتے رہے۔

● ● ●

آج شرجیل کی بڑے گرو کی عدالت میں حاضری تھی۔ عاصمہ، صائمہ وغیرہ سب خوب شوخ میک اپ اور
میں گھوم رہی تھیں، اونچی آواز میں ڈیک بھی لگا تھا، وہ خود بھی اپنی بھاری آواز میں گا رہی تھیں۔ الٹی سیدھی
کر رہی تھیں، ایک دوسرے کو آنکھ مارتیں، کبھی دھکا دے کر گرا دیتیں تو بے ہنگم قہقہہ پھوٹ پڑتا، شرجیل یک
میں دبکا سہا یہ سب دیکھ کر اندر ہی اندر ہول رہا تھا۔
"بڑے گرو کو آنے دو، پتہ ہے شنیو نے ان سے کیا مانگنا ہے؟"
شنیو شرجیل کے گرد چکر لگاتے ہوئے اترائی تو سب اس کی طرف متوجہ ہو گئیں۔
"پشاور سے میری خاطر وہ دلاسہ لانا وہ میرے لگ جانا!" نادرہ کے ٹھمکے پر سب کی سب گانے اور
لگیں تو شنیو کے دل پر چوٹ پڑی۔ کوئی اس کی بات کیوں نہیں سمجھ رہا۔
"وقت آ گیا ہے... لپ اسٹک کے بے شمار شیڈز آ گئے ہیں جو کہ میرے
پاس ہیں... مانگنے والی ہوں۔" اترائی پھر آنکھوں میں چمک لیے وہ شرجیل کو دیکھنے لگی۔
اس نے خوف سے آنکھیں میچ لیں، دل دھڑ دھڑ کرنے لگا، اسے بری طرح ڈر لگ رہا تھا، ڈر تو اسے بچپن ہی سے
کرتا تھا مگر اس وقت ممی اور ماہم کا آنچل اور پاپا کی گود میسر تھی ڈر کے آسیب سے چھپنے کے لیے، اب تو وہ کھلے
آسمان تلے بے سائبان کھڑا تھا، آگے پیچھے کوئی نظر نہیں آ رہا تھا، ایسے میں کون تھا جو اس کا
نگہبان تھا، محافظ تھا، سہارا تھا۔
"اللہ..." دل کی گہرائیوں سے نکلا اور اس کے کپکپاتے ہونٹوں کی طاقت بن گیا۔ وہ کھسک کھسک کر
باہر جانے لگا مگر سب نے اسے دبوچ لیا۔
"کہاں چلی؟ دلہنیا!"
"بس تو بھی! جان لو کہ میں آج بڑے گرو سے اس شہزادی کو مانگنے والی ہوں۔"
"کیا کیا؟ ہے نا پاگل کا دماغ خراب۔" سب کی سب اس پر پل پڑیں، شرجیل تو لوٹ کا مال تھا
اس سب کے لیے جس پر سب اپنا حق جتانا چاہتی تھیں مگر زیادہ حق تو عاصمہ اور ناصرہ کا تھا جو اسے کر آئی
تھیں۔
"شنیو! یہ بات کرنے سے پہلے تو نے شیشے میں اپنی یہ چڑیل جیسی شکل نہیں دیکھی؟ تیرے منہ۔"
عاصمہ نے نفرت سے شنیو کو دھتکارا۔

"اپنی اوقات نہ بھول ہونہہ۔ یہ جو تیری بٹن جیسی آنکھیں ہیں ناں ان سے صرف دیکھ کر،
دیکھ کر آئی کہیں سے اس پری پر نظر رکھنے والی، نہ تو تجھے غیرت نہ آئی ہمارے حق پر ڈاکہ ڈالتے ہوئے
نگوڑیاں جنم جلیاں کبھی ایک دوسرے کا خیال نہ رکھیں گی، ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچیں گی، ایک دوسرے
ڈاکہ ڈالیں گی تو کیا فرق رہ جائے گا ہم میں اور ان عام لوگوں میں جو مطلب پرست ہیں، ایک دوسرے کا کاٹ
ہیں۔ لہٰذا اس پری پیکر پر صرف ہمارا حق ہے۔ خبردار جو کسی نے اسے میلی نظر سے دیکھا ہو تو۔"

ناصرہ نے اچھا خاصا لیکچر دے ڈالا تو رشدہ مسخرے پن سے آگے بڑھی۔

"ہائے ہائے۔ ... تیرے قربان، کیا تقریر کرتی ہے میری مہارانی ... میلی نہ سہی پیار کی نظر
دے ناں، ہائے پریٹی وومن۔" رشدہ نے شرجیل کے چہرے کے انتہائی قریب آ کر کہا۔ گندگی، بدبو سے
کو ابکائی آ گئی، وہ چلایا۔

"جسٹ شٹ اپ۔ ... نہیں ہوں میں وومن۔"

اس کے اندر کا مرد ہر قسم کے خوف، خدشے اور بے یقینی کے بند توڑتا ہوا دھاڑا تو، حول پر ایک بار
طاری ہو گیا۔ ان دس بارہ کے منہ اور آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں مگر اس بار شرجیل پر نہ تو لرزہ طاری ہوا نہ وہ
سہما سمٹا۔ البتہ چہرے پر پسینے کے قطرے ٹپکنے لگے تھے، مٹھیاں بھنچی ہوئی تھیں، وہ کانپ رہا تھا مگر خوف
نہیں غصے سے، وہ یقین سے کھڑا تو ہو گیا تھا مگر ایسے موڑ پر کھڑا تھا جہاں بے شمار راستے نکل رہے تھے،
رستے ہی اسے اپنی طرف بلا رہے تھے، وہ انتخاب کرتے کرتے چکرا گیا، سر چکرانے لگا، مٹھیاں کھلنے لگیں،
پسینہ منجمد ہونے لگا، وہ سی جھاگ سی بیٹھ گئی مگر اندر کہیں ایک روشنی باقی تھی، ...
کی اُمید پیدا ہو گئی تھی۔ اس کے اندر باہر کی کیفیت سے بے خبر وہ سب جن کے لیے یہ ایک سونے کی چڑیا تھا،
ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں۔ یہ کسی وقت بھی یہاں سے جا سکتا ہے یہ خوف سب کے دلوں پر دستک دیتا،
بڑھ گیا۔

"اس سے پہلے کہ یہ کوئی ہوشیاری دکھائے بدل ڈالو اس کا حلیہ۔" ناصرہ نے جیسے سب کو حکم دیا تو عاصمہ
غصے سے تنتنے بھلائے شرجیل کی طرف بڑھی۔

"مرنا نہیں پیارے، سمجھ جائے گی بدبخت ...!" شنیو نے بڑھ کر عاصمہ کی منت کی کہ پہلے کی طرح
اسے مارنہ پڑ جائے اور پھر سب نے مل کر شرجیل کا حلیہ بدلنا شروع کر دیا، وہ چیختا چلاتا ہی رہا۔

"چھوڑ دو پلیز ... مجھے چھوڑ دو، میں مما پپا سے بہت سے پیسے دلا دوں گا۔ پلیز ... مجھے چھوڑ دو،
ماہم ... آ جاؤ، مجھے بچاؤ۔" وہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا تو کون کہہ سکتا تھا کہ کچھ دیر قبل ایک
ہوشمند مرد کی طرح دھاڑنے والا یہی تو جوان ہے جو اب بچہ بنا مدد کے لیے اللہ کو پکار رہا تھا۔

"آج اسے بڑے گرو کے سامنے پیش کرنا، اس طرح سنوار دو کہ گرو دیکھے تو دیکھتا رہ جائے۔"

"میں بھی تیار کرتی ہوں گڑیا کو۔" ... میری جان ... میری گڑیا ... تجھے سنوار دوں تاکہ بڑے گرو
خوش ہو کر ہمیں انعام دیں۔"

نادرہ نے باقاعدہ قصیدوں کی طرح ... تھیں چڑھائیں اور بطور خاص شرجیل کے لیے لایا ہوا نیا سامان ...

اور سب اس کو تیار کرنے کے لیے آگے بڑھیں تو شرجیل کو لگا اس کا آپریشن ہونے والا ہے۔ وگ، میک
اپ، سامان اور دیگر لوازمات دیکھ کر شرجیل پریشان ہو گیا۔ اس نے کب سوچا تھا کہ زندگی میں ایسے بھی مرحلے
آئیں گے۔ اس نے باپ کی مار کھائی تھی۔ نفرت، غصے کی آگ میں جلا تھا مگر یہ سب اس کی برداشت سے باہر

"مت کرو میرے ساتھ ایسے۔ پلیز ...! مت کرو میں ... میں مرد ہوں۔ مجھے میرے گھر پہنچا دو۔
اللہ ... میری مدد فرما۔"

اس کی منت سماجت، آہ و فریاد کچھ کام نہ آئی۔ انہوں نے اپنی کارروائی جاری رکھی۔ پہلے اسے گنجا کیا گیا،
اس نے اپنی بقا کی جنگ آخری دم تک لڑی تھی کہ آخری دم تک وہ ہاتھ پیر مارتا رہا تھا مگر آخر اس نے دشمن کے
آگے ہتھیار ڈال دیے۔ اب وہ مکمل طور پر ان کے قبضے میں تھا موم کی ناک کی طرح، ان کا جہاں جی چاہا وہاں
موڑ دیں۔ اپنی مرضی اور پسند کے مطابق اس کے بالوں کی جگہ گندی کرلی، دراز بالوں کی وگ نے لے لی لیکن
اس کی کلین شیو کی گئی تو چہرہ پھیلا کر رو دیا۔ تب ہی جب عاصمہ شاکنگ پنک بھڑکیلا زنانہ جوڑا لیے اس کی
طرف بڑھی تو اس نے التجائیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"میں ... میں خود پہن لوں گی۔ ان کے ہاتھوں پہن لوں کپڑے۔" اس کے لہجے کی شکستگی نے اپنی ہار
کا اعلان کر دیا کہ وہ مردانگی کی جنگ ہار گیا ہے اور نسوانیت کا اعتراف کر لیا ہے۔ اس ہار اور اعتراف کے اندر پر
بعد بھی سسک پڑا۔ ایک ایک پل سے جیسے وہ لڑ رہا ہو کو دیکھی جو اپنی ہی لڑائی میں معصوم و مظلوم
اکثر ان سے ... خوب صورت ... اندر بکھر جاتے ہیں۔ آخر انسان ٹھوکر لگے بغیر کیوں نہیں سنبھل جاتا، کیا
سدھرنے کے لیے حادثہ ضروری ہے۔ کون دیتا اس کا جواب۔

"ہائے ہائے ... قربان جاؤں، کیا چیز لگ رہی ہے میری پری۔ ...!" باقی سب شرجیل پر واری
صدقے ہو رہی تھیں۔

"آخر ہے رہا کون تھا ... عاصمہ اور ناصرہ اترائیں۔

"چلو اب اسے بڑے گرو کے پاس لے چلیں۔" وہ سب شرجیل کو جو اب زندہ لاش بن گیا تھا، لے کر گرو
کے پاس چلی گئیں۔

اب بڑے گرو صاحب کی نظریں بھی اس پر جم گئی تھیں۔

"گرو جی ... یہ نگوڑی ہماری دریافت ہے، ہم اسے لے کر آئے ہیں۔" گرو کی نظروں میں خوشی اور
پسندیدگی کی چمک دیکھ کر عاصمہ جلدی سے آگے بڑھی تو ناصرہ پھنکار کر آگے بڑھی، اور عاصمہ کو پرے دھکیلا۔

"چل ہٹ ری ... بکواس نہ کر، یہ صرف میرا کارنامہ ہے۔"

"اچھا ... اب بک بک بند کرو، کیا نارمل لوگوں کی طرح میں میں لگا رکھی ہے۔ تم لوگ اچھی طرح جانتی
ہو یہاں عام دُنیا کے اُصول نہیں چلتے، یہاں سب کی خوشی، سب کا غم ایک ہے کیونکہ ہم سب کی حیثیت ایک ہے
اور ہم سب ......"

"ایک ہیں۔" بڑے گرو کا یہ اُدھورا جملہ ہمیشہ سب یک زبان ہو کر ادا کرتیں اور چھوٹے موٹے

کیش کرا رہی تھی۔ ردا جو ہر دوسری بات پر پہلی ملاقات کا ذکر کرنے لگتی تو وہ بوکھلا جاتا۔ اوپر سے معنی خیز ہنسی اور ہاتھ پیر پھولائے دے رہی تھی۔ تب ہی وہ چائے میں چینی کے کئی چمچے ڈال گیا۔ ایک دوسرے کو دیکھا۔ ردا بھی مسکراہٹ دبا کر بولی۔

"شہرام صاحب...... لگتا ہے آپ کو چینی بہت پسند ہے۔"

ردا کی بات کے جواب میں شہرام کا گھبراہٹ زدہ برملا جواب اُبھرا۔

"جی ... ! کیوں نہ ہوں چینی پسند، چینی ہمارے ہمسائے ہیں، ہمارے دُکھ درد میں سب شریک ہوتے ہیں اس لیے آئی لائیک چینی ... ؟" شہرام نے ایک چمچہ بھر کر منہ میں ڈال لیا تو سنی نے شوگر پاٹ اس کے ہاتھ سے لیا۔

"آپ چینیوں کو پسند ضرور کریں مگر شوگر کو نہیں کیونکہ شوگر کے زیادہ استعمال سے شوگر ہو جاتی ہے۔"

"ردا...... ! ابھی آپ نے بھائی کا نام لیا۔ تعارف تو ہم نے کرایا نہیں پھر آپ کو بھائی کا نام کیسے پتا چلا ... ؟" سنی کے سوال پر شہرام گھبرا گیا۔

"وہ...... ہماری پہلے ملاقات ہو چکی ہے ناں ! " ردا کو بھی شہرام کو تنگ کرنے میں مزا آ رہا تھا۔

"ہوں ... ! تو اس کا مطلب ہے تم دونوں کی پہلی ملاقات ہو چکی ہے ؟ ہیں شہرام ! "

"جی ... ! جی پھپھو ! دوسری ملاقات کے لیے پہلی ملاقات چونکہ ضروری ہوتی ہے اس لیے ... "

تینوں خواتین مسکرا کر اسے مزید نروس کر رہی تھیں۔

"اچھا بھائی ! آپ تو بڑی پیاری لڑکی سے ملے ہیں مگر ہمیں بتایا کیوں نہیں ؟ زیادتی ... ؟"

"ہاں ! اور نہیں تو کیا۔ ارے بھئی ! ردا تو قابل ذکر لڑکی ہے، تمہیں اس کا ذکر کرنا چاہیے تھا۔"

"چلیے پھپھو ! پہلی ملاقات کا آنکھوں دیکھا حال میں آپ کو بتاتی ہوں۔ یوں ہوا "

"یوں کہ میں موبائل بھول گیا۔ جب باہر گاڑی سے موبائل لے کر پلٹا تو ان سے ٹکر کی صورت میں ملاقات ہو گئی، بس ! " ایک سانس میں ساری چائے پیتے ہوئے اس نے بتایا تو ردا مزید شوخ ہو گئی۔

"ارے شہرام صاحب...... ! آپ بھول رہے ہیں گیٹ پر ہونے والی ہماری دوسری ملاقات تھی۔ پہلی تو وہاں ہوئی تھی پارک کے سامنے جہاں آپ نے ...... "

"جی جی ! سب کچھ بتا دیجیے، بڑی راحت محسوس ہوتی ہے آپ خواتین کو مردوں کو ڈی گریڈ کر کے، آپ زحمت نہ کریں میں خود بتا دیتا ہوں، تم لڑکیاں بھی ناں۔" اور پھر ان دونوں کی جیسے پہلی ملاقات ہوئی تھی، شہرام نے ایکشن کے ساتھ خود ہی بتا دی تو وہ تینوں ہنستی رہیں اور شہرام کی جان جلاتی رہیں۔

"جی...... اب خوش...... ؟ پیٹ میں اُٹھتے مروڑ اب رُک گئے ہوں گے...... ؟ ہیں ناں ... ! "

شہرام نے ردا اور سنی کو گھورا، خفا ہو کر باہر جانے لگا تو ردا نے ہاتھ بڑھا کر اسے روکا۔

"یو آر فول ! خود ہی ثابت کر دیا ناں ! میں ان لوگوں کو کچھ بھی بتانے والی نہیں تھی مگر "

"جی ... ؟" حیرت زدہ پچھتاوے سے شہرام کا منہ کھلا رہ گیا۔

"جی ... ! " کہنے کو دونوں فیملیز کی پہلی ملاقات تھی مگر دونوں طرف خیر سگالی کے جذبات تھے۔ دونوں ... کو خوب اچھی طرح سمجھ گئے۔ فاطمہ بیگم کو تو ردا بے حد پسند آئی تھی جو سنی اور لیلیٰ کے ساتھ گھل کر بار بار ... رہی تھی۔ جس کو خود پر غصہ آ رہا تھا کہ احمق پن میں خود ہی سب کچھ اگل دیا تھا۔

"مسز محسن ...... ! آپ کی بیٹی بہت پیاری ہے۔ بالکل پریوں جیسی ہے۔"

"یہ بہت منتوں مرادوں سے آئی ہے مسز زبیر ! ابڑھتی عمر کے پیش نظر میں تو مایوس سی ہو چلی تھی مگر اللہ ... یہ ننھی سی پری چپکے سے میرے آنگن میں اُتر آئی۔" ممتا کے نور نے مسز محسن کے گرد ہالہ سا کھینچ دیا۔

"جی جی ... ! میں نے الماری صاف کر دی ہے اب ردا بتائے گی تو پتہ چلے گا کہ کون سے کپڑے کہاں ... ہیں۔" اس آواز پر سب کی نظریں دروازے کے درمیان میں کھڑی لڑکی پر ٹھہر گئیں۔

"شانو ! میری جان ... ! تو تھک گئی ہوگی، جا ابھی آرام کر لے پھر بتاتی ہوں کیا کرنا ہے ... ؟"

"جی اچھا امی جی ... ! " شانو نے ایک نظر مہمانوں پر ڈالی اور واپس پلٹ گئی۔

"یہ بھی آپ کی بیٹی ہے بھابی ...... ! " لیلیٰ نے شانو کے بارے میں پوچھا۔

"بیٹی ہے تو نہیں مگر پالا میں نے بیٹیوں کی طرح ہی ہے۔ یہ ہمارے مالی کی بیٹی ہے، چھوٹی سی تھی کہ ... مالی کی بیوی کی ڈیتھ ہو گئی۔ بس تب سے یہ میرے ہی پاس ہے، بہت ہی اچھی بچی ہے۔ بی اے تک ... حاصل کی ہے، اتنی محبت اور عزت کرنے والی لڑکی ہے کہ سوچتی ہوں میرا کوئی بیٹا ہوتا ناں تو اسے ضرور بہو ..."

مسز محسن دیر تک بہت محبت سے اپنے گھر میں شانو کا ذکر کرتی رہیں تو فاطمہ بیگم کو ان کی باتیں پسند تھیں ... وہ ان جیسی باتوں کو محض تھیوری باتیں تصور کرتی تھیں۔ باوجود اس کے کہ ماضی میں وہ ایسی مثال دیکھ چکی ... مسز سجاد نے ملازمہ لڑکی کو بہو بنایا تھا جو ان کی توقع سے بڑھ کر فرمانبردار بہو ثابت ہوئی تھی اور اب تو اس کے ... شہرام سنی کے برابر تھے مگر خود فاطمہ بیگم موسیٰ سے کتنی خوفزدہ رہی تھیں اور کس طرح انہوں نے خرم کو موسیٰ کے ... سے بھی بچا کر رکھا تھا یہ وہ ہی جانتی تھیں اور جب موسیٰ بیاہ کر چلی گئی تو انہوں نے کتنا خدا کا شکر ادا کیا تھا کہ ... ہاں چھوٹی مگر شاید وہ یہ بات نہیں جانتی تھیں کہ سچی محبت کی جڑیں زمین کی سطح تک نہیں ہوتیں، اندر بہت گہرائی ... مضبوطی سے پیوست ہوتی ہیں کہ حالات کے تند طوفان ان کے ظاہری وجود کو مٹا دیتے ہیں مگر ان کی ... اور مضبوط ہو جاتی ہیں۔ گزرتے وقت کے ہر پل نے موسیٰ کے نقوش کو دھندلایا نہیں تھا مزید خرم کے دل ... رنگ، خوبصورت بنایا تھا۔

"ایک ملازمہ کو بہو بنانے کا کہہ دینا آسان ہوتا ہے بیٹا ... ! مگر کرنا بہت مشکل۔" فاطمہ بیگم نے برملا ... دیا تو ایک عرصے کے بعد ماضی کا اذیت ناک لمحہ جس میں خرم کی موسیٰ ہمیشہ کے لیے ان سے چھڑ گئی تھی، ... اس کے دل میں اُتر آیا۔ انہوں نے ایک زخم زدہ خاموش سی نظر ماں پر ڈالی۔ اتنا وقت گزر جانے کے باوجود ... کی خیالات میں فرق نہیں آیا تھا۔ وہ تو حسب کی طرح اب بھی چپ کا قفل لگائے بیٹھے رہے۔ البتہ رقیہ بیگم کو یہ ... کچھ پسند نہیں آئی۔

"کیوں آنٹی ! اللہ تعالیٰ انسان کو انسانیت کے رُتبے پر فائز کر کے دُنیا میں بھیجتا ہے۔ یہ تو کر مالک ...

لیے آگے بڑھا تو وہ کھول گئی۔

"مسٹر غزین ..... اپنی اخلاقیات کا دائرہ اپنے حلقہ احباب اور گھر تک رکھیے۔"

"کیوں جی ؟ آپ کا اخلاقیات سے کوئی تعلق نہیں ؟" وہ کرسی پر پاؤں رکھ کر ذرا جھکا، دل جلانے والی معصومیت طاری کیے پوچھ رہا تھا۔

"جی نہیں !" وہ دھاڑنا چاہتی تھی مگر اردگرد کو دیکھ کر دبی دبی آواز میں بولی۔

"اچھا تو یوں کہیے ناں !" غزین نے اسد کو آنکھ دبا کر دیکھا اور موبائل کیمرہ سے وردہ کی بھرپور تصویر کھینچ کر محفوظ کرلی۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے.....؟" وردہ کھول کر رہ گئی اور موبائل چھیننے کے لیے اس پر جھپٹی تو غزین نے اس کی نازک کلائی مضبوطی سے تھام لی۔

"یہ بدتمیزی نہیں مس وردہ وجاہت ! موبائل کیمرہ ہے، جس میں میں ہر پسند آ جانے والی چیز اپنے لیے قید کرلیتا ہوں۔" غزین نے اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کی کلائی ابھی اس کے ہاتھ میں تھی۔ ناجیہ تیزی سے آگے بڑھی، غم و غصے اور ندامت سے وردہ کا چہرہ سرخ ہوگیا، ہونٹ بھینچتے ہوئے اس

"لیو مائی ہینڈ..... !" وردہ نے دانت پیس کر کہا۔ احساس توہین گرم پانی کی صورت ٹپ ٹپ رخساروں پر پھیل گیا، تکلیف سے زیادہ سے ندامت ہو رہی تھی۔

"غزین آفاق ! یہ کیا بدتمیزی ہے ؟ کلاس فیلوز کے ساتھ اس قسم کی بدتمیزی کی جاتی ہے ؟ چھوڑو وردہ کا ہاتھ۔" ناجیہ بھی قریب آ کر کھینچا۔

"غزین ! پلیز !" اسد نے صورت حال بگڑتا دیکھ کر غزین کے شانے پر معنی خیز دباؤ ڈالا، اس نے یک جھٹکے سے اس کی کلائی یوں چھوڑی کہ وہ گرتے گرتے بچی۔ اس کی کلائی پر غزین کی انگلیوں کے نشان ابھر آئے تھے۔ وردہ اس وقت شدید غصے میں تھی۔ وہ غزین کے منہ نہیں لگنا چاہتی تھی اس لیے اسد کی طرف بڑھی۔ غزین سینے پر ہاتھ باندھے گہری نظروں سے وردہ کو دیکھ رہا۔

"مسٹر اسد ! آپ اپنے جنگلی دوست کو سمجھا دیں کہ اگر کالج میں رہنا ہے تو انسان بن کر رہے ورنہ میری ایک شکایت پر یہ کالج سے نکال دیا جائے گا۔"

غصے کی شدت سے لہجہ انتہائی سرد اور دبا ہوا تھا۔ اس سے پہلے کہ اسد کوئی بات کرتا غزین جس کو اس سے کرنٹ لگا تھا، بازو سے اسد کو پیچھے ہٹاتا آگے بڑھا۔

"اوکے ! میں تمہیں چیلنج کرتا ہوں۔ جاؤ در میری شکایت کرو لیکن کہو گی کیا کہ میں نے تمہارا ہاتھ پکڑا یا موبائل پر تمہاری تصویر اتاری ؟ گو ہیڈ، جو چاہے الزام لگادو لیکن یاد رکھو اگر تم مجھے نکلوانے میں کامیاب ہوگئیں تو پھر میری ٹرن ہوگی یہ کام میں کروں گا، او کے ! اینڈ آئی مین اٹ !" غزین نے مضبوط لہجے میں کہا تو ایک زور کا جھٹکا تو وردہ کو بھی لگا۔ ناجیہ تو کانپ اٹھی تھی کیونکہ ان تین سالوں میں اندازہ تو ہو ہی گیا تھا کہ وہ کیا حیثیت رکھتا ہے۔

"ہیلپ !" وہ ابھی سنبھلنے بھی نہ پائی تھی کہ کچھ جونیئرز لڑکیاں چندہ جمع کرنے آگئے۔ غزین نے دو نوٹ لڑکیوں کے ہاتھ پر رکھ دیے۔

"تھینک یو غزین بھائی ... ہیلپ وردہ !" اب وہ لوگ وردہ کی طرف مڑے، جس کے اندر ٹوٹ پھوٹ ہو رہی تھی۔ وہ ہو جانے والی انہونی کے اثر میں ابھی تک تھی۔

"ہیلپ پلیز !" لڑکیوں نے وردہ کا شانہ ہلایا تو غزین نے بڑھ کر ایک اور نوٹ ان کی پلیٹ میں ڈالا، سگریٹ کا گہرا کش لے کر دھواں کچھ اس انداز میں اڑایا کہ وردہ کے چہرے پر پھیل گیا۔

"یہ لو بچو ! کسی ایسے بندے سے جو خود مستحق ہو، کچھ مانگ کر اسے شرمندہ نہیں کیا کرتے۔ جاؤ یہ ان کی طرف سے۔" غزین کا انداز ہی آگ لگانے والا تھا، وردہ سلگ اٹھی، اس نے اس کے دیا ہوا نوٹ پھاڑ کر فضا میں اچھال دیا اور اپنے بیگ سے پیسے نکال کر ان کو دیے تو وہ چلتے بنے۔ وہ خونخوار انداز میں غزین کی طرف پلٹی۔

"آئندہ میرے ہر معاملے سے دور رہنا مسٹر غزین !"

"ہوں، اچھا ! کتنا دور ... کھینچ کر بتاؤ گی کہ ناپ کر بتاؤ گی ؟ بھئی حد فاصل بھی تو تم نے کھینچی ہے ناں تو پیمائش بھی تم ہی ..."

"شٹ اپ !" وہ اس کی بات کاٹ کر پلٹی آگے بڑھ گئی تو غزین کی نظروں نے دور تک اس کا پیچھا کیا۔ اس نے اس کے موبائل کا نمبر ملایا۔ ... میں نے تو سوچا تھا کہ چلو دو سال رہ گئے ہیں مگر کیا کروں ؟ کس سے کہوں ؟ کس کو بتاؤں ؟"

کلاس میں آ کر اس کا نمبر دیکھ کر وہ شدت سے رو دی۔ اپنے طور پر تو اس نے اب تک معاملے کو سنبھالا ہوا تھا مگر بات بڑھ رہی تھی تو مجبوراً اسے شہلا سے بات کرنا پڑتی اور وہ تو کبھی ایسی کوئی بات گوارہ نہ کرتیں فوراً کالج پرنسپل سے شکایت کرنے پہنچ جاتیں اور غزین کوئی معمولی چیز تو نہیں تھا کہ اس کی شکایت پر کالج سے نکال دیا جاتا۔ جو اک تو چھوٹا بھائی ... مزاج لوگوں کے معاملے میں بہت جذباتی بھی، وہ کچھ بھی کر گزرتا۔

"ہاں ! ارمغان سے بات کی جا سکتی ہے۔" یہ خیال جیسے گھپ اندھیرے میں کرن سا گیا۔

"وردہ ! یہ بات مجھ سے بالاتر ہے کہ غزین سب کے لیے تو اتنا اچھا ہے تمہارے ہی ساتھ کیوں ایسا ہے ؟ اگر پسند وغیرہ کا چکر ہوتا تو بھی اس طرح کوئی نہیں کرتا۔"

ناجیہ خوفزدہ ہوگئی تھی آج کے واقعے سے جبکہ وردہ تو بری طرح کھول رہی تھی۔

"چکر کوئی نہیں، بگڑا ہوا رئیس ہے، سمجھتا ہے پیسے سے سب کچھ خریدا جا سکتا ہے۔ میں آج ہی ارمغان سے بات کرتی ہوں۔ ماشاءاللہ میرے سارے بھائی مل کر اس کو یہ سبق سکھا دیں گے کہ سارا امیرزادہ پن بھول جائیں گے موصوف۔"

باتیں کرتے دونوں باہر آگئیں۔ اسی وقت ارمغان کی گاڑی گیٹ سے اندر داخل ہوئی تو وردہ خوش ہو

"سچ۔۔۔ اور وہ بھی کبھی تو میرا دل چاہتا ہے کہ تمہاری اس بدگمان چھٹی حس کو ہائی ڈور دیکھا
تمہیں دستے ویڈ فم بندے سے بدگمان کرتی ہے۔"

"ناجیہ...... اخیر تو ہے، کہیں تم بہرہ تو نہیں ہو گئیں؟" وردہ نے گویا بدلہ لے لیا۔

"آہ۔۔۔! اپنے ایسے نصیب کہاں؟ ابھی تو خاندان سے باہر جھانکنے کی اجازت نہیں۔ ویسے وہ
بڑا ہی ڈیشنگ۔ اگر کبھی زندگی میں اس نے دست سوال بڑھایا ناں تو جھٹ اپنا ہاتھ دے دینا اس کے ہاتھ
کہ کچھ کشکول بڑے وضعدار ہوتے ہیں زیادہ پھیلے نہیں رہتے۔"

"شٹ اپ۔۔۔! اب چپ ہو جاؤ، وہ آ رہے ہیں۔ مجھے تو رہ رہ کر رمضان پر غصہ آ رہا ہے
کیسے بچھ بچھ جا رہا ہے۔ گویا وہ کوئی شہزادہ گلفام ہو۔"

"ہے تو۔۔۔!" اس کی بات پر ناجیہ نے بے ساختہ کہا پھر اس کی نظروں سے بچنے کے لیے
سامنے کر دی تب تک وہ دونوں قریب آ چکے تھے۔ غزین نے بڑی چیلنجی نگاہ وردہ پر ڈالی تو اس نے بھی ناک
چڑھا کر اس کی نظر کی اہمیت کو بے اہم بنا دیا۔

"او کے ارمغان۔۔۔! میں وعدہ تو نہیں کرتا لیکن کوشش کروں گا آنے کی۔"

غزین نے خالصتاً وردہ کو سنانے کے لئے ذرا اترا کر کہا تو وہ ذرا کھو گئی۔

"اوہو۔۔۔! اترا ہٹ دیکھو جیسے ہماری محفل ادھوری ہی تو رہ جائے گی ان کے بغیر؟"

"یہ تو ہے۔۔۔!" ناجیہ پھر بے دھیانی میں کہہ گئی تو وردہ نے سب کے گھر کی کے ساتھ زور دار چٹکی بھری
ناجیہ غزین اور رمضان کی وجہ سے درد برداشت کر کے رہ گئی۔

"نہیں بھئی غزین۔۔۔! کوشش نہیں، تم کو ضرور آنا ہے۔ او کے۔۔۔! کیونکہ مسعود بھائی کی دولہن کا اصرار
ہے۔" رمضان کا اصرار وردہ کو جلا گیا۔ اس نے ارمغان کو گھورا مگر وہ تو مسلسل غزین کو متاثر کن نظروں سے دیکھ
رہا تھا۔

"تھینکس...... اگر پھر وہی بات کہ۔۔۔" "غزین کو جانا تو ضرور تھا مگر اس وقت وہ صرف وردہ کو جلانے
کے لئے اپنی اہمیت جتا رہا تھا۔

"ارمغان..... اتم نے کارڈ دے دیا ناں؟" وردہ سے رہا نہ گیا تو کھول کر کود ہی پڑی کیونکہ اسے غزین کو
اہمیت دینا قطعی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"ہاں۔۔۔! کارڈ تو دے دیا ہے۔" ارمغان بیچارہ کیا جانے کہ دونوں میں کیا بات ہے کیونکہ آج تک
وردہ نے کسی بڑے ہنگامے کے خوف سے گھر کے لڑکوں کو بھی کچھ بتایا ہی نہیں تھا کہ یہ شخص اسے کتنا تنگ کرتا
ہے۔

"کارڈ باقاعدہ دعوت نامہ ہوتا ہے جب وہ دے دیا تو اتنا شدید اصرار کرنے کی کیا ضرورت ہے......؟"
اس کے اندر کا سارا غصہ نفرت اس کے لہجے میں ڈھل گئی جسے صرف غزین نے ہی محسوس کیا ارمغان نے نہیں اسی
لئے وردہ کی بات پر اس نے اسے گھورا جبکہ غزین نے گہرا سانس فضا میں چھوڑ سینے پر ہاتھ باندھے اور وردہ کے
عین مقابل آن کھڑا ہوا۔

عورت ہر کسی کا مقدر نہیں ہوتی، کسی کسی کو ملتی ہے۔ او کے ارمغان۔۔۔! پھر مہندی کی رسم پر ملاقات
ہو گی انشاء اللہ......!"

وہ جتا جتا کر بولتا وردہ پر گہری نگاہ ڈال کر مسکرایا جو پیچ و تاب کھا رہی تھی۔ اس کے چہرے کے تاثرات
دیکھ کر وہ دھیرے سے مسکراتا ہوا ارمغان سے ہاتھ ملاتا آگے کا جتا کر آگے بڑھ گیا۔

"کیا ضرورت تھی اس قدر اصرار کرنے کی؟ اول تو بلانے کی کیا ضرورت تھی؟ دوسرا اتنا اصرار
کر بار وہ نہیں آئے گا تو ہماری شادی نہیں ہو گی؟ تمہیں کچھ معلوم بھی ہے کہ یہ کس قسم کا شخص ہے؟ اول
درجے کا بدتمیز، سمجھ میں نہ آنے والا پرابلم، زہر لگتا ہے یہ شخص مجھے آئی ہیٹ ہم اور۔۔۔"

"یہ لفافہ آپ کی فائل سے گر گیا تھا محترمہ۔۔۔!" وہ جو غصے میں اپنے دھیان میں بولے جا رہی تھی اور سمجھ
رہی تھی کہ ارمغان اس کے ساتھ چل رہا ہے مگر ارمغان تو گاڑی میں بیٹھ چکا تھا۔ ناجیہ گدھے کے سینگوں کی
طرح غائب اور ساتھ ساتھ جو چل رہا تھا وہ وہی تھا جس کے خلاف وہ زہر اگل رہی تھی۔ وہ اس کی فائل سے نکل
کر گرا ہوا لفافہ اسی کی طرف بڑھا رہا تھا جس میں اس نے اپنی کار پر تھوڑے کارڈ خرید کر رکھا تھا۔ اس کو یوں قریب
پا کر یکدم یہ خیال گزرا کہ اس نے سب کچھ سن لیا ہے تو کتنا برا ہو گا۔

"کیوں برا ہو گا؟ اچھا ہی ہے سن لیا ہو تو، مجھے اس سے کتنی نفرت ہے، اگر ہیرو بننے کا خواب دیکھ رہا
ہو گا تو باہر آ جائے گا۔" دماغ کی اس شاباشی نے حسین چہرے پر آئی نامعلوم سی ندامت کی دھند کو صاف کر دیا۔
اس نے بغیر کسی تاثر بغیر کسی شکریے کے اس کے ہاتھ سے جھٹکے سے کارڈ چھینا اور تیز تیز قدم بڑھانے لگی۔ وہ بھی
اسی رفتار سے اس کے ساتھ چلنے لگا۔ وردہ کو یہ سب قطعی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"ہونہہ۔۔۔ آپ مجھ سے نفرت کرتی ہیں؟" وہ چلتے چلتے تیزی سے اس کے سامنے آ گیا تو وہ جو
اسی رفتار سے بڑھ رہی تھی اس سے ٹکراتے ٹکراتے بچی اور نفرت دوچند ہو گئے۔

"آپ کے وہم گمان سے بھی زیادہ۔" دانت پیس کر اس نے گویا اپنی نفرت کا اظہار کیا تو غزین کے دل
پر جیسے چوٹ سی پڑی۔ مٹھیاں بھینچ سی گئیں۔ جی میں تو آیا کہ ابھی اسے اس کی نفرت کا ایسا جواب دے کہ نفرت
بھول جائے مگر اس نے اندر امڈتی آندھی کو روکا۔

"شاید آپ کو معلوم نہیں وردہ واجاہت۔۔۔! کہ جب اتنی شدید نفرت کے بیج سے محبت جنم لیتی ہے تو اتنی
ہی شدید ہوتی ہے جتنی کہ وہ نفرت ہوتی ہے۔ اس لئے نفرت کے اس سفر میں سوچ سمجھ کر قدم رکھنا چاہئے جس کی
منزل محبت ہوتی ہے۔ او کے۔۔۔ اور دیکھتے ہیں۔" وہ مسلسل اس کی جان جلا رہا تھا۔

وہ اور اس شخص سے محبت کرے گی، امپاسبل۔ اس نے نفرت اور حقارت کی سلگتی نگاہ اس پر ڈالی اور آگے
بڑھنے لگی کیونکہ ارمغان گاڑی اسٹارٹ کر چکا تھا۔

"کم آن وردہ۔۔۔! کتنا سلو چلتی ہو تم۔۔۔!" ارمغان نے ہانک لگائی تو وردہ کو غصہ آ گیا۔ پہلے اسے
بتائے بغیر چلا وہ بن کر گاڑی میں جا بیٹھا اور اسے اس ناپسندیدہ شخص سے الجھنا پڑا اور اب اس کی خرگوش چال کو
کچھوا چال کہہ رہا تھا۔

"جب ہم سفر ڈیشنگ ہو تو سفر ختم کرنے کو کس کافر کا دل چاہتا ہے؟" غزین نے کہا ہی اتنی آواز میں

مصروف نظر آرہا تھا یا مصروفیت کے اس ہنگامے میں مصروف نظر آکر اپنا حق ادا کر رہا تھا۔ لڑکے باہر لان میں مہندی کی تقریب کے لئے ڈیکوریشن کروا رہے تھے۔ لڑکیوں کی الگ جان پر بنی ہوئی تھی کہ وہ ... سے ہتھیاروں سے لیس ہو کر مس ورلڈ بن سکتی ہیں۔ ہر طرف شور ہنگامہ، بڑوں کے اپنے ہی ٹینشن تھے... چھوٹوں کو ڈانٹا جا رہا تھا۔ بزرگ خواتین الگ مصروف تھیں۔ کاموں کے ساتھ ساتھ بریکوں کا سلسلہ بھی تھا۔ شوہروں کی برائی ختم ہوتی تو سسرال والوں کی برائیاں شروع ہو جاتیں۔ بڑا دلچسپ ماحول ہو رہا تھا گھر کا۔

''یار! آؤ ذرا صحن کی طرف چلیں۔''

ارمغان، یاسر اور ایاز کھسک آئے، عدیل، نبیل وغیرہ بڑی مستعدی سے کام کر رہے تھے اور چڑچڑے ہو رہے تھے۔ ان تینوں کو کھسکتے دیکھ کر عدیل بلبلایا

''کہاں بھئی!؟''

''وہیں جہاں کوئی آتا جاتا نہیں۔'' ارمغان نے دائیں آنکھ دبائی۔

''ہرگز نہیں! یار یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ ہم مسلسل کام کر رہے ہیں اور تم لوگ گھوم رہے ... کر رہے ہو۔''

''وہ اس لئے عدیل بھائی! کہ ایسے موقعوں پر بزرگ ہی سارے کام دیکھتے ہیں۔ ہم جیسے ... انجوائے کرتے ہیں، کیوں بچو! میں نے غلط کہا''

''ہرگز نہیں... قطعی نہیں! دیکھئے ناں عدیل بھائی! جتنا اچھا کام آپ کر سکتے ہیں ویسا ... کوئی نہیں کر سکتا، وہ دیکھئے سامنے کیا ہے؟''

یوں وہ تینوں عدیل کو بے وقوف بنا کر بھاگ لئے اور عدیل غصہ کرتا رہ گیا

''علیزہ! تم فارغ ہو تو ذرا میرا فنشنگ تو کر دو۔'' قدسیہ چچی لڑکیوں سے زیادہ تیار ہو رہی تھیں

''وردہ! تم اپنے کپڑے آئرن کرو تو پلیز میرے بھی کر دینا۔''

دونیا نے اپنے کپڑوں کی ذمہ داری بھی وردہ پر ڈال دی جو بیچاری کب سے سب کے کپڑوں پر استری کر رہی تھی۔

ہرگز نہیں... اب سب اپنے اپنے کپڑے خود استری کریں۔ حد ہو گئی۔ میری بچی فالتو نظر آرہی ہے ... کو۔ ہٹاؤ اپنے کپڑے، وردہ۔ تم نے ابھی تک مہندی نہیں لگائی۔''

عفت ایک دم اندر آئیں۔ وردہ کو کپڑے استری کرتے دیکھ کر غصے سے بڑھیں تو علیزہ نے پلٹ کر ... عجیب سی نظروں سے عفت بیگم اور وردہ کو دیکھا۔ شاید اسے وردہ کو اہمیت دینا برا لگا تھا۔ کچھ بھی تھا اسے عفت کا یہ رویہ اور انداز اچھا نہیں لگا اس لئے کہ اسے ان سب نے شہلا کے حوالے سے جانچا تھا۔

''ارے واہ واہ! یہاں تو گویا رنگ و بو کا سیلاب آیا ہوا ہے۔'' یاسر نے ماما کو دیکھا جس کے چہرے پر رنگ اتر آئے تھے اس کے آنے سے۔

''آپ لوگ یہاں کیسے آئے؟'' ارمغان کی آمد علیزہ کے حسین چہرے پر ناگواری لے آئی...

... نظروں سے سامنے ہی دیکھ رہا تھا بد دل سا ہو گیا اس بیزاری پر۔

''وری کول! در و اترے ہے۔'' وہ اس کے قریب کھسک آیا تو وہ بھنویں چڑھا کر پرے ہٹ گئی۔

''بہت ہی گھسا پٹا جواب ہے آپ کی طرح۔ اب جائیں یہاں سے۔''

''کیوں جائیں بھئی... تم لوگ ہم پر حملہ آور ہونے والی ہوا تنے مہلک ہتھیاروں کے ساتھ تو ہمیں ... دفاع کرنا ہوگا ناں، بچاؤ۔''

یاسر نے ایک طرف پڑی میک اپ کی چیزوں کو اٹھا کر دیکھا۔

''جبکہ ان کو قتل کے لئے ایسے آلۂ قتل استعمال کرنے کی ضرورت بھی نہیں۔''

''ماشاء اللہ! یہ کیا تم لوگوں نے فضول باتیں شروع کر رکھی ہیں؟ کل مہندی ہے لڑکیوں کی ابھی تک ... ں بھی مکمل نہیں ہوئیں۔ تم ایسا کرو ارمغان ... کہ وردہ کو لے جاؤ اور پارلر سے مہندی لگوا لاؤ۔'' عفت بیگم کی آواز ارمغان کے پر ... کر دیا تو علیزہ نے ہونہہ کہہ کر منہ دوسری طرف کر لیا۔ ارمغان چڑ سا گیا۔

''کیوں... ؟ یہ کیا عرش سے آئی ہیں کہ صرف ان کو مہندی لگوائی جائے۔'' باقی لڑکیاں حتجاجاً چلائیں۔

''ہم...! کی چھپی جو ٹھہریں۔'' ارمغان بھنا گیا۔

''ہاں ہے پھر؟ چلو جاؤ وردہ! ارمغان کے ساتھ۔'' ممانے دونوں کو دھکیل کر کمرے سے نکالا۔

''کیا بات ہوئی تائی جان! آخر اور لڑکیوں کے بھی ہاتھ ہیں، معصوم و مظلوم اس ناانصافی پر بد دعا ... کی۔ لہٰذا میں عدالت سے اپیل کرتا ہوں کہ باقی ہاتھوں کو بھی پارلر سے مہندی لگوائی جائے۔ چلو بھئی ... بچے ... ہم مہندی لگوا لاتے ہیں۔'' ایاز اور یاسر نے دو یا اور ڈوپٹہ ... ارمغان میں جٹ گئے

''کسی کے ساتھ ناانصافی نہیں ہوگی، میں نے عدیل اور غفران سے کہہ دیا ہے کہ وہ ان سب لڑکیوں کو ... جائیں، وہاں ان کو جو چھوٹی موٹی شاپنگ ہے بازار سے جو کرنا ہے سب کام کر لیں گی۔'' شہلا نے اندر آکر ... دی تو یہ اطلاع تیز ے کی نئی بن کر یاسر اور ارمغان کے دلوں میں اتر گئی۔ تینوں سراپا احتجاج بن گئے۔

''عدیل اور غفران کیوں؟ ہم مر گئے ہیں کیا؟ بیڈیوٹی ہے پھپھو!''

''ڈرائیونگ لائسنس ہمارے پاس بھی ہیں خالہ! ہم بھی ڈرائیور بن سکتے ہیں۔''

''چلو تم پھر کبھی لگو گے۔ بہرحال عدیل اور غفران کے ساتھ اشعر اور فیضی بھی جائیں گے۔'' شہلا نے ... بعد بتا دیا تو وہ تینوں کھول کر رہ گئے جبکہ لڑکیاں بہت خوش تھیں۔

''یار! یہ عدیل اور غفران کا کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا۔''

ارمغان اور یاسر کھسر پھسر کر رہے تھے۔ عدیل اور غفران کو پس منظر سے غائب کرنے کے طریقے سوچ ... تھے۔

''کچھ بھی کرنے سے پہلے گھی سیدھی انگلیوں سے نکالنے کی کوشش کرو۔'' ایاز کے مشورے پر ارمغان درست کرتا آگے بڑھا۔

''ٹھیک ہے پھپھو! آپ کہتی ہیں تو میں لے جاتا ہوں لڑکیوں کو پارلر۔ اگر یہ لوگ پارلر نہیں جائیں

کی تو ہمیں ذرا کیں گی کیسے ۔۔۔؟ کیوں لڑکو ۔۔۔!"

"اور نہیں تو ۔۔۔ ویسے کچھ اللہ معاف کرے ایسے چہرے ہیں کہ پارلر والیاں بھی فیل ہو جائیں شانی ۔۔۔!"

ایاز نے ستولی سی شانی کو چھیڑا اس نے تو غصے میں پانی کا گلاس اس پر پھینکا وہ ہوشیاری سے ۔۔۔ پانی شہلا پر جا پڑا۔

"توبہ ۔۔۔ اللہ میری توبہ ۔۔۔! آج یہ وقت آ گیا کہ گھر کی بیٹیاں گھر کے بزرگوں کو پانی پانی ۔۔۔ استغفار، استغفار ۔۔۔!" وہ تینوں کانوں کو چھو کر توبہ کرنے لگے تو شانی مزید شرمندہ ہو گئی مگر شہلا مسکرا ۔۔۔

"زیادہ بکومت، چلو تم لوگ غفران اور عدیل کو بھیجو۔ خود ان کی جگہ سنبھالو بیچارے صبح سے کام ۔۔۔ ہوئے ہیں۔"

"اوہو خالہ ۔۔۔ اس میں ترس کھانے کی کیا ضرورت ہے ۔۔۔؟ آخر نکل چھوٹنے کے ۔۔۔ ہیں۔"

"جی ۔۔۔ انکل اپنا کام کر چکے، اب گدھوں کی باری ہے۔" غفران اور عدیل بھی آ گئے تو وہ ۔۔۔ کر رہ گئے۔ اب راہ فرار کوئی نہیں تھی کیونکہ انہوں نے واقعی کوئی کام نہیں کیا تھا۔

"تف ہے یار ۔۔۔! تف ہے تم لوگوں کی زندگی پہ۔" یاسر نے بھڑاس نکالی۔

"ارے ۔۔۔! یہ بھی کوئی کام ہو کہ لڑکیوں کو پارلر لے جانا۔" جاتے جاتے ارمغان نے ۔۔۔ پاؤں کو مسل ڈالا تو وہ بیچارہ دہرا ہو گیا تکلیف سے۔

"بہت بدتمیز ہیں۔ چلو لڑکیو ۔۔۔! تیار ہو جاؤ اور ۔۔۔ بہت سے کام ہیں عیزہ بیٹا ۔۔۔ تم یہ کیا ۔۔۔ ہو ۔۔۔؟ رہنے دو میں تر پائی کر دوں گی تم جاؤ مہندی لگواؤ۔" شہلا عیزہ کی طرف بڑھیں جو سارے ۔۔۔ کا خاطر میں لائے بغیر اپنے دوپٹے کے کنارے پر تر پائی کر رہی تھی۔ شہلا نے اس کے ہاتھ سے ۔۔۔ کر ۔۔۔ نے انتہائی خشمگیں نظروں سے ان کو دیکھا جو ممتا کی تمام تر حلاوتوں کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھیں۔

"مجھے مہندی نہیں لگوانی۔" سرد تر ش لہجے میں وہی بغاوت، وہی غصہ، وہی اجنبیت تھی، نفرت تھی ۔۔۔ گہرا درد لئے شہلا کے دل میں اتر گیا، چہرہ تاریک ہو گیا، قدرے فاصلے پر کھڑی وردہ نے ۔۔۔ اور مما کے چہرے پر اتری شام کو بھی دیکھا۔

"تم اور مہندی نہیں لگواؤ گی ۔۔۔؟ تم تو موقع کے بغیر بھی مہندی لگاتی رہتی ہو، سنگھار میں تمہیں مہندی تو پسند ہے پھر اب کیوں نہیں لگوا رہی ہو ۔۔۔؟"

وردہ کو مما کے ساتھ اس کا اس قسم کا رویہ ہمیشہ ہی تکلیف دیتا تھا اور علیزہ شہلا کو اپنے بابا کی مجرم سمجھتی جن کی وجہ سے وہ گھر چھوڑ کر چلے گئے اور یہ خطا وہ اس کی تاحیات معاف نہیں کر سکتی تھی۔

"شاید اس لئے بیٹا ۔۔۔! کہ میں کہہ رہی ہوں۔" شہلا کے دھیمے لہجے میں شکستگی تھی۔ وہ اپنی پرخلوص کوششوں کے باوجود عیزہ کی محبت کی جنگ جیت نہیں سکی تھیں۔ ان کی بات کے جواب میں علیزہ ۔۔۔ دیکھا بھی تو ایسی نظروں سے تھا گویا کہہ رہی ہو کہ آپ نے درست سمجھا۔ مگر کبھی کبھی احساس بقتوں کا کتنا ۔۔۔

۔۔۔ کہا اپنے وجود کا اظہار کر جاتا ہے۔

"ایسی بات نہیں ہے مما ۔۔۔ بس آپ نے نخرے اٹھا اٹھا کر اس کا دماغ خراب کر دیا ہے۔ چلو جاؤ چینج ۔۔۔ ماؤ۔"

۔۔۔ وہ نے ایک طرف تو مما کے زخم پر پھاہا رکھا، دوسری طرف بہن کو تیار ہونے کو کہا تو علیزہ نے ایک ۔۔۔ نظر شہلا پر ڈالی، دوپٹہ ایک طرف پٹخا اور وردہ کو گھورتی کھڑی ہو گئی۔

تم میری جڑواں بہن ہو، میری بزرگ نہیں کہ حکم دو۔" وہ کڑے لہجے میں بولتی آگے بڑھی تو سب متوجہ ۔۔۔ شہلا نے وردہ کا شانہ دبا کر بات کو بڑھ جانے سے روکا۔ وہ جانتی تھیں علیزہ کوئی بھی بدتمیزی کر کے ماحول ۔۔۔ سکتی ہے اور شادی کے موقع پر وہ ایسا کوئی ہنگامہ نہیں چاہتی تھی۔

"اوکے بابا ۔۔۔! تمہیں حکم نہیں دے رہی درخواست کر رہی ہوں، چلو۔"

نہیں ۔۔۔! تم لوگ جاؤ۔" اس کے لہجے کی سختی نے وردہ اور شہلا کو مزید کچھ کہنے سے روک دیا۔ یں گھر ۔۔۔ لڑکیاں چلی گئیں تو علیزہ صوفے پر شہلا ڈھیلی سی ہو گئیں۔ علیزہ کو عجیب سی بوریت ہو رہی تھی۔ اندر ۔۔۔ بہتا وہ اس تھا کہ چلی جاتی تو اچھا تھا۔ بلاوجہ بابا کی ضد میں نہیں گئی اور جب انسان کا کوئی پسندیدہ کام کرنے کو ۔۔۔ چاہ رہا ہو اور اپنی ہی وجہ سے کر بھی نہ سکے تو ایک عجیب سی کوفت میں اپنا دم گھٹتا محسوس ہوتا ہے ایسی کیفیت ۔۔۔ آ گئی۔ مہندی کی رسم کے لئے بہت خوبصورت لائٹنگ ہوئی تھی۔ لڑکوں نے مہندی کے گانوں کی کیسٹ ۔۔۔ ماحول کو اور خوبصورت بنا دیا۔

"ارے علیزہ ۔۔۔ تم گئی نہیں ۔۔۔؟" یاسر کی آواز پر ارمغان نے پلٹ کر دیکھا تو برقی قمقموں میں ۔۔۔ وہ سی حسین خیال کی طرح تھی۔ ارمغان کے گرد خوشی کے جگنو رقصاں ہو گئے۔ دل میں اترنے والا لطیف ۔۔۔ دھیرے سے شوخ نظروں میں اتر آیا۔ وہ سارے کام چھوڑ کر ادھر ہی آ گیا۔ اب تک اسی ملال میں تو ۔۔۔ علیزہ گئی اور وہ نہیں گیا۔ اور اب اسے اپنے سامنے پا کر وہ خوشی کے رنگوں کو سمیٹنے لگا اور یاسر کے قریب آ گیا ۔۔۔ کے مقابل وہ کھڑی تھی۔

"بس یونہی، میری مرضی۔" اس نے بے نیازی سے شانے اچکائے۔

"۔۔۔ یہ تو تمہاری مرضی بڑی خودسر ہے۔ کسی دن میرے ہاتھ لگ گئی نا، تمہاری مرضی تو ہڈی پسلی ایک کر ۔۔۔ اس کی۔" یاسر چڑ کر بولا۔

"جو لوگ اپنی مرضی کے غلام ہوتے ہیں ناں یاسر ۔۔۔! ان کی خوشی کی تتلیاں کبھی آزاد نہیں ہوتیں، ۔۔۔ فضا میں ان کے پروں کے رنگ اڑ جاتے ہیں اور محبت کی کونپلیں بن کھلے ہی اداس خزاں کے احساس میں ۔۔۔ جاتی ہیں۔ ویسے بندے کو اپنی مرضی کا اتنا پابند ہونا نہیں چاہئے۔"

ارمغان کا لہجہ گمبھیر ہوا تو علیزہ کاٹ کھانے کو دوڑی۔

"یہ میری زندگی ہے، میری مرضی ہے، میں جس انداز سے گزاروں، آپ کا کیا بگاڑ دیا ۔۔۔؟ کیا تعلق ۔۔۔ ہے ۔۔۔؟" وہ ارمغان کو دیکھ کر غرائی تو اک دھیمی سی کسک ارمغان کے دل کی بستی سے گزرتی ہوئی آگے ۔۔۔ گئی اور بھیگی سی مسکراہٹ بن کر اس کے ہونٹوں پر آ گئی۔

شرجیل مچل مچل کر گرفت توڑنے کی کوشش کرنے لگا۔

''ارے جنم جلی ! کمبخت...... یہاں تو بہت سے لوگوں کی داڑھیاں ہیں، کون سے باپ کو مانے ہے ؟'' نادرہ نے ایک سفید داڑھی بزرگ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں، وہ نہیں، وہ جو سب سے پیارے لگ رہے ہیں، سب سے خوبصورت اور اچھے لگ رہے، وہی ہیں میری جان، میرے پیا۔''

مسجد کے گیٹ سے کچھ فاصلے پر کھڑے شرجیل نے تڑپ کر پیا کو پکارا جو وضو کر کے اب آ رہے تھے، کھڑے ہو رہے تھے۔

''ہائے ہائے ! اتنی گرمی ہے، جان نکل جا رہی ہے اور موئے کی ٹیکسی ٹھیک نہیں ہو رہی۔''

شنیو نے باہر نکل کر اپنا پسینہ صاف کیا تو ساتھ ہی میک اپ بھی اتر گیا۔

''ایک نہیں بھائی ! چار گلاس شکنجوی تو بنا دے۔''

شنیو نے ایک درخت کے سائے تلے لیموں پانی بنانے والے سے کہا تو وہ دوسرے کو دیکھ کر ہنسا۔

''چار صرف چار گلاس ؟ تو کہے تو ٹھیلا تیرے نام کر دوں۔''

''بس کر دے بے غیرت ! مجھ بھوکا مرنا اور بیوی بچوں کو زہر دے دینا، تیری مکروہ شکل ہے، بری شکل، چھی۔ دفع ہو ! مجھے نہیں پینا۔''

شنیو نے کھڑے کھڑے دو گلاس چڑھائے بھی اور فضول ہنسے اور تالیاں بجانے لگے شرجیل کو بہت گھبراہٹ ہو رہی تھی۔

''منحوس ماری ...... خود چڑھا کے آ گئی، اس نمی جلی کا خیال نہ آیا۔ چل آ میں تجھے بوتل پلاتی ہوں۔''

نادرہ اور عاصمہ سے گھسیٹ کر دوسری طرف لے جانے لگیں تو شرجیل تڑپ اٹھا۔ وہ اصف کی نماز ختم ہونے کا انتظار کرنا چاہتا تھا۔

''پلیز ! میری بات مان لو، وہی میرے پیا ہیں، وہ ایک بار مجھے دیکھ لیں گے تو وہ فوراً مجھے پہچان لیں گے۔ ابھی مجھے یہیں رہنے دو۔''

شرجیل نے دونوں ہاتھ جوڑ دیے تو نادرہ کو ترس آ گیا۔

''کیا تجھے اپنی پہچان پر یقین ہے ؟ تجھے تو خود اپنی پہچان نہیں تو باپ کو کیا پہچانے گی ؟''

اس کاری وار نے ایک بار پھر شرجیل کو چکرا دیا۔ پھر دائرے بننے لگے۔ وہ گھومنے لگا واقعی اگر وہ خود کو پہچان سکتا تو باپ کو کیا پہچانتا۔

''نہیں ! خود کو پہچان سکوں یا نہیں لیکن میں اپنے پیارے پیا کو تو اچھی طرح پہچان سکتا ہوں، وہ ہیں میرے پیا، میری جان، وہی تو ان سب میں پیارے لگ رہے ہیں۔ ہاں ! میں پہچان لوں گا، میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں وہی میرے پیا ہیں۔''

یقین کی طاقت نے اس کی آنکھوں کو روشن کر دیا۔ وہ پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ جب بولا تو

وہ ایک مضبوط ارادے کا مضبوط مرد ہے۔ ایک عجیب سے جوش نے لہو گرم کر دیا کہ حرارت نادرہ اور عاصمہ کو محسوس ہونے لگی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو معنی خیزی سے دیکھا کہ ذرا ڈھیل دی تو پتنگ کٹ جائے گی۔ لہٰذا گرفت میں مزید اضافہ ہو گیا۔

''چل مان لیا حسینہ......!''

''حسینہ......؟ میں حسینہ نہیں ہوں، شرجیل ہوں، ماں نے میرا نام شرجیل رکھا ہے، مجھے شرجیل کہو'' شرجیل نے ایک بار پھر بازو چھڑانے کی کوشش کی جو دیگر کوششوں کی طرح ناکام بنا دی گئی۔

''اور ہمارے گروہ نے تیرا نام حسینہ رکھا ہے شہزادی...... ! ہم تو تجھے حسینہ ہی کہیں گے۔ اچھا چل آ تجھے شربت بوتل پلوائیں۔'' عاصمہ نے اس کا دھیان بٹانے کی کوشش کی مگر شرجیل ایک انچ بھی نہیں ہلا، اپنی جگہ سے اپنی مشتاق نظروں سے مسجد کے گیٹ کو دیکھتا رہا۔ انتظار کے کتنے دیے روشن تھے اس کی آنکھوں میں۔

''جو بھی کہو، میں آج پیا سے ملے بغیر نہیں جاؤں گا۔''

اس کے لہجے کا اعتماد اور یقین ان تینوں کو خطرے کی گھنٹیاں قریب سے سنا رہا تھا۔

''اچھا چل مان لیتے ہیں تیری بات...... انتظار کرتے ہیں تیرے پیا کا، پر یہ تو بتا اگر انہوں نے تجھے نہ پہچانا تو......'' نادرہ نے بڑا کاری وار کیا تھا جس نے شرجیل کی ہمت، طاقت اور جوش کے ابال کو تھوڑی دیر کے لیے ٹھنڈا کر دیا اور پیا کا رویہ کی باتیں یاد آنے لگیں مگر وہ پر یقین ہو گیا۔

''ہاں ! وہ میرے پیا ہیں مجھے ضرور پہچان لیں گے۔ کوئی باپ اپنی اولاد کو کیوں نہ پہچانے گا بھلا......''

''...... تو بہت بھولی ہے شہزادی...... جب ہم جیسے والدین کے گھر جنم لیتے ہیں ناں تو پھر یہ خود ہمیں خود سے نوچ کر پھینک دیتے ہیں کہ معاشرے میں ان کی بدنامی ہو گی۔ تیرے پیا نے بھی تجھے پہچانا ہوتا ناں تو گھر سے نکالا ہی نا۔''

''کہاں ناں نہیں نکالا مجھے کسی نے...... میں بدنامی کے خوف سے خود ہی گھر سے نکلا تھا کہ تم چڑیلوں نے پکڑ لیا اور میں......''

شرجیل نے نفرت سے دائیں بائیں نادرہ، عاصمہ کو گھورا اور رونے لگا۔

''اچھا چل مان لیا کہ تو خود گھر سے نکلی پھر اک بات میری بھی پلے سے باندھ لے۔ انہوں نے شکر کیا ہو گا کہ اچھا ہی ہوا اس چیز سے خود ہی جان چھوٹ گئی اب جائے گی ناں تو اول تو تجھے کوئی پہچانے گا ہی نہیں، پہچان بھی لیا تو اب قبول نہیں کریں گے۔ آخر ان کو اس معاشرے میں رہنا ہے تم ہمارے پاس رہ کر جاؤ گی تو لوگ ان کو طعنے مار مار کر تجھے گھر سے خود نکالنے پر مجبور کر دیں گے اور اگر انہوں نے خود تجھے گھر سے نکالا تو بہت برا ہو گا۔ تم اپنی نظروں میں بھی گر جاؤ گی۔ بولو تم اپنے والدین کی بدنامی کا سبب بن کے خوش رہ سکتی ہو ؟ ارے ! یہ لوگ جو خود کو نارمل اور مکمل انسان سمجھتے ہیں ناں اول درجے کے ادھورے اور ابنارمل ہوتے ہیں۔ میری ان جاؤ ورنہ کر ٹوٹ جاؤ گی، اگر باپ نے پہچان سے انکار کر دیا تو۔''

''چپ رہو، بکواس بند کرو اپنی، وہ میرے پیا ہیں مجھے پہچان لیں گے اور اپنے ساتھ لے کر جائیں

گے۔"

"یقین کے بادل برسے بغیر گزر گئے تو کمبخت ماری اترتی رہ جائے گی، خشک بنجر زمیں کبھی ہرا نہ ہو سکے گی تو یہ دکھ تجھ سے برداشت نہ ہوگا۔"

"بکواس بند کرو۔" وہ تینوں اسے طرح طرح کے ڈراوے دے رہی تھیں۔ وہ جس کے اندر یقین، بے یقینی کی آندھیاں چل رہی تھیں ایک دم دھاڑ تو بہت سے لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے۔

"تم چڑیلوں میں یہ چاند کا ٹکڑا کہاں سے آ گیا؟"

ایک خبیث خصلت آدمی شرجیل کو لپٹانے لگا تو اس نے پوری قوت سے مکا اس کے جبڑے پر رسید کیا، سب لوگ بھاگ گئے۔ نادرہ، عاصمہ، شیبو سہم کر شرجیل کو دیکھنے لگیں اور شرجیل جو یہ معرکہ سر کر چکا تھا یہ معرکہ سر کے یقین کا پرسکون احساس اس کے اندر تک اتر کر اسے مزید ہمت دے رہا تھا۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ عاصمہ اور نادرہ نے ایک دوسرے کو دیکھا اور جلدی سے اسے پکڑ لیا کہ کہیں فرار نہ ہو جائے۔

"شاباش! میری گڑیا رانی...... شاباش، ایسے بدمعاشوں کو ایسا ہی جواب ملنا چاہیے۔ بدمعاش بے غیرت، ہو فرشتہ ہوں تو، چل میری پری! ابو تلے پالتی ہوں۔"

"تم اپنی زبان بند کرو ورنہ گڑیا، پری رانی کہنا بند کرو مجھے۔ میں شرجیل ہوں، شرجیل کہو ورنہ تمہارا بھی ایسا ہی حشر ہوگا۔"

آواز میں مردانگی، لہجے میں مردانگی، انداز میں مردانگی، عاصمہ اور نادرہ نے خوفزدہ نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا اور اعتراف کیا کہ شاید ہم نے اسے پہچاننے میں غلطی کی ہے، شرجیل ایسی چیز نہیں تھی جسے وہ کھو دیتیں چنانچہ مصلحت پر اتر آئیں۔

"چلو اب غصہ تھوک دو میرے شہزادے! اور یہ لو بوتل پیو۔"

شیبو سامنے دکان سے اس کے لئے ٹھنڈی بوتل لے آئی تھی۔ شرجیل نے خوشی سے اس کی طرف دیکھا جیسے اس کی حیثیت تسلیم کر لی گئی ہو۔

"تم... تم بہت اچھی ہو شیبو! تمہیں یقین آ گیا ناں میں، میں کا بھائی ہوں، اب دیکھنا میرے ابو بھی مجھے اپنا بیٹا کہہ کر ساتھ لے جائیں گے۔ میں اپنے گھر چلا جاؤں گا۔"

اور اندر کا مرد پھر انجانے خوف کی لپیٹ میں آ کر اپنی مردانگی گنوا بیٹھا۔ آواز میں خوف آ گیا، لہجہ نحیف اور وہ ڈری سہمی لڑکی کی طرح سمٹ گیا اور یہ وہ اس کی کمزوری تھی جس کو وہ تینوں کیش کر رہی تھیں۔ عاصمہ اور نادرہ اس کی طرف جھپٹیں اور اس کے بازوؤں میں اپنے تیز ناخن گاڑ دیئے کہ وہ بلبلا اٹھا۔

"یہ جو تو نے باپ کی رٹ لگا رکھی ہے ناں ایک شرط پر ملاؤں گی۔"

عاصمہ نے اپنی خوفناک شکل کو مزید بھیانک بنایا کہ وہ سہم گیا۔

"ہم... ہم... مجھے تمہاری ہر شرط منظور ہے۔" معصوم شرجیل بھول چکا تھا کہ اس وقت وہ جس حلیے میں ہے پپا اس کو پہچان نہیں پائیں گے اور وہ تینوں اسی بات کا فائدہ اٹھا رہی تھیں کہ وہ پہچانا بھی نہیں جائے گا اور سامنے بھی ہو جائیں گی تب وہ اس کی ہر بات ماننے کا پابند ہوگا۔

"ٹھیک ہے تو اپنے باپ کے سامنے جائے گی، بھیک مانگے گی، مگر اس نے پہچان لیا تو پھر بات ہوگی اور خبردار جو تو نے پہچان کرانے کی کوشش کی ہو تو..."

بڑی بڑی سرخ خوفناک آنکھوں والی نادرہ نے کچھ ایسے کہا کہ وہ خوفزدہ ہو کر سہم گیا۔

"نن... نہیں! مجھے کیا ضرورت ہے؟ لیکن اگر انہوں نے پہچان لیا (جس کا شرجیل کو یقین تھا) تو میں ان کے ساتھ چلا جاؤں گا۔"

"اور اگر انہوں نے نہ پہچانا تو... تو ہمیشہ ہمارے ساتھ رہے گی۔ بھی، بول منظور ہے؟" تینوں چڑیلیں اسے گھیرے کھڑی تھیں۔

"مجھے... من... من... منظور ہے۔" حلق سے بمشکل منظوری ہوئی۔ پھر نماز ختم ہو گئی تھی۔ تقریباً سب ہی نمازی جا چکے تھے مگر واصف ابھی سجدے میں گرے خدا کے حضور گڑگڑا رہے تھے مگر نہیں جانتے تھے کہ جن کے لئے وہ مضطرب رہے ہیں، تڑپ رہے ہیں اس سفر میں ان کا بیٹا بھی شریک ہے، وہ ان کا منتظر ہے۔ جانے کب تک تڑپتے رہے کہ دل کچھ ہلکا ہوا تو اٹھنے لگا۔ وہ اٹھ کر آہستہ قدموں سے گیٹ کی طرف بڑھے۔ دوسری طرف بے تاب بیٹا تھا، اس کی جھلک نظر آتے ہی وہ آگے بڑھا، قدم من من بھر کے ہونے لگے۔ وہ تینوں بھی اس کے ساتھ ساتھ تھیں کہ وہ کہیں موقع پا کر فرار نہ ہو جائے۔ جب منزل قریب ہوتی ہے تو تھکن کا احساس بڑھنے لگتا ہے۔ شرجیل کی ہمت بھی جواب دینے لگی تھی۔ وہ چاہتا تھا پاپا بانہیں پھیلا کر اسے اپنے سینے میں سمالیں اور وہ اس کڑی دھوپ میں جھلسنے سے بچ جائے۔ اس کا دل بھی تو بہت زور سے دھڑکنے لگتا اور کبھی بند ہو جاتا، آنسو تو [illegible] ... اس [illegible] کی تو بات تھی۔ واصف چند قدم کے فاصلے پر تھے۔ شرجیل [illegible] میں تنہا چکا تھا۔ ایک دو گھڑی اور اب وقت نے بچھڑے ہوئے باپ بیٹے کو آمنے سامنے کھڑا کر دیا۔ لمحے بھی جیسے سانس روک کے اس ملاپ کو دیکھنے کے لئے ٹھہر گئے۔

"پپ..." شرجیل کے لب کپکپائے مگر آواز حلق ہی میں دب گئی ان تینوں کی وجہ سے۔

"ٹھیک ہے، مانگو، جذباتی چال نہ چلنا۔" عاصمہ نے قریب آ کر چٹکی بھری تو شرجیل کا دل ایک لمحے کے لئے بند ہو گیا۔ وقت اور حالات نے [illegible] باپ کے سامنے بھکاری بنا دیا تھا۔ اندر طوفان اٹھ رہا تھا، آواز حلق میں پھنس گئی۔

"خدا کے نام پر صاحب جی! اللہ آپ کا بھلا کرے گا۔ ہم بے آسروں کو اللہ کے نام پر دے جائیں۔"

نجانے یہ چند الفاظ کیسے ادا ہو پائے۔ شرجیل کے جسم پر لرزہ طاری تھا، وہ بے ہوش ہونے کو تھا۔ عاصمہ اور نادرہ نے پکڑ نہ رکھا ہوتا تو وہ باپ کے قدموں میں ڈھیر ہو چکا ہوتا۔ ابھی آزمائش باقی تھی۔ واصف جس بیٹے کی جدائی میں دیوانے ہوئے پھر رہے تھے، وہ عجیب حلیے میں ان کے سامنے بھکاری بنا کھڑا تھا۔ بیٹے کا ہاتھ وقت نے بھکاری کی صورت باپ کے سامنے پھیلا رکھا تھا۔ واصف نے ایک اچٹتی سی نظر اس پر ڈالی۔ شرجیل تڑپ تڑپ گیا کہ پپا کہہ کر ان کے سینے سے جا لگے پھر چاہے وہ اسے دھتکار کر خود سے الگ کر دیں مگر سینے میں لگی آگ ایک پل کے لئے تو بجھ جائے۔ واصف نے جیب سے دو سرخ نوٹ نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیئے تو

جیسے وقت بھی رو پڑا۔

"تم لوگوں کی دعائیں بہت قبول ہوتی ہیں۔ دعا کرو میرا سکون مجھے مل جائے، میرا پروردگار مجھ سے راضی ہو جائے اور ... اور ..."

واصف کے دل میں شدید درد اٹھا، وہ تیزی سے آگے بڑھ گئے اور وہ بدنصیب طلب کا خالی کشکول دور تک ان کو دیکھتا رہا جن کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ اس کے خالی کشکول میں یک ہی لفظ گونج رہا تھا "تم لوگوں کی دعائیں، تم لوگوں کی دعائیں، تم لوگوں کی دعائیں۔"

"نہیں ..... ابا میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں بابا ......!"

وہ چیختا رہا مگر وہ قدمیں اسے گھسیٹ کر لے گئیں۔ پہچان، پرکھ کی وہ جنگ ہار چکا تھا اور اب اس کے ساتھ وہی ہو رہا تھا جو ہارے ہوئے کے ساتھ ہوتا ہے۔

کشکول اگر ایک بیٹے کا خالی ہوتا تھا تو واصف کے سگے باپ کے کشکول میں بھی نہیں گر رہے تھے۔ دونوں ملن کے ایک موڑ پر مل کر پھر جدا ہو گئے تھے اور یہ حساس باپ کے دل میں درد کی صورت گونج رہا تھا اور کرب کی صورت بیٹے کے دل میں۔ آج وہ اپنی آخری جنگ ہار گیا تھا مگر کون تھا جس کے شانے پر سر رکھ کر وہ اپنی ہار کا ماتم مناتا۔ آج وہ اس قدر رویا تھا کہ وہ سب کی سب اس کے ساتھ مل کر رو دی تھیں۔ شبو نے تو شرجیل کے سارے آنسو اپنے آنچل میں جذب کر لیے۔ آج اس نے کچھ کھایا پیا نہیں تھا، یوں لگتا تھا کہ دور کہیں آس و امید کا جو تھوڑا سا دیا تھا، باریک سا تارہ تھا وہ ختم ہو گیا تھا۔

"کہا تھا ناں ... نہ مرد، وہ مجھے پہچان کر بھی نہ اپنائیں گے۔"

"تم میرے گھر میں پیدا ہی نہ ہوتے تو اچھا تھا۔ شرم آتی ہے مجھے تمہیں اپنا بیٹا کہتے ہوئے ایب نارمل۔"

کبھی عاصمہ اور نادرہ کے کہے، کبھی چچا کے الفاظ ہتھوڑے بن کر اس کے دماغ پر برس رہے تھے تو آنسوؤں کو روکنا، ان پر ضبط کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ یہ سب لوگ اب اسے اچھی لگنے لگی تھیں، پیار کرتی تھیں، آج کوئی اپنے دھندے پر نہیں گئی تھی، صرف اس کی دلجوئی میں لگی رہیں اور اب سب کے خراٹے سکوت کی چادر کو تار تار کر رہی تھیں۔ وہ اس کی سسکیاں چپ چاپ گزرتے لمحوں کی پلکیں نم کر رہی تھیں۔

"میں ... میں ایسا کیوں ہوں......؟ میں مرد ہوں......؟ ہاں مرد ہوں، پھر یہ لوگ تسلیم کیوں نہیں کرتے ... ؟ مگر مجھے اب یہ تسلیم کروانا ہے، منوانا ہے کہ میں انسان ہوں، مرد ہوں۔ مجھے اپنی پہچان کروانی ہے، ہاں ہر صورت، ہر حال میں۔"

وہ اپنی چارپائی پر لیٹا آسمان پر نظریں جمائے سوچ رہا تھا پھر اسے لگا جیسے رگوں میں خون کی بجائے آگ بھر گئی ہو۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کی پیشانی پر پسینہ بہہ رہا تھا۔ اسے ارد گرد وہاں سب سے گھن آنے لگی، بدبو آنے لگی، اس نے ہاتھ سے ناک بند کر لی۔

"اے حسینہ ... اے سگریٹ پیئے گی......؟" راشدہ اسے بیٹھے دیکھ کر سگریٹ سلگا کر لے آئی تو اس نے سختی اور نفرت سے منہ پھیر لیا۔

"ہوں..... اس کا مطلب ہے تو عورت ہے ورنہ مرد تو سگریٹ جھٹ پی لیتا ہے۔ لے اگر مرد ہے تو پی

کر دکھا۔"

راشدہ کو نیند نہیں آ رہی تھی۔ وہ شرجیل کو دیکھ کر یوں دل بہلانے اس کے پاس آ کر الٹی سیدھی ہانکنے لگی تو اس کی ناک سے نکلتا دھواں شرجیل کے حلق کو کڑوا کر گیا۔ گر سگریٹ اس کی مردانگی کا ثبوت دیتا ہے تو وہ ایسا زہر پینے کو تیار تھا۔

"ہاں ... میں پیوں گا۔ بول شرط لگا۔ میری مردانگی ثابت کرنے کے لیے کتنے سگریٹوں کا دھواں کافی ہوگا ... ؟"

اور پھر وہ جوش میں ایک ساتھ کئی سگریٹ پی گیا اور پیتا ہی چلا گیا تو راشدہ خوفزدہ ہو گئی اور سگریٹ اس کے ہاتھ سے لے لیا اور مسل کر پھینک دیا۔

"بس ... بس مان لیا تو مرد ہے۔"

"کیا ... ؟ کیا تو ... تم نے مان لیا ناں میں مرد ہوں ... ؟" اس کی بے یقینی کے قفل ٹوٹنے لگے۔

راشدہ تو خوفزدہ ہو کر کہیں جا چھپی کیونکہ اسے نہیں معلوم تھا کہ انجانے میں اس نے اسے کس راستے پر ڈال دیا ہے۔ اس کی گمشدہ منزل کا پتہ دے دیا ہے۔ پھر وہ لیٹا سوچتا رہا، بہت سی نئی باتیں، نئے نئے رازوں کی گتھیاں کھلتی چلی گئیں۔ اسے اندازہ بھی نہیں ہو کہ وہ کب اٹھا، اندر گیا اور اپنے کپڑے جو اس نے بڑے سنبھال کر رکھے تھے، پہنے۔ جب اس نے ان کا لباس اتارا تو لگا اس نے اپنی بے یقینی، بزدلی کو اتار پھینکا ہے۔ سب بے سدھ سو رہی تھیں۔ وہ قدم اٹھاتا رہا، روشنی پھوٹتی رہی۔

"یا اللہ مدد ..." اس نے پورے یقین کے ساتھ اللہ کو پکارا، وردِ زبان ہو گیا اور پھر رات کی تاریکی اس کے پیچھے کی روشنی میں ایسا ... سنائی پھیلی ... گنتا چلا جا رہا تھا۔ اک عجیب خوف تھا کہ کوئی اسے پکڑ نہ لے یا عاصمہ ورنہ دروازے پر دیکھ لیں، کوئی پولیس والا نہ پکڑ لے۔ وہ تیزی سے دھڑکتے دل کے ساتھ اللہ کے نام کا ورد کرتا بھاگا چلا جا رہا تھا اور جس دروازے پر وہ گر کر رو پڑا وہ اللہ کے گھر یعنی مسجد کا گیٹ تھا۔ کون تھا جو اللہ کے گھر میں آنے سے روکتا۔ وہ واش روم میں گھس گیا، غسل کر کے باہر نکلا تو وہ نکھر چکا تھا۔ بے یقینی کا آسیب پیچھا چھوڑ چکا تھا۔ اتنے میں فجر کی اذان ہونے لگی تو وہ صفیں سیدھی کرنے لگا، وضو کر کے گیٹ پر نظریں جمائے چچا کا انتظار کرنے لگا مگر کبھی کبھی انتظار کسی ظالم دیو کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ شرجیل کی بری حالت تھی۔ انجانے خوف اور خدشات سے دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔

"چچا ... آ جائیں پلیز ... لیکن اگر عاصمہ کی بات درست ہوئی انہوں نے پہچان کر نہ ... نہیں۔"

اس خیال سے جوش کے ابال کم ہونے لگے، خون پھر جمنے لگا، اس کی آنکھیں پتھرا گئیں مگر واصف طبیعت کی خرابی کی وجہ سے نہیں آ سکتے تھے اور شرجیل کے انتظار کے تارے ٹوٹ ٹوٹ کر اس کی آنکھوں کے رستے ہوتے ہوئے اس کے گریبان میں جذب ہو گئے۔ پھر وہ اٹھ کر جماعت میں شریک ہو گیا۔ اللہ کے ذکر سے سکون اندر تک اترنے لگا تو اس نے دامن پھیلا دیا۔

"میرے پروردگار ...! اب تو میری خطا معاف فرما تو نے مجھے مرد پیدا کیا ہے تو یا اللہ ...! میری مدد فرما۔"

• • •

"علیہ خاتون! ہم پاکستان کیوں جا رہے ہیں؟ آپ کو اور بابا کو ہاروں سے میرا ساتھ ناپسند تھا ناں، وہ تو اب ختم ہو گئی، اب ہم پاکستان نہیں جائیں گے۔"

خولہ بہت بکھری ہوئی، ٹوٹی ہوئی، محبتوں کو ترسی ہوئی لڑکی تھی۔ وہ اس حد تک کمزور تھی کہ تکلف اور خلوص سمجھ کر جان نثار کر دیتی تھی اور ہارون کو تو وہ نجات دہندہ سمجھی تھی مگر اس کے رویے نے اسے توڑ کر رکھ دیا تھا۔ دوسرا وہ اس ماحول کی عادی ہو چکی تھی۔ سب نئے ماحول میں وہ جانا نہیں چاہتی تھی۔ ایک تو ہارون کے رویے سے وہ بہت ہرٹ ہوئی تھی، رو رو کر اس نے اپنی آنکھیں سوجا لی تھیں۔

"تم پاکستان کیوں نہیں جانا چاہتیں بیٹا؟ پاکستان ہمارا ملک ہے، تم نے کبھی دیکھا نہیں، وطن کی محبت کو محسوس نہیں کیا، کرو گی ناں تو کبھی کسی دوسرے ملک میں رہنے کا تصور بھی نہیں کرو گی۔"

اس کے سوال کو نظر انداز کر کے علیہ خاتون نے اس کی متورم آنکھیں صاف کر کے پیار سے کہا۔

"اگر اپنے وطن کی محبت میں اتنی ہی طاقت تھی تو بابا نے پاکستان کیوں چھوڑا؟"

اس کے اندر کی بغاوت سوال بن کر سامنے آن کھڑی ہوئی۔ اس کے اس چبھتے سوال پر علیہ خاتون خاموش سی نظروں سے دیکھ کر رہ گئیں۔ انہوں نے پھر اس کو چھوڑ کر الماری میں کچھ تلاش کرنے لگیں۔

"ہوں گی کچھ مجبوریاں تمہارے بابا کی۔"

"مجھے میری ماما سے الگ کرنا بعد اس سے بڑی ان کی کیا مجبوری ہو سکتی تھی۔"

خولہ سب کچھ جان گئی تھی، سمجھ گئی تھی اور اب تو سے [illegible] زندگی کا دمہ دار صرف ان ہی کو سمجھتی تھی۔ اس کی اس حقیقت بھری بات پر علیہ خاتون نے چونک کر اسے دیکھا۔ سچائی بھی تو یہی تھی جواب کیا دیتیں۔

"دیکھو خولہ! والدین کی مجبوریوں کو سمجھنا چاہئے، ہو گی ان کی کوئی مجبوری اور ہے اب کوئی مجبوری کہ تمہیں پاکستان بھی رہے ہیں۔"

علیہ خاتون نے حسب سابق شوہر کا کھوکھلا دفاع کیا اور دفاع کی اس کمزور دیوار کو خولہ نے ایک جھٹکے سے گرا دیا۔

"آئی تو علیہ خاتون! نہ اس وقت ان کی کوئی مجبوری تھی نہ اب ہے۔ یہ صرف بابا کی خود پسندی ہے۔ وہ اپنی ہر سوچ، ہر دلیل کی جنگ جیتنا چاہتے ہیں۔ خواہ اس کے لئے ان کو اپنی بیٹی کے احساسات کو کچلنا پڑے یا بیوی کے۔ ان کو تو بس جیتنا ہے۔"

دو مختلف سوچیں جب آپس میں ٹکراتی ہیں تو ان کے درمیان آنے والی تیسری شخصیت منتشر ہو جاتی ہے اور خولہ نے جب شعور کے سن میں قدم رکھا تھا تب سے وہ بابا کے ہر فیصلے اور سوچ سے اختلاف رکھتی تھی مگر اس میں اظہار کی جرأت نہیں تھی۔ یہ سب تو ہارون کی دوستی کا فیض تھا کہ اس سے اپنی سوچ کا اظہار کرنے لگی تھی۔ بغاوت کے اظہار کے طریقے معلوم ہو گئے تھے اور شہباز اس سے خوفزدہ ہو گئے تھے۔ مگر شاید وہ نہیں جانتے تھے کہ اندھیرے کو نگلنے کے لئے روشنی کی ننھی سی کرن بھی کافی ہوتی ہے۔

"خولہ بیٹی! دیکھو والدین اپنی اولاد کے لئے جو فیصلہ کرتے ہیں بہترین ہی کرتے ہیں۔"

علیہ خاتون خولہ کے اس بدلے ہوئے انداز اور سوال کے سامنے خود کو بے بس سا محسوس کر رہی تھیں۔

"جی ہاں! وہ والدین اور ہی ہوں گے جو اپنی اولاد کی خاطر اپنے اختلافات بھلا کر ان کی زندگی اور مستقبل کے لئے ایک ہو جاتے ہوں گے۔ مگر میرے والدین نے کیا کیا میرے لئے۔ اپنی اپنی انا کی جنگ جیتنے کے لئے مجھے داؤ پر لگا دیا۔ علیہ خاتون! آپ بتائیں میں ایسی ندی ہوں کہ جس کے ماں باپ کناروں کی طرح ساتھ ساتھ چل رہے ہیں مگر مل نہیں سکتے کیوں ایسا کرنے والے والدین نے کبھی اپنی اندر ہوتی توڑ پھوڑ کو محسوس کیا ہے۔ نہیں کرتے ناں تب ہی تو توڑ دیتے ہیں۔ ایسے والدین اولاد کو ڈیکوریشن پیس سمجھتے ہیں جہاں دل چاہا اٹھا کر رکھ دیا علیہ خاتون! مگر میں اب ڈیکوریشن پیس نہیں بن سکتی۔"

وہ جیسے پھٹ کر کھڑی تھی۔ علیہ خاتون خوفزدہ ہو گئیں کیونکہ وہ شہباز کو بھی جانتی تھیں۔ وہ کوئی بھی سخت ایکشن لینے سے نہیں چوکیں گے۔

"خولہ...! تم جو کہہ رہی ہو وہ درست ہے لیکن سو فیصد درست نہیں۔ دیکھو بیٹی...! اب ماضی میں کیا ہوا، کس کا قصور تھا، یہ تو ہم نہیں جانتے۔ چلو ایسا کرتے ہیں ہم ایک سائیڈ یعنی تمہارے بابا کو تو کچھ نہ کچھ سمجھ ہی گئے ہیں ان کو ہم ٹوٹلی رانگ نہیں کہہ سکتے۔ اب ہمیں دوسری سائیڈ کو جاننے کے لئے تصویر کے پیچھے تو جھانکنا پڑے گا ناں، اور اس کے لئے ہمیں پاکستان جانا پڑے گا وہاں جا کر ہم تمہاری ماما سے ملیں گے۔"

"علیہ خاتون! ہاں ٹھیک ہے پاکستان جاؤں گی ضرور مگر میں اپنی ماما سے ہرگز نہیں ملوں گی۔"

بچپن کی تمام محرومیاں جو سینے میں جمع تھیں۔ اس نے بھیگے کناروں کو سختی سے رگڑا اور باہر نکل گئی۔ اسی وقت شہباز اندر آئے۔ انہوں نے پلٹ کر خولہ کو جاتے دیکھا۔

"علیہ خاتون! کیا کہہ رہی خولہ؟" ان کا انداز نامعلوم سا اندیشہ لئے ہوئے تھا۔ علیہ خاتون نے ان کی طرف دیکھا۔ بہت کچھ تھا ان کی خاموش گہری نظر میں جسے شہباز نہیں سمجھ سکے۔

"کیا کہہ رہی تھی معلوم نہیں شہباز صاحب! ابھی کبھی ہمیں لفظوں کی بازگشت اتنی دیر میں سنائی دیتی ہے کہ پلٹ کر دیکھنا بیکار ہوتا ہے کیونکہ نہ لفظ ہوتے ہیں نہ لفظ ادا کرنے والا، صرف گونج باقی ہوتی ہے۔ بہر حال وہ پاکستان جانے پر راضی ہو گئی ہے۔"

علیہ خاتون نے بمشکل اپنی رندھی آواز میں قابو پایا اور سامان پر ایک نظر ڈالی۔ سب کچھ تیار تھا، اس وقت ایئرپورٹ پر کھڑے شہباز کے دل میں عجیب سی کیفیت پیدا ہو رہی تھی۔ اک انجانا خوف تھا کہ کہیں خولہ ماں کو ڈھونڈ کر اس کے پاس نہ چلی جائے۔ ہر چند کہ انہوں نے علیہ خاتون کو بے شمار ہدایات کر دی تھیں کہ خولہ کو اس کی ماں کے سائے سے بھی دور رکھا جائے۔ تب اک بہت کرب ناک سی مسکراہٹ علیہ خاتون کے ہونٹوں پر پھیل گئی تھی۔ اس وقت عجیب گھبراہٹ بیٹی کی جدائی اور بہت سے واہمات تھے جو ان کو گھیرے ہوئے تھے۔

"خولہ! میری جان! میری بچی! تم میری عمر بھر کی جمع پونجی ہو، میرا مان ہو، تمہیں اندازہ نہیں تم مجھے کتنی عزیز ہو، میں مانتا ہوں کہ بسا اوقات میں زیادتی کر جاتا ہوں لیکن یہ بھی محبت کا ایک روپ ہے۔"

وہ اس کا سرد ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں میں لئے کپکپاتے لہجے میں بول رہے تھے۔ وہ خشک آنکھیں لئے

اپنے بابا کو دیکھ رہی تھی۔ اس آخری جملے پر ایک تلخ سلگتی مسکراہٹ آ گئی۔

"بابا۔۔۔! محبت کا کوئی خوبصورت روپ بھی ہے۔"

اس کے رندھے ہوئے لہجے میں ڈھلا یہ چھوٹا سا جملہ اس کی زندگی بھر کی محرومیوں کا ترجمان تھا۔ شہباز لاجواب ہو کر اسے دیکھے گئے۔ عطیہ خاتون سب کچھ سمجھ کر خولہ کا ہاتھ تھامے شہباز کو خدا حافظ کہہ کر لاؤنج میں چلی گئیں۔ جہاز نے ٹیک آف کیا تو شہباز کو اپنا دل ڈوبتا محسوس ہوا۔

"بھلا اس سے بڑھ کر محبت کا کون سا خوبصورت روپ ہو سکتا ہے بیٹا۔۔۔؟" انہوں نے آسمان کی وسعتوں پر پرواز کرتی بیٹی کے سوال کا جواب دیا اور لوٹ آئے۔

لاہور آئے ان لوگوں کو ایک ماہ ہو چلا تھا۔ خولہ کو پسند تو آیا تھا مگر دل کی بیقراری کو قرار نہیں تھا بوریت کا شکار تھی زندگی۔ اپنی بڑی خوبصورت سی کوٹھی میں دم گھٹتا اس کا۔

"بی بی۔۔۔! باہر کوئی صاحب آئے ہیں آپ سے ملنے کو کہتے ہیں۔" ملازم کے کہنے پر عطیہ خاتون گیٹ تک آ گئیں اور آنے والے کو اجنبی نظروں سے دیکھا۔

"محترمہ خاتون۔۔۔! میرا نام ظفر ہے۔" آنے والے نے اپنا تعارف کروایا۔

◆ ◆ ◆

"جی۔۔۔" یہ نام اور یہ چہرہ عطیہ خاتون کے لیے قطعی انجان تھا اور وہی اجنبیت ان کی آنکھوں اور لہجے میں تھی۔ وہ جی کہہ کر ان کا تعارف حاصل کرنا چاہ رہی تھیں اور ظفر یہ بات سمجھ چکے تھے۔

"بات یہ ہے محترم خاتون۔۔۔ کہ میں چھ ماہ قبل ہی کینیڈا سے پاکستان شفٹ ہوا ہوں اور آپ کے گھر کے عقب میں جو کوٹھی ہے اس میں اپنی فیملی کے ساتھ رہائش پذیر ہوں لیکن اب کینیڈا۔۔۔"

"ظفر صاحب۔۔۔! یوں گیٹ پر کھڑے ہو کر بات کرنا مناسب نہیں اس لیے آپ اندر تشریف لائیے بات کر لیتے ہیں۔" ظفر بہت سلجھے ہوئے اور محترم انسان ہیں یہ جان لینے میں عطیہ خاتون کو زیادہ دیر نہیں لگی۔ وہ ملازم کو ڈرائنگ روم کھولنے کا اشارہ کرتے آگے چل پڑیں۔

"جی۔۔۔! تو اب فرمائیے آپ کیا کہہ رہے تھے۔۔۔؟"

ملازم کو چائے لانے کا اشارہ کر کے خود ان سے مخاطب تھیں۔

"شکریہ محترمہ۔۔۔۔۔ ابھی تو میں کہہ رہا تھا کہ ہم بڑے سکون سے رہ رہے تھے مگر اچانک مالک مکان کو ضرورت پڑ گئی ہے، وہ اپنی کوٹھی بیچ رہا ہے اور خریدار خود آ کر رہنا چاہتے ہیں اس لیے ہمیں وہاں سے نکلنے کا حکم صادر کر دیا گیا ہے۔"

"ظفر صاحب۔۔۔! میں کچھ سمجھ نہیں پائی کہ آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں۔۔۔۔؟"

عطیہ خاتون واقعی الجھے لہجے میں بولیں تو ظفر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

"آپ سے ہم یہ چاہتے ہیں کہ اگر آپ مناسب سمجھیں تو کوٹھی کا ایک پورشن ہمیں کرائے پر دے دیجیے بس آدھ سال کے لیے، اس دوران ہم اپنا گھر تیار کر لیں گے میری ایک بیٹی زوہا ہے اور ایک بیٹا نعمان اور بیگم محسن جاہ ہے آپ کو کسی سلسلے میں کوئی شکایت نہیں ہو گی۔"

آفر کافی مختلف تھی۔ انہوں نے تو ایسا سوچا بھی نہیں تھا کہ کوٹھی کرائے پر دیں گے لیکن ظفر صاحب انہیں معقول انسان لگے تھے اور مشکل میں تھے مگر جب ان کے پاس مکانہ حقوق ہی نہیں تھے پھر وہ کوئی فیصلہ کیونکر کر سکتی تھیں۔

"محترم خاتون! آپ فکر مند نہ ہوں اگر آپ دینا نہیں چاہتیں تو زبردستی نہیں۔ وہ دراصل میری بیٹی اور بیگم کو آپ لوگ بہت اچھے لگے۔ جب آپ لوگ شفٹ ہوئے تو ہم نے دوستی کا ہاتھ بڑھانا چاہا مگر آپ کی بیٹی نے ہمارے ملازم کو ڈانٹ دیا تب ہم خاموش ہو گئے، جیسے آپ کی مرضی۔"

ظفر دکھوں کے وسیع صحرا سے گذر کر آئے تھے اور خاموشیوں کی زبان کو بہت اچھے طریقے سے سمجھتے تھے اس لیے عطیہ خاتون کی خاموشی کو سمجھتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے تو عطیہ خاتون چونک سی گئیں۔ کوٹھی بہت بڑی تھی اور ان دونوں کے زیر استعمال فقط ایک چھوٹا سا پورشن تھا اور اگر ظفر صاحب اور ان کی فیملی کو ایک پورشن دے دیا جاتا تو سناٹوں میں کمی ہو سکتی تھی مگر وہ مختار کب تھیں کہ کوئی فیصلہ کرتیں۔ ہاں شہباز سے بات تو کی جا سکتی تھی تب ہی انہوں نے ظفر کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"ارے ظفر صاحب! آپ تشریف رکھیے، آپ ہمارے مہمان بھی ہیں اور پڑوسی بھی، کم از کم چائے پیجیے۔ دراصل میں شہباز کی بیٹی خولہ کی گارجین ہوں اس لیے میں خود سے تو کوئی بات نہیں کر سکتی مگر یہ ضرور ہے کہ جیسے ہی شہباز صاحب کا فون آتا ہے میں ان سے بات کر کے آپ کو بتا سکتی ہوں۔ آپ اپنا نمبر دے سکتے ہیں؟"

"اوہ! تو وہ آپ کی بیٹی نہیں، شہباز صاحب کی بیٹی ہیں؟ آپ میرا کارڈ رکھیے جب بھی بات ہو مجھے مطلع کر دیجیے گا۔" ظفر نے اپنا وزیٹنگ کارڈ نکال کر عطیہ خاتون کی طرف بڑھایا۔

"جی ضرور! ویسے ظفر صاحب! آپ بھی بیگم اور بچوں کو لے کر آئیے گا، خولہ بھی پاکستان آئی ہے ناں تو ذرا جنبیت اور تنہائی فیل کر رہی ہے [illegible] آپ کی بیٹی کی بہت اور [illegible] داری سے بہت متاثر ہوئے ورنہ مدرم رے جو خولہ کے غصے کا [illegible] ظفر ہنس دیے۔

"جی ضرور اور آپ بھی آئیے گا۔" ظفر کپ رکھ کر کھڑے ہو گئے۔

"انشاء اللہ!" عطیہ خاتون ان کو رخصت کر کے اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھیں کہ خولہ سے ٹکرا گئیں جو غصے سے بھری ہوئی تھی، اسے تخت جے ہو رہی تھی ممّا، پپا، عطیہ خاتون سے، خود سے، پاکستان سے اور اپنے آپ سے، اس خوبصورت کوٹھی سے جو اس کے بابا نے صرف اس کے لیے بڑے چاؤ اور محبت سے سرشار ہو کر بنوائی اور گیٹ پر سنہری حروف میں اس کا نام کندہ کروایا تھا جس کو دیکھ کر خولہ کو شدید غصہ آ گیا تھا تب اس نے تلخ لہجے میں عطیہ خاتون سے کہا تھا۔

"یہ محبت کے قاتل، محبت کا مقبرہ بڑا خوبصورت بناتے ہیں، ہے نا عطیہ خاتون؟" اس کے لہجے میں اُمڈتے طوفان کی تباہ کاریاں اس کی آنکھوں سے جھانک رہی تھیں۔ لہجہ اتنا تلخ کہ عطیہ خاتون اس کی کڑواہٹ محسوس کرتی رہیں، اور اس وقت بھی وہ عطیہ خاتون کے سامنے آن کھڑی ہوئی جو اس سے بچ کر گزر جانا چاہتی تھیں۔

"ایک بات تو بتائیں عطیہ خاتون! میں اس دنیا میں اپنی مرضی سے آئی ہوں؟ یا آ کر میں نے کسی کے حق پر ڈاکہ ڈالا ہے؟ یا دنیا میں آ کر مجھ سے ایسا جرم سرزد ہو گیا ہے کہ اس کی سزا لمحہ لمحہ مجھے ملنی چاہیے؟ بتائیے عطیہ خاتون! کیوں، کیوں؟" تھما ہوا طوفان بند توڑ چکا تھا، وحشت زدہ سی وہ

[illegible] ہوا اس کے وجود کو تر کر رہا تھا، اسے جھٹکے لگ رہے تھے، اس کے طنز کے تیروں نے عطیہ خاتون کے دل کو یوں زخم کر دیے تھے، اس کے لہجے اور آنکھوں سے شعلے برس رہے تھے۔ عطیہ خاتون کو اپنا وجود جھلستا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"کم آن بے بی! یہ تمہیں کیا ہو رہا ہے؟"

ان کو اس سے محبت بھی بہت تھی۔ وہ اسے دکھی نہیں دیکھ سکتی تھی۔

"خولہ... !مائی ڈیر بے بی! بتاؤ کیا بات ہے؟ کیوں اتنی پریشان ہو؟ اب کوئی نئی بات ہو گئی ہے؟" انہوں نے اس کے خوبصورت بالوں میں انگلیاں پھیرنا شروع کر دیں تو وہ جھٹکے سے کھڑی ہو گئی وہ دکھ اور حیرت سے اسے دیکھنے لگیں۔

"عطیہ خاتون! میں نے آپ کا اور بابا کا آخر کیا بگاڑا ہے؟ آپ کیوں مجھے سکون سے جینے نہیں دیتے؟" وہ جھٹکے سے بیٹھ کر دھاڑی۔

"میں کچھ نہیں بیٹا [illegible] یوں تو وہ اس کے دل پر گزرنے والی ہر کیفیت کو سمجھ ہی جایا کرتی تھیں مگر اس وقت وہ کچھ جان نہیں پا رہی تھیں۔

"کیوں آئے تھے یہ شخص؟" عطیہ خاتون ٹھٹک گئیں اور ساری بات بتا دی۔

"امپاسبل! آپ ان لوگوں کو ہرگز کرائے پر پورشن نہیں دیں گی، سمجھیں آپ! کیوں آپ لوگ میرا سکون بھی مجھ سے چھین لینا چاہتے ہیں تنہائی، عطیہ خاتون! یہ تنہائی مجھے بہت پیاری ہے یہ وہ سکتی ہے [illegible] وقت اپنے دل کی باتیں کرتی ہوں مگر مجھے اس نے کبھی یہ نہیں کہا کہ یہ بڑی بات ہے [illegible] وہ نہ کہو، لوگ کیا کہیں گے، یہ میری دوست ہے، میری ہر بات سنتی ہے اور اپنے ساتھ لگا کر پیار بھی کرتی ہے اس لیے سوری...! میں اپنی تنہائی کسی کے ساتھ شیئر نہیں کر سکتی، سمجھ گئیں آپ؟"

وہ ایک ایک لفظ چبا چبا کر بولی، ہر ایک ایک لفظ اس کی محرومیوں کی اُداس، ویران تصویر بناتا چلا گیا، اتنی واضح کہ اجنبی بندہ بھی اس کی کہانی جان جاتا کہ وقت اور حالات نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے، رشتوں پر سے اس کا اعتبار اُٹھ گیا کیوں تھا۔ ماں نے اسے چھوڑ کر باپ کے سپرد کیوں کیا، باپ نے اسے اپنا کر، اس کی روح کو مار کر، اس کی ماں کی بے وفائی میں منہ چھپا لیا اور ہارون جس نے اس کے گھر اپنے قدم کو رنگین بنانے کے لیے اس کی زندگی کے پھیکے خاکے میں اپنی پسند کے رنگ بھر لیے، سجوائے کیا اور جب اس نے ان رنگوں کو اپنانا چاہا تو اس نے بے وفائی کے چھینٹوں سے سارا کینوس اُجاڑ کر رکھ دیا، رہ گئیں عطیہ خاتون تو وہ اپنی خادمانہ محبت میں ہر وقت اسے سمیٹ لینے کو تیار رہتیں مگر اسے کہاں تسکین مل سکتی تھی، کسی نے کب اس کا خیال کیا تھا، اس کی خوشی کے ننھے منے جگنو راستے بھول گئے تھے، اس کی خواہشوں کے دیے بجھ چکے تھے اور اب تو اس کے اندر اس قدر اندھیرا اور سناٹا تھا کہ نہ اسے روشنی کی طلب تھی نہ کسی آہٹ کو، اپنی سماعتوں کے بند کواڑ کھولنے کی اجازت دے سکتی تھی اس لیے وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی تنہائی کو کوئی مرتعش کرے۔

"مگر کیوں بیٹا! اتنا بڑا گھر ہے، اچھا ہے وہ آ جائیں گے تو ہم بھی بے فکر ہو جائیں گے ورنہ اکیلے ذرا

خوف سا محسوس ہوتا ہے۔"

"خوف......؟" وہ طنزیہ لہجے میں بولتی ان کی طرف مڑی۔

"کیوں عطیہ خاتون......! یہ تو ہمارا اپنا ملک پاکستان ہے، ہم یہاں بہت محفوظ ہیں، یہاں آپ کو کیوں آنے لگا کہ آپ کو کسی دوسرے سہارے کی ضرورت پڑ گئی......؟"

اس کا لہجہ زہر میں بجھا ہوا تھا، نتھنے غصے سے پھول رہے تھے، ہونٹ سکڑے ہوئے تھے۔

"کبھی کبھی سہارا ہماری کوئی مجبوری نہیں ہوتا بیٹا......! کبھی کبھی از رہِ ہمدردی ہمیں دوسروں کا سہارا بننا پڑتا ہے۔ ظفر صاحب بہت مجبور ہیں، کینیڈا سے شفٹ ہوئے ہیں، ان کی بیگم بیمار ہیں، اور وہ چاہتے ہیں..."

"تو گھر آتے سہارے سے بیکار ہوتے ہیں عطیہ خاتون......! میں نے کہہ دیا کہ اس گھر میں ہمارے سوا کوئی نہیں رہ سکتا۔"

چڑھا ہوا سمندر اترنے لگا تھا، چہرے کی سختی کم ہونے لگی تھی، ہاتھ پیر ڈھیلے چھوڑ کر خود صوفے پر جا بیٹھی۔ عطیہ خاتون اس کا ہاتھ پکڑ کر سہلاتی رہیں۔ انہوں نے اسے اپنے ہاتھوں پالا تھا، صرف جنم ہی نہیں دیا ورنہ تو ان کی ممتا کے خزانے پر خولہ کا بلا شرکت غیرے قبضہ تھا۔ وہ اسے جان سے بھی زیادہ پیاری تھی، اس کی نفسیات کو اچھی طرح جانتی تھیں۔

"عطیہ خاتون......! آپ کو معلوم ہے کہ میری مما کیسی تھیں، اچھی کہ بری......؟"

خولہ کے اندر طوفان موجزن ہونے لگا تھا پھر سے رشتوں نے روپ بدل بدل کر دکھایا، کہ وہ خود کو کھوتا سمجھنے لگی تھی، کہنے کو وہ بابا کی خوشیوں کا محور تھی مگر... اور... اندر۔ وہ اپنی سوچوں میں اُلجھی ایسے ہی بے تکے سوال کرنے... کی کوشش کرتیں۔

"نہیں جان......! میں آپ کی مما کے بارے میں کچھ نہیں جانتی اور نہ ہی دیکھا ہے مگر اتنا مجھے یقین ہے کہ وہ بہت بہت اچھی خاتون ہوں گی۔"

ہمیشہ کی طرح عطیہ خاتون نے سادہ سا جواب دیا تو خولہ اس کو بغور دیکھتی ہوئی بیٹھ گئی۔

"عطیہ خاتون......! میری مما بھی بہت اچھی خاتون ہوں گی اور بقول آپ کے مجھے بے پناہ چاہتی ہوں گی اور اپنے بابا کی محبت کا ڈرامہ تو میں بچپن سے دیکھ رہی ہوں مگر...... مگر عطیہ خاتون......! ان دونوں کی محبتوں کے خزانوں میں کیا میرے نام کا ایک سکہ بھی نہیں جس پر صرف میرا نام درج ہو......؟ جس سے میں اپنی زندگی کی خوشیاں خرید سکوں......؟ کتنی کنگال ہوں ناں میں، ان دونوں کی زندگی میں ایک لمحہ بھی میرے نام کا نہیں، انہوں نے صرف اور صرف میرے لیے جیا ہو، انہوں نے جی تو اپنی محبت کی، انہوں نے کی تو اپنی نفرت، میں بیٹی تو کہیں ہے ہی نہیں ان کی زندگی میں۔"

ایک ایک کر کے سارے ہی زخم ادھڑ گئے تھے، درد جاگ اٹھا تھا، وہ پھر رونے لگی تھی، ویران اور بے رنگ زندگی تھی، اب ان باتوں کا عطیہ خاتون کے پاس بھی کوئی جواب نہیں ہوتا، وہ چپ چاپ اپنی محبتوں کا پھاہا اس کے زخموں پر رکھتی چلی جاتیں تو ایسے میں خولہ کو دنیا میں صرف وہی اچھی لگتیں، انہی سے پیار محسوس

ہوتا۔

"عطیہ خاتون......! کیا ہی اچھا ہوتا کہ آپ میری سگی مما ہوتیں، بابا نے آپ سے شادی کیوں نہیں کی......؟ اگر ایسا ہوتا تو کتنا اچھا ہوتا عطیہ خاتون......! آپ میری اپنی سگی مما ہوتیں۔ آپ کے تمام وقت پر، تمام جذبوں پر صرف میرا حق ہوتا۔ آپ اب بھی تو کتنی ینگ اور حسین ہیں، اب بھی تو بابا آپ سے شادی کر سکتے ہیں ناں......! ہیں عطیہ خاتون...... پلیز......!"

بولتے بولتے خولہ کے لفظوں اور سوچ کا رخ ایک عطیہ خاتون کی طرف مڑ گیا۔ وہ ان کے مقابل بیٹھ کر غور سے ان کو دیکھنے لگی جو پینتالیس سال کی عمر میں بھی حسین عورت تھیں۔ دین سے محبت اور لگاؤ نے ان کو تقدس بخش دیا تھا۔ آج یوں اچانک خولہ نے دردِ دل پر دستک دی تو وہ چونک پڑیں۔ اس بستی کو اجڑے ہوئے ایک زمانہ بیت گیا تھا، دل، احساس، دھڑکن، خواب، خواہش محض الفاظ تھے ان کے لیے، بے معنی رکھنے کے باوجود...... انہوں نے لرزتی پلکیں اٹھا کر اس پیاری لڑکی کو دیکھا جس کو انہوں نے شہباز کی نہیں، اپنی اولاد سمجھ کر پالا تھا۔ آج اس نے ماضی کی ورق گردانی شروع کر دی تو وہ پریشان ہو کر اٹھ گئیں۔

"واٹ ربش خولہ......! یہ خیال تمہارے ذہن میں آیا بھی کیسے......؟ آئندہ سوچنا بھی مت۔"

نجانے کس راز کی پردہ پوشی کے لیے وہ سامنے دیکھنے لگیں ورنہ ان کو اس کی ذہانت سے خدشہ تھا کہ وہ ان سے ساری کہانی سمجھ سکتی تھی۔

"کیوں......؟ کیا بابا اچھے آدمی نہیں......؟" خولہ کو خود کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ اتنی بے تکی باتیں کیوں...... عطیہ خاتون نے...... دیکھا اور کھڑکی میں جا کھڑی ہوئیں۔

"...... بہت اچھے ہیں مگر......"

وہ بات ادھوری چھوڑ کر آگے بڑھ گئیں اور خولہ...... سمجھتے ہوئے اپنے کمرے میں آ گئی۔

شہباز نے روتی بلکتی ہوئی خولہ عطیہ خاتون کی گود میں ڈال کر کہا تھا۔

"عطیہ خاتون...... میں لیلیٰ آپ کی گود میں ڈال رہا ہوں مگر مجھے عطیہ خاتون چاہیے۔" کتنا اچھا لگا تھا شہباز کے ہونٹوں پر یہ جملہ "مجھے عطیہ خاتون چاہیے۔" وہ اس جملے کے معنی اور مطلب اچھی طرح جانتی تھیں اور انہوں نے سرتوڑ کوشش بھی کی کہ وہ خولہ کے اندر پیدا ہوتی، اور اس کے ساتھ پروان چڑھتی خودسری، محرومی اور نفرت کو ختم کر سکیں۔ وہ شہباز اور خولہ کے بیچ پس کر رہ گئی تھیں۔ ان کو بہت سی باتوں سے شہباز سے اختلاف ہوتا تھا، وہ اعتدال پسند تھیں جبکہ شہباز شدت پسند، محبت ہو یا نفرت، شدت پسندی نے ان کی، لیلیٰ کی اور خولہ کی زندگی تباہ کر دی تھی۔

"اوہ......! کتنی دیر سے فون کی بیل ہو رہی ہے۔" وہ جو بہت پیچھے چلی گئی تھیں ایک دم بیل کی آواز پر چونک کر اٹھیں۔ دوسری طرف شہباز ہی تھے، روز فون کرنا ان کا معمول تھا۔

"خیریت عطیہ خاتون......! آپ لوگ سو گئے تھے کیا......؟"

"جی نہیں تو...... بس......" اب عطیہ خاتون کیا بتاتیں کہ وہ کہاں تھیں۔

"اچھا خیر......! کہاں ہے خولہ......؟ وہ ٹھیک تو ہے ناں......؟ آپ کو تنگ تو نہیں کر رہی......؟ کیا آپ

سیٹ ہی رہتی ہے۔"

"ہونہہ..... کیا خوب ادا ہے کہ مارے بھی اور تڑپنے بھی نہ دے..... خیر اسے چھوڑیے آج ایک ظفر صاحب آئے تھے۔" اور عطیہ خاتون نے ساری بات بتادی۔

"ضرور ضرور عطیہ خاتون ! مجھے آپ پر اعتماد ہے اگر آپ کو وہ لوگ اچھے لگے ہیں تو یقیناً ..... آپ ان کو ضرور رکھ لیجیے، ایک تو آپ لوگوں کی تنہائی دور ہو جائے گی دوسرا ان کی ضرورت بھی پوری ہو گی۔" شہباز نے جھٹ اجازت دے دی۔

"مگر خورہ کو یہ بات پسند نہیں کہ کوئی ہماری تنہائی میں مخل ہو۔"

"عطیہ خاتون ! آپ وہ کیجیے جس کو آپ مناسب سمجھتی ہیں، وہ بچی ہے، آپ ظفر صاحب سے بات کر دیکھیے اور رکھ لیجیے، میں خورہ کی پسند کا پابند نہیں۔"

"پابند تو آپ صرف اپنی پسند کے ہیں شہباز صاحب ! کوئی کیا چاہتا ہے ؟ آپ کو کبھی اس بات سے غرض ہی کب رہی ہے۔"

اک کلک عطیہ خاتون کے دل میں اٹھی اور ریسیور رکھ کر واش روم چلی گئیں۔ نماز کے بعد وہ سٹوڈیو میں آگئیں تو دکھ اور حیرت زدہ چہرے کے ساتھ وہ خورہ کو دیکھنے لگیں جو ایزل پر کینوس سجائے جو بنا رہی تھی وہ ذہنی کشمکش اور ابنارمل اور بغاوت کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ وہ ایک بیہودہ سی تصویر بنا کر اس میں رنگ بھر رہی تھی۔ عطیہ خاتون غصے سے آگے بڑھیں۔ یہ تصویر ان کی تربیت کے منہ پر طمانچہ تھی۔ انہوں نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ سختی سے پکڑ لیا۔

"وٹ آر یو ڈوئنگ خورہ ! واٹ از دس ؟"

عطیہ خاتون کو تصویر سے گھن آ رہی تھی۔ زندگی میں پہلی بار ان کو خولہ پر شدید غصہ آیا تھا۔ وہ بے حد چڑ گئی تھیں۔

"دس از آرٹ عطیہ خاتون ! آرٹ !" خورہ انتہائی بدتمیزی سے چیخی، برش سے بے خوبصورت بالوں کو پیچھے کیا۔

"دس از ناٹ آرٹ ! دس از نیوڈ آرٹ ! انڈر اسٹینڈ ؟ اور میں تمہیں یہ کام کرنے نہیں دوں گی سمجھیں۔"

عطیہ خاتون کے اندر جیسے شعلے بھڑک اٹھے تھے۔ انہوں نے تصویر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے تو خولہ کی آنکھوں میں جیسے خون اتر آیا۔

"عطیہ خاتون ! اپنی اوقات میں رہیے۔"

● ● ●

"مما .....! دیکھیے میں آپ کے لیے خود اپنے ہاتھوں سے ملک شیک بنا کر لائی ہوں۔"

"ہوں .....! تو اس کا مطلب ہے بیٹا ..... اگر ہم کو جو کھانا ملتا ہے وہ کسی اور کے ہاتھوں کا ہوتا ہے۔" زوہا مما کے لیے ملک شیک لے کر آئی تو ظفر بیٹی کو چھیڑنے لگے۔

"آپ جیلس کیوں ہوتے ہیں ماں بیٹی کے پیار سے ؟"

"ہمیں بھی اگر ایک گلاس مل جاتا تو شاید ہمارے حسد کی آگ قدرے ٹھنڈی پڑ جاتی۔"

"آپ کو اورنج جوس پسند ہے پاپا ..... ! یہ لیجیے۔"

زوہا نے اورنج جوس کا گلاس پاپا کی طرف بڑھایا تو وہ کچھ کھسیانے ہو کر کان کھجانے لگے۔

"مما جان ! ملک شیک کیسا بنا ہے ؟ اور پاپا ! اورنج جوس پرفیکٹ بنا ناں ؟ یہ زوہا کا تمہارا اینگلو شیک" نعمان ہاتھ میں دو گلاس لیے اندر آ کر ماں اور باپ سے پوچھنے لگا تو دونوں نے زوہا کو دیکھا وہ شرارت سے مسکرا رہی تھی۔

"اوہ ! تو زوہا بیٹا ! یہ ہیں تمہارے اپنے ہاتھ ؟ تب ہی میں کہوں کہ تم نے ملک شیک بنایا ہے ؟ تمہیں تو وہم ہی اتنے آتے ہیں کہ ہاتھ دھو دھو کر گھس دیتی ہو۔"

"تو کیا ہوا پاپا ! بھائی کے اور میرے ہاتھوں میں کوئی فرق ہے ؟" وہ بھائی کے شانے سے جھول گئی۔

"ہاں ! بہت فرق ہے ! کہاں یک چڑیل کے ہاتھ کہاں ایک خوبرو، سمارٹ نوجوان کے ہاتھ۔" نعمان نے اس کے بڑھتے ہوئے ناخنوں کی طرف اشارہ کیا تو اس سے پہلے کہ زوہا کے تیز ناخن نعمان کے چہرے پر نشان چھوڑتے ملازم نے باہر کسی کے آنے کی اطلاع دے کر نعمان پر ممکنہ حملے کو روک دیا۔

"..... میں معذرت چاہتا ہوں ظفر ..... مگر وہ لوگ بھی بہت مجبور ہیں، ان کو یہ گھر بہت جلدی چاہیے ..... وہ ان ہی دنوں شادی کرنا چاہ رہے ہیں تو اسی گھر میں آ کر کرنا چاہتے ہیں تو میں اسی سلسلے میں حاضر ہوا تھا کہ آپ جلدی کوئی بندوبست کر لیں تو بہتر ہو گا۔ دراصل میں رقم لے چکا ہوں اور اب مکان ان کو خالی کروا کر صاف کروا کر دینا بھی میری ذمہ داری ہے۔"

"صابر صاحب ! آپ درست کہہ رہے ہیں۔ بات یہ ہے کہ میں بھی بہت جگہ کہہ چکا ہوں لیکن ابھی تک کوئی مناسب انتظام ہو نہیں سکا۔ آپ سے زیادہ میں پریشان ہوں، میری وائف بیمار بھی ہیں اور اس سچویشن نے ان کو ذہنی کوفت میں مبتلا کر رکھا ہے۔" ظفر کے لہجے میں پریشانی بھی تھی اور کوفت بھی۔

"معذرت چاہتا ہوں ظفر صاحب ! مجھے پورا احساس ہے آپ کی مجبوری کا، میں زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتا ہوں کہ آپ میرے گھر میں میرے ساتھ شیئر کر لیجیے۔" خود صابر صاحب بھی نادم تھے۔

"نہیں صابر صاحب ! یہ بات قطعی مناسب نہیں، آپ کی اپنی فیملی ماشاء اللہ بڑی ہے یوں بھی آپ ایسا کیجیے اگر کوئی اور بندوبست ہو سکے تو۔"

"ویسے ظفر صاحب ! آپ کی بیک سائیڈ پر جو خولہ کا گھر ہے، سنا ہے دونوں ماں بیٹی اکیلی رہتی ہیں، چلیے ہم دونوں مل کر ان سے بات کرتے ہیں۔" صابر صاحب اپنے طور پر بڑے خوش ہو گئے۔

"نہیں صابر صاحب ..... ! میں آپ کے کہنے سے پہلے ہی وہاں گیا تھا مگر وہ خاتون اس لڑکی کی گارجین ہیں، ماں نہیں، دوسرا اس کوٹھی کے اونر شہباز صاحب لندن میں ہوتے ہیں۔ کہہ رہی تھیں کہ ان سے بات کر کے بتائیں گی، فون کرنے کا بھی کہہ رہی تھیں، بہرحال تو نہیں کیا فون انہوں نے بہرحال آپ فکر نہ کریں میں ہفتہ بھر

میں یہ گھر خالی کر دوں گا۔"

"میں واقعی بہت نادم ہوں ظفر صاحب! کہ آپ جیسے اچھے اور شریف لوگوں کو تنگ... ورنہ..."

"ارے صابر صاحب... میں سمجھتا ہوں، اگر ہم ایک دوسرے کی مجبوریاں نہیں سمجھیں گے، تو مزید مشکل ہو جائے گی جو کہ میں نہیں چاہتا۔ میں تو خود شرمندہ ہوں کہ اپنی نااہلی کی وجہ سے صرف خود کو بلکہ لوگوں کو بھی مشکل میں ڈال دیا ہے۔" ظفر صاحب واقعی شرمندہ تھے کیونکہ وہ آصفہ کی بیماری کی وجہ سے گھبرا کے کہ بغیر کسی بندوبست کے پاکستان شفٹ کر گئے تھے، وراب ان کو بہت مسئلہ ہو رہا تھا۔

"اچھا! پھر اجازت دیں ظفر صاحب! معذرت کے ساتھ۔"

صابر صاحب چلے گئے تو ظفر متفکر چہرہ لیے اندر آ گئے۔

● ● ●

عطیہ خاتون کل سے بالکل خاموش تھیں۔ انہوں نے خود سے نہ تو اس کے پچھلے رویے پر بازپرس کی تھی نہ خفگی کا اظہار کیا تھا، بس کسی اُداس ویران شام کی طرح چپ تھیں۔

"عطیہ خاتون! اپنی اوقات میں رہیے" ایک چھوٹا سا جملہ تھا کہ بم، جو ان کے اندر پھٹ کر جذبے، ہر احساس کو مٹا گیا تھا۔ ان کو یوں محسوس ہو رہا تھا کہ اب اندر اک جینے کی جو ذرا سی آرزو تھی وہ بھی مر گئی ہو۔ انہوں نے خولہ کی صورت میں زندگی کا دوبارہ ارادہ کیا تھا، اس کی معصوم محبت میں اپنی محبت کو چھپا کے وہ نئے انداز میں جینے لگی تھیں۔ یوں سا کت حیات رواں ہو گئی تھی مگر خولہ نے ان کو آئینہ دکھا دیا تھا۔ ان سے محبت کے سارے حقوق چھین لیے تھے۔ ہر چند... ارادتاً یہ جملہ نہیں کہا ہے مگر اندر کچھ ٹوٹ سا گیا تھا اور ٹوٹے ہوئے آئینے میں عکس بدنما ہی نظر آتا ہے۔ وہ اپنا عکس بھی دیکھنا نہیں چاہتی تھیں۔

نماز کے بعد وہ اپنے وظائف میں مصروف تھیں، آنسو بے آواز چپکے سے دل پر گر رہے تھے مگر خولہ کو کسی پل قرار نہیں تھا، ایک جملہ زبان سے پھسل کر اسے بے وقعت کر گیا تھا۔ ایک تو وہ اپنی حرکت پر بھی شرمندہ تھی لیکن اس وقت ذاتی طور پر اتنی اپ سیٹ تھی کہ اس کے ذہن میں جو شیطانی خیال آیا اس نے عجیب رنگوں کی صورت ظاہر کر دیا۔ شیطانی خاکے میں رنگ بھرے تو خود عطیہ خاتون کی نظروں سے گر گئی۔ انہوں نے ٹوکا تو وہ بدتمیزی کر گئی اور اب اسے اپنی حرکت پر ندامت اور عطیہ خاتون سے بدتمیزی پر اس قدر ٹینشن ہو رہی تھی کہ اس کا دماغ گھومنے لگا تھا، چاروں طرف آندھیاں چلنے لگیں، دائرے بننے لگے اور وہ مرکز سے بچھڑ گئی، طوفاں بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا۔

"آپ اوقات میں رہیے۔"

"نیوڈ آرٹ! اس کا مطلب ہے میں... میں بھی بری لڑکی ہوں کہ اس طرح کی تصویر بنائی، شیطانی خیال کو پینٹ کیا، یہ میں نے کیا کیوں؟"

خولہ کے دماغ میں اٹھتے طوفان میں گلدان اس کے ہاتھ میں آ گیا اور اس نے اپنی ڈریسنگ ٹیبل پر

مار دے مارا، اسے اپنی صورت سے نفرت ہو رہی تھی۔

"مجھے اپنے آپ سے نفرت ہو رہی ہے۔" اس نے ٹوٹا ہوا شیشے کا ٹکڑا پکڑ لیا جو اس کے نرم نازک ہاتھ کو بری طرح زخمی کر گیا۔ عطیہ خاتون اور خولہ کے کمرے کے درمیان فاصلہ کافی تھا کہ آواز سنائی نہیں دی مگر عطیہ خاتون کے اندر کچھ ہوا تھا کیونکہ وہ محسوس کر چکی تھیں کہ خولہ کو اپنی غلطی کا احساس بھی ہے اور وہ بار بار معافی کی ان سے دائیں بائیں منڈلائی بھی تھی، کبھی کھنکار کر، کبھی بغیر آہٹ کے مگر پھر بھی جانے کس شرم، کس رکاوٹ نے روک رکھا۔ ایک تو اپنی حرکت پر ندامت، دوسرا عطیہ خاتون سے گستاخی، یہ سب باتیں آندھیاں بن گئیں تو وہ لہولہان ہو گئی۔ پھر کیسے ممکن تھا کہ جنم نہ دے کر بھی ممتا کی گود کی گرمی دے کر پالنے والی ماں بے خبر رہتی، زخم اس کے ہاتھ میں آیا، تڑپ ان کے دل میں اٹھی تھی۔ وہ بھاگیں تو سامنے کے منظر نے ان کی جان نکال دی۔

"خولہ...! خولہ میری بچی! میری لاڈلی...... یہ کیا کیا تم نے؟"

خولہ نے اپنی کلائی کاٹ ڈالی تھی اور اب بے تحاشا خون بہہ رہا تھا۔ وہ تو اس کی آنکھ نم نہیں دیکھ سکتی تھیں، اس کا خون کیسے برداشت کرتیں، بری طرح حواس باختہ ہو گئیں۔

"آ... آ... آئی ایم سوری، اماں عطیہ خاتون... سوری!"

عطیہ خاتون کی گود میں سر رکھ کر اس نے ایک بار کہا اور بے ہوش ہو گئی تو ان کی جان پر بن آئی، دل بری طرح دھڑک اٹھا کسی خوف ناک اندیشے سے۔

"خولہ... میری جان... ہوش میں آؤ بیٹا... دیکھو میں تم سے خفا نہیں ہوں، بالکل بھی نہیں ہوں اور سوچو بھلا کبھی مائیں بھی بچوں سے ناراض ہوا کرتی ہیں؟ میں... خولہ... یا اللہ! مدد فرما، میں عورت کیا کروں؟" عطیہ خاتون کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے، خولہ کا خون، اس کی بے ہوشی نے ان کو پاگل سا کر دیا، ان کی کچھ سمجھ میں نہ آیا تو سامنے پڑے ظفر کے کارڈ پر ان کا فون نمبر دیکھ کر ان کو بلا لیا۔ ظفر اور نعمان بھاگے آئے، ان کی مدد سے فوری طور پر عطیہ خاتون خولہ کو ہاسپٹل لے گئیں۔

"بہن جی! آپ پریشان نہ ہوں، ایسی کوئی بات نہیں، ڈاکٹر سے میری بات ہوئی ہے وہ اب ٹھیک ہے۔"

ظفر مسلسل ان کو دلاسہ دے رہے تھے۔

"آنٹی...... یہ میڈیسن وغیرہ ہیں۔"

نعمان نے میڈیسن اور پرچی عطیہ خاتون کی طرف بڑھائی تو وہ نادم ہو کر اسے دیکھنے لگیں۔ وہ اپنی پریشانی میں سب بھولے ہوئے تھیں، سارے ڈیوز ظفر اور ان کے بیٹے نے ادا کر دیے، وراب وہ میڈیسن لے آیا تھا۔

"سوری بیٹا! میں اپنی پریشانی میں یہ سب تو بھول ہی گئی تھی۔"

انہوں نے شرمندہ نظر اس پر ڈالتے ہوئے بیگ سے پیسے نکالے مگر ظفر نے منع کر دیا۔

"کمال کرتی ہیں بہن آپ! بیٹیاں سانجھی ہوتی ہیں، وقت اور حالات نے گو کہ بہت بے حسی بھر دی

ہے، نقصان میں مگر اب ویسا بھی کیا۔"

"ظفر بھائی! میں تو اس بات پر بھی نادم ہوں کہ بنا سوچے سمجھے آپ کو بلا لیا۔ مجھے کیسے آپ کو فون کر دیا پریشانی گھبراہٹ میں؟"

عطیہ خاتون واقعی اس بات پر حیران تھیں کہ انہوں نے ظفر ہی کو کیوں بلایا جبکہ اور بھی شہر دوست اور رشتے دار بھی تھے مگر انہوں نے ظفر ہی کو فون کیا۔

"اٹس ویری سمپل بہن صاحبہ! کہ مشکل میں اللہ کے بعد بہن بھائی ہی کو یاد کرتی ہے اور آپ نے یہ عزت ابھی بھی دی ہے بھائی کہہ کر۔"

"بہت شکریہ بھائی!" عطیہ خاتون نے ممنون سی نظر ان پر ڈالی اور خولہ کو دیکھنے لگیں جو ... سے سو رہی تھی۔ وہ پیار سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتی رہیں، اس وقت ان کو اس پر بہت ترس آ رہا تھا۔ ماں کو ترسی ہوا ... سے خائف یہ لڑکی ٹوٹ سی گئی تھی۔

"بھائی صاحب! آپ لوگ جائیں میں ہوں اس کے پاس۔ بلاوجہ آپ لوگ بھی پریشان ہیں۔" عطیہ خاتون شرمندہ ہو رہی تھیں۔ وہ خولہ کے پاس آ بیٹھی تھیں، وہ دونوں باپ بیٹا کھڑے تھے۔ ایک با اخلاق وضع دار خاتون کو گوارہ کب تھی۔

"آنٹی! میں نے ڈاکٹر سے بات کی تھی وہ کہہ رہے ہیں کہ کوئی خاص چوٹ نہیں آپ ان کو گھر لے جا سکتی ہیں۔"

"اچھا! ذرا ہوش میں آ جائے تو چلتے ہیں" خولہ کسمسا رہی تھی۔ وہ روتے ہوئے کچھ بڑبڑا بھی رہی تھی۔ ظفر اور نعمان نے ایک دوسرے کو دیکھا اور ... آ گئے۔

"سوری! سوری! عطیہ خاتون! سوری آنٹی!"

خولہ کے ہونٹ کانپ رہے تھے، چہرہ آنسوؤں سے تر ہو گیا تھا۔ عطیہ خاتون ... لگیں۔

"خولہ! میری جان! میں تم سے خفا کب ہوں؟ کس بات کی سوری؟ میری جان میری گڑیا!" وہ جھکیں تو خولہ جھٹکے سے اٹھی اور ان سے لپٹ گئی اور کتنی ہی دیر دونوں ... کے بادل چھٹ گئے تھے۔

"عطیہ خاتون! آ... آپ کو میری ممی ہونا چاہیے، کیوں نہیں ہیں آپ میری ماں؟ آپ میں ظرف ماں جیسا ہے تو ماں کیوں نہیں؟"

وہ بغور ان کو دیکھے جا رہی تھی۔ انہوں نے سر جھکا لیا پھر وہ لوگ ظفر کے ساتھ واپس آ گئیں ... کے بعد آصفہ اور روحا بھی خولہ کا حال معلوم کرنے آئیں تو خولہ ان میں خوب گھل مل گئی۔ نعمان سے بھی ... ہونے لگی تھی۔

"دیکھو۔۔۔۔! اب ہماری دوستی ہوئی ہے اور اب ہم یہاں سے شفٹ کر جائیں گے۔" اس روز روحا نے اطلاع دی تو خولہ گھبرا گئی۔

"کیوں؟ کیوں تم لوگ یہاں سے چلے جاؤ گے۔۔۔۔؟"

"ہاں بھئی! ہمارے مالک مکان کو گھر چاہیے اور اپنا ہمارا ابھی بنا نہیں، کہیں نہ کہیں تو ہمیں رہنا ہے نا؟"

"کہیں کیوں؟ ہماری کوٹھی ماشاء اللہ اتنی بڑی ہے، آپ لوگ ہمارے ساتھ آ جائیں نا۔۔۔ امی۔۔ میں عطیہ خاتون سے بات کرتی ہوں۔"

خولہ ننگے پاؤں ہی گھاس پر چلتی روحا کا ہاتھ تھامے ڈرائنگ روم میں آ گئی۔

"انکل! آنٹی! روحا نے بتایا ہے کہ آپ لوگ کہیں اور شفٹ ہو رہے ہیں۔"

وہ براہ راست ظفر سے مخاطب تھی۔ عطیہ خاتون نے چونک کر اسے دیکھا اور اس کی بات سن کر وہ بے تاثر چہرہ لیے آصفہ سے بات کرتی رہیں۔

"ہاں بیٹا! جب تک اپنا نہیں بن جاتا تو تب تک تو خوار ہونا ہی پڑے گا نا۔۔؟"

"ہرگز نہیں! آپ لوگ کہیں نہیں جائیں گے اور نہ ہی خوار ہوں گے بس"

"اچھا! پھر کہاں رہیں گے بیٹا؟"

"آپ لوگ یہاں ہمارے ساتھ رہیں گے، ہمارے پاس۔ ہے نا عطیہ خاتون؟"

خولہ نے اپنی بات کی تصدیق کے لیے عطیہ خاتون کو دیکھا جو مسکرا کر اسے دیکھنے لگیں۔ اسی کے خوف سے انہوں نے شہباز کے کہنے کے باوجود ظفر صاحب کو یہاں شفٹ ہونے کا نہیں کہا تھا یہ تو اللہ کی طرف سے ... ان کی اور شہباز کی جگہ میں وہ ایسا ہرگز نہ کرتی۔

"... اور کہیں نہ جائیں، ہمارے پاس آ جائیں پلیز!" وہ بچی ... اصرار کر رہی تھی، وہ سوچ میں پڑ گئیں۔

"بیٹا! مجھے کوئی اعتراض کیوں ہونے لگا۔۔۔۔؟ میرے خیال میں تمہارا کہنا ہی کافی ہوگا ان کے لیے۔" انہوں نے ساری ذمہ داری ظفر پر ڈال دی۔

"بیٹا جی! جتنے پیار سے آپ کہہ رہی ہو نا ہم ابھی آ جاتے مگر گڑیا! ہم نئے مالک مکان کو ایڈوانس دے چکے ہیں"

"تو کوئی بات نہیں، آپ واپس لے لیجئے نا، پلیز انکل! میں اور روحا کتنے اچھے دوست ہیں اگر آپ مجھے بھی اپنی بیٹی سمجھتے ہیں تو پلیز! ہمارے پاس آ جائیں۔"

خولہ کے خوبصورت چہرے پر یاسیت سی اتر آئی تھی۔ عطیہ خاتون محبت سے اسے دیکھنے لگیں۔

"ظفر بھائی! ہماری بیٹی اتنے پیار سے کہہ رہی ہے، مان جائیے۔"

"او کے بھئی! خولہ کو اپنی بیٹی ثابت کرنے کے لیے ہمیں نئے مالک مکان کو ناراض کرنا ہی پڑے گا۔"

"ہاں بیٹا! چلو ابھی ان سے بات کر لیتے ہیں۔ آصفہ! آپ اور روحا آپ لوگ ان کے پاس بیٹھو ہم ان سے بات کر کے آتے ہیں۔"

ظفر اور نعمان جانے کے لیے کھڑے ہوئے تو خولہ حیرت زدہ سی ان کے قریب آ گئی۔

میں مرجاؤں گا مگر اب وہاں نہیں جاؤں گا، میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں پلیز!"

لحموں میں تاریکی چھا گئی، چہرے پر کھنڈروں کی سی ویرانی آ گئی، آواز کی مردانگی ڈوب گئی اور لڑکیوں جیسی آواز اس مردانہ حلق سے نکلی تو عرفان احمد نے اسے ساتھ لگا لیا۔ اس کا کرب ان کو دکھی کر گیا۔

"تمہیں پتہ ہے کہ مرد کو اللہ تعالیٰ نے اتنا مضبوط اور قوی بنایا ہے کہ وہ ہر مصیبت کا ڈٹ کر مقابلہ کرتا ہے۔ خواہ کتنی بڑی ہو مرد کبھی بھی مصیبت سے مسائل سے گھبرایا نہیں کرتے اور یہ جو چشموں کا نمکین پانی ہوتا ہے ناں یہ صرف عورتوں کی آنکھوں میں اچھا لگتا ہے، ہم مردوں کی آنکھوں میں نہیں، اور یہ جو مرد کے ہاتھ ہیں ناں!" جذب سے بولتے بولتے عرفان احمد نے اس کے جڑے ہوئے ہاتھ الگ کیے۔

"مرد کے یہ ہاتھ جوڑنے کے لیے نہیں ظلم اور زیادتی کے ہاتھ توڑنے کے لیے ہیں۔ ہم مرد ہیں اور آنسو آج کے بعد نہیں بہاؤ گے......!"

"جی، جی بھائی!" آواز میں یک دم مردانگی عود آئی۔ آواز کی لڑکھڑاہٹ، گھبراہٹ یک دم غائب ہو گئی۔ پیشانی پر آیا پسینہ مٹ گیا۔

"گڈ! ویسے تم نے مجھے بھائی کہہ کر میری دیرینہ خواہش پوری کر دی ہے کہ میرا کوئی چھوٹا بھائی ہو۔ چلو پھر ملاقات ہوگی، چلتا ہوں خدا حافظ!" عرفان چلے گئے تھے اور شرجیل سرشاری کی کیفیت میں جھوم رہا تھا۔

"اللہ میاں جی! آپ بے حد اچھے ہیں، آپ نے میری دعائیں سن لی ہیں، آپ بہت پیارے ہیں، بے حد پیارے ہیں، شکریہ اللہ میاں جی!"

وہ سجدے میں گرا اللہ کا شکرانہ ادا کر رہا تھا تو آنسو آپ ہی آپ بہہ رہے تھے۔ اللہ نے اس کو اذیت سے نجات دے دی تھی اس سے بڑی کیا بات تھی۔ وہ سرشاری میں کمرے کی کھڑکی سے لان میں پھولوں کو دیکھنے لگا۔

"بھابھی جان! میری ڈائری نہیں مل رہی۔ آپ کے لاؤنج سے گیسٹ روم میں پہنچا دی ہوگی۔" باہر عرفان کی چھوٹی بہن ہادیہ بول رہی تھی۔

"یہ بچے میرے نہیں بلکہ تمہارے لاڈ سے بگڑے ہیں۔ اب جگنو کو بھی دیکھتی ہوں۔"

"ارے نہیں بھابھی جان...! آپ بیٹھی رہیے میں خود جا کر دیکھ لیتی ہوں۔" ہادیہ بولتی ہوئی گیسٹ روم کی طرف بڑھی۔ اس کو معلوم ہی نہیں تھا کہ یہاں کوئی نوجوان موجود ہے اور نہ ہی عالیہ کو بتانا یاد رہا۔ وہ دھیان میں اندر آئی، ڈائری تو سامنے پڑی مل گئی۔ جب وہ لے کر واپسی کے لیے پلٹی تو شرجیل کی موجودگی سے بے نیاز ہادیہ خوفزدہ ہو کر باہر کی طرف بھاگی۔ شرجیل بھی خوفزدہ سا ہو گیا۔

"کیا ہوا ہادیہ؟"

"بھابھی جان! اندر کون لڑکا ہے۔" ہادیہ کی حیرت زدہ آواز ابھری۔ شرجیل کے کانوں میں رس جیسے شرجیل زندہ ہونے لگا۔ ایک لفظ کی بازگشت ہونے لگی۔

"کون لڑکا؟" آنکھوں میں تاروں کا شہر بسنے لگا۔

"کون لڑکا؟" چاند مسکرانے لگا، بادلوں کے پیچھے سے سورج چمکنے لگا۔

"لڑکا... لڑکا!" نئی سحر پھوٹنے لگی، دل کی بستی میں بہار آ گئی، رنگ برنگے پھول کھلنے لگے۔ وہ جھوم جھوم گیا تھا، آج اسے اس کی پہچان مل گئی تھی۔ وہ ناچنے لگا، اس کا دل چاہا زور زور سے گیت گائے، وہ خوشی سے بے قابو ہوا جا رہا تھا۔

"میں نادرہ ہوں۔" اسے زور سے ٹھوکر لگی۔ باہر سے آنے والی آواز نے جیسے روح قبض کر لی۔

● ● ●

"یا اللہ! پپا کو زندگی عطا فرما دے۔ یا اللہ! میرا بچھڑا بھائی ملا دے۔ یا اللہ! پپا کو زندگی عطا فرما دے۔"

واصف کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا اور اس وقت وہ آئی سی یو میں بیہوش پڑے تھے۔ باپ اور بھائی کے لیے دعائیں کرتی ماہم ہاسپٹل کے فرش پر ایک طرف سجدے میں گری گڑگڑا رہی تھی، آمنہ کی آنکھوں کے سوتے تک ہو چکے تھے۔ ان کی زندگی تو دکھوں سے عبارت تھی، بیٹے کی جدائی اور شوہر کی بیماری نے ان سے ان کے حواس چھین لیے تھے۔

"چچی جان کی حالت بہت خراب ہے تیمور! میرا خیال ہے تم ان کو گھر لے جاؤ۔"

"ثاقب بھائی! کئی بار کہہ چکا ہوں مگر وہ نہیں مانتیں۔ چچا جان کے لیے بہت پریشان ہیں۔ اللہ تعالیٰ چچا جان کو صحت دے۔"

"اچھا! ٹھیک ہے، رہنے دو گھر جا کر تو واہموں کی وجہ سے ان کی طبیعت مزید خراب ہو جائے گی۔ یہ ثنا کہاں ہے؟ ماہم کی بہن کے گھر کی کوئی لڑکی اس کے ساتھ نہیں آئی......؟" ثاقب کو اپنی بہن ثنا پر غصہ آ گیا جس کو باہر لان میں مونی نے روکا ہوا تھا۔

"ثنا! تم اب تک مجھ سے خفا ہو اور کیا تمہیں یقین ہے کہ شرجیل میری وجہ سے گھر چھوڑ کر گیا ہے؟" ثنا واقعی مونی سے سخت خفا تھی کہ اس کی باتوں کی وجہ سے وہ گھر چھوڑ کر گیا ہے اور آج ان سب کا یہ حال ہے۔

"مونی! مجھ سے بات مت کرو، میں تم سے بات نہیں کرنا چاہتی اور اگر تمہیں اس بات کا پروف چاہیے کہ شرجیل تمہاری وجہ سے گھر چھوڑ کر گیا ہے تو میں پورے یقین کے ساتھ یہ بات کہتی ہوں۔ اگر چچا جان کو خدانخواستہ کچھ ہوا تو میں یہ بات چیخ چیخ کر گھر میں سب کو بتا دوں گی کہ ان لوگوں کی تباہی کے صرف اور صرف تم ذمہ دار ہو اور اب جبکہ چچا جان آئی سی یو میں موت و حیات میں ہیں اور تمہیں میری ناراضگی کی پڑی ہوئی ہے؟ کس قسم کے انسان ہو تم؟" ثنا بہت اچھی، حلیم، نرم مزاج، نرم خو لڑکی تھی مگر مونی نے جو ماہم، شرجیل کے ساتھ کیا اس کی وجہ سے اسے سخت چڑ ہو گئی تھی مونی سے۔

"ثنا! ثنا تم یہاں کیا کر رہی ہو؟ تمہیں اس وقت ماہم کے پاس ہونا چاہیے۔"

"جی بھائی!" تیمور کی ڈانٹ پر وہ کوئی بھی بات کیے بغیر اس خیال سے آگے بڑھ گئی کہ اگر تیمور کو مونی کے بارے میں بتایا تو ہاسپٹل میں کوئی ہنگامہ ہو جائے گا۔ ثنا تیز قدم اٹھاتی کوریڈور سے گزرتی ہوئی ان دونوں کو دیکھتی جا رہی تھی۔ مونی کا انداز وہی تھا بدتمیزا اکھڑ سا۔

"تمہیں لگتا ہے تایا ابو سے زیادہ ان کی بیٹی کی فکر ہے؟"

"خدا کا شکر ہے! فکر کا کوئی روزن تو ہے میرے دل و دماغ میں جہاں سے روشنی آ سکتی ہے ورنہ ان کی طرح بے حسی کی قید میں نہیں ہوں۔ دو لوگ ایک ہی کھڑکی میں کھڑے ہوتے ہیں مگر دونوں کی نظریں الگ الگ دیکھ رہی ہوتی ہیں، ایک کی نظر آسمان کے تاروں پر ہوتی ہے اور دوسرے کی نظر زمین کے کیچڑ پر۔"

"تیمور! موبی...... جلدی آؤ وہ چچا جان..... !" ثاقب نے دور سے آواز دی تو کچھ دیر کے لیے دونوں کے دل کسی خوف ناک خبر کے خیال سے مٹھی میں آ گئے۔

• • •

وردہ کے بھوری جھلملاتے دوپٹے کو ایک ہاتھ میں لیے وہ بڑی گہری پراسرار نظروں سے دیکھتے ہوئے دھیمے لہجے میں بولا تو وردہ کی نظریں اس کے زخمی ہاتھ پر جا ٹھہریں۔ اس نے اس روز جان بوجھ کر اس کا ہاتھ دروازے میں دیا تھا مگر وہ نہ تو غزین سے متاثر تھی نہ ہی خوفزدہ۔ وہ پورے اعتماد کے ساتھ اس کا مقابلہ کرنا چاہتی تھی اس لیے اس کے چہرے پر سختی آ گئی۔ اس نے جھٹکے سے دوپٹہ اس کے ہاتھ سے کھینچ لیا اور ہونٹ بھینچ کر پرے ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔

"بس! اتنی برداشت ہے؟ اتنی دلیری ہے کہ ذرا سی چوٹ پر بلبلا اٹھے ہیں موصوف، والے تو جگر آزماتے ہیں تیر نہیں۔"

وردہ کا ایک ایک لفظ غزین کو تپا رہا تھا۔ وہ کچھ دیر وردہ کو دیکھتا رہا۔ اس وقت وہ جتنی حسین لگ رہی تھی کوئی اور وقت ہوتا اور غزین کے دل میں اس کی محبت ہوتی، پسندیدگی ہوتی تو وہ کچھ بات ضرور کہہ جاتا مگر وقت اور حالات نے ایک عجیب سا رشتہ بنا دیا تھا اس کے اور وردہ کے درمیان۔ وہ جتنا اس کے قریب آ گیا تھا اتنا وہ دور ہٹی تھی۔

"او کے! تو آج سے ہم جگر آزمائیں گے اور آپ تیر آزمایئے گا۔ دیکھتے ہیں ہمارا جگر جلدی چھلنی ہوتا ہے کہ آپ تھک جاتی ہیں۔ آپ کے علاقے میں تو داخل ہو ہی گئے ہیں ہم۔"

غزین نے ذرا جھک کر اس کے چہرے پر آئے بالوں کو پھونک مار کر ہٹایا تو وہ جیسے سر تا پا سلگ اٹھی اور بجلی کی طرح پیچھے ہٹی اور غرائی۔

"مسٹر غزین! اپنی مکاری سے آپ نے اس گھر میں تو جگہ بنا لی ہے مگر کبھی اپنی حد کراس کرنے کی کوشش نہ کرنا۔ حد کراس کرنے والوں کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔" وردہ نے گری ہوئی موم بتیوں کو پھر ترتیب سے رکھ کر جلانا شروع کیا تو وہ بھی پیچھے اس کے قریب بیٹھ کر اس کی مدد کرنے لگا۔

"ابھی تو صرف آپ کے گھر میں جگہ بنائی ہے، ابھی تو مجھے آپ کے دل میں جگہ بنانی ہے۔"

غزین نے ایک موم بتی جلا کر اس کے چہرے کے قریب کر کے کہا تو وردہ شعلہ بن گئی۔ اس نے اپنی مہندی بھری کلائی سے جلتی موم بتی بجھا دی۔

"انسانی دل اور علاقے ریاست میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے غزین آفاق! فتح علاقے کیے جاتے ہیں اور دل بھی مگر مختلف ہتھیاروں سے۔ انسانی دل فقط ایثار، محبت اور عزت سے جیتے جاتے ہیں دھونس،

طاقت سے نہیں اور پھر یہ میرا دل ہے، وردہ وجاہت کا دل جس میں آپ جیسے اس کے دروازے کے سامنے سے گزر بھی نہیں سکتے۔" اس کے دل کی تلخی غزین سے نفرت لفظوں میں سمٹ کر وردہ کے حسین چہرے پر آ گئی تو وہ بڑی ادا سے ہنس دیا۔ جانے کو پلٹا، وردہ نے بھی غنیمت جانا اور اس کے پیچھے ایک قدم بڑھایا کہ وہ برق رفتاری سے پلٹا۔ موم بتیوں کا تھال قریب تھا کہ کارپٹ پر الٹ جاتا غزین نے کمال ہوشیاری سے تھال سنبھال لیا۔

"او کے! اوپن چیلنج..... آپ کے دل کے دروازے پر غزین آفاق کے نام کی نیم پلیٹ نہ لگا دوں تب تک سکون سے نہیں بیٹھوں گا۔" اس کے لہجے کی مضبوطی سے اس کے ارادوں کا عزم جھانک رہا تھا۔ وہ کھول اٹھی۔

"امپاسبل!" وہ کترا کر گزرنے لگی تو وہ سامنے آ گیا۔ اس کے وجیہہ چہرے پر عجیب سی سختی آ گئی۔ اس نے ہونٹ بھینچ لیے۔

"نتھنگ از امپاسبل..... انڈر اسٹینڈ!" وہ اس کی بات سے اتنا سلگ اٹھا تھا کہ ابھی اس کا پیچھا چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ تو عفت بیگم آ گئیں اور دونوں کو وہاں اکیلے دیکھ کر ٹھٹک گئیں کہ غزین وردہ کے پاس تنہائی میں کیا کر رہا ہے۔ پھر شاید دونوں ساتھ پڑھتے ہیں ہو گی کوئی بات، اس خیال نے انہیں مطمئن کر دیا۔

"ارے غزین میاں! تم یہاں؟ ارسلان تو باہر ہے۔"

"جی آنٹی! ارسلان نہیں ہے کیا؟ ہم دونوں یہاں سے گزر رہے تھے کہ وردہ نے روک لیا۔"

اس کے سفید جھوٹ اور مکاری پر وردہ کھول گئی۔ دل چاہا کہ گرم گرم موم اس پر گرا دے مگر وہ چاہنے کے باوجود ایسی کسی بھی کارروائی کو سرانجام نہ دے پائی مگر غزین نے اس کو نہیں بخشا تھا، بولے جا رہا تھا۔

"یہ لڑکیاں بھی ناں آنٹی! جب ڈاکٹر بننے لگتی ہیں تو ہر جگہ کو ہاسپٹل بنا لیتی ہیں۔ اب انہوں نے روک لیا اور لگیں پوچھنے کہ انسانی دل کیا چیز ہے؟ انسان کی ساری زندگی اس دل کے تابع کیوں گزرتی ہے؟ میں سمجھ رہا ہوں کہ انسانی دل بھی کوئی علاقہ یا ریاست نہیں کہ جو فتح ہو سکے۔"

وہ اس کے دل میں اٹھتے شعلوں کی تپش، اس کے سرخ پڑتے چہرے پر دیکھ رہا تھا۔ نجانے کیوں جتنا وہ جلتی تھی اتنا اسے سکون ملتا۔ وہ کن انکھیوں سے اسے مسلسل دیکھ رہا تھا جس کے رخسار شدت ضبط اور غصے سے دہک رہے تھے۔

"اچھا بیٹی! چھوڑو۔ ہر وقت پڑھائی۔ چلو باہر۔"

"اور نہیں تو کیا آنٹی! میں بھی اس سے یہی کہہ رہا تھا کہ گھر اور ہاسپٹل، لیکچر روم میں فرق ہونا چاہیے اور پھر میں کون سا ان سے بہت سینئر ہوں فقط ایک جماعت تو آگے ہوں مگر وردہ صاحبہ میری قابلیت کی بہت معترف ہیں اور پھر"

اب حد ہو گئی تھی، وردہ کی برداشت کے بند ٹوٹ گئے۔ اس نے جلتی ہوئی موم بتی اس طرح عفت بیگم کی نظریں بچا کر غزین کے سینڈل سے نظر آتے پیروں پر پھینکی کہ کچھ دیر کے لیے پگھلتے ہوئے موم نے غزین کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا کر دیا۔ جلن اور غصے کی آگ نے مل کر اس کے اندر قیامت برپا کر دی۔ اس کے

چہرے پر موجود درد و تکلیف نے وردہ کے اندر بھڑکتے شعلوں کو قدرے کم کیا۔

"وردہ جان ..... ! چلو مہندی کی رسم ہونے والی ہے۔" عفت کے کہنے پر وہ تیزی سے ان کی طرف بڑھی اور قریب تھا کہ وہ ان سے پہلے کمرے سے نکل جاتی، غزین تیزی سے آگے بڑھا، اس کی کلائی پکڑی کہ وہ ساری کی ساری اس کی طرف گھوم گئی۔ اس وقت غزین کے چہرے پر بڑے خوف ناک تاثرات، آنکھوں میں انجانا سا طوفان تھا۔ کچھ دیر کے لیے وہ سہم گئی۔

"زخم جتنے ہی لگاؤ وردہ وجاہت ! جتنے زخموں کا تم حساب دے سکو کیونکہ اپنے زخموں کا حساب میں بے باق کر کے رہتا ہوں۔"

غزین نے اسی طرح جھٹکے سے اسے چھوڑا اور وہ چپ چاپ باہر نکل آئی مگر سارا وقت کھوئی کھوئی خوفزدہ سی رہی کیونکہ غزین کو وہ اچھی طرح جان گئی تھی۔

"اوہو ! تم نے جو کیا وہی تمہیں کرنا چاہیے تھا اب اس طرح کیا چھپ کر اپنی کمزوری اور بہادری کا اعتراف کرو گی ؟ جو بکواس اس نے کی اس کا یہی تو جواب بنتا تھا، وہ ہوتا کون ہے ہمارے گھر آ کر تمہیں ذلیل کرنے والا ؟ مجھے تو حیرت ہے کہ وہ نجانے کیوں اس گھر کے لوگوں سے اتنا مانوس کہ گھر کے فرد کی سی اس کی حیثیت ہے۔ تم نے تو پھر بھی حیا کر دی، میں ہوتی ناں تو منہ نوچ لیتی اس خبیث شخص کا۔ یہ ہوتا کون ہے تم سے ایسی باتیں کرنے والا ؟" وردہ نے ساری بات علیزہ کو بتا دی تھی اور اب وہ بگولہ ہو رہی تھی۔

"آہستہ بولو علیزہ ! کوئی سن نہ لے، شادی کا ماحول ہے .... " وردہ نے علیزہ کو منع کیا۔

"ہاں ! بس تم اسی طرح ڈرتی رہنا، دیکھ رہی ہو یہاں کس طرح گھل مل گیا ہے سب میں اور ارمغان صاحب ہیں ناں ! " علیزہ نے غصے سے ارمغان کو گھورا جسے نہیں معلوم تھا کہ وہ ان ہی کی طرف آ رہا ہے۔

"جی فرمایئے ! کیا حکم ہے ؟" وہ علیزہ کے حسن کی تابانیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

"ویسے یہاں ہو کیا رہا تھا ؟ ٹھیک ہے، ٹھیک ہے میں آج ماشاء اللہ نظر لگ جانے کی حد تک تو اسمارٹ لگ رہا ہوں مگر یوں چھپ چھپ کر تعریف کیوں کر رہی ہیں ؟ ہم ہمہ تن گوش ہیں، اک بار کہو تم ......"

لہجہ گمبھیر ہو گیا، آنکھوں میں جگنو رقصاں ہونے لگے۔ وہ علیزہ کی طرف جھکا تو اس نے قہر بار نگاہ اس پر ڈالی۔

"ڈائیلاگ بولنے کا اتنا ہی شوق ہے تو معیاری فلمیں دیکھا کیجئے۔" علیزہ کو اس وقت جو غزین پر غصہ تھا وہ ارمغان پر اس لیے اتار رہی تھی کہ اسی کی دوستی کی وجہ سے وہ سارے گھر پر چھا گیا تھا۔

"او کے ! لیکن شاید آپ جانتی نہیں معیاری فلمیں کی ہیروئن بن کے سب کچھ سمجھا جایا کرتی ہے یہاں ہم بچپن سے آپ کے سامنے بیٹھے ہیں بجا رہے ہیں اور آپ ہیں کہ سمجھ کی دنیا سے بہت دور ہیں۔" ارمغان کا

دل ڈوب سا گیا۔

"ارمغان ! کیا ضرورت تھی غزین کے بچے کو انوائیٹ کرنے کی ؟"

"ارے ! نہیں بھئی وردہ ! تمہیں غلط فہمی ہو رہی ہے، ہم نے غزین کے بچے کو نہیں خود غزین کو انوائیٹ کیا ہے۔ دیکھ لو وہ اکیلا آیا ہے۔"

ارمغان نے کچھ اتنی برجستگی سے کہا کہ ہلکی سی مسکراہٹ علیزہ کے ہونٹوں پر چپکے سے نمودار ہوئی اور غائب ہو گئی مگر اس لمحے کو ارمغان نے اپنی آنکھوں میں قید کر لیا۔ بارات کی آمد کا استقبال یہ تھا، لڑکیاں پھولوں کے ہار لیے کھڑی تھیں بڑے کے شرارت سے جہاں لڑکیوں کی تعداد ہوتی وہیں جاتے۔ ارمغان اور غزین لڑکے اس کے ساتھ آ رہے تھے، وردہ اور علیزہ بھی ہار لیے کھڑی تھیں۔ ارمغان نے سبز لباس میں سجی سنوری علیزہ پر ایک نگاہ ڈالی اور اس کے سامنے سر جھکا دیا کہ ہار ڈالے گی مگر علیزہ نے دوپٹہ کو ہر دیا اور آگے بڑھ گئی۔ یوں دوپٹہ نے ارمغان کی محبت کا بھرم رکھ لیا۔

"تیری یادیں بے زندگی ہے کہ حیا فیصلہ کون کرے علیزہ ! کچھ بھی کر لو تمہیں پانا ہے ضرور۔" دل میں اٹھتی ہوک کے ساتھ ارمغان نے علیزہ کو جاتے ہوئے دیکھ کر زیر لب کہا تو اسے اپنی پشت پر غزین کی آواز سنائی دی۔

"ارے بھئی ! تمہارے گلے میں ہار ڈال دیا گیا ہے اب ہمارے لیے جگہ بناؤ۔"

غزین ارمغان کو کھسکا کر خود وردہ کے سامنے تن کر کھڑا ہوا۔ اس نے نخوت سے غزین کو دیکھا اور پھیلا ہوا ہار سمیٹ لیا۔ اس کے بس میں ہوتا تو جوتیوں کا ہار ڈالتی اس کے گلے میں، وہ جو گرے ڈنر سوٹ میں بہت جچ رہا تھا۔ وہیں وقت وردہ کی کیفیت سے پوری طرح لطف اندوز ہو رہا تھا۔

"...... دولہا لے آئے ہیں، دلہن لینے آئے ہیں، دلہن چھوڑ گئے تو بہت برا ہو گا بلیز !" وہ اس کے قریب سر جھکائے اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا جہاں اس کے لیے چڑ اور نفرت تھی اور یہی تو اس کے انجوائے کرنے کی چیز تھی۔ وہ جتنا جلتی اسے اتنا سکون ملتا۔

"ارے خاتون ! جلدی کیجئے۔" غزین نے اسے یاد دلایا کہ وہ ابھی بھی اس کے قریب گردن جھکائے کھڑا ہے اور اس کی یہ حرکت بہت سے فسانے جنم دے سکتی تھی۔ وردہ چھنکاری۔

"جو دلہن لے کر جائے گا اسے ہار پہنائے جا چکے ہیں۔"

"دلہن تو مجھے بھی لے کر جانی ہے۔ لہٰذا اس ہار پر نہیں اس جیت پر میرا بھی حق ہے۔" پھر غزین نے کس جرأت سے اس کے ہاتھوں سے ہار پکڑ کر اپنے گلے میں ڈالا۔ اسی وقت کیمرے کی روشنی ہوئی اور منظر کو ایاز نے اپنے کیمرے میں قید کر لیا۔ روبی اور مسعود کی شادی میں کئی اور نئے جوڑے بن گئے تھے۔ عفت نے شہناز سے وردہ کو بصد اصرار مانگ لیا۔

"بھابھی جان ! مجھے کب اس رشتے سے انکار ہے ؟"

"تو نند صاحبہ ! تم نے اس رشتے کا اقرار بھی تو نہیں کیا۔ بس میں کچھ نہیں جانتی، میں وردہ کو اپنے ارمغان کے نام کی انگوٹھی پہنانا چاہتی ہوں۔ ارے بھئی ! میرے شہزادے میں کوئی کمی ہے جو تم ایسے کر رہی ہو ؟"

"جی بھابھی جان ! بے ناں کی آپ کے شہزادے میں۔" شہلا بھابھی کو چڑانے لگیں ... ان کی طرف گھومیں۔

"کس بات کی کی ؟"

"سینگوں کی.....!" شہلا نے برملا کہا تو عفت ہنسنے لگیں۔

"ارے ! دراوہ بیٹا لو پھر مجھے سینگ لگوانا یاد کروانا۔ بس میں باقاعدہ کوئی تقریب کر کے اس رشتے کا اعلان کرنا چاہتی ہوں۔"

"بھابھی جان ! آپ وردہ کو اتنا چاہتی ہیں ؟" شہلا نے غور سے ان کو دیکھا۔

"ہاں ! اتنا کہ خیر باتوں میں مجھے مت اُلجھاؤ یہ بتاؤ میں کب انگوٹھی لے کر آؤں۔"

"ٹھیک ہے بھابھی جان ! میں وردہ سے بات کر لوں تو پھر آپ اپنی مرضی سے جو کرنا چاہیں کر، مجھے ارمغان جیسا داماد مل جائے اس سے بڑھ کر اور مجھے کیا چاہیے۔" اور اسی رات شہلا نے وردہ کو اس فکر میں مبتلا کر دیا تھا کہ وہ چپ سی ہو گئی تھی۔

"بیٹا ! یہ زندگی بھر کا ساتھ ہے تمہارا فیصلہ جو بھی ہو گا میرے لیے محترم ہو گا۔" شہلا نے اس کے چہرے پر اُلجھن کو دیکھتے ہوئے کہا اور باہر نکل گئیں۔ وہ رات وردہ پر بہت بھاری تھی، گزرتے ہوئے ایک ایک لمحے کو سوچ رہی تھی، ارمغان اس کا کزن تھا، بہت پیارا دوست، بہت اچھا انسان، جو ہر مشکل وقت کی دھوپ میں اس کا سایہ بن گیا تھا لیکن اس کے دل میں ارمغان کے لیے نہ تو کوئی لطیف جذبہ تھا، نہ نرم گوشہ تھا، نہ آنکھوں میں اس کے نام کے خواب تھے۔ وہ تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ بزرگ ان دونوں کی شادی کے بارے میں بھی سوچ سکتے ہیں۔ آج یوں اچانک ارمغان اور وردہ ... سے مجھے سوچ تک نہیں ...

"نہیں ... ہرگز نہیں ! اللہ تو میرے دل میں ارمغان کے لیے ایسی کوئی بات ہے اور نہ ہی میں نے ارمغان کی آنکھوں میں دیا عکس دیکھا ہے۔ نہیں ! یہ ممی اور بھابھی کو کیا ہو گیا ہے ؟ ہم اچھے دوست تو ہو سکتے ہیں مگر نہیں..... اس سے آگے سوچتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔" سوچتے سوچتے وہ تھک کر لیٹ گئی مگر پھر اُٹھ بیٹھی۔

"دلہن تو مجھے بھی اس گھر سے لے کر جاتی ہے، تمہارے دل کے دروازے پر اپنے نام کی نیم پلیٹ لگا دوں تو کہنا۔" غزیں کی آواز کا شعلہ بجز کا حسن نے وردہ کو راکھ کر دیا۔

"میرے دل کے دروازے پر تمہارے نام کی نیم پلیٹ ؟ امپاسبل !" وہ فیصلہ کن انداز میں اُٹھی، کوریڈور میں آئی، اس کے دل و دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ دو متضاد راستے تھے، وہ کسی ایک پر بھی چلنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ غزیں سے خوفزدہ ہو کر کوئی کمزور اور غلط فیصلہ بھی کرنا نہیں چاہتی تھی۔

"ممی ! میں آپ کی بات کا جواب دینے آئی تھی۔" وہ اب ممی کے سامنے کھڑی تھی۔ وہ اس کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ شہلا کا دل دھڑک اُٹھا۔

"آؤ میری جان ! بیٹھو کہو کیا بات ہے ؟"

"ممی مجھے یہ کہنا تھا کہ ..."

◆ ◆ ◆

وردہ جب سے ارمغان کے بارے میں سوچ رہی تھی، جب سے شہلا نے اسے عفت کی پسندیدگی اور ارمغان کے لیے اپنی پسندیدگی کی سند دے کر فیصلے کا حق اسے دے کر اسے عجیب کشمکش اور اُلجھن کا شکار کر دیا تھا۔ ارمغان، اگر اس کا حتمی فیصلہ ہوتا اور وہ ... جبراً ہاں لینے پر مجبور کرتیں تو وہ نہ چاہتے ہوئے بھی مان کر ہمیشہ کی طرح ممی کی محبت اور فرمانبرداری کا تاج سر پر سجا لیتی مگر انہوں نے اپنی عفت ممی جنہوں نے ہمیشہ اسے ماں کی طرح چاہا تھا، کی پسند بتا کر نا چاہتے ہوئے بھی اسے اپنے فیصلے کا پابند کر دیا تھا اور نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے غزیں کا اس پر بولنا، اس کے بارے میں بتایا تو وہ کرسی سے یوں اُچھلی جیسے کرنٹ لگا ہو۔

"کیا ... کیوں ؟ کیا انکل نے ... کیا خراج وصول کرنا چاہتی ہیں ؟ اگر ہمیں پال کر اپنا حق یوں وصول کرنا چاہتی ہیں تو نہ وردہ ... میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔ خبردار جو تم نے ہاں کی ہو تو ارے ! وہ گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے والا غیر سنجیدہ شخص زندگی کی حقیقی خوشیاں دینے کی صلاحیت ہی کہاں رکھتا ہے ؟ آئی سی ہم اور تم انکار کرو گی وردہ ... اور نہ ..."

صبیرہ بڑے کڑے تیور لیے وردہ سے انکار کرنے کا کہہ رہی تھی۔ وردہ نے اسے دیکھا۔ مارے غصے سے اس کا چہرہ لال بھبھوکا ہو رہا تھا اور ہونٹ کانپتے وجود سے ارمغان سے نفرت جھلک رہی تھی۔ وردہ خوفزدہ ہو گئی وہ جانتی تھی کہ صبیرہ کچھ بھی کر گزرے گی اگر اس نے انکار نہ کیا اور اس کے بات کرنے کا انداز وہ جانتی تھی اس لیے وہ نہیں چاہتی تھی وہ اس معاملے میں بولے۔ یوں بھی ارمغان اسے ناپسند نہیں تھا، ہاں یہ ضرور تھا کہ اس نے کبھی اس کے حوالے سے نہ خواب نگر آباد کیا تھا نہ دل کا شہر اس کی باتوں کے تاروں سے سجایا تھا۔ وہ تو اسے ایک دوست اور کزن کے حوالے سے جانتی تھی۔ شادی، اس سلسلے میں تو اس نے یوں بھی کوئی خواب نہیں دیکھا تھا تو ارمغان کے بارے میں فیصلہ، وہ اُلجھ کر رہ گئی تھی۔

"وردہ ! تم نے اگر کسی دباؤ یا محبت میں آ کر قربانی دی اور یہ زہر کا پیالہ پینے کا فیصلہ کیا تو دیکھنا میں کچھ کر گزروں گی، بولو تم انکار کرو گی یا میں خود جاؤں ممی کے پاس۔" صبیرہ نے وردہ کو یوں سوچ میں گم دیکھا تو پھر چیخی۔ تب وردہ خوفزدہ ہو کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ جانتی تھی صبیرہ جو کہہ رہی ہے، کر گزرے گی اور وردہ کسی صورت

میں مما کی بے عزتی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

"ڈونٹ وری علیزہ جان! میں کوئی ننھی بچی ہوں کہ وہ لوگ میری مرضی اور پسند کے خلاف نکاح پڑھوا دیں گے؟ ارے بھئی! ابھی تو میری رائے پوچھی ہے مما نے اپنا فیصلہ صادر نہیں کیا۔ مجھے ان کا فیصلہ پسند ہی نہیں تو تم پریشان نہ ہو علیزہ! میں سمجھدار ہوں، سوچ سمجھ کر اپنی زندگی کا فیصلہ کروں گی۔ میری زندگی کا ساتھی کوئی بھی ہو مگر رمعان نہیں ہو سکتا۔"

وردہ اس وقت کچھ تو الجھی ہوئی تھی عزین کی وجہ سے، مما اور عفت کی محبت سے، ارمغان کی اچھائی اور خود علیزہ کے خوف سے۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے لیکن اس کے لفظوں کی پھوار ... کے سلگتے دل پر ٹھنڈی چھڑکاؤ کر دیا تھا۔ وہ خوش ہو گئی۔ اسے وردہ سے ایسے ہی فیصلے کی توقع تھی۔

"پرامس؟" وہ وردہ کے ہاتھ تھامے یقین دہانی چاہ رہی تھی۔

"پرامس" وردہ نے بھی یقین کی مہر ثبت کر دی۔

"او کے! مجھے تم پر پورا اعتماد ہے کہ تم مجھے مایوس نہیں کرو گی۔"

"تم بے فکر ہو کر لاہور جاؤ میں بفضل تعالیٰ سب کچھ ہینڈل کر لوں گی۔"

اور یوں وردہ کی تسلی یقین دہانیوں کے بعد علیزہ واپس لاہور روانہ ہوئی تھی۔ علیزہ اور رمعان تو پڑھائی کی غرض سے گئے ہی تھے، جواد بھی ارمغان کی یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے کر چلا گیا تھا وہ لوگ جا چکے تھے تب ہی وردہ مسلسل ارمغان کے بارے میں اور عزین کے رویے کے بارے میں سوچ سوچ کر بے حال ہو گئی تھی۔ شاید وہ عزین سے خوفزدہ تھی تب ہی وہ ارمغان ... ارمغان کو ڈھال بنانا یا مما اور مامی کو جھوٹی خوشی دینا اسے بہت ... بات لگی تھی۔ ... کے بعد مما کی عدالت میں آ تو گئی مگر اب بات کرنے کی ہمت نہیں ... رہی تھی جبکہ اب شہلا اس کے جواب کے انتظار میں کتاب بند کر کے اسے دیکھ رہی تھیں۔ اس کے چہرے پر سوچ کی تحریر اور انگلیوں کا آپس کا الجھاؤ اس کے اندرونی خلفشار کو واضح کر رہا تھا۔ وہ کافی حد تک اس کا فیصلہ جان چکی تھیں۔

"وردہ جان! تم کچھ کہنے آئی تھیں؟" وہ اس کے مقابل آن کھڑی ہوئیں تو وہ نظریں چرا کر کھڑکی کی طرف رُخ موڑ کر کھڑی ہو گئی۔

"مما...! میں... میں صرف یہ جاننا چاہتی ہوں کہ میرا فیصلہ، میری محبت، میری فرمانبرداری سے مشروط تو نہیں ہے۔"

اس کی بات پر شہلا مسکرا دیں اور آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا۔

"نہیں میری جان! تمہارا کوئی بھی فیصلہ تو میری محبت سے مشروط ہے اور نہ ہی فرمانبرداری سے، بلکہ تم اپنے فیصلے میں آزاد ہو اور تمہارا کیا فیصلہ ہے میں سمجھ گئی ہوں۔"

شہلا کا لہجہ گھمبیر سا ہو گیا کیونکہ عفت وردہ کو بہت چاہتی تھیں بچپن ہی سے تو انہوں نے اسے مانگ رکھا تھا۔

"تھینک یو مما! مگر وہ مامی؟ میں جانتی ہوں آپ تو ماں ہیں مجھے انڈر سٹینڈ کریں گی مگر مامی

... ہرٹ ہوں گی۔"

وردہ کے انکار کے راستے کی سب سے بڑی چٹان مامی کی محبت تھی جو وہ اسے بچپن ہی سے دیتی آ رہی تھیں۔ اس کی بات پر شہلا بھی اداس ہو گئیں کیونکہ وردہ اتنا نہیں جانتی تھی جتنا وہ بھابھی کی محبت کو جانتی تھیں۔ ایک عجیب سا احساس اور گھبراہٹ ہو رہی تھی۔

"جو لوگ محض اپنی پسند اور خوشی کے فریم میں اپنی پسندیدہ تصویر سجا لیتے ہیں یہ جانے بغیر کہ تصویر ان کی ... کے سنہری فریم میں فٹ بھی ہونا چاہتی ہے یا نہیں وہ لوگ بہت ہرٹ ہوتے ہیں۔ مگر اس میں نقصان کا تصور ... ور نہ ہی تصویر کا۔ بس اک تکلیف دہ احساس دونوں کا مقدر بن جاتا ہے مگر بیٹا تم خود پر کوئی بار نہ لو میری جان! ... کسی مشین کو تو اپنی مرضی کے مطابق سیٹ کیا جا سکتا ہے مگر انسانی دل کو نہیں، ڈونٹ وری۔"

"تھینک یو مما! آپ نے ثابت کر دیا کہ آپ کتنی اچھی ہیں، آپ میری مما ہیں، آپ کو معلوم ہے ... میں کتنی ... آپ ... رہی ہوں۔"

وردہ ان کے گلے لگی شدت سے رو دی۔ اسے علیزہ پر غصہ آنے لگا جس نے ہمیشہ مما کو خود غرض اور غلط سمجھا تھا۔

"ماؤں کے دل سمندر سے زیادہ وسیع اور گہرے ہوتے ہیں بیٹا! اللہ تعالیٰ نے ممتا کی آنکھوں میں ... دوربین فٹ کر دی ہے جو بچوں کے دل کے اندر تک دیکھ لیتی ہے۔ تم نے ناحق اتنے دن لگا دیے سوچنے میں، میں تو اسی وقت سمجھ گئی تھی جب میں نے تمہیں رمعان کے بارے میں کہا تھا۔"

"... وہ ... میرا ... دوست ہے بلکہ میں جب بھی اس سے ... فیل کرتی ہوں ... میں ... شادی ..."

کبھی کبھی انسان بہت کچھ کہنا چاہتا ہے مگر الفاظ ساتھ نہیں دیتے۔ وردہ کے ساتھ بھی یہی ہو رہا تھا۔ وہ شہلا سے شرمندہ بھی تھی۔ کوئی اور معاملہ ہوتا تو وہ ان کی خوشی کی خاطر جان بھی دے دیتی مگر ارمغان سے شادی ایک مشکل مرحلہ تھا۔

"وردہ! میری جان! میں جانتی ہوں، سمجھتی ہوں اپنی بیٹی کو مگر اب اس دیوانی کا کیا علاج کیا جائے جو تمہیں ... عشق میں مبتلا ہے۔"

"دیوانی؟ کون دیوانی مما...؟" وردہ واقعی سمجھ نہیں پائی۔

"ارے! بھابھی جان اور کون؟ جب تم پیدا ہوئی تھیں نا بھابھی جان نے تمہیں رمعان کے لیے مانگ لیا تھا یہ تو میں نے ہی ان کی منت اور محبت کے آگے بند باندھا ہوا تھا۔ ان کے بس میں ہوتا نا تو اب تک تمہارا نکاح بھی رمعان سے کرا چکی ہوتیں۔"

"مما! اسی کی وجہ سے تو مجھے افسوس ہو رہا ہے، یہ کیا کریں گی، مامی بھی خفا ہوں؟ کیا کیا جائے؟ میں ارمغان سے بات کرتی ہوں، اب وہ لاہور بھی چلا گیا ہے۔ چلیں فون پر بات کر سکتی ہوں۔"

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا اس سے یہ بھی معلوم ہو گا کہ وہ کیا چاہتا ہے لیکن ابھی تو وہ یونیورسٹی میں ہو گا رات میں فون کرنا۔"

مگر رات میں فون کرنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ ارمغان کسی بہت ضروری کام سے کراچی آ گیا تھا

"ارمغان! سچ کبھی کبھی تو دعائیں اتنی جلدی قبول ہو جاتی ہیں کہ بعد میں افسوس ہوتا ہے کہ کوئی اچھی دعا ہی مانگ لی ہوتی۔"

وردہ کو سامنے دیکھ کر زندگی میں پہلی بار اتنی خوشی ہوئی تھی کہ ارمغان بھی مشکوک سی نظروں سے دیکھنے لگا۔ وہ اس کی ممی کو کتنی پسند ہے یہ وہ جانتا تھا اور انہوں نے اور بھی بہت کچھ سوچ رکھا ہے یہ بھی مگر اس حوالے سے وردہ خوش ہو یہ اسے کسی صورت گوارہ نہیں تھا تب ہی تو وردہ کی بات اس کے ناگواری سے آئی۔

"اچھا؟ ایسی کون سی دعا قبول ہو گئی ہے کہ اتنا خوش ہو رہی ہو؟ ہماری تو ابھی تک کوئی دعا نہیں ہوئی۔ تمہاری کون سی مراد بر آئی ہے؟"

"تمہارے آنے کی دعا قبول ہو گئی ہے۔"

"کیا تم نے میرے آنے کی دعا کی تھی......؟" وہ ناگواری سے مڑا۔

"اور نہیں تو کیا......؟ ارمغان! انسان کی زندگی میں خواہ مرد ہو یا عورت، ایک وقت ایسا آتا ہے اسے کچھ نہ کچھ کہنا ہی پڑتا ہے اور اس کے لیے اسے ایک اچھے دوست اور مخلص ساتھی کی ضرورت ہوتی ہے۔ میرے سب سے اچھے دوست بھی ہو اور مامی، ممی چاہتی ہیں کہ ہم دونوں......" وردہ ابھی کہنے ہی والی تھی ارمغان جھٹکے سے اٹھا۔

"ٹھہریے میڈم! اچھا ہو جو بات آپ نے .... کہنا ہے وہ تم سے کہنا ......"

ارمغان آج وردہ کو سب کچھ بتا دینا چاہتا تھا۔ وردہ بہت اچھی لڑکی ہے وہ یہ جانتا تھا .... اسے اس کی دلہن بنانا چاہتے ہیں یہ بھی جانتا تھا مگر خود وہ دل کا کیا کرتا جہاں صرف اور صرف اس ستمگر، بے وفا علیزہ کا راج تھا جو اپنے ظلم و ستم کے باوجود اس کے دل پر حکمرانی کر رہی تھی جس کی محبت کے دیے روشن تھے اس کی پلکوں کی منڈیروں پر وہاں وردہ کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ وہ وردہ کو صاف صاف اپنے دل اور زندگی میں اس کی حیثیت بتا دینا چاہتا تھا تب ہی اس نے درمیان میں وردہ کو ٹوکا تو وہ اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی بول پڑی۔

"پلیز! پلیز ارمغان! اب روایتی فلمی مکالمے نہ بولنا کہ وردہ! میں تمہیں شدتوں سے چاہتا ہوں، تمہاری محبت میں بچپن ہی سے پاگل ہوں۔ وردہ! اگر تم مجھے نہ ملیں تو میں مر جاؤں گا۔ پلیز ایسا کچھ مت کہنا۔"

"ایکسکیوزمی محترمہ! یہ آپ ہیں کن ہواؤں میں؟ ارے! کون کہہ سکتا ہے کہ آپ، یہ ہیں؟ اپنی حرکتوں اور باتوں سے اس وقت ایک ساتویں آٹھویں فیل، غیر معیاری شاعری پڑھنے والی، حویلیوں میں رہنے والی، کوئی پسماندہ ذہن کی، ملک لڑکی لگ رہی ہو۔" ارمغان کو آگ ہی تو لگ گئی تھی وردہ کی بات سن کر۔

"تو ...... تو تم ایسا تو کچھ نہیں چاہتے ناں؟" وردہ خوش ہو گئی۔

"چاہتا ہوں! بالکل چاہتا ہوں!"

"ایں......؟" وردہ بجھ گئی۔

"ہاں...... ہاں چاہتا ہوں...... بچپن سے چاہتا ہوں! دیوانہ ہوں، نہ ملیں تو پاگل تو کیا مر جاؤں گا۔ شدتوں سے چاہتا ہوں مگر تمہیں نہیں...... علیزہ کو...... ہاں! میں علیزہ کو بچپن ہی سے چاہتا ہوں۔"

"تت...... تت...... تم ارمغان! تم واقعی پاگل ہو گئے ہو۔ تمہارا دماغ خراب تو نہیں ہو گیا...... تم یہ سچ کہہ رہے ہو ناں......؟"

وردہ کو بڑی خوشگوار حیرت اور خوشی ہو رہی تھی۔ وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی اور وہ جس نے اب تک علیزہ کی چاہت کو خود سے بھی چھپا کر رکھا ہوا تھا۔ آج یوں وردہ کے سامنے بے نقاب کر کے جیسے شرمندہ سا ہو گیا۔

"آپ کی معلومات کے لیے عرض ہے ارمغان! کیا تمہیں اپنی ٹانگیں پیاری نہیں جو اس لڑکی سے عشق کرنے چلے ہو؟"

"ارے! جب دل جیسی دولت اس کے قدموں پر نچھاور کر دی تو ٹانگوں کی کیا حیثیت؟ وہ میرا مطلب ہے کہ لیکن یہ سچ ہے وردہ! ...... آئی لو ہر! اور اگر وہ نہ ملی تو......"

ارمغان کا لہجہ گہرا ہو گیا، اس کی نگاہوں میں علیزہ کا حسین روپ اتر آیا تو وردہ جو علیزہ کے لیے اس ہٹے کٹے اور خوبرو نوجوان کے دل میں محبت دیکھ کر بے حد خوش ہو گئی تھی۔ اسے ایک دم شرارت سوجھی۔

"کیا کہہ رہے ہو ارمغان؟ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم میری ہی بہن کو میری ہی رقیب بنا کر .... ارمغان! تم پر صرف اور صرف میرا حق ہے، مامی مجھے اپنی بہو بنانا چاہتی ہیں .... کو نہیں، میں تمہیں بچپن ہی سے پسند کرتی ہوں اور تم کہتے ہو کہ تم علیزہ کو...... نہیں! میں یہ نہیں ہونے دوں گی، میں ابھی جا کر مامی سے کہہ دیتی ہوں کہ میں ان کی بہو بننے کو تیار ہوں۔"

ارمغان اس کی خوبصورت آنکھوں میں ناچتے شوخ جگنو نہ دیکھ سکا۔ سرتاپا سنگ اٹھا، اور وردہ جو شوخی سے دروازے کی جانب بڑھ رہی تھی .... جھٹکے سے اس کا بازو پکڑ کر گھسیٹا کہ جس سے وردہ کو ارمغان کی علیزہ سے محبت کا یقین ہو گیا۔

"خبردار تم نے مذاق میں بھی ایسی حرکت کر دی تو بہت برا ہو گا۔" ارمغان شدید غصے میں تھا...... اس کی سانس پھول گئی، نتھنے بھی پھول گئے تو وردہ اس کی اس حالت سے محظوظ ہونے لگی۔

"اچھا...... آپ محبت کریں میری بہن سے، شادی کرنا چاہیں میری بہن سے اور اس کی عزیز از جان بہن کے ساتھ بہت برا ہو گا۔ خیر منا یئے اپنی، اسے اگر یہ بات معلوم ہو گئی ناں تو آپ کا برا ہو جائے گا...... کہ حد ہو گی، بجائے میری خدمت کرنے کے، مک مکاؤ کرنے کے دھمکی دی جا رہی ہے۔ یاد رکھو لڑکے......! اگر میں نے گڑبڑ کر دی ناں تو......" ارمغان وردہ کی شرارت سمجھ کر پرسکون سا ہو کر مسکرا دیا۔

"اوہ! کہہ تو تم بھی ٹھیک رہی ہو اب تو مجھے تمہاری خدمت کرنی ہی چاہیے۔ کہو تو گلا دبا دوں؟"

وہ باقاعدہ اس کا گلا دبانے لگا تو وردہ ہنس دی۔

"عطیہ خاتون ..... ! رات کو کھانے پر میرے دوست آ رہے ہیں، اچھا سا ڈنر ارینج کر دیجیے۔"

"اچھا ! ڈنر میں کون کون سے دوست ہوں گے.....؟ کیا ہم بھی دوست کی فہرست میں ہیں یا نہیں ؟"

"عطیہ خاتون ! آپ تو میری جان ہیں۔" خولہ نے عطیہ خاتون کو بھرپور عقیدت سے پیار کیا۔ سارا سکون، خوشی ان کی رگوں میں اتر گئی مگر یہ خیال اُداس کر گیا کہ وہ پالنے والی ماں ہیں تو بیٹی کی محبت کے مس کی اتنی خوشی ہو رہی ہے تو سگی ماں تو کتنا تڑپتی ہوگی اس کے لمس کو۔"

"کیا سوچ رہی ہیں عطیہ خاتون ؟" خولہ نے ان کی سوچ کو پڑھ لیا۔

"صرف یہ کہ آئی ایم لکی کہ تم جیسی بیٹی اللہ نے دی۔ تم یہ بتاؤ کہ کتنے لوگ ہوں گے ... ؟ علیزہ کے علاوہ کون کون مہمان ہے .....؟"

"عطیہ خاتون ! آپ کو کیسے پتا لگا کہ میرے یہی مہمان ہیں ؟"

خولہ کو بہت حیرت زدہ خوشی ہوئی تھی جب عطیہ خاتون بن کہے اس کی بات سمجھ جاتیں۔

"ہاں ہاں نا بیٹا ! اس لیے تمہارے چہرے پر خوشی کا جو آئینہ ہے اس میں تمہارے دوستوں کے چہرے صاف طور پر نظر آ رہے ہیں۔ یو ڈونٹ وری ! ویسے اگر میرے دو مہمان بھی آ جائیں تو کوئی مسئلہ تو نہیں۔"

"انکل ظفر اور آنٹی آصفہ بھلا ان کے بغیر کوئی خوشی مکمل ہو سکتی ہے ..."

"ہاں ! تو اب تم بتاؤ ناں تم نے کیسے جانا کہ میرے یہی دوست مہمان ہیں۔"

"ہوں ! جواب کے لیے اپنا جملہ یاد کر لیجیے ! میں علیزہ کو فون کرنے جا رہی ہوں کہ اپنے بھائی اور کزن کو بھی ضرور لائے۔" خولہ نے مسکراتے ہوئے کہا اور آگے بڑھ گئی۔

"خدا تمہیں ہمیشہ اسی طرح خوش رکھے خولہ !"

صدق دل سے خولہ کو دعا دی وہ آصفہ کے پاس آ گئیں تاکہ رات کو ڈنر کا انتظام دونوں مل کر کریں۔

● ● ●

"ہاں خولہ ! ٹھیک ہے گھر میں اپنے بھائی اور کزن کا کچھ کہہ نہیں سکتی۔ ہو سکتا ہے ان کا کوئی پروگرام ہو۔"

"نہیں علیزہ ! میں چاہتی ہوں کہ سب لوگ آئیں، ذرا گیٹ ٹو گیدر رہے گی، بیٹ نائٹ ڈنر کے کچھ ہلا گلا کریں گے۔ وہ لوگ ساتھ ہوں گے تو تم بے فکر رہو گی ورنہ بار بار جلدی جلدی جانے کا کہو گی جیسے اس روز ہوا تھا۔" خولہ اپنی زندگی کی تمام محرومیاں مٹا دینا چاہتی تھی اور زوہا نعمان کے بعد اسے علیزہ، ارمغان اور جواد اچھے لگے تھے۔ وہ ان سے دوستی بڑھانا چاہتی تھی۔

"اچھا خولہ ! تم ہولڈ کرو ہاں ! کیا کہہ رہی ہو ؟ ارے بھئی ! آواز نہیں آ رہی اُف کتنی اونچی آواز کر رکھی ہے ان لڑکوں نے ٹی وی کی۔ جواد ! آواز آہستہ کرو، کچھ سنائی نہیں دے رہا۔" علیزہ زور سے چلائی۔ ٹی وی پر اس وقت ابرار الحق کا گانا "سانوں تیرے نال پیار ہو گیا" لگا ہوا تھا،

جواد، ارمغان دونوں انجوائے کر رہے تھے۔ ارمغان تو ساتھ خود بھی گا رہا تھا اور نظریں اس کی علیزہ پر تھیں جو سامنے ہی بیٹھی فون پر بات کر رہی تھی۔

"جواد ! میں کتنی دیر سے کہہ رہی ہوں ٹی وی کی آواز آہستہ کرو مگر تم لوگوں کو احساس ہی نہیں ہوتا۔" وہ چلائی تو جواد نے ارمغان کو دیکھا۔

"ڈیئر آپی ! ٹی وی کی آواز بالکل بند ہے۔ یہ تو ارمغان بھائی گا رہے ہیں۔"

"سانوں تیرے نال پیار ہو گیا، ساڈا دل بے قرار ہو گیا، ہیے نی سانوں تیرے۔"

"مسٹر ارمغان۔" وہ غصے سے اس کی طرف گھومی تو وہ اسے گہری نظروں سے دیکھتا ہوا، ہاتھ فضا میں بلند کر کے بولا۔

"ہائے آپی ! آپ میرے دل کی آواز کو نہیں دبا سکتیں کیونکہ سانوں تیرے نال پیار ہو گیا، ساڈا دل بے قرار"

علیزہ کو اس سے کوئی غرض نہیں تھی اور نہ اس کی بات کے معنی کو سمجھنا چاہتی تھی یوں بھی جب سے رمضان کا نام وردہ کے ساتھ لیا جا رہا تھا اسے مزید چڑ ہو گئی تھی۔

"جواد ! خولہ کا فون آیا ہے کہ"

"ہیں ! سچ آپی !" جواد یک دم خوشی سے اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں ؟" وہ کڑے انداز سے بولی۔

"کچھ نہیں ! بس دل تیرے نال پیار ہو گیا، ساڈا دل بے قرار ہو گیا۔ کیوں جواد میاں ! ہم نے درست کہا ناں ؟" جواد کی بجائے ارمغان پھر گانے لگا تو علیزہ سرتاپا سلگ اُٹھی۔

"سو فیصد درست ! او ! میرا مطلب ہے آپی ! کہ"

"شٹ اَپ ! خراب محبت نے تمہارا دماغ احمق کر دیا ہے۔"

علیزہ نے ایک قہر آلود نگاہ ارمغان پر ڈالی جو ہونٹوں پر شریر سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"ہونہہ ! " وہ تیزی سے پلٹی تو راستے میں رکھے فلور کشن سے ٹکرا کر گھوم گئی تو ارمغان نے جلدی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"ڈونٹ وری ! میں تمہیں کبھی گرنے نہیں دوں گا۔"

"ہونہہ ! مجھے اس سہارے کی ضرورت نہیں۔"

وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر آگے بڑھ گئی تو وہ ٹوٹ سا گیا، چہرے پر شام اُتر آئی۔

"ڈونٹ وری ! آپی کو اسی سہارے کی ضرورت پڑے گی۔" ہمیشہ کی طرح جواد نے بھن کے لگائے زخم پر اپنی محبت کا مرہم رکھا۔

"پتہ نہیں یار ! ابھی کبھی تو نا ڈوبتی نظر آتی ہے۔"

اک کسک سی چپکے سے اندر اُتر گئی۔ جواد نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

"جواد ! آج رات کہیں اور کا پروگرام نہ رکھنا، آج ہم خولہ کے گھر ڈنر پر جا رہے ہیں۔" خولہ سے

جا کر ڈریس تبدیل کر لیں گی۔"

"اوہ! ہاں یار...... اکبر تو تم ٹھیک رہے ہو۔ یار! یہ لڑکیاں بھی کتنا تیار ہو جائیں، مگر آپ ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔"

وہ علیزہ کو قریب آتا دیکھ کر سیدھا ہو کر بلند آواز میں بولا۔ علیزہ نے نہ تو ارمغان کی ڈریسنگ پر نہ ہی بات پر اور چپ چاپ بیٹھ گئی۔ ڈنر پر سب کو بہت اچھا لگا تھا، تو جوانوں کی اس پارٹی کو مزید بنانے کے لیے بزرگ پارٹی خود ہی الگ ہو کر بیٹھ گئی۔ عطیہ خاتون خولہ کو خوش دیکھ کر بہت خوش تھیں۔ وہ دل سے ہنس بول رہی تھی۔ شوخ ڈریس اور میک اپ میں وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی تب ہی تو جواد کی گہری نگاہیں بار بار اس کے چہرے پر جا کر ٹھہر رہی تھیں۔ یہ لڑکی تو اسے پہلی ہی نظر میں ہی بہت اچھی لگی۔

"ہوں! اچھی ہے! بات کروں گا پھپھو سے۔"

ارمغان کو گو کہ اس نے کچھ نہیں بتایا تھا مگر وہ خود اسی میدان کا کھلاڑی تھا، جواد کی نگاہوں سے وہ آتی خولہ کی اہمیت کو سمجھ گیا تھا۔

"جی ضرور! اکبر بھلا ہو بھلا!" جواد نے بھی شوخی سے کہا اور خولہ کو دیکھا جو علیزہ کا ہاتھ پکڑ کر وہاں سے اٹھ رہی تھی۔

"یہ آپ لوگ کہاں چلیں؟" ارمغان نے علیزہ کے چہرے پر آئے بالوں کو دیکھا۔

"سوری گائز! میں ذرا علیزہ کو اپنی پینٹنگز دکھانے لے جا رہی ہوں اپنے کمرے میں۔"

"رنگوں کے بغیر تو ڈریسنگ بھی پھیکی ہی لگے گا۔"

ارمغان نے تو اپنے دل کی بات کہی تھی۔ جواد کو لگا جیسے [illegible] خولہ نے ممنون سی نظر ارمغان پر ڈالی۔

"جواد! میں ابھی آتی ہوں، تم حنیف کو فون کر کے کہہ دو کہ کھانا کھا کر آرام کرے، اس کی طبیعت خراب تھی۔"

جواد کو ہدایات دے کر علیزہ خولہ کے ساتھ کمرے میں آ گئی۔ آج دونوں نے خوب باتیں کی تھیں، دونوں نے ایک دوسرے کی زندگی کی کتاب کو کھول کر رکھ دیا تھا۔

"تو کیا یہ آنٹی تمہاری مما نہیں؟" علیزہ کو بڑی حیرت ہوئی تھی کہ عطیہ خاتون جن کو وہ خولہ کی مما سمجھی تھی، وہ اس کی کیئر ٹیکر تھیں۔

"کاش کہ عطیہ خاتون میری سگی مما ہوتیں۔ بٹ اینی وے! تم بتا رہی تھیں کہ تمہاری مما..." خولہ نے بات ادھوری چھوڑ کر باقی کی کہانی اسے مکمل کرنے کا کہہ دیا تو علیزہ نے شروع سے ساری بات اسے بتا دی۔

"نہیں خولہ! وہ بالکل بھی اسٹیپ مدر نہیں ہیں۔ شی از سو لونگ مدر، انہوں نے کبھی کسی لمحے بھی سوتیلے پن کا احساس نہیں ہونے دیا بلکہ انہوں نے تو ہمارے بابا سے شادی بھی ہماری وجہ سے کی تھی۔ آئی لو ہر سچ!" علیزہ کو اگرچہ شہلا سے بہت محبت تھی اسے بحیثیت ماں شہلا سے کوئی شکایت نہیں تھی مگر اتنی مہربان ہونے کے باوجود وہ ان کا یہ جرم معاف نہیں کر سکی تھی کہ ان کی وجہ سے اس کے بابا گھر چھوڑ کر چلے گئے تھے

اب تک وہ بابا کو ترس رہی تھی۔ اور اس نے سوچ لیا تھا کہ جب تک اس کے بابا دوبارہ زندگی میں لوٹ نہیں آتے تب تک وہ اپنا انتقام جاری رکھے گی۔

"اگر وہ آنٹی اچھی ہیں تو تم ان سے چڑتی کیوں ہو؟"

خولہ کو بڑی حیرت ہوئی تھی کہ سوتیلی ماں سگی ماں جیسی ہو تو پھر اس سے یہ نفرت، یہ کدورت بے معنی سی تھی۔

"صرف اس لیے خولہ کہ ان کی وجہ سے میرے بابا ہماری زندگی سے چلے گئے۔ اب تک ان کی کوئی خبر نہیں آئی ہے۔ وہ ایں یا..."

علیزہ کی آواز دب گئی اور آنکھوں کے کنارے بھیگ گئے۔ تب خولہ نے اس کا نرم ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ درد کے اس موڑ پر دونوں ہم سفر ہو گئیں۔ وہ اپنے بابا کی جدائی میں تڑپ رہی تھی اور وہ خود اپنی مما کی [illegible] میں تھی۔

خولہ اور علیزہ کے شوق اور مشاغل ایک سے تھے۔ وہ ذرا مختلف گھریلو لڑکی تھی اس لیے کبھی کبھار ہی شریک ہوتی جبکہ نعمان کی، رمغان، جواد کے ساتھ بھی دوستی ہو گئی تھی۔ انہی دنوں علیزہ کی زندگی میں طلحہ ابراہیم آ گیا، بوڑھا کلاس کا [illegible] بے باک نوجوان علیزہ کی طرف بڑھا تو علیزہ نے بھی ہاتھ بڑھانے میں دیر نہ کی۔ طلحہ ابراہیم کے والد بزنس مین تھے۔ ایک عمر امریکہ میں رہے اب ملک سیٹل ہو گئے تو طلحہ ابراہیم نے آتے ہی [illegible] بنا لیا تھا اور اسی سلسلے میں وہ علیزہ کے کالج بھی آیا تھا اور وہیں اس کی نظر علیزہ پر پڑی اور چند [illegible] میں بدل گیا۔

اس روز بھی وہ شام کو خوب تیار ہو کر طلحہ کا انتظار کر رہی تھی کہ اس وقت اس کی گاڑی کا ہارن بجا اور وہ جو بے قراری سے اس کا انتظار کر رہی تھی اسی بے قراری سے بیگ اٹھا کر جانے لگی تو ارمغان اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"تم طلحہ ابراہیم کے ساتھ کہیں نہیں جاؤ گی۔"

اس کے انداز میں رعب، غصہ، حاکمیت وہ سب کچھ تھا جس سے علیزہ کو چڑ تھی۔

"میں جاؤں گی اور ضرور جاؤں گی...... اہو آر یو......؟"

وہ اسے پرے کرتی آگے بڑھی تو ارمغان نے اس کا ہاتھ اس مضبوطی سے پکڑا کہ اس کی چیخ نکل گئی۔

"جاننا چاہتی ہو کہ میں کون ہوں......؟ تو سنو!"

● ● ●

"عزین صاحب! آفاق صاحب کی حالت اچھی نہیں۔ آپ ان کو باہر کیوں نہیں لے جاتے؟"

ڈاکٹر موی، آفاق صاحب کو چیک کر کے باہر آئے تو عزین چونک کر ان کو دیکھنے لگا۔

"بائی پاس تو پاکستان میں بھی ہو جاتا ہے ڈاکٹر صاحب!"

اس کا لہجہ ہر قسم کی فکر سے آزاد اور پرسکون تھا۔ ڈاکٹر نے حیرت سے عزین آفاق کو دیکھا جو کبھی تو اپنے باپ کے لیے جان تک قربان کر رہا ہوتا اور کبھی اتنا پرواہ کہ دیکھنے والے حیرت زدہ رہ جاتے۔

بات کر کے علیزہ نے صرف جواد کو بتایا۔

"کمال ہے یار۔۔! جب ہمارے پاس گاڑی ہے تو ہم ڈنر پر کیوں جائیں خالہ کے گھر۔"

کو علیزہ کو دیکھتے ہی شرارت سوجھتی تو وہ خود پر اختیار نہ رکھ پاتا اور کوئی نہ کوئی بات کہہ ہی جاتا۔

"مسٹر ارمغان۔۔۔ میں آپ سے نہیں اپنے بھائی سے مخاطب ہوں۔" جاتے جاتے وہ پلٹ کر غصے سے بولی تو ارمغان خوش ہو گیا۔

"وہ۔۔۔ شکر ہے بھائی ہونے کی سزا جواد ہی کو ملی ہے۔"

"وہ۔۔۔! آپ منہ دھو رکھیے میں آپ کو اپنی زندگی میں کوئی حیثیت، کوئی رتبہ نہیں دوں گی۔"

حسین چہرے پر نفرت کے سائے اترنے لگے تو کچھ دیر کے لیے اس کے چہرے کا تناؤ، لہجے کی کڑک اور تپش سے ارمغان کا سارا وجود سلگنے لگا۔ جواد نے محسوس کر لیا تھا تب ہی اس نے آگے بڑھ کر اس کا شانہ دبا دیا۔ اس دباؤ میں چھپی محبت، تسلی اور اُمید کی کرن ارمغان کے دل کی گلیوں کو روشن کرتی ہوئی اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بن کر آ گئی۔

"ارے لڑکی۔۔! خدا کے غضب سے ڈرو جس دن اللہ نے مجھے تمہاری زندگی میں کوئی حیثیت، مرتبہ دے دیا نا، تو سوچ کیا ہوگا۔۔۔؟"

اب ارمغان تو صرف اسی کے حوالے سے کہہ رہا تھا ورنہ وہ تو سمجھا اس بات کو وردہ سے رشتے کے تناظر میں دیکھ کر غصے سے بپھر گئی۔

"خبردار۔۔۔ خبردار جو آپ نے وردہ کا نام بھی لیا تو۔"

"ہیں۔۔۔؟ کیوں۔۔۔؟ کیا ہوا۔۔۔؟ وردہ کا نام لینے سے زبان پر چھالے نکل آئیں گے کہ کانوں سے دھواں نکلنے لگے گا۔۔۔؟ یار۔۔۔! یہ وردہ بم یا جن کیا ہو گئی۔۔۔؟"

ارمغان وردہ کے نام پر اچھل کر صوفے پر چڑھ گیا اور خوف سے سہم کر کانوں کو چھونے لگا۔ جواد مسکرا رہا تھا مگر علیزہ بری طرح تپ گئی۔

"ہونہہ۔۔۔! آپ جیسے جوکر کا انتخاب کیا ہے ناں ماما صاحب نے وردہ کے لیے، آخر کہیں نہ کہیں تو بے وقوفی کا ثبوت دینا ہی تھا۔۔۔؟ لیکن کان کھول کر سن لیجیے آپ۔۔۔!"

"ایک منٹ۔۔۔ یار جواد۔۔۔! یہ لو چابی، ذرا میرے کان کا تالا کھول دو۔ یہ محترمہ کچھ سنانا چاہ رہی ہیں۔" اسے درمیان میں روک کر ارمغان اُٹھا اور سائیڈ ٹیبل پر پڑی گاڑی کی چابی اُٹھا کر جواد کی طرف اچھالی تو علیزہ غصے سے پھٹ پڑی۔

"اُف۔۔۔! میں وردہ کے ساتھ یہ زیادتی ہرگز ہونے نہیں دوں گی۔" علیزہ کا بس چلتا تو ارمغان کا منہ توڑ دیتی۔

"وردہ کو چھوڑیے، اس کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوگی، آپ اپنی خیر منائیے۔" وہ تو دل کے ہاتھوں مجبور تھا اور دل کی خواہش معنی خیز جملوں کی صورت لبوں پر آ جاتی۔ مگر بچپن سے اب تک وہ اپنی کوشش میں ناکام رہا تھا۔ علیزہ تو اس سے اس قدر نفرت کرتی تھی کہ بھولے سے بھی اس کے بارے میں سوچنا گویا گناہ سمجھتی تھی۔

دوبارہ کب آتا تھا۔

"ہونہہ۔۔!" وہ اس کی گہری نظروں اور باتوں کا مطلب سمجھے بغیر ہونہہ کہہ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ جواباً ارمغان نے بھی ہونہہ کہا اور اپنی الماری کی طرف بڑھا۔

"ویسے ارمغان بھیا۔۔۔! آپ میری اتنی پیاری آپی کو بہت تنگ کرتے ہیں۔"

"اور آپ کی اتنی پیاری آپی جو ہمیں اتنا ذلیل اور بے عزت کرتی ہیں اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔۔۔؟"

"یہ سب تو ان پر سوٹ کرتا ہے۔" جواد محبت سے مسکرایا۔

"جی۔۔۔ ان پر سوٹ کرتا ہے۔۔۔؟ اچھا تو یہ بتایئے رات کے ڈنر کے لیے یہ سوٹ مجھ پر سوٹ کرے گا ناں۔۔۔؟" ارمغان سیاہ ڈنر سوٹ لگائے اس سے پوچھ رہا تھا۔

"بہت زبردست۔۔۔!" جواد کو ارمغان بہت پسند بھی تھا اور عزیز بھی، اور پپا ممی کی طرح وہ بھی چاہتا تھا کہ دونوں بہنوں میں سے کسی ایک کی شادی اس سے ہو جائے۔ تب ہی ارمغان نے ایک روز خود ہی علیزہ کے لیے اپنی دیوانگی کا راز کھول دیا تو وہ خوشی کے مارے اس سے لپٹ گیا تھا۔ تب سے وہ ان دونوں کی نوک جھونک سے محظوظ ہوا کرتا تھا۔

علیزہ لاہور این سی اے میں اس لیے بھی آئی تھی کہ اس کا شوق تھا، دوسرا وہ گھر سے دور ہاسٹل میں رہ کر زندگی کو اپنی مرضی اور پسند سے انجوائے کرنا چاہتی تھی مگر ارمغان اس سے پہلے لاہور میں موجود تھا پھر جواد بھی ان کے ساتھ ہی آ گیا تو پپا نے فیصلہ کیا کہ یہ تینوں ایک ساتھ ہی رہیں گے تو ان کو تسلی رہے گی تب انہوں نے ڈیفنس میں ایک کوٹھی کرائے پر لے لی۔ اب سے خالی کرائی تاکہ یہ سب سکون سے وہاں رہیں اور پڑھیں اور یہاں گھر سے، شہر سے اتنی دور علیزہ بہت گھبرا جاتی۔ تب ارمغان ہزار نفرتوں کے باوجود اسے مہربان سایہ نظر آتا۔ جواد اس کا چھوٹا بھائی تھا وہ اس کے لیے فکرمند ہوتی تو جواد ارمغان کا ہاتھ تھام لیتا۔ احساس کے یہ ننھے منے جگنو اس کے قریب سے گزر جاتے اور کچھ دیر کے لیے سہی ارمغان کی اہمیت جتا جاتے۔ اس وقت وہ دونوں تیار ہو کر گاڑی میں بیٹھ چکے تھے جبکہ علیزہ ابھی تک برآمد نہیں ہوئی تھی۔

"یار۔۔۔ یہ لڑکیاں بھی کتنی غیر مطمئن قوم ہیں، قسم سے پوری میک اپ کٹ ملا کے بھی قرار نہیں آتا تو کسی گمشدہ چیز کی تلاش میں گھنٹوں آئینے کی برداشت کا امتحان لیتی رہیں گی اور بھیانک شکل لے کر آئینے سے پوچھتی رہیں گی کہ بول آئینے بول میں کتنی حسین لگ رہی ہوں۔ اب بیچارا آئینہ منہ چڑھانے کے سوا کیا کر سکتا ہے۔۔۔؟ اب ان محترمہ ہی کو لے آؤ، ہمیں تیار ہوئے ایک گھنٹہ ہو گیا اور۔۔۔ اور۔۔۔"

پھر جیسے اس کی نظر پورچ میں داخل ہوتی علیزہ پر ٹھہری گئی جو اس بات سے بے خبر تھی کہ ارمغان سیاہ ڈنر سوٹ میں بہت اسمارٹ لگ رہا ہے۔ وہ بھی سیاہ ستاروں اور موتیوں سے سجے لباس میں بے حد حسین لگ رہی تھی۔ ارمغان تو پلکیں جھپکانا بھول گیا اور اس حسن اتفاق پر اندر خوشی کے جگنو رقص ہو گئے۔

"کیا حسن اتفاق ہے یار جواد۔۔۔!" وہ بے خود سا بولا۔

"ارمغان بھائی۔۔۔! سیدھے ہو جایئے، ورنہ دعا کیجیے کہ آپی اس حسن اتفاق پر توجہ نہ فرمائیں ورنہ ابھی

"غزین میاں! آپ خود ڈاکٹر ہیں، آپ کو خود اندازہ ہونا چاہیے کہ آفاق صاحب
ہی نہیں، استھما کے مریض بھی ہیں ورنہ ان کے لیے تو شاید ہی بائی پاس کا آپریشن افورڈ کر سکیں
تفصیل پر وہ بے دلی سے ہاتھ اچکا کر بولا۔

"پھر، پھر ڈاکٹر! بتائیے کہ مجھے کیا کرنا ہوگا؟ میں تو چاہتا ہوں کہ..... میرا مطلب
صاحب "آپ ایک بورڈ تشکیل دیں ڈاکٹرز کا جس میں ڈیڈی کی تمام بیماریوں کو ڈسکس کر کے ان کے
لیے کوئی راستہ نکالا جا سکے۔"

غزین کے چہرے پر کرب ناک سائے پھیل گئے۔ اس نے آگے بڑھ کر بے سدھ پڑے آفاق کی
پیشانی پر پیار کیا۔

"چلیے! دیکھتے ہیں، یہ ہی کرنا پڑے گا کیونکہ دن بدن آفاق صاحب کی حالت خراب ہو رہی
ہے۔ ان کا بائی پاس جتنی جلدی ہو جائے ان کے لیے اچھا ہے۔" ڈاکٹر صاحب جاتے جاتے آفاق کی
بی پی اور نبض وغیرہ چیک کر رہے تھے۔ وہ دروازے کی طرف بڑھے تو غزین ایک دم بولا۔

"ڈاکٹر صاحب! بائی پاس سے صرف دل کی خرابی ہی دور ہو سکتی ہے۔"

"میں کچھ سمجھا نہیں غزین! آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔؟"

"ڈاکٹر صاحب! بتایا ہے ناں، اور انکل کی اتنی کریٹیکل حالت کی وجہ سے ذہنی طور پر بہت اپ
سیٹ ہے۔ یو نو.....؟"

اسد جو کسی ناصح کی طرح ہر وقت اس کے ساتھ رہتا تھا، ڈاکٹر سے...
ہے۔ اس نے پہلے تو اس کا شانہ دبا کر مزید کچھ کہنے سے روکا اور ڈاکٹر ہوی کا بیگ پکڑ کر باہر نکل گیا۔
دل و دماغ میں آندھیاں چل رہی تھیں، طوفان اُمڈ رہے تھے اور بیقراری، جنون کی سی کیفیت تو ہر وقت ان پر
جس نے اسے توڑ پھوڑ دیا تھا اور اس سب کا ذمہ دار یہ شخص تھا۔ آفاق احمد جس سے اسے جتنی محبت تھی اتنی
تھی، اس شخص سے جو اس کا باپ تھا، زندگی خوبصورت انداز میں ایک حسین دلفریب رنگین پینٹنگ کی صورت
دکھائی تھی مگر پھر اچانک حقیقت کی سچائی کی پھوار نے اس پینٹنگ کے سارے رنگ بہا ڈالے اور وہ بن گیا
جو بنا چاہتا تھا۔

"آئی ہیٹ یو ڈیڈ..... آئی رئیلی ہیٹ یو.....!"

اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا ان کا ہاتھ زور سے بستر پر پٹخا تو نجانے نفرت کی اذیت پہنچی تھی کہ کوئی
درد اٹھا تھا، وہ کراہ کر رہ گئے۔

"غزین! غزین یہ کیا حماقت ہے؟ تمہیں نفرت ہے تو مر جانے دو ناں ان کو؟ کیوں ان کی
زندگی کے لیے دوا بھی کرتے ہو اور دعا بھی.....؟"

اسد کی اس سے یہی لڑائی رہتی تھی کہ اس نے محبت اور نفرت دونوں کشتیوں میں پاؤں رکھے ہوئے ہیں
اسی لیے بیقراری کی کیفیت میں رہتا تھا۔

"کیسے؟ کیسے مر جانے دوں؟ تاکہ یہ تو ایک بار مر کر آرام سے قبر میں جا سوئیں اور میں جو

پل پل جیتا مرتا ہوں اس کا حساب کون دے گا؟ یہ، یہ شخص ہی دے گا، اس کو میرے ایک ایک
پل کا حساب دینا ہوگا۔ اسد! جانتے ہو یہ جتنا تکلیف سے، درد سے تڑپتے ہیں ناں مجھے، قسم سے مجھے
خوشی ہوتی ہے اور ایسی خوشی کو کمینی خوشی کہتے ہیں ناں جو کسی کو تکلیف میں دیکھ کر ہوتی ہے؟ تو، تو یہ
بھی میرے ان ڈیڈی کی دی ہوئی ہے۔ دوسروں کی تکلیف، دکھ، درد پر خوش ہونے کا وصف بھی اسی شخص کا دیا
ہے یار اسد...... تمہیں اندازہ ہی نہیں کہ انہوں نے کیا کیا ہے......؟"

آفاق صاحب کے دونوں پاؤں چھو کر ان پر سر رکھ کر وہ شدتوں سے روتا رہا۔ اسد نے اسے رونے دیا،
اس طرح تو غبار نکلے اور فضا نکھر جائے اندر باہر سے۔ اس خوبصورت نوجوان کے سارے دکھ وہ جانتا تھا اور
بلکہ وہ اپنے زخموں کا، دکھوں کا حساب لینا چاہتا تھا تو وہ انسانیت کا درس جب دیتا تو غزین کو اسد سے بھی چڑ
ہو جاتی۔

"بخش دو، معاف کر دو غزین! معافی کا مرہم دیکھنا انکل کو تو پرسکون کرے گا ہی تمہارے دکھوں کے
سائے بھی چھٹ جائیں گے، انتقام کی آگ بجھ جائے گی تو تم دیکھنا تم بہت پرسکون ہو جاؤ گے، خوش ہو جاؤ گے۔"

"شٹ اپ، اسد! مت دو مجھے معافی تلافی کا درس۔ میں ان کو معاف کر دوں؟ یہ ظلم و ستم کر
کے اپنے نفس کو خوش کر کے معافی نامہ لے کر خوش بخت ہو جائیں اور سرخرو بھی ہو جائیں اور میں جلتا رہا ہوں،
وہ بے کفن لاشہ اپنے ہی شانوں پر لیے پھرتا رہوں... نو... انیور اسد... یہ مجھ سے نہیں ہو سکے گا۔ ان کو
اپنے ایک ایک ظلم کا حساب دینا ہوگا، میں ان کے زندہ رہنے کے لیے دوا بھی کروں گا اور
دعا بھی... ان کی خوشیوں کو بھی دیکھا ہے میرے انتقام کا انداز بھی دیکھنا ہے اور ان سے کہو وہ ایک
بس ایک بار یہ زبان کھول دیں صرف ایک بار... ورنہ میں"

"غزین! دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا!"

غزین پر جنون سوار تھا، اس کا سارا بدن اے سی کی خنکی میں بھی پسینے میں نہا رہا تھا، چہرے پر چٹانوں کی سی
سختی اور سانس تیز تیز چل رہی تھی، بال ماتھے پر بکھرے وحشی پن سے آفاق صاحب کو پکڑ کر اٹھانا چاہا تو اسد نے اسے
دھکیل دیا۔

"سب ہی میرے ساتھ ایسا کرتے ہیں تمہیں بھی انہی کی پرواہ ہے، میری کسی کو پرواہ
نہیں، میرے سکون کی کسی کو پرواہ نہیں، میں ننگے پاؤں تپتی ریت پر چلتا ہی رہوں گا، چلتا ہی رہوں گا۔ پلیز
کم بیک! کم بیک ڈیڈ... ایک بار زبان کھول دیں ڈیڈ... میں تھک گیا ہوں، اب مجھ سے اور
نہیں چلا جاتا۔ پلیز ڈیڈ!"

غزین بے سدھ پڑے آفاق صاحب کے سینے پر سر رکھ کر شدتوں سے روتا رہا پھر اسد زبردستی اسے وہاں
سے لے آیا۔

"اور اس روز تم کہہ رہے تھے کہ تم مسعود اور روبی بھابھی کی دعوت کرنا چاہ رہے ہو اس کا کیا ہوا؟"
اس نے اس کا دھیان بٹانے کے لیے کہا تو کچھ دیر کے لیے غزین چونک کر اسے دیکھنے لگا جیسے کچھ یاد نہ ہو۔ پھر
اس کی رگوں میں جما ہوا خون رواں ہونے لگا۔ اس نے سگریٹ کا گہرا کش فضا میں چھوڑا تو کچھ دیر کے لیے

اسے لگا کہ اندر کی فضا بالکل صاف ہو گئی ہو۔ آسمان صاف ہو تو پرواز کرنے والوں کو سمت کا تعین بھی آسانی ہو جاتی ہے اور اسے بھی ایک دم ہی راستے نظر آنے لگے تھے۔

"صرف مسعود اور روبی بھابھی کی نہیں جس کی خاطر یہ سب ہو رہا ہے اس کا تو تم نے نام بھی نہیں لیا۔" نظروں میں معنی خیزی لیے وہ اسد کی طرف گھوما۔

"وہ تو پھر بھی نہیں آئے گی۔"

"ڈونٹ وری! وہ آئے گی اور ضرور آئے گی۔ جب اس کے چمن کے چرند پرند دعوت میں ہوں گے تو وہ کیسے نہیں آئے گی؟ اسے آنا ہی پڑے گا۔" اس کے چہرے کی سختی اس کے لہجے میں در آئی۔

"کیا مطلب؟" اسد اس کی دوستی و محبت میں بہت آگے نکل گیا تھا ورنہ سو فیصدی اس کی پھر بھی کبھی کبھی اس کی باتیں اس کے اوپر سے گزر جاتیں۔ تب ایک عجیب سی مسکراہٹ غزین کے ہونٹوں پر آ جاتی۔

"شہر کے فائیو اسٹار ہوٹل میں اس کے پورے خاندان کی دعوت ہے اور اس کے انتظامات ہو چکے ہیں۔ ان لوگوں کو ان کے شدید انکار کے باوجود اس دعوت میں شرکت کے لیے تیار کر لیا گیا ہے اور اب وہ میری دولت کے حسن اخلاق سے مرعوب ہو کر مقررہ دن اور مقررہ وقت پر پہنچ جائیں گے۔"

غزین نے سارے انتظامات کے بارے میں بتایا تو اسد حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

"اور جس کے لیے تم نے یہ محفل سجائی ہے اس کا تو تم نے نام ہی نہیں لیا۔ اسے تو انوائیٹ کیا ہے؟"

"اسے انوائیٹ ہم خود بنفس نفیس کرنے جائیں گے پھولوں کی بگھی سجا کر مخلوق کی قطعی اس کو ساتھ لیتے جائیں گے۔"

نجانے کیا بات تھی کہ کچھ دیر کے لیے غزین کے چہرے کے رنگ بکھر گئے۔ لہجے میں انجانی سی سختی آ گئی۔ اسد نے بغور اسے دیکھا۔

"اوہ! جیسے وہ عروسی لباس میں تیار ہو گی اور تمہارے بڑھے ہاتھ میں اپنا حنائی ہاتھ دے کر محبت کی بگھی میں سوار ہو جائے گی؟ ڈیم اٹ یار! نہ تم ایسا کر سکتے ہو اور نہ وہ، دونوں ایک ڈھیٹ ہو، اول تو کچھ بھی ہو وہ نہیں آئے گی، تم خود انوائیٹ کر دیا کوئی اور، وہ کسی صورت بھی نظر نہیں آئے گی۔"

"او کے! چلو یہ منظر بھی تمہیں دکھا دیں گے۔ کم آن!"

غزین نے آدھا سگریٹ جوتے تلے مسلا اور گاڑی کے بونٹ سے اتر کر ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا۔ آئینے میں اپنے بال وغیرہ درست کیے اور اسد کو دیکھ کر مسکرایا۔

"کیسا لگ رہا ہوں؟" غزین نے اسد کو دیکھا۔

"زبردست لگ رہے ہو، ویسے ارادہ کہاں کا ہے؟" اسد کچھ کہنے والا تھا مگر پھر اس کا موڈ بگڑ جانے کے خوف سے اس نے بات بدل دی۔

"کوئے جاناں۔۔۔!" غزین وردہ کا تصور کر کے ترنگ میں مسکرایا۔

"اوئے! مجھے چھتر کھانے کا قطعی شوق نہیں۔ تم جاؤ، مجھے میرے گھر ڈراپ کر دو۔"

"یعنی کہ ثابت کر دیا کہ کمینے ہو؟" غزین نے اسے گھورا، اور گاڑی اس کے گھر کے گیٹ کے سامنے روک دی۔

"جی! مجبوری ہے، سر پر بال ہی کم ہیں۔" اسد اترتے ہوئے بولا۔

"بال کم ہوں یا زیادہ ہوں کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن چلنے کے لیے ٹانگیں دو ہی اچھی، سمجھے؟ آئندہ ایسے کمینے پن کا مظاہرہ کیا ناں تو دو کی بجائے ایک پر کھڑے رہو گے۔" غزین غصے میں آ گیا۔

"کیا کروں یار! دوست ہوں ناں تو محبوب کے ہاتھوں تجھے جوتے کھاتے نہیں دیکھ سکتا اس لیے ساتھ نہیں جا رہا۔" اسد شرارت سے ہنسا۔

"او کے۔ مگر محبوب کا ہاتھ میرے ہاتھ میں تو دیکھ سکو گے کہ وہ بھی نہیں؟"

"ایسا ہو نہیں سکتا۔" اسد نے چیلنج کرنے والے انداز میں کہا۔

"چلو! یہ بھی کر کے تمہیں دکھا دیں گے۔ خدا حافظ!"

غزین گاڑی لے اڑا اور اس وقت جبکہ شام کے سائے ڈھلنے لگے بڑھ رہے تھے، تھکی ماندی کرنیں افق کی گود میں آنکھیں موند رہی تھیں، وردہ اور مونی بیڈمنٹن کھیل رہی تھیں، شہلا پودوں کو پانی دے رہی تھیں۔

"بس آپی! اب میں اور نہیں کھیل سکتی، میرا پروگرام آ رہا ہے ٹی وی پر۔" مونی ریکٹ درمیان میں پھینک کر لاؤنج کی طرف بھاگی۔

"یہ لڑکی بھی ناں کبھی بڑی نہیں ہو گی، انٹر میں آ گئی ہے اور بچوں کے پروگرام ابھی تک دیکھتی ہے۔" وردہ نے ریکٹ اٹھایا اور اندر چلی گئی۔

"بیگم صاحب! وہ صاحب آئے ہیں۔"

"ارے! ارے غزین بیٹا! آؤ۔! گیٹ پر کیوں کھڑے ہو؟"

چوکیدار کی اطلاع پر شہلا نے پلٹ کر دیکھا تو غزین سامنے ہی کھڑا تھا۔ غزین نے اپنے اخلاق سے وردہ کے سارے خاندان کو اپنا گرویدہ کر لیا تھا، اور شہلا تو اچھی خاصی فین ہو گئی تھیں۔

"اسلام علیکم آنٹی!" سعادتمندی میں وہ خود ہی بزرگوں کے سامنے اتنا جھک جایا کرتا کہ بزرگوں کو اس کے سر یا شانے پر پیار سے ہاتھ رکھنا ہی پڑتا۔

"وعلیکم اسلام بیٹا!۔۔ آؤ ناں بیٹھو بلکہ یہاں نہیں، شام ہو گئی ہے، ابھی مچھر یلغار کر دیں گے، اندر ہی چلتے ہیں۔"

شہلا پہلے تو لان میں بیٹھنے لگیں پھر اندر کی طرف بڑھ گئیں تو وہ بھی سعادتمندی سے سر جھکائے ان کے پیچھے ڈرائنگ روم میں آ گیا جہاں لائٹ آف کیے وردہ لیٹی ہی تھی کہ لائٹ آن ہونے پر چونک کر اٹھی۔

"ارے وردہ جان! دیکھو تو کون آیا ہے؟ آؤ ناں غزین!" شہلا جو اندر کی کہانی قطعی نہیں جانتی تھیں ایسے خوش ہو کر اطلاع دے رہی تھیں جیسے غزین وردہ کے لیے کوئی بہت اہمیت رکھتا ہو اور وردہ جو کچھ دیر

کے بے لیٹی تھی، اُلجھے بالوں کے ساتھ دوپٹہ درست کرتی غزین کو گھور رہی تھی جو آج چانک ان کے گھر ... تھا۔

"یہ ڈر ے باز اب میرے گھر تک آ گیا ہے۔" وردہ نے انتہائی نفرت اور حقارت سے ... اسے یوں اپنے گھر دیکھ کر اس وقت وردہ کو کتنا غصہ آ رہا ہے، غزین اس کی اندرونی حالت کو خود ہی سوچ ... ہو رہا تھا اور جب اس نے شہلا کی نظر بچا کر وردہ کو آداب کیا تو اس کا جی چاہا کسی بھی بات کا لحاظ کیے بغیر ... اٹھ کر اس کے منہ پر دے مارے مگر وہ اب جبکہ اس کا ساتھ ختم ہونے والا تھا اس کی شکایت کر کے کسی ہنگامے یا فسانے کو جنم دینا نہیں چاہتی اس لیے خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی۔

"وردہ ! ارے بیٹا ! ایسے کیا دیکھ رہی ہو حیرت سے......؟ ارے یہ غزین ہے۔"

شہلا کو بھی وردہ کا انداز کچھ اچھا نہیں لگا۔ غزین بڑی گہری اور شوخ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا ... مخالفت کے باوجود اس وقت دل میں اُتر رہی تھی۔

"ارے نہیں آنٹی...... ! ڈونٹ وری...... ! میں وردہ کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں اور یوں بھی بندے ... جب بہت ہی شدید قسم کی خواہش یوں اچانک ہی پوری ہو جاتی ہے تو وہ یونہی بے یقینی سے دیکھتا رہ جاتا ہے۔"

"اسلام و علیکم وردہ ! کیسی ہیں آپ ؟" وہ دل اور جان جلانے کے سارے گر جانتا تھا اور اس میں بڑا کامیاب بھی تھا۔ وردہ اس کی بات ور ڈھٹائی پر سلگ گئی۔

"وعلیکم سلام ! تشریف رکھیے۔" وردہ نے یوں ... شہلا اس کی چائے کے انتظام کے لیے جا چکی تھیں۔

"تشریف ؟ اوہ ! اچھا ! تشریف رکھوں مگر کہاں ؟" وہ اس کی طرف جھکا جان جلا رہا تھا اس کی۔ وردہ بھی کوئی لحاظ رکھنے کی قائل نہیں تھی۔

"آپ کی جگہ تو قدموں میں ہے لیکن ہمارے ہاں مہمان کو صوفے پر کرسی پر بیٹھایا جاتا ہے، اتنے بڑے ڈرائنگ روم میں چار صوفہ سیٹ ہیں، کسی پہ بھی بیٹھ جائیں۔"

"ارے ڈاکٹر وردہ وجاہت ! ہم تو دل و نظر میں بسائے جانے کے قابل ہیں آپ صوفوں کی بات کرتی ہیں ؟ اینی وے ! قبل اس کے کہ آپ کی والدہ تشریف لے آئیں آپ یہ بتایئے کہ آپ اس روز پارٹی پر کس کلر کی ڈریسنگ کر رہی ہیں تاکہ ہم بھی میچنگ کا ..."

"شٹ اپ ! جو ایک لفظ بھی کہا ہو تو۔ مسٹر غزین ! میں اگر آپ کی بیہودہ حرکتوں اور باتوں پر چپ ہوں تو اس کی ایک بہت بڑی وجہ ہے۔"

وردہ کا لہجہ دبا ہوا اور دھیما ضرور تھا مگر اس کی نظروں کے شعلے غزین کو جھلس گئے۔ وہ اس کے قریب آ گیا اتنا کہ وردہ کو پیچھے ہٹنا پڑا۔

"وہ وجہ میں جانتا ہوں مس وردہ ! بھلا محبت سے بڑی وجہ کیا ہو سکتی ہے ؟" غزین نے پھونک مار کر جو بم پھینکا تھا وہ اس کی تباہ کاریوں سے بھی واقف تھا۔ وہ بم وردہ کے دل کے اندر جا کر پھٹا تو قوت برداشت جواب دے گئی۔ شاید غصے اور صدمے نے کچھ دیر کے لیے اس سے قوت گویائی چھین لی۔ وہ اس کا

"... چہرہ نوچ لینا چاہتی تھی مگر ہاتھ ساکت رہے، وہ اسے بہت ذلیل کرنا چاہتی تھی مگر لفظ گونگے ہو گئے۔ اس کے چہرے پر آئے پسینے سے غزین اس کی اندرونی حالت کو محسوس کر کے محظوظ ہو رہا تھا۔ اسے بہت ... مل رہا تھا وردہ کی حالت سے۔

"مسٹر غزین ! کان کھول کر سنو ! تم سے محبت، ہونہہ ! تم دُنیا کے آخری مرد ہوتے ناں تو ... بھی نہیں" وہ بمشکل یہ لفظ ادا کر پائی تو وہ ادا سے ہنسا۔

"چلو مان لیتے ہیں، مان لیتے ہیں لیکن تم بھی کسی خوش فہمی کا شکار نہ ہونا وردہ وجاہت ! یہ سب معلوم ... یہ سب میں کس کے لیے کرتا ہوں کیونکہ ان سب باتوں سے تمہیں اذیت ہوتی ہے اور تمہیں معلوم ہے کہ ... کی زندگی میں دو انسان ایسے ہیں جن سے میں ٹوٹ کر محبت کرتا ہوں اور ٹوٹ کر نفرت۔ ان دونوں کو ہی ... بے حد سکون ملتا ہے ایک تو آفاق احمد ہیں، جانتی ہو ناں والد ہیں میرے اور دوسری شخصیت جانتی ہو کون ہے ..." وہ اس کے قریب ہو کر سرگوشی میں بولا تو وہ خوفزدہ ہو کر ہٹی۔

"دوسری شخصیت تم ہو وردہ وجاہت ! تم ہو !"

غزین نے اپنی مہمان کی حیثیت بھول کر وردہ کو شانوں سے پکڑا تو وہ جھٹکے سے الگ ہو کر کھڑی ہو گئی۔ مما آ جانے کسی ملازم کے دیکھ لینے کے خوف سے اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔

"غزین آفاق ! تم ایک ذہنی مریض ہو ... گیٹ لاسٹ فرام مائی ہاؤس۔ تم سائیکی کیس ہو جاؤ، اپنا ... کرو ..." وردہ اندرونی حالت خوف اور غصے پر قابو پاتی دبی دبی آواز میں بولی تو وہ زہر خند انداز میں ہنستا ہوا اس کے مقابل آن کھڑا ہوا۔

"چلو ! تمہاری بات مان لی ہے کہ میں ذہنی مریض ہوں، تو تم ڈاکٹر کس لیے بن رہی ہو ؟ دکھی انسانیت کی خدمت کے لیے ناں ؟ تو کم ان ... تم کرو میرا علاج، مجھ سے شادی کرو، میرا علاج ہو جائے گا۔"

"غزین آفاق !" اب برداشت کے بند ٹوٹے، ہاتھ فضا میں بلند ہوا قریب تھا کہ اس کے وجیہہ چہرے پر اپنی نازک انگلیوں کے نشان چھوڑتا کہ فضا ہی میں غزین نے اس کا نازک ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھ کی گرفت میں لے لیا۔

"مرد پر ہاتھ اُٹھانے والی لڑکیاں تمہیں معلوم ہے بزدل ہوتی ہیں ان کو اپنے آپ پر اعتماد نہیں ہوتا اگر ... تو سیدھے طریقے سے پارٹی پہ آ جاتیں" وہ اس کا نرم ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے کہہ رہا تھا۔

"میں مر کر بھی نہیں آؤں گی۔"

اس نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے آزاد کر کے نفرت سے کہا۔

"میں جانتا تھا تم ایسا کہہ ہی نہیں رہیں بلکہ کر بھی سکتی ہو اس لیے میں آج آیا ہوں کہ تم اس روز پارٹی میں ... گی نہیں آؤ گی تو یاد رکھو کیا ہوگا، تمہارا سارا خاندان ہوٹل پہنچے گا اور وہاں غزین آفاق کے نام کی کوئی پارٹی نہیں ہوگی سوچو تب تمہارے خاندان کے اتنے معتبر بزرگ اور ری ستوری لڑکیاں، شوخ و شنگ لڑکے کتنی ... اور نسبت محسوس کریں گے جب ان کو کہا جائے گا کہ غزین آفاق نے کوئی پارٹی نہیں دی۔ سوچو ذرا تب کیا

"ہوں......! تو یہ ہے صورت حال۔ اب یہ بتاؤ کہ تم ابھی اس کنڈیشن میں اپنے گھر جانا چاہتے ہو یا تبدیل ہو کر۔"

عرفان نے شرجیل کے چہرے پر اُڑتے دھوؤں کو دیکھا۔ ایک عجیب سی کیفیت تھی، بچپن سے کے وہ تمام سین نگاہوں میں گھوم گئے جنہوں نے اس سے قدرتی شناخت چھین کر بے یقینی کے صحرا میں پھینک دیا تھا۔ پاپا کی مار، موبی کی باتیں، ہم اور ماں کی مظلومیت، وہ سب کچھ دیکھتا اور سنتا تھا مگر عدم اعتماد کی وجہ سے کچھ نہیں کر سکتا تھا اور اپنے اندر کی اسی کمزوری کو طاقت میں بدلنا چاہتا تھا، وہ کچھ بن کر لوٹنا چاہتا تھا۔

"میں ...... میں چاہتا ہوں بھائی ...... ! امی اور ہم میرے لیے بہت دُکھی ہوں گی اور ہو سکتا ہے فکر مند بھی ہوں مگر بھائی ...... پاپا کہتے تھے کہ میں کسی کام کا نہیں، میں کچھ نہیں کر سکتا اور موبی، وہ تو مجھے انسان ہی نہیں سمجھتا تھا۔ بھائی ...... امی ...... میں کوئی چیز بن کر جانا چاہتا ہوں، وہ سب موبی سے ہم کی شادی چاہتے ہیں، میں نہیں چاہتا کیونکہ ہم خوش نہیں۔ بھائی ...... امی جب کچھ بن جاؤں گا تو مجھے بہت خوشی ہو سکے گی اور مائیں گے بھی۔ میں اپنی بہن کی ڈھال بننا چاہتا ہوں۔"

وہ بول رہا تھا، عرفان اس کا نفسیاتی تجزیہ کر رہے تھے۔ بات کرتے ہوئے بار بار اس کا حلق اور ہونٹ خشک ہو رہے تھے، ہونٹوں پر بار بار زبان پھیر رہا تھا، بولتے بولتے آواز کبھی بلند ہو جاتی، کبھی دب جاتی، کبھی بھاری مردانہ آواز ہو جاتی تو کبھی بالکل زنانہ ہو جاتی۔ عرفان نے اسے بہت اچھی طرح اسٹڈی کر لیا تھا۔

"ہوں ...... ! گڈ ...... ! تم تو مجھے خاصے ذہین نوجوان ہو۔ کچھ کرنے کی لگن، آگے بڑھنے کا جذبہ، سب تمہارے مردانہ اعتماد کا یقین ہے۔ میں بھی یہ چاہتا ہوں کہ تم بھی گھر جاؤ تو ...... پہلی کی بار سوچے اور گھر والے تم سے پوچھ کر فیصلہ کریں۔"

"بھائی ...... ! کیا کہا ...... ؟ ایسا ہو سکتا ہے ...... ؟" شرجیل نے بے یقینی سے پوچھا۔

"ہاں ...... ! کیوں نہیں ...... ؟ شرجیل ...... ! تمہیں اللہ تعالیٰ نے مرد پیدا کیا ہے اور مرد کو بہت قوی طاقتور بنایا ہے اور تم میں بھی مردانہ طاقت اور صلاحیت ہے جس کو تم جانتے نہیں ہو خیر اب انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

اور پھر عرفان نے شرجیل کو نارمل کرنے کے لیے اسے اعلانیہ طور پر گھر کا فرد بنا لیا تھا اور اس پر چھوٹی چھوٹی ذمہ داریاں بھی ڈالنا شروع کر دی تھیں کہ اس میں اعتماد آئے۔ اس وقت بھی گھر میں ملازم کی موجودگی کے باوجود انہوں نے شرجیل کو اپنے کسی کام سے بھیجا۔ جب وہ کوریڈور سے گزرتا ہوا تیزی سے لاؤنج میں داخل ہوا تو اسے بادیہ تو نظر آ گئی مگر یہ نہ دیکھ سکا کہ وہ کارپٹ پر سفید کاغذ پھیلائے کیا کر رہی ہے۔ بادیہ اس سے چڑتی ہے یہ بات وہ بھی جانتا تھا اور اس نے یہ بات بھی عرفان کو بتا دی تھی، تب عرفان نے اس کا اعتماد بحال کرنے کے لیے کہا تھا۔

"تم مرد ہو، قوی ہو، تمہیں کسی سے ڈرنا نہیں ہے کوئی ایک سامنے تم دل سنانا" ور اب تک جو اعتماد حاصل ہو چکا تھا وہ اسی اعتماد کی خوشی میں تیزی سے قدم بڑھاتا جا رہا تھا کہ اسے پتہ ہی نہیں چلا اس کا پاؤں لگتے ہی سارے رنگ پانی میں مل کر بہتے ہوئے سفید کاغذ پر پھیل گئے اور وہ سرتاپا سلگ اُٹھی۔

"آپ......! آپ اندھے ہیں۔ نظر نہیں آتا بدتمیز آدمی کو۔"

بادیہ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔ پہلے تو حسب سابق اسے یوں غصے میں دیکھ کر شرجیل خوفزدہ سا ہو گیا پھر فوراً ہی اعتماد بحال ہوا۔ وہ گھوما، چہرے پر غصہ ورتاؤ تھا جبکہ دل میں جس بات سے پھل جھڑیاں پھوٹنے لگی تھیں وہ تھی "بدتمیز آدمی"۔

بدتمیزی کی اسے کیا پرواہ تھی، وہ آدمی کہلایا جا رہا تھا، اس کی قدرتی حیثیت قبول کی جا رہی تھی، وہ خوشی سے جھوم جھوم گیا۔

"آپ......!" "آپ نے مجھے بدتمیز آدمی کہا......؟"

"آپ نے کیا کہا......؟" وہ غصے سے بولا۔

* * *

"بیگم ...... ! آپ نے ردا کے لیے مسز افتخار سے بات تو کر لی ہے ناں ...... ؟"

"ہاں بیٹا ...... وہ لوگ خود شہرام کو بہت پسند کرتے ہیں مگر جواب میں دی تاخیر کچھ سمجھ میں آ نہیں رہی۔"

ردا شہرام کو تو پہلی ملاقات ہی میں پسند آ گئی تھی۔ اب اس کی پسند سارے گھر والوں کی پسند بن گئی تھی۔ خاص طور پر فاطمہ بیگم کو اس قدر پسند آئی تھی لڑکی، وہ فوری طور پر اسے گھر لے آنا چاہتی تھیں اور اب انہوں نے باقاعدہ اس کو پرپوز بھی کر دیا تھا مگر ان کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا تھا۔

"سنی بیٹا ...... ! تم ذرا مسز افتخار کا نمبر ملاؤ، میں پوچھوں تو ......"

"کیا ...... ! کیا یہ مناسب ہے کہ آپ بار بار پوچھ رہے ہیں ...... ؟ آخر ہمارے شہرام میں کمی کیا ہے کہ وہ اتنی سوچ بچار سے کام لے رہے ہیں ......"

سنی کو خود سے دوبارہ فون کرنا مناسب نہیں لگ رہا تھا۔

"خدا کا شکر ہے بیٹا ...... ! ہم لڑکے والے ہیں ورنہ لڑکے والے جتنی بار لڑکی والوں سے پوچھیں ان کی عزت میں کمی نہیں آتی، لڑکی والوں کی عزت افزائی ضرور ہوتی ہے اور بیٹا ...... ! لڑکی والوں کو زیادہ عزت دینی چاہیے۔ چلو ملاؤ تو نمبر اور پھر یہ دونوں گھرانوں کی بڑی ہوں، افتخار خرم کی طرح مجھے ممّا کہتا ہے تو پھر کیا اعتراض ہے ...... ؟ چلاؤ نمبر۔"

فاطمہ کو ردا بے حد پسند تھی اس لیے وہ بار بار تکرار کو بھی مناسب سمجھ رہی تھیں۔ اس وقت شہرام اپنے کمرے سے آیا، بحث کا آخری جملہ اس نے بھی سن لیا تھا، یہ تو براہِ راست اس کا معاملہ تھا اور ردا کی طرف سے کسی جواب کا نہ ملنا اس کی انسلٹ تھی جو وہ بری طرح محسوس کر رہا تھا۔

"دادو ...... ! آپ ہرگز بھی وہاں فون نہیں کریں گی۔ وہ اترا کس بات پر رہے ہیں ...... ؟ آپ لوگوں نے اخلاقی طور پر باعزت طریقے سے پرپوز کر دیا، بس کافی ہے اور نہ بھی کریں تو مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

شہرام کو ان کی طرف کی خاموشی بری طرح کھل رہی تھی۔ یہ تو سراسر اس کی انسلٹ تھی۔

"جی ...... ! فرق نہیں پڑتا ...... ؟ رات کو اُداس ہو کر ٹیرس پر ٹہل رہے تھے اور اُداس گانے گا رہے تھے اور پھپھو ...... ! ان کے والٹ میں ردا کی تصویر بھی ......"

جھینپ گیا۔

"وہیں جا رہا ہوں پاپا.... ! یہ سب تو بے کار میں بولے جا رہے ہیں۔"

شہرام چل ہی تو گیا تھا رضوان کی ضد پر۔ دونوں بڑتے ہوئے نکل گئے۔

روا خوب تیار ہو کر آئی تھی۔ اس کی متلاشی نظروں کو دیکھ کر سنی اور لیلیٰ ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرائیں۔

"کسے تلاش کر رہی ہیں بھابھی جان....!" سنی نے اس کے قریب آ کر کہا تو وہ اُچھل پڑی۔

"کک.... کچھ نہیں، میں تو بس دیکھ رہی تھی۔ سیٹنگ چینج کی ہے آپ لوگوں نے....؟" اس نے بات بنائی۔ دل میں شہرام پر شدید تاؤ آ رہا تھا، رات بھر اس کے کان کھاتا رہا کہ تم ضرور آنا اور اب خود غائب تھے۔

"جی نہیں....! ہماری سیٹنگ تو عرصہ دراز سے ایسی ہی چلی آ رہی ہے۔ ہاں.... ! اب نئی بھابھی تبدیل کر لے۔" لیلیٰ نے پیار سے اسے دیکھا اور کچن میں چلی گئیں۔

"ہاں....! تو اب بتاؤ ناں ذرا وہ تمہارے بھائی صاحب کہاں ہیں....؟ ساری رات میرے کان کھاتے رہے۔ یوں تیار ہو کر آنا، یہ بات کریں گے، وہ بات کریں گے اور خود جناب آنے سے پہلے ہی غائب ہو چکے ہیں۔" وہ دونوں شروع ہو گئی تھیں۔

"تو یہ....! بتاؤں گی میں بھائی کو۔" سنی نے کانوں کو چھوا تو وہ بھی کھسیانی سی ہو گئی۔

روا کو شہرام تو پسند آیا ہی تھا ان کے گھر والے بھی بہت اچھے لگے تھے اور اپنی اکلوتی پیاری نند تو ایک بہن کی طرح عزیز ہو گئی تھی۔ دوسرا وہ دو سے بے حد اچھی لگی تھی.... اپنے شوخ انداز میں۔

"ارے بھئی....! نند بھاوج کی باتیں ختم ہو گئی ہوں تو جاؤ کھانا لگ گیا ہے۔" لیلیٰ کی اطلاع پر وہ دونوں ڈائننگ روم میں آ گئیں۔

"ماشاء اللہ....! ماشاء اللہ کتنی محبت ہے نند بھابھی میں۔" فاطمہ نے دونوں کی نظر اتاری۔

"بس مما....! دعا کریں نند بھابھی کا پیار یونہی رہے۔ ورنہ ہوشادی ہوتے ہی ایک دوسرے سے کھینچ کھینچ کر لڑنے لگتی ہیں۔" خرم نے پیار سے بیٹی اور بہو کو دیکھا جو جھینپ رہی تھی۔

"نہیں خرم....! ہمیں اپنی بیٹی پر اللہ کی مہربانی سے پورا اعتماد ہے کہ یہ بہت اچھی اور بہترین بھابھی ثابت ہو گی.... ہماری بیٹی تو بالکل بھی لڑاکا نہیں ہے۔"

مسز افتخار نے ممتا بھری نظروں سے روا کو دیکھا جس کے ہونٹوں پر شرمیلی سی مسکان تھی۔

"کاش بھابھی....! ہم بھی اپنی بیٹی کے لیے ایسی ہی رائے دے سکتے مگر ہماری سنی تو...."

"پاپا.... ! پلیز دادو.... ! دیکھئے ناں پاپا کو میری برائیاں کر رہے ہیں۔" وہ روٹھ گئی۔

"جا بیٹے میں کسی سے نہیں بولتی اور نہ کھانا کھاؤں گی۔" وہ ایک تو تھی ہی ابھی کم سن، دوسرا گھر بھر کی توجہ میں کبھی کبھی مذاق کو بھی سنجیدہ لے لیتی تھی۔

"ہیں....؟ واقعی بھئی....! اب چونکہ ہماری بیٹی سعدیہ کھانا نہیں کھا رہیں اس لیے اب کھانے

کا کوئی مزہ نہیں رہا۔ لہٰذا اب ہم آرام سے، سکون سے کھانا کھائیں گے۔"

"خرم.... ! اسد عمر جاؤ تم....! میری سنی سب سے اچھی اور پیاری بچی ہے اور تم سب اس سے لڑتے ہو، وہ کسی سے نہیں لڑتی اور میری بچی کی طرح میری سعدیہ بھی بہت، بہت اچھی اور پیار کرنے والی نند ثابت ہو گی ان شاء اللہ۔" فاطمہ نے سنی کو بلا کر پیار کیا۔

"میڈم....! اب آیئے تا کہ کھانا شروع کیا جائے۔" خرم نے باقاعدہ منایا تو اس نے خرم کے ہاتھ کا نوالہ منہ میں ڈالا اور کھانے میں شریک ہو گئی۔

"خرم....! مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔" کھانے کے بعد افتخار خرم کے ساتھ لان میں بیٹھے تو خرم حیرت سے ان کو دیکھنے لگے۔ ان کے چہرے پر چھائی سنجیدگی بتا رہی تھی کہ بات معمولی نہیں۔

"خیریت افتخار....! ایسی کیا بات ہے کہ جس نے تمہیں اس حد تک سنجیدہ کر دیا ہے....؟" خرم نے چائے کا کپ منہ سے لگائے بغیر واپس رکھ دیا تو افتخار نے گویا نظریں چرائیں۔

"اگر نہ سمجھا جائے تو کوئی خاص بات نہیں اور اگر سمجھ لیا جائے محسوس کر لیا جائے تو بہت بڑی بات ہے۔" افتخار اپنی بات کے لیے میدان صاف کر رہے تھے۔ چہرے پر سوچ کا الجھاؤ تھا، ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں بری طرح جکڑی ہوئی تھیں جو ان کے ذہنی خلفشار کی غماز تھیں۔

"افتخار....! کیا بات ہے....؟ کیوں پریشان ہو....؟"

"ایسے کیوں ہوتا ہے خرم....! کہ کبھی کبھی ہم قصوروار بھی نہیں ہوتے پھر بھی ہم سزا سے خوفزدہ ہوتے ہیں....؟"

افتخار بہت کچھ کہنے کی خواہش میں بہت کچھ نہیں کہہ پا رہے تھے اور ان کا انداز، باتیں خرم کو کسی انجانی، ان ہونی بات سے پریشان کر رہی تھیں۔

"کم آن افتخار....! ایسی کیا بات ہے کہ تم اپنے اتنے اچھے دوست کے سامنے کہنے سے خوف زدہ ہو....؟ پلیز....! مجھ پر اعتماد کرو۔"

"ڈرتا ہوں خرم....! نئے رشتوں کے نئے بندھنوں کی وجہ سے نازک ڈور کہیں ٹوٹ نہ جائے۔" افتخار کے لہجے میں بھی الجھاؤ تھا۔

"رشتوں کی بنیاد اگر خلوص اور نیک نیتی پر رکھی جائے تو وہ رشتے کبھی نہیں ٹوٹتے نہ ہی ان کی ڈور اتنی نازک ہوتی ہے کہ ذرا سی بات سے ٹوٹ جائے۔ تم کہو کیا بات ہے....؟ اب تو میں ہر حال میں جاننا چاہتا ہوں کیا بات ہے....؟"

"ٹھیک ہے خرم....! تو پھر یہ بات ابھی صرف خود تک رکھنا، میرا مطلب ہے یہ بات ابھی خواتین کے کانوں تک نہیں جانی چاہیے کیونکہ خواتین کی سماعتیں کچی اور ظرف کمزور ہوتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ ہمارے بچوں کی خوشیاں داؤ پر لگ جائیں، ہمارا یہ ہمارے بچوں کو کانٹا پڑے جبکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ روا بہت خوش ہے، وہ صرف شہرام ہی کو نہیں سب کو بہت چاہتی ہے۔ اگر رازداری کا وعدہ کرو تو کہوں....؟"

اتنی دیر میں افتخار نے محسوس کر لیا تھا کہ خرم پر صرف اعتماد نہیں مکمل اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

"تمہارے اعتماد کی کسوٹی پر پورا اترنے کے لیے جان کے علاوہ مجھے کیا پیش کرنا ہوگا"
افتخار کے شانے پر پُر اعتماد کا دباؤ ڈالا۔

"خرم۔ ڈرتا ہوں بلکہ اپنی جلد بازی پر شرمندہ ہوں کہ کماں سے تیر نکلنے سے پہلے مجھے
کر لینا چاہیے تھا۔"

"اُف یار! میں تمہارے فلسفے سے تنگ آ گیا ہوں۔ اگر اتنی سنجیدگی سے مذاق کر رہے ہو تو ختم کرو
اسے اور اگر واقعی کوئی بات ہے تو اس سسپنس کو ختم کرو کیونکہ اب مجھے گھبراہٹ ہونے لگی ہے۔" خرم ...
گئے۔ تب افتخار نے کہنا شروع کیا۔

"خرم! اگر میں یہ کہوں کہ یہ لڑکی ردا جس کو تمہارا بیٹا بہت چاہتا ہے اور تم سب نے جس
چاہتوں سے اپنایا ہے، جس کو مما آج بیاہ کر اپنے گھر لانا چاہتی ہیں اگر یہ...... یہ لڑکی میری اپنی بیٹی
نہ ہو؟"

ایک، دو، تین، حیرت کے سارے پہاڑ اس وقت خرم کے اوپر آ گرے تھے۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا تھا
افتخار کی بیٹی نہ ہو۔ دونوں میاں بیوی کی جس بیٹی میں جان ہو، اس کی رگ رگ میں ان کا خون نہ ہو، ...

"شٹ اپ یار! ڈونٹ بی جوکنگ!" خرم زور سے ہنسے مگر یہ ہنسی بھی خوفزدہ سی تھی

"آئی ایم ناٹ جوکنگ خرم! ردا واقعی میری بیٹی نہیں۔" افتخار نے ایک گہرا سا سانس چھوڑ کر
چاند کو دیکھا۔

"پھر؟ کس کی بیٹی ہے؟" خرم نے خود کو کسی بڑے صدمے کے لیے تیار کرتے ہوئے ...
سننے کے لیے۔

"ہم لوگ اولاد جیسی نعمت سے محروم تھے کہ ایک دن اچانک ہی اللہ کا کرم ہو گیا اور ہمیں والدین
خوشخبری ملی۔ ہمارے ہاں پہلی اور آخری اولاد ہوئی اور ہوتے ہی ختم بھی ہو گئی۔ تم خود سوچ سکتے ہو
والدین کو جن کو شادی کے پندرہ سال بعد اولاد جیسی نعمت مل رہی ہو اور ... جبکہ وہ ... بھی محسوس نہ کر سکے
ایسے والدین سے وہ نعمت چھوٹ جائے تو وہ کتنے پاگل ہوں گے، اس صدمے کو تم محسوس کر سکتے ہو
ہم بھی تو اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر تیار ہی نہیں تھے کہ ان کا بچہ پیدا ہوتے ہی اللہ کو پیارا ہو گیا ہے ...
کے لالے پڑ گئے تو، تبھی ہمارے ایک اسسٹنٹ کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی۔ یہ لڑکی ردا اس مہربان ...
اپنا نام دیے بغیر، بیٹی کو سینے سے لگائے بغیر ہماری جھولی میں ڈال دیا تو تمہاری بھابھی پھر زندگی کی طرف
آ گئیں، پھر ہم نے اسے اپنی اکلوتی اولاد سمجھ کر پالا لیکن ہم دونوں میاں بیوی کا احساس ...
ردا سمجھدار ہوئی تو ساری حقیقت اسے بتا دی چونکہ وہ بہت نیک والدین کی اولاد ہے اس نے بھی سب ...
ہوئے ہمیں والدین والا پیار اور مان دیا لیکن اپنے اصلی والدین سے بری طرح خفا ہے کہ انہوں نے
سے جدا کیوں کیا۔ بہرحال یہ اس کی بچگانہ سی شکایت ہے جو اس کے والدین پاکستان آ کر دور کر دیں
خرم! یہی وہ بات جس نے مجھے، اتنے دن تک کرب میں رکھا تو اب جو تم کو کہنا ہے کہہ ڈالو میں سب ...
کو تیار ہوں۔"

اپنی بات کہہ کر افتخار نے ڈرتے ڈرتے خرم کو دیکھا جس کے چہرے کے تاثرات بدلنے لگے تھے، ماتھے
پر تیوریاں ابھر آئی تھیں، غصے کے تاثرات سے نتھنے پھولنے لگے تھے۔ افتخار کا سانس کچھ دیر کے لیے رُکا۔

"کک... کچھ تو کہو خرم!" انہوں نے خوفزدہ سے لہجے میں کہا تو خرم ایک دم غصے سے ان کی طرف
گھومے۔

"تم نے کہنے کے لیے چھوڑا ہی کیا ہے؟ ارے! تم نے تو دوست بن کر پیٹھ میں چھرا گھونپا ہے۔
یہ سمجھ کر تم نے مجھے اور میرے معصوم بیٹے اور گھر والوں کو دھوکا دیا ہے؟ میں کیا جانوں لڑکی کون ہے...؟
کس خاندان کی ہے؟ اچھے خاندان کی یا برے خاندان کی؟ اور تم نے کتنی چالاکی کا ثبوت دیا ہے کہ
سب کچھ ہو گیا اور حقیقت کو اب بے نقاب کیا ہے؟ لیکن خیر...... خدا کا شکر ہے کہ نکاح نہیں ہوا ورنہ مجھے
شاید زہر کا پیالہ پینا پڑ جاتا۔ افتخار! تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا تم نے بہت بہت برا کیا ہے مجھ سے جھوٹ
بول کر۔ بہرحال میں ابھی اور اسی وقت شہرم کی منگنی توڑتا ہوں۔"

"خرم! خرم پلیز... دیکھو اس میں ردا کا کیا قصور ہے؟ اور دیکھا جائے تو میرا بھی کیا قصور
ہے؟ میں نے ردا کو اپنی بیٹی سمجھ کر پالا ہے، اتنا عرصہ تو ہمیں یہ یاد ہی نہیں رہا کہ اسے ہم نے جنم نہیں دیا۔
پلیز! ایسا مت کرو۔ یہ... یہ منگنی مت توڑو۔"

افتخار کی آنکھیں بھیگ گئیں تو خرم نے ان کو سینے سے لگا کر بھینچ لیا اور زور زور سے ہنسنے لگے کہ کچھ دیر کے لیے
افتخار کو خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں خرم کا دماغ تو نہیں چل گیا۔ صدمہ تو ... اتنا بڑا نہیں تھا کہ ایسا حادثہ ہوتا

"ایسے کیوں ... مجھے خوب ... ہے؟" افتخار گھبرا گئے۔

"تم آخر... یہ کوئی بات ہے؟ تم نے اتنا بڑا ڈرامہ کر ڈالا؟ ویسے تم بہت اچھے رائٹر
بن سکتے ہو، کیا لفظوں سے کھیلا ہے تم نے، کتنے خوبصورت طریقے سے اپنے احساسات و جذبات کو بیان کیا۔ سچ
یار! میں تو قائل ہو گیا ہوں۔ حد ہو گئی، بھلا یہ بھی کوئی بات تھی؟ ردا تمہاری اپنی بیٹی ہے یا نہیں، ہمیں کیا
فرق پڑتا ہے؟ ارے! ہم تو تمہارے احسان مند ہیں کہ تمہارے وسیلے سے اللہ ہمیں اتنی اچھی پیاری
بیٹی دے رہا ہے اور تم تو یوں کہہ رہے تھے جیسے خدانخواستہ ردا کوئی ...؟"

"شکر ہے... خرم! تم نے تو اپنی جاندار ایکٹنگ سے میری جان ہی نکال دی تھی۔ تم نے اگر مجھے اچھا
رائٹر مان لیا ہے تو میں نے تمہیں ایک اچھا ایکٹر مان لیا ہے۔ اُف! کیا حقیقت سے قریب تر اداکاری کی ہے
تم نے۔" پھر دونوں کتنی دیر بیٹھے باتیں کرتے رہے۔

"ویسے خرم! تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر گھر کی خواتین کو خاص کر مما کو یہ بات پتہ چلے گی تو جانے ان
کا کیا ری ایکشن ہو؟"

"کم آن افتخار! مما میری ماں ہیں، میری طرح ان کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہوگا اور میرے خیال میں
اعتراض کی بات ہے بھی نہیں۔ ویسے میں داد دیتا ہوں ردا کے والدین کو کہ نومولود بیٹی کو اٹھا کر بھابھی کی گود میں
بھر دیا۔ ایسے عظیم لوگوں سے تو ملنا چاہیے یار!" خرم کو واقعی ان انجانے لوگوں پر پیار آ گیا جن کا اتنا بڑا دل
تھا کہ جگر گوشہ ہی اٹھا کر دوسرے کے حوالے کر دیا۔

"خرم! ان میاں بیوی کا تو جواب نہیں۔ اتنے اچھے، اتنے مہربان انسان دوست لوگ میں نے زندگی میں نہیں دیکھے۔ انہوں نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ ردا کو ساری عمر پتہ نہ چلے کہ اس کے والدین ہم لوگ ہیں مگر ہم نے ردا کو دوہری شخصیت بن جانے کے خیال سے شروع ہی سے بتا دیا تھا مگر وہ آپ سے ناراض ہے کہ شاید انہوں نے اس کے عوض ہم سے کچھ حاصل کیا ہے جبکہ ایسی کوئی بات نہیں۔ مگر یہ وہم کو تقویت یوں ملی کہ جب ہم کینیڈا سے پاکستان شفٹ ہو رہے تھے تو میں نے اپنا سارا وہاں کا بزنس اسسٹنٹ کے سپرد کر دیا تھا۔ اب وہ لوگ اس سے بات بھی کرنا چاہیں تو نہیں کرتی۔" افتخار صاحب نے بات تفصیل سے بتا دی۔

"اوہو! یہ تو پھر ان بیچاروں کے ساتھ زیادتی ہو گی۔ چلو ردا کو ہمارے گھر آنے دو میں اسے سمجھاؤں گا۔ ویسے ردا کے اور بھی بہن بھائی ہیں کہ نہیں.... ؟"

"ہاں.... ہیں مگر ردا ان کی پہلی اولاد تھی اور اتفاق سے کئی سال تک ان کے ہاں جب دوسری ہوئی تو ہم نے ردا کو لوٹانا چاہا مگر ان لوگوں نے کہہ دیا کہ یہ اب آپ کی بیٹی ہے اور آپ کو ہی مبارک ہو۔ بعض لوگوں میں اتنا حوصلہ اور ظرف ہوتا ہے۔"

"زبردست یار! میں تو حیران ہوں کہ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو اپنے جگر کا ٹکڑا کسی کو یوں دے دیں۔ میرا دل تو ان لوگوں سے ملنے کو چاہ رہا ہے۔ شادی پر تو آئیں گے ناں؟" خرم ان لوگوں سے متاثر ہو رہے تھے۔

"ہاں! کیوں نہیں؟ وہ آئیں گے، اب وہ لوگ بھی [illegible] شفٹ ہونے والے ہیں دیکھو کب تک آتے ہیں؟ دراصل ردا کے دونوں [illegible] ہیں جن کی تعلیم مکمل ہوتے ہی وہ لوگ پاکستان شفٹ ہو جائیں گے۔ ویسے گھر آؤ گے ناں تو تصویریں دکھاؤں گا ردا کے والدین، بھائیوں کی بلکہ رکو میرے خیال میں گاڑی میں ایک چھوٹا البم پڑا ہے۔ ردا دوستوں کو دکھانے گئی تھی، میں لے کر آتا ہوں۔" اور پھر خرم وہیں بیٹھے انتظار کرنے لگے تو افتخار ایک البم لے کر آ گئے۔

"ارے بھئی! یہاں کیا نظر آئے گا؟ اب ہم بوڑھے ہو گئے ہیں میرے کمرے میں آؤ وہاں دیکھتے ہیں۔" خرم ان کو لیے اپنے کمرے میں آ گئے۔

"یہ تصویر ہے ان دونوں میاں بیوی کی۔ اختر اور مومنہ اختر یعنی موی بھابھی۔"

"کیا؟ یہ... یہ موی؟"

● ● ●

"سوری... اوہ میں نے آپ کو بدتمیز کہا، سوری!" ہادیہ خوفزدہ ہو گئی کیونکہ شرجیل کے ہاں اس کے بھائی کی محبت خاص قسم کی ہدایت تھیں اور وہ غصے میں اسے بدتمیز آدمی کہہ گئی تھی اور اس کے فرشتوں تک کو خبر نہیں تھی کہ شرجیل کو غصہ نہیں ناقابل یقین خوشی تھی۔ وہ اسے جب جب لڑکا یا آدمی کہتی وہ یوں خوش ہوتا جیسے گمشدہ خزانوں کا راز مل گیا ہو۔

"آپ سوری کیوں کہہ رہی ہیں؟ بھلا آدمی کہنے پر ایک آدمی غصہ کیوں کرے گا؟" خوشی کی

اس سے اس کا پورا وجود روشن ہو جا رہا تھا، آنکھوں کے بجھے دیے روشن ہو گئے تھے۔

"نہیں! میں نے آپ کو بدتمیز آدمی کہا ہے ناں۔ اس کے لیے سوری.....!" وہ اب بھی نہیں سمجھ رہی تھی۔

"تمہیں کسی سے متاثر ہونے کی ضرورت نہیں، کوئی ایک سنائے تم دس باتیں سنا دینا۔" عرفان کا جملہ اس کی سماعتوں میں گونجا تو اسے لگا جیسے یہ جملہ اس کی رگوں میں دوڑنے لگا۔ وہ بڑے اعتماد سے چہرے پر تاؤ لا کر کمر پہ ہاتھ رکھ کر کھڑا ہو گیا۔ اب وہ ہادیہ کو ایک کی دس سنانے جا رہا تھا۔

"اب کچھ میری بھی سن لیں۔ آپ نے مجھے ایک سنائی ہے اب میں دس سناؤں گا۔ ذرا گنتی رہیے گا۔ نمبر ایک آپ خود کو سمجھتی کیا ہیں؟ نمبر دو آپ بالکل اچھی آرٹسٹ نہیں ہیں، نمبر تین یہ کوئی جگہ ہے جہاں بیٹھ کر آپ رنگوں سے کھیل رہی ہیں؟ نمبر چار آپ کو پنسل پکڑنی نہیں آتی چلی ہیں آرٹسٹ بننے، نمبر پانچ اپنا چہرہ دیکھیں [illegible] ملاحظہ کر لیجئے کا بالکل رنگوں میں ڈوبی بندریا لگ رہی ہیں جیسے کوئی... نمبر چھ"

"نمبر چھ یہ کہ آپ نہ صرف بدتمیز بلکہ فضول آدمی ہیں۔ آپ ہوتے کون ہیں مجھے ایک کی دس سنانے والے؟ میں نے کبھی کسی کی ایک نہیں سنی اور آپ مجھے دس سنانے آئے ہیں؟ چلیے جائیے یہاں سے، گیٹ لاسٹ؟"

ہادیہ بھی بڑی تنک مزاج تھی، گھر بھر میں چھوٹی اور لاڈلی تھی۔ اس نے کب کبھی کسی کی سنی تھی جو اس کی سنتی مگر وہ نہیں جانتی تھی کہ یہ چھوٹی سی جھڑپ ایک بھٹکے ہوئے نوجوان کی منزل کی طرف رہنمائی کر رہی ہے۔ [illegible] ہوش میں آ رہا ہو۔

"[illegible] آپ کون ہوتی ہیں مجھے گھر سے نکالنے والی؟ آپ کو معلوم بھی ہے عرفان بھائی نے مجھے اپنا بھائی بنایا ہے۔"

اس کے لہجے میں اعتماد تھا۔ ایک عجیب سا حیا کا احساس ہو رہا تھا شرجیل کو، اس کا چہرہ سرخ و گرم ہو گیا۔

"ارے... آپ تو بناتے رہیں، بھائی کا تو کام ہی یہ ہے مگر میں نے آپ کو بھائی نہیں بنایا، مجھے آپ اور مجھ سے بات بھی ذرا سنبھل کر کیا کیجیے۔"

"آپ بھی سمجھیے، میں صرف عرفان بھائی کا بھائی ہوں اور اپنی ماں کا بھائی ہوں۔ آپ کا تو ہرگز بھی بھائی نہیں ہوں گا، سمجھ گئیں ناں آپ؟"

وہ ذرا سا اس کی طرف جھکا کہہ رہا تھا۔ ابھی تک اس کی اس وہ اپنی بات کی گہرائی کو خود بھی نہیں سمجھ پایا تھا۔ اس کو یہ خوشی ہو رہی تھی کہ اس نے ایک کی دس سنا دی تھیں اور ماہم کے علاوہ بھی وہ کسی لڑکی سے بات کر سکتا ہے مگر ہادیہ ان ساری باتوں کو کہاں سمجھ رہی تھی۔ اس نے رنگوں والا باؤل اٹھایا جس میں پانی میں رنگ گھول رکھے تھے اور شرجیل کے سر پر انڈیل دیا۔

"جی... بالکل سمجھ گئی" پردے کی اوٹ میں کھڑے عرفان اس منظر کو دیکھ کر مسکرا دیے۔ ان کو خوشی ہو رہی تھی کہ شرجیل اپنی پہچان، اپنی شناخت کی منزلیں طے کر رہا تھا۔ اب تو کافی حد تک اس میں اعتماد آ گیا تھا، بے یقینی کے حصار سے باہر آ رہا تھا اور عرفان اسے ایسے مواقع فراہم کر رہے تھے تاکہ اس کا اعتماد بحال ہو۔ وہ

چاہتے تھے کہ شرجیل جب اپنی دنیا میں، اپنے رشتوں کے آنگن میں دوبارہ اُترے تو ایک بھرپور [illegible]
کر، جہاں نہ کوئی عیب اسے کمزور کر سکے اور نہ کوئی اسے تنگ کر سکے۔ اس وقت بھی جبکہ شرجیل [illegible]
آ رہا تھا، عرفان نے اسے پاس بلایا۔

"شرجیل! میرا خیال ہے کہ اب تم اپنی اُدھوری تعلیم کا سلسلہ پھر سے شروع کر دو۔"

"کیوں شروع کر دوں؟ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ میں نالائق ہوں؟ ناکارہ ہوں؟"

[illegible]ی سمجھ نہیں آتی تو یہ آپ کی غلط فہمی ہے۔ عرفان بھائی! میں بہت اچھا پڑھتا تھا اور پڑھ [illegible]
حتیٰ کہ میں آپ کی بنائی ہوئی دوائیوں کی پرچی بھی پڑھ سکتا ہوں، آپ سمجھ رہے ہیں میں نالائق ہوں
ہرگز نہیں ہے۔"

شرجیل جو ابھی حادثے سے اُبھر کر آیا تھا اور ایک کی دس سنانے کے بعد جو اسے اعتماد حاصل ہوا تھا [illegible]
نے عرفان کے سامنے بھی استعمال کر ڈالا تو انہوں نے حیرت سے منہ میں اُنگلی دبا لی، کچھ نہ سمجھتے ہو[ئے]
دیکھا اور شرجیل، اس کے بدن کی شریانوں میں خون گرم ہو کر تیزی سے دوڑنے لگا تھا۔ طاقت [illegible]
نے اندر تک اپنے پھیلاؤ دیے تھے، اس کا چہرہ سرخ اور ماتھے کی رگیں پھول گئی تھیں، ہاتھوں میں ہلکی [illegible]
تھی جو کہ اس کی بہت زیادہ خوشی اور اعتماد کی قوت کو ہضم نہ کر سکنے کی غمازی کر رہی تھیں۔ عرفان حیرت [illegible]
سے اسے دیکھتے رہے۔

"شرجیل میاں! حیرت ہے یہ سب کیا تھا؟" عرفان کو اندر کہیں خوشی بھی ہو رہی تھی [illegible]
نارملٹی کی طرف آ رہا تھا اور یہ اس کا پہلا پُریقین قدم تھا۔

"جی! الگ...... کچھ نہیں، آپ نے خود ہی [illegible]"

"اوہو! تو یہ بات ہے! ہماری بلی ہمیں سے میاؤں..."

"سوری! سوری! ویری سوری بھائی! وہ میں ناں تھوڑا سا اوور ہو گیا تھا لیکن آپ [illegible]
ہیں کہ میں کس قدر خوش ہوں، میرا دل چاہتا ہے میں بہت جلدی ٹھیک ہو جاؤں اور اپنے گھر چلا جاؤں۔ [illegible]
مجھے ری جیکٹ کر بھی دیں تو میں اپنی مما اور بہن کے ساتھ رہ سکتا ہوں، جاب کر سکتا ہوں اور ان کو اپنے ساتھ [illegible]
سکتا ہوں۔ سچ بھائی! پاپا نے مما کے ساتھ بہت برا سلوک کیا ہے، ماضی میں [illegible] کرتی تھیں [illegible]
وقت ہر بات پر ڈانٹا کرتی تھیں، مما کوئی غلط کام بھی نہیں کرتی تھیں مگر پاپا پھر بھی ان کو بہت [illegible]
اب، اب بھائی! میں کچھ بن کر اپنی مما اور بہن کو خوشیاں دینا چاہتا ہوں، ایسا ہو سکتا ہے ناں؟"

عرفان نے نوٹ کیا کہ اب شرجیل روانی سے بولنے لگا تھا۔ وہ پہلے والا تو تلا پن نہیں رہا تھا نہ [illegible]
کے زیر و بم میں تبدیلی آئی تھی۔ اس کے اندر کے خوف کے سائے مٹ رہے تھے۔ وہ اپنی ذمہ داریوں [illegible]
کرنے لگا تھا۔ عرفان اس تبدیلی پر بے حد خوش تھے۔

"کیوں نہیں؟ ایسا ہو سکتا ہے۔ ارے شرجیل میاں! ایسا ہو چکا ہے۔ تم ایک نارمل اور بھرپور [illegible]
میں ایک اچھے نارمل مرد کی ساری خصوصیات ہیں، تم پر اب کوئی بھی ذمہ داری ڈالی جائے تم اسے پورا کر سکتے [illegible]
اس لیے تو میں کہتا ہوں کہ اب تم یونیورسٹی میں داخلہ لے لو اور اپنی اُدھوری تعلیم مکمل کر کے اب اپنی ممی [illegible]

[illegible] دو۔"

عرفان کہہ رہے تھے اور شرجیل بہت محبت اور متاثر کن نظروں سے ان کو دیکھے جا رہا تھا۔ پھر ایک دم ان
کے گلے لگ گیا۔

"سوری! سوری عرفان بھائی! میں نے آپ سے بدتمیزی کی، سوری؟"

اس کا لہجہ بھیگا ہوا تھا۔ اپنی غلطی کا شدید احساس اس کے لہجے کو بھگو گیا۔ جب وہ عرفان کے گلے لگا تو ان کو
محسوس ہوا جیسے اس میں پہلے والی علامات ظاہر ہونے لگی ہیں۔ انہوں نے جھٹکے سے اسے الگ کر دیا۔

"کم آن شرجیل...! میں تو تمہیں اس کارنامے پر، اس پُراعتماد کوشش پر انعام دینے والا تھا کہ تم نے
میری لاج رکھ لی۔ اس طرح گڑگڑا کر معافی مانگ کر تم نے مجھے مایوس کیا ہے، تمہیں کیا پتہ تمہاری اس حرکت
سے میں کتنا خوش ہوا ہوں کہ مجھ ناچیز کی کوشش کو اللہ نے قبول فرمایا اور تم نارملٹی کی طرف لوٹ آئے۔ جاؤ تم
نے میری خوشی بیچاری کو بے موت مار ڈالا۔"

عرفان مصنوعی خفگی کے ساتھ چہرہ موڑ کر کھڑے ہو گئے تو اس بار شرجیل محبت اور اعتماد سے ان کے گلے
لگ گیا۔

"سوری! آئندہ شرجیل میں آپ کو یہ کمزوریاں نظر نہیں آئیں گی۔"

"ڈن؟" عرفان چہکے۔

"ڈن!" شرجیل پُرجوش انداز میں بولا۔ اسی وقت عرفان کے بیٹے گیند اور بیٹ لے کر آ گئے
"شرجی انکل! آئیے ہم کرکٹ کھیلیں۔" نوی پوپی اسے دیکھ رہے تھے اور کرکٹ کے نام پر شرجیل [illegible]
[illegible] ماضی کی ایک [illegible] جسم میں [illegible] بن کر رینگنے لگی، ٹانگوں اور ہاتھوں میں لرزا طاری ہوا،
پیشانی عرق آلود ہوئی۔ عرفان بغور اس کا جائزہ لے رہے اور انتظار کرتے رہے کہ بچوں کے سوال کا وہ کیا
جواب دیتا ہے۔

"شرجیل انکل...! چلیے ناں...؟ ہوا بھی اچھی چل رہی ہے اور ہوا میں گیند موو کرتی ہے۔" نوی نے اس
کا ہاتھ پکڑا تو وہ سرد ہو رہا تھا۔

"ارے انکل! آپ کو سردی تو نہیں ہے پھر آپ کے ہاتھ ٹھنڈے کیوں ہو رہے ہیں؟" عرفان
کچھ رہے تھے۔ شرجیل کے کپکپاتے ہونٹوں کو دیکھ رہے تھے، آنکھوں میں ماضی کی تلخ یاد کڑی دھوپ بن کر
اُتری ہوئی تھی۔

"ارے... کس کو کرکٹ کھیلنے کا کہہ رہے ہو؟ کرکٹ ہم لڑکوں کا کھیل ہے ان لڑکیوں کا
نہیں؟ کیوں بے بی...؟" موبی کی کہی ہوئی بات تیر کی طرح دل میں اُتر گئی۔

"کرکٹ تو لڑکوں کا کھیل ہوتا ہے ناں......؟" وہ جیسے خود سے بولا۔

"جی ہاں! تو پھر آئیے ناں ہم کھیلیں۔ اسی لیے تو میں نے پھپھو سے نہیں کہا کہ کرکٹ لڑکوں کا کھیل
ہے لڑکیوں کا نہیں۔"

"لیکن بیٹا...! تمہارے انکل لڑکے تو نہیں۔" عرفان نے جان بوجھ کر کہا تو شرجیل چونک کر برق انداز

میں عرفان کی طرف گھوما۔ اندر یک دم آندھیاں چلنے لگیں۔ قریب تھا کہ وہ اس آندھی میں اُڑ جاتا
نشان ہو کر پھر بے یقینی کی دلدل میں اُتر جاتا۔ عرفان نے مضبوطی سے اس کو تھام لیا۔

"بھئی! آپ کے شرجیل انکل لڑکے نہیں آدمی ہیں، اس لیے کہہ رہے ہیں۔" عرفان کا جملہ
کیا جس کو تھام کر وہ یقین کے ساحل تک آ گیا، یہ جملہ ایک کرن بن گیا جس نے تاریکی کو نگل لیا، ایک پل
جواب مکمل کر پھول بن گئی تھی خوشی کا۔

"نہیں ابو! انکل بہت بڑے آدمی تھوڑی ہیں آپ کی طرح، آپ بڑے آدمی ہیں انکل تو ابھی
تھوڑے سے بڑے لڑکے ہیں، ہیں ناں شرجی انکل!"

یہ باتیں، لفظوں کے یہ معنی جگنو بن کر ناچنے لگے تھے شرجیل کے اطراف میں۔ وہ ایک بار پھر۔۔۔
ہونے لگا تھا۔

"ہاں۔۔۔ اور نہیں تو کیا، میں ابھی لڑکا ہوں، آدمی تو یہ خود ہیں اور آدمی تو بوڑھے ہوتے ہیں!
بچو!" شرجیل کا اعتماد لوٹ رہا تھا۔

"او کے! یہ بات ہے کہ ہم بوڑھے ہو گئے ہیں اور آپ لوگ جوان مرد ہیں تو چلو۔۔۔
کر لیتے ہیں۔ میں اور یوی ساتھی، شرجیل اور نوی ساتھی۔ جناب بتاؤ! پہلے بیٹنگ کون کرے گا ہم یا
لوگ؟"

عرفان نے گیند فضا میں اچھالی تو شرجیل نے کیچ کر لی۔

"ٹاس کر لیتے ہیں۔"

"میرے پاس کوائن ہے۔ یہ لیجیے شرجیل انکل"

نوی نے جھٹ اپنی جینز کی جیب سے ایک روپے کا سکہ نکال کر شرجیل کے ہاتھ پر رکھا۔ شرجیل نے
عرفان کو آفر دی تو انہوں نے ٹاس کیا اور بیٹنگ عرفان اور یوی کو ملی۔ پھر سب نے خوب کھیلا، کرکٹ شرجیل کا
فیورٹ کھیل تھا، وہ بچپن ہی سے فاسٹ باؤلر بننا چاہتا تھا مگر حالات کی گرد نے ہر خوشی، ہر خواہش کو نوچ لیا
تھا۔ وہ جب بھی کسی میدان میں اُترتا نئے جوش اور ولولے اور اپنی پوری دل جمعی کے ساتھ اُترتا مگر سب سے
پہلے اس کی خواہش، اعتماد اور خوشی کے پر کاٹنے والا اس کا اپنا باپ ہوتا پھر دوسرے لوگ۔ اس کے پر اس طرح
کٹ چکے ہوتے کہ وہ پرواز کے قابل ہی نہیں رہتا اور جب اس نے جوانی میں بیٹ بال پکڑا تو سوہنی نے اتنا
مذاق اُڑایا، اتنی بار اسے بے بی کہا کہ سوہنی کی بے بی اس کے دل و دماغ میں پھنس گئی، اس کی رگوں میں خون بن
کر دوڑنے لگی مگر آج وہ ہر قسم کے خوف کی قید سے آزاد ہو گیا تھا اور خوب کھیل رہا تھا۔ وہ جب باؤلنگ کر رہا تھا
تو عرفان کو شدید افسوس ہوتا کہ اتنا باصلاحیت نوجوان حالات کی چکی میں پس گیا۔

"صاحب! آپ کے دوست آئے ہیں۔" ملازم کی اطلاع پر عرفان میدان چھوڑ گئے۔ بچے بھی
تھک گئے تھے مگر شرجیل کا دل چاہ رہا تھا کہ کھیلتا رہے اور بچوں کو گھمانے لے جانے کا وعدہ کر کے وہ کھیلتا رہا۔
خوب کھیلا۔ اس بار جو اس نے مکمل کر شاٹ مارا تو گیند ہادیہ کے کمرے کی کھڑکی کا شیشہ چور کرتی عین ہادیہ کے
قدموں میں جا گری۔ وہ مچل کر اٹھی کہ نوی یوی کی کھنچائی کرے گی مگر وہاں شرجیل بیٹ پر ہاتھ رکھے پر اعتماد

میں کھڑا تھا، بچے ڈر گئے۔

"شرجیل انکل! بھاگ چلیں پھپھو آ رہی ہیں۔"

"ارے۔۔۔ کیوں بھاگ جائیں؟ ہم لوگ ڈرپوک ہیں؟ ڈرتے ہیں آپ کی پھپھو
سے؟ آتی ہیں تو آنے دو، دیکھتے ہیں کیا بگاڑتی ہیں وہ ہمارا۔۔۔؟" ہادیہ غصے میں جلتی بھنتی قریب آ رہی تھی،
بچے خوفزدہ ہو رہے تھے۔

"انکل۔۔۔ اب کیا ہوگا؟ وہ تو سر پر آ کھڑی ہوئیں۔"

"ارے یار! مرد ہو، مرد ہو، مرد کبھی کسی مصیبت سے ڈرا نہیں کرتے۔ بی بریو یار کم آن!"

"یہ۔۔۔ یہ شارٹ کس کا تھا؟" ہادیہ نے براہ راست شرجیل کو گھورا مگر پوچھا بچوں سے۔ نوی یوی
شرجیل کو دیکھنے لگے۔

"میں پوچھ رہی ہوں یہ حرکت کس کی ہے؟" ہادیہ نے دانت پیسے۔

"میری!" شرجیل اس کے غصے سے متاثر ہوئے بغیر بولا۔

"آپ کو معلوم ہے میری کھڑکی کا شیشہ ٹوٹ گیا ہے؟ اگر میرے سر پر بال لگتی تو۔۔۔" غصے سے
ہادیہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ بیٹ پکڑ کر شرجیل کی دھنائی کر دے جو اس وقت ہلکی سی شریر مسکراہٹ کے ساتھ
شوخ نظروں سے اسے دیکھتا بہت اچھا لگ رہا تھا۔

"ارے! جو ہونا تھا ہو گیا، کھڑکی میں شیشہ تھا ٹوٹ گیا۔ ورنہ اگر گیند آپ کے سر پر
لگ جاتی تو ہم سب کا کتنا نقصان ہوتا، کیوں بچو؟" وہ بچوں کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنسا تو
ہادیہ غصے سے اس کو گھورتی آگے بڑھ گئی تو شرجیل کے اندر کہیں یقین کا اور اعتماد کا ایک اور دیا روشن ہو گیا۔

ہادیہ سے اس کی نوک جھونک چلتی رہتی۔ عرفان اور عالیہ بھابھی نے اسے بہت اعتماد دیا تھا۔ بچے اس
کے ساتھ لگے رہتے، وہ زندگی میں ہونے والی ان تبدیلیوں کے حسن کے ساتھ بے حد خوش تھا، اسے ہر
طرف روشنی کا میلہ نظر آتا مگر اک کسک ملال بن کر سائے کی صورت آتی اور گزر جاتی۔ ممی، ماہم اور پاپا ہر پل یاد
آتے مگر اس نے اب خود پر ضبط کرنا سیکھ لیا تھا۔ اس نے سوچ لیا تھا ایک مضبوط اور مکمل نارمل مرد کی حیثیت سے
وہ ممی کو ظلم اور بے بسی کا مضبوط سائبان بن کر لوٹے گا۔ وہ تو اب تک اپنی ممی کو مظلوم ہی سمجھ رہا تھا۔ وہ کیا جانے
ماں کی جدائی کی آگ نے پتھر جیسے باپ کو پگھلا دیا تھا۔ اب صرف وہ ان کی زندگی کی کمی تھی مگر ان سب کے
بارے میں سوچتا تو دل مچل جاتا کہ کسی طرح ان سے جا ملے۔ اسے سب سے زیادہ ماہم کا خیال آتا جو اس سے
جدا ہو کر بھی اس کی ڈھال بنی رہی۔ اب خود نہ جانے کن حالات کا شکار تھی۔

"کہیں سوہنی واپس اس کی۔۔۔؟ نہیں! اللہ میاں جی! ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ سوہنی بہت غلط آدمی
ہے۔ میری معصوم بہن کو اس سے بچائیے گا۔" نماز کے بعد وہ باقاعدہ ماہم کے لیے دعا کرتا۔

اب تو وہ یونیورسٹی جانے لگا تھا۔ اب اس نے خود کو بہت مطمئن کر لیا۔ اچھی پرسنالٹی تو اللہ نے اس کو دی
تھی اب عرفان اور عالیہ بھابھی کی ڈانٹ پر اس نے اپنا خیال رکھنا شروع کیا تو وہ نکھر کر سامنے آیا۔ اس وقت وہ
پینٹ شرٹ میں بہت اسمارٹ لگ رہا تھا۔

"چشم بد دور! عرفان دیکھئے تو کتنا اسمارٹ لگ رہا ہے شرجیل۔"

عالیہ بھابھی کی بے ساختہ تعریف پر اپنی کتاب میں بظاہر غرق ہادیہ نے اسے دیکھا تو شرجیل بھی اسے ہی دیکھنے لگا تو جانے کیوں اک انجان سا، بے نام سا لطیف حساس چھو کر گزر گیا۔ وہ مسکرا دیا۔ متاثر ہو کر بھی ہادیہ نے نخوت سے منہ بنایا اور کتاب سامنے کر لی۔

"ماشاء اللہ بھئی! نظر اتار دو ہمارے بھائی کی...... چلو آؤ شرجیل...... مغرب کی نماز پڑھ آئیں۔"

"تو چلیے پھر!" شرجیل نے کن انکھیوں سے ہادیہ کو دیکھا اور جاتے جاتے جان بوجھ کر اس کے پاس سے گزرا اور جاتے جاتے ذرا سا جھک کر اس کے چہرے پر رکھی کتاب کھسکاتا ہوا آگے بڑھ گیا اور وہ تلملا رہی ہو گی، کس طرح چیزیں پٹخ رہی ہو گی، یہ تصور ہی سے محظوظ کر رہا تھا۔ آج کل وہ بہت خوش نظر آنے لگا تھا۔ اسے لگتا تھا اس کی تلاش ختم ہو گئی ہے۔ جس کے لیے وہ ہر نماز میں گڑگڑا کر اللہ کا شکرانہ ادا کرتا تھا اور عرفان کا جس قدر ممنون ہو سکتا ہوتا۔ اس روز اس کو، ہم بڑی شدت سے یاد آ رہی تھی۔ ہادیہ کو حسن علمہ نارمل اور دوسرے لڑکوں کی طرح دیکھنا چاہتی تھی وہ بالکل ویسا ہی بن گیا تو اس کا دل چاہا کہ وہ ہم سے بات کرے۔ وہ فون کے قریب آ گیا۔ دھڑکتے دل اور کپکپاتے ہاتھوں سے اس نے اتنے عرصے میں پہلی بار نمبر ملایا۔ بہت عجیب سی حالت ہو رہی تھی اس کی۔

"ہیلو!" دوسری طرف موبی ہی تھا غصے سے شرجیل سلگ اٹھا تاہم خود پر ضبط کر کے بڑے پراعتماد لہجے میں بولا۔

"جی! مجھے ہم وصف سے بات کرنی ہے۔"

"جی آپ کون؟" موبی کے فرشتے بھی اس کی آواز پہچان نہیں سکتے تھے۔

"میں بھی ہوں کوئی، آپ اس کو بلا دیں۔" اک بے بسی شرجیل کے دل میں اٹھی۔

"کوئی کا کوئی نام بھی ہو گا کہ نہیں؟" موبی اپنی ازلی بدتمیزی کے ساتھ بولا۔

"آپ کا نام سے کیا کام؟ میری بات کروا دیجئے ہم سے۔" شرجیل غصے میں آ گیا۔

"جب تک آپ اپنا مکمل تعارف نہیں کرائیں گے میں ہم سے بات نہیں کراؤں گا۔"

"کیوں؟ آپ ہم کے بھائی صاحب ہیں جو اتنی جرح کر رہے ہیں"

"میں تو اس کا کزن ہوں تو کیا آپ اس کے بھائی ہیں کہ۔"

"جی ہاں! اہول!"

• • •

"علیزہ...... اُف...... تم ابھی تک یہیں کھڑی ہو اور وہاں سب تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔"

"ہائے! آئی ایم طلحہ ابراہیم! ہینڈسم؟"

چیونگم چباتا ہوا، انگلی پر گاڑی کی چابی لہراتا ہوا طلحہ ابراہیم آگے بڑھا ارمغان نے علیزہ کا ہاتھ چھوڑ کر خشمگیں نظروں سے طلحہ کو گھورنے لگا جو عجیب و غریب لباس اور حلیے میں اپنی کلاس اور شخصیت اور سوچ کا پتا دیتا چیونگم چباتا ہوا اس کی طرف ہاتھ بڑھا رہا تھا۔ ارمغان نے ایک نظر اس پر اس کے بڑھے ہاتھ پر...

ڈالی علیزہ پر ڈالی جو غصے سے گہرے گہرے سانس لے رہی تھی نتھنے پھول رہے تھے ارمغان طلحہ کے بڑھے ہاتھ کو نظر انداز کرتا ہوا آگے بڑھ گیا تو طلحہ شانے اچکا کر رہ گیا پھر اپنے کمرے کی گلاس وال سے ارمغان نے دیکھا طلحہ علیزہ کا ہاتھ پکڑے بے تکلفی سے باہر نکل رہا ہے وہ کھول کر رہ گیا جو ابھی کہیں باہر گیا ہوا تھا اس نے غصے میں قیمتی گلدان اٹھا کر دیوار سے دے مارا۔

"ہو واز ہی؟" گاڑی میں بیٹھتے ہی طلحہ نے ارمغان کے بارے میں پوچھا تو علیزہ کی تیوریوں میں بل آ گئے ہونٹ سکڑ گئے۔

"ہونہہ! ہی از مائی کزن ارمغان۔" اس کا نام بھی علیزہ نے یوں لیا جیسے کڑوا بادام چبا رہی ہو۔

"ویری اس میرڈ سا لگ رہا تھا۔ مائی ڈیئر آج تو تم غضب ڈھا رہی ہو۔" جس بے باکی سے طلحہ کی نگاہوں نے اسے اپنے حصار میں لیا تھا اسی طرح بے باکی سے اس کی بانہیں بھی اس کے گرد پھیلنے لگیں۔ علیزہ کسمسا کر دور ہٹ گئی۔

"طلحہ! پلیز مجھے یاد ہے تم حدود کراس کرنا قطعی پسند نہیں اس لیے بی کیئر فل نیکسٹ ٹائم!" علیزہ کے چہرے کی ناگواری اس کے لہجے میں در آئی تو طلحہ بدتمیزی سے چیونگم کا بڑا سا بلبلہ بنا کر اس کی ناک سے ٹکرا کر پھوڑتا ہوا بے باکی سے ہنسا۔

"اسپر نگ...... تم اور خولہ فاسٹ فرینڈز ہو مگر خولہ کو یہ سب برا نہیں لگتا پھر تمہیں کیوں؟"

"خولہ کی اپنی حدود ہیں، میری اپنی ہیں اور میں اپنی حدود کسی کو کراس کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔"

"علیزہ...... یہ سب ...... تمہیں ...... رہی تھیں ...... تم ...... اچھا ہو ...... نہیں ...... دوستی میں باؤنڈریز کہاں ہوتی ہیں؟" طلحہ نے اس کے بالوں کو پیچھے کرنا چاہا، وہ جھٹکے سے دور ہٹ گئی۔

"ہر تعلق، ہر رشتے کی لمیٹیشن ہوتی ہیں طلحہ ابراہیم! لمیٹیشن کراس کرنے والا تعلق اور دوستیاں گناہ اور تباہی کی دلدل میں دھنس جاتے ہیں۔"

اس کی سوچ کی پختگی تختی بن کر اس کے چہرے پر اتر آئی۔ طلحہ چونک گیا۔ اس نے ایک اسٹیک بار کے سامنے گاڑی روک دی اور اسٹیئرنگ پر بازو جمائے اب وہ اسے گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"علیزہ! آج تو تم پہلے والی علیزہ لگ ہی نہیں رہی ہو، بہت ہی پرانی سی ٹپیکل سی لڑکی لگ رہی ہو۔ لگتا ہے تمہارے اس ربش کزن نے کوئی پٹی پڑھا دی ہے۔"

"طلحہ ابراہیم...! پلیز وہ میرا کزن ہے اور میں اپنے کسی کے خلاف ایک بات بھی سننا نہیں چاہتی۔ اب تم اس قسم کی باتیں ختم کرو تاکہ مجھے یہ احساس نہ ہو کہ میں نے تم سے دوستی کر کے غلطی کی ہے۔"

علیزہ ہٹ دھرم اور ضدی ضرور تھی مگر وہ اپنے کسی کے بارے میں کسی غیر کے منہ سے کوئی غلط بات نہ سن سکتی تھی اور برداشت کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس نے سختی سے اسے روک دیا اور اس وقت ارمغان اس کی یہ بات سن لیتا تو جنم جنم کے شکوے دور ہو جاتے۔

"اوکے...... اب کیا چلے گا......؟" طلحہ نے مکاری سے موضوع بدلا۔

"پھر پچھے کا نہیں ہم چلیں گے خولہ کے گھر!" باہر دیکھتے ہوئے عنیزہ نے حتمی انداز میں کہا تو علیزہ نے شانے اچکائے اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

● ● ●

پاکستان آ کر عنیزہ سے دوستی کر کے تو خولہ کی زندگی ہی بدل گئی تھی۔ عطیہ خاتون نے حدود میں خواہش پوری کر دی تھی اور ایک عدد ٹی وی بھی اس کے کمرے میں رکھوا دیا تھا کہ وہ حد سے باہر نہ جائے اور شوق کی تکمیل گھر میں ہی ہو جائے۔ وہ خولہ کو ادھورا بھی نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ اور شہباز کے سامنے سرخرو ہونا چاہتی تھیں اسی لیے تو انہوں نے پاکستان آ کر اسے کچھ آزادی ضرور دی تھی مگر حد میں رہ کر مگر وہ یہ اور اس کے اندر تک مگر وہ نہیں جانتی تھیں کہ خولہ کی سوچ کو نئی منزلیں مل گئی ہیں۔ اس کی ننھی منی بے ضرر خواہشات امنگوں کے لبادے اوڑھ چکے تھے۔ وہی ٹی وی جو اس کا احساس کمتری بن گیا تھا اب اس کے کمرے میں تھا مگر وہ آن نہیں کرتی تھی۔

"خولہ بیٹا! میں نے اتنا بڑا اور سک لے کر تمہیں ٹی وی خرید کر دیا ہے اور تم لگاتی ہی نہیں ہو۔" عطیہ خاتون نے ٹی وی آن کیا تو کوئی نہ کوئی پروگرام چل رہا تھا۔ خولہ جو آئینے کے سامنے کھڑی اپنے نئے ہیر اسٹائل کو ہر زاویے سے دیکھ رہی تھی، اس کے حسن کا ہر زاویہ ہی دلکش اور حسین نظر آ رہا تھا جس سے وہ مطمئن ہو کر مسکرائی اور پھر عطیہ خاتون کو شانوں سے پکڑ کر ان کی پیشانی پر پیار کر لیا۔

"عطیہ خاتون! کھلا ہوا پھول کتنا خوبصورت اور خوشنما لگتا ہے، ہے ناں؟ اس کی مہک روح مہک اٹھتی ہے اور اس کے رنگ نظروں کی راہ سے دل میں اتر جاتے ہیں۔ ہر کوئی اسے سنبھالنے کی کوشش کرتا ہے مگر جب یہی پھول مرجھا کر اپنی مہک اور رنگ کھو دیتا ہے تو بے چارہ بے وقعت کچرے میں چلا جاتا ہے اور انسان کی خواہشات بھی ایسے ہی پھول اور تتلی کی مانند ہوتی ہیں کہ انسان ان کے پیچھے بھاگتا رہتا ہے لیکن جب تتلی ان کی مٹھی میں آتی ہے تو اس کے حسین رنگین پر نہ صرف رنگ گنوا آتے ہیں بلکہ قوت پرواز بھی کھو بیٹھتے ہیں تو کسی مردہ بے جان تتلی کو کون پسند کرے گا عطیہ خاتون! میری ننھی منی خواہشات کی تتلیاں اب رنگ کھو بیٹھی ہیں۔ تب بھی ٹی وی میرا شوق کہ بیٹھ کر ڈرامے دیکھوں، کارٹون دیکھنے کی عمر میں کارٹون دیکھوں اور ڈرامہ کی عمر میں ڈرامہ۔ مگر اب تو میں خود ڈرامہ بن گئی ہوں وہ میرا... عطیہ خاتون! میں نہ تو کوئی فصل ہوں، نہ سنڈی ہوں، نہ ہی کوئی سنڈی مار سپرے، جس کا چھڑکاؤ کر کے فصل کو سنڈی سے بچایا جا سکے؟ عطیہ خاتون! ٹی وی کی خواہش تو اسی عمر میں مر گئی تھی جب... خیر اب تو" بولتے بولتے اس کے کھوکھلے ویران لہجے میں اس کی ادھوری ناتمام خوشیوں، خواہشوں کی موت کا سناٹا تھا۔ وہ عطیہ خاتون کو چھوڑ کر رخ موڑ کر کھڑی ہو گئی اور بھیگی آواز کی نمی کو رخساروں پر سے صاف کر کے پھر مڑی۔

"اب تو... سے تو... دور ہوئے درد کے عنوان جاناں!"

اک تلخ سی ہنسی اس کے لبوں کو چھوتی، عطیہ خاتون کو دکھ دیتی غائب ہو گئی تو وہ اٹھ کر باہر آ گئیں۔ خولہ اور علیزہ کے بیچ تیار ہونے لگی۔ سیورلیس شرٹ اور ڈیپ گریبان پر بی ٹاپ دوپٹہ لے کر جب وہ باہر نکلی تو عطیہ خاتون ششدر رہ گئیں۔ ایک لمحے کو ان کو اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہونے لگا کہ انہوں نے اسے

کیوں ڈھیل کیوں دی، انہوں نے تو اس کی شخصیت کے خیمے میں سانس لینے کے لیے سوراخ کیا تھا، خولہ نے دیوار ہی گرا دی تھی فرار کی راہ۔

"یہ... یہ تم کس حلیے میں باہر جا رہی ہو خولہ! تمہارے بابا دیکھ لیں ناں تو تمہیں بعد میں اور مجھے پہلے شوٹ کر دیں۔ یہ سراسر بے ایمانی ہے، دھوکہ ہے، فریب ہے، میں ان جرائم کی مرتکب نہیں ہو سکتی۔ خولہ... میں امانت میں خیانت نہیں کر سکتی، تم امانت ہو شہباز صاحب کی میرے پاس۔ میں نے تمہیں صرف کھلی فضا میں سانس لینے کی اجازت دی ہے، حدود توڑنے کی اجازت نہیں دی۔ گو بیک اینڈ چینج یور ڈریس...!" عطیہ خاتون کا چہرہ شدت ضبط سے گرم اور سرخ ہو گیا، لہجہ انتہائی سخت کہ کچھ دیر کے لیے خولہ ان کو دیکھ کر رہ گئی۔ پھر شانے پر سے بیگ اٹھا کر صوفے پر پھینکا اور ان کے قریب آ کر ان کو بغور دیکھنے لگی۔ وہ پہلے ہی سے بے بس کھڑی تھیں۔

"اک بات بتائیے عطیہ خاتون! یہ زندگی میری ہے۔ جس کو بھی بابا نے جیا اور اب آپ عطیہ خاتون! ایک لمحہ، کوئی ایک لمحہ بھی میری زندگی کا ایسا نہیں ہے جس پر میرا حق ہو، جسے میں اپنی مرضی اور خواہش کے ساتھ جیوں، کوئی ایک لمحہ تو مجھے اپنی مرضی سے جینے دیں آپ اور بابا" وہ روہانسی ہو گئی۔ عطیہ خاتون پلٹیں۔

"صرف اس لیے خولہ! اگر تم وہ ایک لمحہ بھی برباد کر دو گی۔ مجھے معلوم ہے تم اسے جیو گی نہیں برباد کرو گی۔ کاش! مجھے یقین ہوتا کہ تم وہ ایک لمحہ اچھا کرو گی، امر کر دو گی تو" "تو میں خولہ! پلیز! میری عمر بھری کمائی کو... میں" عطیہ خاتون نے بے بسی سے کہا۔ خولہ کے چہرے پر بڑی تلخ مسکراہٹ آ گئی۔

"تو عطیہ خاتون! آپ... آپ بھی بابا کی طرح خوف کے لبادے میں لپٹی، رسم و رواجوں میں جکڑی ہار اور جیت کے ہر گوہ تھ میں پکڑے خوفزدہ سی کیئر ٹیکر ہی ثابت ہوئیں۔"

"شکر کرو کہ میں تمہارے باپ کی غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہوں، تمہاری سگی ماں ہوتی تو اس لباس پر تمہاری بے پروائی کی داستان سنا رہی ہوتی اور تمہیں اتنا مارتی کہ دوبارہ تم ایسا لباس زیب تن کرنے کی جرأت نہ کر سکتیں۔ تم ایک لمحے کی بات کرتی ہو خولہ! یہ ایک لمحہ ہی تو انسان کی زندگی کا حاصل ہوتا ہے، اسی ایک لمحے میں تو جنت دوزخ کا فیصلہ ہوتا ہے۔ بیٹا! عورت کتنی شریف اور باکردار ہے یہ راز تو بعد میں کھلتا ہے، پہلے تو اس کی شرافت اور پاک دامنی کا ثبوت، اس کا لباس اور آنکھوں کی حیا ہے، میں اور تمہارے بابا تمہیں ایک ایسی ہی اچھی پاک دامن عورت کے روپ میں دیکھنا چاہتے ہیں اور تم"

عطیہ خاتون پہلے تو غصے میں آ گئی تھیں مگر بعد میں آرام اور پیار سے سمجھاتی رہیں۔ پہلے تو وہ تحمل سے سنتی رہیں پھر ایک دم اس نے بی ٹاپ دوپٹہ جو گردن کے ساتھ لگا ہوا تھا اتار کر دور پھینکا۔

"کچھ نہیں چاہتے آپ اور بابا۔ صرف میرا استحصال کرنا چاہتے ہیں، ہمیشہ میں نے جب چاہا آپ لوگوں نے اسے ہی میرے لیے شجر ممنوعہ بنا ڈالا۔ نفرت ہے مجھے آپ لوگوں سے، آپ کے بنائے ہوئے کھوکھلے اصولوں سے۔ اب میں اپنی زندگی کو انجوائے کروں گی، میری جن خواہشات پر آپ لوگوں نے پہرے بٹھائے

ہیں ناں سب پوری کروں گی، یہ میری زندگی ہے، میں اپنی زندگی اب آپ لوگوں کو جینے کی اجازت نہیں دے سکتی۔ آپ سب نے، میری ماں نے، بابا نے، آپ نے، سب نے اپنی اپنی زندگی کی تمام بہاریں سب کو انجوائے کیا اور میری باری آئی تو اپنی سوچ کے پہرے بٹھا دیئے جو مجھے پلک بھی جھپکنے کی نہیں دیتے۔ ہونہہ۔ ایسے نہ کرو، وہ نہ کرو، گھر تمہارا کیڈی ہو گیا۔"

خولہ اندر سے سلگ رہی تھی۔ طحہٰ ابراہیم اور علیزہ پہنچنے والے تھے۔ وہ کتنے شوق سے تیار ہوئی تھی، حسین لگ رہی تھی مگر علیہ خاتون نے حسب عادت ٹوک دیا تو وہ بری طرح بے مزا ہو گئی، اپنے کمرے میں آ گئی۔ واپس آئی تو علیہ خاتون نے دیکھا وہ ان ہی کپڑوں پر سیاہ رنگ کا بڑا اسائل آستین والا گاؤن پہنے ہوئی تھی۔ ان کو اس کے پھولے ہوئے منہ پر ڈھیر سارا پیار آ گیا۔ وہ اس کی بدکلامی بھول کر اس کے قریب آئیں اور اسے پیار کر لیا۔

"دیکھو بیٹا! گناہ بہت دلکش اور پر لطف ہوتا ہے صورتاً مگر اس کی سیرت انتہائی خوفناک اور مکروہ ہوتی ہے۔ یہ اپنی دلکشی کے پردے میں اپنی مکروہ صورت چھپائے رکھتا ہے اور کمزور نفس اس کی صورت کے دھوکے میں آ جاتے ہیں جبکہ نیک اور مضبوط لوگ نفس کو کمزور نہیں پڑنے دیتے۔"

"پلیز! پلیز علیہ خاتون! ابھی تو لیکچر بازی سے باز آ جایا کریں۔ ؟میں جا رہی ہوں، اللہ حافظ!" وہ چڑ کر اپنا بیگ سنبھالتی آگے بڑھ گئی۔

"جاؤ! اللہ تمہارا نگہبان ہو! تمہیں برائی کے راستے پر جانے سے روکے، آمین!" علیہ خاتون نے اس پر پھونک ماری جو طحہٰ اور علیزہ کی طرف بڑھ رہی تھی۔

طحہٰ نے بے تکلفی سے خولہ کی طرف بڑھایا ہاتھ ملایا اور گاڑی تک لے آیا۔ طحہٰ ایک بزنس مین تھا، بات ہر چیز کو صرف، بچے فائدے کے تناظر میں دیکھتا تھا اور دوسروں کے شوق اور محرومیوں کو کیش کرانے کا اسے بخوبی آتا تھا اور علیزہ، خولہ کے شوق اور محرومیوں کو وہ اچھی طرح جان چکا تھا اسی لیے وہ ان کے ساتھ فرینڈشپ سے بہت کام لینا چاہتا تھا۔ ان دونوں کو مٹھی میں رکھنے کے لیے وہ ان کی ہر بات مان رہا تھا، فائدے کی سب سے بڑی بات یہ تھی کہ دونوں لڑکیاں ویل آف گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کو مالی فائدے کی کوئی پروا نہیں تھی۔

"خولہ! کم آن ..... یہ کیا تم نے اپنے خوبصورت لباس پر اپر چڑھا رکھا ہے ؟! اتارو اسے، زبردست! ارے دیکھو تو طحہٰ ..... خولہ کتنی خوبصورت اور اسمارٹ ہے۔" طحہٰ کی ایک اور دوست نے آگے بڑھ کر خولہ کا اپر خود اتار کر طحہٰ سمیت گویا سب کو اس کی طرف متوجہ کر دیا تو اس وقت کمرے میں موجود سب کی نظریں اس پر جم سی گئیں۔ طحہٰ تو اک ادائے دلربائی سے اسے دیکھتا ہوا اس کے قریب آ گیا کہ خولہ جو اپر اتر جانے پر خود میں سمٹ گئی تھی، ایک دم پیچھے ہٹ گئی اور خود پر جمی طحہٰ کی بے باک نگاہوں کی حدت سے وہ جلتا ہوا محسوس کرنے لگی۔ ایک پل کے لیے علیہ خاتون اور بابا کی ساری باتیں، نصیحتیں جن سے وہ بیزار تھی، اپنی ڈھال محسوس ہوئیں۔

"کتنی ظالم ہو تم! اپر چڑھا کر اپنے ساتھ دوسروں کے ساتھ بھی زیادتی کر رہی ہو۔" طحہٰ

بات اور حسب فطرت بے باکی سے بولا اور قریب تھا کہ اس کا اٹھا ہوا ہاتھ خولہ کے بالوں کو چھوتا یا چہرے کو، علیزہ جو خولہ سے عمر میں بڑی بھی تھی اور سمجھدار بھی، اسے یہ سب اچھا نہیں لگا۔ تیزی سے آگے بڑھی اور خولہ کا ہاتھ پکڑ کر خود سے قریب اور طحہٰ سے دور کر دیا تو وہ اسے استفہامیہ نگاہوں سے گھورنے لگا۔

"کم ٹو دا پوائنٹ! تم نے کہا تھا کہ کوئی نیا اسکرپٹ آیا ہے اور بہت زبردست ہے، اسی پر کام کرتا ہے، لاؤ دکھاؤ۔" طحہٰ کی بات کی اہمیت کو ختم کرتے ہوئے علیزہ نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ وہ اس کے ساتھ صرف کام کرنے کے لیے ہیں دوسری خصوصیت کے لیے نہیں۔

"بہت شوق ہے تمہیں کام کرنے کا؟" طحہٰ کی نظریں بار بار گھوم پھر کر خولہ پر آ ٹھہرتیں۔

"ہاں۔ اٹو ڈاؤٹ کہ مجھے ڈائریکشن کی فیلڈ میں آنے کا بہت شوق ہے تم نہ بنتے تو کسی اور کے ساتھ کام کر لیتی۔"

"او کے! تو آؤ پھر۔" طحہٰ نے بغور دونوں کو دیکھا اور پھر باقاعدہ اسکرپٹ پر کام ہونے لگا۔

● ● ●

خولہ کے جانے کے بعد علیہ خاتون عصر کی نماز پڑھ کر آصفہ کے پاس آ گئیں جن کی طبیعت آج کل بہت خراب تھی۔

"انتظار ختم نہیں ہوتا تو پروردگار! زندگی ختم ہو جائے۔" سسکتے ہوئے آصفہ نے اپنا سر بیڈ سے مارا تو زوہا بھی کل کی طرح آج پھر گھبرا کر فون کرنے کے لیے بھاگا۔

"دیکھا آنٹی! آپ نے، مما کیسی باتیں کرتی ہیں۔ مما نے کبھی میرے اور بھائی کے بارے میں نہیں سوچا۔ سوچا بھی تو آنٹی! یہ کیا سمجھتی ہیں ہمیں ان کی ایسی باتوں سے دکھ نہیں ہوتا؟ پاپا بھی گھر پر نہیں۔"

زوہا بری طرح رو رہی تھی۔ اس نے ہوش سنبھالتے ہی مما کو بیمار اور ایسی باتیں کرتے سنا تھا۔ دونوں بہن بھائی مما کی وجہ سے مرجھا کر رہ گئے تھے۔ مما کی ایسی باتوں سے دل سہم کر رہ گئے تھے۔ اس بات کا احساس خود آصفہ کو بھی تھا مگر کیا کرتیں، ان کو خود پر اختیار ہی نہیں تھا، جب درد سوار ہو جاتا تو بے قابو ہو جاتیں۔

"زوہا بیٹا! روتے نہیں، نماز اور صبر سے اللہ کی مدد مانگتے ہیں۔ جاؤ شاباش! ہمارے لیے اچھی سی چائے بنا کر لاؤ۔ دیکھو میں ابھی تمہاری مما کو درست کرتی ہوں۔"

علیہ خاتون نے زوہا کو پیار کیا تو وہ ان کو ممنون نظروں سے دیکھتی اٹھ کر دروازے تک گئی پھر کسی وہم کے تحت اس نے پلٹ کر مما کو دیکھا جن کے دورے کی کیفیت اب کم ہو رہی تھی، چڑھا ہوا طوفان آہستہ آہستہ معمول پر آ رہا تھا اور علیہ خاتون نہ صرف ان کو سمجھا رہی تھیں بلکہ آیات پڑھ کر ان پر پھونک بھی رہی تھیں تو آصفہ کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے شعلوں پر کوئی ٹھنڈے پانی کا چھڑکاؤ کر رہا ہو۔ درد کی شدت اور جلن میں کمی ہو رہی تھی۔ انہوں نے ممنون ہو کر علیہ خاتون کے ہاتھ تھام لیے۔

"اب کیسا فیل کر رہی ہیں آصفہ؟" علیہ خاتون نے ملائم لہجے میں پوچھا تو آصفہ نے بے بسی سے کہا۔

"کھوج اور تلاش کے اس صحرا میں پہلی بار علیہ! پہلی بار اُمید اور یقین کے بادل چھائے ہیں، پہلی

...جگنو چمکتے ہیں، پہلی بار ایک سکون کا ٹھنڈا احساس دل کی عمیق گہرائیوں میں ...
عطیہ ...! ٹھیک ہو ...!"

آصفہ زندگی میں پہلی بار اتنی پرسکون ہوئی تھیں اور ان کی ممنون بھی بہت تھیں۔

"اگر ایسا ہے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے سکون کا وسیلہ مجھے بنایا ہے اور میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا ... دوسری بات یہ آپ ظفر بھائی کی طرف سے پریشان نہ ہوں، آ جائیں گے۔"

"نہیں عطیہ ... ظفری تو فرشتہ صفت جیون ساتھی ہیں، وہ میرے دکھ اور پریشانی کی وجہ نہیں بنے۔"

"ارے مما ... آ ... آپ ٹھیک ہیں ناں ...؟" رداء چائے لے کر آئی تو اس دورے کی ... اتنی جلدی بابر دیکھ کر اسے بے اندازہ خوشی ہوئی۔

"ڈونٹ وری بیٹا ... ! اب یہ بالکل ٹھیک ہو جائیں گی انشاء اللہ ... ! اللہ کے پاک کلام میں ... دوا، ہر دکھ کا علاج موجود ہے۔ لاعلاج بیماری بھی اللہ کے ذکر سے ٹھیک ہو جاتی ہے تو اس کا مرض تو ... نہیں۔" پھر عطیہ خاتون جانے کب تک آصفہ کو سمجھاتی بہلاتی رہیں اور ذکر اللہ زیادہ سے زیادہ کرنے ... کرتی رہیں۔

●●●

ظفر آج کل ماضی کی اوراق گردانی کرنے کے لیے ... راولپنڈی گئے ہوئے تھے ... راولپنڈی کے ایک نواحی گاؤں میں پیدا ہوئے تھے۔ وہاں ... چولہا آج بھی جل رہا تھا اور لوگ بھی رہ رہے تھے مگر وہ خود اور والدین کو اس آنگن میں تلاش کرتے ... گئے جہاں ان کے اور وجاہت کے والد کی دوستی نے جنم لیا، پروان چڑھی ... اور موت کی آخری ہچکی لیتے ... ظفر اور وجاہت کی دوستی کی گرہ لگا گئی، جو ان کی دوستی کی طرح بے لوث اور مضبوط نہ رہی اور غرض اور حسد کی ... ہو گئی۔

ظفری کتنی ہی ویران چیزوں کو چھو کر دیکھتے رہے جو کبھی ان دونوں کے زیر استعمال رہی، اس گھر ... دیوار کو دیکھتے رہے جہاں ان کے جوان قہقہے گونجا کرتے تھے۔ پھر وہ دل حزیں کا درد لیے زینت کی ... پر آ کھڑے ہوئے جو تنگ تھی اور سانپ کی طرح بل کھاتی ہوئی اونچی نیچی تھی، جہاں وہ کسی دوست ... آئے تھے کہ زینت نے ان دونوں کو مدد کے لیے پکارا تھا اور انسانی ہمدردی کے تحت دونوں کے قدم ایک ... اُٹھے تھے ہر قسم کی غرض اور لالچ سے پاک نیت کے ساتھ مگر کون کہہ سکتا تھا کہ ایک ساتھ اُٹھنے والے قدم ... بار ایک ساتھ اُٹھے ہیں پھر یہ ہمیشہ کے لیے الگ ہو جائیں گے۔ پھر زینت کا حسین چہرہ، خوبصورت ... آنکھیں جس میں خلاف توقع ظفر نے اپنا عکس دیکھا تھا تو خوشی سے دیوانے سے ہو گئے تھے۔ اس حادثے ... ایک لاشعوری وجود میں آنے کی یہ وہ نہیں جانتے تھے۔

زینت کو ہزار جان سے چاہنے کے باوجود انہوں نے اپنی چاہت کو ضبط کے قید خانے میں مقفل رکھا ... جب زینت نے ہاتھ اور قدم ان کی طرف بڑھائے تو گویا وہ خوشی سے دیوانے سے ہو گئے اور یہ دیوانگی ...

... اس نہیں سکی۔ وجاہت دوست کی بجائے رقیب روسیاہ بن کر دونوں کے بیچ آ گیا پھر ان کا اور زینت کا تڑپنا، کچلنا اور وجاہت کی ہر چال کا کامیاب ہو جانا۔

"اُف میرے خدا ... ! اتنا کچھ سہہ لینے کے بعد بھی میں زندہ ہوں ...؟" وہ ان کے سوکھے گھاس پر بیٹھے جانے کہاں سے کہاں پہنچ گئے تھے۔

"جی ... ! آپ کون صاحب ہیں اور اندر کیسے آئے ...؟ یہ چوکیدار کہاں ہے ...؟" بولنے والے نے پہلے تو ان کے شانے پر ہاتھ رکھا پھر چوکیدار کو آواز دینے لگا۔ ظفر چونک کر اس شخص کو دیکھنے لگے۔ وہ بھی ان کی طرف متوجہ تھا۔

"تت ... تم جاوید ہو ناں ...؟" ظفری جھٹکے سے کھڑے ہو گئے تو جاوید نے اپنی نظر کا چشمہ اُتار، صاف کر کے پھر لگایا۔ ماضی کا آئینہ وقت کی گرد سے دھندلایا ضرور تھا مگر اتنا نہیں کہ شناخت کی صلاحیت کھو بیٹھتا۔

"آ ... آ ... آپ ظفری بھیا ...!" اور پھر جیسے ظفر کو اپنا دکھ رونے کے لیے ایک شانہ مل گیا۔ جاوید وجاہت کا خاص آدمی تھا، اس کے بہت سے رازوں کا امین بھی تھا۔ ظفر کرید کرید کر وجاہت اور زینت کے بارے میں پوچھتے رہے اور جس حد تک اسے علم تھا وہ بتاتا رہا، مگر کہانی زینت کی موت پر آ کر ٹھہر گئی۔

"کیا ...؟ کیا زینت مر چکی ہے ...؟ اُف خدایا ... یہ ... یہ کیا ہو گیا ...؟ میں تو زندگی کا ایک ایک ... زندگی پھر ... کر بھی ... ملوں گا ... اپنے زخم دکھاؤں گا، اس کے زخموں پر مرہم رکھوں گا۔ زینت ... ظفر ... رہے تھے۔

اُمید کے ننھے ننھے دیے جو ظفر نے روشن کر رکھے تھے آج زینت کی موت کی اطلاع کے جھونکے سے سارے بجھ گئے تو اتنا گھپ اندھیرا ہو گیا کہ ظفر کو اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ جانے کب تک وہ زینت کی قبر پر روتے رہتے کہ جاوید نے ان کا شانہ ہلایا۔

"ظفری بھیا ... ! بہت رات ہو چکی ہے۔ چلیے میرے گھر چلیے۔"

جاوید نے مہمان نوازی میں کوئی کسر نہ چھوڑی مگر دل کا نگر ایسا اُجڑا کہ ظفر کو کسی پل قرار نہیں تھا۔ وہ زینت کی بچیوں کے بارے میں جاننا چاہتے تھے۔

"معلوم نہیں ظفری بھیا ... ! مجھے اتنا پتہ ہے کہ ان بچیوں کی پیدائش پر زینت باجی کی ڈیتھ ہو گئی اور وجاہت نے کسی ڈاکٹر شہلا سے شادی کر لی پھر وہ کہاں گئے؟ کچھ خبر نہیں۔ نہ وجاہت صاحب کی اور نہ ان کی فیملی کی۔"

ظفر جو زینت کے ساتھ بیٹھ کر اپنی ناتمام خواہشات اور ٹوٹے خوابوں کا ماتم کرنا چاہتے تھے، اس کی موت کا گہرا صدمہ لیے لوٹ آئے۔

●●●

وردہ گاڑی سے جیسے ہی اُتری ڈرائیور گاڑی لے کر آگے بڑھ گیا۔ وردہ جو گاڑی میں اپنا موبائل بھول آئی تھی جیسے ہی لینے کے لیے پلٹی تو لڑکھڑا گئی ... اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی اور تین سیڑھیاں جو چڑھ آئی تھی گر گئی۔

یہ تو خدا کا شکر تھا کہ زیادہ سیڑھیاں نہیں چڑھی تھی ورنہ اتنی سیڑھیوں سے گرتی۔ اس کے پاؤں میں شدید چوٹ آئی تھی، درد کی شدت پانی کی صورت اس کے رخساروں پر پھیل گئی۔ کچھ دیر کے لیے تو اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ غزین تیزی سے آگے بڑھا وہ گھٹنے پر سر رکھے پاؤں پر ہاتھ رکھے ضبط کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کے چہرے پر تکلیف کے آثار اور آنسو اس بات کے ثبوت کے لیے کافی تھے۔ نجانے کیوں اس کی ٹیسیں اپنے دل میں شدت سے محسوس ہوئیں۔ کچھ دیر کے لیے وہ سب کچھ بھول کر اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

"کیا بہت چوٹ آئی ہے...؟" غزین کا انداز اور لہجہ بالکل سادہ اور ہر قسم کی ریاکاری سے پاک تھا۔ وردہ کو لگا جیسے وہ جان بوجھ کر پوچھ رہا ہے۔

"نہیں! آئی ایم او کے!" وہ نخوت سے اسے گھورتے ہوئے اٹھنے لگی مگر پاؤں پر زور پڑتے ہی لڑکھڑا گئی۔ پھر لڑکھڑا گئی۔ غزین نے بڑھ کر تھام لیا ورنہ اب تو شاید منہ کے بل گرتی۔

"ڈونٹ ٹچ می!" اس نے انتہائی حقارت سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ کچھ بھی تھا یہ سب غزین ہی کی وجہ سے ہی تو ہوا تھا نہ وہ اس سے پارٹی میں آنے کی ضد کرتا نہ یہ ہوتا۔ غزین کو غصہ تو آیا مگر اس وقت وہ اظہار نہیں چاہتا تھا۔ اس نے پھر صلح جوئی سے ہاتھ بڑھایا۔

"وردہ! لاؤ میرے ہاتھ میں ہاتھ دو میں اندر لے چلتا ہوں۔" اس کی پرخلوص آفر پر وہ کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورنے لگی۔

"تمہارے ہاتھ میں ہاتھ دینے سے بہتر میں موت کے ہاتھ میں ہاتھ دینا پسند کروں گی۔" اس وقت غصے سے اس کا چہرہ سرخ اور نتھنے پھول رہے تھے، تکلیف کی شدت سے آنسو بھی بہہ رہے تھے۔ ایسی حالت میں وہ غزین کو بہت اچھی لگ رہی تھی اسی لیے تو کوئی سخت بات نہیں کر رہا تھا۔

"تو چلیے! مجھے ہی اپنی موت سمجھ کر اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دیجیے، آزمائش شرط ہے۔" ہلکی سی شرارت بھری مسکراہٹ غزین کے لبوں پر پھیل کر وردہ کو مزید چراغ پا کر گئی۔

"شٹ اپ! میری مما کو بلائیے۔" وہ دھاڑی۔

"کیوں بلاؤں مما کو؟ ملازم سمجھ رکھا ہے محترمہ نے...... حکم پر حکم دیے جا رہی ہیں۔ میں کب سے ہاتھ تھام رہا ہوں اور محترمہ ہیروئین بن رہی ہیں۔ ایکسکیوز می! ایسا کچھ نہیں ہے، آپ مہمان اور میں میزبان ہوں، سیدھی طرح چلتی پھرتی نظر آئیے۔ ایک تو سب سے آخر میں آئیں اوپر سے چوٹ لگا کر احسان فرمایا جا رہا ہے۔ ارے! آپ خود کو سمجھتی کیا ہیں؟ اک ذرا سی تکلیف پر آسمان سر پر اٹھا لیا ہے، آپ کو یہ خبر کہ دکھ تکلیف کہتے کس کو ہیں؟ وہاں سب کھانے کا انتظار کر رہے ہیں یہ احسان فرماتی تو میں اور لڑکھڑا گئیں۔ میں پوچھتا ہوں اس وقت چوٹ لگوانے کی ضرورت کیا تھی؟"

وہ جو اب تک اس کے ناز اٹھا رہا تھا یوں تو بولتا گیا تو اس نے بھیگی پلکوں سے اسے دیکھا۔ کچھ کچھ روٹھا کچھ کچھ پشیمان سا یہ خوبرو چہرہ تو جب جونہی نے اس کے ساتھ ایسا کیوں کرتا تھا اتنی تکلیف کے باوجود اسے اچھا لگا۔ اسے دیکھتا پا کر وہ سیدھا ہو گیا اور سینہ پھلا کر سینے پر بازو باندھ کر کھڑا ہو گیا۔

"دوسروں کو دکھ دینا، چوٹ لگانا اچھا لگتا ہے ناں آپ کو تو اب ذرا سی چوٹ لگ جانے پر اس قدر کیوں رویا جا رہا ہے؟" وہ تو اور بھی کچھ بولتا کہ اسد بات مزید بڑھ جانے کے خیال سے شہلا کو بلا دیا۔

"وردہ... اور وردہ میری جان! کیا ہوا؟ کیسے چوٹ آ گئی میری گڑیا!" مما کو دیکھ کر وہ غزین کا خیال بھول کر ان کے ساتھ لگ گئی۔

"مما! بہت تکلیف ہو رہی ہے۔"

"اچھا ہے! اور ہو۔" غزین نے اس کے قریب ہو کر دھیرے سے کہا۔

"میری جان! کہیں موچ تو نہیں آ گئی ہو؟"

"ان کے پاؤں پر موچ آئے نہ آئے مگر اللہ کرے ان کے دل پر موچ ضرور آئے۔" شہلا چونکہ پاؤں کا معائنہ کر رہی تھیں تو غزین کو اس کے کانوں میں سرگوشی کرنے کا بھرپور موقع مل گیا تھا۔

"غزین بیٹا! لگ تو نہیں رہی مگر پھر بھی ہمیں اپنا شک دور کر لینا چاہیے۔ یہ کرو تم ڈرائیور سے کہو گاڑی نکالے، آگے بھی مہمانوں کو دیکھو سب اس کی وجہ سے پریشان ہو گئے ہیں۔ میں اسے ڈاکٹر کے پاس لے جاتی ہوں۔"

"آنٹی! آپ بھی ڈاکٹر ہیں، آپ نے چیک کیا، میں نے کیا، یہ خود ڈاکٹر ہیں، خود دیکھ سکتی ہیں موچ نہیں آئی ہے۔ بس گوشت میں دباؤ کی وجہ سے کھنچاؤ آ گیا ہے، تکلیف صرف اس وقت اہمیت اختیار کرتی ہے جب اس کے نازنخرے اٹھانے جائیں، سے جتنا ٹیک کیا جائے وہ اتنی زیادہ محسوس ہوگی۔ بہرحال آپ کہہ رہی ہیں تو ڈرائیور کیوں میں خود گاڑی لے کر آتا ہوں۔" پھر وہ مڑا اور اسد کو نئے احکامات دیتا ہوا گاڑی لے کر آ گیا۔

"آئیے آنٹی! آپ تشریف رکھیے اور مس وردہ! آپ اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دیجیے۔" شہلا کے لیے فرنٹ ڈور کھول کر وہ وردہ کی طرف پھر ہاتھ بڑھاتے ہوئے معنی خیز انداز میں کہہ رہا تھا۔ وہ پیچ و تاب کھا کر رہ گئی۔

"جلدی کیجیے محترمہ! سب فکر مند ہیں۔" وہ اس کے قریب آ گیا۔ شہلا گاڑی میں بیٹھ چکی تھیں۔ وردہ کو غصہ آ گیا۔

"مما بھی عجیب ہیں۔ مجھے پکڑنے کی بجائے خود جا بیٹھی ہیں۔ اتنا اعتماد بھی اچھا نہیں ہوتا۔" وہ اسے گھورتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"میرے نقوش بعد میں حفظ کر لیجیے گا پہلے گاڑی میں بیٹھ جائیں۔ چلیے! کتنی نخرے باز ہوتی ہیں یہ لڑکیاں۔"

غزین کو واقعی اب غصہ آنے لگا۔ اس نے آگے بڑھ کر خود اس کا ہاتھ پکڑا، کھینچ کر کھڑا کر دیا اور اسے مجبوراً قدم بڑھانے کے لیے اس کے شانے کا سہارا لینا پڑا۔ اس نے ہاتھ جیسے ہی اس کے شانے پر رکھا، وہ شوخی سے مڑا۔

"اچھا لگا آپ کا سہارا لینے کا یہ انداز ہمیں۔"

میں مدہوش رہنا چاہتا تھا سعد! پھر ایسا کیوں کیا انہوں نے؟ میری سوچ تو ان سے شروع ہو کر ان پر ختم ہوتی تھی پھر... پھر انہوں نے مجھے بے دردی سے سوچ کے صحرا میں بھٹکنے کے لیے تنہا کیوں چھوڑ دیا؟ نہ کوئی کنارہ ملتا ہے نہ کرن نظر آتی ہے..... کیوں؟ کیوں پاپا...! آپ نے ایسا کیوں کیا؟"

وہ بے قرار سا اسد کے شانے سے لگا شدتوں سے رونے لگا۔ وہ کتنا بیقرار اور بے چین تھا اس کی حرکت سے لگ رہا تھا۔ اسد نے پیار سے اس کا چہرہ صاف کیا۔

"غزین! اللہ مالک ہے ناں، معجزات بھی تو ہوتے ہیں ناں، اللہ کی طرف سے دیکھ انشاءاللہ! انکل ٹھیک ہو جائیں اور سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

ٹھنڈی پھوار کی طرح اسد کی یہ تسلیاں کبھی کبھی مٹی کا تیل ثابت ہوتیں کہ پڑتے ہی آگ بھڑک اٹھتی۔ اس وقت بھی وہ اسے پرے دھکیل کر جھٹکے سے اٹھا، چہرہ سرخ اور شدید سردی میں بھی فل پنکھا کھول کر نیچے بیٹھ گیا اور گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ پھر اسد کی طرف مڑا۔

"سعد! میں اس دنیا میں صرف ان کو جانتا تھا، ان کو پہچانتا تھا پھر انہوں نے تو خود ہی مجھے دور دھکیل دیا تو اب یہ میرا انتظار کریں میرے لوٹ آنے کا، اب تو میں خالی ہاتھ ہوں لیکن پھر بھی دوں گا، ان کو بولنے کے لیے کسی موشن الیکٹ کی ضرورت ہے ناں؟ تو اب ایسا ہی ہو گا پاپا کو ایسا صدمہ پہنچاؤں گا کہ یہ بول اٹھیں گے۔"

غزین کی آنکھیں نامعلوم عزائم سے چمک اٹھیں۔ روتے ہاتھ پر مکا مارا تو اسد سمجھ گیا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔

"جیسا تم سوچ رہے ہو ناں غزین! اس سے تم سب کچھ کھو دو گے۔"

"ہونہہ! تو بھی میرے پاس کیا ہے؟ خالی دامن؟ خالی ہاتھ؟"

"یہ تمہارا جذباتی پن ہے۔ ابھی وقت اور حالات کی لگام تمہارے ہاتھ میں ہے، کر عقلمندی کا ثبوت دو گے تو خالی دامن خوشیوں سے بھر جائے گا۔ جو تم نے سوچا ہے اور جو کرنا چاہتے ہو وہ کسی طرح مناسب نہیں۔"

"پلیز! پلیز سعد! میری زندگی کا یہ وہ معاملہ ہے جس میں مجھے تمہارے مشورے کی ضرورت ہے اور نہ ہی رائے کی، اور اب پلیز! مجھے نہیں روکنا اس لیے کہ اب میں وہ کروں گا جو میں نے سوچ رکھا ہے کیونکہ میں دوہری زندگی، دوہرے احساس کے ساتھ جی جی کر تھک گیا ہوں۔ پلیز"

غزین نے یہ سب کہتے ہوئے چہرہ دوسری طرف موڑ لیا تھا کیونکہ دونوں کی دوستی ایسی نہیں تھی کہ وہ اسے یوں جھٹکے سے ایک پل میں اپنی زندگی سے نکال باہر کرتا۔ اس کے الفاظ کی برچھیاں اسد کے دل کے آر پار ہو گئی تھیں مگر بے لوث تعلق کی بنیادیں اتنی کمزور نہیں ہوتیں کہ ذرا سی بات پر ڈھے جائیں وہ غزین کو بہت اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ چپ چاپ آگے بڑھا اور آہستگی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

"یہی بات اگر جرأت ہے تو میری آنکھوں میں دیکھ کر کہہ دو، قسم کھاتا ہوں تمہارے رستے میں نہیں آؤں گا۔"

"تم جانتے ہو ناں میں یہ سب نہیں کر سکتا اس لیے پلیز! مجھے جو کرنا ہے کرنے دو کیونکہ اس کے

سوا کوئی چارہ نہیں۔ پلیز...!"

غزین اسے دیکھے بغیر بولتا ہوا باہر نکل گیا اور اسد جلتا ہوا دیکھتا رہ گیا۔

● ● ●

"بھابھی جان! غزین کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے...؟"

شہلا کو جب سے معلوم ہوا تھا کہ ارمغان علیزہ کو چاہتا ہے، اور غزین وردہ کے چکروں میں ان کے ہاں آتا جاتا ہے تو وہ سنجیدگی سے وردہ کے حوالے سے غزین کو سوچنے لگی تھیں مگر پہلا مرحلہ تو عفت بیگم کو منانا تھا جو کہ وردہ کے علاوہ کسی اور کو بہو بنانا ہی نہیں چاہتی تھیں۔

"ہاں! بہت اچھا لڑکا ہے، خاندان بھی اچھا ہے اگر ہمارے گھر کی کسی لڑکی کا نصیب اس سے جڑ جاتا ہے تو یہ ہماری خوش قسمتی ہے۔"

"ہوں! تو اس کا مطلب ہے اس کے بارے میں آپ کی بھی وہی رائے ہے جو میری ہے۔" شہلا نے اطمینان کا گہرا سانس لیا۔

"ہاں...! ہے تو مگر ایک کھٹکنے کی بات ہے کہ خود تو وہ اتنا آگے بڑھ گیا ہے مگر اس نے کبھی اپنے خاندان کے بارے میں کچھ بتایا ہی نہیں۔ بس یہی بات کھٹکتی ہے۔" عفت نے اپنا خدشہ ظاہر کر دیا تو شہلا بھی جو کہ اس پہلو پر بارہا سوچ چکی تھیں، پرخیال انداز میں بولیں۔

"بات تو آپ کی درست ہے بھابھی جان! مگر وہ کہتا ہے کہ اس کا صرف باپ ہی ہے۔"

"ہاں... تو باپ ہی تو سب کچھ ہوتا ہے اگر وہ ہمارے گھر کی کسی لڑکی کا طلبگار ہے تو اسے اپنے والد صاحب کو بھیجنا چاہیے۔ ایسے ہی تو اپنی کوئی بھی لڑکی اس کے ساتھ رخصت کرنے سے رہے۔"

"ویسے بھابھی جان! آپ کا کیا خیال ہے غزین کو ہماری کون سی لڑکی پسند آئی ہو گی؟" شہلا نے کچھ چور سے لہجے اور کن انکھیوں سے ان کو دیکھا جو وردہ پر اپنا استحقاق سمجھتی تھیں کہ ارمغان کے علاوہ وردہ کا نام بھی کسی اور کے ساتھ نہیں سن سکتی تھیں اور آج غزین کا ذکر چھیڑنے کا ان کا مقصد ہی یہ تھا کہ عفت کو اصل حقیقت بتا دی جائے کہ نہ وردہ ارمغان کو پسند کرتی ہے اور نہ ہی ارمغان وردہ کو اس حیثیت سے پسند کرتا ہے۔ وہ خود تو جانتی تھیں کہ غزین وردہ کے چکر میں ہے اور بھی ان کو وردہ بھی اس سے متاثر نظر آتی تھی اس لیے اب وہ چاہتی تھیں کہ عفت بھابھی سے علیزہ اور ارمغان کی بات کر دی جائے اور اس کے لیے انہوں نے بڑے طریقے سے بات شروع کی تھی۔

"بھئی! اب مجھے الہام تو ہوتا نہیں کہ پتہ چل جائے وہ کس لڑکی کے لیے آتا ہے...؟ اتنا یقین ہے کہ وہ ہے ہی گھر کی کسی لڑکی کے چکر میں۔ ویسے لڑکا بڑا خوبصورت اور قابل ہے۔ یوں تو ہماری کسی بھی لڑکی سے ہو جائے تو اچھا ہے۔"

"اور اگر اس کی نظریں وردہ پر ہوئیں تو؟ وہ... میرا مطلب ہے بھابھی جان... دونوں ساتھ پڑھتے ہیں، انڈر اسٹینڈنگ تو ہو جاتی ہے ناں.....؟"

شہلا تو صاف صاف کہنا چاہتی تھیں مگر عفت نے اسے گھورا تو انہوں نے جلدی سے ...
عفت مشکوک ہو کر ان کے قریب آ گئیں۔

"تم کہنا کیا چاہتی ہو ...؟ میرے ارمغان میں کیا کمی ہے.....؟"

عفت کمر پر ہاتھ باندھے لڑاکا انداز میں غرائیں تو شہلا کو ہنسی آ گئی۔ وہ ہنستے ہوئے بولیں۔

"صرف سینگوں کی...!" وہ بھی اسی انداز میں ہنسیں۔

"سینگوں والا گدھا تو تمہیں کہیں نہیں ملے گا۔"

"بھابھی جان.....! آئیے یہاں بیٹھئے میں آپ کو بتاتی ہوں۔" شہلا نے بھابھی کا اندازہ ... لیا تھا۔ وہ ان کی خواہش کو بھی بہت اچھی طرح جانتی تھیں۔

"شہلا...! وردہ پر پہلا حق میرا ہے، میں دیکھ رہی ہوں جب سے یہ بانگڑ بلا جیسا غزین تمہاری ... میں بچا ہے تمہارے انداز ہی اور سے اور ہونے لگے ہیں۔ مگر یاد رکھو میں تمہیں اپنے بیٹے کا حق مارنے ... گی۔" عفت نے بڑے کڑے انداز میں دھمکی دی۔

"پیاری بھابھی جان...! یہ آپ نے کیسے جان لیا کہ ارمغان ... مجھے کوئی ... ہے...؟ ارمغان پہلے بعد میں کوئی اور لیکن یہ بات بھی حقیقت ہے کہ علیزہ اور وردہ میری آنکھوں ... ہیں، میں دونوں کو ہمیشہ روشن دیکھنا چاہتی ہوں اس لیے میں چاہتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ غزین اور ارمغان کو ... بنا دے تو میں خود کو کتنا خوش نصیب تصور کروں گی۔"

شہلا آہستہ آہستہ اپنے اصل مقصد پر آ گئیں۔ اب عفت کے چہرے کا تناؤ کم ہونے لگا۔

"ہاں...! تو پرابلم کیا ہے...؟ غزین اچھا ... ہیں اور ... طے کر دیتے ہیں۔ یوں علیزہ اور غزین کی جوڑی بن جائے گی، ارمغان اور وردہ کی۔ ... جب ان چاروں کی تصویر بنے گی تو زندگی کا فریم کتنا حسین لگنے لگے گا۔"

اپنی خواہش کے اوٹ میں عفت خیالوں ہی خیالوں میں غزین اور علیزہ، وردہ اور ارمغان کو دلہن ... کے روپ میں دیکھ کر مسکرانے لگیں۔ شہلا نے ان کے روشن چہرے کو دیکھا اور ان کا ہاتھ تھام لیا۔

"جی بھابھی...! زندگی کا فریم اسی وقت حسین لگ سکتا ہے جب خوشی کے پھولوں سے مہک رہا ہو ... چلیں اک بات بتائیں کہ کوئی بھی ماں وہ میں ہوں یا آپ ہوں، اپنی بیٹی یا بیٹے کی آنکھوں میں ... آنسو بھر سکتی ہے...؟"

"خدا نہ کرے شہلا...! دنیا میں ایسی کون سی ماں ہو سکتی ہے جو اپنی اولاد کو آنسو دے...؟ ارے مائیں تو اولاد کی خوشی کے لیے اپنی زندگی تک قربان کر دیا کرتی ہیں۔"

"ایسا ہے تو بھابھی جان.....! آپ ارمغان کو ناخوش کیوں کرنا چاہتی ہیں...؟ اس کی آنکھوں میں آنسو کیوں بھرنا چاہتی ہیں...؟" اب شہلا کھل کر بولنے لگی تھیں۔

"شہلا...! یہ آج تمہیں ہو کیا گیا ہے...؟ کتنی مہمل باتیں کر رہی ہو...؟ صاف صاف کہو کیا بات ہے......؟" عفت نے گھبرا کر کہا۔

"خفا تو نہیں ہوں گی......؟"

"نہیں... میں خفا کیوں ہونے لگی...؟ اگر تم ایسی بات کہہ رہی ہو تو یقیناً اس پردہ کوئی نہ کوئی کہانی تو ہو گی...؟" عفت اُلجھی گئیں۔

"صرف کہانی نہیں بھابھی..... لو اسٹوری کہیے۔ اس روز وردہ نے آپ سے کہا تھا ناں کہ آپ اس کو اپنی بیٹی بنا لیں، اس نے بیٹی پر بہت زور کیوں دیا تھا...؟"

"ارے بھئی...! مجھے معلوم کیوں زور دیا تھا...؟ ایک تو تم ماں بیٹیاں اتنی گھنی ہو کہ حد نہیں۔ اب جانے کیا پھپھولے دل میں لیے بیٹھی ہو تم دونوں...؟ کہہ ہی دو......!"

عفت اپنے انداز میں اس سے خفا ہوئیں تو شہلا کو پھر ہنسی آ گئی۔

"ہم ماں بیٹی کے دل میں کچھ نہیں ہے بھابھی جان.....! دل میں تو ہے آپ کے بیٹے کے میری بیٹی علیزہ کی محبت...!"

"کیا کیا...! یہ تم کیا کہہ رہی ہو...؟ ذرا پھر سے کہنا...!" عفت کو ایک دم جھٹکا سا لگا۔

"میری پیاری بھابھی...! آپ کا لاڈلا بیٹا بچپن ہی سے علیزہ کو چاہتا ہے اور پچھلی بار جب وہ آیا تھا تو اس نے وردہ کو بتایا، وردہ نے مجھے بتایا اور میں آج آپ کو بتا رہی ہوں۔ اب آپ بھائی جان کو بتائیے گا بھائی جان خاندان بھر کو بتائیں گے اور...."

"ارے...! بس کرو یہ بتا بتا کی رٹ، ایسا نہیں ہو سکتا۔"

عفت کے لیے یہ بات بہت بڑا دھچکا تھی۔ علیزہ وردہ سے زیادہ خوبصورت تھی مگر اپنی بدد ماغی کی وجہ سے ذرا ناپسندیدہ فہرست میں تھی اور کچھ شروع سے انہوں نے وردہ کو اس حیثیت سے پسند کیا تھا۔ اب اچانک علیزہ، وہ اس وقت عجیب سی کیفیت کا شکار تھیں۔ اب بات بھی ان کے اپنے بیٹے کی پسند کی تھی، وہ نہ تو شہلا سے خفا ہو سکتی تھیں نہ کچھ کہہ سکتی تھیں، بس جھنجلا کر رہ گئیں۔ شہلا گہری نظروں سے ان کو دیکھتی رہیں۔

"اس..... اس خبیث نے مجھے کیوں نہیں بتایا...؟"

وہ غصے اور اُلجھن میں کمرے کا طواف کرنے لگیں۔ ایک بار تو کارپٹ میں پاؤں اُلجھ کر گرنے بھی لگیں تو شہلا نے بڑھ کر تھام لیا۔

"اللہ......! ابھی گر جاتیں بھابھی جان...! ہاں...! آپ نے پوچھا کہ اس خبیث نے آپ کو کیوں نہیں بتایا...؟ اب آپ کو کیسے بتاؤں...؟ کیونکہ لفظ "بتا" سے آپ کو چڑ ہے۔"

"اچھا...! زیادہ شوخ بننے کی ضرورت نہیں۔ جب بچپن ہی سے میں وردہ کو اس حیثیت سے چاہتی ہوں تو اس کے دل میں اس بد دماغ، خوبصورت بلا کی محبت کیسے اُتر آئی...؟" غصے میں اپنے احساسات اور جذبات کے اظہار کے لیے مناسب الفاظ کا چناؤ بھی ان کے لیے دشوار ہو رہا تھا۔

"اب بھابھی......! دل ارمغان کا ہے، پسند اس کی، محبت اس کی۔"

"بیٹی تو تمہاری ہے ناں......؟" عفت غصے سے پلٹیں۔

"ہاں......! تو میری بیٹی علیزہ کو اپنی بہو بنا لیجئے ناں بھابھی جان......!"

شہلا نے بڑے لاڈ سے ان کے گلے میں بازو ڈال کر ان کی پیشانی پر پیار کر لیا تو وہ جو ...
خاصی حیرت ہوئی تھیں، ایک مدت تک انسان جس کو چاہے، پسند کرے، حاصل کرنا چاہے، وہ نہ ملے تو ...
تو فطری عمل ہے، وہ کچھ اداس سی ہو گئیں۔

"سوچوں گی ......!" ان کا لہجہ دب گیا کیونکہ علیزہ ان کے بیٹے کی محبت تھی۔

"اے بھابی جان! میری علیزہ جس کے اب تک بے شمار پرپوزل آ چکے ہیں، آپ اس سے ...
سوچیں گی؟"

"اور وہ گھنی وردہ کہاں ہے...؟ اس کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟"

"اس کی رائے آپ کو اس بات سے معلوم نہیں ہوتی کہ اس نے کہا تھا کہ مامی آپ مجھے اپنی ...
لیں۔"

"تو وردہ کی بات کا یہ مطلب تھا......؟ پھر کہوں گی کہ تم ماں بیٹی بہت گھنی ہو مگر وہ جو دوسری ہے ...
میرے بیٹے کو دیکھنا پسند نہیں کرتی۔" عفت بڑی ہی سے بولیں، وہ عجیب کیفیت کا شکار تھیں۔

"میری بیٹی کو چھوڑیے وہ دیکھے نہ دیکھے، آپ کا بیٹا تو اس کو دیکھ دیکھ کر جیتا ہے ناں؟"

"ارے......! اس چغد کو آنے تو دو......! ٹھیک کر دوں گی۔"

"بھابی جان! اب ذرا ہم گروپ فوٹو کی ترتیب بدل لیں تو کچھ یوں ہوگی۔ غزین اور وردہ، ارحم اور علیزہ۔ ذرا چشم تصور سے دیکھیے کتنا خوبصورت گروپ فوٹو بنتا ہے ماشاء اللہ!"

شہلا نے بڑے لاڈ سے کہا تو عفت جواب کافی ... تھی، سب سے بڑھ کر ان کے پیارے بیٹے کی چاہت تھی۔ کچھ دیر وہ مصنوعی خفگی سے شہلا کو گھورتی رہیں پھر ان کے گلے جا لگیں۔

"ماشاء اللہ...! اللہ اس گروپ کو نظر بد سے بچائے۔"

"آمین...!" شہلا کے دل پر سے منوں بوجھ اتر گیا تھا۔ وہ خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھیں۔

"ارے ارے! غالباً عید کو گزرے ایک ماہ ہونے لگا ہے، اور آپ لوگ ابھی مل رہے ہیں ...
بیٹھیے مامی! میں آپ کی پسند کی چائے اور پکوڑے بنا کر لائی ہوں۔ آئیں ناں مما! آپ بھی۔"

وردہ ٹرے سجا کر لائی تو دونوں خواتین بغل گیر ہو چکی تھیں۔ اس نے مسکرا کر دونوں کو دیکھا اور میز ...
چیزیں لگانے لگی تو عفت ناراضگی سے اسے گھورنے لگیں۔ وردہ نے پہلے تو خوفزدہ سی نظر عفت پر ڈالی، پھر سوالیہ نظروں سے شہلا کو دیکھنے لگیں جن کے ہونٹوں پر بڑی خوشگوار مگر معنی خیز مسکراہٹ تھی۔

"مامی! خیریت تو ہے ناں؟ آ... آپ اس طرح کیوں دیکھ رہی ہیں؟" تب شہلا ...
وردہ کو ساری بات بتا دی۔ وردہ کی گردن عفت کے سامنے جھک گئی۔ وہ ندامت سے ان کی گود میں سر رکھ کر ...
پڑی۔

"سوری! سوری مامی......! میں آپ کو ہرگز ہرٹ نہ کرتی، صرف اور صرف آپ کی محبت میں ...
چاہتے ہوئے ارمغان کو قبول کر لیتی مگر ارمغان کو شروع سے علیزہ پسند ہے اور مامی! علیزہ تو بہت پیاری ...

ہے، بہت اچھی ہے، مجھ سے بھی زیادہ، اور ویسے آپ بالکل ماؤں جیسی اچھی ہیں اور میں آپ کی بیٹی بن کر رہنا چاہتی ہوں۔"

بولتے بولتے وہ ایک بار پھر اس کی دل آزاری کے خیال سے رو دی تو انہوں نے اسے ساتھ لگایا اور کتنی دیر پیار کرتی رہیں۔

"یہ محبتوں کے بھی بڑے عجیب سلسلے ہوتے ہیں بیٹا! جانے کہاں سے شروع ہوتے ہیں اور جانے کہاں ختم ہوتے ہیں؟ اور پھر یہ تو زندگی کا سفر ہے جس میں لڑکے لڑکی دونوں کی رضامندی اور خوشی ہونی چاہیے، دوسرے رشتے تو ان کی خوشی دیکھ کر خوش ہو جاتے ہیں اور پھر علیزہ کون سی پرائی ہے؟ میری اپنی بیٹی ہے۔"

اور پھر عفت کتنی دیر بیٹھی باتیں کرتی رہیں۔ شہلا کا بوجھ تو پہلے ہی ختم ہو گیا تھا اب وردہ بھی خود کو بہت خوش اور مطمئن محسوس کر رہی تھی مگر وردہ کو جو بات چبھی تھی وہ اس کا نام غزین کے ساتھ لیا جانا تھا۔

"مما! آپی، یہ آپ نے کیا کہ آپ نے میرے نام کے ساتھ غزین کا نام لیا بھی کیسے؟" شدید ضبط سے اس کا چہرہ سرخ پڑ گیا اور آواز بزرگوں کے آداب کا خیال کرتے ہوئے بھی ذرا بلند ہو گئی تو شہلا نے اس کے چہرے پر آئے بالوں کو بڑے پیار سے ہٹایا اور بڑے مخصوص انداز میں بولیں۔

"میں نے بہت سوچ سمجھ کر غزین کا نام تمہارے نام کے ساتھ لیا ہے۔ اب تمہاری باری ہے، سوچ لو۔"

وہ اسے سوچ میں ڈوبے رستے پر ڈال کر عفت کے ساتھ آگے بڑھ گئیں تو وہ گھوم کر رہ گئی۔

"ڈیڈی، پاپا ... مما جو اتنی سمجھدار اور محتاط عورت ہیں، وہ بھی اس کے چکر میں آ گئی ہیں۔"

اور پھر نہ چاہتے ہوئے بھی غزین اس کی سوچ کے آسمان کا چاند بن گیا جس کی کرنیں دور اندر تک اتر گئیں۔

"ہاں! ایسا ہونا کوئی انہونی بات تو نہیں مگر... مگر میں اس بہروپیے پر کیسے اعتبار کر لوں؟ لوفر! اول درجے کا۔"

وہ بہت دیر تک اسے سوچ رہی تھی اور اسی دوران اس نے اپنی چوری بھی پکڑی تھی کہ دل کے کسی کونے میں کہیں نہ کہیں غزین کا خیال موجود ضرور ہے۔

"کیا مشکل ہے...؟ اس بدتمیز کا خیال سایہ بن کر رہ گیا ہے میری ہر سوچ کا۔ ہاں اگر ایسا ہو جائے تو ایسا کچھ برا بھی نہیں۔" اندر جانے کون سی دبی چھپی غیر مانوس سی خواہش ڈرتے ڈرتے مسکرائی تو اس نے سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

"اُف! یہ شخص؟" وہ جیسے ہارتے ہوئے دھیرے سے بولی۔ اٹھنے ہی والی تھی کہ فون کی بیل گونجی۔

"کہیں اس کا تو فون نہ ہو؟" فون تک جاتا ہاتھ اس خیال نے روکا مگر مسلسل بیل نے ریسیور ہاتھ میں تھما دیا۔

"ہیلو !"

"کیا ہو رہا تھا وردہ وجاہت......!" دوسری طرف فرزین بول رہا تھا۔ مما کی بات سن کر اس نے بتانے کا سوچا تھا کہ اب اس کی آواز سے جلترنگ سے گونج اٹھے تھے اندر کہیں۔

"ارے ڈاکٹر صاحبہ! کہاں کھو گئیں؟ خفا ہیں کہ اتنے دنوں بات کی نہ ملاقات یا شکوے بے معاملہ تلاش کیے جا رہے ہیں؟"

وہ حسب عادت شوخیاں لیے اسے چھیڑ رہا تھا۔ اس کی اسی بات سے وہ بہت دور جاتے جاتے واپس لوٹ آئی۔ چہرے پر سختی اور لہجے میں کڑک آ گئی۔

"مسٹر فرزین! آپ ڈاکٹر ہیں اور ڈاکٹرز کو اس قسم کی باتیں سوٹ نہیں کرتیں۔ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ مجھے آپ سے بات کرنا ہی گوارہ نہیں تو..."

وردہ اتنی سی دیر میں جانے خود کو کتنا لعن طعن کر گئی کہ کیوں کمزور ہو کر جھٹ فرزین کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا جبکہ وہ تو اس قابل ہی نہیں کہ ایک لمحہ بھی اس کے بارے میں سوچا جائے۔

"اُف! اتنی ناراضگی؟ لگتا ہے گھر آ کر منانا پڑے گا؟ او کے! اجسٹ ویٹ آئی ایم کمنگ!"

"آپ! آپ ہرگز نہیں آئیں گے ہمارے گھر۔" اس نے سختی سے منع کیا۔

"کیوں؟ کرفیو لگا ہوا ہے آپ کے علاقے میں؟" اس نے چڑایا۔

"جہاں آپ جیسے آئیں گے وہاں کرفیو بھی لگ سکتا ہے۔"

"اچھی کہاں کہاں کرفیو لگا دیجیے گا؟ اپنی آنکھوں پر؟ اپنے دل پر؟ اپنے گھر پر؟" وہ مستقل چڑانے کے موڈ میں تھا۔ وہ سنگ ہی تو آ گئی اور مزید کچھ کہے بغیر اس نے کھرا جواب بھی سوچ لیا۔

وردہ، ناجیہ کے گھر جانے کو تیار ہو گئی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ ابھی پہنچ جائے گا وردہ اتنی دیر میں غائب ہونا چاہتی تھی۔ اسے اہمیت دینا ہی نہیں چاہتی تھی۔ اسے تیار ہوتا دیکھ کر شہلا نے حیرت سے پوچھا۔

"وردہ! یہ...... یہ تمہیں اچانک کیا ہو گیا ہے......؟ کہیں جا رہی ہو؟"

"جی مما! ناجیہ کے گھر جا رہی ہوں، کئی دنوں سے اس نے بات بھی نہیں کی۔ سوچا خود ہی ہو آؤں ورنہ وہ تو ناراض ہو جائیں گے اور پھر کمیونیکیشن ہونے دو، ہے ذرا ڈسکشن ہو جائے گی۔ مما! میں گاڑی لے جاؤں؟"

"آپی! میں بھی چلوں؟" وہ جلدی سے گاڑی کی چابی لے کر نکلی تو سامنے سے ہنی آ گئی۔ اسے جتنی جلدی تھی ہنی نے اتنا ہی کام لٹکا دیا۔

"ہاں! اچھا آؤ۔" اس نے فرنٹ ڈور کھولا۔

"جسٹ اے منٹ آپی! میں ابھی آئی ذرا اس کے ساتھ کا دوپٹہ لے آؤں۔" ہنی جو ٹراؤزر، ٹی شرٹ پہنے ایگر حروے کر بیٹھی تھی، بھاگتی ہوئی اندر گئی تو وردہ جھنجلا کر رہ گئی۔

اس نے فل پاور سے ہارن دیا اور گاڑی ریورس کرنے لگی۔ باہر سے آتی فرزین نے کمال ہوشیاری سے گاڑی اس کی گاڑی کے بالکل سامنے روک دی۔

"اوہ نو! ایک ہی بڑا منحوس آدمی! ہنی! تمہیں نہیں بخشوں گی۔"

اس نے غصے سے اسٹیرنگ پر مکا مارا۔ فرزین نے گاڑی میں دیکھ کر ہی سمجھ لیا تھا کہ وہ اس سے فرار ہو کر جا رہی تھی۔ اس کی یہ ادا اس کے ہونٹوں پر شوخ مسکراہٹ بکھیر گئی۔ وہ گاڑی کو ایک سائیڈ پر لگا کر باہر آ گیا۔ وردہ نے سائیڈ مرر سے ہونٹوں پر شوخ مسکراہٹ لیے آتے ہوئے فرزین کو دیکھا تو دل جل کر راکھ ہو گیا۔ اس کو اس کی اسی جلانے والی مسکراہٹ ہی سے تو نفرت تھی۔ قریب تھا کہ وہ اُتر کر عند جاتی، وہ کھڑکی میں جھکا اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔

"سنا تھا عورت اچھی ڈرائیور نہیں ہوتی مگر آج دیکھ بھی لیا۔"

وہی دل جلانے والا انداز، لہجہ اور مسکراہٹ۔ وردہ نے متاثر ہوئے بغیر جھٹکے سے دروازہ اس طرح کھولا کہ اس کا ہینڈل فرزین کے سینے پر جا کر لگا۔ اس نے سینے پر ہاتھ رکھ لیا۔ اسے چوٹ لگی ہے اتنا احساس وردہ کو بھی ہو گیا تھا مگر وہ لاپروائی کا مظاہرہ کرتی ہوئی باہر نکل کر اندر کی طرف بڑھنے لگی تو وہ پھرتی سے چلتے چلتے اس کے سامنے آ گیا اور کچھ دیر اس کے خوبصورت چہرے کو دیکھتا رہا۔

"میدان چھوڑ کر فرار ہونے والے لوگوں کو دنیا بزدل کہتی ہے۔"

فرزین نے براہ راست اس کے فرار ہونے پر چوٹ کی تو وہ جھوٹی ہو کر بھی بل کھا کر پلٹی۔

"ہونہہ! میں اور آپ سے فرار ہوں گی......؟ بلکہ یوں کہیے! مردوں کو خوش فہمی سوٹ نہیں کرتی، آپ خود کو سمجھتے کیا ہیں کہ میں وردہ وجاہت آپ سے فرار ہونے لگوں گی......؟ میں تو ناجیہ کے پاس ضروری کام سے جا رہی تھی۔"

وہ بتانا تو نہیں چاہتی تھی مگر اس کی اہمیت کو ختم کرنے کے لیے اس نے جھوٹ بول دیا تو ایک شوخ جاندار قہقہہ آزاد فضا میں بکھر گیا۔ وہ راکھ ہو گئی۔

"ناجیہ! وہ ناجیہ جو آپ کی بیسٹ فرینڈ ہے؟"

وہ خاصے تمسخرانہ انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"جی...!" وردہ نے خونخوار نظروں سے اس وجیہہ شخص کو گھورا اور پاؤں پٹخ کر آگے بڑھنے لگی تو فرزین کے ایک جملے نے اس کے قدموں میں زنجیر ڈال دی۔

"اچھا...! ویسے سنا ہے بیسٹ فرینڈ کی ہر بات دوسرے دوست کو پتہ ہوتی ہے پھر نجانے آپ دونوں میں کیسی دوستی ہے کہ آپ کو یہ خبر نہیں کہ آپ کی عزیز از جان دوست ناجیہ اپنی فیملی کے ساتھ عمرہ کی سعادت حاصل کرنے گئی ہوئی ہے؟"

"اوہ! ناجیہ کا نام لیتے ہوئے میں یہ بات کیوں بھول گئی...؟"

مارے ندامت کے اس کی ہتھیلی پر نمی اتر آئی مگر چہرے پر ڈھٹائی کی نقاب چھائی رہی۔

"معلوم ہے مجھے کہ وہ پاکستان میں نہیں ہے۔" وہ آگے بڑھی تو وہ پھر اس کے سامنے آ گیا۔

"اچھا! تو آپ کو یہ معلوم ہے؟ تو کیا آپ کو ناجیہ سے اتنا ضروری کام تھا کہ اس کے پیچھے سعودیہ جانے لگی تھیں...؟"

اس کا لہجہ، اس کے الفاظ جان جلا رہے تھے اس کی۔ ایک تو اس کا سامنا اوپر سے جھوٹ...
عجیب اُلجھن اور کھسیاہٹ کا شکار تھی مگر وہ اس سب کا اظہار اس کے سامنے نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"میں کچھ بھی کروں، کہیں جاؤں، آپ سے مطلب؟" وہی کھوکھلی سی ڈھٹائی... چھیڑنے کا موقع فراہم کر گئی۔

"ویسے حقائق تسلیم کریں، ہار مان لینا بھی بہادری ہوتی ہے۔"

"تو میں کیا کروں؟" وہ کترا کر گزرنے لگی تو غزین نے بازو سامنے کر دیا۔

"تو یہ کیجئے کہ آپ بھی مان لیجئے کہ آپ شروع ہی سے مجھ سے متاثر تھیں، متاثر ہیں۔" وردہ ہیں کی بات کو کہ دل پر جا کر لگی تھی۔ یہ بات تو اس نے چپکے سے مان بھی لی تھی کہ ایسا ہی کچھ ہے مگر یہ ڈھٹائی بھی جو اب بھی اڑا رہی تھی۔

"اُف توبہ! اتنی خوش فہمی؟ آپ کو کون ڈاکٹر کہہ سکتا ہے؟"

"جی ہم ڈاکٹر ہیں یا نہیں، اسی ثبوت کے لیے تو کالج والے دو روز بعد کانووکیشن کر رہے ہیں تب کیا، ساری دنیا ہمیں ڈاکٹر مان لے گی۔"

وہ اس کے قریب جھکا کہہ رہا تھا، وہ پھنکار کر آگے بڑھی تو سامنے سے ہنی آ گئی۔ ہوا میں دوپٹہ لہراتی وردہ اسے دیکھ کر کھول اٹھی۔ اسی کی وجہ سے وہ وقت پر نکل نہیں سکی تھی اور اس بدتمیز آدمی کے ساتھ بحث کرنا پڑی۔

"ارے... غزین بھیا! آپ؟ السلام علیکم!"

"یہ جادوگر تو چھا گیا ہے میرے گھر والوں پر۔" ہنی کا والہانہ پن دیکھ کر وہ جل گئی جو بڑی گرم جوشی سے غزین کو سلام کر رہی تھی۔ وہ بزرگانہ انداز میں اس کے سر پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔

"وعلیکم سلام! جیتی رہو گڑیا! کہیں جانے کی تیاری لگ رہی ہے؟"

غزین نے کن انکھیوں سے وردہ کو دیکھا جس کی شفاف پیشانی پر بل ابھر آئے تھے۔ وہ محظوظ ہوا۔

"جی! ذرا آپی کے ساتھ جا رہی تھی۔" ہنی نے دوپٹہ شانوں پر پھیلایا۔

"ہوں! اچھا! ویسے تمہاری آپی تو ایسے کسی موڈ میں نظر نہیں آ رہیں۔ ہو سکتا ہے ہمیں دیکھ کر جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا ہو؟"

وہ براہ راست اس کو دیکھتا چوٹ کر گیا۔ قریب تھا کہ وہ پھٹ پڑتی۔

"السلام علیکم آنٹی!" وردہ جو شدید غصے سے بات کہہ نہیں پائی تھی کہ سامنے سے شہلا بیگم آ گئیں۔ غزین نے ہاتھ اٹھا کر وردہ کو روکا تو بے ساختہ وردہ کی آنکھوں کے کنارے بھیگ گئے۔

"وعلیکم السلام بیٹا! جیتے رہو! کہاں رہے اتنے دن؟ کوئی خیر خبر نہیں۔ چلو اندر آؤ، ڈرائنگ روم میں بیٹھتے ہیں۔"

شہلا جس محبت، جس گرم جوشی سے غزین سے ملی تھیں اور جس سعادت مندی کا وہ مظاہرہ کر رہا تھا وہ وردہ کا جان جلانے کے لیے کافی تھا۔

"بدتمیز! بہروپیا! اچھا تو یہی چلا جا رہا ہے۔" شہلا نے اسے اچھی چائے بنانے کا آرڈر دے دیا۔
غزین اس کی حالت سے محظوظ ہوتا اندر جا بیٹھا تھا اور وردہ سارے ملازموں کو کوستی چائے بنانے لگی جو یک دم غائب ہو گئے تھے۔

اندر کیا کھچڑی پک رہی ہے وردہ نہیں جانتی تھی۔ اسے تو یہ فکر تھی کہ وہ اس کی سیدھی سادی ماں کو اپنی باتوں میں اُلجھا رہا ہے اور اسی سلگتے خیال کے ساتھ اس نے چائے اس کے سامنے رکھ دی۔ غزین اس کی اس بچگانہ سی حرکت پر زیر لب مسکرا کر اسے دیکھنے لگا۔

"بیٹا یہ کباب لو نان بیٹا!"

"شکریہ آنٹی! بس چائے ہی لوں گا۔ آج دوستوں نے ڈنر دیا ہے تو وہاں جانا ہے، چائے لے لیتا ہوں۔" غزین نے احسان والے انداز میں کہا۔

"ہاں بھئی! چائے ضرور لو، میری وردہ جیسی لذیذ چائے کوئی نہیں بنا سکتا۔"

شہلا نے ممتا بھری نظر وردہ پر ڈالی جو زہریلی نظروں سے غزین کو دیکھ رہی تھی جس نے بڑا سا گھونٹ لیا تو جیسے جلن زبان سے حلق ہوتی دل و جگر جلا گئی۔ وردہ نے مارے نفرت کے اس کی چائے میں گرم مسالہ ڈال دیا تھا۔ غزین کے کانوں سے دھواں نکلنے لگا تھا۔ غزین پر کڑی آزمائش کا وقت تھا۔ وردہ اس پر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔ وہ چاہتا تو شہلا پر اس کا راز فاش کر کے اسے شہلا سے ڈانٹ پڑوا سکتا تھا مگر اسے یہ چھوٹا پن لگا۔ اس کی بہادری، مردانگی کا جو تقاضا تھا وہ اس نے پورا کیا اور گھونٹ حلق میں اتار لیا۔ اسی وقت شہلا فون سننے اٹھ گئیں تو وہ اوسان بحال کرتا اس کی طرف مڑا۔

"جانتا ہوں... بہت ہی گھٹیا... چاہتا تو آپ کو آنٹی سے ڈانٹ پڑوا سکتا تھا مگر یہ بہت چھوٹا پن ہوتا جو کہ مجھ جیسے وضع دار اور شہزادوں کی سی آن بان رکھنے والے مرد کو زیب نہیں دیتا۔"

وہ جلتی زبان کے ساتھ بمشکل بول رہا تھا۔ وہ پھنکار کر جواب دیے بغیر آگے بڑھنے لگی تو غزین کی بوجھل آواز نے قدم روک دیے۔

"کر ستم پر ستم... تجھ کو نہ چھوڑیں گے ہم......!" کیا بات تھی، کتنا تضاد تھا اس شخص کے قول و فعل میں، کہیں کچھ نظر آتا بھی کچھ، وہ مڑے بغیر اس کی آواز کے بوجھل پن کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔

"او کے آنٹی! میں چلتا ہوں۔ آئی ہوپ کہ آپ میری درخواست پر غور ضرور کریں گی۔"

"ہاں بیٹا! غور تو ضرور کروں گی بلکہ مجھے اور کیا چاہیے مگر جب تک ان کے والد آ نہیں جاتے میں اکیلے کوئی فیصلہ کرنے کی مجاز نہیں۔ اب تو ہر وقت خدا سے دعا کرتی ہوں کہ وجاہت جلدی سے آ جائیں تو میں اپنے فرائض سے فارغ ہوں۔ اکیلے زندگی کی گاڑی چلاتے چلاتے، تنہا فیصلوں کی آگ میں جلتے جلتے میں بھی ہلکان ہو گئی ہوں، اب تو بہت تھک گئی ہوں۔" اور واقعی صدیوں کی تھکن شہلا کے لہجے میں اتر آئی تو غزین نے محبت سے ان کا ہاتھ تھام لیا۔

"آ جائیں گے انکل بھی واپس آ جائیں گے۔ ان کو آنا ہی ہوگا۔ میرا مطلب ہے آخر کب تک وہ

آپ لوگوں سے دُور رہیں گے؟ چلتا ہوں آنٹی! کانووکیشن پر آیئے گا ضرور، میری رشتے [illegible]
ہیں، پاپا بیماری کی وجہ سے نہیں آسکتے مگر آپ تو آیئے گا ناں...؟"

عزین کے چہرے پر رشتوں کی محرومی سایہ بن کر اُتری اور غائب ہو گئی۔

"ہاں بیٹا! آؤں گی کیوں نہیں...؟ میرے بچوں کو کامیابی کی روشن مستقبل کی سند ملتے [illegible]
حیات بخش منظر میں دیکھنے کیوں نہیں آؤں گی؟"

"تھینک یو آنٹی! تھینک یو سو مچ!" عزین نے عقیدت سے ان کے ہاتھ آنکھوں سے لگا [illegible]
تیزی سے باہر نکل گیا۔ وہ تو چلا گیا تھا مگر شہلا کے لیے سوچ کے دروازے کھول گیا تھا۔ ان کی سمجھ میں نہ [illegible]
تھا وہ کیا کریں۔ آج وجاہت کی یاد، ان کی ضرورت، اتنی شدت سے محسوس ہوئی کہ ان کا تکیہ بھیگ گیا تھا [illegible]
کا کوئی پل ایسا نہیں گزرا تھا جب انہوں نے وجاہت کی کمی اور ضرورت نہ محسوس کی ہو، کوئی ایسا لمحہ نہیں گزرا
کہ جب انہوں نے وجاہت کے لوٹ آنے کی دُعا نہ کی ہو۔

"کوئی یوں بھی روٹھتا ہے وجاہت! کوئی یوں بھی کسی کی کمزوری کو آزماتا ہے؟ آ جا [illegible]
پلیز! میں اب بہت اکیلا پن محسوس کرتی ہوں۔ آج اتنی عمر آپ کے بغیر گزار کر میں مانتی ہوں کہ زندگی [illegible]
گاڑی صرف اسی صورت متوازن چل کر منزل پر پہنچ سکتی ہے کہ جب میاں بیوی مل کر اسے چلائیں، کوئی [illegible]
ایک پہیے سے نہیں چل سکتی۔ وجاہت! میں کہیں درست اور کہیں بہت غلط تھی، خود اعتمادی کا میرا زعم غلط [illegible]
اکیلے رہ کر زندگی کو اس کے سارے رنگوں کے ساتھ سنوارنے کا میرا دعویٰ غلط تھا، میں نے آپ کے بغیر [illegible]
ایمانداری سے ایک ایک لمحہ آپ کی اولاد کے نام کر دیا مگر [illegible]
وجہ سے گھر چھوڑ کر گئے۔ عنیزہ تو محض آپ کی وجہ سے مجھ سے نفرت کرتی ہے، ہاں بچے بہت [illegible]
کر سکتی ہوں ناں، وہ بھی اس معاملے میں مجھ سے خفا ہیں۔ آپ آجایئے وجاہت! میں ہار مان لینے کو تیار
ہوں کہ کوئی بھی عورت شوہر کے بغیر بھرپور زندگی نہ گزار سکتی ہے نہ جی سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام رشتوں،
ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم بنایا ہے، زندگی توازن کا نام ہے، عدم توازن سے گاڑی اُلٹ جایا کرتی ہے۔
وجاہت! آجایئے کہ شام ڈھلنے لگی ہے، آجایئے کہ اب بہت مشکل گھڑی ہے میری، بچوں کی زندگی کے [illegible]
تنہا نہیں کر سکتی، ماں اور باپ دونوں ہی اولاد کے لیے ضروری ہیں۔ میرا یہ دعویٰ کہ میں [illegible]
کی ہر محرومی دور کر دوں گی، غلط ثابت ہو گیا۔ میاں بیوی مل کر ہی زندگی کے گلشن کو سجا سنوار سکتے ہیں کوئی اکیلا
نہیں، بچوں کو ماں بھی چاہیے اور باپ بھی، آجایئے پلیز! آجایئے!"

شہلا کتنی دیر سے وجاہت کی تصویر تھامے روئے جا رہی تھیں۔ برسوں پہلے اپنی ذات اور خوبیوں کا [illegible]
آج پچھتاوے اور کمزوری کا اعتراف بنا آنسوؤں میں ڈھلا ہوا تھا۔ گزرتے وقت کے ہر پل نے ان کو [illegible]
کی اہمیت کا احساس دلایا تھا اور ان کے دعوے کو پورا قرار دیا تھا۔

عزین کے شدید اصرار پر وہ کانووکیشن پر جانے کے لیے تیار تھیں۔ تقریب بڑی خوبصورت اور [illegible]
تھی۔ ڈگریاں حاصل کر کے سب نے خوب کیپ اُچھال اُچھال کر اپنی خوشی کا اظہار کیا۔ ڈگریاں حاصل کر [illegible]
والے لوگوں کی آنکھوں میں خوش آئند خوابوں کی قندیلیں روشن تھیں، ہونٹوں پر شوخ مسکراہٹیں بکھری ہوئی تھیں۔

ان میں سے سب کے عزیز رشتے دار والدین اپنے پیاروں کو خوش دیکھ کر اس خوشی کی ابدیت کی دُعا دے رہے
تھے۔ خوشی اور رنگ کے ان لمحوں میں عزین اور وردہ اپنی اپنی جگہ اُداس تھے۔ ایک عجیب بے نام سی اُداسی نے
دونوں کو اپنے حصار میں لے رکھا تھا۔ آج نہ تو عزین نے اسے کچھ کہا، نہ کوئی چوٹ کی، نہ ہی وردہ کو وہ برا لگا بلکہ
ایک دوسرے کے لیے گرم گوشہ سا ضرور محسوس کیا۔ شہلا خود بہت اُداس تھیں، بچوں کو کوئی کمزور تسلی دینے کی
بجائے وہ بھیگی آنکھوں کا نظارہ رکھنے کے لیے بے وجہ ہی مسکرائے جا رہی تھیں۔ پھر ان کے دور کے کچھ ساتھی
آ ملے تو وہ ان کے ساتھ ماضی کی باتوں کی رنگینیوں کی طرف نکل گئیں۔ اب اس گوشے میں عزین اور وردہ اکیلے رہ
گئے۔ عزین آج چھیڑ چھاڑ کرنے کے موڈ میں بھی نہیں تھا۔ وردہ نے ایک نظر اس پر ڈالی، سفید شرٹ اور گرے
پینٹ میں وہ بہت ہینڈسم لگ رہا تھا، اور خود وہ خوبصورت لباس میں سب کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ کچھ دیر تو
دونوں نے خاموشی کو بولتے سنا پھر وردہ اُٹھ کھڑی ہوئی تھی کہ ماما کے پاس چلی جائے۔ وہ مڑی ہی تھی کہ عزین کی
آواز کی بازگشت پر ٹھہر ہی گئی۔

"ول یو میری می؟" اس اچانک حملے پر اس نے چونک کر عزین کو دیکھا۔ وہ سراپا طلبگار بنا کھڑا تھا
ہاتھ بڑھائے اور وہ بری طرح بوکھلا گئی۔

"آ... آپ کا دماغ تو ٹھیک ہے...؟"

"مجھ سے شادی کرو گی؟" اب سوال اُردو میں کیا گیا۔

• • •

"[illegible] آپ کو کوئی اعتراض نہیں...؟ اب تو اس سے بات کروا
دیجیے۔" شرجیل کا لہجہ [illegible] وہ بات کرنے کے لیے اتنا بیقرار ہو رہا تھا کہ ایک پل بھی اب
برداشت نہیں ہو سکتا تھا۔

"او کے بھائی صاحب! بلا دیتی ہوں، گھبرایئے تو مت، ویسے آپ کو کہنا کیا ہے؟ ذرا سنبھل کر بات
کرنا، بڑی ہی توپ چیز ہے یہ لڑکی جس کو آپ بہن بنا رہے ہو۔"

"آپ اس کو بلا [illegible]" شرجیل کا لہجہ کرخت ہو گیا۔ موبی کے فرشتے بھی اس کی آواز اور انداز
پہچان نہیں پائے تھے۔

"بلا رہا ہوں بابا! اکڑ کیوں رہے ہو؟" موبی بدتمیزی سے باز نہ آیا۔ اتفاق سے اسی وقت ماہم کو
ریڈور سے گزری تو نا چاہتے ہوئے بھی موبی کو اسے بلانا پڑا، کیونکہ اگر نہ بلاتا اور اس صاحب کی بات اس سے ہو
جاتی تو ماہم یہ گستاخی اسے معاف نہ کرتی۔

"ماہم... یہاں آؤ بھئی! تمہارے بھائی صاحب کا فون ہے۔"

موبی کا لہجہ کتنا چڑانے والا تھا شرجیل سمجھ سکتا تھا۔ دوسری طرف، ماہم نے جھپٹ کر ریسیور اُٹھایا اور موبی
سے لڑ پڑی۔ بھائی کا سن کر اُڑتی ہوئی اندر آئی۔

"کیا کہا؟ بھائی کا فون ہے؟ اور تم نے مجھے اب بتایا ہے؟"

اس کی آواز کی بیقراری شرجیل کو تڑپا گئی۔ بے ساختہ آنکھوں کے کنارے بھیگنے لگے۔

"بھائی! یہ کیا بات ہوئی؟ آپ مما کو ایک نظر دیکھ تو لیں۔ بس کچھ بھی ہو میں مما کو ضرور بتاؤں گی آپ کے بارے میں، اتنا تڑپ رہی ہیں وہ اور آپ..."

"ماہم بیٹا! تم ٹھیک کہہ رہی ہو مگر بیٹا! شرجیل جن حالات میں گھر سے نکلا اور باہر نکل کر اس نے جو حالات فیس کیے ہیں اگر پھر اب موجودہ حالات کو پہنچا تو ان سب باتوں کو تم پھر بھی نہیں سمجھو گی۔ دیکھو تبدیلی بہت بڑی ہے اور وامق صاحب دل کے مریض ہیں، اتنی بڑی خوشی سے ان کی جان پر بن بھی سکتی ہے اس لیے آہستہ آہستہ سب کرنا ہوگا۔" عرفان نے ایسی دلیل دی کہ ماہم کی سمجھ میں آ گئی۔

"لیکن عرفان بھائی......! جلدی......!" تیمور نے کہا۔

"ہاں ہاں......! بہت جلدی کوشش کریں گے اور میں خود شرجیل کو لے کر آؤں گا۔"

ماہم کا بالکل بھی دل نہیں چاہ رہا تھا شرجیل کو یہاں چھوڑ کر جانے کو مگر شرجیل اور عرفان کا کہنا بھی ٹال نہیں سکتی تھی اس لیے آنکھوں میں جھڑی لیے چلی گئی۔

"تیمور! دیکھا تم نے بھائی کتنا بدل گئے ہیں؟ اب اس غیب کے بچے کو پتہ چلے گا کہ کس طرح وہ ان کا مذاق اڑایا کرتا تھا۔ اف خدایا! میں کس طرح تیرا شکر ادا کروں؟" گاڑی میں بیٹھی ماہم بے حد خوش تھی، اسے لگ رہا تھا کہ جیسے وہ خوشیوں کے اُڑن کھٹولے پہ اُڑی جا رہی تھی۔ اسے شرجیل کا بہت دکھ تھا، وہ چاہتی تھی باقی سب لڑکوں کی طرح شرجیل بھی نارمل ہو، ہنسے کھیلے، شوخ حرکتیں کرے مگر وقت حالات نے تو اسے عجیب کر دیا تھا۔

"ویسے واقعی، ماہم! یہ تو اللہ کا معجزہ ہو گیا ہے۔ ہم اللہ کا جتنا شکر ادا کریں کم ہے۔ ماشاء اللہ شرجیل خاندان کے سب لڑکوں سے زیادہ خوبرو اور اسمارٹ [illegible] شکرانے کا وقت ہے۔" تیمور ڈرائیونگ کرتے ہوئے بول رہا تھا۔ یہ انسان بھی عجیب چیز ہے، خوشی ملنے پر بھی روتا ہے، اور غم ملنے پر بھی۔

"ماہم!" تیمور نے اس کے آنسو صاف کیے تو وہ بارش میں دھوپ کی طرح کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"تیمور! تمہارا کیا خیال ہے اللہ تعالیٰ نے ہم پر جو اتنا عظیم احسان کیا ہے، کرم کیا ہے، ہم اس کا شکر ادا کر سکتے ہیں؟ نہیں، ہرگز نہیں، کبھی ہم اللہ کی کرم نوازیوں کا شکر ادا نہیں کر سکتے۔ پتہ ہے تیمور! میں سوچ رہی ہوں کہ میں پاپا سے تو یہ خوشی چھپا سکتی ہوں مگر مما سے نہیں۔ بتاؤ! مشورہ دو کیا کروں؟"

ماہم بہت بے چین ہو رہی تھی کہ کسی طرح مما کو یہ خوشخبری سنا دے۔

"ماہم! دیکھو میں مانتا ہوں چچی جان اس بات کی حقدار ہیں کہ ان کو یہ خوشخبری جلدی سے سنا دی جائے لیکن اگر شرجیل اور عرفان بھائی کہہ رہے ہیں تو صبر کر لیتے ہیں۔"

"ہائے تیمور! اللہ! میں کیسے چپ رہ پاؤں گی؟" تیمور نے تنبیہی نظر ڈالی تو وہ چپ ہو گئی۔

"لگتا ہے ماہم! اب ہر وقت تمہاری نگرانی کرنی پڑے گی۔ ارے! تم تو خطرناک لڑکی ہو، بھانڈا پھوڑ دو گی۔"

دونوں ہنستے ہوئے گیٹ سے اندر آ رہے تھے تو سب سے پہلی نظر ان پر موبی ہی کی پڑی۔ وہ جل کر راکھ

ہو گیا۔ ریکٹ پھینک کر ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ لیے طنزیہ شکل بنائے ان کی طرف آ گیا۔

"تو ہو گیا ضروری کام؟" دونوں نے پہلے اسے دیکھا پھر ایک دوسرے کو دیکھا اور جواب دیے بغیر آگے بڑھ گئے۔ جلتی پر تیل پڑا وہ شعلے بھڑک اٹھے۔

"ماہم صاحبہ! آپ کی دوست اسماء کا فون آیا تھا، وہ پوچھ رہی تھی تمہارا۔ پھر تم کس اسماء کے پاس گئی تھیں......؟"

ماہم نے پھر تیمور کو دیکھا، معنی خیز مسکراہٹ دونوں کے ہونٹوں پر پھیل گئی کیونکہ اسماء اپنے بھائی کے ساتھ انگلینڈ گئی ہوئی تھی، اس نے محض ان لوگوں کے سامنے بہانہ بنایا تھا شرجیل کے پاس جانے کے لیے۔

"اچھا! کیا کہہ رہی تھی کہ میں وہاں نہیں گئی......؟ اس نے میری کتاب دینی تھی کہیں اس کے بارے میں تو کچھ نہیں کہہ رہی تھی......؟"

"ہوں، ہاں! کچھ خاص نہیں کہہ رہی تھی وہ۔" وہ دونوں اس کو نظر انداز کر کے اندر چلے گئے۔ جھوٹ کھل جانے کے خوف سے موبی بوکھلا گیا تھا۔

شرجیل کے منع کرنے کے باوجود ماہم اس سے ملنے گئی تھی۔ اسی دوران ہادیہ سے اچھی خاصی دوستی ہو گئی تھی۔

"بھائی! بس کریں ناں یہ سسپنس۔ مما مجھے یوں خوشی سے جھومتے دیکھتی ہیں تو ایسے دیکھتی ہیں مجھے جیسے میں پاگل ہو گئی ہوں۔ بھائی......! پلیز مما کو بتانے کی اجازت دے دیں۔" وہ منت بھرے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

"تمہارا کیا خیال ہے میں کم تڑپ رہا ہوں......؟ بس ذرا عرفان بھائی کے ابو جو کہ باہر ہوتے ہیں وہ آ جائیں تو ہم ایک ساتھ آئیں گے۔ بس کچھ دن کی بات ہے جس کو ناراض ہونا ہے جی بھر کر ہو لے، ہم تو مہمان ہیں آج نہیں تو کل چلے ہی جائیں گے۔" شرجیل نے جیسے ہی بات کرتے کرتے ہادیہ کو آتے دیکھا تو اسے ستانے کو کہا۔

"کیا واقعی شرجیل بھائی گھر سے چلا جائے گا۔" ہادیہ کو جھٹکا سا لگا۔

• • •

"کیا کہا؟ تم موبی کو جانتے ہو؟" افتخار نے بے ساختہ حیرت سے خرم کو دیکھا جن کے زخم ایک ایک کر کے اُدھڑ گئے تھے۔ ماضی کا ایک ایک پل آئینہ بن گیا، ایک ایک کسک جاگ اٹھی، وہی بے قراریاں، موبی کی مجبوریاں اور مما کی نگرانی ڈھیر سارا درد اس اُداس ویران شام کو مزید ویران اور سوگوار بنا گیا۔

"جان پہچان کے ان سلسلوں کو میں تو نہیں جانتا افتخار! ہاں اتنا جانتا ہوں کہ کچھ لوگ جو ہماری پہچان ہوتے ہیں، ہماری دھڑکنوں کا عنوان اور جذبوں کی جان ہوتے ہیں، ہم جان بوجھ کر ان کی حیثیت، اہمیت کو اگنور کر کے صفحہ پلٹ کر، کہانی ادھوری چھوڑ کر دوسری کہانی لکھنے یا پڑھنے بیٹھ جاتے ہیں۔ موبی سے بھی میری کچھ ایسی ہی جان پہچان ہے۔"

برف ہوتے لہجے میں بولتے خرم آہستہ آہستہ ٹھنڈی پڑی راکھ میں انگلیاں پھیرنے لگے تو افتخار کے

سامنے موحد اور خرم کی محبت کی تصویر بن گئی۔ خرم کی بیقراریاں اور موحد کی مجبوریاں فاطمہ کی وجہ سے تھیں۔ ممی کو وہ بہت ہی صاف گو، حلیم اور خدا ترس قسم کی خاتون سمجھ رہے تھے۔ وہ کبھی ایسی بھی رہی ہیں کہ وہ معصوم محبت والوں پر قہر بن کر ٹوٹی ہیں، انہیں یقین نہیں آ رہا تھا۔

"حیرت ہے یار...! آنٹی ایسی لگتی تو نہیں...؟"

"انسان پیاز کی طرح ہوتا ہے افتخار! اس پر تہہ در تہہ چھلکے چڑھے ہوتے ہیں، ہر پرت کی الگ بو، الگ موڈ، الگ سوچ اور الگ عمل ہے... کہنے کو مما سوشل ورکر تھیں اور غریب بے سہارا لڑکیوں کی فلاح و بہبود کے لیے کام کر کے خوش ہوتیں، مساوات اور امیری غریبی کے فرق کو ہوا قرار دینے والی فاطمہ زبیر صرف کہنے کی حد تک سوشل ورک کرتی تھیں اور جب خود خدا نے ان کو نیکی کرنے کا موقع دیا تو وہی محدود سوچ اور عمل سامنے آ گیا۔ موحد پر کڑی نظر اور مجھے موحد جیسی خوبصورت اور ملازمہ قسم کی لڑکیوں سے بچنے کی نصیحت کرتی رہتیں۔ بس یار...! انسان کا دشمن کوئی اور نہیں اپنا آپ ہی اس کا دشمن ہے۔" ایک شدید قسم کی کسک خرم کو اداس کر گئی۔

"تم چاہتے تو ایسا ہو تو ہو سکتا تھا...؟"

"ہاں...! ہو تو سکتا تھا مگر چاہت کی لگام ہمارے ہاتھ میں کب تھی۔ میں اگر بغاوت کرتا بھی تو اعتماد پر موحد اتنی اچھی اور معصوم لڑکی تھی کہ اس نے بھی قسم کھائی تھی کہ اس گھر میں ایسے رہے گی کہ کوئی انسان بیچ میں نہ آئے کیونکہ وہ اپنے آپ کو ایسی بے شمار مجبور و بے سہارا لڑکیوں کی نمائندہ سمجھتی تھی جو اس کی طرح خوبصورت بھی تھیں اور تعلیم یافتہ بھی اور ملازمت کر کے اپنی مجبوری... دوسری لڑکیوں کے لیے مدد کے دروازے بند نہیں کرنا چاہتی تھی۔ بس یار... محبت نے مارا، کچھ محبوب کی چاہت نے مارا۔"

گزشتہ یادوں کی چبھن نے خرم کو سسکنے پر مجبور کر دیا۔ افتخار سمجھ رہے تھے کہ انسان کے قول و فعل کا فرق بالکل الگ ہوتا ہے۔ خرم ایک بار پھر عہد گزشتہ کی واردات سے گزر رہے تھے، وہی کرب ناک، اذیت ناک احساس کاٹ رہا تھا۔

"یہ تو بہت گڑبڑ ہو گئی۔ جب تک آنٹی پر یہ راز نہیں کھلتا کہ ردا میری بیٹی نہیں، تب تک رشتہ باقی ہے ورنہ......"

افتخار جو یہ رشتہ کر کے طرح طرح کے وہموں اور وسوسوں کا شکار ہو گئے تھے، اب تو ان کو یہ رشتہ ختم ہو جانے کا یقین ہو چلا تھا۔

"ہاں...! میں اب بھی اتنی مدت گزر جانے کے بعد بھی یہ بات یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر ممی کو معلوم ہو گیا کہ ردا تمہاری نہیں موحد کی بیٹی ہے تو شاید وہ کچھ بھی کر گزریں...؟"

"پھر...؟ پھر اب کیا کیا جائے یار خرم...! ردا شہرام کو بہت چاہتی ہے۔"

"کتنی عجیب سی صورت حال ہے افتخار...! کہ ماضی میں بھی خرم نے موحد کو ٹوٹ کر چاہا مگر مما نے ملنے نہیں دیا۔ آج پیار کرنے والے مختلف ہیں مگر..." خرم چپ ہو گئے۔

"میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا خرم...! کہ اب کیا ہوگا...؟ یہ تو ہو سکتا ہے کہ آنٹی کو صرف یہ بتایا جائے کہ ردا میری لے پالک بیٹی ہے۔ اگر یہ نہ بتایا جائے کہ ردا موحد کی ہے تو تمہارے خیال میں پھر وہ مان جائیں گی؟"

"نہیں افتخار...! میں اپنی ماں کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ ان کو جس موڑ پر بھی یہ بات معلوم ہوگی وہ یہ رشتہ کیا شادی تک ختم کرا دیں گی۔ وہ موحد کو انسان نہیں صرف ملازمہ ہی سمجھتی ہیں اور کسی ملازمہ کو جب انہوں نے اپنی بہو نہیں بنایا تو اس کی بیٹی کو..." خرم نے ایک گہرا سانس لیا۔

"اب کیا ہوگا خرم...! میرے تو پسینے چھوٹ گئے ہیں۔ کاش...! میں ہی تمہیں یہ راز نہ بتاتا اور نہ تم مجھے یہ سب بتاتے۔"

افتخار واقعی بہت پریشان ہو گئے تھے۔

"مشورے کے ہر کام میں بہتری ہوتی ہے افتخار...! ڈونٹ وری...! میں لیلیٰ سے بات کرتا ہوں، مما شہرام کو مجھ سے زیادہ چاہتی ہیں، ہو سکتا ہے وہ پوتے کے معاملے میں اپنی سوچ اپنے نظریے میں تبدیلی کر لیں۔"

خرم اپنی مما کو بہت اچھی طرح سے جانتے تھے مگر جانے کس اعتماد پر آس کی ڈوری افتخار کو تھما دی۔ شاید واقعی فاطمہ شہرام کو بیٹے سے زیادہ چاہتی تھیں۔ اندر کہیں یہ اعتماد تھا کہ اپنے لیے لڑ نہ سکے مگر بیٹے کی وکالت خوب کر سکتے تھے یا یہ کہ اس بار وہ مما کو زیادتی کرنے کی اجازت نہیں دینا چاہتے تھے۔ ان باتوں میں جانے کیا بات تھی جوان کے لہجے میں اعتماد بن کر عود آئی تھی اور پھر خرم نے ساری بات لیلیٰ سے کہہ دی تو وہ کتنی دیر گم سم بیٹھی رہیں۔

"واہ...! قدرت کی شان... کیسی حیران کن بات ہے کہ ماضی میں مما نے موحد کو اس گھر کی بہو بننے نہیں دیا تو موحد کی بیٹی اس گھر کی بہو بننے کے لیے آ گئی۔ ویسے آپ نے نوٹ کیا بھائی...! کہ ردا موحد سے کتنی ملتی ہے۔ میں تو پہلی بار ردا کو دیکھ کر چونک گئی تھی۔"

"جاتے وقت موحد نے ایک ہی جملہ کہا تھا کہ میں تمہاری زندگی میں لوٹ کر ضرور آؤں گی۔ وہ اس صورت میں لوٹ کر آئے گی یہ تو میں نے نہیں سوچا تھا، تاریخ یوں بھی خود کو دہراتی ہے پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔ لیلیٰ...! میں دوسری بار موحد کو کھونے کا حوصلہ نہیں رکھتا۔ پلیز...! مما کو سمجھانا۔"

خرم کی التجا ان کے شکستہ لہجے میں ڈھل گئی تو لیلیٰ کتنی دیر ان کو سمجھاتی رہیں۔

"بتانا تو مما کو پڑے گا ہی، چھپانا خطرناک ہو سکتا ہے۔"

"نہیں لیلیٰ...! ہم کوئی کام بھی ان کو بتائے بغیر نہیں کریں گے۔ ہاں...! اس بار مما کو ماننا ہی ہوگا کیونکہ میں دوسری بار ٹوٹنے کی ہمت نہیں رکھتا۔"

"آپ فکر نہ کریں، میں مما سے بات کرتی ہوں اور اس بار میں ان کو کوئی زیادتی کرنے نہیں دوں گی۔"

لیلیٰ نے مضبوط لہجے میں کہا اور اٹھ کر چلی گئیں۔

فاطمہ کچھ دیر تو گنگ رہ گئیں پھر ان کے چہرے پر تناؤ آ گیا۔

"ہوں...! تو یہ بات ہے۔ اس طرح موحد اب مجھے مات دینا چاہتی ہے۔ خود اس گھر کی بہو نہ بن سکی

تو بیٹی کو تیار کر کے بھیج دیا۔ وہ کیا سمجھتی ہے میں اس کی بیٹی کو بحیثیت بہو قبول کروں گی؟" قاطمہ بات سن کر بولیں۔

• • •

"کیوٹ بے بی.....!" طلحہ ابراہیم مستقل خولہ اور علیزہ کے گرد گھوم رہا تھا۔ اس بار خولہ کے قریب سے گزرتے ہوئے اس نے خولہ کے چہرے پر آئی لٹ کو پیچھے کرنا چاہا تو وہ جھٹکے سے پیچھے ہٹ گئی۔

"یہ کیا ہے طلحہ ابراہیم۔" علیزہ نے اس کی حرکت دیکھ لی تھی، اس نے فوراً ٹوکا۔

"سوری ڈیر.....! مجھے اسکرپٹ بالکل پڑھنا نہیں آتا۔ اردو کمزور ہے ناں، یہ تم کسی اور سے پوچھو۔" طلحہ واقعی اس کی ٹپ کا اشارہ سمجھا نہیں تھا۔

"طلحہ.....! میں اسکرپٹ کی بات نہیں کر رہی ہوں۔ دیکھو طلحہ.....! کام تو ہمیں کرنا ہے، سیکھنا ہے، تمہیں تو اور بھی اور اگر تم چاہتے ہو کہ تم ہمارے اور ہم تمہارے ٹیلنٹ سے فائدہ اٹھائیں تو اپنی حرکت چھوڑ دو ورنہ تم اس راہ ہم اس راہ۔"

علیزہ بڑی کھری لڑکی تھی۔ درست بات وہ کہنے سے چوکتی نہیں تھی اور طلحہ جو کہ صاف ہی بہتر تھا بس، اسی ٹیلنٹ سے وہ سادہ اور معصوم لڑکیوں کو بے وقوف بنا کر استعمال کرتا تھا اور اپنے اس کام میں وہ اس حد تک ماہر ہو چکا تھا اب بڑی صفائی سے ایسی ایسی وارداتیں کر گزرتا اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی، ایک طرح سے یہ اس کا فیملی بزنس تھا۔ لڑکیاں تو اس نے بہت دیکھی بھی اور پٹائیں بھی مگر جو بات خولہ اور علیزہ میں تھی دونوں اچھے کھاتے پیتے گھروں کی انتہائی حسین اور فرینش لڑکیاں تھیں اور ان کو وہ کسی قیمت پر کھونا نہیں چاہتا تھا اسی لیے تو ان کی ہر بات مان لیتا اور ان دونوں کو بھی اپنے اپنے [illegible] غلط بات بھی مان جاتی جس پر علیزہ اسے خوب ڈانٹتی۔ دونوں اب طلحہ کے اسٹوڈیو میں زیادہ وقت گزارنے لگی تھیں اور واپسی بھی دیر سے ہونے لگی تھی۔ دونوں کو اپنے اپنے گھروں سے خوب ڈانٹ پڑتی تھی۔

"خولہ......! بس بہت ہو گیا۔ اب تم یہ فضولیات بند کرو۔ شہباز صاحب آنے والے ہیں یوں بھی ان کی مرضی کے خلاف تمہیں آزادی دے کر میں نے ان کے ساتھ ناانصافی کی، امانت میں خیانت کی ہے میں نے لیکن اب نہیں، ان اف.....!"

اس روز عطیہ خاتون نے حتمی انداز میں اپنا فیصلہ سنا دیا تو خولہ تو صدمے سے بیٹھ ہی گئی۔ طلحہ ابراہیم کے پچھلے سیریل کی وہ ہیروئن تھی، اور عطیہ خاتون اس پر پابندیاں لگا رہی تھیں۔

"عطیہ خاتون.....! پلیز آزاد کر دیں مجھے اپنی جیل سے، میں بھی کچھ سانس اپنی خوشی اور مرضی سے لینا چاہتی ہوں۔"

"خولہ.....! یہ تم اتنی دیر کہاں لگاتی ہو آخر.....؟"

عطیہ خاتون کا انداز ذرا تیکھا تھا۔ خولہ نظریں چرا گئی، اب اگر وہ بتا دیتی کہ وہ ایکٹنگ کی کلاسز لے رہی ہے تو قیامت سے پہلے قیامت برپا کر دیتیں یہ عطیہ خاتون۔ لہٰذا چاپلوسی والی پالیسی ہی بہتر تھی جو وہ استعمال کرنے لگی تھی۔

"عطیہ خاتون.....! جب آپ ایسے دیکھتی ہیں ناں بالکل بابا لگتی ہیں۔ آپ کو معلوم تو ہے کہ میں فائن آرٹ میں ہوں، وہاں تو دیر ہو ہی جاتی ہے، کھانا تو آپ نے نہیں کھایا ہوگا ناں؟ چلیں کھانا کھاتے ہیں۔"

وہ ان کے رخساروں پر پیار کر کے اپنے کمرے کی سیڑھیاں چڑھ گئی تو وہ سوچتی آنکھوں سے دور تک اسے دیکھتی رہیں اور ایسی ہی صورتحال سے علیزہ بھی دوچار تھی۔ اس کام میں اسے بہت دیر ہو جاتی تو ارمغان اور جواد گیٹ پر ہی اس کی کلاس لینے کے لیے موجود ہوتے۔ تب بھی تو وہ چپ رہتی تو کبھی ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بول بھی پڑتی۔ اس وقت بھی دونوں بہت پریشان تھے۔ علیزہ ابھی نہیں آئی تھی، جو دوبار اس کے موبائل پر ٹرائی کر رہا تھا مگر اس کا موبائل شاید چارج نہیں تھا۔

"جواد.....! یہ لڑکی ہماری ناک کٹوائے گی، طلحہ ابراہیم تو بڑا خبیث آدمی ہے، کہیں یہ دونوں بے وقوف لڑکیاں کوئی ٹی پہ گرل بن [illegible]" ارمغان مسلسل ٹہل رہا تھا۔

"خدا نہ کرے ارمغان بھائی.....! مگر اب کریں بھی کیا.....؟ آپی تو ہم سے بھی نہیں ڈرتیں کہ ان کو بتا دیا جائے۔ اگر ہم ان کو بتا دیں تو وہ یقیناً آپی کو منع کریں گی اور آپی ویسے ہی ان کی نافرمانی کرتی رہتی ہیں۔" جواد بے بسی سے بیٹھ گیا۔

"ہونے دو جو ہوتا ہے۔ ارے.....! وہ روڈ پہ پھرتی ہوئی اکیلی لڑکی نہیں، لاوارث نہیں کہ جو اس کے جی میں آئے کرتی پھرے، وہ ایک خاندان سے جڑی ہے، ہماری عزت ہے، میں خود اس سے بات کروں گا اور وہ ہوتی کون ہے [illegible]؟" ارمغان ابھی بول ہی رہا تھا کہ علیزہ کی گاڑی اندر آ گئی۔

"وقت کیا ہوا ہے محترمہ.....؟" وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا تو اتنا بیٹ آنے پر وہ دل ہی دل میں شرمندہ بھی تھی اور افسردہ بھی مگر وہ اس پر اپنی کمزوری ظاہر کر کے کمزور پڑنا نہیں چاہتی تھی لہٰذا کھٹ سے لاپرواہی کا لبادہ چہرے پر اوڑھ لیا، بیگ شانے پر ڈالا اور آگے بڑھنے ہی لگی تھی۔

"تو کیا واقعی ہمارے گھر کی ساری گھڑیاں خراب ہو گئی ہیں کہ تم وقت پوچھنے کے لیے گیٹ پر کھڑے ہو؟"

"بہت شکریہ.....! لیکن آپ کی اطلاع کے لیے بتا دوں کہ گھر کی ساری گھڑیوں پر جو وقت ہے ناں وہ بتا رہا ہے کہ یہ وقت کسی بھی شریف لڑکی کے گھر آنے کا نہیں۔" ارمغان متاثر ہوئے بغیر بولا۔

"مائی بھیا ٹھیک کہہ رہے ہیں آپی.....! یہ مناسب وقت نہیں کہ آپ....."

"اوہ.....! شٹ اپ جواد.....! تم تو ہو ہی ان کے چمچے۔"

"تمہیں معلوم ہے یہ طلحہ ابراہیم کیا چیز ہے.....؟"

"نہ مجھے کچھ معلوم ہے اور نہ معلوم کرنے کی ضرورت۔ وہ جیسا بھی ہے ہمارا اچھا دوست ہے بس۔"

جب ہٹ دھرمی اور خودسری کا نشہ چڑھا ہوتا ہے تو ہر غلط درست، اور درست غلط لگتا ہے۔

"جس راستے پر تم جا رہی ہو ناں علیزہ.....! نہ تو اس کی کوئی منزل ہے اور نہ واپسی کا راستہ۔ اگر خدانخواستہ کوئی گڑبڑ ہو گئی تو....."

اب ارمغان اسے آرام سے سمجھا رہا تھا مگر علیزہ مزید چڑ گئی۔

"ڈونٹ وری کوئی گڑبڑ ہو گئی ناں تو تمہارے پاس نہیں آؤں گی مدد کے لیے۔" وہ پاؤں پٹختی چلی گئی تو ارمغان نے ایک گہرا سانس لیا۔

"یہی تو میری کم نصیبی ہے علیزہ......!" اک کسک اندر ہی دب کر رہ گئی۔

"آپ کی نہیں، بھائی جان! آپی کی کم نصیبی ہے جو آپ کو سمجھ نہیں سکتیں۔" جواد افسردگی سے بولا۔

علیزہ اور خولہ بڑی تیزی سے ترقی کی منزلیں طے کر رہی تھیں۔ طلحہ ابراہیم نے ان دونوں کے لیے جو سوچ رکھا تھا اس کے لیے بہت قربانی دینا پڑ رہی تھی لیکن ان دونوں کو وہ کھونا نہیں چاہتا تھا۔ اس روز طلحہ کی سیریل بننے کی ساری تیاریاں مکمل ہو گئیں، خولہ ہیروئین تھی جبکہ طلحہ خود ہیرو بن رہا تھا اور اسی خوشی کو سیلبریٹ کیا جا رہا تھا۔ بہت سے شوقین لڑکیاں لڑکے جمع تھے، رنگ و بو کے ساتھ پینے پلانے کا اہتمام بھی تھا، خولہ اور علیزہ آتو گئی تھیں مگر اب ان کا اس آزاد اور بدتمیز ماحول میں دم گھٹ رہا تھا، خوف بھی آ رہا تھا، ہر کوئی ان پر مہربان ہو رہا تھا دیر ہو رہی تھی، ہشام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔

"خولہ! اب ڈانس شروع ہونے والا ہے۔ طلحہ کافی دیر سے غائب ہے اور مجھے بہت خوف آ رہا ہے ایسا نہ ہو کہ سب کی باتیں درست ہو جائیں۔ نکل چلو، عزت اسے بڑھ کر کچھ نہیں۔"

"واہ علیزہ! تم بلاوجہ وہم کر رہی ہو۔ طلحہ بھلا ایسے کیوں"

"گڈ! ویری گڈ! ارے یہ ہوئی ناں بات، کوئٹ بے بی کو مجھ پر بھروسہ ہے، کم آن بے بی......! آج یہ خوبصورت پل ہیں اور ہم ہیں۔" طلحہ [illegible] شیطانی انداز اور حلیہ تھا اس کا۔

"طلحہ! خبردار! خبردار جو تم نے خولہ یا مجھے ہاتھ بھی لگایا۔ یو چیٹر......! دھوکہ دیا ہے تم نے دوستی کے نام پر۔ خولہ! چلو!"

"اب کہاں جاؤ گی میری جان...... دروازے لاکڈ ہیں۔ ارے! میں نے تو بہت وقت دے دیا تمہیں ورنہ میں کسی لڑکی کو اتنا وقت نہیں دیتا۔ آ گئی لو یو خولہ...! آ گئی لو یو علیزہ"

اس کی بات پر اور انداز پر دونوں کو ہی حالات کی سنگینی کا اندازہ ہوا۔ دونوں کا خون رگوں میں خشک ہو رہا تھا۔

• • •

ایک شیطان خصلت شخص خونخوار انداز میں ان کی طرف بڑھ رہا تھا۔ دونوں کے حلق اور زبان خشک ہو رہے تھے، آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا رہا تھا، اپنی حماقت، خود سری اور ہٹ دھرمی پر رو رو کر غصہ آ رہا تھا۔ اب اگر خدانخواستہ کچھ ہو گیا تو خاندان کی عزت پر لگنے والا دھبہ شاید سب سے ان کی خوشیاں چھین لے۔

"آپی پلیز سب کچھ دیکھ کر، جان کر، ہر پھنسنے والوں کو لوگ کبھی معاف نہیں کرتے۔ پلیز! طلحہ ابراہیم کو سمجھیں، وہ شیطان صفت آدمی ہے، اگر کچھ ہو گیا تو ممی پاپا کو کیا منہ دکھائیں گے۔ آپ غلط راستے پر جا رہی ہیں، مکمل تباہی کی جانب، آپ اپنی زندگی کے گلشن میں کانٹے بو رہی ہیں۔ پلیز......! قدم پیچھے کی جانب موڑ لیں، پچھتاوے کا دھواں زندگی کے آسمان کو ہمیشہ کے لیے دھندلا دیتا ہے۔ عقلمندی اسی میں ہے کہ انسان ٹھوکر کھانے سے پہلے سنبھل جائے، آپ بھی سنبھل جائیں آپی......!" کل رات ہی تو جواد نے اس کے آگے ہاتھ تک جوڑ دیے تھے اور کتنی نخوت سے اس نے بری طرح جھڑک دیا تھا۔

"آخر سوتیلے پن کا ثبوت دے ہی دیا ناں......؟ اپنی ہی ماں کی حمایت کر رہے ہو ناں......؟ تم بھی ماما کی طرح چلنے لگے ہو، ہم سے پہلے مت نکلو مجھ سے۔ میں بہتر جانتی ہوں کہ کیا کرنا ہے اور کیا نہیں؟"

"لُٹ گئی میری خدا! اپنے اتنے پیارے چاہنے والے بھائی کو کس ذلت سے حقارت سے دھتکارا تھا میں نے اور ارمغان، اُف میرے پروردگار! اپنے اس بھونڈے شوق کی خاطر میں نے اس شخص کو ذلیل کر دیا جو مجھ سے کچھ نہیں چاہتا، جو میری عزت کی خاطر جان بھی دینے کو تیار ہے، اور میں نے کس طرح اسے ذلیل کر دیا...؟"

"اپنے مقام سے مت گرو علیزہ! میں جانتا ہوں تمہیں مجھ سے نفرت ہے، چڑتی ہو مجھ سے۔ چلو میں تمہاری زندگی سے ہمیشہ کے لیے نکل جانے کو تیار ہوں اور پھپھو کو بھی منع کر دوں گا کہ تمہاری کسی بات میں دخل نہ دیں مگر تم پلیز! تم طلحہ ابراہیم کو نہیں جانتیں۔ عورت ٹشو پیپر سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی اس کے نزدیک۔ پلیز علیزہ! آگ کی طرف مت بڑھو، جل کر راکھ بھی ہو جاؤ گی تب بھی تڑپتی رہو گی پچھتاوے کی آگ میں۔ کسی کے لیے نہ سہی تم اپنے بابا جان سے تو بہت محبت کرتی ہو ناں؟ ان کی خاطر، ایسا نہ ہو

کہ جب وہ آئیں اس کے بازو تمہارے لیے وا ہوں اور تمہارا وجود اتنا گرد آلود ہو کہ تم ندامت سے بڑھ بھی نہ سکو۔ پلیز علیزہ۔۔۔! پچھتاوے کے کسی لمحے کو اپنی زندگی کے دروازے پر دستک نہ دینے دینا ورنہ ہر خوشی کا لمحہ دستک دیے بغیر آگے بڑھ جائے گا۔" ایک ایک جملہ، ایک ایک لفظ دیے روشن کر رہا تھا۔ کتنی بری تھی، کتنی ناسمجھ کہ اپنی بھلائی کو اس روشنی میں دیکھنے کی بجائے ایک ایک کر کے تمام دیے اپنی ہٹ دھرمی سے بجھاتی چلی گئی اور اب ذلت کے گھپ اندھیرے میں اس کا دم گھٹ رہا تھا۔ اس قدر گھٹن کہ سانس لینا ہی نہیں جا رہا تھا۔ مارے گھٹن کے اس کی آنکھیں پھٹ رہی تھیں اسی کیفیت کے بھنور میں دھنسی جا رہی تھی۔

"عورت کی عزت نازک آبگینہ ہوتی ہے خولہ۔۔۔! ذرا سی ٹھیس سے ہر آبگینہ اپنا وجود کھو بیٹھتا ہے میری جان۔۔۔ تم شہباز صاحب کی امانت ہو میرے پاس اور میری عزت امانت ہے تمہارے پاس۔ جو بددیانتی ہوگئی تو۔۔۔ تو نہ میں شہباز صاحب کو منہ دکھا سکوں گی اور تم۔۔۔ تم شاید اپنے آپ سے نگاہ ملا پاؤ۔ یہ خود سری، ہٹ دھرمی عورت کی دشمن ہیں۔ پھر عورت حیثیت ور مرتبے کے بغیر خزاں رسیدہ پتوں کی طرح پیروں میں چرمرا کر ختم ہو جاتی ہے۔"

خولہ۔۔۔ میری بچی۔۔۔! اس راستے پر مت چلو جس کی کوئی منزل نہ ہو اور اس راستے پر تو ہرگز نہیں جس پر چل کر تمہاری ماں نے شوہر اور بیٹی گنوائی۔ ایک مسلمان لڑکی کو اپنی دینی حدود میں اور اخلاقی حدود میں زندگی گزارنا چاہیے، عورت ایک گھر کی زینت ہے اور جو گھر کی زینت شمع محفل بن جائے یا پوسٹر بن کر ہر جگہ پر لٹکنے لگے، ہر دیوار پر آ جائے، ہر آنکھ پر چھا جائے تو۔۔۔ خولہ۔۔۔ ایسی عورت کی اہمیت در حقیقت تماش بین بھی ایک مدت کے بعد اسے دھتکار دیتے ہیں۔ خولہ۔۔۔ ایک بہترین عورت وہ ہے جو مرد کا افتخار بن جائے، اس کی چاہت، اس کی دعا، اس کی تڑپ بن جائے، پچھتاوا نہیں کیونکہ پچھتاوا بن جانے والی عورت کہیں کی نہیں رہتی، پچھتاوے کا ہر ہر آتی جاتی سانس کے ساتھ رگوں کو کاٹتا ہے تو زندگی ایک ٹوٹا ہوا آئینہ بن جاتی ہے جس میں کوئی چیز، کوئی حسن مکمل اور خوشنما نظر نہیں آتا۔ خولہ۔۔۔! پلیز اپنے باپ کا پچھتاوا نہ بن جانا۔ میں تو شاید تمہیں اپنا خون بھی معاف کر سکتی ہوں مگر شہباز صاحب خودکشی کر لیں گے۔"

عطیہ خاتون کی باتیں یاد کر کے اس نے سسکی لی۔ خولہ پر خوف سے کپکپی طاری ہوتے دیکھ کر تھی جس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے بہہ رہے تھے۔

"بابا۔۔۔ بابا خودکشی کر لیں گے، میں۔۔۔ میں ان کا پچھتاوا بن رہی ہوں، دعا نہیں، دعا نہیں، تڑپ نہیں، صرف پچھتاوا اور دوسرے مرد جواد کا پچھتاوا، جس کی آنکھوں میں اس نے پیار دیکھا تو زندگی میں پہلی بار دل عجیب سے انداز میں دھڑکا، پہلی بار اپنا آپ خوبصورت لگا۔ وہ جان گئی تھی کہ وہ جواد کی نظر میں ہے، دل کی مسند پر بھی ہے۔ جواد اسے چاہتا ہے، تنہائی کے لمحات میں یہ تصور کتنا خوبصورت لگتا۔ پہلی بار کسی مرد کے بارے میں سوچنا اچھا لگا تھا۔ اب۔۔۔ اب وہ جواد کا بھی پچھتاوا بن جائے گی۔ دل بہت تیزی سے دھڑکا پھر بند ہوا۔ دیر کے لیے اندر کہیں سناٹا چھا گیا، دھڑکنیں بالکل خاموش ہو گئیں تو اس نے گھومتے سر کے ساتھ شدت سے دعا مانگی کہ وہ یہیں ختم ہو جائے۔ وہ بہت نازک، بہت کمزور تھی، اس کے بعد کی کہانی نہیں پڑھ سکتی تھی۔

"بابا۔۔۔ بابا۔۔۔ خودکشی کر لیں گے۔"

وہ علیزہ سے لپٹ گئی۔ دونوں کی حالت غیر تھی، کسی بھی تباہی کے خوف کے گہرے سائے دونوں کے حسین چہروں کو دھندلا رہے تھے، سینے کے اندر کبھی دل دھڑ دھڑ کرنے لگتے اور کبھی بالکل سناٹا چھا جاتا، گلاس ہاتھ میں لیے طلحہ ابراہیم تتلیوں کی اپنی قید میں بے بس دیکھ کر خوشی سے جھوم رہا تھا۔

"خولہ۔۔۔! ہم دونوں کو اپنی عزت بچا کر بھاگنا ہے اس کے لیے خواہ اس شیطان کو قتل ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔"

"ہماری عزت یہاں سے بچ گئی تو اس کے قتل سے ہم ساری دنیا میں بدنام ہو جائیں گے۔ اخبارات، بیانات، ہر جگہ۔۔۔ نہیں علیزہ۔۔۔! ہم پھنس گئے ہیں۔ ایک طرف کھائی ہے، ایک طرف کنواں ہے۔ اللہ تعالیٰ۔۔۔! ہمیں معاف فرما دے، ہم نے اپنے پیاروں کو دھوکا دیا ہے، معاف فرما دے، ہمیں اس شیطان کے چنگل سے باعزت نکلوا دے پروردگار۔۔۔!" دونوں کے دل خدا کے حضور سجدہ ریز تھے اور طلحہ ابراہیم جس نے واقعی اپنی فطرت کے خلاف ان دونوں کے حسن کی بہت ناز برداریاں اٹھائی تھیں، اب ان کو یوں بے بس کر کے بہت خوش اور مطمئن تھا۔ اسی خوشی میں اس نے ایک اور گلاس چڑھایا اور لڑکھڑاتا ہوا دونوں کے قریب آ گیا۔

"ڈونٹ ٹچ طلحہ ابراہیم۔۔۔ اخبردار جو تم نے ہم دونوں کو چھوا بھی۔"

نشے میں دھت طلحہ نے اخلاقی حد پار کرنے کی کوشش کی تو علیزہ خولہ کا ہاتھ پکڑ کر کھڑکی کے قریب جا کھڑی ہوئی۔

"خبردار۔۔۔ اگر تم کھڑکی کی طرف بڑھے تو ہم کود جائیں گی، ہمیں بچانے کے لیے خود کو ذہنی طور پر تیار رکھو۔"

علیزہ نے طلحہ کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر چپکے سے اس کے کان میں سرگوشی کی تو خولہ کو غش آ گیا۔ اس وقت وہ لوگ بلڈنگ کی چھٹی منزل پر تھیں اگر کود جاتیں تو بڈیوں کا سرمہ بن جاتا بعد میں ان کی لاشیں اخبارات کی زبانی دنیا والوں کو، ان کے گھر والوں کو کون سی کہانی سناتی ہیں، ان کی بازگشت دونوں بہت قریب محسوس کر رہی تھیں۔

"ٹھیک ہے۔۔۔!" خولہ نے سرد لہجے میں کہا اور قبل اس کے کہ علیزہ کا ہاتھ کنڈی تک جاتا طلحہ کسی خونخوار بھیڑیے کی طرح ان کی طرف بڑھا اور اس کی نازک کلائی سختی سے پکڑی۔

"ڈونٹ۔۔۔ ڈونٹ برن ای اپ فلش گرلز۔۔۔ ڈونٹ برن ای اپ۔۔۔!" وہ دانت پیستا ہوا دونوں کے انتہائی قریب آ کر دھاڑا۔ خولہ تو رونے لگی، علیزہ کا دل بھی بیٹھنے لگا تاہم اندر کہیں نہ کہیں امید کا ننھا سا دیا ابھی روشن تھا۔

"کہا تھا مجھے غصہ نہ دلانا اور نہ میرے غضب کو بھڑکانا ورنہ بہت برا ہوگا۔ تم لوگ کیا سمجھتی ہو اب تم لوگ میری قید سے آزاد ہو جاؤ گی۔۔۔؟ نو۔۔۔ ناٹ ایٹ آل۔۔۔! اور پھر میری قید سے رہائی کے بعد تم لوگوں کو قبول بھی کون کرے گا۔۔۔؟" وہ ان کی مجبوری، ان کی خود سری اور ہٹ دھرمی کا تمسخر اڑا رہا تھا اور چونکہ وہ خطاوار تھیں لہٰذا نظریں جھکا کر رہ گئیں۔ وہ شیطانی قہقہے لگا رہا۔

"میں نے تم لوگوں کو جیت لیا اور تم لوگوں نے اپنے گھر والوں کو جیت لیا، گھر سے پڑھنے کے لیے نکلیں

اور باہر نکل کر میرے ساتھ گھومتی پھرتی رہیں، پارٹی میں دیر ہو جاتی تو گھر والوں کے سامنے اُلٹے سیدھے بہانے بول کر کسی نہ کسی کو چیٹ کیا ہے۔ ہاں خولہ بیگم! بتاؤ تم نے اپنے باپ اور اس فرشتہ صفت عطیہ خاتون کو دھوکا دیا ہے کہ نہیں؟ کالج کی بجائے تم میرے ساتھ گھومتی رہیں اور عطیہ خاتون کو بتاتی رہیں کہ کالج میں فنکشن بہت ہوتا ہے۔ اب بتاؤ...... انتظر کون ہوا؟ تم؟ یا میں؟"

وہ خولہ کے خوبصورت بالوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر بدتمیزی سے بولا تو بیچ کا خنجر خولہ کے ساتھ علیزہ کے دل کے بھی آر پار ہو گیا۔

"اینڈ یو ڈیئر فلاسفر علیزہ وجاہت! تم اپنی اسٹیپ مدر کو نیچا دکھانے کے لیے یہ سب کر رہی تھیں ناں؟ اور تمہارا وہ اسٹوپڈ کزن ارمغان! کتنا روکتا رہا، منع کرتا رہا، مجھ سے دُور رہنے کی تاکید کرتا رہا؟ مگر تم! تم سب کو ڈیل کر کے میری طرف بڑھتی ہی رہیں۔ ہاؤ سوئٹ! کی ایم چارمنگ اینڈ ایٹریکٹو کہ مین! اب اس میں تمہارا بھی کیا قصور؟ میں ہوں ہی ایسی چیز کہ لڑکیاں مجھے دیکھ کر ہر چیز کو جب پا کر سب کچھ بھول جاتی ہیں۔ ہے ناں یہی بات سوئٹ ہارٹ؟" طلحہ نے بے باکی سے اس کی ٹھوڑی کو چھوا تو وہ چیخ گئی۔

"طلحہ! ماں لیا کہ ہم نے غلط قدم اُٹھایا، دھوکا دیا اپنے گھر والوں کو، بٹ لسن ٹو می! اتر تو والے نہیں بنیں گے تمہارا"

علیزہ نے اس کے اپنے بالوں کی طرف بڑھتے ہاتھوں کو جھٹکا دے کر پیچھے کیا۔

"واٹ! اتر تو والے؟ ہا! ہا!" طلحہ کا ... ہاتھوں کو ... بدتمیزی سے پھر علیزہ کی طرف بڑھا۔

"سوئٹ ہارٹ! ایک بات تو بتاؤ! وہ تمہارا فرسٹ کزن بہت چاہتا ہے ناں تمہیں؟ بٹ آئی ڈونٹ نو کہ وہ اپنی پہلی محبت کو سیکنڈ ہینڈ روپ میں قبول کرے گا۔ میرے خیال میں اگر وہ واقعی تمہیں چاہتا ہے تو تمہیں کسی بھی روپ میں"

"شٹ اَپ طلحہ ابراہیم...... اشٹ اَپ......"

علیزہ کی قوت برداشت جواب دے گئی۔ اس کا ہاتھ اُٹھا اور بڑے زور سے طلحہ کے منہ پر ... تھپڑ جلتی پر تیل تھا، مٹی کا تیل تھا جو اس کی جلتی آگ پر پڑا اور شعلے آسمان کو چھونے لگے۔

"علیزہ! علیزہ! اب نہیں چھوڑوں گا۔"

طلحہ نے ڈیک آن کیا اور فل والیوم میں انگلش میوزک آن کر کے وہ ان دونوں کی طرف بڑھا۔ دونوں کی روح فنا ہو گئی، کمرے میں اتنا شور تھا کہ ان کی چیخ و پکار بھی باہر نہیں جا سکتی تھی۔

جب تک وہ شیطانی ارادے کے ساتھ علیزہ کی طرف بڑھتا خولہ نے گلدان پکڑ لیا تھا اور یہ طلحہ نے بھی دیکھ لیا تھا۔ وہ علیزہ کو چھوڑ کر خولہ کی طرف بڑھا۔

"یو کیوٹ بے بی! مجھے مارو گی؟" وہ خولہ پر جھپٹا۔ اس کے ہاتھ سے گلدان علیزہ نے چھین لیا اور طلحہ کے سر کے پیچھے دے مارا اور جیسے خون کا فوارہ بہہ نکلا۔

"طل... طل... علیزہ! یہ... یہ... تت... تم نے کیا کیا؟" خولہ طلحہ کو خون میں لت پت دیکھ کر بیہوش ہونے لگی تھی، اس کا دل جیسے دھڑکنا بھول گیا تھا، آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔

"شٹ اَپ! یہ مرتا ہے تو مرنے دو...... کچھ نہ سوچو، کچھ نہ بولو، بھاگو......!"

طلحہ ابراہیم زندہ تھا یا نہیں، اس بات کی ان کو کوئی پروا نہیں تھی۔ علیزہ خولہ سے بڑی بھی تھی اور مضبوط اعصاب کی مالک بھی، اس وقت اس کے پیش نظر اس کی اور خولہ کی عزت تھی۔ اس نے خولہ کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑا جس کے جسم سے جان گویا نکل رہی تھی۔

"عزت پیاری ہے تو بھاگو خولہ! بھاگو!"

علیزہ نے اسے گھسیٹا اور دروازے تک پہنچی۔

"اوہ نو...!"

●●●

"عطیہ! عطیہ بہت حوصلے سے کام لو، اللہ خیر کرے گا۔" رات کے دو بج گئے تھے۔ خولہ گھر نہیں آئی تھی، عطیہ خاتون پر غشی کے دورے پڑ رہے تھے۔ آصفہ اور زوہا ان کو سنبھالے ہوئے تھیں جبکہ نعمان اور ظفر صاحب نجانے کہاں کہاں کی خاک چھان رہے تھے۔ ہر جگہ معلوم کر لیا تھا مگر کہیں پتا نہیں چلا۔

"آصفہ... میں شہباز صاحب کو کیا منہ دکھاؤں گی......؟ میں فیل ہو گئی ہوں آصفہ......! کتنا مان، کتنا بھروسہ تھا شہباز صاحب کو مجھ پر۔ وہ خولہ کو میرے وجود میں ڈھلا دیکھنا چاہتے تھے۔ کیا میں بھی اتنی کمزور تھی اندر سے... کیا میری تربیت میں بھی کوئی خامی تھی...؟ جبھی تو جو میری تربیت کے ذریعے خولہ کے اندر خوف خدا... نہیں... میں شہباز صاحب کو کیا منہ دکھاؤں گی......؟ مجھے اس وقت سے پہلے موت دے دے۔ اے پروردگار! میری فریاد سن لے، میں نے شہباز صاحب کے ساتھ بدعہدی کی ہے، مجھے نہیں جینا۔ اس سے پہلے کہ میں ان کی نظروں میں گروں، میں خود کو ختم کر دوں گی۔"

عطیہ خاتون آج بری طرح ٹوٹ گئی تھیں۔ انہوں نے کتنی محبت، ایمانداری سے یہ ذمہ داری قبول کی تھی، کتنی محبتوں سے پالا تھا خولہ کو، شاید اپنی اولاد پر اتنی محبت نہ لٹاتیں جتنی اس لڑکی پر لٹائی تھی اور اسی نے کتنی سفاکی سے انہیں آسمان کی بلندیوں سے نیچے پاتال کی گہرائیوں میں پھینک دیا تھا۔ وہ دیوار سے زور زور سے سر ٹکرا رہی تھیں، وہ ایسی ہسٹیریک ہو رہی تھیں کہ آصفہ اور زوہا سے سنبھالی نہیں جا رہی تھیں۔

"عطیہ! پلیز اپنے حواس بحال کرو، اللہ سے خیر کی بھیک مانگو، نجانے اسے کیا حادثہ پیش آیا ہے...؟ اللہ کرے وہ سلامت ہو اور خیریت کے ساتھ واپس آ جائے۔"

"نہیں آصفہ! نہیں چاہیے اس کا خالی وجود مجھے، اس نے میری، اپنے باپ، خاندان کی عزت، اعتبار، مان، بھروسہ داغدار کیا ہے۔ اللہ کرے اس کا ایکسیڈنٹ ہوا ہو اور وہ مر جائے۔ اگر وہ زندہ آ گئی تو تو آصفہ! میں زندہ نہ رہوں گی، وہ رہے گی یا میں۔ میں چاہتی ہوں شہباز صاحب کو ہم دونوں کی موت کی خبر ملے۔ خولہ کی بے وفائی یا میری تربیت کی ناکامی کی خبر نہ ملے، میں ان کا سامنا نہیں کر سکتی۔" عطیہ خاتون صدمے سے بار بار بیہوش ہو رہی تھیں۔ اس وقت بھی وہ بولتے بولتے ایک دم چپ ہو گئیں۔ آصفہ بری طرح گھبرا گئیں۔

"زوہا! اپنے پاپا کو فون کرو، جہاں ہیں، آ جائیں! عطیہ کو ہاسپٹل لے جانا ضروری ہو گیا ہے۔"

"شکر ہے آپ لوگ آ گئے۔ کوئی خبر؟ کوئی اتا پتا؟"

آصفہ کی بات ابھی جاری تھی کہ ظفر اور نعمان آ گئے۔

"نہیں! ہر جگہ معلوم کر لیا ہے، کوئی نشان مل کر نہیں دے رہا۔" ظفر صاحب تھک کر صوفے پر بیٹھ گئے۔

"چچا! میری بات مانیں تو شہباز صاحب کو اطلاع کر دیں یہ کوئی معمولی بات نہیں۔ عطیہ آنٹی کی حالت بھی اچھی نہیں، ان کو اطلاع دینا ہمارا اخلاقی فرض ہے۔"

"یہ سب بھی ہو جائے گا بیٹا! پہلے گاڑی نکالو عطیہ کو ہاسپٹل لے چلتے ہیں۔" ظفر نے عطیہ کی حالت دیکھ کر نعمان سے کہا تو وہ فوراً اٹھ گیا۔

"پاپا...! خولہ کے موبائل پر...؟" زوہا کی بات پر ظفر دکھ سے مسکرائے۔

"تمہارا کیا خیال ہے کہ میں نے اس کے موبائل پر کال نہیں کی...؟ بیٹا! اس کا موبائل نان رسپانڈنگ پر ہے۔ اللہ جانے کیا صورت حال ہے اس کے ساتھ؟ چلو جلدی! اور وہ بیٹا! عطیہ کو احتیاط کے ساتھ گاڑی میں بٹھاؤ۔"

ظفر صاحب نے نعمان کو آتے دیکھ کر کہا اور سب نے بیہوش پڑی عطیہ خاتون کو گاڑی میں ڈالا اور ہاسپٹل کی طرف چلے گئے۔

● ● ●

"آپی! کہاں ہیں آپ؟ آپ نے تو ممی بابا کے ... کہیں کا نہیں چھوڑا... آپ سب لٹا کر بھی بابا سے ہار گئی ہیں۔ یہ آپ نے کیسا انتقام لیا ہے ممی سے؟ آپی! آپ کی خود سری نے سب کچھ... سب کچھ جلا کر بھسم کر ڈالا ہے۔ ممی سے انتقام کا یہ کتنا خوف ناک، بھیانک طریقہ کیوں اپنایا آپ نے؟"

گھڑی نے تین بجائے تو جواد کے حوصلے ٹوٹ گئے۔ وہ جو سارا شہر چھان کر تھک چکا تھا، ٹوٹ کر قالین پر ہی ڈھیر ہو گیا۔

رمعان کی حالت بھی بہت عجیب تھی۔ جواد تو رو سکتا تھا بھائی تھا علیزہ کا مگر وہ اندر ہی اندر تڑپ رہا تھا۔ صبر و ضبط اور تھکن کا غبار رمعان کی آنکھوں میں دھواں بن کر بھر گیا تھا، آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں، وہ ہار کر جواد کے قریب بیٹھ گیا تو جواد اس کی گود میں سر رکھ کر شدت سے رو پڑا۔

"آپی...! کہاں ہوں گی رمی بھیا! ہم نے تو شہر کا کونا کونا چھان مارا ہے۔ وہ... وہ کہاں چلی گئیں؟ کیا حادثہ پیش آ گیا ہے ان کو؟ آپی...! خدا کے لیے آ جاؤ...!"

"جو لوگ اپنی ان دیکھی خواہشوں کے پیچھے بھاگتے ہوئے خود سری سے گھر کی دہلیز چھوڑتے ہیں ناں جواد! وہ اکثر راستے بھول جایا کرتے ہیں۔" رمعان کو حساس ہی نہیں ہوا ... ہو، تو تب جب گریبان تر ہو گیا۔

"بھائی! ممی کو بتا دیں کیا...؟"

"نہیں! انتظار کے جگنو ابھی منتظر ہیں، ورنہ میں ناامید نہیں ہوا ہوں۔" رمعان کی بات ادھوری تھی کہ فون کی بیل پر دونوں برق رفتاری سے فون کی طرف لپکے۔

● ● ●

"کیا واقعی شرجیل اب یہاں سے چلا جائے گا...؟"

یہ بات سوچتے سوچتے ہادیہ کو کتنی دیر ہو گئی، کتنے لمحے اس حقیقت کو بے چینی سے آگے بڑھ گئے، نہ جانے کب سے وہ کھڑکی کے سامنے کھڑی مسلسل شرجیل کے بارے میں سوچے جا رہی تھی۔ جب وہ آیا تھا، کتنا عجیب سا تھا کہ اسے اس سے خوف سا آتا تھا مگر اب اس کے چلے جانے کے خیال سے اک اداس سی شام دل کے آنگن میں اتر آئی تھی۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ وہی شرجیل جس سے وہ بے حد چڑتی تھی اور اس کے چلے جانے کی دعائیں کیا کرتی تھی، اس کے چلے جانے کا خیال پانی بن کر آنکھوں میں تیرنے لگے گا۔

وسیع آسمان پر اداس شام کے دھندلکے اتر آئے تھے اور وہ یونہی کھڑی شرجیل کو سوچے جا رہی تھی۔ جس کی شخصیت یوں نکھر کر سامنے آئی تھی کہ وہ اس کے آئیڈیل کے پیکر میں ڈھل گیا تھا۔ اس کے بات کرنے کا انداز، اس کے لہجے کا اعتماد، اس کی گمبھیر آواز، اس کا دراز قد، ڈریسنگ میں وقار اور نفاست، عزت، اور اس کی معصوم شرارتیں، بے ساختہ جملے، سب ہی کچھ تو اس کی پسند کا تھا۔

"جب ہم کسی کی پروا کرنے لگتے ہیں، جب کسی کا آنا جانا ہمارے لیے اہمیت اختیار کر لیتا ہے تو سمجھ لیجیے کہ آپ کو اس بندے سے محبت ہے۔"

شرجیل کی بات اور بھی ذہن میں آئی۔ جب اس نے اپنی محبت کا اقرار کروایا تو وہ الجھ سی گئی۔

"کیا مشکل ہے؟ کیوں سوچے جا رہی ہوں میں ایک بدتمیز شخص کے بارے میں...؟ جاتا ہے تو جائے، مجھے کیا؟"

ہادیہ نے اکتا کر گود میں رکھا کشن دیوار پر مارا اور اٹھ کر کھڑکی زور سے یوں بند کی گویا شرجیل پر اپنی سوچوں اور خیالوں میں آنے پر پابندی لگا رہی ہو۔

"اس کے جانے کی مجھے پروا نہیں ہے تو اس بیقراری کا سبب کیا ہے...؟ یہ بے چینی کس نام کی ہے...؟ یا آنسو بے نام کیوں ہیں...؟" وہ گھٹنوں میں سر دے کر بری طرح رو دی۔ انسان اس وقت زیادہ الجھتا ہے جب وہ ایک حقیقت کو ماننا بھی چاہتا ہو اور اس سے انکاری بھی ہو۔ ایسی درمیانی سی کیفیت کی لہریں بار بار جب ساحل تک لاتی لے جاتی ہوں تو انسان بے دم ہو جاتا ہے۔ وہ شرجیل کو چاہنے لگی ہے اور اس کو اس کے چلے جانے کا دکھ ہے۔ یہ حقیقت تسلیم کرنے اور انکار کرنے والی کیفیت سے دوچار وہ مغرب کی نماز پڑھ کر کتنی دیر روتی رہی۔

عالیہ بھابھی کے بلانے پر وہ نیچے آ گئی اور آتے ہی شرجیل سے مڈبھیڑ ہو گئی جو ابھی مسجد سے لوٹا تھا۔ اسے دیکھ کر شوخیاں شرجیل کی آنکھوں میں رقصاں ہو گئیں۔ ہادیہ کے چہرے اور آنکھوں سے صاف لگ رہا تھا وہ شدت گریہ کا شکار رہی ہے۔ وہ اس کی متورم آنکھیں دیکھ کر جاتے جاتے پلٹا اور پوپی کو گود میں اٹھا کر ہادیہ کو

دیکھنے لگا۔

"یار پوپی! لگتا ہے کہیں بہت موسلا دھار بارش ہوئی ہے۔"

"نہیں تو چاچو! بارش تو بالکل بھی نہیں ہو رہی۔"

"اچھا! خیال تو میرا بھی یہی ہے مگر، پی پھپھو سے پوچھو بارش کیوں ہوئی ہے...؟ [illegible] نہیں سکتی۔"

شرجیل کے دل پہ ان دیکھی نمی اک اُداسی پیدا کر رہی تھی۔

"پھپھو... بارش ہوئی ہے کیا...؟ نہیں ہوئی ناں...؟"

شرجیل کی آنکھوں کے اشارے کو سمجھتے ہوئے پوپی نے اپنی بات دہرائی تو ہادیہ کو غصہ آ گیا۔ اس نے [illegible] تیز نظر شرجیل پر ڈالی اور پھر پوپی کو اس کی گود سے لے لیا۔

"بہت فضول بولنے لگے ہو، کوئی بارش وارش نہیں ہوئی۔" وہ رخ پھیر کر کھڑی ہوگئی تو شرجیل اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔ کچھ دیر اس کی نم پلکیں دیکھتا رہا۔

"بارش تو ہوئی ہے، یہ بھیگی پلکیں گواہی دے رہی ہیں کہ بارش ہوئی ہے اور کافی دیر تک ہوئی ہے۔"

اب وہ شرجیل نہیں تھا کہ خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹ جاتا۔ وہ ایک پُراعتماد مرد تھا مگر عورت کے آنسو اس سے پہلے برداشت ہوتے تھے نہ اب۔ بھیگی پلکوں میں اسے ماہم اور اپنی ماما کی مجبوری نظر آئی اور ہادیہ بھی تو ان دکھیوں میں سے تھی۔ اس کے آنسو، اس کی بھیگی پلکیں کیسے برداشت کرتا، بس کوفت سی ہو رہی تھی [illegible] یہ چاہیے تھا کہ اسے ان سے غرض نہیں ہونی چاہیے تھی مگر ہادیہ تو اس کے دل میں اُبھرنے والا وہ لطیف احساس تھا جو اس سے قبل اس نے کبھی محسوس ہی نہیں کیا تھا۔ اگر [illegible] کیا تھا، اور وہ اب جانے کیوں جاننا چاہتا تھا۔ مگر کہیں یہ خواہش بھی کہ وہ کہہ دے کہ یہ بارش تمہاری وجہ سے ہے۔ تب ہی تو وہ بار بار پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔ اور دوسری طرف ہادیہ کو غصے کے ساتھ پھر رونا آ رہا تھا۔ اس وقت اس کا سامنا ہی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ کیا وہ اب ان آنسوؤں کی وجہ [illegible] چھوڑ رہا تھا، وہ چڑ گئی۔

"ہاں... ہوئی ہے بارش اور بہت ہوئی ہے، آپ سے مطلب...؟"

وہ غصے سے بولی اور آگے بڑھنے لگی، شرجیل نے پھر ہاتھ بڑھا کر اسے آگے بڑھنے سے روک دیا۔

"ہوں... گڈ... درست فرمایا آپ نے، بھلا مجھے کیا مطلب ہے اور کوئی مطلب ہونا بھی چاہیے...؟" وہ قدرے برہم سا ہوتا آگے بڑھا، وہ خفگی سے اس انجان کی پشت کو بھیگی پلکوں سے دیکھ رہی تھی کہ وہ ایڑیوں پر گھوم کر ایک سرعت سے اس کی طرف مڑا کہ وہ نمی کا بھرم بھی نہ رکھ پائی۔ وہ اس کے قریب آ گیا، ذرا سا جھکا۔

"لیکن کیا کریں مس ہادیہ! کہ کبھی کبھی کسی انجان اجنبی سے ایسا تعلق بن جاتا ہے کہ اس سے رشتے کی ڈور بندھ جاتی ہے کہ وہ انجان اجنبی ہماری پہچان، ہمارا حوالہ بن جاتا ہے اور میرے ساتھ بھی یہی ہوا ہے کہ ایک اجنبی میری پہچان بن گیا ہے۔ مہمان بن کر دل میں آیا اور میزبان بن گیا، کیا کریں ہمارے راستے ان بھیگی پلکوں تک آ کر ختم ہو جاتے ہیں، ہمارے راستوں کی منزل تمہی بھیگی پلکوں کی اوٹ

چھپی ہے۔"

شرجیل کی گمبھیر آواز میں اس کے خواب اس کی تمنا میں لفظوں میں ڈھل کر مسکرائیں تو ہادیہ نے ایک نظر اسے دیکھا اور پلکوں کی اوٹ پر اٹکے دو آنسو ٹپ سے گرے اور اس کے ہاتھوں میں چھپ گئے۔

"مگر... اگر ایسا ہے تو پھر...؟"

وہ جانے کیا کہنے جا رہی تھی کہ خودداری آڑے آ گئی۔ وہ بات اُدھوری چھوڑ کر وہاں سے بھاگ گئی مگر کبھی اُدھوری بات بھی زندگی پر حاوی ہو جاتی ہے اور شرجیل بھی کتنی ہی دیر اس اُدھوری بات کے سحر میں مسحور سا ہو کر اس طرف دیکھتا رہا جہاں سے ابھی ہادیہ گئی تھی۔

"ٹھیک ہے ہادیہ...! تمہارے اس اُدھورے جملے نے میری زندگی، میری محبت مکمل کر دی ہے۔ جانا تو مجھے ہے ہی، جاؤں گا تو تمہیں لینے آؤں گا۔" وہ وہیں کھڑا جانے کب تک آنے والے لمحوں کی آہٹیں سنتا کہ عرفان آ گئے۔

"ارے شرجیل صاحب...! یہ اکیلے اکیلے کیوں مسکرایا جا رہا ہے...؟ ہمیں بھی اپنی مسکراہٹوں میں شریک کیجیے۔"

"کیوں نہیں عرفان بھائی...! آپ ہی کا تو سب سے زیادہ ان پر حق ہے کیونکہ اللہ نے آپ ہی کو تو وسیلہ بنایا ہے میرے ہونٹوں پر اسی زندگی سے بھرپور مسکراہٹیں لانے کا۔"

اپنی گزشتہ زندگی کا تصور اس کی مسکراہٹ کی روشنی کو کم کرنے لگا تو عرفان نے اس کا دھیان دوسری طرف [illegible]

"اور جب [illegible] یہاں آپ کو [illegible] ہوگی کہ رات ابا جان آ رہے ہیں پھر جناب [illegible] ہم سب آپ کو آپ کے گھر چھوڑ کر آئیں گے۔"

"ارے [illegible] انکل آ رہے ہیں...؟ لیکن آپ نے تو بتایا تھا کہ ابھی کچھ دن..."

"ہاں...! پہلے ان کا بھی ایسا ہی پروگرام تھا مگر جب انہوں نے تمہارے بارے میں پوچھا تو میں نے ساری تفصیل سمجھائی تو انہوں نے کہا میں آ رہا ہوں۔ تمہارے بارے میں بہت کرید کرید کر پوچھا ہے انہوں نے۔"

"کیوں...؟" شرجیل کے لیے عرفان کے والد کا اپنے لیے یوں فکرمند ہونا حیران کن تھا۔

"آئی ڈونٹ نو یار... اب آئیں گے تو پتا چلے گا، کیوں...؟"

دونوں مسکرا کر آگے بڑھ گئے۔

● ● ●

"آج ایک عجیب سا سکون و اطمینان ہے ماہم...! کہ جیسے... جیسے شرجیل سامنے کھڑا ہو۔"

قرآن شریف پڑھ کر، چوم کر سینے سے لگا کر آمنہ نے ماہم پر اور خود پر پھونک ماری۔ آج ان کے چہرے پر عجیب سے سکون کی کرنیں تھیں۔ ماہم نے پیار سے ان کو دیکھا۔

"جی ماما...! وہ سامنے ہی تو کھڑے ہیں... بس دروازہ کھلنے کی دیر ہے۔" ماہم کا دل چاہا کہ ماما کو بتا دے

کراں کی تمام دعائیں سن لی گئی ہیں مگر شرجیل کی طرف سے ہدایت تھی جب تک وہ نہ کہے وہ نہیں بتائے گی واصف کی ان دنوں طبیعت بہت خراب تھی، ماہم بری طرح گھبرا گئی، اس نے گھبرا کر عارف چاچو کو سب کچھ بتا دیا۔

"ارے بیٹا...!اتنی بڑی خوشخبری تم چھپائے بیٹھی ہو؟ بھائی جان کی حالت دیکھی ہے تم نے؟ وہ تو احساسِ جرم کی وجہ سے اندر ہی اندر گھلتے جا رہے ہیں۔ ایسی بات تم نے چھپائی کیوں...؟ کہاں ہے شرجیل.....؟ مجھے ابھی لے چلو اس کے پاس۔"

عارف نے ذرا سخت لہجے میں ماہم کی خبر لے ڈالی تو ماہم ان کو تیمور کے ساتھ شرجیل کے پاس لے گئی شرجیل کو دیکھ کر پہلی نظر میں تو عارف چونک گئے، وہ اسے ساتھ لگائے کتنی دیر روتے رہے، اس کے گھر سے چلے جانے کا سب کو دکھوں کی دلدل میں دھکیلنے کا ذمہ دار چونکہ ان کا اپنا بیٹا تھا اس لیے وہ خود کو مجرم سمجھتے تھے۔

"مجھے معاف کر دو بیٹا.....! تمہاری اس دربدری کا ایک سبب میں بھی ہوں۔" عارف کے لہجے میں ندامت تھی۔

"ایسا نہ کہیں چاچو...! کوئی کسی کا مجرم نہیں، اللہ کی طرف سے جو کچھ بھی ہوتا ہے اس میں کوئی نہ کوئی مصلحت ہوتی ہے، وہ ذہوتا ہے اور ہمیشہ انساں کی بہتری کے لیے ہوتا ہے۔ یہ درست ہے کہ میں موبی کی باتوں کی وجہ سے گھر سے نکلا ضرور تھا لیکن نہ میں جانتا تھا اور نہ کوئی اور کہ میرا گھر سے نکلنا کتنا بہتر ہوگا میرے لیے، سب کے لیے۔ دیکھئے ناں، میں گھر سے یوں ذرا دل بہلانے نکلا تھا، موبی کی باتوں کے اثر کو زائل کرنے کے لیے نکلا تھا مگر کیا خبر تھی کہ یہ انجان راستے مجھے شعور کی منزل کی طرف لے جائیں گے۔ انہی اجنبی راستوں پر ایک مہربان شناسا میرا منتظر ہے جو انگلی پکڑ کر مجھے میری منزل کی طرف لے جائے گا اور پھر یہ بات کتنی درست ثابت ہوگی کہ سفر وسیلہ ظفر بن گیا۔ ذرا موازنہ کیجئے اس شرجیل سے جو کل تھا اور جو آج ہے، اسی دربدری کی بدولت تو ممکن ہوا ہے۔ اللہ نے وسیلہ تو بنانا ہی ہوتا ہے، بس اب آپ خود کو کوئی الزام نہ دیں۔ اللہ تعالیٰ نے کتنا اچھا کیا ناں کہ آپ کا وہ پاگل، جھلا شرجیل آج اتنا خوبرو، سمارٹ، سمجھدار نوجوان بن گیا ہے۔ ہے ناں، ماہم...!"

شرجیل نے عارف چاچو کے آنسو صاف کرتے ہوئے ماہم کو دیکھا جو بس اپنے پیارے بھیا کو دیکھ دیکھ کر جی رہی تھی۔ اس نے شرجیل کے ہاتھ پر پیار کر لیا۔

"میرے بھیا جیسا تو کوئی ہے ہی نہیں، اللہ تیرا شکر ہے۔"

"شرجیل...! موبی نا سمجھ ہے، میں اس کی حمایت نہیں کروں گا مگر درخواست ضرور کروں گا کہ تم اسے معاف کر دینا۔"

عارف کو اب بھی شرمندگی ہو رہی تھی کہ موبی کی وجہ سے شرجیل کو اتنا سفر کرنا پڑا۔

"کیسی باتیں کرتے ہیں چاچو...! میرا بھائی ہے، اپنا تو میں اس کو خون بھی معاف کر سکتا ہوں مگر ماہم کے ساتھ اب اگر اس نے کوئی بدتمیزی کی تو..." حدِ ادب ملحوظ رکھتے ہوئے شرجیل کی آواز میں تلخی آ گئی۔

"نہیں بیٹا...! اب ان شاء اللہ ایسا نہیں ہوگا لیکن اب گھر چلو، بھائی جان کی حالت اچھی نہیں، وہ بھی

اپنے اندر مجرم بنے لمحہ لمحہ ختم ہو رہے ہیں۔"

"جی چاچو...! میں خود بے تاب ہوں مگر ابھی عرفان بھائی کے ابا جان آنے والے ہیں، ان سے مل کر آؤں گا، میں خود بہت بے تاب ہوں ماما پاپا سے ملنے کے لیے۔" شرجیل کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

خاموش بیٹھے عرفان نے کہا۔

"انکل...! آپ پہلے جا کر واصف انکل کو آہستہ آہستہ یہ بتائیے کہ شرجیل کے بارے میں اچھی خبر ملی ہے، ایک دم سے اتنی بڑی خوشخبری بھی ہارٹ پیشنٹ کے لیے خطرناک بھی ہو سکتی ہے۔" سب نے ہی ان کی بات پر اتفاق کیا۔

گھر واپس آ کر عارف، واصف اور آمنہ کے کمرے میں چلے آئے۔ آمنہ جائے نماز پر سر جھکائے تسبیح پڑھ رہی تھیں اور چہرے پر حزن و ملال لیے واصف چھت کو خالی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ عارف نے آگے بڑھ کر کھڑکیاں کھولیں اور دبیز پردے پیچھے کھسکا دیئے۔

"باہر اتنی خوبصورت روشن صبح ہے اور آپ لوگ آج پردے گرائے بیٹھے ہیں...؟" آمنہ نے ایک نظر واصف پر دوسری عارف پر ڈالی اور پھر سے تسبیح پڑھتی رہیں، البتہ واصف کو عارف کا یہ انداز اچھا نہیں لگا، کچھ بدگماں وہ ان سے یوں بھی تھے کہ ان کے بیٹے کی وجہ سے شرجیل گھر چھوڑ کر گیا تھا۔

"پردے گرا دو عارف...! جب سب کچھ ختم ہو جاتا ہے تو پردے گرا دیئے جاتے ہیں۔" ان کی آواز میں خفگی نمایاں تھی۔

"لیکن جب کچھ شروع ہونے لگے تو پردے اٹھا لیے جاتے ہیں بھائی جان.....! اچھا خیر... آپ نے میڈیسن لی ہے؟" عارف ان کی خفگی کو محسوس کر گئے تھے مگر اب وہ مطمئن تھے کہ شرجیل مل جائے گا تو ان کی ساری ناراضگی ختم ہو جائے گی۔

"نہیں کھائی دوا، انہوں نے، ان کا بیٹا ہی ان کا سب کچھ ہے، مل جائے تو ٹھیک ہے، ورنہ نہ جئیں گے نہ جینے دیں گے۔"

آمنہ جو اتنے عرصے سے صبر کر رہی تھیں آج نجانے کیوں سارے دامن ہاتھ سے چھوٹ گئے اور وہ بہہ گئیں۔

"بھابھی...! ہمت اور حوصلے سے کام لیں، اب تو منزل بہت قریب ہے۔ میرا یہ مطلب ہے کہ بھائی صاحب خاصا تنگ کرتے ہیں آپ کو۔ بھائی جان...! میں تو نہیں سمجھتا تھا کہ شرجیل آپ کی زندگی میں اتنی اہمیت رکھتا ہے۔"

عارف کی بات پر واصف نے کچھ ایسی زخمی اور شاکی نظر ڈالی کہ عارف کو اپنی بات کا افسوس ہونے لگا۔

"ہاں...! میں مانتا ہوں کہ میں مجرم ہوں، صرف میں ہی مجرم ہوں میرے ہی گناہوں کی سزا ملی ہے مجھے، کوئی یہ کیوں نہیں سمجھتا کہ میرا بیٹا میری زندگی ہے...؟ میرے سینے میں دھڑکنے والا دل ہے...؟ آنکھ کا نور ہے...؟ میری رگوں میں دوڑنے والا خون ہے...؟ زندگی کا احساس ہے...؟ ارے...! کوئی اسے بتا دو میں نہیں رہوں گا، میں نہیں جی پاؤں گا اس کے بغیر، کوئی تو اسے بتا دو، ایک بار، بس ایک بار لوٹ آئے، مجھے

معاف کر دے، میرے سینے میں لگی آگ بجھا دے، کوئی تو اسے بتا دے کہ میں سانس لے رہا ہوں تو صرف اس کے لیے، صرف اس کے لیے۔"

واصف بری طرح رو پڑے تو آمنہ جس کو اپنے رویے اور بات کا شدید احساس ہو تھا اٹھ کر ان کے قریب آ گئیں اور ان کے ہاتھ اپنی آنکھوں سے لگا لیے۔

"صرف...... صرف بیٹا ہی آپ کی زندگی ہے واصف...... میں کہاں ہوں......؟ ماہم کہاں ہے...... ؟ کہاں ہیں ہم دونوں......؟"

"بھائی جان! آپ کی زندگی کی سب سے بڑی خوشخبری کون سی ہو سکتی ہے؟" عارف کی بات پر واصف نے پھر شاکی نظران پر ڈالی۔

"سب کچھ جانتے ہوئے بھی پوچھ رہے ہو؟ میرے شرجیل کے آنے کی خبر مل جائے تو...... تو میں اسے دیکھ کر ایک بار سینے سے لگا لوں تو پھر چاہے میری جان نکل جائے۔" واصف کے دل میں [illegible]

آمنہ نے چونک کر ان کو دیکھا پھر عارف کو دیکھا جو پریشان ہو گئے۔ انہوں نے بات ہلکے پھلکے انداز میں شروع کی۔

"بیا ہے تو پھر تو ہم آپ کو ہرگز خوشخبری نہیں سنا سکتے۔ بھئی! آپ کو پیا بیٹا عزیز، ہمیں ہمارا بھائی اور بھابھی کو اپنا شوہر پیارا، کیوں بھابھی!"

"عارف...... عارف تمہارے انداز میں مجھے خوشی جھانکتی ہوئی نظر آ رہی ہے۔ کیا ایسا ہی ہے ناں......؟ میرے شرجیل ہی کے بارے میں کوئی خبر ہے ناں......؟ تم [illegible] بولو...... کیا خبر ہے میرے بیٹے کے بارے میں......؟"

آمنہ نے بیقراری سے عارف کو پکڑ لیا تو ان کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ وہ اسی طرح آہستہ آہستہ یہ خبر دونوں کو سنانا چاہتے تھے۔

"عارف! آمنہ کیا کہہ رہی ہے؟ کوئی خبر ہے میرے بیٹے کے بارے میں؟ اچھی خبر؟ جلدی بتاؤ ورنہ میرا دل بند ہو جائے گا۔"

واقعی واصف کا بیمار دل بے ترتیب ہونے لگا تھا، ان کے چہرے پر عجیب سے رنگ آنے جانے لگے تھے، چہرے اور ہاتھوں میں اتری نمی عارف کو خوفزدہ کر گئی۔

"بھئی! اجازت نہیں بھائی صاحب! آپ بھی ناں اتنے کمزور دل ہیں کہ ہمیں، اچھی خبر دیتے ہوئے بھی خوف آ رہا ہے کہ"

"نہیں! میرا دل بہت مضبوط ہے، دیکھو میں بالکل ٹھیک ہوں۔ پلیز! مجھے اچھی خبر سنا دو میرے شرجیل کے بارے میں۔"

واصف نے بیقراری سے عارف کے ہاتھ تھام لیے۔ ان کی ظاہری حالت سے اندازہ ہو رہا تھا کہ ان کے اندر درد کا جہاں آباد ہو گیا ہے مگر اب بتانا بھی ضروری تھا۔

"دیکھیں! آپ کے دل نے پھر ذرہ سا شروع کر دیا ناں؟ اگر کوئی گڑبڑ ہو گئی تو آپ کا بیٹا مجھے معاف

نہیں کرے گا۔"

عارف آہستہ آہستہ اصل بات کی طرف آ رہے تھے۔

"عارف! بتاؤ ناں کیوں پہیلیاں بجھوا رہے ہو؟ میں اب اتنا بھی کمزور دل نہیں۔ ارے یار! ایک آدھ ہارٹ اٹیک نے مجھے اتنا بزدل مشہور کر دیا کہ آمنہ! تم ہی بولو ناں کوئی خوشخبری ہے تو چھپاؤ نہیں، بتا دو، میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

کمال ضبط سے واصف نے اٹھتی ٹیسوں کو دبایا تو آمنہ نے عارف کا ہاتھ اپنے سر پر رکھ دیا۔

"اگر میری ذرا بھی پرواہ ہے تو بتاؤ کیا بات ہے......؟ کیا خبر ہے......؟"

"توبہ ہے بھابھی! ایک تو آپ دونوں میاں بیوی ناں خیر جناب کوئی سکون سے تھوڑی بیٹھے ہوئے تھے؟ ہم نے چاروں طرف گھوڑے دوڑائے ہوئے تھے جنہوں نے اب خبر دی ہے، بہت ہی اچھی خبر ہے کہ ہمارا بیٹا شرجیل جہاں ہے بالکل ٹھیک ہے، خوش ہے۔"

"کک...... کک...... کہاں ہے میرا بیٹا......؟ میرا شہزادہ......؟ مجھے ابھی...... ابھی اسی وقت اس کے پاس جانا ہے یا اسے اپنے سامنے دیکھنا ہے، میں اسے سینے سے لگانا چاہتا ہوں۔ بے درد عارف! تم اسے ساتھ کیوں نہیں لائے......؟ چلو ابھی چلتے ہیں میرے بیٹے کے پاس، میں خود اسے منا کر لے کر آؤں گا۔"

"اس...... اس خبر میں واقعی کوئی حقیقت ہے یا صرف اپنے بھائی کو بہلا رہے ہو عارف!" آمنہ کو یقین نہیں آ رہا تھا۔

"[illegible] بہت آسان ہوتا ہے بھابھی......؟ لیکن خود کو نہیں۔ آپ دیکھیں میں کتنا خوش اور مطمئن ہوں، کیا میری مسکراہٹ کا اطمینان، میری آنکھوں کی چمک، میرے لہجے کی کھنک اس خبر کی سچائی کی ضمانت نہیں دیتی؟ بولیے بھابھی؟"

"ہاں ہاں! تمہارے چہرے کی پرسکون مسکراہٹ نے تو ہی میرے اندر بھی روشنی پھیلا دی تھی۔ کہاں ہے شرجیل......؟ تم نے اسے ابھی تک اس کے ماں باپ کی تڑپ کے بارے میں کچھ بتایا نہیں؟ اسے بتایا نہیں کہ اس کی بہن ماہم کس طرح [illegible] دعا بن کر رہ گئی ہے؟"

"ارے [illegible] بہن کی چھوڑیے، بہت گھنی ہے، سب سے پہلے اسی کو اس کی خبر ملی تھی شرجیل کے بارے میں۔"

"ارے عارف! تم...... تم ابھی تک یہیں کھڑے ہو؟ چلو مجھے میرے بیٹے کے پاس لے چلو، آج میں خود گاڑی ڈرائیو کروں گا۔" واصف خوشی سے دیوانے سے ہو رہے تھے۔

"چچا! ہم بھائی کے پاس جائیں گے لیکن کل، ہمارے لیے یہ کیا کم ہے کہ بھائی ہمیں مل گئے ہیں؟" اسی وقت ماہم اندر آئی۔

"کیوں ماہم! آج کیوں نہیں؟" بیقرار باپ، بیتاب ماں بیٹے کے لیے مچل مچل گئے مگر عارف اور ماہم نے ان دونوں کو سنبھال ہی لیا۔

"کیا بات ہے شرجیل...... ابا جان سے مل کر، ان کی باتیں سن کر تم خوش نہیں ہوئے......؟"

"ایسا نہیں ہے عرفان بھائی! لیکن یہ ضرور ہے کہ کچھ خوشیاں اپنے دامن میں عجیب سے دکھوں کی خبریں بھی لاتی ہیں۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ جس شخص کی وجہ سے ہم نے زندگی کو نہیں زندگی نے ہمیں... ہے وہی شخص میرے محسن کا باپ ہوگا۔ اس شخص کا باپ جس کے لیے میں جان بھی دے سکتا ہوں، جس نے مجھے ڈوبنے سے بچایا، مجھے بے یقینی کی دلدل سے نکالا، اس محسن کے باپ... کیا مشکل ہے عرفان بھائی ہمارے قاتل کا بیٹا ہمارا مسیحا نکلا۔ میں نے آپ کو سب کچھ بتا دیا تھا عرفان بھائی کہ اس شخص حسن کی وجہ سے ہم نے کتنی مشکل اور ابنارمل زندگی گزاری ہے۔"

شرجیل عہد گزشتہ کا ایک ایک لمحہ یاد کر کے دکھی ہو گیا۔ کچھ دیر کے لیے تو اسے اپنے محسن عرفان سے بھی نفرت محسوس ہونے لگی جس کا اس سارے قصے میں کوئی قصور ہی نہیں تھا۔

"شرجیل...... تمہیں تو یہ حقیقت آج پتا چلی ہے ناں، مجھے یہ سب اسی روز معلوم ہو گئی تھی، تب ہی تو شرجیل...... میں نے تمہیں اپنے گھر میں رکھا اور تم پر خاص توجہ دی کیونکہ میں سمجھتا تھا کہ کہیں نہ کہیں میرے باپ والد کی غلطی بھی ہے اور میں اپنے طور پر اس کا ازالہ کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ اب تم بتاؤ کہ میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں مگر تمہاری خفگی دیکھ کر تو میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ کوئی خاص کامیابی نہیں ہوئی۔"

"نہیں عرفان بھائی...... ایسا آپ نے کیسے کہہ دیا...... ارے آپ تو سو فیصد سے زیادہ کامیاب ہوئے ہیں اگر مجھے اس حقیقت تک رسائی... میں آپ کے والد کا ہاتھ تھا تو ڈوبنے سے بچانے میں بھی ان کے بیٹے کا ہاتھ ہے۔ میں تو بس یہ سوچ رہا تھا کہ کیا اتفاق ہے؟ یہ زندگی کیا کیا کھیل دکھاتی ہے؟"

کمرے میں یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ اندر آ گئے، نادم لہجے میں بولے:

"بیٹا شرجیل! میں جانتا ہوں کہ تم مجھ سے کتنی نفرت کرتے ہو اور کرنا بھی چاہیے کیونکہ میری کمزوری کی وجہ سے تم کو تمہاری ماں کو زندگی کی اتنی مشکلات دیکھنی پڑیں لیکن کیا میں تم سے جرأت رکھتا ہوں کہ کچھ کہوں؟"

شرجیل کی عجیب سی حالت ہو رہی تھی۔ اس کے سامنے وہ شخص کھڑا تھا جس کا نام بچپن سے سنتے سنتے اور اس نام کے حوالے سے اس کی ماں اور یہ دونوں بہن بھائی سر اٹھاتے آ رہے تھے تو ہر وقت وہ کتنی شدت سے دعا مانگا کرتا تھا کہ کاش یہ شخص کہیں مل جائے تو وہ اس کا گلا دبا دے، جس نے ان کی زندگی عذاب بنا دی تھی۔ اس کے نام کی سزا وہ بھگتتے ہوئے اب نارمل ہو گئے تھے۔ آج جب دعائیں قبول ہوئیں، وہ شخص سامنے آ بھی گیا مگر کس حیثیت سے، اس کے محسن کے باپ کی حیثیت سے۔ وہ صوفے پر سر جھکائے اپنے ڈوبتے ابھرتے دل کے ساتھ ان کی باتیں سنتا رہا جن کی باتیں سچ تھیں، حقیقت تھیں۔

"بیٹا! میں مانتا ہوں میں نے گھٹیا پن کیا، محبت اور دولت میں سے میں نے دولت کا انتخاب کیا اور آمنہ کو بلندی پر چڑھا کر خود غرضی سے سیڑھی ہٹا لی، میں خود تو غائب ہو گیا، یہ تک نہیں سوچا کہ آمنہ کی زندگی پر میری بے وفائی نے کیا کہانی رقم کر دی ہے۔ میں عرفان کی والدہ کے ساتھ زندگی کی خوشیاں چنتے ہوئے ہرگز نہیں سوچ سکتا تھا کہ آمنہ کو، اور اس کے بچوں کو میری بے وفائی کی کیا قیمت ادا کرنا پڑ رہی ہے۔ جب اس کی والدہ کا انتقال ہو گیا، دولت چلی گئی، خود غرضی کا نشہ اترا تو مجھے پتہ چلا کہ واصف نے آمنہ اور بچوں کو میری

سے عذاب میں مبتلا کر رکھا ہے۔ تب مجھے بے حد دکھ ہوا مگر اپنی غلطی کا شدت سے احساس مجھے اس وقت بڑی بری طرح ہوا جب مجھے پتا چلا کہ آمنہ کا بیٹا اپنی پہچان کھو بیٹھا ہے۔ تب میں خدا کے حضور رویا، گڑگڑایا کہ ہمارے گناہوں کی سزا ان لوگوں کو ملی۔ واصف اگر مردانگی کا ثبوت دیتا تو آمنہ کو معاف بھی کر سکتا تھا مگر افسوس کہ واصف بھی میری طرح کمزور مرد ثابت ہوا، آمنہ کو معاف کرنے کی بجائے اسے اس گناہ کی سزا دیتا رہا جو اس نے کیا ہی نہیں۔ بہرحال دکھ تو اس بات کا ہے کہ آمنہ کی زندگی میں دو مرد آئے، دونوں ہی کمزور، خود غرض اور کم ظرف۔ میں آمنہ کے اور تم دونوں کے لیے جلتا رہا، کڑھتا رہا، دعائیں کرتا رہا کہ پروردگار ایسا کوئی معجزہ کر دے کہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے اور خدا نے میری دعائیں سن لیں۔ یہ سب ہوا تو سہی مگر میرے ہاتھوں نہیں میرے بیٹے کے ہاتھوں۔ جب عرفان نے مجھے تمہارے بارے میں بتایا تو میں خدا کے حضور سجدے میں گر گیا کہ اس کی ذرہ نوازی کا شکرانہ کس طرح ادا کروں۔ تب میں نے عرفان سے کہا تمہیں میرے آنے تک روکے اسی لیے تمہیں عرفان نے تمہارے کہنے پر روکا تاکہ یہ حقائق میں تمہارے گوش گزار کر کے تم سے معافی مانگ سکوں۔ بیٹا! آج کچھ ہمارے ماضی میں ہوا اس میں آمنہ اور تم دونوں بچے بے قصور ہو، واصف اور میں گناہ گار ہیں۔ چاہو تو معاف کر دو، چاہے تو سزا دے دو میں حاضر ہوں بیٹا! اصل میں میں ذمہ دار ہوں تم لوگوں کی بربادی کا، برائے خدا مجھے معاف کر دو پلیز...... ورنہ گناہ کے معاملے میں اپنے باپ والا رویہ اختیار نہ کرنا ورنہ یہ کہانی کبھی ختم نہیں ہوگی۔ بیٹا! اٹھو تمہارے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں، خدا کے لیے مجھے معاف کر دو ورنہ میرے اندر ندامت اور شرمندگی کی آگ کبھی نہیں بجھے گی اور مجھے سکون نہیں آئے گا۔"

"یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں...... انکل...... آپ کیوں گناہ گار کر رہے ہیں مجھے......؟ ٹھیک ہے ہم نے آپ کی وجہ سے بہت بہت مشکل اور اذیت ناک زندگی گزاری ہے، ماضی میں اگر آپ ایسا نہ کرتے یا پھر بچپن ہی بڑے پن سے مما کو معاف کر دیتے تو یہ سب نہ ہوتا۔ بہرحال اگر میرے الفاظ سے آپ کی تسلی ہوتی ہے تو کم از کم میں نے آپ کو معاف کیا، یقین انکل! آپ اندر سے ایک اچھے اور بہترین انسان ہیں اس کا اندازہ عرفان بھیا کو دیکھ کر ہوتا ہے۔ انہوں نے جن حالات میں جس طرح میرا ساتھ دیا ہے اس کے بعد تو آپ اس قابل ہیں کہ آپ کو سیلوٹ کیا جائے۔ کیا آپ مجھے گناہ گار کر رہے ہیں۔" شرجیل نے انہیں گلے لگا لیا۔ عرفان ایک طرف کھڑے نم آنکھوں سے دونوں کو دیکھتے رہے۔

"جیتے رہو بیٹا! جیتے رہو، اب میں کسی حد تک پرسکون ہو گیا۔ اصل سکون مجھے اس دن ملے گا جب آمنہ مجھے صدق دل سے معاف کر دے گی ہر چند کہ میری بے وفائی، میری خود غرضی اس قابل نہیں مگر پھر بھی۔"

"میں اب چلوں گا عرفان بھائی......!" شرجیل کھڑا ہو گیا تو دونوں سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگے۔

"مگر ابھی رات ہو رہی ہے، سردی بھی بہت ہے۔"

"تو کیا ہوا عرفان بھیا! آپ تو جانتے ہیں کہ باہر کے موسم کبھی بھی اتنے پاور فل نہیں ہوتے کہ انسان کے عزائم کا راستہ روکیں۔ بس اندر کے موسم اچھے ہونے چاہئیں۔"

"اچھا جی! ہماری بلی ہم ہی سے میاؤں؟ چلو میں خود تمہیں چھوڑ کر آتا ہوں۔" عرفان اپنا مفلر

سیٹتے ہوئے اٹھے۔

"نہیں بھائی! اس کی بھی ضرورت نہیں، آپ نے میری راہوں میں اتنے چراغ روشن کر دیے ہیں کہ یوں بھی مجھے اپنا اعتماد آزمانے دیں۔"

"شرجیل درست کہہ رہا ہے بیٹا! ابھی اسے خود جانے دو تمہارے لیے اسے جگہ بھی بنانی ہوگی ناں والدین کے دل میں۔"

حسن صاحب کی اس قیافہ شناسی پر شرجیل نے حیرت سے ان کو دیکھا۔ اس پس و پیش کی یہی وجہ تھی کہ نجانے پاپا، اس حقیقت کو جان لینے کے بعد کیا رویہ اختیار کرتے کہ وہ اپنے محسن کی نظروں میں گر جاتا اور شاید یہ بات وہ دونوں بھی سمجھ رہے تھے۔

"جی انکل......! ایسی ہی بات ہے، اب اجازت دیں۔"

شرجیل جا رہا تھا، کتنا عرصہ اس نے اس گھر میں گزارا تھا، کتنی محبت کتنی توجہ دی گئی تھی اس گھر کے ہر فرد نے سوائے ہادیہ کے اور ہادیہ سے خود اسے محبت ہو گئی تھی۔ کتنے عجیب ہوتے ہیں زندگی کے راستے، محبتوں کے سلسلے، کیا تھا جب وہ یہاں آیا تھا اور کیا بن کر جا رہا تھا، بچوں اور عالیہ بھابھی سے مل کر بے اختیار اس کی نظریں ہادیہ کے کمرے پر ٹھہر گئیں، وہ باہر نہیں آئی۔

"بھابھی! ہادیہ سے کہہ دیجیے گا کہ کہا سنا معاف کر دے، نجانے کیا کچھ کہتا رہا اس کو؟" شرجیل جانتا تھا ہادیہ سونے کا بہانہ ضرور کر گئی تھی مگر وہ جاگ رہی ہوگی۔

"میں بلاوجہ کی پیامبر کیوں بنوں بھئی؟ خود جاؤ، ہادیہ... جاؤ میں [illegible] دوں گی، یوں بھی وہ تمہیں بہت پسند کرتے ہیں۔" بھابھی رازداری سے بولیں۔

"اور یہ تم، اتنے اداس کیوں ہو رہے ہو؟ ارے! اب تو سارے راستے صاف ہو گئے ہیں، اب تو دو خاندان ملیں گے اور نئے رشتے استوار ہوں گے۔" بھابھی نے اس کے ویران اداس چہرے کو دیکھا۔ اک انجان سا سایہ اس کا حصار کیے ہوئے تھا اور نظریں ہادیہ کے دروازے پر تھیں۔

"آنے والے وقت کا کس کو پتا......؟" شرجیل نے گمبیر لہجے میں ڈھلے الفاظ ہادیہ کے خوابوں کو چکنا چور کر گئے۔

"کیا مطلب شرجیل......؟" بھابھی تندی کی زبان بنی ہوئی تھیں۔

"مجھے نہیں معلوم بھابھی! مگر، بتا جاتا ہوں ہم لوگوں میں درگزر کی عادت نہیں ہے، اپنے نظام میں بند ہو کر ہم سارے دروازے مقفل کر لیتے ہیں تاکہ نہ اندر کی گھٹن کم ہو سکے نہ ہی معافی کی روشنی اندر آ سکے۔"

وہ آگے بڑھا، ہادیہ کے دروازے کے قریب سے گزرتے ہوئے اس کی سسکیاں بوجھل احساس کے ساتھ اس کے ہمراہ ہو گئیں۔

اپنے گھر کے گیٹ کے سامنے کھڑے اس کے احساسات عجیب ہو رہے تھے۔ کتنی ڈھیر ساری یادیں وابستہ تھیں، موبی کی بدتمیزی، ماہم کی محبت، سب کچھ یاد آ رہا تھا، سب لوگ اپنے اپنے کمروں میں تھے، وہ دبے

پاؤں اپنے پورشن کی طرف آ گیا۔ کافی ٹھنڈ تھی مگر کوریڈور میں سرد ننگے فرش پر بیٹھیں مما پر اس کی نظریں جم گئیں۔

"مما......!"

● ● ●

رسی جل گئی مگر بل نہیں گئے۔ کچھ کہاوتوں کو وقت اسی طرح سچ ثابت کرتا ہے کہ ان کو ماننا ہی پڑتا ہے۔ ردا کو اپنی آنکھ کا نور کہنے والی فاطمہ بیگم کو جب معلوم ہوا کہ یہ لڑکی جوان کو دیکھتے ہی اتنی بھائی تھی کہ فوراً انہوں نے شہرام کے لیے اسے پسند کر لیا تھا اور خود شہرام ردا ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہو گئے تھے تو ردا کو موبی کی بیٹی ہونے کی سزا دی جا رہی تھی۔ وہ اپنے فیصلے پر مطمئن تھیں مگر گھر بھر اداس ہو گیا تھا۔

"مما! میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ آپ ابھی تک انسان کو طبقاتی کسوٹی پر پرکھتی ہیں؟ ٹھیک ہے ماضی میں موبی اور بھائی کے ساتھ آپ نے زیادتی کی، دونوں برداشت کر گئے لیکن اب آپ شہرام کے ساتھ ایسا نہیں کر سکتیں! اب ہم یہ سب ہونے نہیں دیں گے۔" لیلیٰ شہرام کی وکیل بنی ماں سے الجھ پڑی تھیں۔ فاطمہ نے تنک کر انہیں دیکھا۔

"تو تمہارا کیا خیال ہے میں ایک ملازمہ کی بیٹی کو بہو بناؤں...؟ اپنے حسب و نسب میں غلام خون کو شامل کر لوں......؟ قطعی نہیں...!"

فاطمہ بیگم کے لب و لہجے میں آج بھی وہی جاہ و جلال تھا جو موبی اور خرم کے وقت تھا۔ خرم تو پہلے کی طرح آج بھی چپ تھے کل جو جھیل چکے تھے اذیت کے جس صحرا سے آبلہ پا وہ گزر رہے تھے اسی صحرا سے گزرنے کے لیے شہرام کو چھوڑ کر جا رہا تھا۔ ... خود پر بیت جاتی تو برداشت کر سکتے تھے مگر بیٹے کے لیے تڑپ تڑپ گئے تھے مگر ان کی بیگم جو لیلیٰ پہلے نڈر نہیں اب وہ سامنے کھڑی تھیں ان کے تمام دلائل کا جواب دینے کے لیے۔

"حسب و نسب، خاندان، یہ سب کیا ہے مما! ذات پات، خاندان، حسب و نسب انسان کے اپنے بنائے دائرے جن کے گرد چکر کاٹتے وہ خود کو اتنا پابند کر لیتا ہے، اسی کے گرد گھومتے گھومتے جان دے دیتا ہے۔ یہ دولت، حیثیت، یہ سب دولت مندوں کے بنائے اصول ہیں۔ مما......! انسانیت کے لیے اللہ تعالیٰ نے تو تمام انسانوں کو برابر پیدا کیا ہے، بہرے وقت نے تو بڑے بڑے بادشاہوں کو گدا بنا دیا۔ تاریخ گواہ ہے کہ بڑے بڑے بادشاہ کس طرح وقت اور حالات کی چکی میں پسے اور دولت سے کھیلنے والے ہاتھ بھیک کے لیے پھیلاتے گئے۔ اگر حسب و نسب ہی آپ کا مطمع نظر ہے تو کیا خبر ہمارا تعلق کسی غلام خاندان سے ہو؟ اللہ کی مہربانی سے آبا و اجداد کے ہاتھ خزانہ لگ گیا ہو اور ہم حسب و نسب والے بن بیٹھے؟ اور یہ بھی کون جانتا ہے کہ موبی کا خاندان بہت نسب والا ہو مگر حالات نے ان کو دوسرے گھروں کے کام کرنے پر مجبور کر دیا ہو؟ بتایئے مما! کوئی بھی بات یقین سے کہی جا سکتی ہے؟ ماضی میں آپ نے موبی کو بھائی کی زندگی سے نکال دیا کہ ماسی کی بیٹی کو بہو بنانا آپ کو گوارہ نہیں تھا مگر ردا، ردا تو آپ کی کلاس کے آدمی کی بیٹی ہے، یہ تو افتخار بھائی کی شرافت ہے کہ یہ سب بتا دیا ورنہ یہ ردا ہی کی جواب ہے۔ پہلے آپ اسے اپنی جان کہہ رہی تھیں اور آج اس کو دیکھنا گوارہ نہیں...؟ آپ کو کیا خبر اور نہ ہی آپ نے یہ جاننے کی ضرورت ہی سمجھی کہ افتخار صاحب کا حسب

وسب پوچھ لیں۔ ؟ وہ چونکہ دولتمند ہیں، معاشرے کی اُونچی کلاس سے تعلق ہے تو بس باقی ساری باتے معنی ہو گئیں۔ ؟ کیا خبر یہ افتخار کس خاندان سے ہیں..... ؟ اور یہ دولت انہوں نے کیسے حاصل کی ہو جو آج ان کے خاندانی ہونے کی ضامن ہے۔ ؟ لیکن مما! ہم آپ کو محض دولت کی کسوٹی پر انسانیت کو حسب نسب پرکھنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ جو گستاخی ہم نے ماضی میں نہ کی شاید اب کر گزریں، اگر آپ نہ مانیں کیونکہ شہرام کو روتا ہوا آپ تو دیکھ سکتی ہیں میں اور بھائی نہیں۔ آپ نے تو ثابت کر دیا کہ آپ بہت بہادر ہیں، بیٹے کو دُکھی دیکھ سکتی ہیں تو پوتے کیوں نہیں؟ لیکن اب تاریخ دہرائی نہیں جائے گی۔"

لیلیٰ اور خرم اپنے والدین کے بہت اچھے بچے تھے۔ انہوں نے جو کہا انہوں نے وہی کیا مگر شہرام کو دُکھی دیکھ کر لیلیٰ ماں کے سامنے آن کھڑی ہوئیں۔ خرم میں تو اب بھی جرأت نہیں تھی کہ بیٹے کے لیے بول سکیں۔ ان کے بعد فاطمہ بیگم کو جیسے چپ سی لگ گئی تھی۔ گھر میں جہاں سعدیہ اور شہرام کی لڑائیاں، جھگڑے اور قہقہے گونجا کرتے، اب ویرانی تھی۔ سنی اُداسی سی کمرے میں بند رہتی، شہرام بالکل مرجھا کر رہ گیا تھا۔ وہ سب چپ چاپ دیکھ رہی تھیں، وہ چاہتی تھیں کہ ان کے قہقہے پھر سے گھر میں گونجنے لگیں۔

■ ■ ■

"ردا! ردا میری بچی! مجھ پر یقین کرو۔ اپنی ماں پر نہیں تو اللہ پر تو ہے ناں یقین! بیٹا! تم یقین کرو مجھے افتخار صاحب سے کوئی لالچ نہیں تھا۔ بس ان سے عقیدت تھی، یہ جب اولاد کے لیے دُکھی ہوتے تو موی اور مجھے بے حد دُکھ ہوتا مگر ہم سوائے دُعا کے کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ پھر جب تم پیدا ہوئیں تو ان کے ہاں بھی بیٹی پیدا ہوئی مگر بدقسمتی سے بچی اسی روز وفات پا گئی... ان کی جان کے لالے پڑ گئے۔ تب ڈاکٹر نے کہا کہ اس صدمے میں ان کی جان بھی جا سکتی ہے۔ پھر میں نے اور موی نے صرف ایک انسانی زندگی بچانے کے لیے تمہیں ان کی گود میں ڈال دیا۔ بیٹا! ایک زندگی بچانے کے لیے ہم نے تمہیں خود سے جدا ضرور کیا ہے اگر اب تم ہمیں مجرم سمجھتی ہو تو جو چاہو سزا دے لو مگر اپنی ماں سے، مجھ سے بدگمان نہ ہو اور نہ ہی دولت کا لالچی کہہ کر ہمیں گالی دو۔ حقیقت تو یہ ہے کہ تمہیں افتخار صاحب کی گود میں ڈال کر میں نے ان کی ملازمت چھوڑ دی تھی۔ تمہارے سامنے بیٹھے ہیں پوچھ لو ان سے۔"

افتخار صاحب نے اختر اور موی کو پاکستان بلا لیا تھا کیونکہ ایک تو ردا اپنے والدین سے بدگمان ہو گئی تھی اور دوسرا شہرام سے منگنی ختم ہونے پر وہ بری طرح بکھر گئی تھی اور اختر بیٹی کو سمجھا رہے تھے، اس کی عدالت میں اپنی بے گناہی پیش کر رہے تھے۔

"یہ ٹھیک ہے ردا بیٹی! تمہارے والدین کتنے اچھے انسان اور خوددار لوگ ہیں تم نہیں جانتیں، تمہیں ہمیں دے کر اختر نے ہماری جاب چھوڑ دی کہ کہیں ہماری نظریں ان کے احسان کی وجہ سے جھک نہ جائیں یا ہم ان لوگوں پر زیادہ مہربان نہ ہو جائیں۔ میں جانتا ہوں جاب چھوڑ کر ان لوگوں نے کتنے مشکل حالات کا سامنا کیا ہے، تم کہہ رہی ہو لالچی... ارے بیٹا! اس شریف آدمی نے تو ساری مراعات جو تمہاری پیدائش سے پہلے دی تھیں وہ بھی واپس کر دی تھیں، تم تو دُنیا کی خوش نصیب لڑکی ہو جس کے والدین اتنے اچھے، اتنے مخلص اور بے غرض، بے لوث انسان ہیں۔"

حقیقت جان لینے کے بعد بدگمانی کی دُھند چھٹ گئی تو ردا کو اپنے ماں باپ بہت بلندی پر نظر آئے۔

"سوری..... سوری مما..... پاپا! میں نے کتنا غلط سمجھا۔" وہ مما اور پاپا سے معافیاں مانگ رہی تھی۔

"کیسی سوری..... میری جان! والدین کبھی اولاد سے ناراض ہوتے ہیں نہ بدگمان، تم اب جاؤ اپنے بھائیوں کے پاس، وہ تو ترستے رہتے ہیں کہ کب ان کی آپی کا موڈ اچھا ہو تو وہ ان سے بات کریں۔"

موی نے ردا کے بال سنوارتے ہوئے پیار سے کہا تو ردا کو اپنی ڈھیر ساری زیادتیاں یاد آ گئیں۔ فہد اور شہاب سے کتنا چاہتے تھے، اس سے بات کرنے کے لیے آگے بڑھتے تو وہ سفاکی سے آگے بڑھ جاتی، اب جلدی سے بھاگ کر ان دونوں کے پاس چلی گئی۔

"موی... پھر اب کیا کریں؟ آنٹی نے تو منع کر دیا ہے ردا کے لیے۔" مسز افتخار نے ردا کے جاتے ہی موی کو کاندھوں پر گھسیٹا۔ ماضی کی ایک ایک یاد آنکھوں میں تیرنے لگی۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تاریخ یوں اپنے آپ کو دُہرائے گی۔ بھابی..... ساری کہانی آپ کو پتا تو چل گئی ہے، بتایئے میں کیا کر سکتی ہوں؟ مسز فاطمہ زبیر اپنے سرکل سے کبھی نہیں نکلتیں، نہ ہی کسی کو اس میں داخل ہونے کی جسارت دیتی ہیں۔ فہد نے کیا کیا؟ اسی آئینے میں اپنا روپ سنوارنے لگی جو اس کی ماں سے چھین کر توڑ دیا گیا تھا؟" ایک ایک لمحہ تنہا گیا موی کو، کتنا تڑپے تھے وہ اور خرم ایک دوسرے کے لیے مگر فاطمہ بیگم نے اس سے پیچھا چھڑانے کے لیے اسے خرم کی زندگی سے نکال دیا تھا مگر دل سے نکالنے میں کبھی کامیاب نہیں ہوئی تھیں۔

■ ■ ■

"علیزہ! یہ دروازہ تو لاکڈ ہے، ہم کیسے نکلیں گے؟" خولہ رونے لگی، حواس تو علیزہ کے بھی معطل ہونے لگے مگر اس وقت اس کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔

"رو نہیں، اللہ سے دُعا کرو عزت بچا کر یہاں سے نکل جائیں۔" علیزہ نے خولہ کو اٹھایا اور خود تیزی سے ظفر کی طرف بڑھی جس کے بارے میں یہ بھی یقین نہیں تھا کہ وہ زندہ تھا کہ مر چکا تھا۔

"یہ رہی چابی!" علیزہ کو جو خیال آیا تھا وہ یہی تھا کہ دروازے کی چابی ظفر کے پاس ہوگی۔

"جلدی کرو تیزی سے!" دونوں خوف سے بند ہوتے دل کے ساتھ ہانپتی کانپتی روڈ تک آ گئیں، صبح کے ساڑھے پانچ بج رہے تھے، سڑکوں پر ابھی ٹریفک کا نام و نشان نہیں تھا، دونوں بری طرح بوکھلائی ہوئی تھیں، اندھا دُھند بھاگ رہی تھیں۔ اس بار جب روڈ کراس کرنے لگیں تو سامنے سے آتے ابرار کی گاڑی کے سامنے آتے آتے بچیں، ابرار جو کسی ضروری کام سے لیلیٰ کے پاس جا رہے تھے، شدید غصے میں بریک لگا کر باہر نکلے۔

"یو اسٹوپڈ گرلز! کون ہو تم لوگ؟ اس وقت یہاں کیا کر رہی ہو؟ اب اگر میں بریک نہ لگا پاتا تو تینوں مرتے۔"

وہ غصے میں ان کو ڈانٹے جا رہے تھے جو بری طرح خوفزدہ تھیں اور روئے جا رہی تھیں، ابرار ٹھٹھک گئے۔

"کون ہو تم لوگ؟ اور اس وقت....."

"انکل..... آپ جو کوئی بھی ہیں، ہمارا شجرہ نسب بعد میں جان لیجئے گا، پلیز! ہمیں یہاں سے لے

جایئے، ہم آپ کے احسان مند رہیں گے، آپ ہماری بات کا یقین کیجئے ہم سچ کہہ رہے ہیں، ہمارے ساتھ دھوکا ہوا ہے، ہم اس وقت خطرے میں ہیں۔ انکل! پلیز اس وقت ہمیں یہاں سے لے چلیے۔"

دونوں اس وقت جس حال اور حلیے میں تھیں، وہ ان کو مظلوم بھی بنا رہا تھا اور غلط بھی قرار دے رہا تھا۔ سا غلط تھا، کیا صحیح تھا وہ اس وقت اس کا فیصلہ نہیں کر سکتے ہیں۔ انہوں نے دونوں کو بٹھا لیا، دونوں اب خود کو محفوظ سمجھ رہی تھیں۔

"یہ آپ ہمیں کہاں لے جا رہے ہیں انکل!" اجنبی راستوں کی طرف جاتے دیکھ کر دونوں چلائیں۔

"جب تم لوگ اپنے گھروں کا پتا نہیں دو گی تو میں تمہیں پھر روڈ پر کسی غلط آدمی کے حوالے نہیں کر سکتا۔ فی الحال میرے ساتھ چلو، پھر ہم خود تم لوگوں کے گھر چھوڑ آئیں گے۔"

ابرار ان دونوں کو لیلیٰ کے گھر ہی لے آئے۔

"ہوں ...... اچھا تو لڑکیو ...... اب بتاؤ تم لوگ کون ہو ......؟ اور یہ سب کیا ہے"

خولہ کو اس لباس اور حلیے میں دیکھ کر لیلیٰ کو لگا کہ وہ آئینہ دیکھ رہی ہیں مگر پھر خیال آیا کہ ان کی بیٹی تو شہیار کے پاس ہے، وہ بھلا اس طرح تھوڑی ہو سکتی ہے۔ علیزہ خولہ کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ اب وہ محفوظ ہیں، ان کی جان بھی اور عزت بھی مگر اب اپنے خاندان کا اتا پتا کیسے بتائیں۔

"بیٹا! اگر تم لوگ نہیں بتاؤ گی تو ہم خود ہی کوئی کارروائی کریں گے تو اچھا نہیں ہوگا۔ خود بتاؤ! کیا بات ہے تاکہ ہمیں اندازہ ہو کون غلط ہے اور کون درست" [illegible] خولہ کا چہرہ ہاتھوں میں تھام لیا، دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا [illegible]

نہ جانے کیا سحر تھا کہ خولہ کا دل چاہا وہ اس عورت کے سینے سے لگ کر سب کچھ اگل دے اور پھر وہ اس خواہش کے زور پر بند سا باندھ سکی اور لیلیٰ کو تمام بات بتا دی۔ اس کی باتوں سے انہیں معلوم ہو گیا تھا یوں وقت اور حالات کی راہوں میں بے مول ہونے والی کوئی اور نہیں انہی کی بیٹی ہے جسے اس کا سفاک باپ بے دردی سے ان کی گود سے چھین کر لے گیا تھا، آج اللہ نے اسے کن حالات میں ان کی گود میں لوٹایا تھا۔

● ● ●

فرزین بڑی گہری اور شوخیاں لٹاتی نظروں سے وردہ کو دیکھ رہا تھا جو اس کی بے باکی، اس کے جملے کے پیچھے چھپی کسی سازش کو دیکھنے اور پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی۔ یہی خیال آنکھوں میں غصہ اور چہرے پر ناگواری سا بن کر اتر آیا۔

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے ناں کہ فرزین جو کہہ رہا ہو وہ کوئی دھوکا، فریب ہو ...؟ اس کی محبت ہو، خواہش ہو، طلب ہو ......؟"

دل تو سدا کا دیوانہ تھا، ہر بار فرزین کی حمایت کرتا تھا اور دماغ کی ہر دلیل کو محبت کی گلیوں میں لپیٹ کر رکھ جاتا تو وہ الجھ جاتی اور اس وقت بھی دھڑکنوں کی سی شوخ سرگوشی نے رخساروں کے رنگ بدل دیئے تھے، آنکھوں میں خوبصورت ان دیکھے خوابوں کی پرچھائیاں اتر آئی تھیں۔

"کاش! ایسا ہی ہو، یہ شخص جو اوپر سے اتنا خوبصورت اور وضع دار ہے، اندر سے بھی ایسا ہی ہو۔ واقعی دل سے طلبگار ہو تو ... تو اس خوبرو وجیہہ شخص کے ساتھ زندگی کتنی خوبصورت ہو جائے گی۔"

وہ ڈور کہیں خوابوں کی رہگزر پر نکل گئی تو اندر کا سارا حسن وردہ کے رخساروں پر اتر آیا۔ فرزین گہری نگاہوں سے دیکھے گیا پھر چٹکی بجا کر اسے واپس لے لیا۔

"کہتے ہیں میڈم! سائل کو زیادہ انتظار نہیں کروانا چاہیے۔ خالی کاسہ بددعا بھی دے سکتا ہے اس لیے ارمانوں بھرے دل کی دعا لیجیے اور ہاں کا سکہ ڈال دیجیے اس میں۔"

گہرے لہجے میں بولتا وہ اب بھی اپنی بات پر اڑا ہوا تھا۔ وردہ نے ایک تیز نگاہ اس پر، دوسری اس کے پھیلے ہاتھ پر ڈالی۔

"کچھ کشکول ایسے ہوتے ہیں ڈاکٹر فرزین آفاق صاحب! کہ ہاں تو کیا ان کے مقدر میں کسی کی اک نگاہِ التفات کا سکہ بھی نہیں ہوتا۔" نجانے کیوں ایسا ہوتا تھا کہ اس کی طرف بڑھتے بڑھتے وہ راستہ بدل لیا کرتی تھی، اس کے زہر خند انداز پر فرزین کو تاؤ تو بہت آیا مگر جانے کیا تھا اس لڑکی میں کہ وہ ہر بات برداشت نہ ہو پاتی یا دل برداشت کرنے پر مجبور کر دیتا، تھوڑا سا اس کی بات پر وہ بغور سے دیکھتا رہا۔

"کچھ کشکول ہوتے ہی اتنے منتظر ہیں کہ نہ چاہتے ہوئے بھی لوگ ان میں اک نگاہِ التفات تو کیا پوری جان سمیت آن بیٹھتے ہیں اس کشکول میں۔ اس لیے شرافت سے بتا دو کہ مجھ سے شادی کرو گی ناں ...؟"

وہ مزید اس کے قریب جھکا اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا پوچھ رہا تھا۔

"آپ [illegible] بیکار ہے۔" وہ تیز نظروں سے اسے دیکھتی آگے بڑھنے لگی تو وہ اس کے سامنے [illegible]

"اسی لیے تو کہہ رہا ہوں کہ بحث بیکار ہے، ہاں کر دو گی تو ساری بحث، لڑائی جھگڑا ادھر ہی رہ جائیں گے اور ہم تمام عمر چونچیں لڑاتے زندگی گزار دیں گے اور ہمارے بچے ......"

"مسٹر فرزین! آپ حد سے بڑھ رہے ہیں۔" وردہ غرائی۔

"اس تمام کا حل ہے شادی! دیکھو ناں اب تو ہمیں ڈاکٹر مان لیا گیا ہے، اب ہمیں اپنی عملی زندگی کی ابتداء کرنی ہے تو کیوں ناں میں اور تم"

تیز تیز بولتے کسی کسی جملے پر اس کا لہجہ گہرا ہو جاتا، آنکھوں میں قندیلیں روشن ہو جاتیں، اس لمحے میں وردہ بھی کچھ ڈول سی جاتی مگر جانے کیا بات تھی کہ وہ فرزین پر یقین کرنا نہیں چاہتی تھی۔

"مسٹر فرزین! یہ کیا آپ نے شادی، شادی کی رٹ لگا رکھی ہے ...؟ میں شادی کروں گی، ضرور کروں گی مگر آپ کے ساتھ نہیں کسی بہت اچھے قابل انسان کے ساتھ، جس پر مجھے اتنا اعتماد ہوگا، جو مجھے اتنا چاہے گا کہ میں جھوٹ بھی بولوں تو وہ سچ سمجھے۔ رہی آپ کی بات تو آپ دنیا کے آخری مرد بھی ہوتے تو بھی سوری!"

● ● ●

وردہ کے لہجے کی سختی، اس کے الفاظ کی سچائی کی ضمانت دے رہی تھی۔ اس کے الفاظ کا دھواں غزین کی آنکھوں سے ہوتا ہوا اس کے دماغ کو چڑھ گیا اور کچھ دیر پہلے دل کی جس خواہش نے بڑی خوبصورتی سے، بہت آہستگی سے اس کے ہونٹوں کو چھوا تھا، وہی لطیف، حساس غبار اس کی رگوں میں دھواں بھر گیا تو اس کے وجیہہ چہرے پر تناؤ سا آگیا۔ اس کے ہونٹ بھینچ گئے۔ اس کی نازک کلائی اس کی مضبوط مردانہ گرفت میں آگئی تو وردہ نے تکلیف کے ایک لمحے کے لیے اسے دم توڑتا ہوا محسوس ہوا اور اس باوقار تقریب میں اس کا جنگلی پن وردہ کی بے بسی آنکھوں میں تیر گئی۔

"آخری مرد.....؟ ہاں، آخری مرد.....؟" اس کا جملہ اس کی مردانگی سے کہیں نیچے آ گیا تھا۔ وہ کھول کھول اٹھا، دانت پیستے ہوئے شعلہ بار نگاہوں کو اس پر جمائے وہ سلگ اٹھا۔

"ذرا اس وقت سے ڈرو وردہ وجاہت.....! اگر تم اس آخری مرد کے لیے روؤ، تڑپو اور یہ آخری مرد تمہیں ٹھکرا کر آگے بڑھ جائے اور"

"شٹ اَپ! چھوڑو میرا ہاتھ اس سے پہلے کہ لوگ ہماری طرف متوجہ ہوں۔"

کلائی چھڑانے کی اپنی سی کوشش میں ناکامی کے بعد وردہ نے دبی دبی، گھٹی گھٹی سی آواز میں غزین سے کہا۔ جی چاہا اس وقت بے بس سی اس خود سر لڑکی کو مزید ہراساں کرے یا پھر ابھی سب کے سامنے اس کے ساتھ شادی کا اعلان کر کے اسے مزید تنگ کرے مگر جانے کیا بات تھی اندر کہیں اس کی محبت نے اشارہ کر دیا کہ محبت کو رسوا نہیں کرتے یا پھر کوئی ایسا خیال چپکے سے غیرت کو چھوتا ہوا گزر گیا کہ اس نے جھٹکے سے اس کی کلائی اس طرح چھوڑ دی کہ وہ گرتے گرتے بچی۔ اس کی حرکت پر آنسو موٹے موٹے قطروں کی صورت رخساروں پر پھسل گئے۔ غزین کو یہ بارش اپنے اندر اترتی محسوس ہوئی۔ اس نے ٹشو وردہ کی طرف بڑھا دیا۔ اپنی حرکت پر ہلکی سی ندامت چہرے پر آگئی۔

"یہ لو! ذرا آنسو صاف کر لو کیونکہ ہمیشہ بے وقت بے موسم کی بارش موضوع گفتگو بن جاتی ہے اور میں نہیں چاہتا کہ تمہارے یہ آنسو لوگوں کے ذہنوں میں کسی کہانی یا افسانے کو جنم دیں، جس کا کوئی انجام نہ ہو۔"

"مسٹر غزین! بہت بدنصیب ہوتے ہیں آپ جیسے لوگ جو اپنی حرکتوں اور باتوں کی وجہ سے نہ تو کسی کے دل میں جگہ بنا پاتے ہیں اور نہ ہی نظروں میں عزت بنا پاتے ہیں۔" جاتے جاتے پلٹ کر وردہ نے اپنا غبار نکالا کیونکہ اگر ابھی وہ اسے کچھ نہ کہتی تو خود کو ملامت کرتی رہتی کہ اس نے اسے منہ توڑ جواب کیوں نہ دیا مگر اس کی بات پر غزین کے ہونٹوں پر ایسی معنی خیز اور گہری مسکراہٹ آ گئی جو وردہ کی جان ہی رکھ گئی۔

"مجھے کسی کی نظر کی پروا ہے نہ دل کی پرواہ ہے تو اس کی نظر کی اور اپنے دل کی پروا ہے۔" غزین نے اس کی آنکھوں کی طرف اشارہ کر کے اپنے دل پر ہاتھ رکھا۔ اسی وقت شہلا دونوں کے قریب آ گئیں۔

"وردہ! چلیں بیٹا! کافی دیر ہو گئی ہے۔ غزین بیٹا! تمہارے والدین تمہارا کوئی گھر والا نہیں آیا؟"

"کس نے کہا کوئی نہیں آیا؟ میرا دل، میری نظر، میری محبت سب کچھ یہیں تو ہے۔" اس نے ایک ادا سے وردہ کی آنکھوں میں دیکھا۔ وہ نخوت سے مڑی تو وہ شہلا کا ہاتھ پکڑ کر اس کی ناراض پشت کو دیکھتے ہوئے مسکرایا۔

"آنٹی...! آپ نے ایسا کہا مجھے اچھا نہیں لگا۔ میں تو آپ لوگوں کو ہی اپنا سمجھتا ہوں، میرے گھر والے تو آپ ہی لوگ ہیں، افسوس ہوا کہ"

غزین کے لہجے میں جانے کہاں سے درد سمٹ آیا، چہرے پر کرب کا سایہ چھا گیا تو وردہ اس بہترین ایکٹر کو گھور کر رہ گئی۔ ابھی کچھ دیر پہلے وہ کتنا بے حیثیت لگ رہا تھا اور اب کسی بچے کی طرح معصوم اور شفقتوں کا ترسا ہوا لگ رہا تھا۔

"ارے غزین بیٹا.....! ایسی کوئی بات نہیں میں تو صرف اس لیے کہہ رہی تھی کہ چلو اسی بہانے تمہارے بابا سے ملاقات ہو جاتی۔ دراصل میں چاہتی تھی کہ" شہلا کی بات پر اس نے گہرا سانس لیا، یوں جیسے اندر کی ساری کثافت کو باہر نکالا ہو۔

"جن چاہتوں کے راستے میں بہانے آتے ہیں ناں آنٹی! میری نظر میں وہ چاہتیں پاور فل نہیں ہوتیں۔ چاہت کی طاقت تو یہ ہے آنٹی..! کہ انسان انجام کو سوچے جانے بغیر آگے بڑھے اور ہاتھ تھام لے۔ کیوں وردہ کیا خیال ہے؟ ایم آئی رائٹ؟"

وہ چند قدم دور کھڑی وردہ سے مخاطب تھا جس کے دل میں اس کے خلاف پھر طوفان سا اٹھا۔ وہ غصے سے پلٹی اور شعلہ بار نظروں سے غزین کو گھورا۔

"آف کورس ناٹ... ! چلئے ما! بہت دیر ہو رہی ہے، ممی پریشان ہو رہی ہوں گی۔"

وردہ نے شہلا کا ہاتھ پکڑا اور آگے بڑھی۔ شہلا کا دوسرا ہاتھ غزین کے ہاتھ میں تھا۔ ایک طرف وردہ، ایک طرف غزین، شہلا درمیان میں کھڑی مسکرا رہی تھیں۔ غزین نے ایک گہری نگاہ وردہ پر ڈالی جس کے چہرے پر غصے کی سرخی اسے شوخ کر گئی۔

"دیکھو وردہ.....! میرے اور تمہارے درمیان کتنا مضبوط برج ہے۔ کیوں آنٹی.....! ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں؟" نظریں وردہ پر، سوال شہلا سے اور اس سے پہلے کہ شہلا اس کی بات کا جواب دیتیں ان کے ذور کی

کوئی ڈاکٹر نظر آ گئیں تو وہ غزین کو ایکسکیوز کر کے ان کی طرف بڑھ گئیں۔ وردہ کو بھی بمشکل اس نکلنے کا موقع ملا گیا۔

"مما کو برج بنا کر آپ یہ مت سوچیے گا کہ مجھ تک پہنچ جائیں گے۔ ؟ کبھی کبھی پل ٹوٹ بھی جایا کرتے ہیں۔" اس کے لہجے میں اس کی نظر سے اس کے بے نفرت کے شعلے نکل رہے تھے۔ وہ چند قدم چل کر اس کے قریب آ گیا۔

"کبھی کبھی انسان نفرت میں وہ کہہ جاتا ہے جو نہیں کہنا چاہیے، وہ کر جاتا ہے جو نہیں کرنا چاہیے۔ یہ پل کو آپ ٹوٹ جانے کی بددعا دے رہی ہیں آپ کی بے حد لونگ مما ہیں۔ کتنا بڑا پتھروں جیسا حوصلہ ہے کہ دوسری بار بھی ماں کو کھو دینا چاہتی ہو۔ ؟ میری تو ساری زندگی ایک ماں کی تلاش میں غرق ہو گئی اور تم مجھ سے اتنی نفرت کر اپنی جنت کو دوسری بار گنوانے کا حوصلہ ہے تم میں۔۔۔ ؟ شیم آن یو! ارے مجھ سے پوچھو اس جنت کی قدر، بچپن سے آج تک کھوج رہا ہوں، ڈھونڈ رہا ہوں، خاک چھان رہا ہوں اس جنت کی تلاش میں مگر مجھے اس کا نشاں نہیں ملتا، کوئی اتہ پتہ نہیں ملتا، ایک بار مجھے جنت مل جائے تو ایک ایک سانس کے نام کر دوں، اپنی زندگی نچھاور کر کے روشن کر دوں، میں مر جاؤں وہ مل جائے۔ کاش ! کاش ایسا ہو جائے کہ میں مر جاؤں اور وہ مل جائے۔"

اس کا لہجہ جو کسی شعلے کی طرح بھڑک رہا تھا اسی شعلے کی طرح بھڑک بھڑک کے نہ صرف لو کم ہو گئی، آہستہ آہستہ وہ بجھ سا گیا۔ اس وقت وہ کتنا مختلف لگ رہا تھا، نہ چہرے پر عیاری مکاری، نہ شوخی، نہ شرارت۔ اس وقت اس کے وجیہہ چہرے پر کرب کے سائے تھے، ایک عجیب سی تلاش کا احساس تھا، سچائی ہی سچائی، انجانی ان دیکھی جنت کی متلاشی تھی۔ اس وقت اتنا مختلف اور دکھی لگ رہا تھا۔ وہ کہ وردہ اسے دیکھے گئی اور ہمدردانہ جذبے کے ساتھ کوئی اور جذبہ بھی چپکے سے دبے پاؤں اندر اتر گیا کہ وردہ روک بھی نہیں پائی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا ایسی صورت حال میں کیا کرے، وہ اپنی بے اعتباری کے، تنے ریکارڈ قائم کر چکا تھا کہ ہمدردی یا تسلی کا ایک لفظ کہنا نہیں چاہتی تھی، نجانے اس کی والدہ حیات تھیں یا والدین میں علیحدگی ہو چکی تھی، ایسا ہی کچھ تھا جس نے اس کی زندگی کو ادھورا کر رکھا تھا، کیا رشتہ تھا یا حقیقت تھی، یہ جانے کی وردہ کی شدید خواہش تو تھی مگر یہ خواہش اس کے قدموں کی زنجیر نہیں بنی۔ تب ہی وہ بظاہر بے نیازی سے آگے بڑھی۔

"میری اس جنت کی تلاش میں میری مدد کرو گی۔۔۔۔۔؟ پلیز۔۔۔!"

بہت دھیمے سے لہجے میں التجا کی مگر وہ پلٹے بغیر ٹھہر گئی۔ دل تھا کہ ہاتھ جڑ جانے پر مصر ہو گیا، دماغ تھا کہ پہرے دار بن گیا، جلاد نگران بن گیا، گردن کو مڑنے کی اجازت دی نہ پلک اٹھنے کی۔

"آئی نیڈ یو وردہ۔ آئی نیڈ یو وردہ۔" التجا میں اصرار ابھرا، گردن ذرا سی خم ہوئی، دل تڑپا، دماغ نے پھر ڈپٹ کر تھمایا۔

"پلیز وردہ۔۔۔۔۔ ہیلپ می۔۔۔۔۔! کیونکہ تمہاری ہیلپ کے بغیر یہ ممکن ہی نہیں۔"

اس کی انا، خودداری کا زیادہ امتحان لینے کی بجائے وہ سوالی بنا اس کے سامنے آن کھڑا ہوا تو ایک سے

سے وہ اس خوبرو، عجیب شخص کو دیکھ کر رہ گئی جو باقاعدہ ہاتھ پھیلائے سوالی بنا کھڑا اس کی مدد کی بھیک مانگ رہا تھا اور الجھن، کشمکش سے مڑتی وہ کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی کہ آیا اس کا یہ روپ اصلی ہے، آیا واقعی اس روپ کی کوئی کہانی ہے، حقیقت ہے یا یہ بھی ڈرامہ ہے، دھوکہ ہے، فریب ہے۔

"نہیں ! غزین ڈگی ہے، محروم تمنا ہے، اس کے اس روپ کے پیچھے یقیناً کوئی کہانی ہے ورنہ اس قدر اسمارٹ، ہینڈسم، خوبرو شخص ایسے کیوں ہونے لگا ؟ مجھے اس کی مدد کرنی چاہیے۔"

دل تو ہوتا ہی دیوانہ، اس مشورے نے ثابت کر دیا تو دماغ نے غزین کی اس حرکت کو ہمدردی سے دیکھنے کا حکم دیا۔ اس نے اس حکم پر عمل کرتے ہوئے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو اگنور کیا اور آگے بڑھ گئی اور اس کا یہ انداز غزین کو کھولا گیا۔ اس نے اس کی کلائی پھر زور سے پکڑ لی اور اسی چہرے پر جس پر کچھ دیر قبل ایک اداسی ویرانی اور کھوج تھی اسی چہرے پر تناؤ آ گیا، ایک ایسی تحریر جو وردہ سے پڑھی نہیں گئی مگر تھی اس کے نام۔ اس کے ہونٹوں سے نکلا ہر لفظ جب چھوا تو وہ سسک پڑی۔

"لسن ٹو می کیئرفلی ڈاکٹر وردہ وجاہت۔۔۔ مجھے تمہاری ضرورت ہے، تم محض میری ضرورت ہو اور کے ! تمہارے دل یا دماغ کے کسی ہزارویں حصے میں بھی، کہ یہ خوش فہمی یا غلط فہمی ہے تو اسے دھو ڈالو اس لیے کہ تم میری محبت نہیں میری ضرورت ہو، تم اگر میری محبت ہوتیں ناں تو میں ہرگز ہاتھ پھیلا کر تمہارا طلبگار نہ بنتا، التجا نہ کرتا کیونکہ میں کمزور مرد نہیں ہوں کہ محض محبت میں مجبور ہو جاؤں کہ نفرت کرتی ہوئی محبوبہ کے سامنے ہاتھ پھیلا دوں۔ تم محض میری ضرورت ہو، میری کھوئی ہوئی جنت کا پتہ ہو، انڈر اسٹینڈ ! چاہتے ہوئے یا نہ چاہتے ہوئے تمہیں میری ضرورت پوری کرنا ہے، ورنہ تو آئی ول کل یو، تمہارا کیا خیال ہے ڈاکٹر قتل نہیں کر سکتے، جان نہیں لے سکتے ؟ آزما کے دیکھ لو، اگر میرا کہا نہ کیا تو یہ سب کچھ سچ ہو جائے گا، سچ۔۔۔۔۔"

ایک ایک لفظ کو دانتوں تلے پیستے ہوئے غزین نے دھیمے اور سرد لہجے میں کہا اور پہلے کی طرح جھٹکے سے اسے خوش فہمی یا غلط فہمی سے نکالتا ہوا آگے بڑھ گیا اور وہ گم ہوتے حواسوں کے ساتھ اسے بلیک سفاری کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر طوفانی انداز میں گیٹ سے باہر نکلتے دیکھا۔ گیٹ سے باہر نکلتے ہی مین روڈ پر ایک ساتھ کئی بریک چرچرائے۔

"اللہ حافظ غزین۔۔!" اس کی سلامتی کی یہ دعا مخالفت کے اتنے بڑے ہجوم سے رستہ بناتی جانے کیسے ہونٹوں کو چھوتی غزین کا حصار کر گئی اور وہ ایک ممکنہ حادثے سے بال بال بچ گیا اور وہ سہمی سہمی شہلا کے ساتھ گھر آ گئی۔ تمام رات اپنے ہاتھ پر اس کا لمس محسوس کرتی وہ اسی کے بارے میں سوچتے ہوئے جانے کب سو گئی۔

● ● ●

"آج تو انکل کی طبیعت کافی بہتر لگ رہی ہے غزین۔۔۔! عجیب سی روشنی ہے ان کے چہرے پر۔"

اسعد نے آفاق صاحب کو غور سے دیکھتے ہوئے خوش ہو کر کہا تو غزین نے پلٹ کر چبھتی نظروں سے ان کو دیکھا۔

"مجھے ان کی صحت اور زندگی بخش کرنوں سے کوئی غرض ہے نہ خوشی ہے جن کی روشنی میں مجھے میری گمشدہ جنت نظر نہیں آتی، میری زندگی کا سکون نظر نہیں آتا، مجھے اس سے خوشی کیونکر ہو سکتی ہے ؟ لیکن اب"

غزین کے اندر طوفان اُٹھ رہے تھے اور طوفان کی شدت کا اندازہ اس کی آنکھوں سے باآسانی ہو رہا تھا

"اور ...اور اب وہ ہو گا اسد۔ جس سے میں جاں بچاتا رہا، چھپتا رہا، دُعائیں کرتا رہا کہ ایسا... میں ایسا نہ کروں مگر کبھی کبھی زندگی ہمیں ایسے راستے پر ڈال دیتی ہے جس پر ہم چلنا نہیں چاہتے مگر اس پر چلنا ہماری مجبوری، ہماری سزا بنا دیا جاتا ہے اور..." بولتے بولتے اس کی آواز دبنے لگی۔

"پھر سوچ لو غزین! مت چلو اس راستے پر جس کی کوئی منزل نہیں، سب کچھ کھو دو گے تم۔ اسے کچھ گنوا دو گے تم... اور وہ کو کھو دو گے؟ وردہ تمہاری محبت ہے، محبت کھو دو گے تو تمہارا دل سودائی کے گھر کی طرح ویران اور سنسان ہو جائے گا، اتنی گھٹن اور اندھیرا ہو گا کہ تمہارا دم گھٹنے لگے گا۔"

"تو اب تک میں نے سانس لیا کب ہے... اسد؟ میرا گھر آباد ہوا کب ہے؟ کہ اُجڑ جانے کا اندیشہ ہو۔ وردہ میری محبت ہے، سب کچھ نہیں۔ یہ وردہ، اس کی محبت، اس سب کا ایک حصہ ہے، ایک جز ہے جو میرے پاس نہیں۔ جس کی تلاش میں، جس کی چاہ میں میں پاگل دیوانہ ہو گیا ہوں، ایک دیوانے کو اتنا بھی حق نہیں کہ وہ خود کا لمحہ ہی جی لے۔ سکون کے ایک پل کا جگنو اپنی مٹھی میں بند کر لے؟ کیوں؟ کیوں حق نہیں دیتے یہ لوگ ایک دیوانے کو جس نے اپنا یہ حق مانگا، اس پر اس نے مانگا، درخواست کی، التجا کی مگر اس نے حقارت سے ٹھکرایا اور آگے بڑھ گئی۔ کیا اس میں اتنا بھی ظرف نہیں کہ ایک ڈوبتے ہوئے انسان کو ہاتھ بڑھا کر ڈوبنے سے بچا لے؟ ٹھیک ہے، ایسا ہے تو ایسا ہی، اب وہی ہو گا جو میں نے سوچ رکھا ہے۔ قسم سے بہت درد ہے دل میں اسد... اب نہیں مجھ سے برداشت نہیں ہوتی۔ اب نہیں، اسے آنا ہی ہو گا آج ڈاکٹر سے ڈاکو بھی بننا پڑا تو پروا نہیں۔"

اس کے جو عزائم تھے اسد کو معلوم ہو چکا تھا۔ وہ خوف سے باہر جاتے غزین کی طرف بڑھا۔

"غزین! رُک جاؤ... تم تباہی کی طرف جا رہے ہو... رُک جاؤ۔"

● ● ●

"شہباز... شہباز کہاں ہو تم! اس طرح لوٹائی ہے میری بیٹی مجھے؟ قدموں کی دھول کی صورت؟ ایک گالی، ایک بدنامی کی صورت؟ یا اللہ! یہ... یہ کیا ہے؟ یہ کس کے گناہوں کی سزا ہے؟ میرے اس شوق کی سزا یا شہباز کے غرور اور بڑے بولوں کی سزا ہے؟ میرے پروردگار! اچھا تھا یہ سب کیوں ہوا...؟ میں نے بیٹی دوبارہ مانگی تھی میرے پروردگار... مگر اس ذلت کے لبادے میں لپٹی ہوئی نہیں؟ شاید تیری ذات واحد کو ایسا ملاپ ہی منظور ہو لیکن یہ ساری برائیاں انسان خود کرتا ہے، اپنے نفس کے ہاتھوں مجبور ہو کر کرتا ہے، پھر کہتا ہے خدا کو ایسا ہی منظور تھا، نہیں! خدا کو ہمیشہ اچھا اور بہتر منظور ہوتا ہے، اللہ کبھی اپنے بندے کے لئے برا نہیں کرتا، اچھا کرتا ہے، انسان خود اپنے لیے برا کرتا ہے اور... اور ہم نے اپنے ساتھ برا کیا۔ شہباز... کہاں ہو؟ آ کر دیکھو! جس بیٹی کو تم ایک مثالی لڑکی بنانے کے لیے ماں کی گود سے چھین کر لے گئے تھے آج وقت اور حالات نے کس طرح، کس انداز میں ماں کی گود میں ڈالی ہے کہ میری گود بھڑک اٹھی ہے شعلوں سے...؟"

خورہ کے بارے میں سارے حقائق جان کر لیلیٰ گویا غم وغصے کی شدت سے پاگل ہو گئیں۔ ان کا بس چلتا

تو ابھی اسی وقت شہباز کو بدتیں اور اپنے سارے زخموں کا حساب لیتیں۔ وہ خولہ کو ساتھ لگائے پاگلوں کی طرح رو رہی تھیں اور خولہ جس نے ماں کے بارے میں یہی سنا تھا کہ وہ خود غرض، خود پرست عورت تھی، اپنے شوق وجنون میں اس نے بیٹی کی بھی پروا نہیں کی اور اس کہانی کے نقشوں کو جوڑ کر خورہ نے جو اپنی ماں کی تصویر بنائی تھی وہ ویسی تو تھی ہی پردے میں لپٹی لڑکیوں کی مدد کے لیے ادارہ چلاتی جس کے کردار کی پاکیزگی اس کے چہرے اور آنکھوں میں کرنوں کی صورت نظر آ رہی تھی۔ اس نے تو سوچ تھا کہ جیسے باپ نے بتایا ہے وہ ایک بے حد حسین، بے باک عورت ہو گی جو ماڈلنگ کر کے یا ایکٹنگ کر کے اپنے حسن کی نمائش کرتی ہو گی۔ تب ہی تو اس نے اپنی ماں کو کسی اچھی اور پاکیزہ سوچ میں نہیں ڈھالا تھا لیکن جانے اللہ کی کیا مصلحت تھی کہ آج جب وہ ظاہر ذلت کے لبادے میں لپٹی تھی تو اللہ نے ماں کی گود میں لا ڈالا تھا۔

لیلیٰ کی طبیعت بگڑنے لگی تو خرم نے بڑھ کر اسے ساتھ لگایا۔

"صبر کرو میری بہن! تمہیں تمہاری بیٹی خدا نے واپس کر دی۔" لیلیٰ کے ساتھ انہوں نے خولہ کو بھی ساتھ لگایا تو خولہ کو انکل کے لیے، اپنے بابا سے نفرت محسوس ہونے لگی کہ کتنا خود غرض انسان تھا کہ اسے اپنے پیارے رشتوں سے دور رکھا۔

"بھائی! یہ میرے اللہ کا مجھ پر کرم ہے کہ اس نے مجھے بیٹی لوٹا دی مگر بھائی! شہباز نے اسے کن حالات کے سپرد کر دیا اور یہ میرے پاس کن حالات میں آئی ہے؟ بیٹیاں تو عزت ہوتی ہیں، عزاز ہوتی ہیں، اس خود غرض انسان نے اسے ذلت کی صورت میں لوٹایا ہے، جن عزائم کے ساتھ لے کر گیا تھا اگر اسی طرح مکمل سلامتی... مجھے میری خولہ کو لوٹاتا تو میں اسے سب کچھ معاف کر دیتی مگر..."

"لیلیٰ! اللہ بڑا مصلحت... ہے، شہباز نے تمہارے ساتھ جو زیادتی کی اس کی سزا ابھی تو اس کو ملنی تھی ناں؟ اگر وہ اپنے عزائم کے مطابق بیٹی کی تربیت کر پاتا تو اسے کیسے احساس ہوتا کہ تم بے قصور تھیں اور بے قصور کو سزا دینے کا انجام کیا ہوتا ہے؟ اسے بھی معلوم ہونا چاہیے۔"

"تو پھر سے جلدی سے بلوا لیجئے بھیا! میں اب مزید برداشت نہیں کر سکتی۔ اس نے میری گود اجاڑ کر میری کلیوں جیسی بیٹی کو حادثے کے کانٹوں کے حوالے کیسے کر دیا...؟"

لیلیٰ بار بار خولہ کو ساتھ لگائے تڑپ تڑپ کر رو رہی تھیں۔

"لیلیٰ... خدا کا شکر ہے کہ ہماری بیٹی ہمارے پاس پہنچ گئی ہے۔"

"برار... پہلے تو آپ خورہ کی کیئر ٹیکر عطیہ خاتون کو بتائیں۔"

"نہیں ممی... ممی! عطیہ خاتون بہت اچھی ہیں، میں نے اگر ماں کو پہچانا ہے تو عطیہ خاتون کے ذریعے، ماں ایسی ہو سکتی ہے کہ اپنی خوشی، آرام، سکون پر اولاد کو ترجیح دیتی ہے تو یہ روپ میں نے عطیہ خاتون کے روپ میں دیکھا۔ ہاں! اگر کوئی میرا مجرم ہے تو بابا ہیں، عطیہ خاتون بہت اچھی ہیں، ممی! ان کو کچھ مت کہیے گا، پلیز!"

خولہ کو عطیہ خاتون سے بہت محبت تھی، وہ بری طرح گھبرا گئی کہ اب جانے ان کے ساتھ کیا کیا جائے گا۔

"ارے نہیں خولہ بیٹی! ہم آپ کی عطیہ خاتون کو کچھ کیوں کہیں گے؟ بلکہ ان سے عزت کے

ساتھ شہباز کے بارے میں پوچھیں گے اور ان کا شکریہ ادا کریں گے کہ انہوں نے ہماری بیٹی کا خیال رکھا، تربیت کی۔"

"میں مما.....! میں بہت بری ہوں، بہت خودسر اور ہٹ دھرم ہوں، میں عطیہ خاتون سے نظریں نہیں ملا سکتی، مجھے چھپا لیجئے میں ان کا سامنا نہیں کر سکتی۔" خورہ کو واقعی شرمندگی ہو رہی تھی۔ وہ خود کو عطیہ خاتون کا سامنا کرنے کے لائق نہیں سمجھتی تھی، وہ لیلیٰ کی گود میں منہ چھپا کر رونے لگی۔ کتنا تحفظ، کتنا سکون تھا اس پناہ گاہ میں جتنا اسے لیلیٰ سے محبت اور سکون محسوس ہو رہا تھا، اتنا ہی اسے شہباز سے نفرت محسوس ہو رہی تھی جس نے اسے جنت اور محبت کے اس ٹھنڈے میٹھے چشمے سے محروم رکھا۔

ان سب باتوں سے الگ گم سم سی عنیزہ حیرت اور دکھ سے پھٹی آنکھوں کے ساتھ یہ سب دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ خورہ کو تو قسمت کی اس دھوپ سے موتی مل گئے اور جو دوبھیے بھائی کا اعتماد، مما کی آنکھوں میں پیار اور ارمغان جیسے اچھے انسان کی محبت کیا نہیں گنوا بیٹھی تھی؟ وہ سعدیہ اور شہرام، خرم کے کھنچنے پر اس کا ہر خیال کر رہے تھے مگر وہ جیسے پتھر کی ہو گئی تھی۔ اس کا سب کچھ نفرت، حسد اور خود غرضی کے ریلے میں بہہ گیا تھا، اب اس کے ہاتھ میں کوئی اعزاز نہیں رہا تھا۔ اب کون اس کا منتظر ہوگا وہ ایک رات باہر گزارنے والی لڑکی کو اسے کون قبول کرے گا۔ یہ سب سوچیں دھواں بن کر آنکھوں میں اتر رہی تھیں، عجیب گھٹن ہو رہی تھی، اندر کہیں وہ پھٹ پڑنا چاہتی تھی، چیخنا چاہتی تھی مگر اس کے اور خورہ کے حالات بہت مختلف تھے، وہ خالی خالی آنکھوں سے سارے منظر دیکھ رہی تھی۔

"خرم! میں نے پتہ کروایا ہے عطیہ خاتون ہاسپٹل میں ہیں اس لیے ہمیں خود ہاسپٹل جانا چاہیے۔" برار نے بتایا۔

"عطیہ خاتون بیمار ہیں۔۔۔؟ انکل! کیا ہوا ہے عطیہ خاتون کو؟ ہاں! معلوم ہے مجھے ان کو کیا ہوا ہے؟ وہ میری وجہ سے ہاسپٹل گئی ہیں۔ تف ہے مجھ پر! میں کتنی بری ہوں، اپنی عطیہ خاتون کی بات نہیں مانی، اپنی خودسری اور ہٹ دھرمی سے میں نے ان کو بابا کی نظروں میں گرا دیا۔ عطیہ خاتون نے کہا تھا کہ اگر میں نے ایسی ویسی حرکت کر کے ان کی عزت بابا کی نظروں سے گرا دی تو وہ زندہ نہیں رہیں گی۔ کہیں عطیہ خاتون نے خود۔۔۔" خورہ روتے روتے چیخی اور دروازے کی طرف بھاگی تو خود برار اور خرم کے قابو سے باہر ہو رہی تھی۔ خورہ کو شبہ ہی نہیں یقین تھا کہ اس کی اس حرکت کی وجہ سے عطیہ خاتون نے یقیناً خودکشی کر لی ہوگی۔

"خورہ! خورہ بیٹا! ہم ہیں ناں۔۔۔؟ ہم دیکھ لیتے ہیں کیا بات ہے۔۔۔؟ تم رکو تو سہی۔"

"نہیں! نہیں ماموں! میں عطیہ خاتون کی مجرم ہوں، مجھے ان کے پاؤں پکڑ کر معافی مانگنی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو میں بھی خود کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔"

"خورہ! میری گڑیا! تم نے قصور ہی کیا کیا ہے؟" لیلیٰ ماں تھیں ناں، بیٹی کو یوں تڑپتا دیکھ مچل گئیں۔

"آپ۔۔۔ آپ نہیں جانتیں مما! کہ میں نے کیا کیا ہے؟ کتنا دل دکھایا ہے عطیہ خاتون کا،

میں نے ان کو بابا کی نظروں میں گرا دیا ہے، وہ یہ ذلت ہرگز برداشت نہیں کر پائیں گی، وہ زندہ نہیں رہیں گی مما.....! اور اگر میری عطیہ خاتون کو کچھ ہوا تو میں بھی زندہ نہیں رہوں گی۔"

"چپ رہو! باپ کے پاس تھی تو زندگی کے لیے ترستی رہیں اور اب ماں کو ملی ہو تو مرنے کی باتیں کر رہی ہو وہ بھی ایک غیر عورت کے لیے؟" لمحہ بھر کے لیے لیلیٰ کو عطیہ خاتون سے حسد محسوس ہوا خورہ کی محبت دیکھ کر۔

"کیا کہا آپ نے.........؟ غیر عورت......؟ عطیہ خاتون غیر عورت ہیں......؟" اس نے ایک جھٹکے سے لیلیٰ کو خود سے الگ کر دیا تو اسی جھٹکے نے خورہ کی زندگی میں عطیہ خاتون کی اہمیت بتا دی تو وہ اپنی سوچ پر شرمندہ ہو گئیں۔ انہوں نے خورہ کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر پیار کیا۔

"تو پھر مجھے بھی اپنی عطیہ خاتون کے پاس لے کر چلو جان.....! میں تو اس عورت کو دیکھنا چاہتی ہوں جس نے صحیح معنوں میں تمہارا بچپن جیا ہے، تمہارے قرب کا ایک ایک لمحہ محسوس کیا، پہلی بار چلتے ہوئے تمہاری انگلی پکڑی، تمہاری پہلی شرارت دیکھی ہوگی، اسی عطیہ خاتون نے میرے حقوق کو جیا ہے اور میں ترستی رہی۔" زندگی بھر کی خلش، تڑپ، محرومی لیلیٰ کے لہجے میں اتر آئی۔ عطیہ خاتون کے لیے خورہ کی محبت اور تڑپ نے ایک عجیب بے نام سا احساس کمتری اندر اتار دیا تھا۔

"مما.....! جلدی سے عطیہ خاتون کے پاس چلیں، انہیں کچھ ہو گیا تو۔۔۔"

"بس! بس آگے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ خورہ! میری جان! چلو ہم چلتے ہیں۔" لیلیٰ خورہ کو لے کر آگے بڑھیں تو [illegible] کی طرف [illegible] بھی عنیزہ کی طرف مڑیں۔

[illegible] بھی [illegible] بیٹی کو پا کر وہ اسے کس طرح نظر انداز کر گئی تھیں۔

"نہیں آنٹی! آپ میری فکر نہ کریں، میں اپنے گھر خود چلی جاؤں گی۔" عنیزہ کے گھرے لہجے میں کسی ہارے ہوئے، لٹے ہوئے قافلے کے سردار جیسی ٹوٹی ہمت اور تھکن تھی۔

"نہیں بیٹا! ہم ذرا ہاسپٹل سے ہو آئیں پھر میں اور ابرار تمہیں خود چھوڑ کر آئیں گے، تب تک آپ گھر پر رکو۔" خرم نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو وہ ایک نظر ان کو دیکھ کر رہ گئی۔ مزید کچھ کہہ نہ سکی۔

"جی بہتر۔" وہ چپ چاپ بیٹھ گئی، صرف سنی اس کے پاس تھی باقی سب ہاسپٹل جا چکے تھے۔ سنی اس کا دل بہلانے کے لیے ادھر ادھر کی باتیں کر رہی تھیں اور وہ اندر اترتی ذلت کی شام سے خوفزدہ ہو رہی تھی۔ بچپن سے اب تک کے واقعات گڈمڈ ہو رہے تھے، شہلا کی محبت، قربانی، پھر ارمغان جیسے اچھے شخص کی محبت، توجہ اور اپنی حقارت، بے وجہ کی نفرت، حسد، جس نے سب کچھ جلا کر خاکستر کر ڈالا تھا۔ وہ آگے کی رہی تھی نہ پیچھے کی۔ وہ کتنے فائدے میں رہی تھی، ہر وقت ہر لمحہ اس نے مما کی محبت کے موتی سمیٹے تھے، ارمغان جیسا شخص تو واقعی اسے ہی ملنا چاہیے تھا۔

"آپ! آپ کیا سوچ رہی ہیں؟" سنی نے دوسری بار اس کے سامنے چائے اور دیگر لوازمات لا کر رکھے جن کو اس نے پہلے بھی ہاتھ نہیں لگایا تھا اور اب بھی لگانے کا ارادہ نہیں تھا۔

"آ۔۔۔ آپ کہاں جا رہی ہیں؟ سب کو آنے دیں ورنہ پھپھو اور پاپا مجھے ڈانٹیں گے۔ ابھی مت

جائیں۔" علیزہ کو دروازے کی طرف بڑھتے دیکھ کر سنی اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی تو علیزہ نے بے حد مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"تم بہت پیاری لڑکی ہو، پلی اب تک کی زندگی کا نچوڑ تمہیں بتاؤں کہ کبھی اپنی خودسری میں اپنے چاہنے والوں کا مت توڑنا ورنہ خود ٹوٹ کر اتنے ٹکڑوں میں بٹ جاؤ گی کہ سمیٹنا مشکل ہو جائے گا۔ بڑے بوڑھوں کی بات پر عمل کرنا اور ضرورت بے ہر گز رہنے والی لڑکیوں کی زندگی میں رات کی تاریکی ٹھہر جاتی ہے۔ کبھی سحر نہیں ہوتی، روشنی نہیں پھیلتی، واپسی کا راستہ کتنا ہی مختصر کیوں نہ ہو ختم نہیں ہوتا، کبھی ختم نہیں ہوتا۔" علیزہ ٹوٹتے لہجے میں باہر نکل گئی۔

"ٹھیک ہے، آپ جو کہہ رہی ہیں درست کہہ رہی ہیں، میں آپ کی بات پر عمل بھی کروں گی مگر جائیں تو نہیں، پاپا نے کہا تھا کہ میں آپ کا خیال رکھوں۔" سنی ہر ممکن کوشش کر رہی تھی کہ وہ نہ جائے مگر علیزہ اٹھ چکی تھی، اس کی بات پر وہ پھر چلی۔

"جو لوگ خود اپنا خیال نہیں رکھ سکتے ناں سنی...... اور وہ اس قابل ہوتے ہی نہیں کہ کوئی ان کا خیال رکھے، خدا حافظ...... پھر ملیں گے اگر خدا نے ملایا۔" پھر سنی روتی ہی رہ گئی، وہ اپنے خدا حافظ کہتی نکل آئی۔ کتنی اکیلی ہو گئی تھی وہ، کتنی تنہا سی، جب گئی تھی تو اس کے ساتھ اس کی عزت تھی، ایک وقار، خودسری، ہٹ دھرمی سب ہی کچھ تھا اس کے پاس مگر اب خالی دامن خالی ہاتھ بڑھ رہی تھی، قدم سرد تھے، دل سنسان تھا، آنکھیں ویران تھیں۔

وہ اپنے چھوٹے بھائی کی عدالت میں تمام اعترافات کے ساتھ بیٹھی تھی مگر جواد نے ایک لفظ بھی نہیں [illegible] تھا، نہ دیکھا۔ ارمغان اپنے کمرے میں بند تھا۔ علیزہ [illegible] آنکھیں اسے پسند نہیں تھیں، اسے تو وہی علیزہ پسند تھی جو ہٹ دھرم تھی، اس سے لڑتی ضرور تھی مگر مکمل تھی، سب اپنے ہونے کا زعم کہیں گنوا آئی تھی، وہ اپنی خودسری ہٹ دھرمی کا سودا کر آئی تھی، اپنے ناز و انداز کھو آئی تھی ارمغان نے اسی اکھڑ بد مزاج علیزہ کو چاہا تھا جس کی آنکھیں ندامت سے نہیں جھکی تھیں۔ علیزہ جیسے ہی مرے قدموں اور ندامتوں کے بوجھ سے جھکی گردن کے ساتھ گھر میں داخل ہوئی تھی ارمغان کے لیے یہ منظر قابل برداشت تھا اور اسی وقت سے اپنے کمرے میں بند تھا جبکہ جواد بھی نہ ہونے کا ثبوت دے رہا تھا اور دونوں کے اسی سرد خاموش رویے نے علیزہ کو اپنی نظروں میں گرا دیا تھا۔ اس کے اندر طوفان اٹھ رہے تھے، وہ چاہتی تھی جواد اور ارمغان مل کر اسے خوب برا بھلا کہیں، اسے ڈانٹیں، اس طرح ان کی نظروں سے گر کر اسے جینے کا کوئی شوق نہیں رہا تھا۔ وہ اٹھی، اور قالین پر بیٹھے جواد کے قدموں میں جا بیٹھی۔ جواد نے چونک کر اسے دیکھا اور اسی دم کھڑا ہو گیا۔

"جواد! مت موڑو میری طرف سے منہ، مت پھیرو نظریں، مجرم کو سزا دی جاتی ہے، گناہ گار کو سزا دی جاتی ہے، میں بھی مجرم ہوں، گناہ گار ہوں، مجھے سزا دو۔ لیکن ٹھیک ہے سزا تو تم دونوں نے دے دی ہے مجھے، مجھ سے نظریں پھیر کر، مجھ پر اعتماد نہ کر کے نفرت سے منہ موڑ کر سزا دے تو دی ہے تم دونوں نے مجھے، اب مار بھی ڈالو قتل کر دو۔ میرے بھائی! میں مجرم ہوں، گناہ گار ہوں، مجھے سزا دو، میں بری ہوں

خودسر ہوں، ہٹ دھرم ہوں۔ مگر میرا یقین کرو جواد بھائی ..... میرے کردار کی چادر اب بھی شفاف ہے، بے داغ ہے، ہم نے گناہ کیا ضرور ہے تم لوگوں کی بات نہ مان کر، اپنی خودسری دکھا کر محبتوں کو جھٹلا کر جو گناہ مجھ سے ہوا اس کی سزا تو ملنی چاہیے تھی مگر میرے پروردگار نے میری عزت محفوظ رکھی، میری اور خولہ کی عزت بچا لی، اگر اب بھی یقین نہ آئے تو میں تمہیں اپنا خون معاف کرتی ہوں، جان سے مار دو مجھے کیونکہ میں تم کو منہ دکھانے قابل نہیں رہی ہوں، نہ ہی ارمغان جیسے انسان کی محبت کے قابل رہی ہوں۔ میرے بھائی...... میں نے تمہارا دل دکھایا اور اس رشتے کا الزام لگایا جس کا اظہار بھی سوتیلی ماں نے نہ کیا، میں نے اس رشتے کے بھانے کا الزام لگا دیا۔ میں غلط تھی۔ بھائی! میں تمہاری گناہ گار ہوں پلیز! مجھے معاف کر دو۔"

علیزہ پھر اس کے پیروں پر گری تو جواد تڑپ اٹھا اور اس نے جھک کر بہن کو ساتھ لگا لیا۔ دونوں کتنی دیر روتے رہے۔

جواد! تمہیں میری بات پر یقین ہے ناں؟" وہ اس کا چہرہ ہاتھوں میں تھامے اپنی بات کی سچائی کی تصدیق چاہ رہی تھی۔

"ہاں آپی...... مجھے اس بات پر یقین ہے، اس یقین کو منوانے کے لیے شاید سب سے جنگ کرنا ہو گی اور شاید آپ یہ جنگ جیت بھی جائیں مگر اکیلی نہیں۔"

جواد کچھ کہتے کہتے رہ گیا تھا کیونکہ وہ ارمغان کی دیوانگی کو بھی جانتا تھا کہ ارمغان علیزہ کے لیے جان بھی دے سکتا تھا مگر جب سے یہ بات ہوئی تھی وہ بالکل چپ تھا۔ اس کی خاموشی کے ایک نہیں کئی مطلب تھے۔ آپی خاموش ہو گیا۔

"ہاں [illegible] ٹھیک ہی تو کہہ رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ انسان جسے ہم اپنی زندگی میں کوئی حیثیت نہیں دیتے اور سمجھتے ہیں کہ اس کے آنے جانے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا وہی شخص کتنا اہم ہو جاتا ہے کہ اس کی خاموشی بھی تیر کی طرح دل کو لگتی ہے جیسے ارمغان۔

وہ ارمغان جسے وہ دو روز کے لیے بھی پسند نہیں کرتی تھی اس کی لاتعلقی پریشان کر رہی تھی، اس کے کمرے کا بند دروازہ کچوکے لگا رہا تھا، یہی چاہ رہا تھا وہ باہر نکلے، اسے برا بھلا کہے، اپنا حق جتائے، اپنی محبت کا اظہار کرے مگر کیوں؟ دل کیوں چاہ رہا تھا کہ وہ ایک بار معاف کر دے، کیوں وہ چاہ رہی تھی کہ اس کی بات کا یقین کرے؟ اگر یہ سب کچھ محسوس ہو رہا تھا، دل یہ سب چاہ رہا تھا تو دل اعتراف محبت کیوں نہیں کر رہا تھا؟ خودسری کی اوٹ میں وہ اسے چاہتی رہی ہے جبھی تو دل ایک بار اسے دیکھنے کی ضد کر رہا تھا جو اسے دیکھتے ہی کمرے میں بند ہو گیا تھا۔

"میں غلط تھی پروردگار..... تیری ذات واحد نے مجھے بچا لیا، میں تیری شکر گزار ہوں۔ بس اب اللہ پاک...... ان لوگوں کی بدگمانی دور فرما دے۔"

عصر کی نماز کے بعد وہ دعا مانگ رہی تھی۔ اس نے محسوس کیا کہ ارمغان کمرے سے نکلا ہے اور جواد سے کوئی بات کر رہا ہے۔ اس کا دل بری طرح خوفزدہ ہو کر دھڑکنے لگا تھا۔

"مجھے ارمغان کی پروا کیوں ہے؟ میرے بارے میں وہ کوئی بھی رائے رکھتا پھرے مجھے تو اس کی

پرواہ نہیں ہونی چاہیے، اس کی حیثیت ہی کیا ہے میری زندگی میں؟ لیکن شاید اس کی وہ حیثیت ہے جس کو میں نے آج تک مانا ہی نہیں۔" اس نے تھک کر سوچا۔

"مانی بھیا! میں نے سارے حقائق آپ کے سامنے رکھ دیے ہیں، اب آپ کی کیا رائے ہے؟ آپ علیزہ آپی سے شادی کریں گے ناں......؟"

جواد کو ارمغان علیزہ کے لیے بے حد پسند تھا، جب سے یہ واقعہ ہوا تھا وہ اسی بات سے خوفزدہ تھا، اس سے زیادہ انتظار نہیں ہوا، اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ ارمغان سے سوال کیا جس بات کا پہلے یقین تھا اب وہ خوف بن گیا تھا۔ جواد نے سوال کیا تو علیزہ نے جواب سننے کے لیے سانس روک لیا۔

ارمغان کے اندر طوفان اٹھ رہے تھے، حالات نے اسے کس دوراہے پر لا کھڑا کیا تھا، اس نے ہمیشہ علیزہ کو چاہا اور گزرتے ہر پل نے اس کی محبت اور طلب میں اضافہ ہی کیا تھا ورنہ وہ علیزہ کو کسی اعزاز کی طرح اپنانا چاہتا تھا مجبوراً نہیں۔ اس نے سرخ انگارہ آنکھوں سے دروازے کی اوٹ میں کھڑی علیزہ کے پاؤں کو دیکھا، دل میں ایک ٹیس اٹھی، اس نے محبت کے جس پودے کی آبیاری کی تھی آج وہ اسے خود ہی نوچ کر پھینک رہا تھا۔ اس نے آنکھیں بھینچ کر ٹیس کی شدت کو دبایا اور جواد کی طرف دیکھنے لگا، آنکھوں کی خاموشی سے کسی حد تک جواب بجھ چکا تھا۔

"اور اگر میں بھی تم سے یہی سوال کروں جواد! تم بھی حورہ کو بہت چاہتے ہو ناں؟ کیا تم خود سے اب شادی کر لو گے۔" ارمغان کو اپنا لہجہ اپنی آواز ہی اجنبی سی لگی۔ جواد اسے دیکھ کر رہ گیا، پھر گہرا سانس لے کر مضبوط لہجے میں بولا۔

"درست کہا آپ نے مانی بھیا! میں حورہ کو واقعی بہت چاہتا ہوں لیکن پہلے اگر میں اس سے شادی کر پاتا تو شاید یہ برداشت کر جاتا لیکن اب... اب میں اس سے شادی ضرور کروں گا کیونکہ اب ہی تو ان لوگوں کو ہمارے سہارے کی ضرورت ہے۔" جواد نے پرجوش انداز میں کہا، تو درد کی ایک شدید لہر ارمغان کو بے قرار کر گئی۔

"محبت ضرورت نہیں ہوتی، سہارا نہیں ہوتی، بیساکھی نہیں ہوتی جواد... اور جو محبت بیساکھی بن جاتی ہے وہ محبت نہیں ہوتی، وہ ترس ہوتی ہے، رحم ہوتی ہے۔"

ارمغان کے گمبھیر لہجے میں ڈھلے الفاظ علیزہ کو اپنی نظروں میں گراتے چلے گئے۔ ارمغان نے پلٹ کر پھر اس دروازے کی دہلیز میں دیکھا۔ اب علیزہ کے پاؤں نظر نہیں آئے، وہ گہرا سانس لے کر جواد کی طرف مڑا۔

"تم ابھی بچے ہو، تم نہیں سمجھو گے، تمہارے سوال کا جواب میرے پاس نہیں ہے۔" ارمغان تیزی سے باہر نکل گیا۔ جواد نے کمرے میں بند ہو کر دروازہ لاک کر لیا۔

علیزہ کو لگا وہ آسمان سے بغیر کسی رکاوٹ کے زمین پر پٹخ دی گئی ہو۔ وہ کارپٹ پر گر گئی۔

• • •

"عطیہ خاتون......! میں... میں آپ کی مجرم ہوں۔ پلیز...! مجھے معاف کر دیں، میں ساری دنیا کو ناراض کر کے خوش رہ سکتی ہوں مگر آپ کو ناراض کر کے میں ایک سانس بھی نہیں لے سکتی۔ میرا دم گھٹ رہا ہے

عطیہ خاتون! اگر... میں نے کچھ کھو دیا... اللہ نے میری عزت بچائی ہے، میں بالکل ویسی ہوں، آپ مجھے نہیں معاف کریں گی تو آپ کے قدموں میں جان دے دوں گی۔"

حورا عطیہ خاتون کے قدموں سے لپٹی تڑپ رہی تھی مگر وہ پتھرائی آنکھوں سے چپ چاپ سن رہی تھیں۔

"عطیہ خاتون! ہوش میں آئیے اور مجھے بتائیں کہ میری بیٹی اس راستے پر کیسے گئی؟ وہ کیسے راہوں کی دھول بنی؟ کیسے اس کی جان، اس کی عزت خطرے میں پڑی؟ کیا یہی تربیت کی ہے آپ نے اس کی؟ اور کہاں ہے اس کا غیرت مند باپ جس نے جواد بن کر ماں کی گود اس لیے برباد کی کہ وہ اسے ایک بہت انوکھی اور منفرد اپنی سوچ اور آئیڈیل کے سانچے میں ڈھالنا چاہتا تھا؟ اس کو اس لیے مجھ سے چھینا تھا کہ وہ راہوں کی دھول بن جائے؟ انہیں عطیہ خاتون! آپ دونوں جو بھی ہیں مجرم ہیں میرے، میرے سوالوں کے جواب دیں۔"

لیلیٰ بیواؤں کی طرح چلانے لگیں اور کمزور نحیف عطیہ خاتون کو جھنجھوڑ ڈالا۔ تب ہی ابرار جلدی سے آگے بڑھے اور لیلیٰ کو شانوں سے پکڑ کر الگ کیا۔

"بی بی جان! ایسے دیکھیں وہ شاک میں ہیں، حورہ کو انہوں نے بیٹی کی طرح پالا، اس کا گھر سے یوں چلے جانا، رات باہر گزارنا کتنے صدمے کی بات ہے؟ جبکہ خود اس کی بہت بڑی ذمہ داری بھی ہے۔"

"ہونہہ! ایسی نبھائی جاتی ہیں ذمہ داریاں؟ گہری نیند سو کر؟ دروازے کھلے چھوڑ کر؟"

لیلیٰ بہت زیادہ تلخ ہو رہی تھیں، ان حالات میں خود کا صدمہ ان کو پاگل کر گیا تھا۔

"آپ عطیہ خاتون کو کچھ مت کہیں۔ پلیز! میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں ان کا کوئی قصور نہیں۔ یہ میری کوتاہی ہے۔ میں نے تو اللہ کی رحمت کی... کے بعد عطیہ خاتون کی محبت توجہ اور دعا ہے، یہ عورت نہیں فرشتہ ہے، انہوں نے بچپن سے اب تک میرے اندھیرے اور تنہائی کے چراغ ہی روشن کیے ہیں، یہ میری اپنی کمزوری ہے مما! کہ میں آپ کو اس حال میں ملی۔"

"خدا کے لیے ہوش میں آئیے عطیہ خاتون! میں ہر سزا کے لیے تیار ہوں، دیکھیے تو سہی آج میں ماں کی گود میں لوٹا دی گئی ہوں، آپ کو بھی میری مما سے ملنے کا شوق تھا ناں؟ اٹھیے!"

حورا کا رو رو کر برا حال تھا، اسے بچپن سے عطیہ خاتون کی محبت ہی نظر آئی تھی۔ انہوں نے کبھی اسے پھول کی چھڑی بھی نہیں لگائی تھی وہ اب تک ماں کے بغیر زندہ تھی مگر اب ان کے بغیر نہیں رہ سکتی تھی، اور اب تو اسی کی وجہ سے عطیہ خاتون کا یہ حال ہوا تھا۔ وہ اس قدر شرمندگی محسوس کر رہی تھی کہ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کس طرح ان کو ہوش میں لے آئے۔

"کاش! میں اسی وقت مر گئی ہوتی جب مجھے میری ماں کی گود سے جدا کیا گیا تھا، جب ماں کے بغیر جی لیا، عطیہ خاتون سب کچھ بن گئیں میری اب وہ مجھ سے خفا ہو گئی ہیں تو مجھے بھی نہیں جینا۔ بابا سے مجھے نفرت ہے، آج ان حالوں میں ان کی وجہ سے ہوں، ادھوری نامکمل زندگی گزاری ہے میں نے ترس ترس کر، اک ماں کی محبت کا نعم البدل عطیہ خاتون تھیں یہ بھی خفا ہو گئیں تو میری ماں تو میری جدائی کی عادی ہو گئی ہے، اب بھی کسی کسی جینا مجھے اب بدنامی کے ساتھ، عطیہ خاتون کی بدگمانی کے ساتھ نہیں جینا۔"

خولہ نے ایک فیصلہ کر کے اِدھر اُدھر کچھ ڈھونڈا، اس کی سرد آواز پر عطیہ خاتون کا سکتہ ٹوٹ گیا، ا ہ
نے پلٹ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا

"عطیہ خاتون ! میں جانتی ہوں میری خطا بہت بڑی ہے، آپ کا کہنا نہ ماننا، دل توڑنا، معمولی
نہیں ہے میرے۔ عطیہ خاتون......! جان سے مار ڈالیں مگر مجھ سے بدگمان نہ ہوں، خفا نہ ہوں، پلیز ! ...
اللہ کے فضل اور آپ کی دعاؤں سے بچ گئی ہوں، پروردگار نے میری اور علیزہ کی عزت محفوظ رکھی، میری بات پر
یقین کریں ورنہ آپ کے قدموں پر جان دے دوں گی۔"

خولہ بری طرح رو رہی تھی، عطیہ خاتون نے اسے صرف جنم نہیں دیا تھا مگر ساری کی ساری ممتا اس پر نثار
تھی، اس کی پلک نہ بھیگے کی کوشش میں وہ بہت مشکل فیصلے کر جایا کرتی تھیں، آج وہ ان کے قدموں سے لپٹی ہوئی
رہی تھی۔

"صرف جنم نہ دینے کی سزا تم مجھے نہیں دے سکتیں خولہ......! اپنی ممتا کو نچھاور کیا ہے تم پر، میرا یقین تم
سے شروع ہو کر تم پر ختم ہوتا ہے میری جان......! مگر اب میں شہباز صاحب سے نظر ملانے کے لائق نہیں رہی۔"
خورہ کو ساتھ لگا کر عطیہ خاتون باقی سب کی موجودگی اور ہیبت کو بھول گئیں۔

"عطیہ خاتون ! اب آپ اپنے گھر نہیں ہمارے گھر چلیں گی۔" لیلیٰ نے کہا۔

"خورہ بیٹا ! یہ بات تم عطیہ خاتون کو سمجھاؤ، ہم باہر ڈاکٹر سے بات کر رہے ہیں، تم ان کو تیار کر دو۔"
ابرار خورہ کو ہدایات دیتے باہر نکل گئے۔ خولہ عطیہ خاتون کو دیکھنے لگی۔ چوبیس گھنٹوں میں پیش آنے والے
حادثے نے عطیہ خاتون کو بالکل نچوڑ کر رکھ دیا تھا، ان کے سامنے ... ہر طرف ...
یہ عورت ماں نہیں تھی مگر ماں والی ہر ضرورت ہر خواہش پوری کی تھی، ... ان کا شہباز کے
سامنے اس کی غلطیاں بھی چھپائی تھیں، بہت اہم تھیں یہ عطیہ خاتون اس کی زندگی میں۔

"آپ ! آپ کو میری بات پر یقین آ گیا ناں ... خود سر، ہٹ دھرم ضرور تھی مگر خدا نے ہماری
عزت بچالی، میں غلط تھی مگر آپ مجھے معاف کر دیجیے پلیز !"

خولہ سب کے جانے کے بعد پھر ان سے پٹ کر شدتوں سے رو دی تو انہوں نے پہلے جیسی محبت میں
سمیٹ لیا۔ عطیہ خاتون بہت خوفزدہ ہو گئی تھیں، وہ رات انہوں نے خدا کے حضور شکرانے کے سجدوں میں گزاری
کہ خولہ باعزت لوٹ آئی تھی۔ خورہ شہباز کی امانت تھی اور اگر خدانخواستہ امانت میں خیانت ہو جاتی تو وہ خود کو
مر دیتیں اور اب وہ لیلیٰ کی عدالت میں بیٹھی سوالوں کے جواب دے رہی تھیں اور سوچ رہی تھیں کہ شہباز قصور
وار ہے کہ لیلیٰ، اگر کہیں لیلیٰ قصور وار تھی تو شہباز اس سے زیادہ قصور وار تھا۔

"یہ سارے قدرت کے فیصلے ہیں لیلیٰ......! کس نے سوچا تھا کہ ماں بیٹی کا ملاپ اس طرح ڈرامائی انداز
میں ہوگا لیکن آپ کو دیکھ کر اور جو کہانی شہباز صاحب نے مجھے سنائی اس سے لگتا ہے مبالغہ آرائی سے کام لیا گیا
ہے یا شاید کسی کمزور مرد کی طرح شہباز صاحب نے بھی ... بہرحال میں تو اتنا جانتی ہوں کہ میاں بیوی کی لڑائی
کی چکی میں پسنے والی معصوم اور بے قصور اولاد ہوتی ہے جو ماں اور باپ دونوں کے ساتھ پرسکون اور نارمل زندگی
گزارنا چاہتی ہے مگر والدین اپنی اپنی انا کے خول میں بند ہو کر ... وقت اور حالات کے طوفان کے سپرد

دیتے ہیں۔"

عطیہ خاتون کو ایسے ہی کسی موقع کا تو انتظار تھا کہ وہ لیلیٰ اور شہباز دونوں سے پوچھیں کہ انہوں نے ایسا
کیوں کیا۔

"لیلیٰ ! مجھے جو کہانی سنائی گئی اس کے مطابق آپ اگر ان کی بات مان جاتیں تو ..."

"بس عطیہ خاتون ! آپ نے تصویر کا ایک رخ دیکھا ہے دوسرا رخ بھی دیکھ لیں پھر بتائیں قصور
کس کا ہے ؟ میں مانتی ہوں مجھ سے غلطی ہوئی، شہباز نہیں چاہتے تھے کہ میں اپنا شوق جاری رکھوں مگر ایک
شیطان کے کہنے میں آ کر مجھ سے دوبارہ غلطی ضرور ہوئی تھی اور اگر زندگی بھر ظرف بھی اس شخص میں ہوتا تو مجھے
معاف کر سکتا تھا مگر اس نے مجھے معاف نہیں کیا اور چند روز کی میری بچی مجھ سے چھین کر میری گود میں ویرانی کی
آگ بھر کر چلا گیا۔" لیلیٰ وہ وقت یاد کر کے تڑپ اٹھیں۔

خورہ نے ماں کو اپنے ساتھ لگا لیا۔

"مما ! میں آپ کے پاس ہوں، بابا نے مجھے آپ سے چھینا ضرور تھا مما ! مگر مجھے پتا نہیں، آپ
کو پتہ ہے ناں میں نے آپ کی گود کی جنت کھو کر اتنی زندگی دوزخ میں گزاری ہے۔ ترستی رہی ہوں ہر خوشی کے
لیے، ہر ضرورت کے لیے، ہر خواہش کی تکمیل کے لیے مگر بابا نے زندگی کو آپ کے لیے ہی نہیں میرے لیے بھی
سزا بنا دیا۔ مما ! میری ہر عمر کی ہر خواہش کو مسل دیا۔ ... کو میری کمزوری بنا دیا۔ مما ! میں ... میں اپنی
کسی عمر کو بھلا نہیں کر سکی ہوں، میں نے ایب نارمل زندگی گزاری ہے، میری فرینڈز اپنے مما پیا کے ساتھ
... زندگی کی خوشیاں ... "خولہ کا ... کو کم کریں۔

بیٹا ! ... سب ٹھیک ہو گیا ناں ؟ سمجھو وہ سب درد کے لمحے تھے جو ہم پر گزرے، ان کو
اک خواب پریشان سمجھ کر بھول جاؤ۔" نم ہوتی آنکھیں صاف کرتے خولہ اور لیلیٰ کو ساتھ لگا کر بولے مگر لیلیٰ چپ
نہ رہ سکیں۔

"بھائی......! بات ختم نہیں شروع ہوئی ہے، جواب دینا ہوگا شہباز کو ایک ایک ظلم کا، بتائیں اس کو۔"

• • •

"مما !"

شرجیل تیزی سے آگے بڑھا۔ آمنہ نے آنکھیں کھولیں تو شرجیل پر جیسے نظریں جم گئیں۔ کیا یہاں کا اپنا بیٹا
شرجیل ہی تھا، ہاں ! بھلا ایک ماں اولاد کو پہچاننے میں غلطی کب کر سکتی ہے لیکن کتنا فرق تھا کل کے شرجیل اور اس
وقت ان کے قریب بیٹھے شرجیل میں۔ وہ بے یقینی سے دیکھے گئیں پھر اپنے سرد ہاتھوں سے اس کو محسوس کرنے
لگیں۔

"مما...! کیا دیکھ رہی ہیں ؟ میں آپ کا بیٹا ! آپ کا شرجیل ہوں مما !"

"اولاد کو ماں سے اپنے تعارف کے لیے الفاظ کی ضرورت نہیں ہوتی میری جان ! میرے
شہزادے ! ماں کو اولاد کی خوشبو آ جاتی ہے۔ میں تو یہ یقین کر لینا چاہتی ہوں کہ کیا میں میری جیسی گناہگار ماں
بھی اس قابل ہے کہ اس کا بیٹا اس کے پاس لوٹ آئے ؟ میرا چاند... ! میرا بیٹا ! لوٹ آیا، یا اللہ !

تیرا شکر ہے، یا اللہ! تیرا شکر ہے۔" بیٹے کو سینے سے لگانے سے پہلے وہ سجدے میں گر کر شکرانہ ادا کرنے لگیں۔

"مما! اللہ نے آپ کی ساری دعائیں سن لی ہیں۔ دیکھئے تو میں کیا تھا اور اس جدائی نے کیا بنا دیا مجھے؟ میں نے یقین کی منزل پا لی ہے مما! میں آپ کا بیٹا ہوں۔" دونوں ماں بیٹا جانے کب تک ٹھنڈے سرد فرش پر بیٹھے رہے جدائی کا ایک ایک لمحہ شمار کرتے رہے۔ آمنہ بیٹے کے ہونے کا یقین کرتی رہیں، اسے پیار کرتی رہیں۔

"مما......! ماہم سو گئی ہے کیا......؟"

"ماہم کے بھائی نے آنا ہو اور ماہم سو جائے......؟ ایسا ہو سکتا ہے......؟"

ماہم کو معلوم تھا شرجیل کو آنا ہے، دوسرا اس نے ہادیہ کو فون کر کے کنفرم کر لیا تھا۔ وہ بے تابی سے کمرے میں ٹہل رہی تھی۔ اس نے تو سرپرائز کے چکر میں مما کو بھی شرجیل کی آمد کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔ اب بھائی کے ساتھ وہ بھی خدا کا شکر ادا کر رہی تھی۔

"پپا تو سو رہے ہوں گے ناں مما......! چلیں رہنے دیں میں صبح مل لوں گا ان سے۔" وہ اب اعتماد کی اس منزل پر تھا جہاں سب کا مقابلہ کر سکتا تھا۔

"کیوں؟ صبح کیوں؟" آمنہ نے اس کی پیشانی پر پیار کیا۔ وہ سمجھ رہی تھیں وہ ایسا کیوں کہہ رہا ہے۔

"پپا کو شروع سے یہ بات پسند نہیں کہ ان کی نیند خراب ہو......" اب تو ان کی طبیعت بھی خراب رہنے لگی۔" شرجیل کے لہجے میں باپ کے لیے احترام تھا۔

"میں جاگ گیا ہوں میرے بیٹے! میرے شرجیل! وہ تو غفلت کی نیند تھی۔ میرے بچے! جو کمزور لوگ ہوتے ہیں ناں ان کو غفلت کی نیند بہت عزیز ہوتی ہے لیکن میرے شہزادے! تمہاری جدائی کے جھٹکے نے وہ غفلت کی نیند توڑ دی ہے، اب میں جاگ گیا ہوں میرے بیٹے! میرے شرجیل!"

انہوں نے وہیں کھڑے کھڑے بازو پھیلا دیئے اور شرجیل بھاگ کر ان سے لپٹ گیا، ورنہ واصف نے بچپن سے چھپائے ہوئے پدرانہ شفقت کا خزانہ ان چند لمحوں میں لٹا دیا تو شرجیل کو لگا جیسے ایک مدت تک وہ تپتے صحرا میں چلتا رہا ہو، بھوک تھکن سے اس کا برا حال ہو مگر آج پپا کے سینے سے لگ کر ہر بات کا احساس مٹ گیا تھا۔ پپا کی محبت ہی تو اس کی زندگی کی سب سے بڑی محرومی تھی، اسی محرومی نے تو اسی کو بے یقینی کے سمندر میں طوفانی لہروں کے حوالے کر دیا تھا، آج جیسے اسے کنارہ مل گیا تھا۔ اگر یہ محبت، یہ پیار اسے پپا کی طرف سے بچپن سے ملتا تو وہ ایسا کیوں ہوتا، کیوں گھر سے بے گھر ہوتا۔

"پپا! آپ ٹھیک تو ہیں ناں؟ آئی ایم سوری پپا! لیکن یقین کریں میں جان بوجھ کر گھر سے نہیں گیا تھا اور اس ارادے سے تھوڑی گیا تھا کہ پھر واپس نہیں آؤں گا۔ آپ ناراض تو نہیں ہیں ناں؟"

"میں اپنی ہر غلطی مانتا ہوں میرے بیٹے! اعتراف کر چکا ہوں کہ میں غلط تھا، میں نے تمہاری ماں کے ساتھ بھی زیادتی کی، بلاوجہ اپنی اور تم سب کی زندگی عذاب کر دی، بات صرف درگزر کی ہوتی ہے، میں آمنہ کو

معاف کر دیتا تو ہم آج پرسکون زندگی گزار رہے ہوتے اس لیے بیٹا! اب تم ماں بیٹا اور میری بیٹی مجھے معاف کر دو، میں دست بستہ معافی مانگ رہا ہوں۔"

واصف نے روتے ہوئے ہاتھ جوڑ دیئے تو آمنہ نے ان کے ہاتھ آنکھوں سے لگا لیے۔ شرجیل اور ماہم واصف کے سینے سے لگے تو جیسے ان کو ٹھنڈ پڑ گئی۔

شرجیل نئے روپ کے ساتھ لوٹا تھا۔ گھر کے سارے لوگ ہی بے حد خوش تھے۔ خاص طور پر عارف چچا تو بے حد خوش تھے مگر موبی شرمندہ تھا، وہ شرجیل سے واقعی بہت نادم تھا مگر کھل کر اسے آ رہی تھی کہ اس نے اس سے معذرت نہیں کی تھی۔ اس وقت بھی شرجیل گھر کے لڑکوں کے ساتھ کرکٹ کھیل رہا تھا، کتنا بھرپور اعتماد تھا اس کے انداز میں، کون کہہ سکتا تھا کہ کبھی یہ لڑکا عدم اعتماد کا لمحہ بھر کے لیے بھی شکار رہا ہے اور یہ بات ہی موبی کو شرمندہ کرتی رہتی کہ انسان اگر برے وقت میں کسی کا ساتھ دے تو وہ ہمیشہ کے لیے معتبر ٹھہر جاتا ہے جیسے ثاقب، تیمور وغیرہ کل بھی شرجیل کے دوست تھے اور آج کتنے اعتماد سے اس کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ موبی کو ایک تو سب نے خوب شرمندہ کیا تھا، دوسرا اسے شرجیل کو دیکھ دیکھ کر بہت ندامت ہو رہی تھی اسی لئے وہ سب کو کھیلتا چھوڑ کر چپکے سے وہاں سے آنے لگا تو کسی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس نے چونک کر دیکھا، ماہم بڑے غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"کیوں؟ ڈرتے ہوئے میرے بھائی سے؟ ذرا غور سے دیکھو موبی! یہ وہی لڑکا ہے شرجیل جس کا مذاق اڑایا کرتے تھے تم! آج کیا ہوا؟ جاؤ اس شرجیلہ کا جواب اللہ کے فضل و کرم سے شرجیل بن چکا ہے......" وہ شرجیل کی طرف بڑھا۔

"نہیں ماہم! اب تمہیں یہ بے بازی کو ختم کرنا ہوگا، ایک دوسرے کی چھوٹی چھوٹی غلطیوں کو معاف کرنا ہوگا، اگر نہیں کریں گے تو ہر دور میں، ہر نسل میں موبی، ماہم اور شرجیل پیدا ہوتے رہیں گے۔ ٹھیک ہے جو کچھ ہوا غلط ہوا، میں موبی کو وہ سب معاف کرتا ہوں اور یوں ایک طرح سے تو میں موبی کا احسان مند ہوں کہ اس کی وجہ سے یہ سب ہوا۔ اصل میں ہر اچھائی انسان کے لیے اللہ کی طرف سے ہوتی ہے بس وسیلہ وہ جسے چاہے بنا دے اور میرے یقین کی طرف پہنچنے کا وسیلہ اللہ نے موبی کو بنا دیا تو ہمیں اس کا احسان مند ہونا چاہیے۔"

شرجیل نے نادم سے کھڑے موبی کی طرف بازو پھیلا دیئے تو موبی اس کے گلے لگ کر رو پڑا۔

"سوری...... ویری سوری شرجیل!"

"اوکے! آج کے بعد پرانی کسی بات کا ذکر نہیں ہوگا۔ ماہم! ٹھیک ہے ناں؟" شرجیل نے ماہم کو تنبیہی انداز میں کہا تو وہ بھائی کو دیکھ کر بھرپور انداز میں مسکرائی۔

"جی بھیا!"

"سوری ماہم!" موبی نے شرمندگی سے ماہم کی طرف ہاتھ بڑھایا تو ماہم نے خوش دلی سے دوستانہ انداز میں ہاتھ ملایا۔

زندگی کا یہ رنگ اتنا روشن اور خوبصورت تھا جس نے سب کو خوش کر دیا تھا۔ زندگی میں نکھار آ گیا تھا۔

واصف بے حد خوش تھے۔ شرجیل نے ساری ذمہ داریاں سنبھال لی تھیں۔

"یار شرجیل! میں تو بالکل ہلکا ہو گیا ہوں، کوئی ذمہ داری نہیں، کوئی پرابلم نہیں، میں تو اب خود کو جوان سمجھنے لگا ہوں، ہواؤں میں اُڑنے لگا ہوں۔ خدیو! میں تیرا شکرانہ ادا نہیں کر سکتا، اتنی خوبصورت زندگی پروردگار نے دے دی ہے۔"

"واصف! کیا خیال ہے؟ اب ہمیں بہو لے آنی چاہیے ناں؟"

آمنہ نے آنکھوں میں جگنو لیے شرجیل کو دیکھا۔ اس بات پر اک انجانا سا سایہ اس کے وجیہہ چہرے پر آ کر گزر گیا۔

"کیوں نہیں؟ آمنہ...... میرے آنگن میں اب نئے پھول کھلنے چاہئیں۔"

"شرجیل بیٹا! کتنی بار تم سے کہہ چکی ہوں کہ مجھے اپنے اس محسن سے ملا دو جس نے تمہیں آج"

آمنہ نے بارہا کہا تھا عرفان سے ملا دے، ہادیہ کو دکھا دے مگر وہ ہر بار بات ٹال دیتا۔

"چھوڑیں ناں مما! پھر کبھی اس موضوع پر بات کریں گے۔ پاپا! آپ ہاشم کی شادی کی بات کیوں نہیں کرتے؟ جبکہ لڑکا بھی اپنے گھر ہے، بڑے تایا کو تو میرے خیال میں کوئی اعتراض نہیں ہوگا، ہاشم اور تیمور کے رشتے پر۔"

ہمیشہ کی طرح وہ پھر ہادیہ کے ذکر سے بچ کر گزرنا چاہتا تھا۔

"ہاں...... کسی کو کسی بات پر اعتراض نہیں بیٹا۔ مگر میں اب بہو اور داماد ایک ساتھ گھر میں دیکھنا چاہتی ہوں اسی لیے تو کہہ رہی ہوں مجھے عرفان کے گھر لے چلو۔"

ہاشم نے آمنہ کو بتا دیا تھا کہ شرجیل ہادیہ کو بہت چاہتا ہے اس لیے آمنہ نے سوچ لیا تھا کہ بیٹے نے زندگی میں پہلی بار کچھ مانگا ہے، چاہا ہے تو اسے اس کی چاہت ضرور ملنی چاہیے جبکہ شرجیل خوفزدہ تھا کہ جب آمنہ کو پتہ چلے گا کہ ہادیہ کس کی بیٹی ہے تو شاید واصف اور آمنہ ان کے احسان کا بھی پاس نہ کریں اور کوئی ناپسندیدہ صورت حال پیدا نہ ہو جائے اسی لیے وہ اس کو پردے میں رکھنا چاہتا تھا۔ وہ عرفان کی بے حد عزت کرتا تھا اور ہادیہ کو چاہتا تھا اس لیے نہیں چاہتا تھا کہ کوئی غلط صورت حال پیدا ہو۔

"مما! چھوڑیں بھی، اگر آپ کو بہو ہی لانی ہے تو گھر میں بھی بہت اچھی لڑکیاں ہیں، کسی کو بھی دیکھ لیں، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"ٹھیک ہے بیٹا! گھر میں بھی بہت اچھی لڑکیاں ہیں مگر ہادیہ کیوں نہیں؟ مجھے ہاشم نے سب کچھ بتا دیا ہے، ذرا میں بھی تو دیکھوں میرے بیٹے کی پسند کیسی ہے......؟"

اور پھر آمنہ، واصف کا ہادیہ کے لیے اور عرفان کا شکریہ ادا کرنے کے لیے تقاضا اصرار بڑھا کہ شرجیل کو عرفان سے ملنا ہی پڑا۔ اس نے ساری صورت حال عرفان کو بتا دی۔

"اب کیا کریں عرفان بھائی! مما تو کسی صورت ماں نہیں دے رہیں۔ وہ کہتی ہیں میں نے اپنے محسن سے ملنا ہے۔"

"کرنا کیا ہے؟ میں چلتا ہوں ان کی عدالت میں پیش ہو جاتا ہوں جو سزا دیں گے قبول کر لوں گا اب

اور کیا ہو سکتا ہے...؟"

"نہیں عرفان بھائی! میں خوفزدہ ہوں، ان لوگوں کے ظرف کا تو ہمیں اندازہ ہو ہی گیا ہے۔ مما پاپا آپ کو کچھ کہیں یہ مجھ سے برداشت نہیں ہوگا۔"

شرجیل بہت خوفزدہ تھا کہ کہیں اس کے والدین عرفان کے ساتھ برا رویہ نہ اپنائیں مگر عرفان نے اس کی ایک بات نہیں سنی بلکہ حسن بھی شریک ہو گئے۔

"بیٹا! عرفان درست کہہ رہا ہے، ہمیں اب ماحول ختم کرنا ہوگا، ہمیں اپنی غلطیوں کا اعتراف کر کے ان کا ازالہ کرنا ہوگا۔ تم خوفزدہ نہ ہو، ماضی میں جو کچھ ہوا اب انشاء اللہ ایسا نہیں ہوگا۔ چلو میں چلتا ہوں آمنہ اور واصف کے پاس۔"

اور پھر شرجیل کے منع کرنے کے باوجود حسن اور عرفان اس کے ساتھ آ گئے اور جب آمنہ اور واصف کو اپنے محسن کا پتہ چلا تو لمحے بھر کے لیے عرفان کا احسان مٹی میں مل گیا۔ شرجیل ماں باپ کے چہرے کے تاثرات سے ہی خوفزدہ ہو گیا کہ اب جانے کیا ہوگا۔

"واصف! آمنہ...! اس وقت میں سمجھ سکتا ہوں کہ آپ لوگوں کے کیا تاثرات ہیں... مگر"

"شٹ اَپ حسن! جو ایک لفظ بھی آگے کہا ہو تو۔ ارے... میں تو دھوکے ہی میں ماری گئی۔ کاش کہ مجھے معلوم ہو جاتا کہ میرے بیٹے کو تمہارا بیٹا سہارا دے گا، چلنا سکھائے گا تو میں خدا سے دُعا کرتی کہ شرجیل جیسا ہے ویسا ہی رہے۔ میرے بیٹے کو زندگی کی طرف لے والا، اسے ڈوبنے سے بچانے والا، میرا محسن تمہارا بیٹا ہو گا مجھے پتہ ہوتا تو خود اپنے ہاتھوں سے اپنے بیٹے کو شوٹ کر دیتی مگر تمہارے بیٹے کا احسان نہ لیتی۔ تم جیسے گھٹیا اور کم ظرف انسان کے بیٹے کا ہرگز احسان نہ لیتی۔"

آمنہ نے حسن کے حوالے سے زندگی کو جیسی زندگی نے آمنہ کو جیا تھا، ایک ایک سانس پر ان کو زندگی نے حسن کا نام لے لے کر کوڑے لگائے تھے تو وہ اب اس حسن کو معاف کیسے کر دیتیں، ان کے بیٹے کو اپنے محسن کی حیثیت سے کیسے قبول کر لیتیں۔ وہ پوری طرح بپھر گئیں۔ وہی ہوا تھا جس کا شرجیل کو اندیشہ تھا۔ واصف بالکل خاموش تھے، اس خاموشی کی اوٹ میں خیر کی خبر تھی یا شر کا طوفان تھا کوئی کہہ نہیں سکتا تھا۔ عرفان اور شرجیل بے بس سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

"شرجیل! جب تم جانتے تھے کہ یہ شخص وہی ہے جس نے ہماری زندگی عذاب بنا دی تھی پھر تم اسے لے کر کیوں آئے...؟ میں کہتی ہوں حسن... نکل جاؤ میرے گھر سے بالکل اسی طرح جس طرح کبھی میرے دل سے چوروں کی طرح نکلے تھے دھوکے فریب کے دروازے سے۔ اب بھی نکل جاؤ، ایسا نہ ہو کہ میں تعلیم کا بھرم رکھ سکوں اور نہ خاندانی وضع داری کا پاس کر سکوں، نکل جاؤ۔"

آمنہ نے اس کے حوالے سے جس طرح زندگی گزاری تھی یہ وہی جانتی تھیں۔ انہوں نے خاصے تلخ انداز میں عرفان کے احسانات کو بالائے طاق رکھ کر ان لوگوں کو نکل جانے کو کہا تو شرجیل کھڑا ہو گیا۔

"مما! پلیز ایسا مت کریں، ماضی میں جو کچھ ہوا وہ ہم سب نے جھیلا ہے مگر یہ دیکھئے کہ ان کے بیٹے کا احسان بڑا ہے کہ انکل کی خطا زیادہ بڑی ہے؟" شرجیل کو بہت شرمندگی ہو رہی تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ

واصف اپنی بات کہہ کر ڈرائنگ روم کی جانب بڑھے مگر پھر پلٹے۔ شرجیل بھی اپنی جگہ پر کھڑا تھا اور آمنہ بھی چہرے پر سختیاں لیے جوں کی توں کھڑی تھیں۔

"آمنہ..... میں نے کچھ کہا ہے۔"

"میں نے سن لیا ہے۔" آمنہ کے چہرے کی سختی ان کے لہجے میں در آئی تھی۔

"اس کے باوجود تم وہیں کھڑی ہو؟ آج تک تو ایسا ہوا نہیں کہ میں نے کچھ کہا اور تم نے نہ مانا ہو؟ ہمیشہ تم نے میرا ہر حکم مانا ہے۔"

واصف کو تکلیف دہ حیرت نے آن گھیرا تھا۔ ان کو لگا کہ ہر قدم کی طرح آج بھی احسان کے ستم [illegible] لیں گی مگر ان کی سماعتوں سے ٹکرانے والا آمنہ کا چھوٹا سا جملہ بہت حیران کن تھا۔

"شاید آج میں تعمیل کی اس روایت کو قائم نہ رکھ سکوں واصف!"

"آ... آمنہ...! یہ تم ہو آمنہ؟ مجھے یقین نہیں آ رہا ہے۔" واصف کو سخت دکھ اور حیرت ہو رہی تھی۔

آمنہ کے چہرے پر ماضی کا سارا دکھ اذیت بن کر ان کی آنکھوں میں اتر آیا۔

"کیوں؟ کیوں واصف؟ آپ کو یقین نہیں آ رہا؟ میں بھی انسان ہوں، تحمل کرتے کرتے تھک چکی ہوں اور اس دکھ میں سے کچھ نہیں ملتا اس لیے واصف! پلیز اب آپ اس دکھ میں انگلیاں نہ پھیریں، بھرم رہ جائے گا آپ کا بھی اور میرا بھی۔"

آمنہ بری طرح سسک پڑیں۔ آج سارے زخم پھر سے ادھڑ گئے تھے۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم نے مجھے معاف نہیں کیا آمنہ.....!"

آمنہ نے بھیگی پلکوں سے زندگی کے اس ساتھی کو دیکھا جس نے دل بھر کر اس کو اس لغزش کی سزا دی تھی۔

"ٹھیک ہے، میں مانتا ہوں آمنہ! کہ میری اور حسن کی کم ظرفی کی وجہ سے تم نے، سب سے بڑھ کر ہمارے بچوں نے بہت سہا ہے، بڑی تکلیف دہ زندگی گزری ہے، جب تم خود اس بات کو مانتی ہو کہ درگزر سے کام لیا جاتا تو یہ سب نہ ہوتا پھر اب..... اب تم کیوں درگزر سے کام نہیں لے رہیں.....؟"

"اس لیے واصف..... میں بھی انسان ہوں اور میرے اندر بھی ایک کم ظرف عورت موجود ہے جو کم از کم حسن جیسے خبیث انسان کو معاف کرنے کا ظرف نہیں رکھتی، سوری!"

چپ چاپ، گم سم کھڑا شرجیل دکھ سے ایک گہرا سانس لے کر پلٹا۔ واصف نے بیچارگی سے پہلے آمنہ کو دیکھا۔ ان کا اپنا ماضی کون سا ایسا بے داغ تھا کہ وہ آمنہ کو کسی بات پر آمادہ کرتے یا بتا یہ حکم مان لینے کا پابند کرتے۔ انہوں نے شرجیل کو دیکھا تو دل میں درد اتر آیا۔ ان کے اس سعادت مند بیٹے نے ان کے غم کے سارے موسم برداشت کیے تھے اور اب جبکہ وہ اسے زندگی کی ہر خوشی دینا چاہتے تھے اور خود اس کی ماں جو ہر سرد و گرم خود پر جھیل کر ان کو بچاتی رہی، آج زندگی کی اولین خوشی اس سے چھین رہی تھیں، کتنا مظلوم تھا ان کا یہ بیٹا، کبھی باپ نے ستم ڈھائے تو کبھی ماں خوشیوں کی راہ میں رکاوٹ بن گئی۔

"شرجیل بیٹا.....! پھر تم کیا کہتے ہو؟ عرفان کے گھر چلیں یا نہیں.....؟"

واصف نے کچھ ایسی نظروں سے بیٹے کو دیکھا جن میں ندامت بھی تھی اور محبت بھی۔ شرجیل نے مما کو ایک نظر دیکھا جو بظاہر اپنے آنسو روک رہی تھیں مگر پھر بھی بے شمار بوند ڈھلک چکے تھے۔

"چلیں گے پاپا..... انہی دشمنی، عداوت، کم ظرفی کی روایت کو ختم کرنے ضرور جائیں گے۔" اس کی بات پر آمنہ نے دکھی سی نظر بیٹے پر ڈالی تب ان کی بات کو سمجھتے ہوئے شرجیل نے اپنا ادھورا جملہ ان کے ہاتھ تھام کر ایک ہاتھ سے ان کے آنسو صاف کرتے ہوئے مکمل کیا۔

"لیکن پاپا! پرانی دشمنی، عداوت کے اختتام پر ہم کسی نئے رشتے کا پودا نہیں لگائیں گے، کسی نئے تعلق کی آبیاری نہیں کریں گے۔"

شرجیل کی اس بات کا مطلب سمجھتے ہوئے واصف اس کی طرف مڑے اور وہ جانتے تھے کہ وہ ایسا کیوں کہہ رہا ہے۔

"مگر... مگر کیوں بیٹا.....!"

"جسٹ فار مما... بس پاپا... میں چاہتا ہوں کہ مما کی زندگی میں کوئی ایک مرد تو ایسا ہونا چاہیے جس پر یہ اعتماد کر سکیں کہ اس مرد نے ان کی عزت، محبت کا بھرم رکھا ہے، جس پر یہ اندھا اعتماد کر کے کوئی بھی فیصلہ کر سکیں۔ میں ایسا مرد بننا چاہتا ہوں مما کے سامنے جس کے سامنے وہ نہ تو جوابدہ ہوں نہ نادم ہوں۔ مما نے زندگی میں ہر قدم پر مردوں سے دھوکہ کھایا ہے۔ میں مرد پر مما کا اعتماد بحال کرنے کے لیے سب کچھ قربان کر سکتا ہوں، میری ماں مردوں سے بدگمان ہو؟ یہ میں نہیں چاہتا۔ ہو سکتا ہے زندگی کے کسی موڑ پر مجھے ہادیہ سے بڑھ کر کوئی مل جائے مگر شاید ماں کبھی نہ مل سکے اس لیے میں آپ کے ساتھ ہوں صرف حسن انکل سے دشمنی ختم کرنے کی حد تک اور مما کے ساتھ ہوں کسی بھی نئے تعلق کے قائم نہ کرنے پر۔ چلیے میں تیار ہوں۔"

شرجیل کے مضبوط گھمبیر لہجے میں ڈھلے الفاظ نہیں جگنو تھے جو آمنہ کو اپنے اطراف رقص کرتے ہوئے محسوس ہوئے۔ انہوں نے دونوں ہاتھوں سے شرجیل کا چہرہ تھام لیا۔

"یا اللہ! میں نے اتنا حسین خواب دیکھا تھا نہ دعا مانگی تھی جس کی تعبیر ہو تم! تم نے واقعی مردوں کی ذات پر سے اٹھا ہوا میرا اعتماد بحال کر دیا ہے۔ جاؤ میرے بیٹے.....! سدا خوش رہو لیکن....."

آمنہ بولتے بولتے چپ ہو گئیں۔ اس نے ماں کی پیشانی چوم لی۔

"آپ بے فکر ہو جائیں ایسا کچھ نہیں ہو گا جو آپ کو پسند نہیں۔"

• • •

حسن اور واصف آمنے سامنے چپ چاپ بیٹھے تھے۔ دونوں کی درمیان ایک عورت کی محبت تھی جس نے حسن کو دھوکہ دیا اور واصف کو ٹھکرا دیا۔ ان دونوں نے محبت کرنے کی ایسی سزا دی کہ اس کا مرد اور محبت پر سے اعتماد ہی اٹھ گیا تھا۔ کافی دیر بیٹھ کر واصف جانے کے لئے کھڑے ہو گئے۔

"نہ کچھ کہا نہ کچھ سنا انکل...... اور آپ جانے کے لیے کھڑے ہو گئے......؟"

عرفان کی بات پر شرجیل نے بھی ہم خیال نظروں سے عرفان پھر حسن اور واصف کو دیکھا۔

"کبھی کبھی خاموشی اتنی پاورفل ہوتی ہے بیٹا! کہ الفاظ کی اہمیت ہی ختم ہو جاتی ہے۔ میں اور حسن کہانی کے دو اہم کردار ہیں جن کے رویوں نے جانے کیا کیا طوفان کھڑے کیے؟ کون کون آنچ کی زد میں آیا...... یہ سب کچھ ہم دونوں ہی جانتے ہیں۔ پھر اب اس موقع پر عداوت اور دشمنی کی راکھ پر بیٹھ کر ہم کھلے دل سے محبتوں کا ایک نیا سفر شروع کرنا چاہتے تھے، تعلق کی ایک نئی عمارت کی بنیاد رکھنا چاہتے تھے مگر آج ہم دونوں اس عورت کا مان رکھتا ہے۔ جس کو ماضی میں ہم دونوں نے چاہت کا دعویٰ کیا مگر اسے سمجھا نہیں، اسے عزت نہیں دی۔ آج وہ نیا تعلق قائم نہیں کرنا چاہتی تو ہم دونوں اسی کے احترام میں چاہتے ہوئے بھی قدم آگے کی بجائے پیچھے کی جانب کر رہے ہیں۔"

واصف کے شفاف لہجے میں اپنی غلطی کا اعتراف بھی تھا اور عقیدت بھی اعلیٰ ظرفی بھی۔

"کاش! کاش وہ عظیم عورت مجھے بھی معاف کر دیتی تو دل پر بوجھ ہو جاتا......" حسن کے دل کا بوجھ بڑھ گیا تھا، واصف کی باتیں سن کر ایک عورت کا مان بڑھ گیا تھا مگر ایک عورت اپنے ٹوٹے خوابوں کی کرچیاں سمیٹتے کتنی لہولہان ہو گئی تھی یہ شاید کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ گیٹ سے باہر نکلتے ہوئے شرجیل نے چپکے سے پلٹ کر دیکھا ہادیہ کے کمرے کی کھڑکی کے پردے چوسر کے ہوئے تھے۔ بیگم برابر ہوئے اور لائٹ آف ہو کر اندھیرے شرجیل کے دل میں اتارے گئے۔ اس نے بمشکل ٹیس کو دبایا۔

■ ■ ■

دوسری جنریشن اب نئی زندگی کی ابتدا کر رہی تھی۔ گھر میں تین تین شادیاں ہو رہی تھیں۔ موبی اور ثنا کی شادی، ثاقب اور ماہین کی شادی اور تیمور اور ماہم کی شادی۔ ہر طرف مصروفیت، افراتفری اور خوشیوں کے رنگ بکھرے ہوئے تھے، ہر کوئی خوش اور مصروف تھا۔ ان میں شرجیل سب سے زیادہ خوش اور مصروف تھا، بہت ہلا گلا کر رہا تھا، اونچے اونچے قہقہے لگا کر خود کو خوش اور مطمئن ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ واقعی انتہائی خوش ہے۔

ماشاءاللہ......! آمنہ...! شرجیل کو دیکھا کتنا کونفیڈنٹ ہو گیا ہے......؟ سارے کام خود سنبھال لیے ہیں کہ یہ سب اس کی ذمہ داریاں ہیں۔ بہت خوش اور مطمئن ہے۔"

"ہاں...! مجھے بھی کہہ رہا تھا آپ لوگوں نے بہت کام کر لیا اب ماہم کی شادی کے تمام انتظامات میں

خود کروں گا مگر واصف! آپ نے ایک بات محسوس کی اس کی مسکراہٹ کتنی پھیکی اور بے رنگ ہے، اس کے قہقہوں کی اوٹ میں انجانی سسکیاں سی سنائی دیتی ہیں، کیا آپ نے یہ سب محسوس کیا ہے؟"

"ایسا ہے تو آمنہ! یہ سب تمہیں سوچنا اور محسوس کرنا چاہیے، اس کی سسکیوں کی وجہ تلاش کرنی چاہیے، اس کے قہقہوں کے کھوکھلے پن کی داستان کھنی چاہیے اس لیے کہ میں تو جانتا ہوں تم سوچو اور سمجھو!"

واصف کے لہجے میں چھپا طنز آمنہ محسوس کر گئی تھیں اور پھر واقعی انہوں نے سوچنا شروع کیا تو یہ حقیقت ان کو دکھی کر گئی کہ ان کے عزیز از جان بیٹے شرجیل نے ان کی خاطر اپنی محبت قربان کر دی تھی، صرف ان کی خاطر اپنی خوشیاں نثار کر دی تھیں اور وہ کتنی خود غرض تھیں کہ اپنی نفرت کی بھینٹ چڑھا رہی تھیں اپنے بیٹے کو۔

"ارے ممی! آپ کیا سوچ رہی ہیں......؟" شرجیل کسی کام سے اندر آیا تو ماں کو سوچوں میں غرق دیکھ کر ان کے قریب آ گیا تو انہوں نے کچھ دیر بغور اسے دیکھا اور پھر ساتھ لگا لیا۔

"جان ممی...! میں سوچ رہی ہوں کہ بہو بھی پسند کر ہی لوں۔"

"کم آن ممی...! ابھی سکون سے ماہم کی شادی ہو جانے دیں، پھر دیکھی جائے گی۔"

"نہیں بیٹا...! تم بڑے ہو پہلے تمہاری ہوگی، پھر ماہم کی۔"

"ممی! ایسا آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ پرسوں ماہم کی مہندی ہے اور اتنی جلدی آپ کو بہو کہاں سے ملے گی؟ مہندی کی رسم ہونے دیں، ڈھیر ساری لڑکیاں ہوں گی، کوئی بھی پسند کر لیجئے گا میں سر جھکا دوں گا۔"

"ہوں! آئیڈیا تو اچھا ہے۔"

آمنہ نے اس کی پیشانی چومی تو شرجیل کے اندر اک اداس سی شام اتر آئی اور پھر ان دنوں میں نہ جانے کیا ہوا تھا کہ مہندی والے دن حسن صاحب عرفان اور ہادیہ کو دیکھ کر شرجیل ششدر رہ گیا۔ ان لوگوں سے تعلق کا ہر تار اسی روز توڑ دیا گیا تھا پھر یہ لوگ کیسے آ گئے۔

"عرفان بھائی...! آپ؟"

شرجیل تو ان لوگوں کو دیکھ کر اپنے ہوش و حواس باختہ ہو گیا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ خوش ہو یا ان کو واپس جانے کو کہے۔ اس پر آمنہ ایک دم آگے آئیں تو وہ گھبرا کر ان کو دیکھنے لگا۔

"ڈونٹ وری بیٹا...! ان لوگوں کو میں نے انوائیٹ کیا ہے، یہ میرے خاص مہمان ہیں، ان کا بہت خیال رکھنا۔"

وہ اسے حیرت میں چھوڑ کر آگے بڑھ گئیں تو ہادیہ نے پلٹ کر ایک نظر اسے دیکھا جس میں غصہ بھی تھا اور ناراضگی بھی۔ دراصل آمنہ کو خود اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔ وہ واصف کے ساتھ جا کر حسن اور عرفان سے معذرت کر کے دعوت دے کر آ گئی تھیں مگر یہ سب شرجیل کے لیے حیران کن تھا۔ باہر مہندی کی تقریب ہو رہی تھی، خوب رنگین تقریب تھی، رنگ و بو کا سیلاب تھا، شرجیل حیران پریشان سا تھا، تقریب کے اختتام پر آمنہ شرجیل کے پاس آ گئیں۔

"تم نے کہا تھا ناں بیٹا... کہ مہندی کی تقریب میں جو لڑکی مجھے پسند آئے اسی کو بہو بنا لوں؟"

"جی......؟" وہ کچھ بھی نہیں سمجھ پا رہا تھا۔

"تو بیٹا۔۔۔۔! مجھے یہ لڑکی پسند آئی ہے۔ امید ہے تمہیں بھی پسند آئے گی۔۔۔۔؟" آمنہ نے اپنے پیچھے کھڑی ہادیہ کو سامنے کر دیا تو شرجیل کو جیسے چکر سا آ گیا۔

"م م مما! یہ آپ۔۔۔" وہ ہکلا کر رہ گیا۔

"دشمنی، عداوت کی فصل کو کاٹ دینا چاہیے ورنہ زندگی عذاب بن جاتی ہے۔" آمنہ یہ کہہ کر چلی گئیں۔

تب ہادیہ نے جھجکتے ہوئے بتایا کہ آمنہ گئی تھیں اور یوں سب کچھ ختم ہو گیا اور نئے رشتے وجود میں آ گئے۔

"اوہ۔۔۔ یا اللہ! تیرا شکر ہے، تو نے میری دعائیں سن لیں اور یہ لڑکی میری بنا دی۔" شرجیل شوخی سے اسے دیکھ کر بولا تو ہادیہ شرما گئی۔

• • •

خودسری، ہٹ دھرمی کے جنون میں انسان کو سوائے اپنے کسی کی پروا نہیں ہوتی، کوئی اس کے رویے سے کتنا ہرٹ ہو رہا ہے، کوئی حرکت کسی کا محبت بھرا ارمان بھرا دل کیسے توڑ دیتی ہے، یہ خودسری کے نشے میں معلوم ہی کب ہوتا ہے لیکن ذرا سی ٹھوکر سے جب نشہ ہرن ہوتا ہے، آئینہ صاف ہوتا ہے تو سب صاف نظر آنے لگتا ہے تو اپنا ہی چہرہ گرد آلود نظر آتا ہے، اپنی ہی آنکھوں میں انسان خود کو تلاش کرتا رہ جاتا ہے۔ یوں تو زندگی میں اتنا بڑا حادثہ ہو کر گزر گیا تھا مگر رات جب سے ارمغان کا جملہ گونجا تھا کہ وہ اب علیزہ سے شادی نہیں کرے گا، ساری رات وہ جاگتی رہی، اس جملے کی بازگشت نے ایک پل کے لیے بھی پلکوں کو آپس میں ملنے نہیں دیا تھا۔ یہ خودسری کی کیسی داستان تھی کہ وہ بے قصور ہو کر بھی سزاوار قرار پائی تھی، بچپن جو شخص ایک ناگوار حس سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا تھا آج اتنا اہم ہو گیا تھا کہ اب تک کوئی ایک پل بھی [illegible] اس کے خیال سے خالی نہ [illegible] اس کی خفگی، ناراضگی کا خیال اتنا اہم کیوں ہو گیا تھا، کیوں دل اسے منانا چاہتا تھا، کیوں اپنی صفائی پیش کرنا چاہتا تھا، آخر کیوں۔

"صرف اس لیے کہ تم بھی اسے چاہتی تھیں، وہ اچھا لگتا ہے، اس کی باتیں اچھی لگتی ہیں، اس کا دیکھنا، شوخی، تنگ کرنا، چھیڑ چھاڑ کرنا سب کچھ اچھا لگتا ہے، صرف اس لیے کہ تم اسے چاہتی ہو، محبت کرتی ہو ارمغان سے وہ منہ پھیر لے، بات نہ کرے، تمہیں اس کی پرواہ نہیں ہوتی چاہیے۔ کیسے برداشت کروں، میرا دل چاہتا ہے میں اس کی نظر میں رہوں، اس کی میٹھی باتوں میں رہوں، اس کی شوخیوں میں بھی ہوں تو [illegible] بدل گیا ہے وہ، کیوں بدگمان ہو گیا ہے وہ، اعتراف کرتی ہوں کہ محبت ہے مجھے ارمغان سے اور اسی بات کا وہ بھی دعویٰ کرتا رہا اور اب کیا محبت میں اتنی بھی گنجائش نہیں ہوتی کہ محبت کی لغزش کو درگزر کر سکے؟ اُف میرے خدایا! تو نے مجھے اس احساس سے بے خبر رکھا ہوتا کہ میں بھی اس کم ظرف کو چاہتی ہوں یا ارمغان کو اتنا ظرف عطا کر دیتا کہ وہ۔۔۔ وہ جواد کے سوال کے جواب میں ہاں کہہ دیتا۔ ذلت کا یہ طوفان مجھے تباہ کر دے گا، میں کیسے اس کی نظروں کا مقابلہ کروں گی۔۔۔۔؟"

اس اعتراف اور انحراف کی جنگ میں وہ لڑتے لڑتے نڈھال ہو گئی تھی، وہ ساری رات جاگتی رہی تھی، شدید ٹھنڈ میں بھی بے قراری سے ٹہلتی رہی۔ ارمغان کا ٹھکرا دینا اتنا اہم کیوں ہو گیا تھا، یہ کھوجتے کھوجتے جس در کو کھوج پائی تھی وہ یہ تھا کہ وہ بھی اسے چاہتی تھی اور اعتراف کا یہ احساس خوشی کی بجائے اسے دکھ اور پچھتاوے

گیا تھا، یہ کب ہوا کیسے ہو گیا تھا، اس نے تو بچپن ہی سے اپنی ذات کے اطراف میں خودسری کی فصیلیں کھڑی کر رکھی تھیں پھر یہ جذبہ کیسے اس تک پہنچ گیا، یہ اس کی کمزوری تھی یا ارمغان کی محبت کی گہرائی تھی جو خوشبو کی طرح روشنی کی کرن بن کر اس تک پہنچ گئی تھی۔ وہ کوئی فیصلہ نہیں کر پائی صبح تک، ندامت اس توڑ پھوڑ نے اسے ذہنی اور جسمانی طور پر اتنا توڑ دیا تھا کہ وہ بخار میں پھنک رہی تھی۔

"آپی۔۔۔!" جواد سمجھ رہا تھا کہ وہ کس جذباتی مرحلے سے گزر رہی ہے۔

"مجھے مما کے پاس لے چلو جواد! میری مما کے پاس لے چلو مجھے ورنہ۔۔۔ ورنہ میں مر جاؤں گی، پلیز۔۔۔!"

وہ کہاں تک اپنی خودداری کا بھرم رکھتی، ریت کی طرح بہہ گئی تو جواد نے اسے کراچی لے جانا ہی مناسب سمجھا۔ ارمغان نے جواد کے کہے بغیر ان دونوں کے جانے کے انتظامات کر دیے تھے۔ جواد، ارمغان سے خائف سا تھا، وہ سمجھ رہا تو اس کے سامنے ہی نہیں آ رہی تھی۔ وہ جب بھی اس کے سامنے جاتا علیزہ چہرہ دوسری طرف کر لیتی تو ایک حسرت بھری ٹیس ارمغان کو بے حال کر جاتی کہ وہ بمشکل خود پر کنٹرول کر پاتا۔ اس نے کب سوچا تھا کہ چاہت کے اس سفر میں ایسا موڑ بھی آئے گا کہ علیزہ سے اسے یوں دستبردار ہونا پڑے گا، خود ہی ہاتھوں سے اپنی محبت کا گلا دبانا پڑے گا۔ جواد بھی اس سے بدگماں تھا، اسے کیسے بتاتا کہ وہ کس قیامت کا سامنا کر رہا ہے۔ ائیرپورٹ پر چھوڑنے گیا تو جواد اس کے گلے لگ گیا۔ ارمغان کی نظریں علیزہ پر اٹھیں، کچھ تو ٹھنڈ اور کچھ شدت ضبط سے [illegible] آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں، کیا شکایت کرتا اس سے کہ اس کے چہرے پر اس کی رقم کی ہوئی داستان [illegible] ایک نظر کی طلب میں وہ کتنا اس کی نظروں میں رہا تھا اور اب خود ہی اس سے نظریں چرا رہا تھا۔ اسی وقت علیزہ کی نگاہیں اٹھیں، ارمغان سے نظریں ملیں تو اک قیامت برپا کرتی گزر گئی۔ ہزار ضبط کے باوجود کئی آنسو رخساروں پر پھیل گئے۔ ارمغان سے درد سنبھالا نہ گیا تو وہ جلدی سے قدرے ہٹ کے کھڑا ہو گیا۔

"چلیں پھر مائی بھیا۔۔۔" جہاز کی روانگی کے اعلان کے بعد جواد اس کی طرف بڑھا تو ارمغان نے اسے گلے لگا لیا، نظریں پھر اس لڑکی پر ٹھہر گئیں جو چاہت تھی، محبت تھی، طلب تھی، دعا تھی اور آج فقط اک درد تھی، کسک تھی، آنسو تھی۔

"تمہاری یہ خاموشی مجھے بہت تڑپا رہی ہے جواد! مگر کیا کروں محبت میرے لیے اعزاز ہے، ترس یا رحم نہیں، بھیک نہیں۔ میں محبت کو اعزاز کی طرح سینے پر سجانا چاہتا تھا، محبت کی مجبوری سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا تھا اس لیے اگر ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔"

ارمغان جواد کو یہ سب کہہ رہا تھا یا علیزہ کو سنا رہا تھا جس کے نازک ہاتھوں کی آپس میں الجھی انگلیاں اس کے اندر ہوتی شکست و ریخت کی غماز تھیں۔

"ہم لوگ ساتھ آئے تھے مائی بھیا! آپ بھی ساتھ چلتے تو اچھا تھا۔" جواد پھر وہی بولا تو اک سایہ سا ارمغان کے چہرے پر آ گیا۔

"خدا حافظ جواد!" اور پھر ارمغان مڑے بغیر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا باہر نکل گیا۔ ائیرپورٹ کی

''تمہیں کچھ اندازہ ہے ارمغان! کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ یقین کرو میں تمہارے بچپن سے خواب دیکھ رہی ہوں تم نے اتنی آسانی سے اسے توڑ دیا؟''

جواد اور علیزہ کے جانے کے بعد ارمغان چند گھنٹے بھی وہاں نہیں گزار سکا اور رات کی فلائیٹ سے آ گیا تو آتے ہی عفت بیگم نے اعلان کر دیا کہ چاہے تعلیم مکمل ہو نہ ہو مگر وہ اس کی اور علیزہ کی شادی کریں گی۔ تب ارمغان نے سنجیدگی سے انکار کر کے ان کو ششدر کر دیا تھا۔

''سوری مما!'' اپنے اندر اترتی سرد سیاہ شام کا سوگ لیے وہ بہت آہستگی سے بولا تو وہ اس کے قریب آ کر بغور دیکھنے لگیں۔

''کیا مطلب ہے اس سوری کا؟ ختم کرو یہ مذاق، میں جانتی ہوں تم مذاق بھی اتنے سنجیدہ ہو کر کرتے ہو۔''

''نہیں مما......! میں مذاق نہیں کر رہا، کبھی کبھی ہم خود مذاق بن جاتے ہیں اور یہ میری زندگی کی سب سے بڑی سچائی ہے میں کہ خود مذاق بن گیا ہوں۔''

اس کے لہجے میں اتری شام کیا کہہ رہی ہے، عفت یا تو سمجھ نہیں پا رہی تھیں یا سمجھ کر یقین نہیں کرنا چاہ رہی تھیں۔ وہ خود بھی فیصلہ نہیں کر پا رہی تھیں۔

''ارمغان! تم اچھی طرح جانتے ہو کہ مجھے وردہ کتنی پسند تھی اور میں اسے ہی تمہاری دلہن بنانا چاہتی تھی مگر تمہیں علیزہ پسند تھی میں نے وہ بات بھی مان لی۔ سب علیزہ سے بھی مکر رہے ہو؟ یہ تم مرد بھی لڑکیاں نائیوں کی طرح بدلتے ہو مگر کان کھول کر سن لو میں علیزہ کے علاوہ اور کسی لڑکی سے تمہاری شادی کرنا تو دور کی بات ہے۔''

عفت نے حتمی انداز میں اپنا فیصلہ سنایا تو ارمغان کے اندر جیسے کچھ ٹوٹ سا گیا مگر وہ اپنی کوئی کمزوری ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے ڈوبتے حوصلے کو سہارا دیا۔

''مما! یہ آپ خواتین بھی نا، بس پتھر پر لکیر کی طرح ایک ہی جگہ ٹھہر جاتی ہیں اور پھر آپ خود انصاف کیجئے یہ کائنات کتنی حسین ہے، کتنے دلکش رنگ بکھرے ہیں۔''

''بکواس مت! اور گاڑی نکالو مجھے ابھی شہلا سے ملنا ہے۔''

''اس... اس وقت مما.....! کچھ خوف خدا کریں، آٹھ بج رہے ہیں، آدھی رات ہو رہی ہے اور آپ'' وہ ندر سے دہل گیا۔ وہ شہلا کا سامنا کرنا نہیں چاہتا تھا۔

''یہ... یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے ارمغان! پچھلی بار جب تم آئے تھے تو ایسی تو کوئی بات نہیں کی تھی اور شہلا کے ہاں تو تم سر کے بل ہر وقت جانے کو تیار تھے...... اب کیا ہو گیا ہے......؟''

ماں نے غور سے کھوجتی نظر ڈالی تو وہ ڈر گیا۔ وہ ان کو کچھ بتانا نہیں چاہتا تھا۔

''کچھ نہیں مما! مذاق کر رہا تھا۔ چلیں اس سے پہلے کہ آپ کوئی نئی داستان گھڑیں۔''

وہ کرب کی دھند سے باہر نکلتا ہوا بولا تو عفت اسے دیکھ کر رہ گئیں۔

● ● ●

''شہلا! تم نے کچھ محسوس کیا اس بار ان سب کے تھوڑے کچھ عجیب سے نہیں لگ رہے؟ یوں جیسے کچھ چھپا رہے ہوں...؟''

پہنچتے ہی عفت نے جواد اور رمغان کو دیکھا جن کے چہروں پر وہ رنگ اور روشنی تھی ہی نہیں جو ماحول کو بہت خوبصورت اور رنگین بنا دیا کرتی تھی۔ شہلا نے ایک نظر ان کو دیکھا پھر جواد اور رمغان کو جو بہت سنجیدہ تھے، رمغان نے اشارے سے شہلا کو سمجھا دیا کہ عفت کو کچھ معلوم نہیں۔ لہٰذا ان کے سامنے کچھ نہ کہا جائے۔ شہلا نے ایک گہرا سانس لیا اور رخ موڑ کر کھڑی ہو گئیں۔

''آپ کا وہم ہے بھابھی......اور نہ میں نے تو ایسی کوئی بات محسوس نہیں کی۔''

''اچھا! ہو سکتا ہے، ارے آؤ علیزہ بیٹا! کیسی ہو؟ اور یہ تمہیں کیا ہوا ہے؟ مرجھائی ہوئی لگ رہی ہو؟''

بات کرتے کرتے عفت کی نظر علیزہ پر پڑی جو ارمغان کو دیکھ کر پہلے تو کترا کر گزر جانا چاہتی تھی پھر عفت کے خیال سے اندر آ گئی۔ علیزہ کے ناز و انداز کہیں کھو گئے تھے، اک ویران اداس کر دینے والی خاموشی نے اس کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ علیزہ وہ خود سری تھی جس کی وجہ سے وہ سب میں منفرد تھی۔ نہ کھڑ... کے وہ انداز جو ارمغان کو اس سے زیادہ عزیز تھے۔

''جی......! جی، جی......! میں ٹھیک ہوں، آپ کیسی ہیں؟''

علیزہ کے لہجے کی شوخی اس کا ساتھ چھوڑ کر بالکل بھی اچھی نہیں لگ رہی تھی۔ وردہ اور شہلا نے ایک ساتھ ارمغان اور علیزہ کو دیکھا... نیل میں طوفان... تھے مگر چہرے پر لاتعلقی کا بورڈ لگا تھا۔ یہ وہ شخص تھا جو علیزہ کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے جانے کیا کیا بہانے بنایا کرتا تھا، اسے چھیڑنے کے لیے، بات کرنے کے لیے وہ کیا کیا حرکتیں کیا کرتا تھا اور اب علیزہ سامنے بیٹھی تھی اور اس نے ایک نظر بھی اس پر نہیں ڈالی تھی، بے مقصد ہی اخبار کو دیکھ رہا تھا، اس کا یہ انداز سب کو عجیب لگ رہا تھا مگر علیزہ جسے کبھی اس کی پرواہ ہی نہیں ہوتی تھی، آج اس کی یہ لاپرواہی، بے نیازی برداشت نہ کر پا رہی تھی۔

علیزہ نے ایک نظر ارمغان پر ڈالی۔ وہ اس کے وجود کو نظر انداز کیے اخبار میں گم تھا۔ علیزہ سے مزید یہ سب برداشت نہیں ہوئی، وہ اٹھ کر چلی گئی، رمغان بھی باہر چلا گیا، وردہ اور شہلا کو جواد نے ارمغان کے بارے میں بھی سب کچھ بتا دیا تھا وردہ دونوں کو اس بات کا شدید دکھ بھی تھا۔

وردہ کو شدید دکھ پہنچا تھا کہ یہ مرد عورت سے جان دینے کی حد تک محبت کا دعویٰ کرتے ہیں مگر ایک ذرا سی بھول کی اتنی سزا دیتے ہیں کہ عورت اپنی ہی نظر میں گر جاتی ہے۔

''ارے بھی کیا جلدی پڑ گئی بھابھی جان! آپ علیزہ اور ارمغان کی شادی کی؟'' شہلا عفت بیگم سے نظریں چرا کر بولیں تو وہ ان کے مقابل آن کھڑی ہوئیں۔

''اور تم اب ان کی شادی میں دیر کیوں کرنا چاہتی ہو؟ بھئی! آخر بیاہ دونوں کی تعلیم بھی مکمل ہونے والی ہے اور میں چاہتی ہوں کہ اب گھر میں رونق ہو، خوشی ہو۔ تمہارے بھائی اب چھوٹی بہو کو گھر میں دیکھنا چاہتے ہیں۔'' شہلا کے دل میں کسک سی اٹھی، ان کو رمغان پر بہت اعتماد تھا مگر اس کم ظرفی کے بعد ان کا دل

"مس وردہ وجاہت... انسان کو اتنا بھی خوش فہم نہیں ہونا چاہیے، تم کیا سمجھیں کہ میں عزیزین تمہارے عشق میں پاگل ہو کر کوئی غلطی کر رہا ہوں...؟ تم نے ہمیشہ مجھے غلط سمجھا، غلط جانا۔ محترمہ! ذرا خوش فہمی کی دنیا سے باہر آئیے اور سنیے کہ میرے پاس آپ کے لیے آپ کی مما کے متعلق ایک بری خبر ہے۔"

"واٹ...! مما کے بارے میں...؟ کک... کیا ہوا ہے مما کو...؟"

وہ جتنا بھی بے اعتبار سہی مگر اس کی مما کے بارے میں یہ کیوں کہے گا۔ وہ بری طرح گھبرا گئی۔ ساری تھکن، ساری ٹھنڈ ختم ہو گئی۔ وہ لحاف پرے پھینک کر کھڑی ہو گئی۔ دل کسی انجانے حادثے کے خیال سے بری طرح دھڑک اٹھا۔

"آپ... آپ سچ کہہ رہے ہیں عزیزین... کوئی ڈرامہ تو نہیں کر رہے...؟" اس کے حلق سے مارے خوف کے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ عزیزین چشم تصور سے دیکھ رہا تھا، یوں خوفزدہ ہو کر گھبرائی ہوئی کتنی حسین لگ رہی ہو گی۔ وہ اسی خیال سے دھیرے سے مسکرایا۔

"محترمہ... مجھے کسی ڈرامہ کے ذریعے آپ تک رسائی چاہیے اور نہ ہی میں اپنے دل کے ہاتھوں اتنا مجبور اور بے بس ہوں اور وہ بھی بستر پر لیٹے لیٹے گرم گرم لحاف میں بیٹھ کر اپنی مما کے لیے فکرمند ہونے سے بہتر ہے آپ کم از کم گیٹ تک تو آ جائیں تاکہ میں آپ کو ساری صورت حال بتا سکوں۔"

اپنے مقصد کے حصول کے لیے اسے وردہ کو گیٹ تک بلانے کے لیے کسی ایسے ہی بہانے کی ضرورت تھی۔

"میں کیسے آپ کی بات پر یقین کروں کیونکہ میں آپ کو اچھی طرح جانتی ہوں۔ یوں بھی ابھی چند منٹ پہلے تو میری مما سے بات ہوئی ہے، وہ بالکل خیریت سے ہیں [illegible]" یہ اس نے خشک حلق کے ساتھ جھوٹ بولا

"تو میں نے کب کہا ہے کہ خدانخواستہ آپ کی مما کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے...؟" عزیزین اس کے جھوٹ کو سمجھ گیا تھا۔

"تو..." وردہ کا دل بڑے زور سے دھڑکا کسی بھی بری خبر کے لیے۔

"محترمہ... اگر ذرا سی دیر کے لیے باہر تشریف لے آئیں گی تو آپ کی شان میں کمی نہیں آ جائے گی...؟ میں اندر اس لیے نہیں آ رہا کہ آپ کے گھر والے گھر پر نہیں لہٰذا آپ باہر آ کر مجھ سے اپنی مما کی میڈیکل رپورٹ لے جائیں جو ڈاکٹر سلطان نے مجھے دی ہے جس کے مطابق آپ کی ڈیئر مما کو..."

یہ کہہ کر وہ بالکل خاموش ہو گیا۔ وردہ کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔ یہ تو وہ جانتی تھی کہ مما چیک اپ کے لیے ڈاکٹر سلطان کے پاس گئی تھیں مگر ان کو کوئی ایسی بیماری ہے یہ وہ نہیں جانتی تھی۔ یوں عزیزین اپنے اس جال میں اسے پھنسانے میں کامیاب ہو گیا۔

"کک... کیا ہوا ہے مما کو...؟" وردہ کی ٹانگوں سے جان نکل گئی، وہ بیڈ پر گر سی گئی۔

"جس طرح آپ میں سننے کا حوصلہ نہیں وردہ... اسی طرح مجھ میں بتانے کا حوصلہ نہیں... تم آ کر رپورٹ لے جاؤ، خود ہی پڑھ لینا۔"

وہ بھی آواز میں درد پیدا کر کے بولا تو وردہ ریسیور رکھ کر دوڑی۔

سرخ اور سیاہ پرنٹڈ کاٹن کے سوٹ میں الجھے بالوں اور بدحواس انداز میں گیٹ کی مدھم سی روشنی میں وہ بہت حسین لگ رہی تھی۔ عزیزین پلک جھپکائے بغیر اسے دیکھے گیا۔

"جی تو چاہ رہا ہے کہ اس حسین خیال کو اپنی زندگی کی غزل کا عنوان بنا لوں۔" وہ زیر لب جیسے گنگنایا۔ نظریں اس کے حسین سراپے پر جمی تھیں۔ ایک پل کے لیے تو وہ سب کچھ بھول گیا اور اسے بے خودی کی سی کیفیت میں دیکھ کر وردہ چلائی۔

"کہاں ہے مما کی رپورٹ...؟ کیا ہوا ہے مما کو...؟"

"گاڑی میں ہے، دروازے کھلے ہیں، نکال لو۔" وہ جیسے منہ میں بولا مگر وردہ اتنی پریشان تھی کہ اس نے نہ تو اس کے انداز کو اہمیت دی اور نہ ہی اس کے پراسرار انداز پر توجہ۔ نہ ہی یہ سوچا کہ وہ اسے خود نکالنے کو کیوں کہہ رہا ہے۔ وہ فرنٹ ڈور کھول کر اوپر نیچے ڈیش بورڈ کے اندر سب جگہ بے چینی سے تلاش کرنے لگی، اسے یہ بھی ہوش نہیں رہا کہ عزیزین ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ چکا ہے اور اس کے پرفیوم کی خوشبو جب اس کی ناک سے ٹکرائی تو وہ چونک کر سیدھی ہوئی۔ عزیزین نے اسے شانے سے پکڑ کر سیٹ کے ساتھ دھکا دیا اور ہاتھ بڑھا کر اس کی طرف کا دروازہ لاک کرنے کے بعد گاڑی اسپیڈ میں چھوڑ دی۔ وردہ کو صورت حال سمجھنے کا موقع بھی نہ ملا۔

"یہ... یہ سب کیا ہے...؟" اس کے حلق سے بمشکل آواز نکلی، جسم سے تو یہ خیال جان نکال ہی چکا تھا کہ عزیزین اسے کڈنیپ کر چکا ہے۔

یہ خوفناک حقیقت جب یقین بن کر سمجھ میں آئی تو وہ جنونی انداز میں اس کی جانب جھپٹی۔

"[illegible] چھوڑوں گی، تم نے دھوکہ دیا ہے مجھے۔ ارے... تم تو بہت ہی گھٹیا انسان ثابت ہوئے، حیوان، وحشی، جنگلی۔" اس نے ایک زوردار تھپڑ عزیزین کو مارا اور دوسرے ہاتھ سے دروازہ کھولنے لگی تو اس کی باتوں اور تھپڑ سے وہ جو سلگ اٹھا تھا۔ اس نے زور سے سیٹ کے ساتھ پٹخا اور دھاڑا۔

"شٹ اپ...! خبردار جو کوئی بھی فضول بکواس تم نے کی یا کبھی اور اب اگر تم نے لاک کھولنے کی کوشش کی تو سامنے سے آنے والے کسی ٹرک سے گاڑی مار دوں گا۔"

وہ اس وقت غصے سے پاگل ہو گیا تھا، وہ یہ نہیں دیکھ رہا تھا کہ اس نے کتنی زیادتی کی ہے، وہ صرف خود کو اہمیت دے رہا تھا۔

"مار... مار دو مجھے اور خود بھی مر جاؤ ذلیل انسان...! تم نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا یہ حرکت کر کے۔ مما تو جیتے جی مر جائیں گی کہ میرے ساتھ بھی وہی ہوا جو..."

وردہ کے دماغ میں آندھیاں سی چلنے لگیں۔ جو کچھ علیزہ کے ساتھ ہوا وہی کچھ اس کے ساتھ ہو گیا تھا۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ اب شہلا کی کیا حالت ہو گی، وہ سوچ کر بھی غصے سے پاگل ہو رہی تھی، اس کا دل چاہ رہا تھا کہ خوب چلائے، ساری دنیا کو جمع کرے مگر پھر بدنامی اس کی ہوتی، اس کے والدین کی عزت پر داغ لگتا۔ اس نے اپنے بال نوچتے ہوئے عزیزین کو دیکھا، اس کی حالت بھی اس سے کچھ مختلف نہیں تھی، وہ اس ٹھنڈ میں بھی پسینے میں

شر ہو رہا تھا، گاڑی فل اسپیڈ پر چھوڑ رکھی تھی، ہونٹ سختی سے بھینچے ہوئے تھے وردہ کو اس خوبرو سے شخص سے شدید نفرت محسوس ہوئی۔

"اُف میرے خدا... یہ... یہ سب کیا ہے...؟ کیوں ہے...؟ کیا خطا ہوئی ہے ہمارے والدین سے کہ ہم دونوں بہنیں ایک جیسی صورت حال سے دوچار ہوئے ہیں...؟"

وہ خوف اور غصے سے کانپ رہی تھی۔ نہ جانے اس کی کیا نیت تھی، کیا چاہتا تھا اس کے بعد کیا ہوگا، یہ خیال اس کی رگوں کو سن کر گیا۔

"کیوں...؟ کیوں کیا تم نے یہ سب...؟ کیا چاہتے تھے مجھ سے گھٹیا انسان...! کس بات کا بدلہ لے رہے ہو...؟ کیا چاہتے ہو...؟"

"جاننا چاہتی ہو میں نے یہ سب کیوں کیا...؟ تو سنو... تمہارے عشق میں، تمہیں پانے کے لیے، مگر دماغ کے ہزارویں حصے میں بھی یہ خوش فہمی ہے ناں تو اس کو ختم کردو۔ میں نے تم سے کہا تھا تم میری ضرورت ہو پھر میں نے تم سے درخواست کی کہ پلیز میری ہیلپ کرو مگر تم نے میری بات نہیں مانی، مجبوراً مجھے یہ قدم اٹھانا پڑا، اور اب تم تب تک میرے پاس رہو گی جب تک میں اپنی منزل تک نہیں پہنچ جاتا، جب تک میری تلاش ختم نہیں ہو جاتی کیونکہ تم اس کی ذمہ دار ہو تم... تمہارا..." وہ دھڑا سا تھپڑ کھا کر ٹرک گئی۔

● ● ●

"مما... پلیز آپ نے دو دن سے ڈھنگ سے کچھ کھایا پیا نہیں، وہ جو آپ کے پاس نہیں ہے آپ اس کے لیے اتنی اداس رہتی ہیں، آپ جی رہی ہیں تو اسی سے ملنے کی آس میں اور ہم جو سارا وقت آپ کو دیکھتے رہتے ہیں، آپ کی زندگی صحت کی دعا کرتے رہتے ہیں، آپ... [illegible] ...کے...؟"

زوہا تیسری بار سوپ لے کر آئی تو آصفہ نے ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا تو وہ پھٹ پڑی اور پہلی بار شکوہ زبان پر آ گیا تو آصفہ نے تڑپتی ممتا کے ساتھ اسے دیکھا۔ ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھی زوہا بھی، ان دونوں بچوں نے جب سے ہوش سنبھالا تھا ان کو بیمار پایا تھا اور اپنے باپ کی طرح نہ صرف ان سے محبت کی تھی بلکہ خدمت بھی کرتے تھے اور وہ، اپنے بچھڑے سکون کے لیے تڑپتی رہتی تھیں، اور یہاں وہ خود بھی محسوس کرتی تھیں کہ وہ اپنے ان دونوں بچوں کی ساتھ ناانصافی کر جاتی ہیں۔ مگر وہ بھی کیا کرتیں، انسان تھیں اور انسانی فطرت ہے کہ اللہ کی بے شمار نعمتوں کا شکرانہ ادا نہیں کرتا جو اللہ نے اسے عطا کر رکھی ہوتی ہیں، جو نہیں ہوتی اس کا شکوہ کرتا ہے۔

آصفہ ناشکری تو نہیں تھیں مگر کیا کرتیں، وقت نے ان کی ممتا کے گلشن کو ویران کیا تھا، پھر وہ کیسے خوش رہ سکتی تھیں مگر اس وقت زوہا کے شکوے پر انہوں نے دونوں بازو پھیلا کر اسے ساتھ لگا لیا۔

"مجھے معاف کردینا میرے بچو...! میں ہی زیادتی کر جاتی ہوں تم دونوں کے ساتھ مگر کیا کروں میری جان...! میرے دل میں آگ سی لگی ہوئی ہے یا تو یہ آگ اس کے ملاپ سے بجھ سکتی ہے یا پھر یہ آگ موت بجھا سکتی ہے، دعا کرو میرے بچو...! اللہ میری آگ بجھا دے، میں نہ جی سکتی ہوں نہ مر سکتی ہوں۔"

آصفہ کو جب ڈپریشن کا دورہ پڑتا تو ایسے ہی نڈھال ہو جایا کرتی تھیں مگر اب ظفر کا صبر جواب دے گیا تھا۔ وہ

اسی وقت کمرے میں داخل ہوئے تھے، انہوں نے بہت صبر آزما وقت گزارا تھا آصفہ کے ساتھ، وہ خود کو، ان کو اور بچوں کو سنبھالتے سنبھالتے نڈھال ہو گئے تھے۔

"اور... اور تم اس بے یقینی کی کیفیت میں تب تک مبتلا رہو گی آصفہ...! جب تک تم یقین نہیں کر لیتیں کہ وہ مر چکا ہے، میں نے خود اسے مٹی کے سپرد کیا ہے، مردے کبھی زندہ نہیں ہوا کرتے، کیسے یقین ہوگا تمہیں...؟ اسی بے یقینی میں تم نے میرے ساتھ بچوں کے ساتھ ہمیشہ زیادتی کی، اس ایک خاطر تم نے ان دونوں کی اہمیت کو ختم کر دیا، اس ایک کی خاطر ان دو سے ممتا چھین لی۔"

ظفر بہت چاہنے والے ہمدرد دوست نما شوہر تھے۔ آصفہ کا بے حد خیال رکھا مگر آج جانے کیسے وہ اتنے کم حوصلہ ہو گئے کہ آصفہ جس کی انہوں نے ہمیشہ عزت کی، حوصلہ دیا، آج ہتک آمیز وار کر گئے تو آصفہ دل تھام کر رہ گئیں۔ زوہا اور نعمان حیرت سے ظفر کو دیکھ رہے تھے۔

"ظفر...! کتنا چٹانوں جیسا حوصلہ ہے آپ کا...؟ کیسے منہ بھر کر کہہ دیا...؟ ماں نہیں ہیں ناں، باپ ہیں ناں آپ... اسی لیے میرے پھول سے بچے کے لیے اتنے بڑے الفاظ کہہ دیئے جو ماں مر کر بھی نہیں کہہ سکتی۔ میرا پھول سا بچہ..."

آصفہ دل پر ہاتھ رکھے بری طرح بکھر گئیں۔ ان کی حالت غیر ہونے لگی تو زوہا، نعمان نے شاکی نظروں سے باپ کو دیکھا تب ان کو بھی اپنے الفاظ کی سنگینی کا اندازہ ہوا تو وہ بیچ میں ندامتوں کی دھند لیے ان کے قریب آ گئے۔

"آصفہ...! وہ میری بھی اولاد تھی جس طرح تمہارے لیے یہ یقین کرنا کہ وہ اب نہیں ہے مشکل ہے، اسی طرح میرے لیے... [illegible] ...مان لیتیں کہ پھول ڈالی سے ٹوٹتے ہی مرجھا جاتا ہے اور تمہارا پھول بھی۔"

"ممتا کا یقین زندہ ہو تو اس کا مطلب ہے وہ زندہ ہے۔ میرے پروردگار...! میرے یقین کو حیات بخش دے یا مجھے بھی اٹھا لے۔"

"بس کریں مما...! اب تو ہم سے بھی یہ سب برداشت نہیں ہوتا ہم بھی انسان ہیں، کیا آپ کی صرف وہی اولاد تھا جس کے لیے آپ جیتی مرتی ہیں...؟ آپ پر ہمارا کوئی حق نہیں...؟ آپ کو ہمارا ذرا بھی خیال نہیں...؟"

نعمان کو تو اب اپنے اس انجانے مان دیکھے بھائی سے حسد سا ہونے لگا تھا جس کی محبت میں اس کی ماں نے ان کو خود سے دور رکھا تھا، جب جب وہ خوش ہوتے آصفہ اپنے بیٹے کا ذکر لے کر بیٹھ جاتیں، یوں ساری خوشی مٹ جایا کرتی، آج باپ کی طرح وہ بھی پھٹ پڑا تھا۔

"ہاں ہاں...! میں مجرم ہوں تم سب کی، تم دونوں کی تمہارے باپ کی، کیا کروں میں...؟ کیا کروں...؟ مجھے معاف کر دو میرے بچو...! معاف کر دو...!" آصفہ نے زوہا اور نعمان کو ساتھ لگا لیا اور شدتوں سے رو دیں۔

● ● ●

وجاہت کو شدید قسم کا جھٹکا ہوا وہ سن سکتے تھے مگر سوچنے اور بولنے کی طاقت گنوا بیٹھے تھے بس تب سے وہ جیسے اپنے آپ کو کھو بیٹھا تھا۔ وہ اپنے سگے والدین کے بارے میں جاننا چاہتا تھا کہ وہ کہاں ہیں، کس حال میں ہیں اور یہ کہ وجاہت نے اس کے والدین سے ایسا انتقام کیوں لیا مگر اس کے سوالوں کا جواب دینے والے آفاق ڈیڈ بے حس و حرکت، بے زبان ہو گئے تھے اور وہ ہر لمحہ بے قرار ہو رہا تھا اپنے ماں باپ کو دیکھنے کے لیے اس کے پاس یہی چارہ تھا کہ وہ دنیا کو بتائے ہوئے بغیر بس پر شہلا اور وردہ کی زندگی میں آئے، اسی لیے اس نے وردہ کے کالج میں داخلہ لیا، ورنہ صرف خود اس کی زندگی میں آ گیا تھا بلکہ نہ چاہتے ہوئے بھی وردہ اس کی محبت بن کر اس کے دل میں آ بسی تھی۔ کیا ستم تھا باپ سے جتنی نفرت ہو رہی تھی، بیٹی سے اتنی ہی محبت ہو رہی تھی لیکن اپنے والدین کی محبت ہر محبت پر حاوی ہو گئی تو اس نے وردہ کو طریقے سے اس ڈرامے میں شامل کرنا چاہا کہ وجاہت کو ڈرامہ کر کے اس کے ذریعے، موشنل اٹیک دے کر بولنے پر مجبور کیا جائے مگر وردہ نے اسے ہمیشہ غلط ہی سمجھا، تب اسے یہ غلط قدم اٹھانا پڑا۔ وہ جانتا تھا اسی طرح وہ وردہ کو گنوا دے گا مگر اسے کسی کی پرواہ نہیں تھی۔ اپنی ماں چاہیے تھی، باپ کی کمی تو آفاق ڈیڈ نے اسے بھرپور انداز میں پوری کی تھی مگر ماں کی کمی اسے ہر لمحہ محسوس ہوتی تھی، وہ رویا کرتا تھا ماں کے لیے جس کو مردہ قرار دے دیا گیا۔ اس کے پیچھے اتنا بے قرار تھا کہ اخلاق سے گری ہوئی حرکت بھی کر بیٹھا تھا۔

”بابا، بابا! آپ کہاں چلے گئے تھے؟ آپ اس ذلیل شخص کے قبضے میں کیسے آ گئے؟“

وردہ روئے بھی جا رہی تھی اور وجاہت سے بات بھی کر رہی تھی کہ وہ وحشی انداز میں آگے بڑھا اور وردہ کو بازو سے پکڑ کر وجاہت سے الگ کیا تو ایک دم وجاہت کے ہاتھ میں جیسے جنبش ہوئی۔

”ایسے نہیں! ارے وجاہت صاحب! ایسے [illegible] بابا [illegible] کیسے [illegible] ماں باپ سے الگ کیا تھا نا؟ ایک ایک پل کے لیے ترس نامی کوئی چیز انتقام کے طوفان کو چھو کر گزری تھی نہیں، نہیں اگر گزرتی تو آج آپ اس صورت حال کا شکار نہ ہوتے میں بہت اذیت میں ہوں، بولیے وجاہت صاحب...! کہاں ہیں میرے ماں باپ......؟ بتاتے ہیں یا ختم کر دوں آپ کی لاڈلی کو شوٹ؟“

غزین نے گھٹیا فلمی ولن کا کردار ادا کرتے ہوئے ریوالور نکالا۔ وجاہت کے چہرے پر خوف طاری ہو گیا۔

وردہ ہاتھ چھڑا کر پھر ان کے ساتھ جا لگی۔

”بابا! چلیں نا! میں آپ کو ابھی اسی وقت یہاں سے لے کر جاؤں گی انسان کے جنگل میں پھنس کیسے گئے؟“

وردہ جو ابھی تک اس ڈرامے کے اصل مقصد کو نہیں جان پائی تھی وجاہت کا ہاتھ پکڑ کر ان کو اٹھانے کی کوشش کرنے لگی تو غزین بھی زخمی شیر کی طرح اس پر جھپٹا اور جھٹکے سے وردہ کو کھینچا۔ ایک تو وردہ دیوار سے جا لگی، دوسری طرف وجاہت جھٹکے سے تکیے سے جا لگے۔ یہ ساری صورت حال وجاہت کی رگوں میں مزاحمتی قوت بھر رہی تھی۔

”ایسے نہیں، اتنی آسانی سے تم باپ بیٹی نہیں مل سکتے، جب تک مجھے میرے ماں باپ اور بھائی بہن کا پتہ نہیں مل جاتا۔ وردہ وجاہت! ذرا اپنے ڈیئر بابا جان سے پوچھو کیا مری تھی میری جس وقت انہوں نے اپنے

بہترین دوست ظفر سے دشمنی نبھائی؟ انتقام لینے کے لیے اس کے معصوم بیٹے کو ان سے یوں جدا کیا کہ ان کو میری زندگی کی امید ہوگی نہ انتظار؟ وجاہت صاحب! بے شک میں اپنے باپ کی اولاد ہوں مگر مگر میری تربیت آپ نے کی ہے، آپ اگر اپنے دوست سے انتقام لے سکتے ہیں تو میں اپنے دشمن سے کیوں نہیں لے سکتا؟ اب آپ کی آنکھوں کے سامنے جب آپ کی پیاری بیٹی وردہ خون میں لت پت تڑپ رہی ہوگی نا، تب آپ کو پتہ چلے گا کہ دوری کی جدائی کیا چیز ہے؟ ایسا زہر ہے جو رگوں کو کاٹتا رہتا ہے مگر مارتا نہیں......اب آپ بولیں گے آفاق ڈیڈ......یا کروں میں آپ کی بیٹی کا کام......؟“

غزین نے ریوالور وردہ کی کنپٹی پر رکھ دیا، اسد سامنے آ گیا۔

”غزین! انتم“

”اسد! پلیز اگر اب تک دوستی نبھائی ہے تو تھوڑی دیر اور سہی، تمہیں تو اندازہ ہے نا کہ میں یہ سب کیوں کر رہا ہوں؟ ورنہ سارا دباؤ میری زندگی ویران کر جائے گا، بہت آئی ڈونٹ کیئر مجھے میرے والدین کا پتہ چاہیے۔ آفاق ڈیڈ تو نہیں، وجاہت صاحب! تیار ہو جائیے! ون، ٹو، تھری“

غزین کی اپنی حالت غیر ہو رہی تھی، خود بھی کانپ رہا تھا۔ وردہ جس کو ساری کہانی پتہ چل چکی تھی مگر اس کے باوجود وہ غزین ہی کو غلط سمجھ رہی تھی کیونکہ درست منزل پر پہنچنے کے لیے اس نے غلط راستہ اختیار کیا تھا۔ غزین پر آہستہ آہستہ خون سوار ہو گیا، وہ جا رہا تھا، درست غلط سب کچھ بھول رہا تھا۔

”ڈیڈ! پلیز بولیے! ورنہ“

اسی وقت کے ساتھ ہی فائر کی آواز گونجی۔ وردہ کی چیخ، وردہ وجاہت کی لڑکھڑاتی آواز گونجی، الفاظ ٹوٹ

”نن نن نہیں! غز! غزین... غزین... ! نن... نن... نہیں! اما... ما... ما...
مم... مم... میری... بب... بب... بیٹی... کو...“

والدین کے لیے اولاد سے قیمتی شے کوئی اور نہیں ہوتی اور غزین نے اپنے ماں باپ کو پانے کے لیے ان کی بیٹی کو استعمال کیا اور وجاہت کے ہونٹوں پر برسوں کی چپ کا قفل ٹوٹ گیا تھا اور یہی وہ چاہتا تھا۔ غزین خوشی سے پاگل ہو گیا۔

”یا اللہ! تیرا شکر ہے......!“ وہ گھٹنوں کے بل کارپٹ پر بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔

• • •

”کہاں ہے میری بیٹی......! میری وردہ! کہاں گئی علیزہ! تم اتنی بے خبر تھیں کہ تمہیں کچھ پتہ نہیں؟ کون آیا؟ کون گیا؟“

رات گہری ہو رہی تھی۔ شہلا کو غشی کے دورے پڑ رہے تھے۔ علیزہ بے قصور ہو کر بھی مجرم بنی ہوئی کھڑی مما سے ڈانٹ کھا رہی تھی۔

”مما! میں اپنے کمرے میں تھی، جب آپ لوگ چلے گئے تو وہ اپنے کمرے میں چلی گئی اور میں اپنے کمرے میں۔ پھر میں چائے لے کر اس کے کمرے میں آئی تو ریسیور گرا پڑا تھا اور وردہ غائب تھی۔ تب ہی تو میں

نے آپ کو فون کیا۔ خدا جانے کیا مصیبت آ گئی کہ اس نے مجھے بتانا بھی ضروری نہیں سمجھا۔" علیزہ رونے لگی
"خدا خیر کرے ... یا اللہ ...! کہیں وجاہت کے ساتھ تو کسی نے دشمنی نہیں نکالی ...؟ ہیں شہلا! کچھ یاد پڑتا ہے؟"

"مجھے کچھ یاد نہیں ہو بھی جان ...! کچھ معلوم نہیں، بس معلوم ہے تو اتنا کہ میں ہار گئی ہوں، اکیلے زندگی سنوارنے اور لڑکیوں کی تعلیم و تربیت اور مستقبل بنانے کا جو دعویٰ میں نے وجاہت سے کیا تھا، وہ آج تھپڑ بن کر میرے ہی منہ پر آ لگا ہے۔ بھابھی جان ...! میں ہار گئی، جن لڑکیوں کی خاطر میں نے ایک غلط شخص سے شادی کی، میں انہیں بھی سنبھال کر نہیں رکھ سکی۔"

شہلا اپنے آپ سے ہی شرمندہ تھیں، جواد اور رمضان جانے کہاں کہاں خوار ہو رہے تھے کہ ارمغان کے موبائل پر دردہ کا فون آ گیا، دونوں چونک گئے۔

"دردہ ... تم کہاں ہو ...؟ تم خیریت سے تو ہو ...؟"

اور جب دردہ نے عزین کے گھر آنے کا کہا تو دونوں حیران رہ گئے اور فوراً عزین کے گھر چلے آئے۔

وجاہت نے اٹکتے ہوئے اپنی اور ظفر کی دوستی کے بارے میں سب بتا کر اعتراف بھی کیا تھا کہ ہمیشہ انہی کی غلطی ہوا کرتی تھی، ظفر بہت اچھا انسان تھا۔ عزین کے ساتھ ساتھ [illegible] کو بھی اپنے بابا کی اصلیت معلوم ہوئی تو اس کی نظریں جھک سی گئیں۔ عزین وجاہت سے معلومات لے کر [illegible] کے ساتھ جا چکا تھا۔

"جواد ... یہ ہمارے کھوئے ہوئے بابا اور عزین کے اتفاق ڈیڈ ہیں۔" وجاہت کی حالت کچھ زیادہ اچھی نہیں تھی، بچوں کے سامنے وہ اس صورت میں آ رہے تھے کہ [illegible]

"ہمارے بابا ...؟" جواد نے وجاہت کو دیکھا جن کو [illegible] ساتھ ان کی پھیلی بانہوں میں سما گئے۔ وجاہت نے اشارے سے ارمغان کو بھی بلا کر ساتھ لگا لیا۔ دولت اور طاقت کے نشے میں بڑے بڑے دعوے کرنے والے وجاہت [illegible] بیوی بچوں کی عدالت میں شرمندہ بیٹھے تھے۔

"بابا ... ابا ... یقین نہیں آ رہا ہے کہ آپ ہمیں مل گئے ہیں ...؟"

علیزہ نے سب سے زیادہ وجاہت کو مس کیا تھا، وجاہت کی طبیعت خراب ہو رہی تھی مگر وہ سب بچوں کو چمٹائے روئے جا رہے تھے۔ شہلا ایک طرف مجرم بنی کھڑی رو رہی تھیں۔

"پھپھو ...! میرا خیال ہے ہم پہلے انکل کو ہاسپٹل لے جائیں کیونکہ ان کی حالت ٹھیک نہیں لگ رہی۔ دردہ ...! ذرا پلیز ... ہیلپ می ...!" ارمغان آگے بڑھا کہ وجاہت کو سہارا دے کر بٹھائے، علیزہ ان کے سینے سے لگی ہوئی بیٹھی تھی۔ رمضان نے اک زخمی سی نگاہ اس پر ڈالی، ایک وہ وقت تھا جب نگاہیں اسے سامنے دیکھنا چاہتی تھیں، آج یہ عالم ہے کہ وہ سامنے تھی اور وہ اس سے بے نیاز تھا۔ علیزہ اپنی نظروں میں گر سی گئی۔

"جواد ... علیزہ سے کہو پیچھے ہٹ جائے، میں ایک طرف سے انکل کو سہارا دیتا ہوں، دوسری طرف سے تم پکڑو۔"

رمضان کا لہجہ بہت سادہ سا تھا، کوئی چڑانے والی بات نہیں تھی پھر بھی جو دونے شاکی سی نظر ارمغان پر

ڈالی۔ علیزہ کے دل میں اک ٹیس سی اٹھی، وہ تیزی سے کمرے ہی سے نکل گئی تو رمضان کو لگا جیسے جسم سے روح نکل گئی ہو اور پھر شہلا خود وجاہت کو ہاسپٹل لے گئیں۔

• • •

"ہاں ہاں ... جاوید ...! کہہ تو رہا ہوں کہ میرا بچہ تو اس وقت پورے ایک سال کا بھی نہیں ہوا تھا جب ... نہیں میرے بھائی ...! تب سے اب تک اس کی ماں کو یہ کہہ کر یقین دلاتا رہا ہوں کہ وہ اس دنیا میں نہیں ہے اور خود اس یقین کے ساتھ زندہ رہتا ہوں کہ وہ ایک نہ ایک دن ضرور آ جائے گا، مل جائے گا۔ نہ ماں کا یقین مرا ہے نہ باپ کی آس ٹوٹی ہے۔ ویسے آج تمہیں کیا خیال آ گیا اس بارے میں پوچھنے کا ...؟"

دکھ کا گہرا سانس جیسے ان کے سینے کو چیر گیا۔ تب جاوید نے ان کو عزین کے بارے میں بتایا کہ وجاہت نے اسے بھیجا ہے اور خود کو ظفر کا بیٹا کہہ رہا ہے تو وہ آصفہ اور زوہا کو کسی ضروری کام کا کہہ کر نعمان کو لے کر اپنے گاؤں [illegible] گئے جہاں عزین جاوید کے ہاں موجود تھا۔ وجاہت نے سب کچھ عزین کو بتا دیا تھا اب جبکہ باپ بیٹا سامنے کھڑے تھے تو شناخت کی ضرورت ہی نہیں تھی، خون میں ابال تھا جو تھے امڈ رہے تھے۔ جس نے صدیوں کے فاصلے مٹا کر بیٹے کو بچھڑے باپ کے گلے سے لگا دیا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کو مل جانے کا یقین دلا رہے تھے اور دونوں تڑپ تڑپ کر رو رہے تھے۔

"آپ نے مجھے تلاش کرنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی پاپا ...!" جب سے حقیقت پتہ چلی تھی اس نے سوچا تھا کہ پہلا شکوہ یہی کرے گا۔

"تمہاری تلاش میں تو ہم خود کہاں کھو گئے تھے بیٹا ...! ہماری زندگی کی خوشیاں کھو گئی تھیں اور ... تمہاری [illegible]"

"ممی کہاں ہیں ...؟ آپ ان کو لے کر کیوں نہیں آئے ...؟"

عزین باپ کی شفقتوں کے جھونکوں کے حصار سے چھوٹ چکا تھا، وہ تڑپ تو بس ماں کے لیے تھا۔

"تمہارے بعد وہ جیسی ہو سکتی ہے بیٹا ... ویسی ہے۔" ظفر کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ وجاہت اتنا بھی کر سکتا ہے۔ ان سے دشمنی نبھانے کے لیے اس نے ان کا معصوم بچہ اغوا کر کے ان لوگوں کو عذاب میں مبتلا کر دیا تھا۔ نعمان کو بھائی کے ملنے کی بے حد خوشی تھی، بچپن سے آج تک اپنی ماں کو سرعام اور باپ کو چھپ چھپ کر روتے دیکھا تھا۔

"ہاں بھئی ... حارث ...! نہیں ...! وجاہت نے جو تمہارا نام رکھا ہے وہی رہے گا، عزین ...! عزین بیٹا ... آزوہا اور نعمان کو بہت شکوہ ہے تم سے۔"

وجاہت کا ذکر کر کے ظفر کے لہجے میں بچپن کی یاری، محبت، عداوت کیا کچھ نہیں اتر آیا تھا۔ ان کی آنکھیں بھیگ گئیں تو نعمان نے خفگی سے ان کو دیکھا۔

"بابا ... جس شخص نے ہم سب کو ایک عمر اذیت، عذاب میں مبتلا رکھا آپ اب بھی ..."

"پلیز بیٹا ...! ٹھیک ہے جو ہوا سو ہوا مگر بیٹا ...! وجاہت میرے لیے کیا ہے ...؟ یہ صرف خدا ہی جانتا ہے۔"

"شہباز صاحب..... ادماغ اب ہی تو ٹھیک ہوا ہے جب میں نے تصویر کے دونوں رخ دیکھے، چلا ہے کہ سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا۔ کون غلط ہے اور کون درست؟ لیلیٰ سو فیصد درست ہیں، ... فیصد غلط ہیں۔"

"عطیہ خاتون.....!" شہباز غصے سے پاگل ہو گئے، چہرے پر شدید تناؤ اور آنکھوں سے شعلے لگے۔ تب عطیہ خاتون نے ان کو لیلیٰ کے بارے میں سب کچھ بتا دیا کہ اس نے اس وقت شوہر کو چھوڑ... روایات کا بوجھ اٹھا لیا تھا اور یہ کہ وہ بے سہارا لڑکیوں کے لیے کام کرتی ہیں اور ان کو دینی تعلیم دیتی ہیں... خاتون بتا رہی تھیں مگر شہباز جو ابھی بھی اتنے بدگمان تھے کہ عطیہ خاتون کی کسی بات پر اعتبار نہیں آ رہا تھا۔

"بس کیجئے عطیہ خاتون! بس کیجئے، مجھے کسی بات پر یقین ہے نہ اعتبار، کیونکہ اداکارہ ہمیشہ ادا... ہی رہتی ہے اور یہ جو کچھ وہ کر رہی ہیں، ہاں یہ بھی اداکاری ہے، سمجھیں آپ! اور میں کسی صورت اپنی بچی ... ان کے پاس نہیں چھوڑ سکتا۔"

شہباز راہ میں آتی ہر چیز کو ٹھوکر مارتے آگے بڑھ گئے اور اب وہ لیلیٰ کی ... میں اپنی کھوئی ... کرنے کے لیے موجود تھے۔ بیس سال کے بعد وہ دونوں آمنے سامنے تھے، کبھی دل بن کر ایک دوسرے ... سینے میں دھڑکے تھے، ایک دوسرے کی زندگی جیتے تھے، ایک دوسرے کی آنکھوں میں خواب بن کر اترتے ... ایک دوسرے کی چاہت بنے تھے، آج ایک دوسرے کے سامنے تن کر کھڑے گزرے ہوئے ایک ایک پل ... حساب مانگ رہے تھے، اتنا وقت گزر جانے کے بعد بھی بدگمانی کی گرد نہیں اتری تھی۔

"خولہ! چلو میرے ساتھ میں تمہیں لینے آیا ہوں۔" شہباز ... بڑھے۔ وہ سہم کر لیلیٰ کی اوٹ میں ہو گئی۔

"شہباز صاحب! خولہ آپ کے ساتھ نہیں جائے گی۔"

"میں تم سے نہیں اپنی بیٹی سے مخاطب ہوں۔" شہباز کے لب و لہجے میں آج بھی وہی کرختگی اور سفاکی تھی جو ماں بیٹی کو تڑپا گئی۔

"ہونہہ! آپ ٹھیک ہی کہہ رہے ہیں، یہ آپ ہی کی بیٹی ہو سکتی ہے، آپ کی تربیت یافتہ بیٹی جو دینی اور اخلاقی روایات کو اپنے قدموں تلے روندتی ہوئی ایک بدکردار فلم میکر ڈائریکٹر کے ... چڑھ گئی اور ... ڈائریکٹر نے آپ کے غرور، آپ کے نظریات کو جب اپنے قدموں تلے روندنا چاہا تو اللہ نے اسے وہاں سے بچا کر ماں کی گود میں ڈال دیا۔"

لیلیٰ کے اندر طوفان اٹھ رہے تھے اس مدمقابل کھڑے شخص کو دیکھ کر جو ستم گر بنا تیر آزما رہا تھا، جس کو کبھی انہوں نے ٹوٹ کر چاہا تھا، آج وہی اجنبی بنا حساب مانگ رہا تھا۔

"مجھے اس گھٹیا فلمی اسٹوری میں کوئی انٹرسٹ نہیں میڈم لیلیٰ! خولہ! چلو میرے ساتھ۔" شہباز آج بھی خودسری کی اس منزل پر تھے۔ وہ آگے بڑھے اور خولہ کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا تو خولہ ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھی بلکہ جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

"سوری ... بابا! یہ کوئی فلمی کہانی نہیں ہے، یہ وہ کہانی ہے جسے خود آپ نے میری زندگی کی ...

شفاف کتاب پر رقم کیا ہے۔ نہیں جاؤں گی میں آپ کے ساتھ۔"

"ممی! آپ نے کیوں جانے دیا تھا مجھے بابا کے پاس...؟ بابا نے مجھ پر زندگی کا دائرہ اتنا تنگ کر دیا تھا کہ اب میرا دم گھٹنے لگا تھا۔ بابا نے مجھے میری کسی عمر کا مزا نہیں لینے دیا اور نہ ہی چھوٹی چھوٹی سی خواہشات کو پورا کرنے دیا، میری زندگی کے ایک ایک سانس کو بابا نے اپنی مٹھی میں قید کر رکھا تھا۔ ممی! ٹی وی کو بابا نے میری حسرت بنا دیا، میں گھٹ گھٹ کر جینے پر پابند کر دی گئی۔ ممی! عطیہ خاتون بھی میری طرح بے بس تھیں، بابا نے آپ سے مقابلہ جیت لینے کے جنون میں مجھے ہار دیا، میری معصومیت کو داؤ پر لگا دیا۔ نہیں جانا مجھے بابا...! آپ کے پاس۔ بابا! آپ نے توڑ پھوڑ دیا ہے مجھے، بے یقینی میں مبتلا کر دیا ہے۔ نہیں جانا مجھے آپ کے ساتھ۔"

خولہ صوفے کی اوٹ میں بیٹھ کر شدت سے رونے لگی، شہباز اندر سے ٹوٹنے لگے، خولہ تو ان کی طاقت تھی، جیت تھی مگر اب وہ ان کی ناکامی، کمزوری اور ہار بن گئی تھی اور ان کی کمزوری لیلیٰ کی طاقت بن گئی، لیلیٰ کی نگاہوں میں وہ منظر آ گیا جب شہباز جلاد اور سفاک آدمی کا روپ دھارے چند روز کی بچی کو ان کی گود سے ایسے چھین کر لے گئے تھے جیسے کوئی ٹہنی سے پھولوں کو نوچتا ہے۔

"سوری! ویری سوری شہباز صاحب! میں اب آپ کو کیا کہوں...؟ آپ کی اپنی تربیت، آپ کی اپنی محبت، آپ کی اپنی بیٹی نے آپ کو ناک آؤٹ کر دیا ہے جس کو آپ ایک اداکارہ سے بچا کر اس لیے لے گئے تھے کہ اس کو ایک آئیڈیل مسلمان مشرقی لڑکی بنائیں گے تو بتائیے کیا ہوئے آپ کے وعدے؟ آپ نے ٹی وی کو ... اس کی وجہ سے مجھے چھوڑ دیا اور بیٹی کو بھی اس کی سزا دی، آپ نے ہر جائز خواہش کو ٹھکرا کے بچی کا مستقل ... بنا دیا۔ شاید آپ بھول جاتے کہ پانی کو راستہ درکار ہو تو وہ راستہ نکال کر خود بنا لیتا ہے، غبارے میں گنجائش سے زیادہ ہوا بھری جائے تو پھٹ جاتا ہے، آپ نے بھی انتہا کا راستہ اپنایا، اعتدال کا راستہ اپناتے تو آج ہماری عدالت میں سر جھکائے ... نہ کھڑے ہوتے، کیا اسی لیے میری گود اجاڑی تھی کہ میری معصوم بچی کی ہر خواہش، ہر ضرورت کو اپنی سنگدلی سے کچل دیں۔

ایک اداکارہ سے بچا کر کیسی کردار سازی کی ہے آپ نے اس کی؟ ٹی وی سے، اداکارہ سے بچا کر اور خود بیٹی نے آپ کے رویے سے، آپ کی بے جا پابندیوں سے تنگ آ کر بغاوت کی راہ اختیار کی۔ اگر آپ اس پر، خود پر اعتماد کرتے، جائز طور پر سب کچھ کرنے کی جرأت دیتے تو شہباز صاحب! آج وہ شرمناک حالت میں نہ ہوتی۔ آپ نے جب اسے میری گود سے چھینا تھا تو اس وقت وہ پاک اور معصوم تھی اور جب دوبارہ میری گود میں لوٹی تو اس حیثیت میں شہباز صاحب! جس میں میں کبھی تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ ٹی وی اور اداکاری سے بچانے والے شہباز! سنیے آپ کی بیٹی اداکاری کی ٹریننگ لے رہی تھی اور ایک خبیث آدمی ... خیر جو ہوا اور میرے پروردگار نے اسے بچا کر مجھے لوٹا دیا۔ میں آپ سے صرف یہ پوچھتی ہوں کہ آپ کو مجھ سے انتقام لینا تھا، یہ جنگ جیتنا تھی تو بیٹی کی ایسی تربیت کرتے کہ واقعی یہ مشرقی اور مسلمان بچی ہوتی۔ وہ... شہباز...! میری معصوم بیٹی کا وہ بچپن جو اس نے میری ممتا اور دوسری خواہشات کو ترستے ہوئے گزارا... لوٹا دو! میری بیٹی کی کم سنی اور لڑکپن کے دن جو اس نے روتے ہوئے گزارے، جواب دو مجھے ایک ایک ...

آج فاطمہ کو اپنے بیٹے کے ساتھ زیادتی کا بے حد دکھ ہو رہا تھا۔ وہ جانتی تھیں خرم سوئی کو کتنا چاہتا ہے مگر حیثیت مرتبے کے چکر میں انہوں نے سوئی کو صرف ایک ملازمہ ہی سمجھا۔ ایک شریف، اچھی تعلیم یافتہ لڑکی نہیں جواں کے بیٹے کی محبت بھی تھی اور زندگی بھی۔ انہوں نے دوسرا بازو پھیلا کر خرم کو بھی ساتھ لگایا اور شدت سے رو دیں۔

"آپ سب کو مبارک ہو..... شہباز صاحب کو ہوش آ گیا ہے۔" نرس نے آ کر اطلاع دی تو بھاگنے والوں میں لیلیٰ سب سے پہلے تھیں۔

"سوری بابا!" خولہ باپ سے لپٹی رو رہی تھی۔ شہباز بھی رو رہے تھے۔ انہوں نے خولہ کو بھینچ لیا۔

"سوری تو میری جان! مجھے کرنی ہے۔ میں ہی کم ظرف انسان ہوں جس نے پہلے تمہاری ماں کو پھر تمہیں دکھ دیے۔ آئی ایم سوری تو بیٹا!"

"سوری شہباز!" بھیگی آواز کا لمس شہباز نے اپنے ہاتھ پر محسوس کیا تو بے قریب ندامت کی دھند میں کھڑی لیلیٰ کو دیکھ کر بے پناہ پیار امڈ آیا۔

"نہیں لیلیٰ! تم مجھے معاف کر دو۔" اور پھر معافی تلافی کا سلسلہ شروع ہوا اور عطیہ خاتون تک پہنچا جو لاتعلق سی کھڑی تھیں۔

"لیلیٰ! میں تمہارا گناہگار ہوں مگر عطیہ خاتون عظیم عورت ہیں جنہوں نے خولہ کو ماں بن کر پالا۔" لیلیٰ ان کے گلے جا لگیں۔

زندگی کے آنگن میں ملن رت اتر آئی تھی۔ معافی تلافی [illegible] مسکرانے لگے تھے۔ خولہ نے ماں اور باپ کو پہلی بار یکجا دیکھا تھا اور [illegible] جا رہی تھی۔ پیار سے [illegible] سعدیہ اور شہرام کو پا کر وہ بے حد خوش تھی۔ رنگ برستے [illegible] آنکھوں میں شہرام نے جب فاطمہ بیگم کے کہنے پر منگنی کی رنگ دوبارہ ردا کو پہنائی تو سوئی آہستگی سے خرم کے قریب [illegible]

"خرم..... میں نے کہا تھا ناں کہ میں لوٹ کر آپ کی زندگی میں ضرور آؤں گی۔ آ گئی ہوں ناں!"

سوئی کی بات پر اک ادھوری سی، تشنہ سی مسکراہٹ خرم کے ہونٹوں پر آ گئی۔ سب کو باتوں میں مصروف دیکھ کر شہرام نے ردا کا ہاتھ پکڑا اور باہر جانے لگا تو خولہ اور سنی نے راستہ روک لیا۔

"بہنوں کا نیگ دیے بغیر بھابھی کو کہاں لے جا رہے ہیں بھیا جی!" دونوں یک ساتھ بولیں تو ردا شرما گئی۔ شہرام نے دونوں کو گھورا پھر ایک دم بولا۔

"ارے..... او دیکھو تمہارے پیچھے کیا ہے.....؟"

دونوں اس کی شرارت سمجھے بغیر پیچھے مڑیں تو شہرام ردا کا ہاتھ پکڑ کر بھاگ گیا تو دونوں پاؤں پٹخ کر رہ گئیں۔

• • •

غزین اپنے والدین کے پاس آ گیا تھا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اسے سکون آ جاتا مگر اک عجیب سی بیقراری

اب بھی تھی۔ اسے وجاہت کی یاد بہت آتی تھی۔ بچپن کا ایک ایک دن، ان کی محبت میں گزرا ہوا ایک ایک پل یاد آ رہا تھا۔ وہ سب میں بیٹھا بھی ہوتا تو خود کو وجاہت کے پاس پاتا۔ کئی بار ظفر کو بھی آفاق ڈیڈی کہہ جاتا تو آصفہ کو غصہ آ جاتا۔

"بیٹا! تم اب بھی اس کی محبت کے حصار سے باہر نہیں آئے ہو؟" ماں کو غصے میں دیکھ کر وہ بے بسی سے ظفر کو دیکھتا۔

"آصفہ! تم وجاہت کی محبت کو نہیں جانتیں ناں، اس لیے یہ بات کہہ رہی ہو۔ غزین بیٹا! میں تمہاری کیفیت کو بہت اچھی طرح سمجھ رہا ہوں۔" ظفر کو واقعی وجاہت سے اتنا پیار تھا کہ اتنی بڑی بات ہو جانے کے باوجود بھی دل میں اس سے نفرت نہیں پیدا ہوئی تھی اور اسی بات پر آصفہ کو غصہ آ رہا تھا۔

"بس بس! رہنے دیجیے، میں اچھی طرح جانتی ہوں، آپ وجاہت کی محبت کے نشے میں گم ہیں مگر ایک بات سن لیجیے، میں اپنے بیٹے کو اب اس غلام دیو کی قید میں نہیں جانے دوں گی۔"

"مما! ایک بار بھی نہیں؟" غزین نے بے بسی سے پہلے ماں کو پھر باپ کو دیکھا۔ انہوں نے اشارے سے جانے کی یقین دہانی کرائی تھی۔

"ایک بار بھی نہیں!" وہ تلخ لہجے میں بولیں تو غزین کا چہرہ اتر گیا۔ زوہا اور نعمان نے ہاتھ پکڑ کر ڈھارس بندھائی جو ورده والا راز جانتے تھے۔

"ایک بار تو مما، ہم سب کو [illegible] کے پاس جانا ہی ہوگا۔"

"کیوں [illegible]؟" [illegible] بتاتے ہوئے انہوں نے زوہا اور نعمان کو گھورا تو ظفر نے بچوں کو دیکھا اور خاموش رہنے کا اشارہ کر کے سلاد اپنی طرف بڑھاتے ہوئے بیگم کو دیکھا۔

"بھئی! آپ بھول رہی ہیں وجاہت کے گھر ہماری ہونے والی بہو ہے، اسے لانے کے لیے تو جانا ہی ہوگا ناں؟"

"کوئی ضرورت نہیں!" آصفہ نے میز پر پلیٹیں رکھیں۔

"دنیا میں لڑکیوں کی کمی ہے کہ ہم وجاہت کی بیٹی کے پیچھے مرے جائیں؟ دنیا کی آخری لڑکی نہیں ہے وہ۔"

غزین کے چہرے پر اترتی شام کو وہ دیکھ ہی نہیں رہی تھیں، سمجھنا تو دور کی بات تھی۔ اک ٹیس سی غزین کے دل میں اٹھی وہ یہ بھی نہ کہہ سکا مما! کہ آپ کیا جانیں ورده آخری لڑکی ہی ہے جس کی محبت اور طلب ہے اس کے دل میں۔ وہ کچھ بھی کہے بغیر اٹھ کر باہر چلا گیا تب ظفر اور زوہا، نعمان نے آصفہ کو گھیر لیا۔

"محبت اتنی تنگ نظر نہیں ہوتی آصفہ! جس کا تم مظاہرہ کر رہی ہو۔ مانا کہ وجاہت نے مجھ سے دشمنی نبھانے کے لیے غزین کو کڈنیپ کر لیا، یہ بھی تو دیکھو کتنا قابل، باکردار سانچے میں ڈھالا ہے اسے۔ تم ماں ہو، ذرا ممتا کا پاگل پن کم کر کے دیکھو۔ وہ وجاہت سے مل کر اپنے رویے کی معافی مانگنا چاہتا ہے جو اس نے ہم تک پہنچنے کے لئے اس سے روا رکھا اور ورده تمہارے بیٹے کی اولین پسند ہے، چاہت ہے، محبت ہے۔"

ظفر بہت نرم لہجے میں آصفہ کا ہاتھ تھامے سمجھا رہے تھے۔ تب اچانک آصفہ نے ان کو دیکھ [illegible]

بیٹی کو اس نے بچا کر لے گئے پھر وہ اداکارہ کیسے بنی ......؟ جواب دو شہباز......!"

لیلیٰ شہباز کا گریبان پکڑے شدتوں سے رو رہی تھیں، گزرے دنوں کا ایک ایک لمحہ جو انہوں نے کرب، اذیت کے ساتھ جیا تھا آج آنسو بن گیا اور شہباز جن کے دل و دماغ میں جھکڑ چل رہے تھے ان کے مضبوط قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ آج اپنی ہی سوچوں کی، دعوؤں کی دیوار ان پر آ گری تھی، اندر کہیں اعتراف کی برف پگھلنے لگی تھی کہ انہوں نے غلط کیا اور اگر کیا تھا تو اپنے ہی دعوے کو غلط ثابت کر دیا۔ اپنے انتقام میں وہ اپنی ہی بچی کو کھو گئے۔ وہ ان کی محبت کے سائے تلے سلگتی رہی، جلتی رہی اور ان کو احساس ہی نہیں ہوا۔ کس زعم اور گھمنڈ سے وہ خولہ کو مثالی لڑکی بنانے کے چکر میں، لیلیٰ کو نیچا دکھانے کی آرزو میں معصوم بیٹی کو چھین کر لے گئے تھے، پھر اپنے زعم میں، اپنے فرائض بھی ادا کرنے بھول گئے۔ یہ سوچا تھا کہ خولہ کو مثالی لڑکی بنا کر، لیلیٰ کو شکست کا ہار پہنا کر خود جیت کی ٹرافی حاصل کر لیں گے مگر یہ تو سب الٹ ہو گیا تھا، جیت کی بجائے ہار کی گرد اڑ رہی تھی ان کے ارد گرد وہ تو لیلیٰ کو لاجواب کرنا چاہتے تھے مگر وقت اور حالات نے ان کو لاجواب کر دیا تھا، آنکھیں پھیلی ہوئی، ٹوٹتے ہوئے وہ جانے کیسے باہر نکل گئے تھے، گہری دھند میں لیلیٰ نے اس شکست خوردہ شخص کو جاتے ہوئے دیکھا، جس کی محبت کا دیا ان کے دل میں آج بھی اسی طرح روشن تھا۔

"مما......! مما بابا چلے گئے...... ؟ بابا مجھ سے ناراض ہو کر چلے گئے ناں ؟ مما ...! بابا بہت اچھے ہیں، آئی لو ہم مما...... مجھے ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا، میں نے ان کو ہرٹ کیا ہے، ہے ناں مما ؟"

خولہ کو اب دکھ ہو رہا تھا کہ اس نے بابا کو ناراض کیوں کیا، ان کا دل کیوں دکھایا۔

"ہاں بیٹا ! میری اور تمہاری کم نصیبی یہ ہے کہ بعد میں [illegible] اگر میں وجاہت کی باتوں میں آ کر ایسا نہ کرتی تو ... اور اگر تم نے [illegible] کی کمزوری کی تو تمہارے بابا کو کم ظرفی کا ثبوت دینا چاہیے تھا مگر......"

دونوں ماں بیٹی اس شخص کے لیے دکھی ہو رہی تھیں۔ جس کو وہ دونوں بے حد پیار کرتی تھیں اور اس وقت وہی شخص آندھیوں کی زد میں گاڑی چلا رہا تھا۔ آج حقیقت کے آئینے میں اپنی ہی شکل بھی انتہائی مکروہ نظر آ رہی تھی۔ بات ذرا سے ظرف کی تھی، دکھا دیتے تو آج زندگی کا شیرازہ اس طرح نہ بکھرتا، ہوتا کہ سمیٹنا دشوار ہو جاتا اور زندگی نقطہ آغاز سے لے کر اب تک ان کے سامنے تھی، ہر موڑ پر اپنا ہی قصور نظر آ رہا تھا۔ اکیلے پن کا احساس تھا، بیٹی کی زندگی، اس کے ساتھ پیش آنے والے واقعات تھے، دوسری طرف لیلیٰ کو غلط سمجھنے کا دکھ جو آج بہترین عورت کے روپ میں معاشرے کی بیٹیوں کو دینی اور اخلاقی تعلیم دے کر معاشرے کی بہترین شہری بنا رہی تھی، کون ادھورا اور غلط تھا اس سوال کے آئینے میں اپنا آپ فٹ نظر آیا تو سامنے سے تیز رفتاری سے آنے والا ٹرک نظر نہ آیا اور بچنے کی بے سود کوشش میں وہ زخم زخم ہو کر ہسپتال میں موت اور زندگی کی کشمکش میں مبتلا تھے۔

• • •

"سوری بابا ! پلیز مجھے معاف کر دیں۔" شہباز کے دماغ پر چوٹ آئی تھی، ڈاکٹرز نے جواب دے دیے تھے، خولہ خود کو بابا کی مجرم سمجھتے ہوئے رو رہی تھی اور لیلیٰ اپنی جگہ نادم اور شرمندہ تھیں کہ اگر قصوروار شہباز تھے تو بے قصور وہ بھی ثابت نہیں ہوئی تھیں، شہباز نے اگر کم ظرفی کا ثبوت دیا تھا تو اعلیٰ ظرف وہ بھی نہیں تھیں

"مما ! اگر شہباز کو کچھ ہو گیا تو ... تو میں بھی زندہ نہیں رہوں گی نہ ہی خود کو معاف کروں گی۔"

لیلیٰ فاطمہ کی گود میں سر رکھے تڑپ تڑپ کر جب شہباز کے لئے رو رہی تھیں تو کچھ فاصلے پر کھڑے ابرار کے اندر اک اداس سی شام گہری ہو گئی، محبت کے سفر میں وہ تمام عمر تنہا چلے تھے، ایک لمحے کے لیے بھی لیلیٰ ان کے ہمراہ نہیں ہوئی تھیں، شہباز ہار کر بھی ساری بازیاں جیت گئے تھے۔

"ساری بات ظرف، معافی اور درگزر ہی کی تو ہوتی ہے، ایک لمحے کی بات ہوتی ہے جو اس لمحے میں ظرف کا مظاہرہ کر جاتا ہے زندگی کی ساری خوشیاں، کامیابیاں اس کے ہمراہ ہو جاتی ہیں مگر یہ ... خیر اگر ایک وقت میں شہباز صاحب نے کم ظرفی دکھائی تو وقت نے یہ موقع لیلیٰ ... ! آپ کو بھی دیا اور آپ نے بھی وہی کیا۔ اب فیصلہ کون کرے کہ کون جیتا کون ہارا......؟"

"میں مانتی ہوں عطیہ خاتون ! کہ میں نے غلط کیا ہے، مجھے ہی ظرف کا مظاہرہ کرنا چاہیے تھا۔ بس آپ اللہ سے دعا کیجیے شہباز لوٹ آئیں تو میں ان سے معافی مانگ لوں گی۔ اس وقت غلطی میری ہی تو تھی، میں کمزور پڑ گئی اپنے وقتی شوق کے ہاتھوں، ورنہ میری زندگی تباہ ہوتی۔ اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے اور شہباز کو واپس لوٹا دے۔"

شہباز کا پتہ موحد اور اختر کو بھی چل گیا تھا، وہ لوگ ہسپتال آئے تو موحد لیلیٰ کی طرف بڑھیں، وہ دونوں ایک مدت کے بعد مل کر خوب روئیں۔ شہرام اور رِدا ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔

"دعا کریں لیلیٰ ... ان شاء اللہ شہباز بھی ٹھیک ہو جائیں گے۔"

"[illegible] مجھے ایک شخص [illegible] شوق کی مدت چھ سات سال ہوتی ہے اس کی خاطر اپنا گھر برباد کر دو، مگر مجھے شیطان نے بہکا دیا اور میرا آشیانہ تنکا تنکا ہو کر بکھر گیا۔ موحد اب میں کس طرح سمیٹوں اس کو ؟"

لیلیٰ موحد کے ساتھ لگی مچل مچل گئی، موحد نے اک دھیمی سی نظر خرم پر ڈالی، گزرے وقت نے انہیں اور باوقار کر دیا تھا، دل میں نا پرسانی کی ٹیس ابھری تو وہ سر جھٹک کر فاطمہ کی طرف مڑیں تو سارا دعا آنکھوں میں بجھ آیا جواب تک جیسی بچی تھیں۔ آج بھی "میں" کی مسند پر براجمان تھیں، وہ ان کی طرف بڑھیں جنہوں نے ان کی معصوم بیٹی رِدا کو اپنا کر ٹھکرا دیا تھا۔

"آپ کیسی ہیں بیگم صاحبہ......!" موحد کے لہجے میں ہلکا سا طنز تھا یا انہیں محسوس ہوا تھا۔ ان دنوں وہ خود بھی اک اذیت سے گزر رہی تھیں۔ یہ مال و دولت، یہ طبقاتی فرق، معاشرتی معیار، یہ سب انسان کے اپنے بنائے ہوئے قاعدے قانون اور اصول ہیں اور وہ خود ہی ان کو لاگو کرتا ہے ورنہ دین اسلام نے تو تمام انسانوں کو برابری کا درس دیا ہے اور دولت، حیثیت اور مرتبے کا جادو ٹوٹا تو فاطمہ کو موحد لیلیٰ کی طرح لگیں اور پہلی بار ان کو اپنے بیٹے خرم اور موحد کے ساتھ زیادتی کا احساس ہوا تو انہوں نے دونوں بازو موحد کے لیے پھیلا دیے۔

"بیگم صاحبہ کیوں ؟ مما کیوں نہیں کہا تم نے مجھے ؟ موحد !! اتنا کچھ کھو دینے کے بعد بھی ہم نہ سدھرے تو وقت ہمیں کبھی معاف نہیں کرے گا۔ میں جو ماضی میں کر چکی وہ مجھے معاف کر دو موحد ! کاش ہم انسان ٹھوکر لگنے سے پہلے سنبھل جایا کریں تو شاید اتنا نقصان نہ اٹھانا پڑے۔"

ساتھ آ گیا۔

"اور آپ کی محبت کی بیٹی بھی ہے ورنہ......؟"

اس کی بات پر ظفر نے آصفہ کو دیکھا۔ ان کو مرحومہ زینت کی حیثیت ظفر کے دل میں معلوم تھی، مرحومہ ہی کیوں نہ ہو، کسی بیوی کو اس کا ذکر پسند نہیں آتا۔

"ہاں! ایک وجہ یہ بھی ہے مگر میرے لیے اہمیت میرے بیٹے کی خوشی رکھتی ہے۔ اب اس کو کیا کہ میرے بیٹے کی محبت میری محبت کی نشانی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ فرزین خوش رہے۔"

"اچھا! اگر آپ یہ چاہتے ہیں تو میں تو پھر ماں ہوں مگر میں یہ بتائے دیتی ہوں اب میں اپنا سا وجاہت کو لوٹاؤں گی نہیں۔"

آصفہ میں یہی اچھی بات تھی، درست دلائل کو نہ صرف سنتی تھیں بلکہ مان لیتی تھیں، جلد ہی مان گئیں تو ظفر بہت خوش ہو گئے۔

"آپ خاطر جمع رکھیے بیگم صاحبہ...... میرا دوست بے غیرت نہیں کہ فرزین کو گھر داماد بنا کر رکھے گا
آؤ! آؤ فرزین بیٹا۔ ابھی ابھی تو تمہارے کیس لڑ لڑ کر تھک گیا ہوں، تمہاری ماں تو مانتی نہیں، اب تم خود اپنا دفاع کرو میاں......؟"

ظفر نے سامنے سے فرزین کو آتا دیکھ کر بات بدل دی تھی۔ فرزین اس وقت سنجیدہ ہو رہا تھا۔ وہ آصفہ کے مسکراتے چہرے کا مطلب بھی نہ سمجھ سکا۔

"ٹھیک ہے مما...... اگر آپ کو وہ پسند نہیں تو نہ سہی مگر آپ [illegible] میں ڈیڈ سے اپنے رویے کی معافی مانگ کر لوٹ آؤں گا، پلیز!" اس نے باقاعدہ ہاتھ آگے بڑھا دیا تو ماں نے اس کا ہاتھ چوم لیا۔

"ٹھیک ہے! پھر تم اکیلے نہیں جاؤ گے، مجھے تمہارے ڈیڈ پر کوئی بھروسہ نہیں۔"

"آپ میرے ساتھ ضرور چلیے مما! لیکن آپ ڈیڈ کے لیے کوئی غلط بات نہیں کہیں گی اور نہ ہی ان کو برا کہیں گی۔ میں نے ان کی محبتوں کو پہلے ہی شرمندہ کیا ہے حالانکہ وہ میری ذرا سی تکلیف پر پوری رات بیٹھ کر گزارا کرتے تھے اور جب وہ بیمار ہوئے تو میں ان کو آپ کی وجہ سے اذیت دیا کرتا، رلایا کرتا، تڑپایا کرتا، مگر انہوں نے مجھے کبھی برا بھلا نہیں کہا اور تو اور آپ لوگوں کا پتہ معلوم کرنے کے لیے میں نے وردہ کو کڈنیپ کیا، ان کو ایموشنل بلیک میل کیا۔ پپا! پلیز مجھے ان سے معافی دلا دیجیے ورنہ میں ایک پل بھی سکون سے نہیں جی پاؤں گا، پلیز پپا! امی!"

ایک مما کا اور ایک ہاتھ پپا کا آنکھوں سے لگا کر فرزین شدت سے رو دیا تو ماں اور باپ جن کو ڈھیروں منتوں، مرادوں کے بعد یہ بیٹا دوبارہ ملا تھا، اس کے آنسو دونوں کو تڑپا گئے۔

"فرزین! میری جان! میں سمجھ سکتا ہوں کہ وجاہت نے تمہیں کتنی محبت سے پالا ہوگا اور پیدا کرنے والے سے پالنے والے کی محبت زیادہ پاور فل ہوتی ہے آج یقین آ گیا۔ ہم ضرور جائیں گے تمہارے ڈیڈ کے پاس اور تمہارے بجائے ہم اس کے پاؤں چھو کر ان سے معافی مانگ لیں گے، خوش......"

"ٹھیک ہے پپا...... ! ٹھیک ہے سوچ......!"

فرزین نے خوشی سے ماں اور باپ دونوں کو ساتھ لگا لیا۔

"فرزین بیٹا...... ! ہم بہت جلد وجاہت کے ہاں جائیں گے۔ اب میں بہو گھر لانا چاہتی ہوں ناں اس لیے۔" ایک ساتھ کائنات کے سارے رنگ فرزین کے چہرے پر اتر آئے۔

• • •

"شہلا...... ! وقت اور حالات نے مجھے میرے بداعمال کی سزا دے تو دی ہے اور میرے خدا نے مجھے معاف بھی کر دیا ہے تم سب کو لوٹا کر پھر تم مجھ سے کیوں خفا ہو؟ کیوں دور دور ہو......؟ میں جب سے آیا ہوں تم ایک بار بھی میرے قریب نہیں آئیں اور نہ ہی خود سے بات کی۔ میں نے جو بات کی تم نے نظریں چراتے ہوئے جواب دے دیا۔ کیا اب بھی مجھ سے خفا ہو......؟"

وجاہت کی سوچ، عمل، الفاظ سب میں تبدیلی آ گئی تھی۔ انہوں نے گڑگڑاتے ہوئے اپنے رب عظیم سے اپنے گناہوں کی معافی مانگی تھی تو دل میں اتر جانے والا سکون اس بات کی گواہی دے گیا کہ ان کی توبہ قبول کر لی گئی ہے مگر شہلا کا گھبرانا، بات میں پہل نہ کرنا، دور دور رہنا ان کو پریشان کر جاتا کہ شاید انہوں نے ان کو معاف نہیں کیا ہے مگر شاید وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ شہلا ان سے کترا کیوں رہی ہیں۔ وہ اپنے آپ کو ان کا مجرم سمجھ رہی تھیں کہ انہوں نے جو دعویٰ کیا تھا کہ وہ اکیلے ہی زندگی کی جنگ لڑیں گی اور جیت کر دکھائیں گی، وہ دعویٰ ان کی ہار بن کر آنکھوں میں ندامت کا احساس بھر گیا تھا۔ وہ بچوں کی درست تربیت نہیں کر پائی تھیں۔ علیزہ والے [illegible] نظریں نہیں ملا پا رہی تھیں۔ ان کی اس بات پر وہ ہمت کر کے ان کی طرف مڑیں اور ان کے سینے پر سر رکھ کر شدت سے رو دیں۔

"سوری وجاہت...... ! آئی ایم ویری سوری...... ! آج میں اپنی ہار کا اعتراف کرتی ہوں۔ میں ہار گئی ہوں وجاہت...... اپنی شرط ہار گئی ہوں۔"

اور پھر شہلا اس کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے اپنی کمزوری کا اعتراف کرتی چلی گئیں تو وجاہت نے ان کو بولنے دیا تاکہ دل کی بھڑاس نکل جائے۔ پھر وہ بڑی ہمت کر کے بیٹھ گئے اور شہلا کو قریب بٹھا لیا۔

"دیکھو شہلا! زندگی توازن کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز میں توازن اور اعتدال رکھا مگر کم ظرف انسان ذرا سی دولت اور وقت کے نشے میں اپنی اوقات بھول جاتا ہے اور بڑے بڑے دعوے کر بیٹھتا ہے۔ پھر وقت وہی دعوے اس کے منہ پر دے مارتا ہے۔ میں اور تم اسی بشری کمزوری کا شکار ہوئے ہیں، اپنی اپنی طاقت کے بل پر اتنے بڑے بڑے دعوے کیے اور وقت نے وہی دعوے ہمارے منہ پر دے مارے۔ اگر ہار جیت ہی کی بات ہے تو ہارا تو میں ہوں، تم تو اس وقت بھی جیت گئی تھیں شہلا! جب تم نے ایک انجان اجنبی عورت زینت کی بیٹیوں کو گود لے لیا تھا، جیت تو تم اس وقت بھی گئی تھیں جب تم نے محض ان بچیوں کو کسی اور سوتیلی ماں سے بچانے کے لیے مجھ جیسے بدکردار آدمی سے شادی کر لی، جیت تم اب بھی گئی ہو میرے بچوں کو بہترین تعلیم و تربیت دے کر معاشرے کا بہترین شہری بنایا۔"

وجاہت بڑے دل سے اپنی غلطی کا اعتراف کر کے ان کی جیت کو تسلیم کر رہے تھے مگر شہلا علیزہ والی بات

پر اب بھی شرمندہ تھیں۔

"نہیں وجاہت......! آپ...... آپ کچھ نہیں جانتے کہ......"

"میں جانتا ہوں شہلا...... اعلیزہ نے مجھے ساری بات بتادی ہے کہ میری وجہ سے وہ ہمیشہ تم کو تنگ کرتی رہی اور تمہاری چڑ میں وہ غلط راستے پر چلی اور اس انجام سے ہمکنار ہوئی۔ تم تو اب بھی جیت گئی ہو کہ تمہاری تربیت نے علیزہ کو سچ بولنے کی تربیت دی اور وہ سچ بول گئی اور سفارش کر کے گئی ہے کہ بابا یہ صرف اور صرف میری خطا ہے، اس کی ذمہ دار میں خود ہوں، مما کو کچھ مت کہیے گا، مما جیسی سوتیلی مائیں خدا ان سب کو دے جن کی اپنی مائیں نہیں رہتیں۔ دیکھا تم پر میرا رب عظیم، اتنا مہربان ہے کہ تم ساری بازیاں جیتتی چلی گئی ہو اور اب تم نے مجھے بھی جیت لیا ہے۔"

وجاہت نرم اور دھیمے لہجے میں بول رہے تھے۔ شہلا ان سے لپٹ کر شدت سے رو دیں۔

"وجاہت......! آپ اور آپ کے بچے بے حد اچھے ہیں کہ مجھ جیسی کو جیت کا میڈل پہنا دیا۔"

"نہیں شہلا...... میں اچھا صرف اس وقت ہوں جب وہ مجھے معاف کر دے گی کہ میں بہت مقروض ہوں اس کا۔ دعا کرو وہ معاف کر دے تو میں سکون سے مر سکوں گا۔"

لیلیٰ کا تصور کر کے وجاہت کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ کیا وقت تھا وہ گمراہی کا کہ وہ شیطان بنے ہر ایک کی زندگی برباد کرتے چلے گئے، آج کھاتا کھولا تو سب سے زیادہ مقروض لیلیٰ کے نکلے۔ شہلا سمجھ گئیں کہ وہ کس کے بارے میں بات کر رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے آنچل سے ان کا چہرہ صاف کیا۔

"آپ اطمینان رکھیے وجاہت...... اللہ نے چاہا تو وہ بھی آپ کو معاف کر دیں گی۔"

"مجھے لیلیٰ کے ہاں لے چلو...... بہت بوجھ ہے میرے دل پر۔"

"جی بہتر......!"

چند گھنٹوں میں وہ نادم شرمندہ لیلیٰ کے سامنے موجود تھے۔

"شہباز...... میں اکرڈ لیل، کم ظرف اور برا تھا تو تم ہی بڑے پن کا ثبوت دیتے۔ کتنا ستم کیا ہے لیلیٰ اور خولہ نے میری اور تمہاری وجہ سے...... ؟ تم سے دل چیر کر نہیں دکھا سکتا مگر...... مگر میں بے حد شرمندہ ہوں، نادم ہوں۔ لیلیٰ...... خولہ بیٹی...... پلیز معاف کر دو......!"

وجاہت کے ہچکیے لہجے میں سچائی تھی۔ فاطمہ بیگم نے بڑھ کر وجاہت کو پیار سے ساتھ لگا لیا۔

"چلو بچو......! سب اپنا اپنا دل صاف کرو اور گلے ملو۔ پرانی عداوتیں بھول کر نئے رشتوں کے دیے جلاؤ۔"

فاطمہ بیگم نے آگے بڑھ کر خولہ اور جواد کو ساتھ لگایا تو بڑے بھی خوشی سے بغل گیر ہو گئے۔

• • •

"ڈیڈ...... ڈیڈ مجھے معاف کر دیں پلیز...... آپ جانتے ہیں ناں کہ میں نے وہ سب کیوں کیا......؟ پلیز ڈیڈ...... آئی لو یو...... میں آپ کے بغیر نہیں جی سکتا۔"

فرزین وجاہت کے قدموں میں بیٹھا ہوا کہہ رہا تھا اور وجاہت تڑپ کر رہ گئے تھے۔ کتنی محبت سے پرورش

کی تھی، وہ فرزین کو اس رویے کے لیے حق بجانب سمجھ رہے تھے مگر وہ ابھی اسے معاف نہیں کرنا چاہتے تھے۔

"کوئی معافی نہیں ملے گی، جاؤ اپنے کم ظرف، بزدل باپ کو بلا کر لاؤ جو ابھی بھی پردے کے پیچھے چھپا ہوا میری تڑپ سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔"

ظفر دانستہ طور پر سامنے نہیں آئے تھے مگر وجاہت کی بات پر وہ تیر کی طرح باہر نکلے اور وجاہت سے جا ملے۔

"وجو...... میرے دوست...... میری جان......!"

"یار ظفری...... میں تو برا تھا ہی تم کہاں کھو گئے تھے......؟" دونوں دوستوں کی ناراضگی، خفگی آنسوؤں میں بہہ گئی۔

"ظفری......! تو مجھ سے لڑے گا نہیں......؟ میں نے تیرا بیٹا کڈنیپ کر لیا......؟" وجاہت نے فرزین کو ساتھ لگا لیا۔

"یار...... [illegible] تو نے فرزین کی تربیت کی ہے ناں تو سوچتا ہوں کاش تم میرے دوسرے دو بچوں کو بھی کڈنیپ کر لیتا۔"

ظفر ایک بار پھر وجاہت کے گلے لگ گئے۔ بدگمانی کی دھند چھٹی تو ایک دوسرے کی محبت کا چاند روشن ہو گیا۔

"ظفری...... میں بہت کمینہ آدمی تھا، جب زینت کی وجہ سے تم نے مجھے بدکردار کہا تو میں نے تم سے انتقام لینے کے لیے فرزین کو کڈنیپ کروایا [illegible] غلط راستے پر ڈال کر تمہیں برائی اور بدکرداری کی شکل دکھاؤں گا [illegible] اندر ایک اچھا آدمی تھا جسے میں نے ہی چھپا کر رکھا ہوا تھا۔ میں نے فرزین کی بہترین تربیت کی، میں امانت میں خیانت کر ہی نہیں سکا۔ ظفری......! مجھے یہ لڑکا بے حد عزیز ہے، بھابی......! فرزین مجھے واپس لوٹا دیں، پلیز!"

وجاہت نے فرزین کو ساتھ لگا کر التجائیہ لہجے میں کہا۔ آصفہ مسکرانے لگیں۔

"وجاہت...... یہ کیا بات ہوئی......؟ کیا اسے گھر داماد بنانے کا ارادہ ہے......؟"

"ایں...... کیا مطلب ہے تمہارا......؟" وجاہت نے چونکہ خود اس پہلو پر نہیں سوچا تھا، ان کو یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔

"فرزین بیٹا...... تم ذرا باہر جاؤ تمہارے کند ذہن ڈیڈ کو اپنی بات کا مطلب سمجھا دوں۔" فرزین تیز ہوتی دھڑکنوں کے ساتھ اٹھ کر باہر نکل گیا۔

"دیکھو وجاہت...... ماضی میں زینت تمہاری تھی اور اب زینت کی بیٹی وردہ میری ہے۔ میری بیٹی ہے۔ میری بہو ہے۔"

وجاہت کا ہاتھ تھام کر ظفر نے بڑی محبت سے وردہ کو مانگا تو وجاہت حیرت اور خوشی کے ساتھ اس بات کا مطلب سمجھ کر جھوم اٹھے۔

"تو...... تو تمہاری بات کا یہ مطلب تھا......؟"

"جی وجاہت بھائی......! ہماری بات کا یہی مطلب ہے اور مجھے آپ کی ہاں کی ضرورت بھی نہیں، اپنے بیٹے کو کڈنیپ کرنے کا میں بدلہ ضرور لوں گی آپ کی بیٹی کو کڈنیپ کر کے لے جاؤں گی، کیوں بھابھی......!"

"ضرور ضرور بھابھی......! ضرور۔" شہلا اور آصفہ گلے لگ گئیں۔

• • •

"ارمغان......! مجھے تم پر اس قدر اعتماد تھا اور مجھے شاید خوش فہمی تھی کہ میں تمہیں جانتی ہوں، سمجھتی ہوں لیکن یہ صرف میری خوش فہمی تھی، غلط فہمی تھی تم تو اس سے بہت مختلف ہو جیسا کہ میں نے سوچا تھا۔"

وردہ کو اس بات کا بے حد دکھ تھا کہ اس واقعے کے بعد ارمغان علیزہ سے دستبردار ہو گیا تھا۔

"اور مجھے دکھ اس بات کا ہے وردہ......! کہ مجھے اتنی اچھی طرح جانتے ہوئے، سمجھتے ہوئے تم یہ کہہ رہی ہو......؟ تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ سب کرنا میرے لیے آسان ہے......؟ اس لڑکی سے جو میرے دل کی دھڑکن ہے، میری خواہش ہے، میری محبت کا عنوان ہے، میری زندگی ہے، میری تمنا ہے، اس سے دستبردار ہو جانا میرے لیے آسان ہے......؟ سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا کہ میں یہ سب کیوں کر رہا ہوں......؟ صرف اسی لیے کہ مجھے وہی علیزہ لڑتی جھگڑتی، ہر ایک کو خاطر میں نہ لاتی پسند تھی جو مجھے اگنور کرتی تھی۔ اس وقت وہ مجھے اچھی لگتی تھی، میں چاہتا تھا وہ اسی طرح خود سری سے ہٹ دھرمی سے اکڑتی پھرے اور میں اس کی توجہ حاصل کرنے کے لیے آگے پیچھے پھروں، اس کی اک نگاہ التفات کے لیے میں اس کی نظر کے زیر پر گزارا ہوں مگر میں نے ایسی علیزہ کا کبھی خواب نہیں دیکھا تھا جس کی نظر اور گردن شرمندگی سے جھکی رہے، وہ محض اپنی غلطی کے احساس تلے دب کر تمام عمر میری بیوی بن کر شرمندگی کے احساس [illegible] احسان مند ہو کر۔ نہیں وردہ......! مجھے ایسی علیزہ نہیں چاہیے، جس کی نظر بار بار جھک جائے شرم اور ندامت سے جھکی رہے۔ تم نے یہ نہیں دیکھا کہ اس واقعہ کے بعد وہ کتنی بدل گئی ہے، اس میں وہ بات ہی نہیں رہی۔"

آج پہلی بار ارمغان نے اپنے موقف کی وضاحت کی تھی، پہلی بار دل کا غبار نکالا تو وردہ جو اس سے سخت بدگمان تھی، اب سمجھ گئی تھی۔

"سوری ارمغان......! میں نے تمہیں غلط سمجھا۔"

وردہ کا دل تو ارمغان کی طرف سے صاف ہو گیا تھا مگر علیزہ جس کو اس واقعہ کے بعد ہی احساس ہوا تھا کہ وہ ارمغان کو کتنا چاہتی ہے، اس نے ارمغان کی بات کا آخری جملہ سن لیا تھا کہ نہیں چاہیے مجھے ایسی علیزہ۔ وہ غصے سے سرتاپا کانپ گئی، وہ خود پر ضبط نہ کر سکی اور سامنے آ گئی۔

"ارمغان صاحب......! آپ اپنے آپ کو سمجھتے کیا ہیں......؟ کیا کیا ہے میں نے کہ آپ ایسی باتیں کر رہے ہیں......؟ شکر الحمد اللہ! میرے خدا نے میری عزت محفوظ رکھی، آپ نہیں کرتے شادی مت کیجئے۔ ارے......! میں کوئی آپ کے قدموں میں پڑی ہوں کہ آپ چاہیں تو اپنا لیں، چاہیں تو ٹھکرا دیں......؟ حد ہو گئی......؟ آپ تو دنیا کے آخری مرد بن بیٹھے علیزہ کے لیے......؟ سات جنم لے کر بھی آئیں گے ناں تب بھی آپ مجھے گوارہ نہیں، کم ظرف انسان کی میری زندگی میں گنجائش ہی نہیں۔"

آج اتنے دنوں کے بعد پہلی والی علیزہ سامنے آ گئی۔ اس کا چہرہ غصے سے تپ کر سرخ ہو رہا تھا اور وہ

حیرت سے دیکھ رہی تھی اور ارمغان کو لگ رہا تھا جیسے وہ کوئی پرانا خواب دیکھ رہا ہو۔ بے خودی سے بے یقینی سے اسے دیکھے جا رہا تھا۔

"وردہ......! مجھے چٹکی کاٹو......! میں......میں خواب تو نہیں دیکھ رہا......؟" ارمغان کے اندر تو خوشی کے پٹاخے پھوٹ رہے تھے، وہ پھر پہلے کی طرح شوخ ہو گیا تھا۔

"چٹکی سے گزارہ نہیں ہو گا وردہ......! ان کے بھوسا بھرے دماغ پر یہ گملا مارو، جب ہوش ٹھکانے آئیں گے۔" علیزہ نے غصے سے بڑے سے گملے کی طرف اشارہ کیا اور باہر نکل گئی۔

"کہیے......! اب کیا ارادہ ہے......؟" وردہ نے ارمغان کو دیکھا تو وہ خوشی سے اسے پکڑ کر جھوم گیا۔

"شادی کا......یہ......یہی تو علیزہ میں چاہتا تھا۔"

"او کے......! گڈ لک......! جائیے اور منا لیجئے......!"

وردہ خوش اور پرسکون ہو کر آگے بڑھ گئی کیونکہ اس کو معلوم تھا ارمغان علیزہ کو منا لے گا اور ارمغان علیزہ کو منانے چل دیا۔

"علیزہ......! پلیز میری بات سنو......!" وہ ہر جگہ علیزہ کا پیچھا کرتا رہتا، اس وقت بھی لان میں اسے آتا دیکھ کر علیزہ جانے لگی تو وہ اس کے سامنے آ گیا۔

"مجھے کچھ نہیں سننا......! سمجھے آپ......!" وہ اسی رعونت سے بولی۔

"لیکن مجھے سنانا ہے۔ آئی لو یو علیزہ......! پلیز......!" اب پھر پہلے کی طرح علیزہ کو منانا اسے بہت اچھا لگ رہا تھا۔

"مجھے فضول باتوں اور فضول لوگوں میں کوئی انٹرسٹ نہیں۔" وہ آگے بڑھی تو وہ پھر سامنے آ گیا۔

"مجھے تو ہے......وہ میرا مطلب ہے صرف میری ایک بات کا جواب دے دو پھر میں تمہیں نہیں روکوں گا۔" وہ پرانے انداز سے بول رہا تھا۔

"فرمایئے......!" وہ بھی اسی انداز میں بولی۔

"دیکھو......! وہ تمہیں وردہ اچھی لگتی ہے......؟" اس بے تکی بات پر وہ خود بھی حیران ہوا اور علیزہ تو گھور کر رہ گئی۔

"یہ بھی کوئی بات ہے پوچھنے والی......؟ ظاہر ہے، ہاں......!"

"اور......اور وجاہت انکل سے پیار ہے......؟"

"ہاں......!"

"اور شہلا پھپھو سے بھی پیار ہے......؟"

"ہاں......!" علیزہ کو اب شدید تاؤ آ رہا تھا۔

"مجھ سے شادی کرو گی ناں......؟"

"ہاں......ہاں......! کہہ دیا ناں ہاں......!"

"بس......! یہ ہوئی ناں بات......!" اس کے سوالوں کے جواب میں ہاں کہتے کہتے وہ شادی والی بات

پر بھی ہاں کہہ گئی تو وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا اور وہ بے چاری شرم میں ڈوب گئی۔ کترا کر جانے لگی تو ارمغان نے اس کا راستہ روک لیا۔

"بس......! ایک اور ہاں کا سوال ہے بابا......! ڈو یو لو می......؟"

اس کے سوال پر علیزہ نے اسے دیکھا مگر آنکھوں میں جانے کیا کچھ تھا کہ وہ زیادہ دیر اسے دیکھ نہیں پائی۔

"ہاں......!" اس کے شرمگیں لہجے میں آخری چھوٹی سی ہاں ارمغان کی زندگی رنگین کر گئی تو وہ اس کا ہاتھ تھامے گنگنانے لگا۔

"مل گئی مل گئی مجھ کو پیار کی منزل۔ اے اللہ......! تیرا شکریہ......!"

علیزہ شرم سے اسے دیکھ کر رہ گئی اور دور کھڑی وردہ اور شہلا ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا دیں۔

وجاہت اور ظفر پرانی باتیں مٹا کر نئے رشتے کا اعلان کرنا چاہتے تھے مگر وردہ غزین سے سخت خفا تھی ہر چند کہ وہ اس بات کو مانتی تھی کہ وجاہت نے غزین کو انتقام کے لیے کڈنیپ کر کے غلط کیا ہے اور اس کے ردعمل کے طور پر غزین کا رویہ بالکل درست تھا مگر پھر بھی غزین سے بہت ناراض تھی۔ وہ جہاں بھی ہوتا وہ کھسک جاتی اور غزین اس کی نظروں میں آنے کے لیے طرح طرح کے بہانے تراشتا رہتا اور وہ اسے مسلسل اگنور کر رہی تھی۔

"ہائے......! اُف...... مر گیا یار...... بہت تکلیف ہے، کسی ڈاکٹر کو بلاؤ......!" اس وقت وردہ تیار ہو کر ہاسپٹل جا رہی تھی کہ لاؤنج سے گزرتے ہوئے غزین اسے دیکھتے ہی چلایا تو ہنی بھاگی آئی۔

"کیا ہوا غزین بھیا......!"

"ارے......! ہونا کیا ہے......؟ بہت بڑے بڑے زخم ہیں دیکھو تو......!" غزین نے وردہ کے ناخنوں کے نشان دکھائے جو اس وقت غصے میں اسے وردہ نے مارے تھے۔

"ارے بھیا...... واقعی یہ تو خاصے زخم ہیں، یہ تو لگتا ہے جیسے کسی نے ناخن......"

"ارے ہاں...... خدا تمہارا بھلا کرے، ہو ناں آخر ڈاکٹر کی بہن، دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ کسی جنگلی جھگڑالو بلی کے پنجوں کے نشان ہیں۔ لگتا ہے زہر سارے جسم میں پھیل گیا ہے۔"

غزین کی شوخ نظریں وردہ پر تھیں جو نجانے کیا تلاش کر رہی تھی۔ ہنی غزین کی بات کا مطلب یوں بھی نہیں سمجھ پا رہی تھی کیونکہ غزین کے آنکھ اور ہونٹ کے قریب گہرے زخم کے نشان تھے، صاف لگ رہا تھا واقعی کسی بلی نے پنجے مارے ہیں۔ اسے واقعی ہمدردی ہونے لگی۔

"تو بھائی......! آپ نے دیر کیوں کی......؟ کسی ڈاکٹر کو دکھائیں ناں، کہیں جراثیم پھیل نہ جائیں۔"

"کیا پھیل نہ جائے......؟ ارے لڑکی...... خطرناک بلی کا زہر پورے بدن میں سرایت کر گیا ہے، اب تو بچنے کی امید بھی کم کم ہے۔ مجھے عشق کا لاگا روگ میرے بچنے کی نہیں امید۔" اپنی فائل تلاش کرتے وہ الماری کے قریب آئی تو غزین نے اسے سنانے کو کہا۔ اس نے کھا جانے والی نظروں سے گھورا تو وہ یک دم سہم جانے کی ایکٹنگ کرنے لگا۔

"باپ رے باپ......! بلی پھر غرا رہی ہے، مجھے اپنی آنکھیں اور چہرہ کہیں چھپا کر رکھ دینا چاہیے۔ ہاں، اس میں چھپا لیتا ہوں اپنا حسین چہرہ ورنہ بلی پھر ناخن مار دے گی۔"

غزین نے شرارت سے وردہ ہی کے آنچل میں چہرہ چھپا لیا تو ہنی ساری کہانی سمجھ گئی اور مسکراتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

"اوہ......! تو یہ بات ہے غزین بھیا......! آپ بھی ناں......!"

"جی......! یہی بات ہے ہنی بہنا......! آپ بھی ناں کم عقل ہیں، بالکل وردہ آپی پر پڑی ہیں عقل کے معاملے میں۔" وہ مسلسل وردہ کو دیکھتے ہوئے چھیڑ رہا تھا۔

"مجھے موضوع گفتگو بنانے کی ضرورت نہیں، چھوڑیے میرا دوپٹہ......!"

وہ سخت خفا تھی۔ اس نے غصے سے اپنا دوپٹہ کھینچا تو وہ خود بھی کھینچا چلا آیا۔

"دیکھا، کاٹن کے دوپٹے سے کھینچے چلے آئے سرکار آپ کے۔" وہ اسے منانے کے فل موڈ میں تھا۔

"غزین صاحب......! دوپٹہ چھوڑ دیجیے، مجھے ہاسپٹل سے دیر ہو رہی ہے۔" وہ کترا کر آگے بڑھی تو وہ پھر [illegible] گیا اور سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکا۔

"جب مریض گھر پر ہو تو ہاسپٹل جانے کی کیا ضرورت ہے......؟ اس مریض دل کے لیے بھی کوئی علاج تجویز ہو۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا شوخ ہو رہا تھا۔ اس نے اپنا دوپٹہ کھینچا۔

"ایک پڑیا زہر پھانک لیجیے، [illegible] افاقہ ہوگا۔" وہ تیزی سے آگے بڑھی۔ وہ پھر آگے آ گیا اور اپنے زخموں پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"اور...... اور ان زخموں کے لیے بھی [illegible] کچھ ارشاد ہو۔"

"[illegible] پر بھی چھڑک [illegible]"

[illegible] اٹھائی اور [illegible] آج اس کی ایوننگ تھی اور اب تین بج رہے تھے۔ وہ تیزی سے گاڑی کی طرف بڑھی تو وہ گاڑی کے بونٹ پر بیٹھ گیا۔

اس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ وہ بونٹ پر بیٹھا رہا تو اسے اُتارنے کے لیے وردہ نے زور سے بریک لگائے اور وہ اُچھل کر زمین پر آ رہا۔ کہنی چھل گئی اور خون بھی بہنے لگا۔ وہ غصے سے اُٹھا، گاڑی کا دروازہ کھولا اور وہ ذرا سا گھبرائی۔

"آ [illegible]......! ایکسیڈنٹ کیا ہے آپ نے، اس کی سزا تو آپ کو ہر صورت ملے گی۔ ارے......! [illegible] ہو کر ہلاکو خان بنی رہتی ہو......؟ کبھی منہ نوچتی ہو، کبھی گاڑی کے نیچے دینے کی کوشش کر کے کہنی زخمی کرتی ہو۔" وہ [illegible] انداز میں اسے گھور رہا تھا۔

"جو سزا سنانی ہے جلدی سنائیے......! مجھے دیر ہو رہی ہے۔" وہ دوبارہ گاڑی میں بیٹھنے لگی تو غزین نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔

"سزا کے طور پر آپ کو مجھ نالائق سے شادی کرنا ہوگی۔"

غزین کے لہجے میں بے تحاشا محبت تھی اور آنکھوں میں قندیلیں روشن تھیں۔ وہ ڈگمگا سی گئی پھر ہاتھ چھڑا کر پیچھے ہٹی۔

"ہرگز نہیں......! آپ دنیا کے آخری مرد بھی ہوتے تب بھی نہیں۔" وہ نظریں چرا کر بولی تو وہ مقابل آ کر

اس کا چہرہ اُوپر کر کے بولا۔

''کہا تو میں نے بھی ایک بار یہی تھا مگر ڈاکٹر وردہ وجاہت......! ہمارے تمام ارادوں کے باوجود ہوتا وہی ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اس لیے ہم نے تو اللہ کے حضور سر جھکا دیا ہے۔ آپ بھی اگر اس شخص کو چاہتی ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ......''

غزین آنکھیں بند کر کے اپنا ہاتھ اس کے سامنے پھیلا کر کھڑا ہو گیا تو وردہ اسے دیکھنے لگی۔ ماضی میں اس کا کردار، اس کی باتیں، حرکتیں، سب کتنا ناگوار گزرا کرتا تھا مگر بہت تلاش کے باوجود کوئی ایک لمحہ بھی ایسا نہیں ملا تھا جب اس نے غزین سے نفرت کی ہو۔ بدتمیز، خود سر سا یہ شخص دل کے آس پاس ہی رہا تھا اور جب اس کی حرکتوں کی وجہ بھی معلوم ہو گئی جس کی ایک خاص وجہ خود اس کے بابا تھے تو اس سے ساری ناراضگی یوں بھی ختم ہو گئی تھی۔ اب تو بس بلاوجہ کی ناراضگی اور چڑ تھی، اب وہ ایسا بھی تو نہیں کر سکتی تھی کہ کھٹ سے اپنی رضامندی دے دیتی مگر اب اتنا تنگ کرنے کے بعد تو یوں بھی وہ مان گئی تھی اور اس وقت جبکہ وہ آنکھیں بند کیے ہاتھ پھیلائے کھڑا تھا تو وہ کس دل سے ٹھکراتی اور یہ دل اسے کیسے ٹھکرانے دیتا جو صرف اور صرف غزین ہی کا طلبگار تھا۔ اس نے مسکرا کر اپنا نرم نازک ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا تو غزین جس کی دھڑکنیں کسی بھی ناگہانی کے خوف سے منتشر تھیں، اس نے آنکھیں کھول دیں اور اس کے ہاتھ کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔

''ہوں......اس کا مطلب ہے آپ بھی ہم سے محبت کرتی ہیں......؟'' وہ شوخ ہونے لگا۔

''جی......! دماغ تو میرا بھی خراب ہے ناں......!'' غزین کی نگاہوں کی شوخی وردہ کے رخساروں پر دھنک رنگ بن کر بکھر گئی، پلکیں جھک گئیں۔

''یا اللہ......تیرا شکر ہے......آخر ناک کی سیدھ میں آ گئی۔''

غزین نے آسمان کی طرف منہ کر کے کہا تو وہ اسے دیکھنے لگی۔ اسی وقت غزین نے اسے دیکھا اور اس کی شوخ ہنسی اطراف میں پھیل گئی۔

• • •